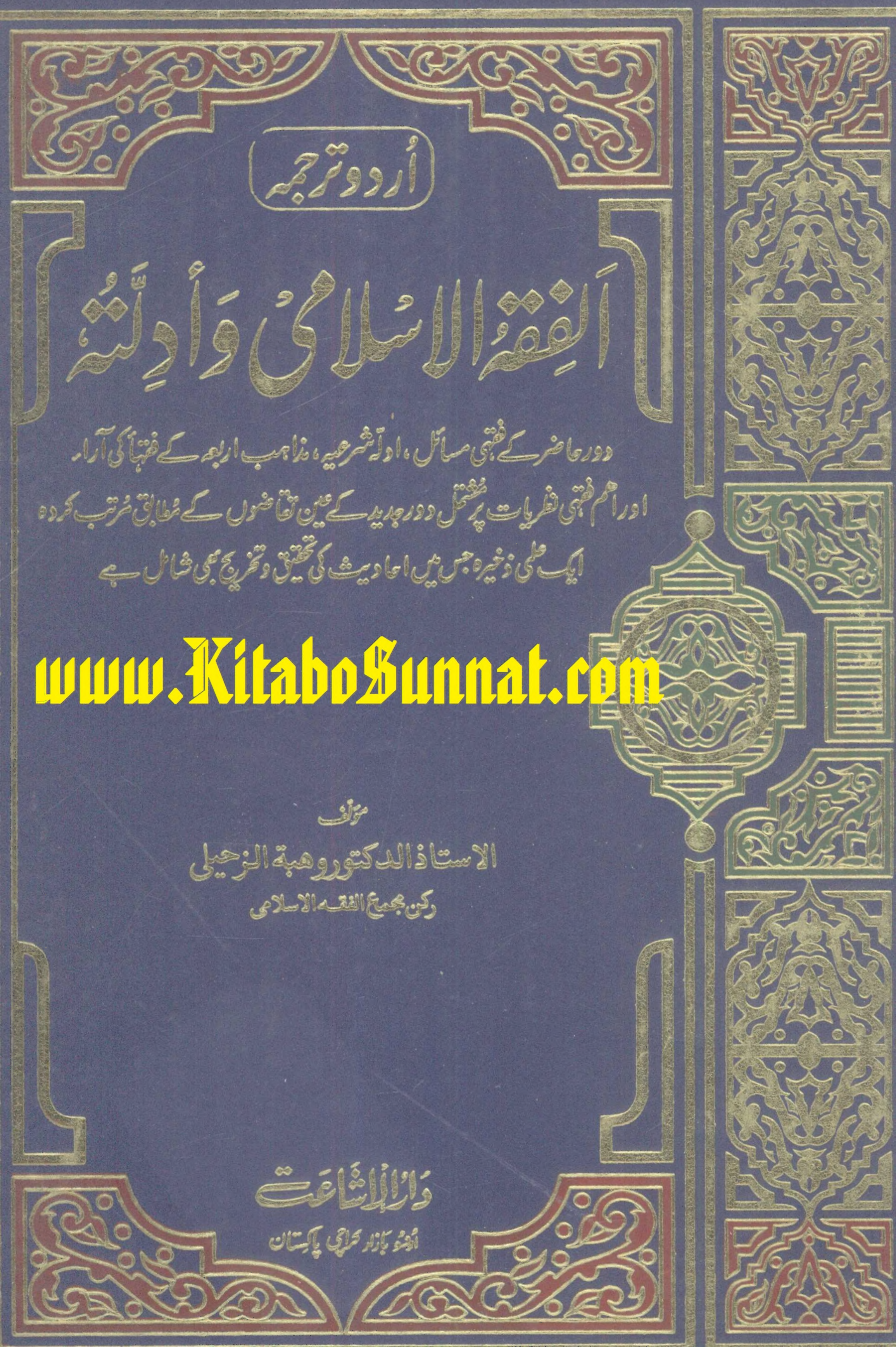


اردو ترجمہ
اَلفِقہُ الاسلامیُ وَأدِلّتہُ
دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلۂ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق و تخریج بھی شامل ہے
www.KitaboSunnat.com
مؤلف
الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی
رکن مجمع الفقہ الاسلامی
دار الاشاعت
اردو بازار کراچی پاکستان

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامیُ وَأدِلّتُہٗ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائی کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مُشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مُطابق مُرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

جلد پنجم

حصہ نہم و دہم

باب الزواج والطّلاق، باب حقوق الاولاد
باب الوصایا، باب الوقف، باب المیراث

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبة الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجمین

نہم
مولانا محمّد یُوسف تنولی
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دہم
مولانا عامر شہزاد صاحب
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

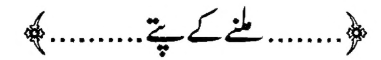


باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ



ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین......جلد نہم

عنوان	صفحہ

فہرست مضامین......جلد دہم

اصطلاحات

زواج.....شادی، نکاح۔

خطبہ.....پیغامِ نکاح۔

ناکح.....نکاح کا خواہشمند مرد۔

منکوحہ.....وہ عورت جس کے ساتھ عقدِ نکاح ہو۔

مخطوبہ.....جس عورت کے متعلق پیغام نکاح دیا گیا ہو۔

عاقدین.....نکاح کرنے والا مرد اور عورت، میاں بیوی۔

فضولی.....ایسا شخص جو مرد، عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کروادے۔

کفاءۃ.....ہمسری، برابری۔

کفو.....ہمسر، برابر۔

ولی.....لڑکی کا سرپرست۔

مولی عنہا.....وہ لڑکی جس کی سرپرستی کی جارہی ہو۔

مہر.....نکاح کی بنا پر عورت کی عصمت کے احترام کے طور پر دیا جانے والا مال۔

مہر مثل.....ایسا مہر جو عورت کے ددھالی خاندان کی عورتوں کا مقرر کیا جاتا ہو۔

مہر مسمی.....مقرر کیا ہوا مہر۔

مہر مؤجل.....ایسا مہر جو خاوند کے ذمہ واجب الاداء ہو۔

مہر معجّل.....ایسا مہر جو بوقت عقد ادا کر دیا جائے یا ادا کرنا لازم ہو۔

معتدہ.....وہ عورت جو عدت میں ہو۔

محرماتِ مؤبدہ.....ایسی عورتیں جن کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ نکاح کرنا حرام ہو۔

اصول.....باپ دادا، پردادا.....ماں، نانا، نانی۔

فروع.....اولاد، بیٹا، پوتا، پڑوتا۔ (پڑپوتا)

متعہ.....تحفہ کے طور پر مطلقہ کو دیا جانے والا سامان۔ متعہ کا اطلاق نکاح متعہ پر بھی ہوتا ہے۔

طلاق.....رشتہ و نکاح کو ختم کرنا

مطلق.....طلاق دہندہ۔

مطلقہ.....طلاق یافتہ عورت۔

مطلقہ ثلاث.....جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔

طلاق مغلظہ.....عورت کو تین طلاقیں دینا۔

طلاق بدعی......حیض میں طلاق دینا، یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا ہو۔

طلاق سنی......ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں عورت سے جماع نہ کیا ہو۔

طلاق رجعی......جس طلاق کے بعد رجوع کا حق رہے ایک یا دو طلاقیں رجعی ہوتی ہیں۔

طلاق کنائی......کنائی الفاظ جن کے دو معنی ہوں میں طلاق دینا۔

صریح طلاق......صاف واضح الفاظ یعنی لفظ طلاق کے ساتھ طلاق دینا۔

مبتوتہ......وہ عورت جو فسخ نکاح یا طلاق کی وجہ سے بائنہ ہوگئی ہو۔

رجعت......ایک یا دو طلاقوں کے بعد عورت کو پھر سے بیوی بنالینا۔

خلع......عورت سے کچھ مال لے کر رشتۂ نکاح ختم کرنا۔

مختلعہ......خلع یافتہ عورت۔

ایلاء......عورت کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھالینا۔

مولی......ایلاء کرنے والا۔

لعان......زوجین کا لعنت اور غضب الٰہی سے مربوط قسمیں کھانا۔

ظہار......عورت کو یا اس کے کسی عضو کو نسبی یا رضاعی محرم عورت کے ساتھ تشبیہ دینا۔

سکنی......رہائش، گھر جس میں عورت رہتی ہو۔

عدت......طلاق یا بیوگی کے بعد مخصوص ایام عورت کا انتظار میں بیٹھے رہنا۔

متوفی عنہا......وہ عورت جس کا خاوند مر گیا ہو۔ بیوہ۔

احداد (سوگ)......بیوہ کا زیب و زینت ترک کردینا۔

استبراء......باندی یا ایسی عورت جس سے وطی بالشبہ ہوئی ہو یا نکاح فاسد میں وطی ہوئی ہو کا اپنے رحم کو غیر کے نطفہ سے پاک کرنے کے لئے ایک یا دو حیض گزارنا۔

چھٹی قسم......شخصی حالات

بحث کالائحہ عمل......یہ قسم چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب......نکاح اور اس کے اثرات۔

دوسرا باب......نکاح کا خاتمہ اور اس کے اثرات جس کے بارے میں چار فصلیں، طلاق، خلع، عدالتی کارروائی اور عدت کے بارے میں ہیں۔

تیسرا باب......اولاد کے حقوق یعنی نسب، رضاعت، پرورش، سرپرستی، بیوی اور بچوں کے اخراجات۔

چوتھا باب......وصیتیں۔

پانچواں باب......وقف

چھٹا باب......میراث یا فرائض۔

شخصی حالات سے کیا مراد ہے۔ شخصی احوال ایک اجنبی قانونی اصطلاح ہے جس کے مقابلہ میں شہری حالات اور شہری معاملات اور جنایات کی قسم ہے۔ جامعات (یونیورسٹیوں) میں یہ اصطلاح مشہور ہے۔ اور خاندانی احکام میں تالیف کا عنوان بن گیا ہے۔ جن سے مراد وہ احکام ہوتے ہیں جو انسان کا تعلق شادی کے ذریعہ اس کے خاندان سے جوڑتے اور اختتام میں ترکوں یا میراث کے تصفیہ کے ذریعہ ملاتے ہیں جو مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہیں۔

۱۔ اہلیت، اختیار اور کم سن کے بارے میں وصیت کے احکام، ہم نے فقہی نظریات میں ان پر بحث کی ہے۔

۲۔ منگنی، شادی، زوجین کے مہر اور خرچ کے حقوق، اولاد کے نسب رضاعت، اخرجات، خاوند کے ارادے سے شادی کا اختتام جیسے طلاق اور خلع یا عدالتی جدائی سے جیسے ایلاء، لعان اور ظہار، عیب، عدم موجودگی، نقصانات اور خرچ نہ ملنے کی صورت میں جدائی وغیرہ کے عائلی احکام۔

۳۔ میراث، جسے فقہ میں فرائض کہا جاتا ہے کے خاندان کے مالی احکام، وصتیں اور اوقاف (وقف شدہ اموال) جنہیں موت کے بعد والی زندگی میں تصرف شمار کیا جاتا ہے۔

مصر میں عدالتی قانون میں آرٹیکل (۱۳) نے نمبر (۱۴۷) ۱۹۴۹ء کے سال کے لیے شخصی احوال میں شمار ہونے والی چیزوں کی حدود بندی کی ہے اور یہ سابقہ تین گروپ ہیں۔ شخصی حالات کے قوانین، شام، تیونس، اردن، عراق مغرب اقصی میں صادر ہوئے جو شادی اہلیت اور کم سن کے بارے میں وصیت اور میراث کے احکام کو شامل ہیں۔ البتہ عراقی قانون سنی شیعہ دو مذہبوں کے احکام پر مشتمل ہے شخصی حالات کے تمام احکام کا ضامن نہیں۔ جو مذہب شیعہ کے احکام کے علاوہ، فقہ حنفی کے مطابق قدری پاشا کی کتاب الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ کا اختصار ہے۔ ۱۹۴۳ء مصر میں میراث کے متعلقہ اور ۱۹۴۶ء وقف کے متعلق، ۱۹۴۶ء وصیت کے متعلقہ خصوصی قوانین صادر ہوئے اور آخر میں ۷۰ کی دہائی میں شخصی حالات کا قانون صادر رہوا۔

الباب الاول.....نکاح اور اس کے اثرات

اس کی سات فصلیں ہیں۔

فصل اول.....نکاح سے قبل معاملات، ایک نظر دیکھنا اور منگنی (پیام نکاح)

فصل ثانی.....نکاح کرنا، اس کا مطلب اور حکم، اس کے ارکان، شرطیں، قسمیں، ہر قسم کا حکم جو اس میں مستحب ہے۔

فصل ثالث.....حرام کردہ یا محرم عورتیں۔

فصل رابع.....اہلیت، اختیار اور شادی میں وکیل بنانا۔

فصل خامس.....نکاح میں کفو۔

فصل سادس.....نکاح کے اثرات، مہر اور اس کے احکام، خلوت اور اس کے احکام، طلاق کے بعد یا صحبت سے پہلے مادی سامان۔

فصل سابع.....نکاح کے حقوق اور اس کے واجبات۔

ہم ان فصلوں پر مذہب کے بارے میں تبعاً بحث کریں گے۔

الفصل الاول: شادی سے پہلے امور:

خِطبہ (پیام نکاح) اس کا معنی، حکمت، اقسام، خطبہ پر مرتب ہونے والے امور، پیام پر پیام، جس عورت کو پیام دیا جارہا ہے اس کے لوازمات، کس عوت کو پیام نکاح بھیجنا مباح ہے، عدت گزارنے والی عورت کو پیام، جس عورت کو پیام بھیجا اسے دیکھنا، کتنی مقدار دیکھنا مباح ہے، دیکھنے کا وقت اور اس کی شرط، جسے پیام بھیجا اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے کی حرمت، پیام نکاح سے اعراض اور اس کے اثرات۔

اول: شادی سے پہلے کے امور.....ابن [1] رشد نے شادی سے پہلے کے چار امور ذکر کیے ہیں جو شرعاً شادی کا حکم، نکاح کے خطبہ کا حکم، پیام پر پیام بھیجنا، شادی سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنا ہیں۔ ہم پہلے دو امور سے متعلق بحث شادی کی تکوین کی بحث میں کریں گے۔ رہے آخری دو امور تو ان کی بحث کا مقام یہی ہے۔

شریعت نے ان مقدمات کا اہتمام اس لیے کیا ہے تا کہ شادی کو مضبوط ترین بنیاد اور طاقت ور مبادی (جہاں سے ابتداء کی جائے) پر استوار کیا جائے تا کہ اس سے انتہائی خوشی اور راحت ثابت ہو۔ جو دوام اور بقاء اور خاندان کی سعادت، ٹھہراؤ اور اندرونی بگاڑ کو روکنا اور اس تعلق کی جھگڑے اور اختلاف سے حفاظت کرنا ہے تا کہ اولاد ہر طرح کے اطمینان، محبت والفت کی فضا میں پل بڑھ سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس میں سے جوڑے بنائے تا کہ ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت ومہربانی رکھ دی بیشک اس میں غور کرنے والی قوم کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔

دوم: خطبہ کا معنی.....کسی مخصوص عورت کے ساتھ نکاح کی رغبت کا اظہار کرنا اور اس عورت یا اس کے سرپرست کو اس کی اطلاع کرنا ہے۔ کبھی یہ اطلاع نکاح کا پیام دینے والے سے خود یا کبھی اس کے اہل خانہ کے واسطے سے ہوتی ہے۔ پھر اگر مخطوبہ یا اس کے گھر والے موافقت کرلیں یعنی رشتہ قبول کرلیں تو ان دونوں کے درمیان خطبہ (منگنی) مکمل ہو گیا، اس پر اس کے شرعی احکام واثرات مرتب ہوتے ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے۔

[1].....بدایة المجتهد ۲/۲

سوم: خطبہ (پیام) کی حکمت...... پیام نکاح، شادی سے پہلے کے دیگر امور کی طرح جانبین کے درمیان تعارف کا ذریعہ ہے اس لیے کہ یہی اخلاق وعادات، طبیعتوں اور میلانوں کو پرکھنے کا راستہ ہے لیکن اتنی مقدار کی رعایت سے جس کی شرعاً اجازت ہے وہ کافی ہے پس جب باہمی ملاقات اور جواب سوال پایا گیا تو شادی کا اقدام ممکن ہے جو زندگی میں ہمیشہ کا رابطہ ہے اور طرفین کو اس حد تک اطمینان ہو جائے کہ دونوں کے لیے سلامتی، امن، سعادت، اتحاد، تسلی اور محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا ممکن ہو، یہ وہ اہداف ہیں جن کی ترغیب بھرپور نوجوان لڑکوں، لڑکیوں اور ان کے بعد اہل خانہ کو دی گئی ہے۔

چہارم: پیام نکاح کی اقسام...... پیام یا تو صراحتاً اس میں رغبت کے اظہار سے ہوگا۔ مثلاً پیام بھیجنے والا کہے: میں فلانی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یا ضمناً اس کا مفہوم سمجھ آ رہا ہو یا اشارے کنائے سے براہ راست اس عورت سے خطاب کر کے کہا جائے: آپ شادی کے لائق ہیں یا جس کی قسمت میں آپ جائیں گی وہ بڑا سعادت مند ہوگا مجھے آپ جیسی لڑکی کی تلاش ہے وغیرہ۔

پنجم: منگنی پر مرتب ہونے والے امور...... منگنی محض شادی کا وعدہ ہے لیکن بذات یہ کوئی شادی ❶ نہیں، کیونکہ شادی، مشہور عقد کے انعقاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، لہٰذا (منگنی کی وجہ سے) دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہیں گے، مرد صرف اتنی مقدار سے مطلع ہو سکتا ہے جو شرعاً مباح ہے اور وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں جیسا کہ بیان ہوگا۔

شخصی احوال کے قانون سوری (م ۲) نے مندرجہ ذیل صراحت کی ہے: منگنی، وعدہ شادی، سورۃ فاتحہ کا پڑھنا، مہر پہ قبضہ کرنا اور ہدیہ قبول کر لینے سے شادی نہیں ہوتی۔

ششم: (کسی کے) پیام نکاح پر پیام بھیجنا...... اسی طرح منگنی پہ یہ احکام مرتب ہوتے ہیں کہ کسی عورت کو پہلے کسی نے پیام نکاح بھیجا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس کا پیام مکمل ہو گیا ہے تو کسی اور کو پیام بھیجنا حرام ہے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلے پیام نکاح کے ہوتے ہوئے پیام بھیجنا حرام ہے جب رشتہ قبول ہونے کی صراحت معلوم ہو جائے اور پہلا شخص اجازت نہ دے اور پیام ترک نہ کرے۔ اگر اسی حالت میں دوسرے شخص نے پیام بھیجا اور شادی کر لی تو اس نے نافرمانی کی۔ اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم میں سے کوئی بھی اپنے (مسلمان) بھائی کے سودے پہ سودا نہ کرے ❷ اور نہ اپنے بھائی کے پیام پہ پیام بھیجے الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔'' ❸

اور بخاری کی روایت میں ہے:

اس کی ممانعت ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے سودے پہ سودا کرے یا اپنے بھائی کے پیام نکاح پہ نکاح کا پیام بھیجے، یہاں تک کہ پہلے پیام بھیجنے والا ارادہ ترک کر دے یا اسے اجازت دے دے۔ ❹ اس لئے یہ نہی رشتہ مکمل ہو جانے کے بعد پہلے منگنی کرنے والے کے پیام پر دوسرے پیام کے حرام ہونے کے بارے میں صریح ہے اس واسطے کہ اس میں پہلے شخص کی تکلیف، اس کی عداوت کا سبب اور اس کے دل میں کینے کا بیج بونے کے مترادف ہے۔ پھر اگر فریقین میں سے کوئی ایک اعراض کرے یا کسی دوسرے کو پیام دہی میں پہل کرنے کی اجازت دے دے تو یہ جائز ہے۔

---

❶ ......لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر چیز کو مباح اور جائز کر دیتا ہے محض غلط اور منکر قبیح ہے اور احکام دین سے ناواقفی اور جہالت ہے یہ سارا صرف وعدہ ہے عقد نہیں عقد اکیلا ہی ہر اس چیز کو مباح کرتا ہے جو پہلے حرام تھی۔ ❷ لیکن اس سے بولی کی خرید و فروخت مستثنیٰ ہے لہٰذا وہ ممنوع نہیں (سبل السلام ۲/ ۲۳) ❸ رواہ احمد ومسلم عن ابن عمر (نیل الاوطار ۱۶۷۔۱۶۸، سبل السلام ۳/ ۲۲۔ ۲۳، ۱۱۳) ❹ رواہ ایضاً ابن خزیمہ وابن الجارود والدارقطنی۔

بہر حال جب پہلا پیام نکاح مکمل نہ ہوا ہو بلکہ معاملہ ابھی تک مشورے اور تردد کی حالت میں ہو تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ حرام نہیں۔ لیکن احناف کے ہاں پیام نکاح بھیجنا مکروہ ہے، جس کی وجہ وہ مطلق احادیث ہیں جو دوسرے کے پیام پر پیام بھیجنے اور خریداری پر خریداری کرنے اور سودے پر سودا کرنے کی ممانعت کے بارے میں ہیں یعنی بیع پہ اتفاق کے بعد اور عقد سے پہلے۔

جمہور نے دوسرے پیام نکاح کو مباح قرار دیا ہے کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ کے خاوند ابوعمرو بن حفص بن المغیرہ نے جب انہیں طلاق دے دی تو مدت گزرنے کے بعد انہیں حضرت امیر معاویہ، ابوجہم بن حذافہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پیامات بھیجے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ساری صورتحال عرض کرنے لگیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی نیچے نہیں رکھتا، اور معاویہ نادار ہے۔ جس کے پاس کوئی مال (فی الحال) نہیں البتہ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو ❶ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک عورت نے پیام قبول نہ کیا ہو تو ایک سے زیادہ افراد پیام نکاح بھیج سکتے ہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے جب پیام بھیجنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس عورت کو اس سے پہلے کسی نے پیام بھیجا ہے، جس سے پہلی رائے کا وزنی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بہر کیف ادب اسلامی ہر حال میں تاخیر کا تقاضا کرتا ہے یہاں تک کہ تردد اور باہمی مشاورت اور تبادلہ خیال کا وقت ختم ہو جائے جو عموماً پیدا ہوتے ہیں تا کہ لوگوں میں محبت و دوستی کا تعلق باقی رہے اور دلوں میں کینوں اور عداوتوں کے بیج بونے سے دوری ہو۔

ہفتم: **جس عورت کو پیام دیا جاتا ہے اس کے لوازمات**...... اسلام نے حسن اختیار پر بھروسہ کرتے ہوئے شادی کے دوام کی ترغیب دی ہے وہ بنیادی قوت جو صاف دلی، اتحاد، سعادت اور اطمینان کو ثابت کرتی ہے تو دین اور اخلاق کے ذریعے ہے دین عمر کے گزرنے کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔

اور اخلاق زمانے کی رفتار اور زندگی کے تجربات سے پختہ ہوتے ہیں۔ رہی دوسری اقدار جن کو عموماً لوگ ترجیح دیتے ہیں جیسے مال، خوبصورتی اور عالی نسبی تو ان کا اثر وقتی ہوتا ہے، ہمیشہ کے تعلق کو ثابت نہیں کر سکتیں اکثر یہ امور باہمی مفاخرت اور ایک دوسرے سے اونچا ہونے یا دوسروں کو اپنی جانب کھینچنے اور ان کی نظریں اپنی طرف پھیرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: چار امور کی وجہ سے عورت سے شادی کی جاتی ہے۔ اس کے مال حسب، جمال اور دین کی وجہ سے اللہ تجھے کامیاب کرے دین دار کے ذریعے کامیاب ہو۔" ❷ یعنی جن امور کی بنا پر عموماً شادی کی رغبت دلائی جاتی اور مردوں کو اس کی طرف بلایا جاتا ہے وہ ان چار خصلتوں میں سے ایک ہے ان میں سے سب سے آخری خصلت ان کے نزدیک دین دار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ جب دین دار عورت مل جائے تو اس سے اعراض نہ کریں، ورنہ مرد کو افلاس اور فقر وفاقہ کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پھر صراحتاً دین نہ ہونے کی وجہ سے عورت سے شادی کرنے سے منع کیا ہے اور مال و جمال کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا: عورتوں کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو شاید وہ انہیں ہلاکت میں ڈال دے اور نہ ان کے مال کی وجہ سے نکاح کرو شاید وہ انہیں سرکش بنادے ہاں دین کی وجہ سے کرو یقیناً سیاہ فام بے وقوف اور دیندار باندی افضل ہے۔ ❸

بہترین عورتوں کے بارے میں وارد ہے۔ کسی نے عرض کی: اللہ کے رسول: کونسی عورت بہترین ہے؟ آپ نے فرمایا:

"جب دیکھے تو خوش ہو خاوند اسے حکم دے تو اس کی بات مانے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ایسی مخالفت نہ کرے جو خاوند کو ناپسند ہو۔ ❹

---

❶...... رواہ مسلم عن فاطمة بنت قیس، یہ قریشی خاتون اور ضحاک بن قیس کی بہن تھیں، مہاجرات اولین سے تھیں اور حسن و جمال اور فضل و کمال والی خاتون تھیں (سبل السلام ۳/۱۲۹) ❷ متفق علیه بین اصحاب الکتب السبعه (احمد و الکتب السته عن ابی هریرة۔ حسب سے مراد آدمی اور اس کے آباؤ اجداد کا اچھا کارنامہ ہے۔ ❸ اخرجه ابن ماجه والبزار والبیهقی من حدیث عبدالله بن عمرو مرفوعاً (حواله سابقه)
❹ اخرجه النسائی و احمد عن ابی هریرة رضی الله عنه (حواله سابقه)

ماحول کی بڑی تاثیر ہے لہٰذا نو جوانوں کو گھٹیا تربیت والے ماحول میں خوبصوتی کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ دار قطنی اور دیلمی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار خضراء الدمن سے بچنا: لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول: خضراء الدمن سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: برے گھرانے میں خوبصورت عورت لیکن الدار قطنی کا کہنا ہے: کسی سند سے صحیح نہیں۔

عورت کو اختیار اور پسند کرنے کی خوبی کے دو ہدف ہیں: مرد کو خوشحال بنانا اور اولاد کی ایسی اچھی تعمیر و تربیت کرنا جو استقامت اور حسن اخلاق سے نمایاں ہو اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نطفوں کے لئے چناؤ کیا کرو۔ پس اپنے برابر کے لوگوں میں رشتہ لو اور دو۔ ❶ جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ ❷ نے وضاحت کی ہے پیام رسیدہ خاتون کے لوازمات کا خلاصہ یوں بیان کرنا ممکن ہے وہ فرماتے ہیں مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱......عورت دیندار ہو جس کی وجہ سابقہ حدیث ہے جس میں ہے دیندار کو اختیار کرو۔

۲......زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ حدیث میں ہے: زیادہ محبت کرنے اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو اس لیے کہ میں قیامت کے دن تمہاری وجہ سے کثرت کا اظہار دوسری امتوں کے مقابلہ میں کر سکوں گا ❸ باکرہ عورت کا زیادہ بچے جننے کا پتہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے خاندان کے ہاں کثرت سے اولاد ہوتی ہے۔

۳......کنواری ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا:

کیا کوئی کنواری عورت نہ مل سکی جس سے تم دل بہلاتے اور وہ تم سے محظوظ ہوتی۔ ❹

۴......اس کا تعلق دین وقناعت میں مشہور گھرانے سے ہو کیونکہ یہ اس کی قناعت اور اس کے دین کی موجودگی کا سبب ہے۔

۵......وہ حسب والی ہو جو نسب والی ہوتی ہے یعنی اصل کے اعتبار سے اچھی ہو تا کہ اس کی اولاد شریف ہو کیونکہ بعض دفعہ بچہ اس کے خاندان کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کے مشابہ ہو جاتا ہے حدیث میں ہے عورت کے حسب کی وجہ سے نکاح کرو۔ حرام زادی اور راہ سے ملی ہوئی اور جس کے باپ کا پتہ نہ ہو سے شادی کرنا مناسب نہیں یعنی اس وقت شادی کرنا مکروہ ہے۔

۶......خوبصورت ہو ایک تو دل کو سکون رہے گا دوسرا نگاہ کی حفاظت ہوگی، اور صحبت کامل ہوگی اسی بنا پر شادی سے پہلے دیکھنا جائز ہے اور حضرت ابوہریرۃ کی سابق حدیث کی وجہ سے: کسی نے عرض کی: اللہ کے رسول: کونسی عورت بہترین ہے؟ لیکن شافعیہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر خوبصورت عورت سے شادی کرنا مکروہ ہے۔

۷......اجنبی ہو قریبی رشتہ دار نہ ہو، اس لئے کہ اس کا بیٹا زیادہ شریف ہوگا۔ بقول بعض: اجنبی عورت زیادہ شریف اور چچازادیاں زیادہ صبر کرنے والے بچے جنتی ہیں۔ چونکہ طلاق سے مامون و محفوظ نہیں۔ لہٰذا رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلقی کی نوبت آجاتی ہے جسے جوڑنے کا حکم ہے اس لئے رافعی نے وسیط کی پیروی میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے: انتہائی قریبی عورت سے شادی نہ کرو کیونکہ بچہ کمزور پیدا ہوگا اور یہ شہوت کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔

۸......ایک سے پاکدامنی نصیب ہو جائے تو اس پہ اضافہ نہ کرے کیونکہ اس صورت میں حرام کے ارتکاب کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

---

❶......ایک حدیث ہے جسے حاکم نے بحوالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحیح کہا ہے حاکم، ابن ماجہ بیہقی اور دار قطنی نے اسے نقل کیا ہے۔ ابو حاتم الرازی اس کے متعلق کہتے ہیں: اس کی کوئی اصل نہیں اور ابن الصلاح کا قول ہے۔ اس کی کئی اسانید ہیں جن میں کلام ہے۔ ❷ کشاف القناع ۵/۷۔۸ مغنی المحتاج ۳/۱۲۶ الشرح الصغیر ۲/۳۴۱ ❸ رواہ سعید بن منصور فی سننہ وابو داؤد النسائی و الحاکم وصحح اسنادہ عن معقل بن یسار۔ ❹ متفق علیہ۔

ارشادعالی ہے:

تمہیں کتنی ہی حرص ہوتم عورتوں میں ہرگز انصاف نہ کرسکو گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے: جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہوجائے تو قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ جھکا ہوا ہوگا❶ ایسی عورت سے شادی کرنا مکروہ ہے جو زنا میں مشہور ہوا گرچہ زنا ثابت نہ ہو۔

ہشتم: کس عورت کو پیام نکاح بھیجنا مباح اور جائز ہے

پیام نکاح...... جیسا کہ واضح ہے۔شادی کا مقدمہ اور اس کا وسیلہ ہے اگر شادی اس عورت سے ہو جو شرعاً ممنوع ہے تو اس کو پیام دینا بھی ممنوع ہوگا اور جب اس کے ساتھ شرعاً شادی کرنا جائز ہو تو اسے پیام بھیجنا بھی جائز ہوگا۔کبھی کبھار وقتی طور پر شرعی ممانعت پائی جاتی ہے جو پیام اور شادی کے لیے مانع ہوتی ہے۔اسی بنا پر پیام کے مباح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط کہ اس عورت سے شرعاً شادی کرنا حرام❷ نہ ہو...... بایں طور کہ وہ عورت ان محرمات سے تعلق رکھتی ہو جو ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔جیسے بہن، پھوپھی، اور خالہ، یا وقتی حرام ہوں جیسے بیوی کی بہن (جبکہ بیوی حیات ہو) کسی اور کی بیوی۔اس لیے کہ ہمیشہ کے حالات میں اولاد کو نقصان ہے اور اجتماعی ضرر ہے اور وقتی میں جھگڑا اور فساد ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کو پیام نکاح دینا...... وقتی حرمت کے حالات میں سے یہ ہے کہ عورت عدت گزار رہی ہو،❸ یعنی سابقہ خاوند کی عدت میں ہو اس لئے کہ باتفاق علماء مطلقہ عدت گزارنے والی عورت کو صراحتاً پیام بھیجنا یا وعدہ کرنا حرام ہے خواہ عدت وفات کی وجہ سے ہو یا عدت طلاق کی بنا پر پھر طلاق رجعی ہو یا بائن۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے:

جو پیام نکاح تم عورتوں کو اشارتاً دو یا اپنے سینوں میں چھپائے رکھو اس میں تم پہ کوئی (حرج) نہیں، اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم ان کا ذکر کرو گے ہی لیکن ان سے خفیہ کوئی عہد و پیمان نہ کرنا، ہاں یہ کہ اچھی بات کہو۔

تصریح...... جو شادی کی رغبت کو یقینی بنائے جیسے میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور جب آپ عدت پوری کر چکیں گی تو میں آپ سے شادی کرلوں گا۔صراحت کے ساتھ پیام نکاح کی حرمت کا سبب یہ ہے: کہ وہ اختتام عدت میں بعض دفعہ میں جھوٹ بول لیتی ہے، نیز اسے پیام دینے میں طلاق دینے والے کے حق پہ زیادتی ہے اور دوسرے کا حق مارنا شرعاً حرام ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، رہا اشارتاً پیام بھیجنا تو وہ ایسی بات ہوتی ہے جس سے مقصود سمجھ آتا ہے صراحت اس میں نہیں ہوتی ہدیہ دینا اسی میں شمار ہوتا ہے۔یا کوئی ایسا انداز جس سے شادی کی رغبت یا عدم رغبت کا احتمال ہو مثلاً وہ شخص اس عورت سے کہے: آپ خوبصورت ہیں۔کئی لوگ آپ کی چاہت رکھتے ہیں، آپ جیسی کسے ملے گی، آپ سے اعراض نہیں کیا جاسکتا، امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے نیک خاتون میسر کرے یا اس طرح کی کوئی اور بات۔

الف: اگر عدت کا باعث خاوند کی وفات ہو...... تو باتفاق فقہاء پیام نکاح دینا جائز ہے کیونکہ وفات کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہوگیا، لہٰذا ایسی عورت کو پیام بھیجنے میں خاوند کے حق پہ زیادتی نہیں اور نہ اس کا نقصان ہے۔

---

❶......رواه الخمسة (احمد و اصحاب السنن الاربع)❷ البدائع ۲/۲۵۶۔۲۶۸ ❸الدر المختار ۲/۳۸۰، ۸۳۸، ۷۳۸، احکام القرآن للجصاص ۱/۲۲۲، البدائع ۲/۲۶۸، مختصر الطحاوی ص ۱۷۸ الشرح الصغیر ۲/۳۴۳، القوانین الفقهية ص ۲۰۵، المهذب ۲/۴۷ مغنی المحتاج ۳/۱۳۵ کشاف القناع ۵/۱۷

ب: اگر عدت کا سبب طلاق ہو......تو دیکھا جائے گا اگر طلاق رجعی ہے تو باتفاق فقہاء پیام بھیجنا حرام ہے اس واسطے کہ جس نے اسے طلاق دی ہے دوران عدت اس سے رجوع کرنے کا حق ہے اس بنا پر اسے پیام دینے میں دوسرے کے حق پہ زیادتی ہے کیونکہ وہ بیوی ہے یا بیوی کے معنی میں ہے اگر طلاق بائن بینونت صغریٰ کے ساتھ ہو یا بینونت کبریٰ کے ساتھ، ایسی عدت گزارنی والی عورت کو پیام نکاح دینے میں دو رائے ہیں۔

احناف کی رائے...... پیام نکاح کی حرمت: کیونکہ بینونت صغریٰ میں اسے طلاق دینے والے کو عدت گزرنے سے پہلے دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ وہ عدت کے بعد عقد کر سکتا ہے اگر اسے پیام دینا مباح قرار دیا جائے تو اس صورت میں اس کے حقوق پر زیادتی ہے اور اسے دوبارہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت ہے جیسے وہ عورت جسے طلاق رجعی ملی ہو۔

رہا بینونت کبریٰ کی صورت میں، تو عدت میں اشارتاً پیام نکاح بھیجنا بھی ممنوع ہے تاکہ عورت اپنی عدت کے اختتام میں جھوٹ نہ بولے، اور کہیں یہ گمان نہ پیدا ہو جائے کہ یہی پیام بھیجنے والا شخص سابقہ خاوند کے تعلقات کو ختم کرنے کا سبب تھا۔ رہی یہ آیت تم پہ کوئی حرج نہیں کہ تم اشارہ سے پیام نکاح بھیجو تو یہ ان عورتوں کے ساتھ خاص ہے جو عدت وفات گزار رہی ہوں جس کی دلیل سابقہ آیت ہے اور جو لوگ فوت ہو جائیں۔

جمہور کی رائے...... پیام نکاح بھیجنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت عام ہے۔ تم پہ اس میں کوئی حرج نہیں جو تم پیام نکاح اشارتاً بھیجو اور یہ ارشاد" الا یہ کہ تم بھلی بات کہو" یعنی اس سے وعدہ نہ کرو، ہاں صراحت کے بجائے اشارتاً پیام بھیج سکتے ہو۔ دوسرے طلاق بائن کی وجہ سے خاوند کا تسلط و غلبہ ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طلاق بائن اپنی دونوں قسموں سمیت رابطہ زوجیت کو ختم کر دیتی ہے۔ اس بنا پر ایسی عورت کو اشارتاً پیام بھیجنے میں طلاق دینے والے کے حق پہ زیادتی نہیں تو یہ عورت وفات کی وجہ سے عدت گزارنے والی کے مشابہ ہو گئی۔

بینونت کبریٰ میں جمہور کے مذہب کو راجح قرار دیا گیا ہے کیونکہ خاوند کے دل میں کسی قسم کا کینہ نہیں ہو گا اس نے طلاق کی حد مکمل کر لی، اور بینونت صغریٰ میں احناف کا مذہب راجح قرار دیا گیا ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ اگر دوران عدت عقد ہوا اور خاوند نے اس سے صحبت بھی کر لی تو بالاتفاق شادی فسخ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور امام مالک، احمد اور شعبی کے نزدیک یہ حرمت ہمیشہ رہے گی۔ لہٰذا اس عورت سے اس شخص کا ہمیشہ کے لئے نکاح حلال نہیں ہو گا، اسی کا حضرت عمر نے فیصلہ کیا تھا کیونکہ اس شخص نے حرام چیز کو حلال سمجھا ہے اس لئے اسے اس سے محرومی کی سزا دی گئی ہے جیسے (اپنے رشتہ دار کو) قتل کرنے والے کو مقتول کی میراث سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔

احناف اور شافعیہ کا کہنا ہے...... نکاح فسخ ہو جائے گا پھر جب عدت گزر جائے تو اس خاوند کے لیے دوسری بار پیام بھیج کر نکاح کرنا جائز ہے حرمت ہمیشہ کے لیے نہیں ہو گی، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ وہ عورت حرام نہیں البتہ جب حرمت کی کوئی دلیل کتاب وسنت یا اجماع سے ثابت ہو اور یہاں اس قسم کی کوئی دلیل ہے نہیں۔

دوسری شرط: پیام رسیدہ عورت کو پہلے کسی اور کی طرف سے پیام نہ پہنچا ہو...... کیونکہ جس عورت کو پیام مل چکا ہو اسے پیام نکاح بھیجنا حلال نہیں [1] جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے:

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے پیام پہ پیام نہ بھیجے یہاں تک کہ پہلے پیام بھیجنے والا ارادہ ترک کر دے یا اجازت دے دے' ہم نے قانون کی سابقہ چھٹی دفعہ میں پیام پہ پیام کی بحث میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

---

[1]...... مختصر الطحاوی ص ۱۷۸، المهذب ۴۷/۲ القوانين الفقهية ص ۲۰۵ الشرح الصغير ۳۴۲/۲، المغنى ۶۰۷/۶

ظاہر نہی اس حدیث اور دوسری احادیث میں حرمت پہ دلالت کرتی ہے کیونکہ انسان کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے لہٰذا اس کا تقاضا حرمت کا ہے جیسے کسی کا مال کھانے اور اس کا خون بہانے کی ممانعت۔ اگر اس نے ایسا کرلیا تو جمہور کے نزدیک اس کی شادی صحیح ہے البتہ وہ گنہگار ہوگا جمہور کے نزدیک خاوند بیوی میں تفریق نہیں ہوگی۔ جیسے عدت میں پیام دینا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہی نفس عقد کی جانب متوجہ نہیں بلکہ اس کی حقیقت سے خارج ایک چیز کی طرف متوجہ ہے۔ جس سے عقد کے باطل ہونے کا تقاضا نہیں ہوتا جیسے غصب شدہ (چھینے ہوئے پانی سے وضو کرنا)۔

امام مالک اور داؤد سے مروی ہے کہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ ایسا نکاح ہے۔ جس سے منع کیا گیا ہے لہٰذا یہ باطل ہوگا جیسے نکاح شغار (ادلے بدلے کی شادی جس میں خود ایک عورت دوسری کی عوض مہر ہوتی ہے بذات خود الگ سے مہر نہیں ہوتا، جاہلیت میں ایسا نکاح ہوتا تھا المصباح المنیر للفیومی) مالکیہ کے ہاں معتبر یہ ہے کہ جب حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہو اور اس کے سامنے گواہ یا اقرار سے پیام دی جانے والی عورت سے عقد ثابت ہوجائے تو اسے دخول سے پہلے طلاق بائن کے ذریعے فسخ کرنا واجب ہے۔

نہم: جسے پیام نکاح دیا ہے اسے دیکھنا

اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے...... بڑی عمر والے بالغ شخص کا خواہ وہ بوڑھا اور صحبت کرنے سے عاجز ہو، عقلمند صاحب اختیار ہو۔

اگرچہ بغیر شہوت کے ہو یا فتنہ کے نہ ہونے کے وقت اجنبی عورت (غیر محرم) کے پردہ کے مقام کو دیکھنا حرام ہے، (عورۃ) پردہ کا مقام چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارا بدن ❶ ہے اس لئے کہ نظر فتنے کا سبب ہے اور شہوت کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور (اس کے ذریعے) اپنی شرمگاہوں کو (حرام میں مبتلا ہونے سے) محفوظ رکھیں، یہ (طریقہ) ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی: نظر کے پیچھے نظر نہ لگاؤ، اس لئے کہ پہلی نظر کی تمہارے لئے گنجائش ہے جبکہ دوسری کی نہیں۔ ❷ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جو مسلمان بھی کسی عورت کے محاسن کی طرف دیکھ کر اپنی نگاہ نیچی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اسے ایسی عبادت نصیب کرے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ ❸ اور اسی طرح حدیث قدسی میں آپ کا فرمان ہے: نظر شیطانی تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جس نے میرے خوف سے اسے ترک کردیا تو میں اس کے بدلے میں اسے ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت و مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ ❹

شافعیہ کے ہاں زیادہ صحیح یہ ہے کہ بلوغت کے قریب العمر لڑکے کا حکم اجنبی عورت کو دیکھنے کے بارے میں بالغ کی طرح ہے لہٰذا اس سے پردہ کرنا لازم ہے جیسے مجنون جسے پردے کے مقامات کا پتہ ہے۔ امرد (وہ نوجوان لڑکا جس کی داڑھی نہ آئی ہو) کو شہوت اور بغیر شہوت دیکھنا شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح منصوص روایت یہ ہے کہ حرام ہے۔ جبکہ حنابلہ نے شہوت کے بغیر لڑکے کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے اس لیے کہ وہ ایسا مرد ہے۔ جس کی داڑھی والے سے مشابہت ہے جب تک شہوت کے جوش کا خطرہ نہ ہو۔ شریعت کی خوبیوں کے مناسب یہ ہے کہ غیر محرم رشتہ داروں کی آمد کا شبہات کے مقامات سے

---

❶......الکتاب مع اللباب ۱۶۲/۴ القوانین الفقهیة ۱۹۳۔ ۱۹۴ مغنی المحتاج ۱۲۸/۳ کشاف القناع ۹/۵۔۱۰ المغنی ۵۵۲/۶۔ ۵۶۳ احکام القرآن لابن العربی ۱۳۶۲/۳، احکام القرآن للجصاص ۳۱۸/۳ الشرح الصغیر ۲۸۸/۱ ❷ رواه احمد وابوداؤد والترمذی من بریرة (نیل الاوطار ۱۱۱/۶) ❸ رواه احمد ❹ رواه الطبرانی والحاکم عن ابی مسعود (نفحات شرح الا حادیث القد سیته ۱۰۳)

اعراض کیا جائے اوران ذرائع کو بند کیا جائے۔جیسے (خاوند کا) بھائی اور (مرد یا عورت کا) چچازاد کا آنا جانا، اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پہ ایمان ہے وہ ہرگز کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، جس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو کیونکہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہے ❶ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: خبردار عورتوں کے پاس آنے سے بچو: ایک انصاری صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول: دیور کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: دیور تو موت ہے ❷ حمو (دیور) کا مفہوم وسیع ہے بقول بعض خاوند کا بھائی یا اس طرح کے خاوند کے دوسرے رشتہ دار جیسے چچازاد وغیرہ۔

شافعیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ چہرے اور پورے ہاتھ کو انگلیوں کے سروں سے کلائی تک دیکھنا بھی بالا جماع حرام ہے ایسے فتنے کا خدشہ جس سے عورت کے ساتھ جماع یا اس کے مقدمات پیش آنے کا سبب ہو اور اسی طرح صحیح قول کے مطابق اس وقت دیکھنا بھی حرام ہے جب آدمی کو اپنے بارے شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ کیونکہ اس پہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ عورتوں کو بے نقاب نکلنے سے منع کرتے ہیں۔ پھر اگر شہوت کے ساتھ چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھے: جس میں محض تلذذ کا ارادہ ہوتا ہے اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو قطعاً حرام ہے۔

کس کے لئے دیکھنا حلال ہے؟...... نابالغ بچے، پاگل اور مجنون کا دیکھنا جائز ہے شہوت کے نہ ہونے کی وجہ سے، سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اور وہ بچے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے ناواقف ہیں اور زبردست مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے جسے عورتوں کی چاہت نہ ہو۔سورۃ النور میں ارشاد عالی ہے: ”وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں صرف اپنے خاوندوں پر اور وہ زبردست مرد جنہیں عورتوں کی کچھ حاجت نہیں الاربۃ سے مراد ہے عورتوں کی ضرورت اور تابعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زائد کھانا حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے تابع رہتے ہیں انہیں عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ان کی طرف میلان۔

سلف اور ائمہ مذاہب کا عورتوں کی حاجت نہ رکھنے والے مردوں کی مراد میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ ہیجڑا ہے جس پر آلہ قائم نہیں ہوتا۔

مجاہد اور قتادہ کا قول ہے: جسے عورتوں کی خواہش نہ ہو۔شافعیہ کی رائے ہے کہ ہیجڑا وہ ہے: جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرے اور مقطوع الذکر (یعنی اسکا آلہ کٹا ہوا ہو) اور خصی (آختہ) وہ ہے: جس کا آلہ تو باقی ہو لیکن خصیتین (فوطے کپورے) نہ ہوں خنثی مشکل کا حکم عموماً مرد کا سا ہے۔

حنفیہ کی رائے مخنث (ہیجڑے) کے بارے میں شافعیہ کی طرح ہے: اسے دیکھنا جائز نہیں جس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث فرماتی ہیں: ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک ہیجڑا آیا کرتا تھا جسے لوگ ان لوگوں میں شمار کرتے تھے جنہیں عورتوں سے سروکار نہیں، فرماتی ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ کسی عورت کی علامات بتارہا تھا، کہنے لگا: جب وہ متوجہ ہوتی ہے تو چار کے ساتھ اور جب پیٹھ پھیرتی ہے تو آٹھ کے ساتھ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے یہاں کی باتوں کا پتہ ہے یہ تمہارے ہاں نہ آنے پائے۔ چنانچہ لوگوں نے اسے روک دیا۔ ❸

---

❶ رواہ احمد عن جابر وفی معناہ حدیث متفق علیہ عن ابن عباس (نیل الاوطار ۶/۱۱۱) ❷ رواہ احمد والبخاری والترمذی وصححہ عن عقبۃ بن عامر (حوالہ سابقہ) ❸ اخرجہ احمد ومسلم و ابوداؤد والنسائی وغیرھم (نیل الاوطار ۶/۱۱۰) چار سے مراد اس کے موٹاپے کی وجہ سے پیٹ کے بل ہیں ہر بل کی دوطرفیں (سائیڈز) ہوتی ہیں دیکھنے والا جب انہیں پیٹ کی جانب سے دیکھتا ہے تو اسے چار معلوم ہوتے اور جب پیٹھ کی جانب سے دیکھتا تو آٹھ نظر آتے مقصد یہ تھا کہ وہ گٹھے بدن والی ہے اس سے اس کے پیٹ پہ بل پڑتے ہیں جو موٹی عورت کی علامت ہے اور عموماً ایسی عورت کی مردوں کو رغبت ہوتی تھی۔ ہیجڑا وہ ہوتا ہے جو نرمی سے بات کرے ڈھمک ڈھمک کر چلے اور عورتوں جیسی حرکات کرے، بعض دفعہ یہ عادات پیدائشی ہوتی ہے اور کبھی بناوٹی ہوتی ہیں جو فاسقوں کا شیوا ہے لہٰذا جس میں پیدائشی ہوں تو اکثر ایسے شخص کو عورتوں کی حاجت نہیں ہوتی

اس سے معلوم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے پاس ہیجڑے کے آنے کو ممنوع کر دیا کیونکہ اس نے اجنبی مردوں کے سامنے ایک اجنبی عورت کا حلیہ بیان کیا تھا، حالانکہ آپ نے مرد کو اپنی بیوی کا حلیہ دوسروں ❶ کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا ہے تو بھلا اس کی کہاں اجازت ہے کہ کوئی دوسرا مرد اس کے سامنے عورت کا حلیہ بیان کرے؟

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مقطوع الذکر عمر رسیدہ اور نامرد، اولی الاربۃ میں سے ہیں۔ اور اس زمرے میں وہ شخص شامل ہے جس کی شہوت کسی بیماری کی وجہ سے ختم ہو چکی جس کی شفایابی کی امید نہ ہو، ان کی دلیل مخنث کا سابقہ واقعہ ہے۔ جس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ شریعت نے انتہائی ضرورت کی بناء پر اس کی اجازت ورخصت دی ہے جس سے مقصود حرج کی نفی ہے۔

راجح قول یہ ہے کہ غیر اولی الاربہ (جن لوگوں کو عورتوں کی حاجت نہیں) سے مراد ہر وہ شخص ہے جسے عورتوں کی ضرورت نہیں۔ اور اس کی جانب سے فتنے کا اطمینان ہو کہ وہ عورتوں کے اوصاف اجنبی مردوں سے نہیں بیان کرے گا۔ جس میں وہ بوڑھا کھوسٹ بھی شامل ہے جس کی شہوت گل چکی ہو اور ایسا بے وقوف جسے عورتوں کے معاملے کی خبر نہ ہو، مقطوع الذکر اور خصی، جس کی شرمگاہ سپاٹ ہو نامرد، زندگی گزارنے کے لیے قوم کا خادم ایسا ہیجڑا جو عورتوں کے اوصاف مردوں سے نہ بیان کرے، اس میں کسی خاص قسم کی تعیین وتخصیص نہیں ہو سکتی، جب ان میں سے کسی ایک کو عورتوں کی زیادہ پہچان ہونے لگے اور ان کے اوصاف بیان کرنے پر دسترس ہو تو اسے روکا جائے گا۔ مرد کے لئے بغیر شہوت کے اپنی نسبی، رضاعی یا سسرالی محرم عورت کو ناف سے گھٹنے تک کے مقام کے علاوہ دیکھنا جائز ہے لہٰذا ناف اور گھٹنے تک دیکھنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں مقام محرم کی نظر پڑنے کے لحاظ سے پردے تک مقام نہیں، البتہ اس پہ اجماع ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک کے درمیانی مقام کو دیکھنا حرام ہے۔ مرد، مرد کو اور عورت عورت کو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی مقام کے علاوہ دیکھ سکتے ہیں۔

ضرورت کے لئے عورت کو دیکھنا..... حاجت وضرورت کی وجہ سے دیکھنا مباح ہے بقدر ضرورت اجنبی مرد پیام نکاح، خرید وفروخت اجارۃ اور قرض وغیرہ کے حالات میں اجنبی عورت کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح گواہی دینے، تعلیم، علاج معالجہ تیمارداری وضوء اور استنجاء وغیرہ کرانے میں مریض یا مریضہ کی خدمت کرنا غرقابی اور آگ وغیرہ سے بچانا ہو تو بھی دیکھنا جائز ہے حنابلہ کے ہاں بھی اس شخص کے زیر ناف بال صاف کرنے کے لیے دیکھنا جو خود اچھے طریقے سے زیر ناف بال نہ صاف کر سکتا ہو لیکن یہ بھی بقدر ضرورت، اس لیے کہ جو کام ضرورت کے لیے جائز ہو وہ اس کی مقدار تک محدود رہتا ہے۔ پھر شافعیہ کے ہاں معاملات کرنے کے لیے صرف چہرہ دیکھا جا سکتا ہے اور حنابلہ کے ہاں: چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک نظر سے زیادہ نہ دیکھے ہاں البتہ اگر ثبوت کے لیے دوسری نظر کی ضرورت ہو تو جائز ہے۔ ضرورت کے ان مقامات میں دیکھنا محرم یا خاوند کی موجودگی میں ہونا چاہیے اس لیے کہ تنہائی میں ممنوع کام کے واقع ہونے سے اطمینان نہیں اور ضرورت کے علاوہ بدن ڈھانپ کر رکھے کیونکہ اصل میں وہ حرام ہے۔

لہٰذا شریعت نے پیام رسیدہ کا تعارف حاصل کرنے کے صرف دو طریقے مباح کیے ہیں: پہلا پیام بھیجنے والا کسی ایسی عورت کے ہاتھ پیام بھیجے جس پر اسے بھروسہ ہو وہ عورت اسے دیکھ بھال کر اس کے اوصاف کا تذکرہ اس شخص سے کرے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ایک عورت کی طرف یہ کہہ کر بھیجا کہ اس کی ایڑی اور گلے کو خوب دیکھ لینا۔ ❷

ایک اور روایت میں ہے: اس کے دانتوں کو سونگھ لینا، عوارض وہ دانت ہوتے ہیں جو ڈاڑھوں اور سامنے والے دانتوں کے درمیان میں

---

❶..... روی البخاری و مسلم (الشیخان) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المراۃ المرأۃ فتصفها لزوجها كانه ينظر اليها (رياض الصالحين ۵۶۷) ❷ اخرجه احمد والطبرانی والحاكم والبيهقی وفيه كلام (سبل السلام ۳/۱۱۳) (نيل الاوطار ۶/۱۱۰) امام احمد نے اس روایت کو منکر کہا ہے مشہور یہ ہے کہ مرسل ہے۔

واقع ہوتے ہیں مراد منہ کی مہک کا امتحان ہے۔اور لفظ معاطف، کا مطلب گردن کی دونوں جانبیں اور عرقوب کا معنی ہے موٹا پٹھا (رگ) جو ایڑی کے اوپر ہوتا ہے۔ایڑی کو دیکھ کر دونوں پاؤں میں جمال اور بدصورتی کا پتہ چل جاتا ہے،عورت کو بھی کسی مرد کو بھیج کر اسی طرح کرنا چاہیے اسے چاہیے کہ وہ پیام بھیجنے والے کو دیکھ لے اس لیے کہ جو باتیں عورت کو مرد کی پسند آئیں گی وہ مرد کو عورت کی پسند آئیں گی۔

دوسرا خوبصورتی اور جسم کی تروتازگی کی حالت جانچنے کے لیے پیام بھیجنے والے کا منگنی والی عورت کو خود دیکھنا،لہٰذا چہرے ہتھیلیوں اور قد و قامت کو دیکھے گا اس لئے کہ چہرے سے خوبصورتی کا اور ہتھیلیوں سے بدن کی فربہی اور کمزوری کا اور قد سے لمبائی اور چھوٹائی کا پتہ چل جاتا ہے۔شریعت نے اس عورت کو دیکھنے کے جواز کی رہنمائی کی ہے جس سے مرد شادی کرنے کے لئے اسے پیام دینا چاہتا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی عورت کو پیام نکاح بھیجے تو اگر اس سے ہو سکے کہ وہ اس کی کسی ایسی ادا کو دیکھے جو اس سے نکاح کا سبب بن جائے تو وہ ایسا کرلے،حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک لڑکی کے لیے پیام بھیجا تو میں اس کے لیے چھپ کر بیٹھ گیا یہاں تک کہ مجھے اس کی ایسی ادا نظر آ گئی جو میرے اس کے ساتھ نکاح کا سبب بن گئی تو پھر میں نے اس سے شادی کرلی [۱] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو پیام بھیجا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دیکھ لو کیوں کہ اس سے امید ہے تم دونوں کے درمیان الفت پیدا ہو جائے [۲] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو پیام سے پہلے اس عورت کو دیکھنے کی ہدایت فرمائی۔اس لیے کہ دیکھنے میں زوجین کی حالت کی درستگی اور الفت ومحبت کو ثابت کرنے کا فائدہ ہے۔

حضرت ابوحمید یا حمیدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو پیام دینا چاہے تو اس پہ گناہ نہیں کہ وہ اسے دیکھے جب یہ دیکھنا محض منگنی کے لیے ہو اگرچہ عورت کو پتہ نہ ہو [۳] محمد بن حنفیہ سے مروی روایت عبدالرزاق اور سعید بن منصور کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کلثوم کے لئے پیام بھیجا، آپ نے ان کی صغرسنی کا ذکر کیا پھر فرمایا: میں اسے آپ کی طرف بھیج رہا ہوں اگر وہ راضی ہوگئی ہو تو وہ آپ کی اہلیہ ہے، پھر انہیں روانہ کیا، آپ نے ان کی پنڈلی کا کپڑا اوپر اٹھایا تو وہ (اصل بات سے ناواقفی کی وجہ سے) غضبناک ہو کر کہنے لگیں: اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی آنکھیں پھوڑ دیتی ظاہر یہی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے کی وجہ سے ان کی بیوی بن گئیں تھیں۔

دہم: کتنی مقدار دیکھنا مباح ہے [۴]......اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ پیام نکاح بھیجنے والا شخص جس عورت کی طرف پیام بھیجنا چاہتا ہے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کی ہی دیکھ سکتا ہے کیونکہ انہی دونوں کے دیکھنے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے یعنی خوبصورتی اور بدن کی فربہی اور کمزوری کا پتہ چل جاتا ہے۔چہرہ خوبصورتی اور بدصورتی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ خوبیوں کی اجتماع گاہ ہے۔

اور ہتھیلیوں سے بدن کی فربہی اور نحافت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قدموں کو دیکھنے کی اجازت دی ہے۔اور حنابلہ نے کھڑے ہو کر کام کرنے میں جو اعضاء ظاہر ہوتے ہیں ان کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے جو چھ اعضاء ہیں: چہرہ، گردن، ہاتھ، پاؤں، سر اور پنڈلی، کیونکہ اسکی ضرورت پیش آتی ہے۔اور اس بارے میں سابقہ احادیث اسے دیکھ لو اور حضرت عمر کا سابقہ عمل، اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فعل مطلق ہیں۔میرے نزدیک یہی رائے راجح ہے لیکن میں اس پہ فتویٰ نہیں دیتا۔امام اوزاعی فرماتے ہیں: گوشت کے مقامات کو دیکھ سکتا ہے اور داود ظاہری فرماتے ہیں اسے

---

[۱]...... رواہ احمد و ابو داؤد ور جالہ ثقات و صححہ الحاکم (سبل السلام ۱۱۲/۳-۱۱۳) [۲] رواہ الخمسۃ (احمد واصحاب السنن الاربع) (نیل الاوطار ۱۰۹/۶، سبل السلام ۱۱۳/۳) [۳] رواہ احمد عن موسیٰ بن عبد اللہ عن ابی حمید (نیل الاوطار ۱۱۰/۲) [۴] المراجع السابقہ فی البند التاسع

دیکھ لو ظاہر حدیث کی وجہ سے پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ خاوند اپنی بیوی کے سارے بدن کو جب وہ زندہ ہو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت اپنے خاوند کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے یہاں تک کہ شرمگاہ بھی لیکن ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھنا مکروہ (ناپسندیدہ عمل) ہے۔

یازدہم: دیکھنے کا وقت اور دیکھنے کی شرطیں:

شافعیہ ❶ کا کہنا ہے کہ...... مناسب یہ ہے کہ پیام بھیجنے والا پیام سے پہلے عورت کو دیکھ لے۔ اور یہ کام خفیہ طریقے سے ہو جس کا علم اس عورت اور اس کے کے رشتہ داروں کو نہ ہونے پائے تا کہ اس عورت اور اس کے خاندان کی عزت کا لحاظ رکھا جائے۔ پھر جب اسے پسند آ جائے تو اسے اذیت دیے بغیر اور اس کے خاندان کو مشکل میں ڈالے بغیر اس کی طرف پیام بھیجنے میں پیش قدمی کرے۔ یہی معقول بات ہے اور ان احادیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے راجح ہے جن میں عورت کو دیکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ خواہ عورت کی اجازت سے ہو یا نہ ہو۔

اور مالکیہ ❷ کا قول ہے...... عقد سے پہلے خاص کر بیوی کے چہرے اور دونوں ہتھلیوں کو دیکھنا جائز ہے تا کہ اسے عورت کے معاملے کی حقیقت کا پتہ چل جائے جس کا علم عورت یا اس کے ولی (سرپرست) کو ہو۔ البتہ اس کی غفلت میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اور یہ دیکھنا اگر بطور تلذذ نہ ہو تو خود دیکھے یا اس کا وکیل، ورنہ ممنوع ہے۔ جیسے چہرے اور ہتھیلیوں سے زائد حصے کا دیکھنا ممنوع ہے کیونکہ وہ پردے کا مقام ہے۔

دوازدہم: مخطوبہ کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا حرام ہے...... ہم نے بیان کیا ہے کہ پیام (منگنی) نکاح نہیں ہے محض شادی کا وعدہ ہے لہٰذا اس پہ شادی کے احکام نہیں مرتب ہوتے اور نہ خلوت اور انفرادی طور پر عورت کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ وہ پیام بھیجنے والے کے لیے اجنبی ہے اور سابقہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اور اس کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ اس کا محرم ہو جیسے باپ، بھائی یا چچا۔ انہی احادیث میں سے یہ حدیث ہے جو عورت مرد کے لئے حلال نہ ہو اس کے ساتھ کوئی مرد ہرگز تنہائی میں نہ بیٹھے اس لئے کہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا ہاں کوئی محرم ہو ❸ اتنی مقدار میں امن اور ضمانت ہے اور مستقبل میں پیام نکاح وغیرہ فسخ ہونے کے احتمالات کے خطرات پیش آنے سے دوری ہے اور اس سے عورت سے بات چیت کرنے اور اس کے محرم کی موجودگی میں بیٹھنے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور یہی حکیمانہ معتدلانہ موقف ہے جس میں افراط تفریط نہیں۔

رہا شادی سے پہلے اکھٹے رہنا اور عمومی جگہوں میں جانا وغیرہ تو یہ سب حرام وممنوع ہے بلکہ اس سے امید کی منزل تک رسائی نہیں ہوتی، اس سے ہر ایک اپنی حقیقت سے ہٹ کر سامنے آتا ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ہر پیام دینے والا جھوٹا ہوتا ہے نیز پیام دینے والا معاملات میں جلدی کرتا ہے اور بعض دفعہ انسان طبیعت کی بات پر لبیک کہنے میں پہل کر لیتا ہے۔ اور تنہائی میں عورت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوتا ہے جس سے عورت کا نقصان ہوتا ہے اور منگنی سے اعراض کی وجہ سے اس کی شہرت متاثر ہوتی ہے۔

سیزدہم: پیام نکاح (منگنی) سے اعراض (انکار) اور اس کا اثر...... چونکہ منگنی شادی نہیں ہوتی بلکہ محض شادی کا وعدہ ہوتی ہے تو اس بناء پر اکثر فقہاء کی رائے میں پیام دینے یا پیام رسیدہ عورت کا خطبہ (منگنی) سے اعراض کرنا جائز ہے ❹ اس لئے کہ جب تک عقد کا وجود نہیں تو نہ کچھ لازم ہے اور نہ کسی چیز کا التزام۔ لیکن اخلاقی طور پر ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے کیے ہوئے وعدہ کو سخت ضرورت اور حاجت کے بغیر نہیں توڑنا چاہیئے تا کہ گھروں کی حرمت اور نوجوان لڑکیوں کی عزت محفوظ رہے۔ پیام نکاح پہ حکم محض موضوعیت کے لحاظ سے

❶ ......مغنی المحتاج ۱۲۸/۳ ❷ الشرح الصغیر ۳۴۰/۲ القوانین الفقھیہ ص ۱۹۳۔۱۹۴ ❸ رواہ احمد والشیخان عن عامر بن ربیعہ (نیل الاوطار ۱۱۱/۶) ❹ نصت المادۃ من قانون الاحوال شخصیتہ السوری لکل من الخاطب والمخطوبہ العدول عن الخطبتہ

ہونا چاہیے نہ کہ ہوس سے یا کسی عقلی گنجائش کے بغیر لہٰذا پیام دینے والے کو اپنے ارادہ سے نہیں پھرنا چاہئے اس واسطے کہ اس میں عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی ہے۔شرعاً اور عرفاً انکار میں جلدی کرنا بہتر ہے جب کوئی واضح سبب ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھ ہوگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”تم لوگ مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، بات کرتے وقت سچ بولو، وعدہ کرو تو پورا کرو، جب امانت رکھی جائے تو اس کی ادائیگی کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (جس کا چور دروازہ بدنظری ہے) اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور (دوسروں کو اذیت دینے سے) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ [1]

منگنی کے ٹوٹنے کا حکم یا اس کا اثر...... جب تک عقد نہ ہو، منگنی کے ٹوٹ جانے پہ کوئی چیز مرتب نہیں ہوتی، یعنی کوئی اثر نہیں ہوگا، رہا وہ سامان جو پیام دینے والا بطور مہر پیشگی دیتا ہے تو اسے اس کے واپس لینے کی اجازت ہے خواہ وہ موجود ہو یا ضائع ہو چکا ہو یا ختم ہونے والا ہو، پھر اگر وہ چیز ایسی ہے جس کی قیمت لگ سکتی ہے تو ضائع ہو جانے یا ضائع کیے جانے کی صورت میں اس کی قیمت وصول کرے گا اور اگر وہ چیز مثلی ہے (یعنی اس جیسی دوسری مل سکتی ہے) تو اس کا مثل واپس لے گا انکار و اعراض کا سبب خواہ کچھ بھی ہو مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی طرف سے اس پہ فقہاء کا اتفاق ہے [2] لیکن قانون سوری (م ۴) نے مرد کی جانب سے اعراض اور عورت کی جانب سے انکار کی جہت میں فرق کیا ہے جو آج کل کے معاشرے اور عرف پر عمل ہے۔ پہلی حالت میں جب عورت نے سامان خریدا تو اسے مثل مہر لوٹانے یا سامان حوالے کرنے میں اختیار دیا جائے گا۔ اور دوسری حالت میں اس پہ مہر کو یا اس کی قیمت کو لوٹانا واجب ہے۔

منگنی کے تحفے تحائف...... رہا ہدیوں اور تحفوں کا لوٹانا تو اس بارے کئی فقہی آراء ہیں۔

۱۔ احناف [3] کا قول ہے...... منگنی کے ہدیے ہبہ ہیں اور ہبہ کرنے والا اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے ہاں جب کوئی مانع نہ پایا جائے جس سے ہبہ کا واپس لینا مشکل ہو جیسے وہ ضائع ہو جائے یا ضائع کر دیا جائے۔۔ جب وہ چیز موجود ہو جو پیام دینے والے نے ہدیہ میں دی ہے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے اور اگر ضائع ہوگئی یا ضائع کر دی گئی یا اس میں کوئی تبدیلی رونما ہوگئی مثلاً انگوٹھی تھی کہیں کھوگئی اور کھانا کھالیا گیا۔ اور ان سلا کپڑا تھا جس کا جوڑا بنالیا تو منگنی کرنے والا اس کا بدل واپس لینے کا مستحق نہیں بنتا۔

۲۔ مالکیہ [4] نے مرد یا عورت کی جانب سے انکار میں فرق کیا ہے...... اگر مرد اعراض کرے تو وہ کوئی چیز واپس نہیں لے سکتا خواہ وہ موجود ہو اور جب عورت اعراض کرے تو منگنی کرنے والا تحائف واپس لے سکتا ہے خواہ موجود ہوں یا ضائع ہو چکے ہوں۔ پھر اگر وہ ضائع ہوگئے یا کر دیئے گئے تو ان کی قیمت ادا کرنا واجب ہے یہی حق و انصاف ہے۔

۳۔ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ...... پیام نکاح بھیجنے والے کے لیے جو تحائف اس نے دیے ان میں سے کوئی چیز واپس لینے کا حق نہیں خواہ وہ موجود ہو یا ضائع ہو چکی ہوں۔ اس لئے کہ ہدیہ ہبہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور ان کے نزدیک ہبہ کرنے والا ہبہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد واپس نہیں لے سکتا صرف والد اپنے بیٹے سے دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ مغربی قانون نے مذہب مالکی پہ اور اردنی قانون نے مذہب حنفی پہ عمل کیا ہے۔ چنانچہ صراحت کی ہے کہ منگنی کے تحفے تحائف ہبہ کا حکم رکھتے ہیں۔ سوری قانون کی خاموشی حنفی رائے پر عمل کو متضمن ہے کیونکہ دفعہ (۳۰۵) میں صراحت ہے ”ہر چیز جو اسے واپس نہیں ملی“ اس قانون میں وضاحت ہے کہ اس بارے میں مذہب احناف میں سب سے راجح قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

---

[1] ...... رواہ احمد بن حبان والحاکم والبیھقی عن عبادۃ بن الصامت وھو صحیح۔ [2] عثمانی عائلی حقوق کے قانون کی دفعہ ۸ میں شادی کا ارادہ کرنے والے میں سے کوئی ایک شادی کی رضامندی کے بعد باز رہے یا فوت ہو جائے تو جو مال پیام بھیجنے والے نے اصل مہر سے دیا ہے اگر موجود ہو تو اسی صورت میں اس کا واپس لینا جائز ہے اور اگر وہ ضائع ہو گیا تو اس کا بدل لینا جائز ہے [3] ردالمحتار ۲/ ۵۹۹ [4] الشرح الصغیر ۲/ ۴۰۶

میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ عقد سے پہلے جو تحفے تحائف عورت کو ملتے ہیں ان میں سب کی وہ مستحق ہے جس کی دلیل وہ روایت ہے جو سوائے امام ترمذی پانچوں نے نقل کی ہے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بھی عصمت نکاح سے پہلے مہر، عطیے یا وعدے پہ نکاح کرے تو وہ (مال) اس کا ہے اور جو عصمت نکاح کے بعد ہو تو وہ دینے والے کا ہے [1] اسی کو عمر بن عبدالعزیز، ثوری ابوعبید امام مالک نے زیدیہ میں سے ھادویہ نے اختیار کیا ہے۔

نقصان کا تاوان دینا...... ان مادی یا معنوی نقصانات کا عوض و بدلہ دینا جو منگنی ٹوٹنے پہ مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے کچھ سامان پہننے کے کپڑے خریدنا، یا کوئی نوکری چھوڑ دینا یا دوسرے منگنی کرنے والے کو محروم رکھنا۔ یا عورت کی شہرت کو محض منگنی سے انکار کی وجہ سے بدنام کرنا جس کی مدت طویل ہوگئی ہو جیسے چار سال۔ تو اس پہ ہمارے پہلے فقہاء کرام نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ شریعت کے عمومی قواعد پہ عمل کرتے ہوئے موجودہ فقہ میں اسے برقرار رکھنا ممکن ہے۔ جس کی مثال دھوکا دہی کا حرام ہونا اور ضمان کا واجب ہونا ہے اور قاعدہ ہے نہ نقصان اٹھایا جائے اور نہ نقصان دیا جائے اور اس پر حق کے استعمال میں ظلم کے نظریے کی تطبیق مرتب ہوتی ہے۔ جس پہ مالکیہ اور حنابلہ کا عمل ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے بلندی (ڈبل سٹوری) اور پڑوسی کے حقوق میں اس کی رعایت رکھی ہے۔ اور جیسا کہ فقہ مالکی میں مشہور اقوال میں التزام کے آغاز کو انکار کے نقصان کا بدلہ دینے کی اصل قرار دینا ممکن ہے کہ کسی چیز کے وعدہ کرنے میں، اس وعدہ کو نافذ کرنے کا فیصلہ دیا جائے گا اگر وہ کسی سبب پر مبنی ہو اور وعدہ کی ہوئی چیز سبب کے ساتھ داخل ہو یعنی جس سبب پہ وعدہ اٹکا ہوا ہے اس وعدہ کو پورا کرنا ضروری ہے اور موعود سبب سے مل کر نافذ ہو جائے گا۔ مثلاً سامان خرید یا عورت سے شادی کر میں تمہیں قرض دیتا ہوں، جب وہ عملی طور پر عورت سے شادی کرلے گا تو کہنے والے پر قرض دینا واجب ٹھہرے گا، رہا نرا وعدہ تو اس کا پورا کرنا لازم نہیں بلکہ وفاداری اعلیٰ اخلاق کا حصہ ہے۔

آج کل مصری عدالت جس پہ قائم ہے جسے محکمۃ النقض (عدالت عالیہ) نے ۱۹۳۹ء پاس کیا ہے جو یہ ہے:

۱...... منگنی، عقد لازم نہیں۔

۲...... صرف منگنی توڑنا عوض دینے کا سبب نہیں۔

۳...... منگنی توڑنے کے ساتھ جب اور کام بھی مل جائے تو دو میں سے ایک پیام بھیجنے والوں کو ضرر لاحق ہوگا، تو کوتاہی والی ذمہ داری کی بنیاد پر عوض دینے کا حکم جائز ہے یعنی ایسی غلطی جو دوسرے کے نقصان کا سبب بنی۔ اس کا قواعد شریعت اسلامیہ سے اتفاق ہے اسی سے دونوں حالتوں میں فرق ہو جاتا ہے۔

پہلی...... جب اعراض وانکار کرنے والے کا اس نقصان میں دخل ہو جو اس کے اعراض کرنے کی وجہ سے دوسرے کو پہنچا مثلاً پیام بھیجنے والا خاص سامان کی تیاری کا مطالبہ کرے۔ یا جس سے منگنی کر رہا ہے اسے نوکری چھوڑنے کا کہے جسے وہ اس کی رغبت کی وجہ سے چھوڑ دیتی ہے یا پیام رسیدہ عورت پیام دینے والے سے خاص گھر کی تیاری کا مطالبہ کرے تو منگنی توڑنے کی وجہ سے نقصان کا تاوان دینے کا فیصلہ کرنا جائز ہے کیونکہ انکار کرنے والا دوسرے فریق کے نقصان اور اسے دھوکا دہی کا ذریعہ بنا ہے۔

دوسری...... اعراض کرنے کی وجہ سے دوسرے فریق کو جو نقصان لاحق ہوا ہے اس میں اس کا دخل نہ ہو تو اعراض کرنے والے پہ عوض دینے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اس لیے کہ دوسری جانب سے نقصان یا دھوکہ دہی کے ضمان کا سبب نہیں پایا گیا۔

---

[1]...... نیل الاوطار ۱۷۴/۶۔

الفصل الثانی......شادی کا بندھن باندھنا

اس میں پانچ مباحث ہیں۔

المبحث الاول......نکاح کی تعریف او شریعت میں اس کا حکم:

نکاح کی تعریف......لغۃً نکاح کا مطلب ہے ملانا اور جمع کرنا یا اسے صحبت اور عقد دونوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔شرعاً نکاح کا معنی ہے: شادی کرنے کا بندھن باندھنے کے لیے عقد کرنا۔اور شادی کی شرعی تعریف یہ ہے: کہ یہ ایسا عقد ہے جو عورت سے صحبت، جسم کو ملانا، بوس وکنار وغیرہ کا فائدہ اٹھانے کو مباح کرنے کو شامل ہے جب وہ عورت نسب رضاع یا سسرالی رشتہ کی وجہ سے محرم نہ ہو۔یا ایسا عقد ہے جسے شارع (صاحب شریعت) نے مرد کو عورت سے فائدہ اٹھانے کی ملکیت کے لئے مقرر کیا ہے اور عورت مرد سے فائدہ اٹھا سکے۔مرد کی نسبت اس عقد کا یہ اثر ہے کہ اسے خاص ملکیت حاصل ہو جاتی ہے جو کسی اور کو نہیں۔اور عورت کی نسبت سے اس کا اثر یہ ہے کہ فائدہ حاصل کرنا حلال ہے نہ کہ خاص ملکیت، یہ تو جائز ہے کہ بیویاں تعداد میں زیادہ ہوں لہٰذا ملکیت ان کے درمیان مشترک حق ہوگی یعنی کئی خاوندوں کا ہونا تو شرعاً ممنوع ہے اور کئی بیویوں کا ہونا شرعاً جائز ہے۔

احناف نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے......ایسا عقد ہے جو قصداً ملک تمتع کا فائدہ دیتا ہے یعنی مرد کا عورت سے فائدہ اٹھانا حلال ہو جاتا ہے جس کے نکاح سے کوئی مانع شرعی نہ ہو ایسے قصد سے جو عملی ہو (فوائد قیود) عورت کہنے سے مرد، خنثی مشکل خارج ہو گیا کیونکہ اس کا مرد ہونا ممکن ہے جس کے نکاح سے کوئی شرعی مانع نہ ہو کہنے سے بت پرست عورت، محرم عورتیں، جنی پانی کا انسان خارج ہو گیا کیونکہ جنس مختلف ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے جس کی مراد دوسرے ارشاد سے بیان کی ہے جو عورتیں تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کر لو تو وہ آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے کوئی مادہ ہوگی، اس کے علاوہ کسی مادہ کا بلا دلیل حلال ہونا ثابت نہیں نیز جن تو مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں بعض دفعہ نر مادہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔اور قصداً کہنے سے ضمناً تمتع حلال ٹھہرا جو شب باشی کے لیے کسی باندی کو خریدنے کے ذریعے ہو۔بعض نے قصداً کی جگہ لفظ بطریق الاصالتہ مقرر کیا ہے۔احناف میں سے کسی نے اس کی یوں تعریف بھی کی ہے: ایسا عقد ہے جو بضع (شرمگاہ) کے منافع کی تملیک (مالک بنانے) کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

آیا نکاح سے شرعاً وطی (صحبت) مراد ہوگی یا عقد؟......اہل اصول اور اہل لغت کے نزدیک نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز، کتاب وسنت میں جہاں کہیں قرائن کے بغیر یہ لفظ آئے تو اس سے مراد وطی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے: اوان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے لہٰذا جس عورت سے باپ نے زنا کیا وہ بیٹے پہ یعنی اس کے فروع پہ حرام ہے۔اور اس کی حرمت فروع پہ نص قرآنی سے ثابت ہے رہی اس کی حرمت جس پر صحیح عقد ہوا ہو تو فروع پہ اجماع سے ثابت ہے۔خاوند اگر اپنی بیوی سے کہے: میں نے اگر تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے تو شرط وطی کے ساتھ معلق رہے گی۔اسی طرح اگر وطی سے پہلے اسے طلاق بائن دی پھر اس سے شادی کر لی تو وطی سے طلاق ہو جائے گی نہ کہ عقد سے۔رہا اجنبی عورت کا نکاح تو اس سے مراد عقد ہوتا ہے۔کیونکہ اس سے وطی جب شرعاً حرام ہے تو حقیقت مھجور (متروک) ہوگی اس لیے مجاز متعین ہوا۔

فقہاء کے نزدیک نکاح کی تعریف، جس میں مشائخ مذاہب اربعہ بھی ہیں یہ ہے: عقد میں حقیقت اور وطی میں مجاز کیونکہ قرآن مجید اور

روایات میں یہی مشہور ہے زمخشری جو (اصول میں) حنفی علماء میں سے (اور فروع میں معتزلی) ہیں۔فرماتے ہیں: قرآن مجید میں لفظ نکاح بمعنی وطی صرف اس آیت میں ہے یہاں تک کہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح (وطی) کرلے جس کی دلیل صحیحین کی روایت ہے یہاں تک کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لوتو اس سے مراد عقد ہے اور وطی کا مفہوم اس حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔

شادی کا شرعی حکم......شادی، کتاب، سنت اور اجماع سے شرعاً ثابت ہے۔

کتاب کا جہاں تک تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: عورتوں میں سے جو تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرلو دو تین، چار اور ارشاد ہے اپنے کنواروں کے نکاح کرادو، اور اپنے غلام لونڈیوں میں سے جو صلحاء ہیں ان کے بھی نکاح کرادو۔

سنت سے ثبوت یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''اے گروہ نوجوانان تم میں سے جسے شادی کی دسترس ہو تو وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نگاہ نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا زیادہ باعث ہے اور جسے اس کی مقدرت نہ ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لیے شہوت میں کمی کا ذریعہ ہے ❶ باءۃ کا مطلب ہے شادی کی مشقتیں اور ذمہ داریاں اس کے علاوہ کئی آیات اور احادیث ہیں اور اس پہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ شادی مشروع ہے۔

شادی کی مشروعیت کی حکمت......مرد کا اپنے آپ اور اپنی بیوی کو حرام میں پڑنے سے روکنا اور نوع انسانی کو شرافت اور افزائش نسل کے ذریعے فنا ہونے اور ختم ہونے سے محفوظ رکھنا تاکہ نسل باقی رہے اور نسل کی حفاظت ہو اور خاندان کو اس اساس پر قائم رکھا جائے جس سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور اس کے افراد میں باہمی تعاون کو اجاگر کیا جائے۔شادی دراصل خاوند بیوی میں تعاون کا نام ہے تاکہ وہ زندگی کا بار اٹھا سکیں اور گروہوں کے درمیان باہمی اتحاد اور محبت کا رشتہ ہے۔

اور خاندانوں کے تعلقات کو مضبوط کرتا ہے اور اسی کے ذریعے مصالح میں مدد ملتی ہے۔

شرعاً شادی کی قسم یا تعریف: شارع کی طلب کے مطابق اس کا کرنا یا ترک کرنا، چنانچہ فقہاء کے نزدیک لوگوں کے احوال کے مناسب اس کی یوں تعریف ہوتی ہے۔❷

۱۔فرضیت......انسان کو جب شادی نہ کرنے کی وجہ سے پورا یقین ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو اکثر فقہاء کے نزدیک شادی کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شادی کے اخراجات یعنی مہر، بیوی کا خرچ، اور شادی کے شرعی حقوق ادا کرنے کی مقدرت ہو اور روزے وغیرہ رکھنے کے ذریعے برائی میں پڑنے سے باز نہ رہ سکتا ہو۔ کیونکہ اسے اپنے آپ کو پاکدامن اور حرام سے بچانا لازم ہے اور جس چیز سے واجب مکمل ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے اور اس کا طریقہ شادی ہے۔جمہور کے نزدیک فرضیت اور وجوب میں کوئی فرق نہیں۔

احناف کی رائے ہے......شادی نہ کرنے کی وجہ سے آمی کو جب یقین کے علاوہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو شادی کرنا واجب ہے اور ساتھ ساتھ اسے شادی کی مشقتیں مثلاً مہر اور خرچ وغیرہ برداشت کرنے کی دسترس بھی ہو عورت پہ ظلم اور اس کے حق میں کوتاہی کا خوف نہ ہو۔

۲۔حرام......آدمی کو جب عورت پہ ظلم یا اسے نقصان پہنچانے کا یقین ہو تو ایسی صورت میں شادی کرنا حرام ہے۔مثلاً وہ شادی کی مشکلات کا سامنا کرنے سے عاجز ہو یا اگر دوسری عورت سے شادی کی تو عدل وانصاف نہ کرسکے گا اس لیے کہ جو چیز حرام تک پہنچائے وہ حرام

---

❶......متفق علیہ بین البخاری و مسلم عن عبداللہ بن مسعود (سبل السلام ۱۰۹/۳) ❷ تبیین الحقائق ۹۴/۲، بدایۃ المجتہد ۲/۲ المہذب ۳۳/۲ مغنی المحتاج ۱۲۵/۳ ۳۳۰/۲ القوانین الفقھیہ ص ۱۹۳، الدرالمختار ۳۰۸/۲، البدائع ۲۲۸/۲ الشرح الصغیر ۳۳۰/۲ المغنی ۴۴۶/۶ کشاف القناع ۴/۵

ہوتی ہے۔ جب شادی کے فرض ہونے اور حرام ہونے میں تعارض یا ٹکراؤ ہو جائے مثلاً اسے پورا یقین ہو کہ وہ شادی نہ کرنے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ بھی یقین ہو کہ اپنی بیوی کی حق تلفی کر بیٹھے گا تو اس صورت میں شادی حرام ہے۔

اس لئے کہ جب حلال وحرام یکجا ہو جائیں تو حرام حلال پہ غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: جن لوگوں کو شادی کرنے کی مقدرت نہیں وہ پاکدامنی اختیار رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مالدار کردے اور حدیث ہے اے گروہ نوجواناں جو پہلے گزر چکی ہے جس میں نفس کو شہوات سے بچانے کے لئے روزے رکھنے کی ہدایت ہے، بعض دفعہ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت شادی کرنا افضل ہے کیونکہ شادی کے بعد مرد کی طبیعت نرم پڑ جاتی ہے۔

اور اس کے معاملات میں ترقی ہوتی ہے اس کی سنگدلی کم ہو جاتی ہے اور اس کی پیچیدگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور شادی نہ کرنے کی صورت میں، زنا میں مبتلا ہونے کا غالب گمان ہے۔

۳۔ مکروہ...... جب آدمی کو شادی کر کے ظلم یا نقصان میں پڑنے کا ایسا خوف ہو جو یقین کے مرتبہ تک نہ پہنچتا ہو تو اس صورت میں شادی کرنا مکروہ ہے۔ وہ خرچ کرنے سے عاجز ہو، یا برے طریقے سے گزر بسر کرے گا، یا عورتوں کی رغبت میں کمی اور فتور واقع ہو جائے گا، احناف کے نزدیک خوف کی قوت اور ضعف کے مطابق کراہت تحریمی ہوگی یا تنزیہی۔

اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لیے شادی کرنا مکروہ ہے جسے کوئی بیماری ہو مثلاً بڑھاپا، دائمی مرض ہمیشہ کی نامردگی یا سپاٹ ہو، اسی طرح ان کے نزدیک اس پیام نکاح کے بعد پیام بھیج کر نکاح کرنا مکروہ ہے جس میں رشتہ قبول کرنے کا اشارہ ہو اور حلالہ کرنے والے کا نکاح جب وہ عقد میں ایسی شرط نہ لگائے جو اس کے مقصد میں خلل انداز ہو یا دھوکا کا نکاح مثلاً خاوند عورت کے مسلمان ہونے یا اس کے آزاد ہونے یا متعین نسب کا دھوکا دے۔

۴۔ اعتدال کی حالت میں استحباب وندب...... امام شافعی کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس وقت نکاح کرنا مستحب ہے جب آدمی معتدل المزاج ہو یعنی اگر وہ شادی نہ بھی کرے تو زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں۔ اور نہ یہ خدشہ ہو کہ شادی کر کے وہ اپنی بیوی پہ ظلم کرے گا اعتدال کی یہ حالت اکثر لوگوں کے ہاں غالب ہے۔

شادی کے سنت ہونے کی دلیل سابقہ حدیث ہے اے نوجوانوں کے گروہ اور ان تین افراد کی حدیث جنہوں نے ان امور کا ارادہ کر لیا تھا اول ہمیشہ نماز پڑھتا رہے گا دوم ہمیشہ روزے سے رہے گا سوم عورتوں سے دور رہے گا کبھی شادی نہیں کرے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم: میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں [1] جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی اور اس پہ مداومت کی، اسی طرح صحابہ کرام نے شادیاں کیں اور اس پہ مداومت کی۔ اور مسلمانوں نے شادی کرنے میں ان کی پیروی کی، لہٰذا مداومت اور متابعت سنت ہونے کی دلیل ہے اور یہی رائے پسندیدہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حالت میں شادی کرنا مباح ہے اس کا کرنا اور ترک کرنا جائز ہے۔ اور عبادت کے لیے فارغ رہنا اور علم میں مشغول ہونا شادی سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یحیٰ علیہ السلام کی مدح ان الفاظ میں کی ہے: سردار اور کمال درجہ کا ضابط حصورا سے کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے عورتوں کے پاس نہ آئے، اگر شادی افضل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے چھوڑنے پہ مدح نہ بیان کرتے

[1] ......اخرجه البخاری و مسلم والنسائی عن انس بن مالک رضی الله عنه (جامع الاصول (۱ / ۲۰۱)

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ ہم سے سابقہ لوگوں کی شریعت تھی ہماری شریعت اس کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے لوگوں کے لئے عورتوں اور بیٹوں وغیرہ خواہشات کی محبت مزین کر دی گئی اور یہ مذمت کے مقام میں ہے۔ شادی کرنا صرف اس ارشاد باری تعالیٰ سے واجب نہیں عورتوں میں سے جو تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرلو اس لئے کہ واجب کا تعلق پسند سے نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے دو دو، تین تین، چار چار اس پر اجماع ہے کہ تعداد واجب نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے اور تمہاری باندیاں سبکی رحمہ اللہ نے پہلی وجہ کا رد یوں کیا ہے کہ آیت سے پسند مراد نہیں، بلکہ مراد حلال ہے کیونکہ عورتوں میں محرمات بھی ہوتی ہیں۔ جو اس آیت سے ثابت ہیں تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں۔

والد کا پاکدامن بنانا.....لیکن شادی کی شرعی ترغیب کو ثابت کرنے کے لئے شافعیہ نے کہا ہے جو ان کا مشہور قول ہے [1] اولاد خواہ بچہ ہو یا بچی باپ دادا کا پاکدامن کرنا لازم ہے کیونکہ یہ ان کی اہم ضروریات میں سے ہے جیسے خرچ اور کپڑے تا کہ انہیں اس زنا کا ہدف نہ بنائے جو ہلاکت کا سبب ہے اور یہ بات باپ ہونے کی عزت کے لائق نہیں اور نہ وہ مشہور و مصاحبت ہے جس کا شرعاً حکم ہے اعفاف (پاکدامن بنانا) یہ ہے کہ اسے ایسی آزاد عورت کا مہر دے جو اسے پاکدامن بنائے یا یوں کہے: تم شادی کرلو میں تمہیں مہر دوں گا یا اس کی جازت سے اسے شادی کرائے اور مہر ادا کرے۔ جب بیوی مر جائے یا اس کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جائے یا خاوند بیوی میں کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ کر دے تو اعفاف کی تجدید کرنا واجب ہے اسی طرح زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ جب کسی عذر کی بنا پر طلاق دے تب بھی تجدید اعفاف واجب ہے اعفاف دو شرطوں سے واجب ہوتا ہے:

اول..... جو واقعۃً مہر نہ پا سکتا ہو اس صورت میں اعفاف لازم نہیں جب باپ کو کمائی کے ذریعے مہر ادا کرنے کی قدرت ہو۔

دوم..... جسے شادی کی ضرورت ہو مثلاً اسے صحبت کی خواہش رہی ہو اگر چہ زنا کا خوف نہ ہو یا اس کے پاس ایسی عورت ہو جو اسے پاکدامن نہیں کر سکتی جیسے کم سن یا بدشکل بوڑھی ہو۔ جس شخص کو تجرد سے نقصان نہیں اور صبر کرنا اس پر شاق نہیں تو اس کے لئے شادی کی تلاش حرام ہے۔ اگر کسی کو عورت سے تمتع کے لئے بلکہ خدمت یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے عقد کی ضرورت ہو تو اس کا اعفاف واجب ہے جب ضرورت متعین ہو لیکن اسے اعفاف نہیں کہیں گے۔

کیا شادی کرنا عبادت ہے؟ شافعیہ کے نزدیک شادی کرنا دنیاوی معاملات جیسے خرید و فروخت کی طرح کا ایک معاملہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ کافر کی شادی بھی صحیح ہے اس لیے کہ اگر عبادت ہوتی تو اس کی طرف سے صحیح نہ ہوتی اور نفس کے لیے کیے جانے والے عمل سے وہ عمل افضل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے شادی اگر چہ عبادت ہے کافر سے اس کا صحیح ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس میں دنیا کی آبادکاری ہے جیسے مساجد اور جامع مساجد کو آباد کرنا، کیونکہ یہ اعمال مسلمان کی جانب سے صحیح ہیں جو اس کی طرف سے عبادت شمار ہوں گے اور کافر کی طرف سے بھی ہوتے ہیں لیکن وہ عبادت نہیں شمار ہوتے، اس کے عبادت ہونے کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور عبادت شرع سے حاصل کی جاتی ہے لہٰذا شادی عبادت میں سے ہے اس لئے کہ اس پر بہت سی مصلحتیں مشتمل ہیں۔ جن میں سے ایک نفس کو پاکدامن کرنا نئی نسل کو وجود دینا، اور اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: تم میں سے کسی ایک کی شرمگاہ (کی حاجت برآری) میں صدقہ (کا سا ثواب) ہے۔ [2]

ان دلائل کے ضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ذکر ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں: نکاح کی حاجت نہ

---

[1]..... مغنی المحتاج ۳/ ۲۱۱۔ ۲۱۳۔ [2] من حدیث ابی ذر عند مسلم و مطلعه ذهب اهل الدثور با لا جور.

پانے والا اگر عبادت کا مشغلہ نہ اختیار کرے اور سامان (شادی کے اخراجات، مہر، کپڑے اور روزانہ کا خرچہ) پانے والا ہوتو اصح قول کے مطابق اس کے لئے شادی کرنا نہ کرنے سے افضل ہے تا کہ ایسا نہ ہو اوہ جوانی اور فراغت کی وجہ سے فواحش میں پڑ جائے۔ اور فرماتے ہیں جو شخص شادی کے اخراجات اٹھا سکتا ہو اور اسے شادی کی ضرورت بھی ہو تو اس کے لئے نکاح مستحب ہے اگر اس کا بار نہ برداشت کر سکتا ہو تو اسے ترک کرنا مستحب ہے اور اپنی شہوت کو روزے رکھ کر کم کرے۔ پھر اس کے پاس سامان نکاح نہ ہو اور اسے ضرورت بھی نہ ہو تو مکروہ ہے ورنہ اس کی قدرت کے ہوتے ہوئے مکروہ نہیں۔

ظاہریہ کا کہنا ہے: اس حالت اعتدال میں شادی کرنا فرض ہے جب انسان کو اس کی قدرت ہو اور اس مطلوبہ اخراجات پر دسترس ہو۔ جس کی دلیل سابقہ آیات کا ظاہر ہے عورتوں میں سے جو تمہیں بھلی لگیں ان سے نکاح کر لیا کرو اور اپنے بے نکاح لوگوں کے نکاح کرا دیا کرو اور سابق احادیث تم میں سے جسے شادی کرنے کی مقدرت ہو وہ شادی کر لے اور امر سے وجوب کا فائدہ ہوتا ہے لہٰذا شادی کرنا واجب ٹھہرا، اس کا کسی نے یہ جواب دیا ہے یہ وجوب ندب واستحباب کی جانب پھیرا ہوا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی ہے دو دو تین تین، اور چار چار اور ارشاد عالی ہے: اور جن کے تم مالک ہو نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک پہ شادی واجب نہیں کی ہے۔

اس رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد ابن ابی شیبہ اور ابن عبد البر نے عکاف بن وداعۃ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: عکاف کیا تمہاری اہلیہ ہے؟ عرض کی نہیں فرمایا: باندی؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا: کیا تم تندرست اور مالدار ہو؟ عرض کی: الحمد اللہ، آپ نے فرمایا: تم تو پھر شیاطین کی برادری سے ہوئے (دیکھو) اگر تم نصاریٰ کے راہبوں سے تعلق رکھتے ہو تو ان کے ساتھ جا رہو: اور اگر ہمارے ساتھ ہو تو ویسے ہی کرو جیسے ہم کرتے ہیں اور ہمارا طریقہ نکاح کرنے کا ہے، تمہارے برے لوگ غیر شادی شدہ ہیں۔ اور تمہارے مردوں میں سب سے گھٹیا غیر شادی شدہ لوگ ہیں۔ ❶

کسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے: ایک آدمی پہ شادی کو واجب کرنے سے سب پہ لازم نہیں ہو جاتی اس لئے کہ وجوب کا سبب صرف اسی کے حق میں پایا گیا نہ کہ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں میں۔

المبحث الثانی۔ شادی کے ارکان:

تمہید......احناف کے ہاں رکن کی تعریف یہ ہے کہ جس میں کوئی چیز موقوف ہو، اوہ جزء ہو کر اس چیز کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔ اور ان کے نزدیک شرط اسے کہتے ہیں: جس پہ چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس کی حقیقت کا جزء نہ ہو۔ جمہور کے نزدیک رکن کی تعریف یہ ہے: جس سے چیز کی مضبوطی اور وجود ہو اس کے بغیر متحقق وثابت نہ ہو یا جس کا ہونا ضروری ہو۔

ان کی مشہور عبارت میں یہ تعریف ہے، ماہیت شرعیہ صرف اسی کے ساتھ پائی جا سکے یا جس پہ چیز کی حقیقت موقوف ہو خواہ اس چیز کا جز ہو یا اس سے خارج ہو۔ اور ان کے نزدیک شرط یہ ہے: جس پہ چیز کا وجود موقوف ہو اور اس کا جز نہ ہو۔ اس پہ اتفاق ہے کہ ایجاب وقبول رکن ہیں اس لئے کہ ان کے ذریعے دو عقد کرنے والوں میں سے ایک دوسرے سے مل جاتا ہے اور رضامندی شرط ہے۔

احناف کے نزدیک شادی کا رکن یہ ہے......فقط ایجاب وقبول جبکہ جمہور کے نزدیک شادی کے ارکان چار ہیں صیغہ (ایجاب وقبول) بیوی خاوند ولی (سرپرست) وہی دونوں عقد کرنے والے ہوتے ہیں، رہا جس پہ عقد ہوا ہے تو وہ استمتاع ہے جس کا شادی کرنے والے جوڑے کا شادی کے ذریعے ارادہ ہے۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اس پہ عقد موقوف نہیں ہوتا۔ وہ تو گواہوں کی طرح شرط ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ نکاحِ تفویض جائز ہے رہے گواہ تو وہ بھی شرط ہیں۔ گواہوں اور مہر کو رکن قرار دینا صرف بعض فقہاء کی اصطلاح ہے۔ احناف

---

❶......قال الهيثمي: وفيه راو لم يسم وبقيته رجاله ثقات.

کے نزدیک ایجاب وہ ہے جو دو عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک سے پہلے صادر ہو خواہ خاوند ہو یا بیوی اور قبول ان کے نزدیک یہ ہے کہ جو دوسرے مرتبے میں دوسری طرف سے صادر ہو۔

جبکہ جمہور کے نزدیک ایجاب یہ ہے...... وہ ایسا لفظ جو ولی یا اس کے قائم مقام جیسے وکیل سے صادر ہو اس لیے کہ قبول تو ایجاب کے لیے ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب وہ پہلے پایا گیا تو وہ قبول نہیں ہوگا کیونکہ اس کا معنی نہیں اور قبول وہ لفظ ہے جو خاوند کی طرف سے شادی کی رضا مندی پر دلالت کرے۔ جب مرد عورت سے کہے: مجھ سے اپنی شادی کر دو اور وہ کہے: میں نے قبول کیا تو ان میں سے پہلا لفظ احناف کے نزدیک ایجاب جبکہ دوسرا قبول ہے۔ اور جمہور کے نزدیک اس کے برعکس ہے اس لیے کہ عورت کا ولی ہی خاوند کو عورت سے استمتاع کرنے کے حق کا مالک بناتا ہے، اس کی بات ہی ایجاب ہوگی۔ اور وہ مالک بنتا ہے لہٰذا اس کی بات قبول ہوگی۔ قانون سوری (م ۵) نے صراحت کی ہے عاقدین میں سے ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے شادی منعقد ہو جاتی ہے۔

شادی کا صیغہ: اولا: شادی کے الفاظ:

شادی ایک شہری عقد ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں عقد...... تصرف کے اجزاء یعنی ایجاب وقبول جو شرعی ہو کو جوڑنے کا نام ہے اور یہاں عقد سے مراد مصدری معنی ہے جو جڑنا ہے اور شریعت یہ حکم لاگو کرتی ہے کہ ایجاب وقبول دونوں حسی طور پر ہوں اور دونوں آپس میں حکمی طور پہ مرتبط ہوں۔ بعض دفعہ تو ایجاب وقبول دونوں ہی لفظاً ہوتے ہیں کبھی تحریراً یا اشارتاً ہوا کرتے ہیں۔ ایجاب وقبول کے الفاظ کی تین صورتیں بعض ان میں سے متفق علیہ ہیں کہ ان کے ذریعہ شادی منعقد ہو جاتی ہے اور بعض کے ذریعہ شادی کے نہ منعقد ہونے پہ اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ ❶

رہے وہ الفاظ جن کے ذریعہ شادی کے منعقد ہونے پہ فقہاء کا اتفاق ہے تو وہ یہ الفاظ ہیں: میں نے نکاح کیا، میں نے شادی کرائی کیونکہ نص قرآنی میں یہ دونوں الفاظ وارد ہیں زَوَّجْنَا كَهَا، اور ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ اور وہ الفاظ جن کے ذریعے شادی کے نہ منعقد ہونے پہ فقہاء کا اتفاق ہے تو وہ ایسے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ فی الحال چیز کی تملیک (مالک بنانے) کا پتہ چلتا ہے اور نہ زندگی بھر ملکیت باقی رہنے کا پتہ چلتا ہے جو یہ الفاظ ہیں: مباح قرار دینا، مانگے پر دینا، اجرت پر دینا، متعہ، وصیت رہن، ودیعت وغیرہ۔ رہے وہ الفاظ جن کے ذریعے شادی منعقد ہونے میں اختلاف ہے تو وہ خرید وفروخت ہبہ، صدقہ اور عطیہ وغیرہ کے الفاظ ہیں جن سے فی الحال چیز کے مالک بنانے اور زندگی بھر ملکیت باقی رہنے کا پتہ چلتا ہے۔

ا۔ احناف اور شافعیہ کا راجح قول ہے...... ان لفاظ کے ساتھ بشرط نیت یا کسی ایسے قرینہ کے ہوتے ہوئے جو شادی پہ دلالت کرتا ہو، شادی منعقد ہو جاتی ہے۔ جیسے مہر کا بیان اور لوگوں کو حاضر کرنا اور گواہوں کا مقصد کو سمجھنا اس لئے کہ مطلوب، عاقدین کے ارادہ کو پہنچانتا ہے۔ اور لفظ کا اعتبار نہیں۔ شریعت میں بھی ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو ہبہ اور تملیک کے الفاظ ہیں اور شادی پہ دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے اول۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ”اور مومن عورت اگر اپنے آپ کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہبہ کرے، اگر نبی کا اس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو (اے نبی) یہ حکم دوسرے ایمان والوں کے علاوہ خاص کر آپ کے لئے ہے“ مہر کے بغیر شادی کا صحیح ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے نہ لفظ ہبہ کے استعمال سے۔

---

❶...... الدر المختار ۲/ ۳۶۱، البدائع ۲/ ۲۲۹ اللباب ۳/ ۳الشرح الكبير ۲/ ۲۲۱ الشرح الصغير ۲/ ۳۳۴ القوانين الفقهيه ص ۱۹۵ مغنی المحتاج ۳/ ۱۳۹ المهذب ۲/ ۴۱ بداية المجتهد ۲/ ۴ كشاف القناع ۰/ ۳۶

ثانی.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے شخص کو ارشاد فرمانا جس کے پاس اتنا مال بھی نہ تھا جسے وہ مہر میں پیش کر سکے "تمہیں جتنا قرآن یاد ہے اس کے عوض میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا" میرے نزدیک یہی راجح ہے اس لئے کہ معاملات میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ اور مبانی کی کچھ حیثیت نہیں ہوتی۔

٢۔شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے.....ان الفاظ سے شادی نہیں ہوتی، شادی صرف لفظ نکاح یا تزویج سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن مجید میں آئے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا انہی پہ اکتفاء کرنا لازم ہے۔ ان کے علاوہ الفاظ سے شادی کا ہونا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ شادی ایک ایسا عقد ہے جس میں اس کے ساتھ مخصوص الفاظ کے ذریعے نیت معتبر ہے، رہی آیت اگر کوئی عورت اپنے آپ کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہبہ کرے، تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور حدیث میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا یا تو راوی کو وہم ہوا ہے یا راوی نے اسے معنیً (اپنے الفاظ میں) ذکر کیا ہے اس کا گمان ہے یہ لفظ، لفظ نکاح کا مترادف ہے، اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے تو یہ جمہور کی روایت سے ٹکرا رہی ہے جس میں **زوجتکھا** (میں نے اس سے تمہاری شادی کر دی) کے الفاظ ہیں۔

مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے.....احناف ❶ کے نزدیک ہر اس لفظ سے شادی ہو جاتی ہے جس میں فی الحال چیزں کا مالک بنانے کا مفہوم پایا جائے جیسے ہبہ تملیک، صدقہ، عطیہ، قرض، سلم، اجرت ❷ پہ طلب کرنا، صلح، صرف، انعام اور خرید و فروخت، اس شرط سے کہ نیت ہو یا کوئی قرینہ پایا جائے۔ اور گواہوں کو مقصود کا علم ہو، یوں کہنے سے شادی منعقد نہیں ہوگی: میں نے تیرے آدھے سے شادی کی یہی زیادہ صحیح ہے احتیاط کی بنا پر، بلکہ ضروری ہے کہ نکاح کو اس عورت کے پورے بدن یا کسی ایسے عضو کی طرف منسوب کرے جو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے پیٹھ پیٹ۔

اور مالکیہ ❸ کے نزدیک لفظ تزویج و تملیک اور جو الفاظ ان کے قائم مقام ہوں سے شادی منعقد ہو جاتی ہے جیسے خرید و فروخت ہبہ صدقہ اور عطیہ بشرطیکہ مہر کا ذکر ہو تا کہ وہ شادی کے ارادے کی علامت سمجھی جائے۔

اگر مہر کا ذکر نہ کیا تو شادی منعقد نہیں ہوگی، اس لحاظ سے الفاظ چار طرح کے ہوئے۔ اول۔ جن الفاظ سے مطلقاً شادی منعقد ہو جاتی ہے خواہ مہر کا نام لے یا نہ لے اور وہ انکحت وزوجت کے الفاظ ہیں دوم۔ جن سے شادی منعقد ہو جاتی ہے اگر مہر کا نام لیا ہو ورنہ نہیں اور وہ صرف وھبت کا لفظ ہے۔ سوم۔ جن الفاظ میں تردد ہو تو وہ ہر ایسا لفظ ہے جو زندگی بھر بقا کا تقاضا کرے، مثلاً میں نے اپنی بیٹی تیرے لئے اتنے مہر کے عوض بیچ دی، یا میں نے تمہیں اس کا مالک بنا دیا، یا اسے تمہارے لیے حلال کر دیا یا تمہیں دے دی یا بخش دی چہارم۔ جن الفاظ سے مطلقاً بالاتفاق نکاح منعقد نہیں ہوتا تو وہ ہر ایسا لفظ جو زندگی بھر بقا کا تقاضا نہ کرے مثلاً حبس (قید) وقف، اجارۃ (اجرت پہ دینا) اعارۃ (مانگے پر دینا) عمریٰ (عمر بھر کے لیے دینا) یہی راجح ہے۔

شافعیہ اور ❹ حنابلہ کے نزدیک صرف لفظ تزویج اور نکاح سے شادی منعقد ہوگی۔ ان کے علاوہ دوسرے الفاظ سے نہیں ہوگی جیسے ہبہ، تملیک، اجارۃ، جن الفاظ کا قرآن مجید میں ذکر ہے انہی پہ اکتفا کرتے ہوئے۔

المعاطاتہ ❺.....ایک دوسرے کو دینے سے شادی منعقد نہیں ہوتی اس پر فقہاء کا اتفاق ہے تاکہ فروج کے معاملہ کا احترام ان کی قدور

---

❶.....متفق علیه عن سهل بن سعد (نیل الاوطار ١١/٠/٦) الدرالمختار وحاشیته ابن عابدین ٢/٣٦٤-٣٦٥-٣٦٩ ❷ عورت بدل بنائی جائے مثلاً میں اپنے عوض یا اپنی بیٹی کے عوض تمہارا گھر اجرت پر لیتی ہوں۔ جب نکاح کا ارادہ ہو اجارۃ (اجرت پر دینا) اس کے خلاف ہے کہ میں اپنے آپ کو اتنے پیسوں کے عوض اجرت پر دیتی ہوں۔ ❸ الرساله ٢/٢٦ الشرح الكبير ٣/٢٢١، الشرح الصغير ٢/٣٥٠ ❹ المهذب ٢/٤١ مغنی المحتاج ٣/١٣٩ کشاف القناع ٥/٣٧ المغنی ٦/٥٢٢ ❺ الدرالمختار وابن عابدین ٢/٣٧٢،

قیمت اور زیادہ حرمت برقرار رہے۔ ان پہ عقد کرنا صحیح نہیں البتہ اگر صریح الفاظ میں یا کنایۃً ہوں تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صریح الفاظ سے۔ احناف کے نزدیک مختار قول کے مطابق اقرار سے شادی منعقد نہیں ہوتی، یعنی اقرار عقد کے صیغوں (الفاظ) میں سے نہیں لہٰذا اگر کوئی عورت کہتی ہے: میں اقرار کرتی ہوں تم میرے خاوند ہو اور اس میں اور اس مرد کے درمیان رشتہ ازدواج نہ قائم ہوا ہو، تو یہ اقرار صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اقرار تو ثابت شدہ چیز کے اظہار کے لیے کیا جاتا ہے انشاء (کسی چیز کو وجود دینا) نہیں۔

غلط الفاظ ❶..... احناف کے نزدیک غلط (بگڑے ہوئے) الفاظ سے شادی منعقد نہیں ہوتی مثلاً تزوجت کی جگہ تجوزت، جوزت یا زوزت کہہ دیا، کیونکہ صحیح قصد معدوم ہے، لیکن اگر کچھ لوگ یہی غلط الفاظ بولنے پہ اتفاق کرتے ہوں (یعنی ان کی اکثریت اسی طرح کہتی ہو) اور اس سے ان کا مقصد استمتاع کے حلال ہونے کی دلالت ہو اور یہ الفاظ ان کے قصد وارادے سے صادر ہوں تو اس صورت میں ان الفاظ سے شادی منعقد ہو جائے گی کیونکہ شادی اور یہ حالت ان کی طرف سے جدید ❷ وضع ہوگی یعنی اب یہ لفظ شادی کی علامت بن گیا اس لیے اس سے شادی منعقد ہوگی دو عقد کرنے والے اور گواہ ان الفاظ سے شادی کرانے کو ہی تعبیر کرنا سمجھتے ہیں۔ اور عرف کے مطابق اس سے یہی معنی مراد لیا جاتا ہے۔

شافعیہ کا کہنا ہے: کہ بگڑے ہوئے الفاظ سے شادی ہو جاتی ہے جیسے جوزتک موکلتی (جس عورت نے مجھے وکیل بنایا میں نے اس سے تمہارا نکاح کرا دیا)

وہ الفاظ جو عربی زبان کے نہ ہوں...... اکثر فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ عربی سے ناواقف شخص جو عربی زبان بولنے سے عاجز ہو اس کا نکاح اس کی اپنی زبان میں جسے وہ سمجھتا اور بولتا ہے منعقد ہو جائے گا اس لیے کہ معاملات میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے نیز وہ عربی بولنے سے لاچار ہے تو عربی میں بولنا اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا جیسے گونگا ہوتا ہے اسے چاہیے کہ وہ تزویج یا نکاح کا معنی استعمال کرے بایں طور کہ وہ عربی لفظ کے معنی پہ مشتمل ہو۔ البتہ جب عقد کرنے والا اچھے طریقے سے عربی بول سکتا ہو تو جمہور کے نزدیک اصح قول کے مطابق جائز ہے شافعیہ کے نزدیک ہر اسی زبان میں گفتگو کرنا جس سے باہمی گفتگو کی جا سکتی ہو۔ کیونکہ مقصود ارادے کا اظہار کرنا ہے اور ایسا ہر زبان میں پایا جاتا ہے، نیز وہ اپنا خاص لفظ بولا اس لیے اس کے ذریعہ شادی منعقد ہو جائے گی جیسے عربی زبان کے الفاظ سے ہو جاتی ہے۔

حنابلہ کا کہنا ہے: جو شخص عربی بول سکتا ہو اس کے لئے عربی کے علاوہ الفاظ میں شادی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا جسے اس کی قدرت ہو اس کے لئے ان الفاظ کے علاوہ کا استعمال صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ وہ دو لفظوں انکاح اور تزویج سے باوجود قدرت کے اعراض کر رہا ہے لہٰذا صحیح نہیں۔ جیسے ہبہ بیع (خرید وفروخت) اور حلال کرنے کے الفاظ سے صحیح نہیں ❸ قانون سوری (م٦) نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے چنانچہ وہاں صراحت ہے ایجاب وقبول سے ایسے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیے جن کا معنی لغت اور عرف میں مفید ہو۔

ثانی...... فعل کا صیغہ:

ایجاب وقبول کا صیغہ کبھی لفظ ماضی میں یا لفظ مضارع (حال ومستقبل) یا لفظ امر ہوتا ہے۔ ماضی کے صیغہ کے ذریعہ شادی منعقد ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ مضارع اور امر کے صیغوں میں اختلاف ہے۔ ❹

---

❶...... التصحیف کا مطلب ہے لفظ کو اس طرح بگاڑنا کہ اصل لغوی وضع سے جو مقصودی معنی تھا وہ بدل جائے۔ ❷ الدر المختار مع ابن عابدین ٢/ ٣١ ❸ ابن عابدین ١/ ٣٧١، مغنی المحتاج ٣/ ١٤٠، کشاف القناع ٥/ ٣٨۔ ٣٩۔ المغنی ٦/ ٥٣٣۔ ❹ البدائع ٢/ ٢٣١ الدر المختار وردالمحتار ٢/ ٣٧٨ الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ٢/ ٢٣٠ مغنی المحتاج

الف.....فعل ماضی کے صیغہ سے شادی منعقد ہو جاتی ہے مثلاً عورت کا ولی (سرپرست) مرد سے یوں کہے: میں نے اپنی فلاں بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ اتنے مہر سے کر دیا، اور (ہونے والا) خاوند کہے: میں نے قبول کیا یا میں راضی ہوا۔ اس لئے کہ اس صیغہ سے مقصد فی الحال عقد کو وجود دینا ہے لہٰذا نیت یا قرینے پر موقوف ہوئے بغیر عقد ہو جائے گا۔

ب.....رہا وہ عقد جو صغیہ مضارع میں ہو۔ مثلاً مرد عورت سے عقد کی مجلس میں کہے: میں تم سے اتنے مہر کی مقدار پہ شادی کرتا ہوں اور عورت کہے میں قبول کرتی ہوں یا میں راضی ہوں تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک عقد صحیح ہے بشرطیکہ وہاں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو فی الحال عقد وجود دینے کے ارادہ پر دلالت کرے۔ مستقبل میں وعدے کے لیے نہ ہو۔ جیسے شادی کے عقد کو جاری کرنے کے لیے مجلس کی حالت و کیفیت بنائی گئی ہو۔ اس لئے یہ حالت وعدہ کے ارادے یا سودے کے ارادے کی نفی کرتی ہے اور اس سے فی الفور کے ارادے کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ شادی خرید وفروخت کے معاملہ کے برعکس خطبہ کے بعد ہوتی ہے۔ اگر وہ مجلس فوری طور پر عقد پورا کرنے کی حالت نہ بتا رہی ہو اور فی الحال شادی کو وجود دینے کے قصد پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ اور علامت بھی نہ ہو تو عقد نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مضارع کے صیغہ سے شادی نہیں ہوگی۔ ان کے نزدیک ماضی کا صیغہ جو نکاح یا زواج سے مشتق ہونا ضروری ہے، مثلاً خاوند کہے: میں نے شادی یا میں نے نکاح کیا یا میں نے اس عورت کا نکاح قبول کیا یا اسکی تزویج کو قبول کیا۔ کنایہ کی صورت میں صحیح نہیں۔ مثلاً میں نے اپنی بیٹی تمہارے لئے حلال کر دی، کیونکہ گواہوں کو نیت کا علم نہیں۔ اور اگر عورت کا ولی کہے: میں نے تم سے شادی کرا دی اور خاوند کہے: میں نے قبول کیا تو شافعیہ کے نزدیک مذہب کی بنا پر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ جبکہ شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ہو جائے گا۔

ج.....احناف اور مالکیہ کے نزدیک "صیغہ امر" سے عقد کرنا صحیح ہے۔ مثلاً مرد عورت سے کہے: مجھ سے اپنی شادی کر دو اور اس سے اس کا ارادہ شادی کرنے کا ہو نہ کہ منگنی (پیام نکاح) کا، اور عورت کہہ دے: میں نے تم سے اپنی شادی کر دی، تو ان دونوں کے درمیان (بقیہ شرائط کے ساتھ) رشتہ ازدواج مکمل ہو جائے گا۔ [1] احناف کے ہاں اس کی توجیہ یہ ہے مرد کا قول عورت کے اپنی شادی کرانے کے وکیل بنانے کو شامل ہے۔ چنانچہ اس کا یہ کہنا: میں نے تم سے اپنی شادی کر دی ایجاب وقبول کے قائم مقام ہے اور مالکیہ کے ہاں اس کی توجیہ یہ ہے: کہ امر کا صیغہ عرف میں عقد کے ایجاب کے لئے سمجھا جاتا ہے اور ضمنی طور پر وکیل بنانے کے لئے نہیں سمجھا جاتا۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے۔ رہا استفہام کے الفاظ میں شادی کا منعقد ہونا مثلاً ایک مرد دوسرے سے کہے: کیا تم نے اپنی بیٹی سے میری شادی کر دی ہے تو دوسرا کہے: میں نے شادی کرا دی ہے یا ہاں کہہ دے تو احناف کے نزدیک شادی نہیں ہوگی جب تک ایجاب کرنے والا اس کے بعد یوں نہ کہے: میں نے قبول کیا۔ اس لیے کہ اس کا یہ کہنا: کیا تم نے شادی کر دی استفہام یا خبر کی طلب ہے عقد نہیں، بخلاف صیغہ امر سے 'مجھ سے شادی کرو کیونکہ اس میں ضمنی طور پر وکیل بنانا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا.....شافعیہ کے نزدیک صیغہ ماضی سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے اور وہ لفظ زواج اور نکاح کے مادے (اصل) سے ہو جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ماضی، مضارع اور امر سے منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ قرینہ یا دلالت حال سے ایجاب کا پتہ چل رہا ہو، نہ کہ وعدے کا۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک قبول پہ ایجاب کو مقدم کرنا شرط نہیں۔ بلکہ مستحب ہے بایں طور ولی کہے: میں نے اس (عورت) سے تمہاری شادی کر دی یا تمہارا نکاح کر دیا۔ اور حنابلہ کا کہنا ہے: جب قبول ایجاب سے مقدم ہوگا تو صحیح نہیں۔ خواہ ماضی کے الفاظ میں ہو: میں

[1].....یہ ان کے نزدیک استحسان کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا ہے اس لیے کہ مروی ہے کہ حضرت بلال نے انصار کے ایک گھرانے میں پیام نکاح بھیجا تو ان لوگوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا حضرت بلال نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے ہاں دینے کا حکم نہ فرمایا ہوتا تو میں کبھی پیام نہ بھیجتا جس پر ان لوگوں نے کہا: آپ مالک ہو گئے یہ منقول نہیں کہ حضرت بلال نے دوبارہ کچھ کہا۔ اگر کچھ کہا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا۔

نے شادی کی یا طلب کے الفاظ میں ہو: مجھ سے اپنی شادی کر دو۔

سوم......ایک عاقد سے شادی کا منعقد ہونا:

احناف کا قول ہے ❶......ایک عاقد کے ذریعے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جب اسے جانبین سے اختیار حاصل ہو خواہ یہ ولایت واختیار اصلی ہو جیسے قرابت کی ولایت یا طاری اور عارضی ہو جیسے وکیل بننے کی ولایت۔

۱......عقد کرنے والا دونوں طرف سے ولی ہو جیسے دادا، جب اپنے چھوٹے پوتے کی شادی اپنی چھوٹی پوتی سے کرائے اور بھائی جب اپنی بھتیجی کی شادی اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے سے کرائے۔

۲......یا وہ اصل اور ولی ہو جیسے چچازاد جب اپنی عم زاد کی شادی اپنے ساتھ کرے۔

۳......یا جانبین کا وکیل ہو۔

۴......یا جانبین کا قاصد ہو۔

۵......یا ایک جانب کا ولی اور دوسری جانب کا وکیل ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت کسی مرد کو اپنے ساتھ شادی کرنے کا وکیل بناتی ہے یا کوئی مرد کسی عورت کو اپنے ساتھ شادی کرنے کا وکیل بناتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلی حالت میں شادی منعقد ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں جو جانبین سے ولی کی حالت جیسے دادا اپنی پوتی کی شادی اپنے پوتے سے کراتا ہے۔❷

مالکیہ ❸ نے اسے جائز قرار دیا۔ ہے کہ چچازاد، ولی کا وکیل اور حاکم اپنے ساتھ عورت کی شادی کر سکتے ہیں۔

ایک فضولی عاقد سے شادی منعقد نہیں ہوگی۔ اگر چہ دو عبارتوں میں ہو۔ اس لیے کہ تمام عقود میں عاقدوں کا متعدد ہونا شرط ہے خواہ تعداد حقیقتاً ہو جیسے وہاں دو آدمی ہوں جن دونوں سے ایجاب وقبول صادر ہو یا حکماً ہو جیسے ایک شخص ہو اور اسے شرعی صفت اور جانبین کی ولایت حاصل ہو۔ اس صورت میں عقد ہو جائے گا اگر فضولی کہے: میں نے فلاں عورت کا نکاح فلاں مرد سے کر دیا اور اس وقت وہ دونوں وہاں موجود نہ ہوں کوئی دوسرا فضولی خاوند کی جانب سے قبول کر لے۔

ایک عاقد سے شادی منعقد ہونے کے دلائل متعدد عاقد کے آغاز سے مستثنیٰ ہیں۔

اول......جو روایت امام بخاری نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کی ہے انہوں نے ام حکیم سے فرمایا: کیا تم اپنا اختیار مجھے دیتی ہو؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، تو وہ بولے: میں نے تم سے اپنی شادی کر لی تو یہ آخری حالت کی دلیل ہوئی جس میں عاقد ایک جانب سے اصل اور دوسری جانب سے وکیل ہو۔

ثانی......جو روایت ابوداؤد نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: کیا تم اس پہ راضی ہو کہ میں فلانی سے تمہاری شادی کر دوں؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ اور عورت سے فرمایا: کیا تم اس پہ راضی ہو میں فلاں سے تمہاری شادی کر دوں؟ انہوں نے عرض کی: ہاں جی، توان میں سے ایک کی دوسرے سے شادی کر دی تو یہ تیسری حالت کی دلیل ہوئی جس میں ایک شخص جانبین سے وکیل ہوتا ہے۔

ثالث......بقیہ حالتوں کو سابقہ دونوں حدیثوں میں مذکورہ پر قیاس کر سکتے ہیں اس لئے کہ معنی میں (یہ حالتیں) مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ

---

❶......البدائع ۲/ ۲۳۱۔ ۲۳۳۔ ❷ چچازاد اپنی شادی نہ کرائے بلکہ اس کا ہم پلہ چچازاد اس کی شادی کرائے ورنہ قاضی (مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۳)
❸ القوانین الفقھیہ ص ۲۰۰ الشرح الکبیر ۲/ ۲۳۳

تمام صورتوں میں عاقد کو شرعی صفت عقد جاری کرنے کے وقت حاصل ہے خواہ اس میں دوسرے کی ولایت وسرپرستی ہو یا وکالت ہو یا اپنی جانب سے اصالت ہو۔

چہارم: تحریر یا اشارے سے نکاح کا منعقد ہونا.....کبھی کبھار تحریر یا اشارہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔❶

ا۔ موجودگی کی حالت میں بولنے والا......اگر عقد کرنے والے دونوں شخص مجلس عقد میں موجود ہوں اور دونوں کو گفتگو کرنے کی قدرت ہو، تو بالاتفاق ان دونوں کے درمیان تحریر یا اشارتاً شادی صحیح نہیں ہوگی۔ اگرچہ تحریر بالکل واضح ہو اور اشارے سے شادی ہونے کی سمجھ آ رہی ہو۔ اس لئے کہ بولنے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں نیز چونکہ الفاظ ارادے کی تعبیر کرنے میں اصل نہیں جس کی صرف ضرورت کے وقت احتیاج ہوتی ہے جبکہ یہاں کسی قسم کی ضرورت نہیں، اور اس وجہ سے بھی کہ گواہوں کو سننے کی سہولت نہیں۔ جیسے تحریر کی حالت میں عاقد کی گفتگو۔

۲۔ عدم موجودگی میں بولنے والا......عقد کرنے والوں میں سے جب ایک مجلس عقد سے غیر حاضر ہو تو اس صورت میں احناف کے نزدیک تحریر یا قاصد کے ذریعے شادی ہو جائے گی بشرطیکہ خط پہنچنے یا قاصد کے آنے کے وقت گواہ موجود ہوں اس لیے کہ غائب شخص کا خط اس کا خطاب ہے ❷ احناف فرماتے ہیں: جو حیثیت حاضر شخص کے خطاب کو حاصل ہے وہی غائب کی تحریر کو حاصل ہے۔

خط کی مثال......مرد اپنی منگیتر کو لکھے: میں نے تم سے شادی کر لی یا مجھ سے اپنی شادی کر دو اور وہ عورت مجلس میں خط ملتے ہی کہتی ہے: میں نے رشتہ قبول کیا اور گواہ موجود ہوں شادی صحیح ہے۔ اس لیے کہ گواہوں کا عقد (ایجاب وقبول) کے دو حصے سننا شادی صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

قاصد بھیجنے کی مثال......کہ نکاح کا پیام بھیجنے والا جس عورت کو پیام نکاح بھیجنا چاہتا ہے اور وہ مجلس سے غائب ہے کی طرف ایک شخص بھیجے جو مشافہۃً (روبرو) اسے ایجاب پہنچائے، چنانچہ جب وہ اس مجلس میں جس میں قاصد پہنچا گواہوں کی موجودگی میں قبول کر لیتی ہے تو شادی ہو جائے گی مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے: موجودگی یا عدم موجودگی میں تحریر سے شادی نہیں ہوتی اس لیے کہ تحریر تو کنایہ ہے۔ اگر ولی غائب سے کہے: میں نے تم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی یا یوں کہے: میں نے فلاں سے اس کی شادی کر دی پھر تحریر کر دیا اور اس شخص تک پہنچ گئی۔ (یعنی خبر) اور اس نے کہہ دیا: میں نے قبول کر لیا تو عقد صحیح نہیں۔

۳۔ گونگا......عقد کرنے والوں میں سے جب ایک گونگا ہو یا اس کی زبان میں بندش ہو۔

الف......اگر وہ لکھ سکتا ہو تو تحریر سے شادی ہو جائے گی جیسے اشارہ سے ہو جاتی ہے اس پر اتفاق ہے یہاں تک کہ شافعیہ کے ہاں بھی، کیونکہ یہ ضرورت ہے لیکن احناف کی ظاہری روایت میں ہے: اشارے سے منعقد نہیں ہوگی، بلکہ تحریر پر قدرت کی حالت میں تحریر سے ہی ہوگی، اس لئے کہ تحریر سے مراد کا جلدی پتہ چلتا ہے اور اشارے سے احتمال پیدا ہونے سے دور ہے بہرکیف: کتابت وتحریر بالاتفاق اشارے سے بہتر ہے کیونکہ یہ طلاق اور اقرار میں صریح کے قائم مقام ہے۔

ب......اگر گونگا یا اس جیسا شخص لکھنے سے عاجز ہو، تو بالاتفاق ایسے اشارے سے شادی ہو جائے گی جو سمجھ میں آتا ہو اور اس کا پتہ چلتا ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں ارادے کی تعبیر کا یہ متعین وسیلہ ہے۔

---

❶......البدائع ۲/۲۳۱ مغنی المحتاج ۳/۱۴۱ المحرر فی فقه الحنبلی ۲/۱۵ کشاف القناع ۵/۲۹ مواهب الجلیل لحطاب ۴/۲۲۸ الدردیر الشرح الصغیر ۲/۳۵۰ میں فرماتے ہیں: تحریر واشارہ صرف گونگے پن کی وجہ سے کافی ہے ❷الفتاویٰ الخانیة ۱/۴۸۲

خلاصہ.....فقہاء کے نزدیک گونگے کا نکاح تحریر یا اس کے اشارے سے ہو جاتا ہے اور احناف کے نزدیک جب تحریر پر قدرت ہو تو تحریر متعین ہوگی (اشارہ نہیں ہوگا) قانون سوری (م ۷) نے صراحت کی ہے: طرفین میں سے جب ایک مجلس میں نہ ہو تو ایجاب قبول تحریراً ہونے جائز ہیں اور دفعہ (۱۰) کی وضاحت ہے: جو شخص بول نہ سکتا ہو اگر لکھ سکتا ہو تو اس کا ایجاب وقبول تحریراً ہوگا ورنہ ایسے اشارے سے جو سمجھ میں آ سکتا ہو اور دفعہ (۱۲۸) میں آیا ہے جو مصر میں شرعی محکموں کی ترتیب کا لائحہ عمل ہے، گونگے کا اقرار اس کے ایسے اشارے ہوگا جس کا پتہ چلتا ہو لیکن جب وہ تحریراً اقرار کر سکتا ہو تو اقرار بالاشارہ معتبر نہیں۔

المبحث الثانی.....شادی کی شرائط:

شروط کی اقسام.....ہم نے بیان کیا ہے کہ شرط وہ ہوتی ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔ ہر عقد جس میں شادی بھی شامل ہے کی چار قسمیں ہیں۔

۱.....انعقاد کی شرطیں   ۲.....صحیح ہونے کی شرطیں

۳.....نافذ ہونے کی شرطیں   ۴.....لازم ہونے کی شرطیں

انعقاد کی شرطیں.....یہ ایسی شرطیں ہیں کہ عقد کے ارکان یا اس کی بنیادوں میں ان سب کا ہونا لازمی ہے اگر ان میں سے ایک شرط بھی رہ گئی تو بالاتفاق وہ عقد باطل ہوگا۔

صحیح ہونے کی شرطیں.....یہ ایسی شرطیں ہیں کہ ان کا ہونا اس لیے لازمی ہے تا کہ عقد پر شرعی اثر مرتب کریں ان میں سے اگر ایک شرط بھی رہ گئی تو احناف کے نزدیک وہ عقد فاسد ہوگا جمہور کے نزدیک باطل ہوگا۔

نافذ ہونے کی شرطیں.....ایسی شرطیں ہیں جن پہ عقد کے اثر کا ترتب بالفعل موقوف ہو، جبکہ عقد منعقد اور صحیح ہو چکا ہو، اگر ان میں سے ایک شرط بھی رہ گئی تو احناف اور مالکیہ کے نزدیک وہ عقد موقوف رہے گا۔

لازم ہونے کی شرطیں.....جن پہ عقد کا استمرار (جاری رہنا) اور باقی رہنا موقوف ہو۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی چھوٹ گئی تو عقد جائز ہوگا یا غیر لازم اور یہی وہ عقد ہے جس کا عاقدین میں سے کسی ایک یا ان دونوں کے علاوہ کسی کے لیے فسخ کرنے (توڑنے) کی اجازت ہے۔

عقد باطل.....ایسا عقد ہوتا ہے جس پہ عقد صحیح کے اثرات میں سے کوئی اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ لہٰذا باطل شادی پہ شادی کے اثرات میں سے کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی خواہ دخول کے بعد ہو۔ اسے معدوم ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے اس کے ذریعے باپ سے نسب نہیں ثابت ہوگا اور نہ اس کے بعد عورت پر عدت لازم آتی ہے جیسے (نعوذ باللہ) محارم میں سے کسی سے شادی جیسے، بہن اور بیٹی اور ایسی عورت سے شادی جو کسی دوسرے مرد سے بیاہی ہو۔

عقد فاسد.....احناف کے نزدیک اس کے لئے عقد صحیح کے کچھ اثرات ثابت ہوتے ہیں، عقد فاسد سے بیوی سے ہمبستری کے اثرات ثابت ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس کے ذریعے نسب بھی ثابت ہو جاتا ہے تفریق یا باہمی متارکت سے عورت پہ عدت بھی واجب ہوگی، جیسے بغیر گواہوں کے شادی یا وقتی شادی، ایک ہی خاوند کی شادی میں، بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے شادی، یا دوران عدت شادی کرنا۔

شادی منعقد ہونے کی شرائط.....شادی منعقد ہونے کے لئے کہ عاقدین مرد عورت میں کئی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور کئی

شرائط صیغہ ایجاب ❶ وقبول میں پائی جانی شرط ہیں۔

اول: عاقدین میں پائی جانے والی شرائط......شادی کا عقد کرنے والے دوافراد (مرد عورت) میں دو شرطوں کا پایا جانا شرط ہے۔

ا۔ تصرف کی اہلیت......کہ عقد کنندہ اپنے لیے یا کسی اور کے لئے عقد کر رہا ہو عقد کرنے کی اہلیت رکھتا ہو جس کا اندازہ صرف تمیز سے ہو جاتا ہے لہٰذا جب اسے تمیز کرنے کا پتہ نہ ہو جیسے وہ بچہ ہو سات سال سے کم عمر کا ہو اور پاگل تو شادی منعقد نہیں ہوگی اور شادی باطل ہوگی اس لئے کہ ارادہ اور قصد صحیح کامل طور پر نہیں پایا گیا جس کا شرعاً اعتبار ہے۔ شادی کے منعقد اور صحیح ہونے کے لئے بلوغت شرط نہیں۔ وہ تو احناف کے ہاں عقد کے نافذ ہونے کی شرط ہے۔ شافعیہ نے ولی کے لئے خواہ وہ باپ ہو یا دادا اس کی اجازت دی ہے کہ وہ تمیز کرنے والے کم سن کی شادی کرا سکتا ہے خواہ ایک سے زیادہ سے کرائے اگر اس میں ولی کو کوئی مصلحت نظر آئے۔ کیونکہ اس کا شادی کرانا کسی مصلحت کے تحت ہی ہوگا اور کبھی اس کا تقاضا ہوتا ہی ہے ❷ جبکہ ❸ حنابلہ نے بھی خصوصاً باپ کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے یا مجنون کی شادی کرانے کی اجازت دی ہے اگر چہ وہ مجنون بڑا ہو۔ اثرم کی روایت ہے: حضرت ابن عمر نے اپنے کمسن بیٹے کی شادی کی تو لوگوں نے ان کا مقدمہ حضرت زید کے سامنے پیش کیا تو ان دونوں نے اسے جائز قرار دیا باپ اگر مصلحت سمجھے تو کم سن کی ایک سے زیادہ شادیاں کرا سکتا ہے اور مالکیہ ❹ نے باپ وصی اور حاکم کے لیے پاگل اور کم سن کی شادی کرانے کو جائز کہا ہے جب یہ شادی کسی مصلحت کی بنا پر ہو جیسے زنا یا ضرر کا خوف یا وہ ان لوگوں میں سے جس کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مہر کی ادائیگی باپ کے ذمہ ہوگی۔

۲۔ دوسرے کی بات سننا......عقد کرنے والے دونوں ایک دوسرے کے الفاظ سنیں خواہ حکماً جیسے مجلس سے غائب عورت کی طرف تحریر بھیجنا اور اس سے یہی سمجھا جائے کہ اس سے مقصد شادی کو وجود دینا ہے تا کہ اس کے ذریعے ان دونوں کی رضامندی ثابت ہو جائے۔ زیادہ دقیق بات یہ ہے کہ اسے عقد کے صیغہ میں شرط مانا جائے۔ احناف کے نزدیک رضامندی کی پوری حقیقت شرط نہیں چنانچہ زبردستی اور مزاح میں شادی صحیح ہے۔

دوم: عورت کی شرائط......شادی کے عقد کے لئے عورت میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

ا......کہ وہ صحیح طور ثابت شدہ عورت ہو: لہٰذا مرد یا خنثیٰ مشکل (ایسا ہیجڑا جس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہ ہو) سے عقد نہیں ہوگا: اور ہیجڑے سے شادی باطل ہے۔

۲......کہ وہ عورت مرد کے لئے یقینی حرام نہ ہو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو: لہٰذا محرم خواتین جیسے بیٹی، بہن، پھوپھی، اور خالہ سے نکاح نہیں ہوگا اسی طرح جو عورت کسی اور سے بیاہی ہو اور وہ عورت جو عدت گزار رہی ہو، اور مسلمان عورت کا غیر مسلم سے ان تمام حالات میں شادی باطل ہے۔

سوم: صیغہ عقد: ایجاب وقبول کی شرطیں:

صیغہ......جو ایجاب وقبول ہے اس میں بالاتفاق چار شرطیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ جب عقد کرنے والے دونوں حاضر ہوں تو مجلس کا ایک ہونا......جس کی صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس (جگہ) میں ہو یعنی ایجاب وقبول کی مجلس ایک ہو نہ کہ عقد کرنے والوں کی مجلس، اس سے ارتباط کی شرط زمانے کا ایک ہونا ہے تو عاقدین کی

---

❶......البدائع ۲/ ۲۳۲ الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۱۳۔ ❷ مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۹ ❸ المھذب ۲/ ۴۰ ❹ کشاف القناع ۵/ ۴۳۔ ۴۴ ❺ الشرح الصغیر ۲/ ۳۹۶

سانی کے لئے مجلس کو اپنے اطراف کو جمع کرنے والا بنادیا گیا۔ پس اگر مجلس مختلف ہوئی تو عقد نہیں ہوگا، جب عورت نے کہہ دیا: میں نے تم سے اپنی شادی کردی یا ولی کہے: میں نے تم سے اپنی بیٹی کی شادی کردی اور دوسرا شخص قبول کرنے سے پہلے مجلس سے اٹھ گیا یا کسی ایسے کام میں لگ گیا جس سے اس کا مجلس سے باہر ہونا معلوم ہوتا ہو پھر اس کے بعد اس نے کہا: میں نے قبول کیا اس صورت میں احناف کے نزدیک عقد نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنے کے بعد صرف ٹھہرے رہنے سے مجلس تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح جب پہلا عاقد ایجاب کے بعد مجلس سے پھر جائے اور دوسرا شخص جو پہلے کی عدم موجودگی میں مجلس میں ہی تھا یا اس کے آنے کے بعد قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔
احناف کے نزدیک پیدل چلنے یا سواری پر دوقدم چلنے سے مجلس تبدیل ہو جاتی ہے جیسے دوعقد کرنے والے ایسے شخص جو لیٹے ہوں بیٹھے ہوئے نہ ہوان کا سونا قبول سے اعراض سمجھا جاتا ہے لیکن قبول کرنا فی الفور شرط نہیں۔ عقد پھر بھی ہو جاتا ہے خواہ مجلس کتنی ہی طویل ہو اسی طرح اگر عاقدین چلتی کشتی میں ہیں تو بھی عقد ہو جائے گا اس لئے کہ کشتی ایک جگہ کا حکم رکھتی ہے۔

حقیقت میں جو چیز مجلس کے اتحاد و اختلاف میں حد فاصل کا درجہ رکھتی ہے وہ عرف ہے۔ لہٰذا جو چیز عرف میں عقد سے اعراض یا ایجاب وقبول میں فرق کرنے والی سمجھی جاتی ہو وہ مجلس عقد کو تبدیلی کرنے والی ہوگی اور جو عقد سے اعراض یا ایجاب وقبول میں فرق کرنے والی نہیں سمجھی جاتی وہ مجلس کو تبدیل کرنے والی بھی نہیں ہوگی۔

اور جمہور ❶ کے نزدیک فی الفور قبول کرنا شرط ہے یعنی ایجاب وقبول میں زیادہ فاصلہ نہ ہو۔ ❷ شافعیہ کی عبارت ہے: یہ شرط ہے کہ عاقدین کے دونوں لفظوں میں ایجاب وقبول کے درمیان فاصلہ طویل نہ ہو۔ اگر طویل ہو گیا تو نقصان ہے اس لیے کہ فاصلے کی طوالت، قبول کو ایجاب کا جواب ہونے سے خارج کر دیتی ہے۔ زیادہ فاصلہ وہ ہے جسے قبول کرنے سے اعراض سمجھا جائے۔ تھوڑے فاصلے سے نقصان نہیں کیونکہ اسے قبول سے اعراض کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی گفتگو کا خلل جو عقد کے علاوہ ہو نقصان دہ ہے اگر ایجاب وقبول کے درمیان تھوڑا سا ہو اور اگر چہ وہ مجلس سے علیحدہ نہ ہوئے ہوں کیونکہ اس میں قبول کرنے سے اعراض ہے۔

رہی وہ صورت جس میں ایک عقد کرنے والا دوسرے کے سامنے موجود نہ ہو اور باہمی عقد تحریر یا قاصد کی صورت میں ہو تو احناف کا کہنا ہے کہ شادی کے عقد کی مجلس: وہ مجلس ہے جس میں گواہوں کے روبرو تحریر پڑھی جائے یا گواہوں کی موجودگی میں قاصد کا پیام سنا جائے اس وقت مجلس ایک ہوگی اس لئے کہ تحریر لکھنے والے کی جانب سے خطاب کے قائم مقام ہے اور قاصد کی بات بھیجنے والے کی بات ہوتی ہے اس لئے کہ وہ بھیجنے والے کی عبارت نقل کرتا ہے۔ کاتب کا کلام معنی ہے اور بھیجنے والے کی بات کا سننا ایک معنی ہے۔ پھر اگر تحریر نہ پڑھی گئی یا قاصد کی بات نہ سنی گئی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد منعقد نہیں ہوگا کیونکہ گواہی عقد کے دو حصوں کے لیے شرط ہے۔ اور اگر عورت نے گواہوں کے روبرو پیام سنا یا یا تحریر پڑھ لی اور پھر کسی اور کام کی غرض سے مجلس سے اٹھ گئی یا عقد کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو گئی، اس کے بعد کہنے لگی: میں نے فلاں سے اپنی شادی کردی، تو مجلس مختلف ہونے کی وجہ سے شادی نہیں ہوگی لیکن اگر عورت نے دوسری مجلس میں تحریر کو دوبارہ پڑھا اور گواہوں کے سامنے قبول کر لیا تو عقد صحیح ہے کیونکہ کتابت باقی ہے، البتہ جب قاصد دوسری مجلس میں ایجاب کو دہرائے اور عورت قبول کرلے تو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کی پیام رسانی پہلی بار ہی ختم ہوگئی۔ جب تحریر کی صورت اس کے برخلاف ہے وہ تو باقی ہے۔

قبول کا ایجاب کے موافق اور مطابق ہونا.....عقد کے محل اور مہر کی مقدار میں ایجاب وقبول کے ایک ہونے سے موافقت

❶..... مغنی المحتاج ۲/۵، ۲۰، کشاف القناع ۳/۱۳۶، حاشیتہ الصاوی علی الشرح الصغیر ۲/۳۰۶۔ ❷ مالکیہ ایجاب وقبول کو فی الفور واجب کرنے سے ایک مسئلہ مستثنیٰ کرتے ہیں کہ مرد اپنے مرض الوفات میں کہے: میں اگر فوت ہو گیا میں نے اپنی فلاں بیٹی کا نکاح فلاں سے کر دیا تو یہ صحیح ہے خواہ فاصلہ ہو یا نہ ہو۔

ثابت ہوتی ہے اگر دونوں میں اختلاف ہو خواہ محل عقد میں مخالفت ہو جیسے لڑکی کا باپ تو کہے: میں نے تم سے خدیجہ کی شادی کر دی اور مرد کہے :میں نے فاطمہ کا رشتہ قبول کیا تو عقد نہیں ہوگا اس لیے کہ قبول اس شخص سے پھر گیا جس میں ایجاب پایا گیا تھا اس لیے صحیح نہیں۔ جیسے کسی کے ساتھ ایک کپڑے کا بھاؤ کیا اور خریدنے والے کی لاعلمی میں دوسرے کپڑے کا عقد پکا کر دیا، اور اگر مہر کی مقدار میں مخالفت ہو مثلاً میں نے ہزار درھم مہر کی مقدار پر اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دی اور مرد کہتا ہے: میں نے آٹھ سو کے عوض شادی قبول کی، تو عقد نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ مخالفت کسی بھلائی کی وجہ سے ہو جیسے مرد کہے: میں نے گیارہ سو کے عوض قبول کیا، تو احناف کے نزدیک عقد صحیح ہے۔

مہر کی مقدار میں مخالفت کی بنا پر عقد نہ ہونے کا سبب اگر چہ مہر عقد کے ارکان میں سے نہیں: یہ ہے کہ عقد میں جب مہر کا ذکر کیا جاتا ہے تو ایجاب کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس کا ایک جزء بن جاتا ہے جس سے ایجاب کے مطابق قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے تاکہ عقد ہو جائے۔ اگر عقد میں مہر ذکر نہ کرے یا صراحت کر دے کہ عورت کا مہر نہیں ہے تو پھر وہ ایجاب کا جز نہیں ہوگا۔ لیکن اس حالت میں مہر مثل واجب ہے اس لیے کہ شادی میں مہر شرع کی طرف سے واجب ہے شادی کو اس سے خالی کرنا صحیح نہیں۔

موجب کا اپنے ایجاب پر باقی رہنا......دوسرے عاقد کے قبول کرنے سے پہلے موجب کا ایجاب سے رجوع نہ کرنا شرط ہے۔ پھر اگر اس نے رجوع کر لیا تو ایجاب باطل ہو گیا اور قبول کی موافقت کی کوئی چیز نہ رہی موجب کے لیے اپنے ایجاب پہ باقی رہنا اسی صورت میں لازم ہے جب اس کے ساتھ قبول مل جائے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔ لہٰذا متعاقدین میں سے کسی ایک کی جانب ایجاب پایا جائے تو اسے دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے رجوع کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ ایجاب وقبول دونوں ایک رکن ہیں۔ گویا ان میں سے ایک رکن کا حصہ ہوا اور جو چیز دو سے مرکب ہو اس کا ان میں سے ایک سے وجود نہیں ہوتا۔

فی الحال پورا کرنا......شادی بیع کی طرح ہے اس کا فی الحال ہونا شرط ہے لہٰذا مذاہب اربعہ میں اسے مستقبل کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ مثلاً میں کل تم سے شادی کروں گا یا پرسوں کروں گا، اور نہ ہونے والی شرط پہ اس کا معلق کرنا بھی جائز نہیں۔ جیسے اگر زید آیا تو میں نے تم سے شادی کی، یا اگر میرا باپ راضی ہوا یا جب سورج طلوع ہوا تو میں نے تم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی، اس لیے کہ شادی کا مقصد تملیکات یا معاوضات کے عقود میں سے ہے جو نہ اضافت کو قبول کرتا ہے اور نہ تعلیق کو اور چونکہ صاحب شریعت نے عقد زواج اس لئے مقرر کیا تاکہ فی الحال اس کے حکم کو مفید بنائے جبکہ تعلیق اور اضافت حقیقت شرعیہ سے [1] متناقض ہیں۔ لیکن گزری ہوئی شرط جس کا ہونا لازمی ہو کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے۔ جس کی بنا پر فی الحال عقد ہو جائے گا۔ مثلاً کسی شخص نے کسی لڑکی کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگا تو اس لڑکی کا والد کہنے گا: میں نے آپ سے پہلے فلاں سے اس کا عقد کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس نے اس کی تکذیب کی، جس پر لڑکی کے باپ نے کہا: میں نے فلاں سے اس کی شادی نہیں کی تو تمہارے بیٹے سے اس کی شادی کر دی ہے تو اس نے قبول کر لیا۔ بعد میں اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو گیا تو عقد ہو گیا۔ کیونکہ اس کی تعلیق موجود کے ساتھ ہے اسی طرح جب وہ چیز مجلس میں جس پہ تعلیق کی گئی ہے مثلاً میں نے تم سے شادی کی اگر تمہاری عمر بیس سال ہے اور واقع میں اتنی ہی تھی اور میں نے تم سے شادی کی اگر میرا والد راضی ہو گیا اور اس کا والد مجلس میں تھا اور راضی ہو گیا تو عقد صحیح ہے۔

اور شافعیہ نے ذکر کیا ہے: اگر ولی نے کہا: میں نے ان شاء اللہ تعالیٰ تم سے شادی کرادی اور اس کا ارادہ تعلیق کا تھا یا اطلاق کا، تو عقد صحیح نہیں۔ اور اگر تبرک کا ارادہ ہو یا یہ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے تو صحیح ہے۔ اور اگر یہ کہا: مرے ہاں جو لڑکی بھی پیدا ہوئی اس سے میں نے تمہاری شادی کرادی یا کہا: اگر میری بیٹی کو طلاق ہو گئی اور عدت گزرانے لگی تو میں نے اس سے تمہاری شادی کر دی۔ تو مذہب یہ ہے ان

---

[1] ......الدالمختار وردالمحتار ۲/۲۶۷۔ ۳۷۹۔ ۴۰۵ مغنی المحتاج ۳/۱۴۱ ج

صورتوں میں شادی باطل ہے کیونکہ تعلیق کی صورت موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مذاہب کا اتفاق ہے شادی کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز نہیں۔لیکن ابن قیم کا کہنا ہے، امام احمد نے نکاح کو شرط سے معلق رکھنے کے جواز کی صراحت کی ہے۔ ❶

اور بیع جواز کے لئے اولیٰ ہے لیکن ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ نکاح کو کسی شرط سے معلق کرنا اسے باطل کر دیتا ہے۔ ❷ رہا قانون تو شخصی احوال کے قانون سوری (م ۱۴) نے صراحت کی ہے: جو شادی مستقبل کی طرف منسوب ہو وہ نہیں ہوتی۔اور نہ وہ شادی ہوتی ہے جو کسی غیر ثابت شدہ شرط پہ معلق ہو۔

کیا شادی کے عقد میں اختیار ثابت ہے؟...... اکثر فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ شادی میں اختیار ثابت نہیں ہوتا ❸ اس میں خیار مجلس اور خیار شرط برابر ہے۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اکثر تردد وتفکر کے بعد ہی شادی ہوتی ہے نیز شادی محض معاوضہ نہیں۔ اور خیار ثابت ہونے سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے اور عقد ہو چکنے کے بعد فسخ کرنے میں عورت کا نقصان ہے۔

شادی میں لگائی گئی شروط کے بارے میں فقہاء کے مذاہب:

شادی میں شرطیں...... یہ وہ شرطیں ہوتی ہیں جو زوجین میں سے ایک دوسرے پر لگاتا ہے جس میں اس کی غرض ہوتی ہے ان سے مراد وہ شرطیں ہوتی ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔یعنی ایجاب حاصل ہو تو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی شرط ہوتی ہے اس بارے میں فقہاء کی تفصیلات ہیں:

جس کے متعلق ہم ہر مذہب کی رائے علیحدہ ذکر کریں گے یاد رہے یہ ایجاب کی اس حالت کے برخلاف ہے جو کسی شرط پہ معلق ہو۔اس واسطے کہ ایجاب کا شرط کے وجود سے پہلے کوئی وجود نہیں۔

ا۔احناف ❹ کا مذہب:

الف...... اگر شرط ایسی ہو جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ عقد کے مقتضا کے مناسب ہو اور احکام شرعیہ کے منافی نہ ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اکیلے گھر میں رہے گی خاوند کے اہل خانہ یا اپنی سوکن کے ساتھ نہیں رہے گی یا خاوند اسے اگر لمبے سفر پہ لے جانا ہو گا تو عورت کے گھر والوں سے اجازت لے کر لے جائے گا۔یا عورت سے مقرر مہر سے شادی کرے گا اور عوت کے لئے ایک اور شرط لگائی کہ ہزار کے عوض اس سے شادی کرے گا اور یہ شرط ہے کہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس پہ سوکن نہیں لائے گا۔پھر اگر اس نے شرط پوری کر دی تو عورت کے لیے مہر مقرر ہے کیونکہ وہ مہر بن سکتا ہے اور اس پہ عورت کی رضامندی بھی مکمل ہوگئی۔اور اگر اس نے شرط پوری نہ کی اس پہ سوکن لے آیا یا اسے اس کے شہر سے باہر لے گیا تو اس صورت میں اس کے لئے مہر مثل ہے۔کیونکہ اس نے اس کے لئے ایسی چیز مقرر کی ہے جس میں عورت کا نفع ہے۔تو اس کے نہ ہوتے ہوئے عورت کو مہر مثل ملے گا۔اس لیے کہ اسی پہ اس کی رضامندی نہیں اور اسی جیسی وہ شرط ہے جس کا شریعت حکم دیتی ہے۔جیسے عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ اس سے اچھا سلوک رکھے گا۔اور اسے کلبوں اور ڈانسنگ ہالوں میں نہیں لے جائے گا۔فرماتے ہیں: ان کے نزدیک صحیح شرطوں میں سے یہ بھی ہے اگر عورت سے اس شرط پہ شادی کی کہ اس کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے تو صحیح ہے لیکن اگر یوں کہا: اس شرط پہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرادو کہ اس کا اختیار آپ کے ہاتھ میں ہوگا تو اسے کچھ اختیار نہیں

---

❶......اعلام الموقعین ۲۵/۴ محی الدین عبدالحمید۔ ❷ المغنی ۶/۶ ۵۳ ❸ بدایۃ المجتہد ۷/۲۔ ❹ الدر المختار ۴۰۵/۲ تبیین الحقائق ۱۴۸/۲ فتح القدیر ۷/۳ ۰ و ما بعدھا

ہوگا اس واسطے کہ یہاں نکاح سے پہلے تفویض ہے۔

ب......اگر وہ شرط فاسد ہو یعنی عقد کے مقتضا کے مناسب نہ ہو یا احکام شرع کی رو سے ناجائز ہو تو عقد اپنی جگہ صحیح ہے صرف وہ شرط باطل ہوگی۔ جیسے زوجین میں سے کسی ایک کے لیے خیار کی شرط لگانا یا دونوں کے لیے ان میں سے ہر ایک معین مدت کے اندر رشتہ ازدواج سے الگ ہو جائے گا اور یہ عام قاعدہ کے خلاف ہے جو یہ ہے معاوضات مالیہ میں فاسد شرط انہیں فاسد کر دیتی ہے جیسے بیع کا معاملہ ہوتا ہے۔ پھر اگر اس شرط کے بارے میں نہی وارد ہو جیسے سوکن کو طلاق دینے کی شرط، تو اس کا پورا کرنا مکروہ ہے حدیث ہے: کسی عورت کے لیے اپنی سوکن کی طلاق کا سوال کرنا حلال نہیں۔

۲۔ مالکیہ ❶ کا مذہب......شادی کے عقد کے ساتھ لگنے والی شرطوں کی دو قسمیں ہیں: صحیح شرطیں اور فاسد شرطیں، پھر صحیح شرطوں کی مزید دو قسمیں ہیں: مکروہ غیر مکروہ۔ رہی وہ شرطیں جو صحیح اور غیر مکروہ ہیں وہ یہ ہیں: جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں جیسے عورت پہ خرچ کرنا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا یا یہ کہ وہ عورت خاوند کی فرمانبرداری کرے گی اور اس کی اجازت لیے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ اور انہی میں سے یہ شرط لگانا کہ عورت ان عیوب ونقائص سے سلامت ہو جو شادی کے فسخ کو جائز نہیں کرتے جیسے یہ کہ عورت نابینی بھینگی، بہری یا گونگی نہ ہو یا یہ کہ کنواری یا سفید رنگ کی ہو وغیرہ۔ اور صحیح شرطیں جو مکروہ ہیں وہ یہ ہیں: جن کا عقد سے تعلق نہیں ہوتا یا وہ عقد کے مقصود کے منافی نہیں ہوتیں، اس میں صرف (خاوند) مرد پہ تنگی ہوتی ہے جیسے عورت کو اس کے شہر سے نہ نکالنے کی شرط یا اسے سفر میں ساتھ نہ لے جانے کی شرط یا اسے کسی جگہ سے منتقل نہ کرنے کی شرط، اور دوسری شادی وغیرہ نہ کرنے کی شرط، یہ شرطیں ماسوائے اس کے خاوند پہ لازم نہیں ہوتیں کہ اس نے غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی ہو تو پھر شرط اس میں لازم ہے۔ رہی وہ شرطیں جو فاسد ہیں۔ وہ ایسی ہیں جو منافی مقتضاء عقد یا شادی کے مقصد سے ٹکراتی ہوں۔ جیسے یہ شرط کہ شب باشی میں اس کے اور سوکن کے درمیان تقسیم نہیں ہوگی یا اس پہ اس کی سوکن کو ہفتہ بھر یا اس سے کم یا زیادہ ترجیح دے گا اس کے ذریعے یہ اس سے کم سمجھی جائے گی۔ اور عورت کا اپنی شادی کے وقت کسی ممنوع شرط کا عائد کرنا کہ اس کا خرچ مرد کے ولی پہ ہوگا: اس کے والد یا اس کے آقا پہ یا خود عورت پر یا عورت کے باپ پر ہوگا تو یہ ایسی شرط ہے جو شادی کے مقصود سے ٹکراتی ہے اس لیے کہ اصل تو یہ ہے کہ بیوی کا خرچ اس کے خاوند کے ذمہ ہوتا ہے لہٰذا اس کے خلاف شرط لگانا مضر ہے۔ اور جیسے شادی میں خیار کی شرط ❷ لگانا، یا ایسی شرط لگانا جو مہر کے نامعلوم ہونے میں موثر اور کارگر ہو جیسے وہ اس عورت سے اس شرط پہ شادی کرے گا کہ خرچ میں سے اسے ماہانہ اتنا سامان ملے گا اسی لیے کہ اسے معلوم نہیں یہ خرچ کب تک چلے گا اور جیسے عورت مرد پہ یہ شرط لگائے کہ اس کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا (یعنی حق طلاق دہی) وہ جب چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے دی گی۔ یا یہ خاوند اس کے اس بچہ پہ خرچ کرے گا جو کسی اور سے ہو۔ یا عورت کے رشتہ داروں جیسے باپ بھائی وغیرہ پہ خرچ کرے گا۔

ان شرائط کا حکم یہ ہے کہ جب تک خاوند عورت سے ہمبستر نہ ہوا ہو یہ عقد کو باطل کر دیتی ہیں اسے فسخ کرنا واجب ہے پھر اگر وہ اس سے، ہمبستر ہو چکا تو عقد جاری رہے گا اور شرط کو لغو قرار دے دیا جائے اور مقرر کردہ مہر باطل ہوگا عورت کو مہر مثل ملے گیا۔ البتہ اس صورت میں فقہاء کے چند اقوال ہیں جب عورت اپنا (طلاق دہی) کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔

الف......اگر مرد طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے کر کسی سبب پر معلق کرے: پھر وہ سبب کوئی فعل ہو جسے خاوند کرتا ہے تو وہ جائز اور خاوند پہ لازم ہے جیسے یہ شرط لگائے کہ جب اس نے اسے مارا یا اسے چھوڑ کر سفر پہ نکل گیا تو اس کا معاملہ اس کے ہاتھ یا اس کے باپ وغیرہ کے ہاتھ ہے اسی طرح اگر التزام طلاق دینے یا آزاد کرنے کی قسم پر ہو جیسے اس نے قسم کھائی کہ کسی اور شادی نہیں کرے گا اس بنا پر کہ ان کے

❶......القوانين الفقهيه ص ۲۱۸۔ ۲۲۰ الشرح الصغير ۳۸۴/۲۔ ۳۸۶۔ ۵۹۵ بداية المجتهد ۵۸/۲۔ ❷ خیار کی شرط لگانا یہ ہے کہ زوجین یا دونوں میں سے کسی ایک کو مقررہ مدت کے بعد شادی سے دستبردار ہونے کا حق ہے۔

ہاتھ دی گئی طلاق کی تجدید کرے گا آیا وہ رجعی ہے یا بائن یا تین طلاقیں یا جو طلاق عورت چاہے تو اس صورت میں خاوند پہ شرط لازم ہے۔

......اور اگر اس کا سبب خاوند کے علاوہ کسی کا فعل ہو تو نافذ نہیں ہوگا، اور نہ خاوند پہ لازم ہوگا، اور نکاح جائز ہے۔

شافعیہ کا مذہب......شافعیہ کے نزدیک دو قسم کی شرائط ہیں:

(۱)......شرائط صحیحہ (۲)......شرائط فاسدہ

۱۔شرائط صحیحہ......جو عقد نکاح میں واقع ہوتی ہیں۔ یہ وہ شرائط ہیں جو مقتضائے عقد نکاح کے موافق ہوں جیسے نفقہ (خرچہ) کی شرط، ایک سے زائد بیویوں میں باری مقرر کرنے کی شرط یا وہ شرائط ایسی ہوں کہ مقتضائے عقد نکاح کے موافق تو نہ ہوں لیکن ان سے کوئی خاص غرض متعلق نہ ہو جیسے شرط لگا دینا کہ عورت صرف فلاں چیز تناول کرے گی، اس بے غرضی شرط کا حکم یہ ہے کہ شرط لغو ہے اور عقد پر اسکا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ ایسی شرط کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، البتہ نکاح اور مہر صحیح ہوگا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

۲۔شرائط فاسدہ......یہ ایسی شرائط ہیں جو مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہیں لیکن مقصود اصلی میں مخل نہ ہوں، مقصود اصلی سے مراد وطی (ہمبستری) ہے۔ جیسے مثلاً شرط لگا دی گئی کہ اس عورت پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا، یا منکوحہ کے لیے خرچہ نہیں ہوگا، یا اسے ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، اس شرط کا حکم یہ ہے کہ عقد نکاح صحیح ہوا کیونکہ یہ شرط مقصود اصلی میں مخل نہیں ہوتی، ہاں البتہ شرط فاسد ہوتی ہے کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے مخالف ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ شرط باطل ہے [1] مہر بھی فاسد ہو جائے گا کیونکہ شرط اگر عورت کے حق میں ہو تو وہ تنہا مقررہ مہر پر راضی نہیں ہوگی، اور اگر شرط عورت کے خلاف جا رہی ہو تو خاوند صرف اسی صورت میں راضی ہوگا جب اس کی عائد کردہ شرط سلامت رہے۔

اگر شرط مقصود اصلی میں مخل ہو (یعنی رکاوٹ بن رہی ہو) مثلاً یہ شرط لگا دی کہ خاوند بیوی کے ساتھ سرے سے صحبت ہی نہیں کرے گا یا سال میں صرف ایک بار صحبت کرے گا یا عورت شرط لگا دے کہ خاوند اس سے صرف رات کے وقت کرے گا یا صرف دن کے وقت، یا شرط لگا دی کہ صحبت کے بعد خاوند اسے طلاق دے گا، ان ساری صورتوں میں نکاح باطل ہو جائے گا چونکہ عائد کردہ شرط مقصود اصلی کے منافی ہے۔ اگر خاوند نے شرط لگا دی کہ وہ صرف رات کو صحبت کرے گا تو عقد باطل نہیں ہوگا کیونکہ خاوند کو دن کو بھی اور رات کو بھی صحبت کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور صحبت کو ترک بھی کر سکتا ہے، اگر خاوند نے صحبت نہ کرنے کی شرط عائد کی تو گویا اس نے اپنے حق کو چھوڑ دیا یہ اختیار اسے حاصل ہے، رہی بات عورت کی سو اس پر خاوند کو اختیار حاصل ہوتا ہے چاہے دن کو صحبت کرے یا رات کو، جب عورت ترک صحبت کی شرط لگا دے تو اسکا مطلب ہوگا کہ وہ شرط لگا کر خاوند کو اس کے حق سے منع کر رہی ہے اور یہ شرط عقد کے مقصود کے منافی ہے لہٰذا عقد باطل ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر خاوند نے شرط لگا دی کہ عورت اسکی وارث نہیں بنے گی یا وہ عورت کا وارث نہیں ہوگا یا وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے یا خاوند کے علاوہ کسی اور کے ذمہ نفقہ واجب ہے تو بھی عقد نکاح باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ کا مذہب......حنابلہ کے نزدیک شرائط شافعیہ کی شرائط جیسی ہیں۔ تاہم حنابلہ کے نزدیک شرائط کی تین انواع ہیں۔

نوع اول: شرائط صحیحہ......یہ وہ شرائط ہیں جنکا تقاضا عقد کرتا ہو یا عقد تقاضا نہ کرتا ہو لیکن انمیں کسی ایک عاقد کی منفعت ہو اور شریعت میں کوئی ایسی ممانعت نہ آئی ہو جو اس شرط کے منافی ہو بشرطیکہ وہ شرط مقصود اصلی کے منافی نہ ہو۔ اس شرط کا حکم یہ ہے کہ اس شرط کو پورا

---

[1]......متفق علیہ من حدیث عائشہ رضی اللہ عنہ (نیل الاوطار ۹۱/۶)

کرنا لازمی ہے کیونکہ اس میں فائدہ اور منفعت ہے۔

مثلاً عورت نے مرد پر یہ شرط لگادی کہ خاوند اسے نفقہ دے گا یا اس کے ساتھ حسن سلوک رکھے گا، یا یہ کہ اس پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا یا یہ کہ اسے گھر سے یا شہر سے باہر نہیں نکالے گیا، یا اسے سفر پر نہیں لے کر جائے گا۔

یا مثلاً مرد عورت پر شرط لگادے کہ وہ کنواری ہو یا خوبصورت ہو یا لکھی پڑھی ہو یا مختلف عیوب مثلاً نابینا ہونا، گونگا ہونا اور لنگڑا ہونا سے پاک ہو۔

ان شرائط کو پورا کرنے کی دلیل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ ''وہ شرائط جن کی وجہ سے تم شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کرتے ہو ان کو پورا کرنا تمہارا فریضہ ہے۔ ❶

ایک اور حدیث..... مسلمان اپنی شرائط پر کاربند رہتے ہیں۔ ❷ اثرم نے اپنی اسناد سے حدیث نقل کی ہے کہ۔ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور عورت کے لئے ایک گھر میں رہنے کی شرط لگادی پھر عورت کو اس گھر سے منتقل کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ لوگوں نے یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت اپنی شرط پر رہے، اس پر مرد نے کہا: تب تو وہ ہمیں طلاق دے دے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرائط میں حقوق کی قطع ہو جاتی ہے نیز یہ ایسی شرط ہے جس میں عورت کی منفعت ہے اور مقصود کے مانع بھی نہیں، لہٰذا پورا کرنا لازمی ہے، یہ شرط ایسی ہے جیسے مہر میں زیادتی کی شرط لگادی جائے۔

رہی یہ حدیث کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے۔ حدیث کا معنی ہے کہ ہر وہ شرط جو مشروع نہ ہو باطل ہے۔

شرائط غیر صحیحہ..... یہ وہ شرائط ہیں جن کے متعلق شریعت میں نہی وارد ہوئی ہو اور وہ شرائط مقتضائے عقد کے منافی ہوں۔ یہ شرائط دو انواع پر مشتمل ہیں۔ اور وہ نوع ثانی اور نوع ثالث ہیں۔

نوع ثانی..... اس نوع کی شرائط باطل ہو جاتی ہیں اور عقد صحیح ہوتا ہے، مثلاً خاوند نے شرط لگادی کہ عورت کو مہر نہیں دے گا، یا اسے خرچہ نہیں دے گا یا مہر دے کر واپسی کا مطالبہ کرتا ہو۔

یا مثلاً عورت خاوند پر شرط لگادے کہ وہ اس سے صحبت نہیں کرے گا یا بوقت صحبت عزل کرے گا (عزل کا معنی نطفہ شرمگاہ سے باہر گرانا) یا خاوند اسکی باری میں بقیہ بیویوں کی بنسبت کم حصہ رکھے، یا شرط لگادے کہ ہفتہ میں صرف ایک رات اس بیوی کو دے گا، یا باری کے لئے دن کی شرط لگادے، یا خاوند بیوی پر شرط لگادے کہ وہ اسے خرچہ دے گی یا اسے کوئی اور چیز دے گی۔

یہ سب شرائط فی نفسہ باطل ہیں کیونکہ مقضائے عقد کے خلاف ہیں، نیز ان شرائط میں ایسے حقوق کی ممانعت مندرج ہے جو فی الواقع عقد سے واجب ہوتے ہیں لہٰذا یہ شرائط صحیح نہیں۔

اسی نوع میں یہ شرط بھی ہے کہ عورت خاوند پر شرط لگادے کہ وہ اس کی سوکن کو طلاق دے، یہ شرط بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ شریعت میں اسکی ممانعت آئی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن (سوتن) کی طلاق کی شرط لگادے ❸ ایک اور روایت میں ہے۔ کوئی عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے کہ وہ طلاق دہندہ سے نکاح کرے گی ایک اور حدیث میں ہے۔ تاکہ دوسری عورت کے برتن کا حصہ اپنے برتن میں انڈیل لے۔ اس کا رزق تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چنانچہ نہی منہی عنہ کے فساد کی مقتضی ہے، نیز عورت اس شرط سے عقد فاسد کرنے کی شرط لگاتی ہے اور موجود بیوی کے حق کو ختم کرانا چاہتی ہے۔

---

❶..... رواه الجماعة احمد واصحاب الكتب الستة و سعيد بن منصور عن عقبه بن عامر (نيل الاوطار ۱۴۲/۶) ❷ رواه الترمذى و صححه عن عمرو بن عوف المزنى (سبل السلام ۵۹/۳) ❸..... متفق عليه عنْ ابى هريرة (نيل الاوطار ۱۴۲/۶)

نوع ثالث......اس نوع میں ایسی شرائط آتی ہیں جن سے عقد نکاح شروع ہی سے باطل قرار پاتا ہے، مثلاً نکاح موقت، نکاح متعہ، یا عوت شرط لگادے کہ خاوند اسے مقرر اور معین وقت میں طلاق دے، یا عقد نکاح کو کسی دوسری شرط پر معلق کر دیا گیا ہو مثلاً عورت کا ولی کہے کہ اس لڑکی کے ساتھ تمہارا نکاح ہو گیا بشرطیکہ اسکی ماں راضی ہو یا عقد نکاح میں زوجین میں سے کسی ایک کو اختیار دے دیا جائے۔

یہ سب شرائط باطل ہیں اور ان شرائط سے عقد نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے، نکاح شغار بھی اسی صورت میں داخل ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت کا عقد نکاح دوسری عورت کا مہر قرار دیا جائے وکذا عکسہ۔

خلاصہ......فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شرائط مقتضائے عقد کے ملائم ہوں وہ صحیح ہیں اور جو شرائط نکاح کے مقصد کے منافی ہوں وہ باطل ہیں، حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شرائط جن سے وصف مرغوب متحقق ہوتا ہو وہ صحیح ہیں۔

البتہ جو شرائط مقتضائے عقد سے لاتعلق ہوں وہ مختلف فیہ ہیں، البتہ ان شرائط کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ وہ احکام نکاح کے منافی نہ ہوں اور ان میں کسی ایک عاقد کا یکطرفہ فائدہ نہ ہو جیسے مثلاً شرط لگادی جائے کہ خاوند عورت پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا وغیرہ ھا کمامرّ۔

حنابلہ کہتے ہیں: ایسی شرائط صحیح ہیں انہیں پورا کرنا لازمی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: یہ شرائط لغو ہیں البتہ عقد نکاح صحیح ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: یہ شرائط مکروہ ہیں ان کی پاسداری لازمی نہیں البتہ فقط مستحب ہے۔

شافیعہ کہتے ہیں: یہ شرائط باطل ہیں ان کے بغیر بھی عقد نکاح صحیح ہوتا ہے۔

حنابلہ کی رائے میرے نزدیک راجح ہے، ان کے دلائل پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔

حنابلہ ہی کی رائے کو شام میں قانونی حیثیت دی گئی ہے۔

شرط فاسد کا عقد نکاح پر اثر......حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد سے عقد نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ البتہ خود شرط ہی لغو ہو جاتی ہے اور عقد صحیح قرار پاتا ہے۔ حنابلہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے البتہ بعض شرائط میں ان کے نزدیک عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط عقد کے موقت ہونے کی شرط لگانا اور وقت معین میں عورت کو طلاق دینے کی شرط لگانا بھی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک شرط فاسد سے عقد نکاح فاسد ہو جاتا ہے، جبکہ شرط مقصود اصلی میں رکاوٹ بن رہی ہو، ورنہ شرط ہی فاسد ہو جائے گی، جبکہ مالکیہ کا موقف ہے کہ جب تک خاوند نے عورت کے ساتھ صحبت نہ کی ہو عقد کا فسخ کرنا واجب ہے اور خاوند نے صحبت کر لی ہو تو عقد برقرار رہتا ہے ہاں البتہ شرط لغو ہو جاتی ہے اور مقررہ مہر باطل ہو جاتا ہے اور اس صورت میں عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

شرائط انعقاد کے متعلق قانون کا موقف......سوریہ کے قانون دفعہ (م ۱۱/۱) میں انعقاد نکاح کی چار شرائط کی تصریح کی گئی ہے۔

(۱)......ہر طرح سے ایجاب وقبول میں اتفاق واتحاد ہو۔

(۲)......یہ کہ ایجاب وقبول کی مجلس میں اتحاد ہو۔

(۳)......یہ کہ عاقدین (مرد عورت) میں سے ہر ایک دوسرے کی بات سمجھتا ہو اور بات سن بھی رہا ہو۔

(۴)......یہ کہ قبول سے پہلے کسی ایک فریق کی طرف سے ایسا کوئی امر نہ پایا جائے جو ایجاب کو باطل کر دے، مثلاً قبول سے پہلے ایجاب کنندہ اپنے ایجاب سے رجوع نہ کرے۔

شق نمبر ۲ کے متعلق تصریح کی گئی ہے کہ ایجاب کنندہ کی اہلیت قبول سے پہلے اگر زائل ہو جائے تو ایجاب باطل ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر دو شرائط مزید بھی بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک اہلیت کے متعلق ہے اور دوسری انواع نکاح کے ضمن میں مندرج ہے۔

(۱)..... یہ کہ عاقدین (لڑکی اور لڑکے) میں نکاح کی کامل اہلیت موجود ہو کامل اہلیت سے مراد عقل و بلوغ کا ہونا ہے، تاہم مجنون کے ساتھ عقد نکاح صحیح نہیں اور نہ ہی بالغ بچے کا عقد نکاح صحیح ہے، مجنون (پاگل) کے عقد نکاح کا غیر صحیح ہونا فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہے جبکہ نابالغ بچے کے نکاح کے غیر صحیح ہونے کے قانون کا دارومدار ابن شبرمہ اور عثمان البتی کے قول پر ہے۔

(۲)..... یہ کہ مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرنے والا مرد بھی مسلمان ہو، مسلمان عورت کے ساتھ غیر مسلم مرد کا نکاح منعقد نہیں ہوگا، بلکہ یہ عقد ہی سرے سے باطل ہوگا اور اس کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔

شرائط نکاح کے متعلق قانون کا موقف..... سوریہ میں احوال شخصیہ کے قانون دفعہ ۱۴ میں ان شرائط کی تصریح کی گئی ہے جو عقد نکاح کے متعلق ہیں اور فقہاء کے ہاں متفق علیہ ہیں، بالخصوص حنابلہ کے مذہب کو ترجیح دی گئی ہے، چنانچہ ان شرائط کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱)..... شرائط صحیحہ جن کی پاسداری لازمی ہے، یہ وہ شرائط ہیں جن میں عورت کے لئے کوئی مشروع مصلحت ہو اور ان سے دوسرے لوگوں کے حقوق متاثر نہ ہوتے ہوں۔ اور یہ شرائط خاوند کی آزادی کو سلب نہ کرتی ہوں۔ مثلاً شرط لگادی گئی کہ خاوند عورت کو لے کر سفر پر نہیں جائے گا یا اس شہر سے باہر دوسرے شہر میں منتقل نہیں ہوگا، اگر خاوند ان شرائط کی پاسداری نہ کرے تو عورت کو فسخ عقد کا حق حاصل ہوگا یہ تفصیل (قانون) حنابلہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

(۲)..... شرائط صحیحہ جن کا پورا کرنا خاوند کے لئے لازمی نہ ہو یہ شرائط مندرجہ ذیل صورتوں میں عائد ہوتی ہیں۔

الف..... عورت کوئی ایسی شرط لگادے جس سے کسی مشروع عمل میں خاوند کی آزادی سلب ہوکر رہ جائے جیسے عورت شرط لگادے کہ خاوند اسے لے کر سفر پر نہیں جائے گا یا اس پر کسی دوسری عورت کو بیاہ کر نہیں لائے گا۔

ب..... عورت کوئی ایسی شرط لگادے جس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہوں مثلاً عورت شرط لگادے کہ خاوند دوسری بیوی کو طلاق دے۔

چنانچہ ان دونوں صورتوں میں شرط صحیح ہے لیکن اس کی پاسداری خاوند کے لئے لازمی نہیں۔ اگر خاوند شرط پوری نہ کرے عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، یہ قانون بھی حنبلی مذہب کے موافق ہے البتہ دوسری بیوی کی طلاق کی شرط کی صورت میں عقد نکاح تو صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

(۳)..... باطل شرائط جن کی پاسداری جائز نہیں۔ البتہ ان شرائط کے ہوتے ہوئے عقد نکاح صحیح ہوگا، یہ شرائط ایسی ہیں جو عقد نکاح کے شرعی نظام کے منافی ہوں، جیسے مثلاً مہر نہ دینے کی شرط لگادینا، یا یہ شرط لگادینا کہ عورت اپنے خاوند پر خرچ کرے گی، یا ایسی شرط لگادی جو نکاح کے مقاصد شرعیہ کے منافی ہو جیسے مثلاً شرط لگادی کہ خاوند عورت کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا یا کوئی ایسی شرط لگادی جو شرعاً ممنوع ہو جیسے مثلاً شرط لگادی گئی کہ عورت تنہا سفر کرے گی یہ قانون تقریباً سبھی مذاہب کے موافق ہے۔

نکاح صحیح ہونے کی شرائط..... نکاح صحیح ہونے کی دس شرائط ہیں، ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں۔ تاہم ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔[1]

---

[1]..... الدرالمختار رد المحتار ۲/۳۷۳، البدائع ۲/۳۰۱، تبیین الحقائق ۲/۹۰، الشرح الکبیر ۲/۲۳۶، شرح الرسالہ ۲/۲۶ مغنی المحتاج ۳/۱۴۴، المہذب ۲/۴۰ المغنی ۶/۴۵۰، القوانین الفقھیۃ ۱۹۷۔

پہلی شرط: محل نکاح کا حلال ہونا......اس شرط کا حاصل یہ ہے کہ عورت مرد پر حرام نہ ہو خواہ یہ حرمت موقت ہو یا اس حرمت میں شبہ ہو یا حرمت فقہاء کے درمیان مختلف فیہ نہ ہو۔ جیسے مثلاً ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر لینا جو طلاق بائن میں عدت گزار رہی ہو، طلاق یافتہ عورت جو عدت میں ہو کی بہن کے ساتھ نکاح کر لینا، یا مثلاً نکاح میں ایسی دو عورتیں جمع کر لیں جو ایک دوسرے پر حرام ہوں، جیسے مثلاً بھتیجی نکاح میں ہو اور اس پر اس کی پھوپھی بیاہ کرلائی گئی ہو، چنانچہ اگر محل میں کلی حلت ثابت نہ ہو تو عقد نکاح باطل ہو جائے گا مذکورہ بالا صورت کو فقہی اصطلاح میں محلیہ فرعیتہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

محلیہ اصلیہ کا حاصل یہ ہے کہ عورت مرد پر مؤبدًا (دائمی طور پر) حرام نہ ہو جیسے مثلاً بیوی کی سگی بہن، بیٹی، پھوپھی، اور خالہ۔ مذکورہ شرط انعقاد نکاح کے لئے ہے، اگر یہ شرط متحق نہ ہو تو عقد نکاح بالاتفاق باطل ہوگا اور اس پر نکاح کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔

مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر حرمت قطعی ہو تو یہ حرمت بطلان عقد کا سبب بنے گی اور اگر حرمت ظنی ہو تو حنفیہ کے نزدیک حرمت فساد نکاح کا سبب بنے گی۔

اگر نکاح میں محلیہ فرعیتہ معدوم ہو تو نکاح فاسد ہوگا ہاں البتہ دخول کی وجہ سے اس پر بعض اثرات مرتب ہوں گے لیکن فساد نکاح کی صورت میں عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے اور اگر مرد اور عورت اپنے اختیار سے جدا نہ ہوں۔

تو جبرًا ان میں تفریق کرنا واجب ہے۔ بایں ہمہ اگر فساد نکاح کی صورت میں مرد عورت کے ساتھ صحبت کر بیٹھے تو اس نکاح پر بعض اثرات مرتب ہوں گے اور مرد پر مقررہ مہر یا مہر مثل میں سے جو قلیل ہو واجب ہوگا اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی، اگر حمل ٹھہر گیا تو مولود کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا البتہ اس نکاح سے زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔

دوسری شرط......ایجاب وقبول کا صیغہ ایسا ہو جس میں تابید (ہیشگی) کا معنی پایا جاتا ہو، صیغہ موقت نہ ہو۔ اگر نکاح مدت کے ساتھ موقت کیا گیا تو باطل ہو جائے گا مثلاً مرد نے ایجاب یا قبول کے لئے یہ الفاظ کہے۔ ”میں تجھ سے مثلاً محرم الحرام تک صحبت کا فائدہ اٹھاؤں گا جواب میں عورت کہے۔“ میں نے قبول کرلیا یا نکاح موقت کر لیا مثلاً مرد کہے میں نے تیرے ساتھ رجب تک نکاح کرلیا۔ یا کہے جتنی مدت تک میں اس شہر میں مقیم ہوں اس مدت تک تیرے ساتھ نکاح کرلیا۔ مندرجہ بالا پہلی صورت کو نکاح متعہ اور دوسری صورت کو نکاح موقت کہا جاتا ہے۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت کے متعلق مالکیہ کہتے ہیں کہ زوجین کو ایسے نکاح پر سزا دی جائے گی، ہاں البتہ یہ سزا بطور حد نہیں ہوگی اور نکاح بغیر طلاق کے فسخ کر دیا جائے گا۔ ہاں البتہ اگر ایجاب قبول کے وقت مرد دل میں یہ خیال چھپائے رکھے کہ جب تک وہ اس شہر میں مقیم ہے یا ایک سال تک کے لئے یہ نکاح کرتا ہے پھر عورت کو جدا کر دے گا تو اس میں ضرر نہیں، اگر چہ عورت مرد کی اس حالت سے آگاہ ہو۔ [1]

حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ اسے ایک سال کے بعد طلاق دے دے گا تو یہ نکاح متعہ نہیں ہوگا۔ [2] حنابلہ کے نزدیک بنیت طلاق نکاح کرنا باطل ہے یہ نکاح ایسا ہی ہے جیسے اس میں مدت کی تصریح کر دی گئی ہو۔ اس میں ابن قدامہ کا اختلاف ہے۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء:

نکاح متعہ......کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے: میں تم سے اتنے روپیہ یا اتنے سامان پر اتنے دونوں کیلئے متعہ کرتا ہوں۔

نکاح موقت......کی صرت یہ ہے کہ مرد دو گواہوں کی موجودگی میں متعین مدت مثلاً دس روز کے لئے نکاح کرے۔ چنانچہ مذاہب

---

[1]......الشرح الصغير ٢/٣٨٧ [2] شرح المجلة للأتاسي ٢/٤١٥

اربعہ اصحاب اور جمہور صحابہ کا اتفاق یہ ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے، حنفیہ کے نزدیک باطل ہے کیونکہ نکاح متعہ کی حرمت منصوص ہے اور اس کی حرمت سنت سے ثابت ہے نکاح موقت بھی متعہ کی طرح حرام اور باطل ہے، البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح موقت صحیح ہوگا جبکہ متعین مدت کی شرط باطل ہوگی، کیونکہ نکاح شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ امام زفر کے مذہب کی تردید کی گئی ہے کہ نکاح موقت نکاح متعہ کے معنی میں ہے اور باطل ہے، کیونکہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔

شیعہ امامیہ...... کہتے ہیں کہ ❶ کتابیہ اور مسلمان عورت کے ساتھ نکاح متعہ اور نکاح موقت جائز ہے جبکہ زانیہ کے ساتھ مکروہ ہے، بشرطیکہ مہر نکاح میں مذکور ہو اور مدت کی تحدید کی گئی ہو۔ نکاح متعہ ان الفاظ سے منعقد ہوگا مثلاً مرد عورت سے یوں کہے: میں نے تم سے شادی کرلی، میں نے تم سے نکاح کرلیا میں نے تم سے متعہ کرلیا۔ نکاح متعہ میں گواہوں کا ہونا اور ولی کا ہونا شرط نہیں۔ نکاح متعہ کے بقیہ احکام حسب ذیل ہیں:

۱)......مدت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مہر کا تذکرہ ہوتو نکاح باطل ہے اور اگر صرف مہر کا ذکر کیا جائے مدت کا ذکر نہ ہوتو یہ دائمی نکاح ہوگا۔

۲)......عقد سے پہلے شرائط کا کوئی حکم نہیں اگر نکاح میں شرائط کا تذکرہ کیا گیا تو یہ شرائط لازم ہو جائیں گی۔

۳)......اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے کہ مرد منکوحہ کے پاس صرف رات کو آئے گا یا صرف دن کو آئے گا یا شرمگاہ میں صحبت نہیں کرے گا یا عزل کرے گا۔ تاہم پیدا ہونے والا بچہ باپ کے ساتھ ملحق ہوگا اور اگر باپ نے بچے کی نفی کردی تو اس صورت میں لعان کی حاجت نہیں ہوگی۔

۴)......شیعہ کا اجماع ہے کہ متعہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ظاہر مذہب میں لعان بھی نہیں ہوگا ہاں البتہ ظہار کا وقوع ہوگا۔

۵)......نکاح متعہ سے زوجین کے درمیان وراثت کا ثبوت نہیں ہوگا۔ البتہ نکاح متعہ سے پیدا ہونے والا بچہ والدین کا وارث بنے گا اور والدین اس کے وارث ہوں گے اس میں شیعہ کا اختلاف نہیں۔

۶)......جب مقررہ مدت گزر جائے تو عورت کی عدت دو حیض ہوں گے اور جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسکی عدت ۴۵ دن ہوگی اگر نکاح متعہ کے دوران خاوند مر جائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

۷)......مدت پوری ہونے سے پہلے عقد متعہ کی تجدید درست نہیں ہوگی اور اگر تجدید کا ارادہ ہو تو بقیہ مدت مرد عوت کو چھوڑ دے اور از سر نو مدت شروع کردیں۔

دلائل:

امامیہ کے دلائل......امامیہ نے نکاح موقت اور نکاح متعہ کی مشروعیت پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

الف......فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ......النساء ۴/ ۲۴

چنانچہ جن عورتوں سے تم نے (بضعہ کا) نفع اٹھایا ہو ان کا وہ مہر دے دو جو تم نے مقرر کیا ہو۔

استدلال کی وضاحت یہ ہے کہ آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زواج یا نکاح کی بجائے استمتاع یعنی متعہ کا ذکر کیا ہے اور مہر کی بجائے اجرت کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ متعہ جائز ہے، چنانچہ استمتاع اور تمتع کا ایک ہی معنی ہے۔ استمتاع کے بعد اجرت کا دینا عقد اجارہ میں

❶......المختصر النافع فی فقه الامامية ٢٠٥، الروضة البهية ١٠٣/٢

ہوتا ہے، چنانچہ متعہ بھی تو عقد اجارہ ہے جس کا وقوع بضعہ کی منفعت پر ہوتا ہے، رہی بات مہر کی سووہ محض عقد نکاح سے واجب ہو جاتا ہے خواہ بضعہ سے نفع اٹھایا ہو یا نہ اٹھایا ہو۔

ب.....سنت سے ثابت ہے کہ بعض غزوات میں متعہ کو جائز قرار دیا گیا، چنانچہ غزوۂ اوطاس عمرہ قضاء فتح خیبر، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے مواقع پر متعہ کو جائز قرار دیا گیا۔❶

ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے جبکہ ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہیں ہوتی تھیں، ہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے آپ کو خصی نہ کر لیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خصی ہونے سے منع کیا پھر آپ نے ہمیں رخصت دی کہ ہم ایک آدھ کپڑے پر مقررہ مدت تک کے لیے نکاح کر لیں، پھر ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت کی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ......المائدہ ۸۷/۵

اے ایمان والو:۔اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاک چیزوں کو حرام قرار مت❷ دو۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مٹھی بھر کھجوروں اور آٹے پر متعہ کر لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے منع کر دیا۔❸

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسلاف کی ایک جماعت متعہ کے جواز کی قائل تھی۔ چنانچہ بعض صحابہ جیسے اسماء بنت ابی بکر، جابر، ابن مسعود، معاویہ، عمرو بن حریث، ابو سعید اور سلمہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین جیسے طاؤس، عطا، سعید بن جبیر اور سارے فقہائے مکہ جیسے ابن جریج وغیرہ بھی جواز متعہ کے قائل تھے۔

امام مہدی نے متعہ جائز قرار دیا ہے اور یہ روایت امام باقر، امام صادق اور امامیہ نے نقل کی ہے❹ جبکہ شیعہ زیدیہ جمہور کی طرح تحریم متعہ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حلت متعہ سے تحریم متعہ کی طرف رجوع کر لیا تھا۔❺

شیعہ امامیہ کے مستدلات کا جواب:

(۱)......آیت کریمہ میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ......(النساء ۲۴/۴) استمتاع (متعہ) سے مراد نکاح ہے کیونکہ مضمون آیت کی ابتداء نکاح کے تذکرہ سے ہوئی ہے اور آیت اختتام پذیر بھی تذکرہ نکاح سے ہوئی۔ چنانچہ آیت کی ابتدا میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ ......النساء ۲۲/۴

اپنے آباؤاجداد کی منکوحات سے نکاح نہ کرو۔

آیت کے آخر میں ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ......النساء ۲۵/۴

تم میں سے جو شخص پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

اس سے معلوم ہوا آیت مذکور استمتاع سے مراد نکاح ہے اور اس سے مراد شریعت کا حرام کردہ متعہ نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جو مہر کو اجرت سے تعبیر کیا گیا ہے سو لغت میں مہر کا معنی اجرت ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶......نیل الاوطار ۱۳۶/۶ ❷رواہ البخاری و مسلم واحمد (نیل الاوطار ۱۳۳/۶) ❸نصب الرایہ ۱۸۱/۳۔ ❹نیل الاوطار ۱۳۵/۶۔ ❺البحر الزخار ۲۲/۳

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......النساء ۲۵/۴

چنانچہ آیت میں اجرت سے مراد بالاتفاق مہر ہے ایک اور آیت میں ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ اللّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

اس میں بھی اجور سے مراد مہور ہے۔

رہی یہ بات کہ آیت میں جو استمتاع کے بعد اجرت کا حکم آیا ہے جبکہ مہر استمتاع سے قبل بھی لیا جاسکتا ہے سو یہ اسلوب بیان لغوی اعتبار سے تقدیم وتاخیر کے قبیل سے ہے۔ جیسے مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ ......الطلاق ۱/۶۵

یعنی جب تم طلاق کا ارادہ کرلو۔

ایک اور آیت میں ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا

یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرلو۔

(۲)......سنت میں جو بعض غزوات کے موقع پر متعہ کی اجازت دی گئی سو یہ اجازت ضرورت شدید کے درپیش آنے کی وجہ سے تھی کیونکہ لوگ گھروں سے دور ہوتے اور بیوی کی ضرورت محسوس کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تا روز قیامت متعہ حرام قرار دے دیا۔ اس کی دلیل بہت ساری احادیث ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

الف......اے لوگو: میں نے عورتوں کے متعہ کرنے کی تمہیں اجازت دی تھی، اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو تا روز قیامت حرام قرار دے دیا ہے، سو جس شخص کے پاس نکاح متعہ میں لائی ہوئی کوئی عورت ہو تو وہ اس کا راستہ چھوڑ دے اور انہیں جو کچھ بھی دیا ہو واپس نہ لے۔ ❶

ب......حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اوطاس کے موقع پر ہمیں تین دن تک کے لیے متعہ کی اجازت دی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمادیا۔ ❷

ج......سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نکاح متعہ سے منع فرمایا۔ ❸

د......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دوران نکاح متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ ❹

جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مضطر کو متعہ کی اجازت دیتے تھے، چنانچہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ: میں نے متعہ کا فتویٰ نہیں دیا۔ متعہ تو مردار کی مانند ہے جو صرف حالت اضطراری میں حلال ہوتا ہے۔ حالانکہ شیعہ تو متعہ میں وسعت کے قائل ہیں چنانچہ شیعہ مضطر وغیر مضطر، مقیم ومسافر سب کے لئے متعہ حلال سمجھتے ہیں۔

اس کے باوجود صحابہ نے متعہ کا انکار کیا ہے، تاہم ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کو اگر انفرادی رائے قرار دیا جائے تو بھی جمہور صحابہ متعہ کو حرام سمجھتے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کا صریح انکار کیا ہے اور انہیں فرمایا: تم سیدھی راہ سے ہٹاتے ہو؟ چونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی

❶......رواہ مسلم و احمد عن سبرۃ بن معبد الجھنی ❷ رواہ مسلم واحمد ❸ رواہ احمد وابوداؤد ❹ رواہ احمد والیشخان (نصب الرایہ ۱۷۷/۳)۔

اللہ عنہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کا صراحۃً انکار کیا ہے چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے جیسے ان کی آنکھوں کو اندھا کر رکھا ہے اور یہ لوگ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں (ابن زبیر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر تعریض کر رہے تھے) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا: تم بہت متشدد ہو، میری عمر کی قسم: متعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کیا جاتا رہا ہے، ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: سوتم اپنے نفس کو زنگ آلود کرو، اللہ کی قسم اگر تم نے متعہ کیا میں تمہیں ضرور رجم کروں گا۔ ❶

محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ انہوں نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت نقل کی ہے جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ متعہ صدر اسلام میں جائز تھا، ہوتا یوں تھا کہ کوئی شخص کسی شہر میں چلا جاتا جبکہ اسکی وہاں جان پہچان نہ ہوتی تھی وہ مدت قیام تک کسی عورت سے نکاح کر لیتا جو اس کے ساز وسامان کی حفاظت کرتی اس کی کچھ دیکھ بھال کرتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ...... المؤمنون ۲۳/ ۶

سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دو شرمگاہوں کے سوا ہر طرح کی شرمگاہ حرام ہے۔ بیہقی اور ابوعوانہ نے بھی ابن عباس کا رجوع نقل کیا ہے۔ ❷

اکثر علماء کے نزدیک ابن عباس رضی اللہ عنہ کا رجوع صحیح اور ثابت ہے اسکی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کا تحریم متعہ پر اجماع ہے، صحابہ کے اجماع کی مخالفت کرنا عقل سے بعید تر ہے۔ چنانچہ حازمی نے ناسخ اور منسوخ کی بحث میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب ہم شام کے قریب گھاٹی میں پہنچے تو بہت ساری عورتیں آگئیں، ہم آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ ہمیں ان عورتوں کے ساتھ متعہ کر لینا چاہیے، یہ عورتیں بھی ہمارے کجاووں پر چکر لگانے لگیں، اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ان عورتوں کی طرف دیکھنے لگے اور فرمایا: یہ کون عورتیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہم نے ان عورتوں سے متعہ کر لیا ہے، بس سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصہ ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے رخسار غصہ سے سرخ ہو گئے اور آپکا چہرہ اقدس متغیر ہو گیا، پھر آپ نے لوگوں سے خطاب کیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد ہمیں متعہ سے منع کیا، چنانچہ ہم نے عورتوں کو رخصت (الوداع) کر دیا اور اس کے بعد ہم نے متعہ نہیں کیا اور نہ ہی اس فعل کی طرف آئندہ رجوع کیا۔ اسی وجہ سے اس گھاٹی کو ثنیۃ الوداع کہا جانے لگا۔ ❸

ابوعوانہ نے ابن جریج سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں کہا: اے لوگو: گواہ رہو میں نے متعہ سے رجوع کر لیا ہے، جبکہ قبل ازیں انہوں نے لوگوں کو اٹھارہ (۱۸) حدیثیں سنائیں کہ متعہ میں کوئی حرج نہیں۔

یہ سارے دلائل متعہ کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن عباس اور دیگر قائلین متعہ (صحابہ وتابعین) تک دلیل ناسخ نہ پہنچی ہو جب نسخ ثابت ہو چکا تو اس پر عمل کرنا واجب ٹھہرا، یا یوں کہہ لیجئے کہ متعہ کی اباحت درجۂ عفو میں تھی جیسے حرمت سے پہلے شراب درجہ عفو میں تھا پھر حرمت کے متعلق نص قطعی وارد ہوئی۔

جمہور کے دلائل ...... جمہور نے حرمت متعہ پر قرآن، سنت، اجماع اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے قرآن مجید سے۔ چنانچہ

---

❶ ...... یہ صحابہ کا آپس میں مباحثہ ہے جو تحقیق حق کے لیے ہے اس لیے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ❷ نیل الاوطار ۶/ ۱۳۵ ❸ نصب الرایہ ۳/ ۱۷۹

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ المؤمنون ۲۳/۵۔۷

جو اپنی شرمگاہوں کی (سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آ چکی ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

ان آیات میں عورتوں کے ساتھ استمتاع کو حرام قرار دیا گیا ہے ہاں البتہ استمتاع کے صرف دو طریقے روا رکھے یا تو معروف طریقہ پر نکاح کیا جائے یا ملکیت میں باندی رکھی جائے جبکہ متعہ نکاح صحیح دائمی نہیں ہوتا اور نہ ہی متعہ کو ملک یمین قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا متعہ حرام ہے، نیز یہ بات کہ متعہ نکاح صحیح نہیں کیونکہ متعہ طلاق کے بغیر بھی ختم کیا جا سکتا ہے، متعہ میں مرد کے ذمہ نان نفقہ بھی واجب نہیں ہوتا، اس سے حق وراثت بھی ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ سنت سے...... بہت ساری احادیث اوپر ذکر کی جا چکی ہیں جو متفق علیہ ہیں، ان میں حضرت علی، حضرت سبرہ جہنی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث بھی ہیں۔ ان میں صراحتہً نکاح متعہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ اجماع سے...... امامیہ کے علاوہ پوری امت کا حرمت متعہ پر اجماع ہے، اگر متعہ جائز ہوتا تو امامیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء بھی جواز کا فتویٰ دیتے، ابن منذر کہتے ہیں: ابتدائے اسلام میں متعہ کے بارے میں رخصت دی گئی تھی، آج مجھے کسی ذی علم کا پتہ نہیں جو متعہ کو جائز قرار دیتا ہو البتہ بعض روافض اسے جائز قرار دیتے ہیں، سو کتاب اللہ سنت رسول اللہ کی مخالفت میں ان کے جواز کا قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: پھر متعہ کی حرمت پر سبھی علماء کا اجماع ہو گیا، البتہ روافض اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ عقل سے...... نکاح مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر مشروع ہوا ہے مثلاً تسکین نفس، اولاد، خاندانی وجود وغیرہ۔ جبکہ متعہ میں شہوت پرستی کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی، یہ بعینہ زنا ہوا، اگر متعہ مباح قرار دیا جائے تو حرمت زنا کا پھر کیا معنی۔

اس وضاحت سے جمہور کے دلائل راجح ہیں لہٰذا متعہ اور نکاح موقت دونوں باطل ہیں، نیز متعہ اور نکاح موقت منطق اور روح شریعت کے عین منافی ہے نیز ایک سلیم الطبع انسان کو متعہ اور نکاح موقت سے نفرت ہوتی ہے۔

تیسری شرط: شہادت:

اس شرط کے متعلق چار زوایے سے گفتگو کی جاتی ہے۔

۱...... نکاح میں گواہی کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء۔

۲...... گواہی کا وقت۔

۳...... گواہی کی حکمت۔

۴...... اور گواہوں کی شرائط۔

اول: گواہی کی شرط کے متعلق فقہاء کی آراء:

نکاح کے صحیح ہونے کے لئے گواہی کے شرط ہونے پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے ❶ چنانچہ مذاہب اربعہ کے نزدیک ولی کے علاوہ دو گواہوں

❶...... البتہ بعض کتب میں ہے کہ امام مالک کے نزدیک گواہی شرط نہیں بلکہ اعلان کافی ہے اگرچہ دف سے کیا جائے۔

کا ہونا ضروری ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت اور دو گواہوں کی موجودگی سے ❶ دار قطنی نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ عقد نکاح میں چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے ولی، مرد (زوج) اور دو گواہ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورتیں زانیہ ہوتی ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنے تئیں نکاح کر لیتی ہیں۔ ❷

نیز گواہی بیوی اور اولاد کے حقوق کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے تا کہ باپ اولاد کا انکار نہ کر سکے یوں اولاد کا نسب ضائع ہو جائے گا، گواہی موجود ہونے کی صورت میں زوجہ پر کوئی تہمت بھی نہیں، گواہی سے نکاح کی اہمیت اور عظمت بھی واضح ہوتی ہے۔

نکاح سرّ (پوشیدہ نکاح)...... نکاح میں شرط شہادت کی تاکید کے لئے مالکیہ کہتے ہیں ❸ کہ پوشیدہ نکاح قابل فسخ ہوتا ہے، نکاح سر: یہ ہے کہ مرد گواہوں کو وصیت کر دے کہ یہ نکاح عورت سے یا کسی جماعت سے یا گھر والوں سے پوشیدہ رکھا جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں، یہ نکاح ایک طلاق بائن کے ذریعہ ختم کر دیا جائے جیسے بدون گواہوں کے ہو جانے والے نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے، تاہم اگر زوجین نے (نکاح سر میں) صحبت کر لی تو دونوں پر حد زنا جاری کی جائے گی خواہ صحبت اقرار سے ثابت ہو یا چار گواہوں سے، اس میں جہالت کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

لیکن اگر نکاح کی خبر پھیل گئی یا دف بجا دیا گیا یا ولیمہ کر دیا گیا یا یہ نکاح ایک گواہ سے ہو جو ولی کے علاوہ ہو یا دو فاسق گواہوں کی موجودگی میں ہو تو شبہ آ جانے کی وجہ سے حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ شبہات کی وجہ حدود ٹال دو۔ ❹

حنابلہ کہتے ہیں کہ عقد کو پوشیدہ رکھنے کی وصیت سے عقد باطل نہیں ہوتا، اگر ولی نے یا گواہوں نے یا زوجین نے عقد پوشیدہ رکھا تو عقد صحیح ہے لیکن مکروہ ہے۔ ❺

نکاح کے متعلق ابن ابی لیلیٰ، ابوثور اور ابوبکر اصم کا ایک شاذ قول بھی ہے وہ یہ کہ نکاح میں گواہی شرط نہیں اور نہ ہی گواہی لازمی ہے کیونکہ نکاح کے متعلق جتنی آیات بھی ہیں ان میں گواہی کو شرط قرار نہیں دیا گیا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ......النساء ۴/ ۳

عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ......النور ۲۴/ ۳۲

تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں ان کا نکاح کرا دو۔

ان آیات کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا اور جن احادیث میں گواہی شرط قرار دی گئی ہے ان سے مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔

یہی مذہب شیعہ امامیہ کا ہے، چنانچہ امامیہ کہتے ہیں: دائمی نکاح میں اعلان اظہار اور گواہ بنانا مستحب ہے اور ہمارے جمیع علماء کے نزدیک صحت نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں۔

یہ باطل قول ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ گواہی کی احادیث درجہ شہرت رکھتی ہیں لہٰذا کتاب اللہ کے مطلق حکم کو مشہور احادیث کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے۔

دوم: گواہی کا وقت...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کی رائے ہے کہ جس وقت عقد نکاح طے ہو رہا ہو اس وقت گواہی لازم ہوتی ہے تا کہ

---

❶......رواه الدارقطني وابن حبان وصححه ❷ لم يرفعه غير عبدالاعلى وهو ثقة (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۵) ❸ الشرح الكبير ۲/ ۲۳۶، الشرح الصغير ۲/ ۳۳۶ ❹ مرّ تخريجه غير مرة. ❺ غاية المنتهى.

عاقدین سے ایجاب وقبول کے صدور کو گواہ سن لیں، اگر گواہی کے بغیر ہی عقد تمام ہوا تو فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اوپر حدیث ذکر ہوئی ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی اور دو ۲) گواہوں کی موجودگی میں۔ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بوقت عقد گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور اسی سے گواہی کی حکمت بھی متحقق ہو جاتی ہے، نیز گواہی رکن عقد کی شرط ہے لہٰذا رکن کے وقت گواہی کا پایا جانا شرط ہے۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ گواہی صحت نکاح کی شرط ہے خواہ عقد طے کرتے وقت گواہی قائم کی جائے یا عقد کے بعد صحبت سے قبل۔ عقد طے ہونے کے وقت (یعنی ایجاب وقبول کے وقت) گواہی کا ہونا فقط مستحب ہے، اگر بوقت عقد یا دخول سے قبل شہادت صحیح نہ ہوئی تو عقد فاسد ہوگا اور عورت کے ساتھ صحبت معصیت ہوگی، اس عقد کو فسخ کرنا ضروری ہوگا، گویا مالکیہ کے نزدیک گواہی عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے جواز کی شرط ہے صحت عقد کی شرط نہیں یہی امر مالکیہ اور دوسرے فقہاء کے درمیان محل اختلاف ہے۔

گواہ بنانے کی حکمت...... نکاح چونکہ اہم مہتم بالشان معاشرتی عمل ہے اس لیے لوگوں میں اس کا اظہار اور اعلان ہونا چاہئے تا کہ زوجین پر کسی قسم کی تہمت نہ آئے۔

نیز حلال اور حرام کے درمیان گواہی سے فرق کیا جاتا ہے اور جو حلال کام ہوا سے سر عام کیا جائے۔ جبکہ حرام فعل کو چھپایا جاتا ہے۔ اسی لئے تو شریعت نے نکاح کا اعلان مستحب قرار دیا ہے اور نکاح کے موقع پر ولیمہ کو بھی مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ مختلف احادیث ہیں جن میں اعلان کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نکاح کا اعلان کرو۔ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح کے موقع پر دف بجاؤ۔ نکاح کا اعلان کرو اور نکاح کی محفل مساجد میں منعقد کرو، اس موقع پر دف بجاؤ، تمہیں چاہیے کہ نکاح کے موقع پر ولیمہ کرو اگر چہ ولیمہ میں ایک بکری ہی پکاؤ، جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجے درحالیکہ عورت نے مہندی لگائی ہو تو مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کو آگاہ کردے اور اسے دھوکا نہ دے۔ [1]

چہارم: گواہوں کی شرائط...... گواہوں کا متعینہ اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے اولاً گواہ شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں یعنی ان میں بلوغ، عقل، حریت وغیرہ جیسی شرائط پائی جاتی ہوں ثانیاً ان گواہوں کی موجودگی سے اعلان کا معنی متحقق ہوتا ہو ثالثاً ان کی موجودگی سے عقد نکاح کی عظمت اور تکریم ظاہر ہوتی ہو۔

اہلیت...... بالاتفاق نکاح کے گواہوں میں کامل اہلیت کا پایا جانا شرط ہے، نیز گواہ عاقدین کا کلام سنیں اور سمجھیں، تا ہم گواہوں کی شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ **عقل**...... عقد نکاح میں مجنون کی گواہی صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ گواہی کا مقصد اور غایت مجنون کے گواہ بننے سے حاصل نہیں ہوتی۔

۲۔ **بلوغ**...... بچہ گواہ نہیں بن سکتا اگر چہ وہ متمیز ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بچوں کی حاضری سے عقد نکاح کا اعلان اور اس کے مہتم بالشان ہونے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

یہ دو شرطیں فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان دونوں شرطوں کو کلمۂ واحد سے یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ۔ دونوں گواہ مکلف ہوں۔ بقیہ شرائط میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۳۔ **تعدد**...... یعنی دو گواہ ہوں، یہ شرط بھی متفق علیہ ہے چنانچہ ایک گواہ سے عقد نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اوپر حدیث مذکورہ میں ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی اور دو گواہوں کے ساتھ۔

---

[1] ......الحدیث الاول رواہ احمد و صححہ الحاکم عن عامر بن عبداللہ بن الزبیر والثانی اخرجہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی عن عائشہ وفی رواتہ ضعیف والثالث اخرجہ الترمذی من حدیث عائشۃ وقال حسن غریب۔ (سبل السلام ۳/۱۱۶)

حنفیہ ❶ کہتے ہیں......اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو حکم دیا کہ وہ اس کی کمسن بیٹی کا نکاح کروادے چنانچہ اس شخص نے آمر کی بیٹی کا نکاح کرادیا حالانکہ باپ موجود ہو اور ان دو کے علاوہ ایک اور گواہ بھی موجود ہو تو یہ نکاح جائز ہوگا کیونکہ باپ بذات خود نکاح دے رہا ہوگا گویا وہ ولی نکاح ہے چونکہ مجلس میں اتحاد ہے، وکیل محض سفیر ہوگا اور وہ گواہ تصور کیا جائے گا۔

اور اگر لڑکی کا باپ حاضر نہ ہو بلکہ غائب ہو تو یہ نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ مجلس مختلف ہو جائے گی اور باپ کو نکاح دینے والا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اور اگر باپ اپنی بالغ بیٹی کا نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کروادے پھر لڑکی موجود ہو تو نکاح جائز ہوگا اور اگر غائب ہو تو جائز نہیں ہوگا۔

۴۔گواہوں کا مرد ہونا...... یہ شرط حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہے حاصل اسکا یہ ہے کہ نکاح کے گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں مرد ہوں، چنانچہ اکیلی عورتوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح کی اہمیت اور اس کے مہتم بالشان ہونے کا تقاضا ہے کہ گواہ مرد ہوں، بخلاف مالی معاملات کے۔ زہری کہتے ہیں یہ طریقہ رہا ہے کہ حدود نکاح اور طلاق میں عورتوں کی گواہی ناجائز ہے۔ ❷ نیز نکاح کوئی مالی معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہی عقد نکاح کا مقصد مال ہوتا ہے، چنانچہ نکاح کے وقت اکثر اوقات مرد حضرات ہی موجود ہوتے ہیں لہٰذا حدود کی طرح عورتوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں......عقد نکاح میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی جائز ہے جیسے مالی معاملات میں عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوتی ہے، کیونکہ عورت تحمل شہادت اور ادائے شہادت کی اہلیت رکھتی ہے، حدود و قصاص میں عورت کی گواہی اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ نسیان، غفلت اور عدم تثبت کی وجہ سے عورت کی گواہی میں شبہ آجاتا ہے، جبکہ حدود شبہادت سے ٹال دی جاتی ہے۔

۵۔حریت......حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک شرط ہے کہ دونوں گواہ آزاد ہوں غلام نہ ہوں، چنانچہ غلاموں کی گواہی پر عقد نکاح نہیں ہوگا کیونکہ غلام کو اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہوتی بھلا غیر پر اسے کیونکر ولایت حاصل ہوگی جبکہ گواہی ولایات کے قبیل سے ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں......دو غلاموں کی گواہی سے عقد نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ حنابلہ کے نزدیک سبھی حقوق میں غلاموں کی گواہی قبول کی جاتی ہے جبکہ کتاب اللہ، سنت یا اجماع سے غلام گواہوں کی نفی ثابت نہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے کسی فرد واحد کا بھی علم نہیں کہ اس نے غلام کی گواہی کو رد کیا ہو، چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ غلام کی گواہی کو تمام امتوں کے خلاف قبول کرے گا، بھلا یہاں دنیا میں غلام کی گواہی کیوں نہ قبول کی جائے؟ نیز غلام کی مرویات (احادیث) قبول کی جاتی ہیں بشرطیکہ وہ عادل اور ثقہ ہو، بھلا اس سے کمتر معاملات میں گواہی قبول کیوں نہیں کی جائے گی، گواہی کا دارومدار ثقاہت پر ہے چنانچہ غلام اگر ثقہ اور عادل ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

۶۔عدالت......اس شرط کا حاصل یہ ہے کہ گواہ راست باز ہو دیندار ہو اگر چہ گواہ بظاہر عادل ہو اور فسق وانحراف کا کھلم کھلا مرتکب نہ ہو، یہ شرط جمہور فقہاء کے نزدیک ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی راجح روایت اور شافعیہ کے نزدیک بھی صحیح یہ ہے کہ گواہ عادل ہوں، چنانچہ فاسق شخص کی گواہی پر نکاح صحیح نہیں ہوتا چنانچہ حدیث اوپر مذکور ہو چکی ہے:

لانكاح الا بولي وشاهدي عدل

نیز شہادت کا تعلق باب کرامت سے ہے جبکہ فاسق تو ذلت ورسوائی کا حقدار ہوتا ہے۔

---

❶......فتح القدير ۲/ ۳۰۶ ❷ رواه ابو عبيد في الاموال.

حنفیہ کہتے ہیں: گواہوں میں عدالت شرط نہیں، عادل وغیر عادل کی گواہی سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، چونکہ نکاح کی گواہی تحمل شہادت ہے لہٰذا فاسق کی گواہی بھی صحیح ہے، فاسق اہل ولایت ہوتا ہے لہٰذا وہ اہل شہادت بھی ہے، شیعہ امامیہ کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ امامیہ کے نزدیک شہادت صحت عقد کی شرط نہیں بلکہ محض مستحب ہے۔

۷۔ اسلام...... بالاتفاق گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے، مستور الاسلام کی گواہی جائز نہیں۔ یہ شرط معتبر ہے جب زوجین مسلمان ہوں۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط تب معتبر ہے جب عورت مسلمان ہو۔ چنانچہ اگر مسلمان مرد نے ذمیہ (کتابیہ) عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس نکاح کے دو ذمی گواہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ کتابی کی گواہی کتابی پر جائز ہے۔

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک ذمی کی گواہی جائز نہیں چونکہ مرد مسلمان ہے اور گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ انہیں مسلمانوں کے معیار نکاح کا علم ہوں۔

مسلمانوں کے نکاح میں گواہوں کے مسلمان ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ نکاح مہتم بالشان معاملہ ہے اور دینی معاملہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ گواہ بھی مسلمان ہو۔

اگر زوجین غیر مسلم ہوں تو حنفیہ کے نزدیک کتابیوں کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

۸۔ **گواہوں کا صاحب بصارت ہونا**...... یہ شرط شافعیہ کے نزدیک ہے چنانچہ نابینا شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اقوال معاینہ سے پایہ ثبوت کو پہنچتے ہیں، جبکہ نابینا شخص مدعی اور مدعی علیہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔

جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں چنانچہ جمہور کے نزدیک نابینا شخص کی گواہی بھی معتبر ہے بشرطیکہ نابینا عاقدین اور ان کی آوازوں میں فرق کر سکتا ہو کیونکہ نابینا اہل شہادت ہے اور یہ شہادت قول پر ہے لہٰذا صحیح ہے۔

۹۔ **گواہان عاقدین کے کلام کو سنیں اور سمجھیں**...... یہ شرط اکثر فقہاء کے ہاں معتبر ہے، چنانچہ سوتے ہوئے یا بہرے اشخاص کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح کی غرض اور مقصد ایسے لوگوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح نشہ میں دھت شخص کی گواہی بھی صحیح نہیں۔

اسی طرح زوجین عربی ہوں تو ان کے نکاح پر غیر عربی کی گواہی صحیح نہیں چونکہ غیر عربی، عربی زبان سمجھ نہیں پائے گا جبکہ ضروری ہے کہ گواہ عاقدین کے کلام کو سمجھتا ہو یہ حنفیہ کے نزدیک راجح مذہب ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی گواہی پر منعقد ہونے والا عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا، بلکہ ایک قول کے مطابق اس نے تو کفر کر دیا چونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں۔

عقد نکاح کے گواہوں میں یہ شرط نہیں کہ وہ ایسے لوگ نہ ہوں جن کی گواہی رد کر دی جاتی ہے چنانچہ زوجین یا ان میں سے کسی ایک کے دو بیٹے عقد نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اولاد بھی تو اہل شہادت ہوتی ہے، چنانچہ حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک عقد نکاح میں اولاد کی گواہی صحیح نہیں۔ غیر حنفیہ کے نزدیک قریبی رشتہ داروں اور چچاؤں کی گواہی سے نکاح صحیح ہے جبکہ وہ ولی بھی ہوں، چونکہ جمہور کے نزدیک نکاح میں ولی کا ہونا شرط ہے جبکہ ولی گواہوں کے علاوہ ہوتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں عقد نکاح میں گواہی قبول کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے ایک ضابطہ مقرر کر رکھا ہے وہ یہ کہ ہر وہ شخص جو نکاح میں ولی بننے کی اہلیت رکھتا ہو وہ گواہ بھی بن سکتا ہے۔

صحت نکاح کے لئے جیسے گواہوں کا ہونا شرط ہے اسی طرح حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کا نکاح پر رضامند ہونا بھی شرط

ہے مثلاً عورت کہے میں راضی ہوں یا کہے میں نے اجازت دے دی ہے یا کوئی ایسی بات کہے جس سے اس کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو درحالیکہ اس پر جبرواکراہ نہ ہو۔

شہادت کے متعلق قانون کا مؤقف......سوریہ میں احوال شخصیہ کے حوالے سے شہادت کے متعلق حنفیہ کے مذہب کو دفعہ ۱۲ کے تحت قانونی حیثیت دی گئی ہے، چنانچہ قانون کا متن یہ ہے۔عقد نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ دو گواہ جو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، عاقل و بالغ ہوں ایجاب وقبول کو سن رہے ہوں اور مقصد کو وہ سمجھ رہے ہوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ قانون تب ہے جب دو مسلمانوں کی آپس میں شادی ہو رہی ہو اور اگر زوجین اہل کتاب میں سے ہوں تو ان کے نکاح پر دو کتابی گواہ بن سکتے ہیں۔

چوتھی شرط: عاقدین کا نکاح ان کی باہمی رضامندی اور اختیار سے ہو اور جبر واکراہ سے پاک ہو:

یہ شرط جمہور کے نزدیک معتبر ہے البتہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ عاقدین کی رضامندی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا، اگر عاقدین میں سے کسی ایک کو قتل، ضرب شدید یا قید وبند کی دھمکی دے کر نکاح پر مجبور کیا گیا تو یہ نکاح فاسد ہوگا، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔اللہ تعالیٰ نے میری امت کے خطا، نسیان اور اکراہ کو معاف کر دیا ہے۔ [1]

نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک لڑکی (جس کا نام خنساء بنت حذام انصاریہ ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی: میرے والد نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میری شادی کر دی ہے اور میری وجہ سے اس کا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے حالانکہ میں اسے ناپسند کرتی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹھو یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور معاملہ آپ کے گوش گزار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے باپ کو پیغام بھیج کر بلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کے نکاح کا اختیار لڑکی ہی کو سونپ دیا، لڑکی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میں نے اپنے والد کے فیصلہ کو بحال رکھا، لیکن میں عورتوں کو یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ باپ کے پاس ہمارے نکاح کا اختیار نہیں ہے۔یعنی باپ کے پاس بیٹیوں کی شادی کرنے کا کلی اختیار نہیں۔ان دونوں احادیث سے پتہ چلا کہ رضامندی شرط ہے۔جبکہ جبر واکراہ رضامندی کو ختم کر دیتا ہے، یہی مذہب راجح ہے چونکہ عقد میں باہمی، رضامندی اصل چیز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: رضامندی صحت نکاح کے لئے شرط نہیں، چنانچہ اکراہ اور ہزل (مذاق) کے ساتھ بھی عقد نکاح صحیح ہے، چونکہ جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہوتا ہے وہ نکاح کا قصد کرتا ہے ہاں البتہ اس حکم کے ساتھ راضی نہیں ہوتا جو عقد پر مرتب ہوتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہنسی مذاق میں نکاح کر لے جبکہ ہزل صحت نکاح کے مانع نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔"تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے وہ یہ ہیں: نکاح، طلاق اور رجعت۔ [2]

لیکن یہ قیاس سنت سے ثابت شدہ مذہب کے خلاف ہے۔

پانچویں شرط زوجین کی تعیین......شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اس شرط کا اعتبار کیا جاتا ہے، چنانچہ عقد نکاح تب ہی درست ہوگا جب زوجین (مرد اور عورت) متعین ہوں، کیونکہ نکاح کا مقصد تبھی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے جب زوجین متعین ہوں۔اگر ولی نے صرف اتنا کہا۔ میں نے اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے دی۔اس سے نکاح نہیں ہوگا یہاں تک کہ نام لے کر یا لڑکی کی طرف اشارہ کر کے تعیین نہ کر دے۔اگر ولی نے لڑکی کا مخصوص نام ذکر کیا یا اسکا کوئی ایسا وصف ذکر کیا جس سے وہ دوسری بہنوں اور عورتوں سے ممتاز ہوگئی مثلاً کہا میری بڑی بیٹی، یا چھوٹی

---

[1]......حدیث حسن رواہ ابن ماجہ والبیھقی وغیرہ عن ابن عباسؓ۔ [2] رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ عن ابی ھریرۃ (کشف الخفاء ۱/۳۸۹)

بیٹی یا درمیانی بیٹی یا گورے رنگ والی بیٹی وغیرہ، یا اس لڑکی کی طرف اشارہ کر دیا اور کہا یہ بیٹی تو نکاح صحیح ہوگا، اگر ولی نے اشارہ کرتے ہوئے لڑکی کا کوئی دوسرا نام لے لیا تو بھی نکاح صحیح ہوگا بشرطیکہ ولی کی صرف ایک ہی بیٹی ہو۔ کیونکہ اشارہ تعیین کے لیے کافی ہوتا ہے اشارہ کے ہوتے ہوئے نام لینے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ اگر ولی نے کہا میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کی تمہارے ساتھ شادی کر دی اور ساتھ اشارہ خدیجہ کی طرف کر دیا تو عقد خدیجہ کے ساتھ صحیح ہوگا کیونکہ نام کے مقابلہ میں اشارہ قوی تر ہوتا ہے۔

چھٹی شرط: زوجین میں سے کوئی ایک محرم نہ ہو:

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ شرط ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی حالت احرام میں نہ ہو، خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا۔ محرم کا نکاح جائز نہیں چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نہ محرم نکاح کرے اور نہ ہی اسکا نکاح کیا جائے ❶ مسلم کی روایت میں ہے محرم پیغام نکاح بھی نہ بھیجے یعنی نہ اپنے لیے پیغام نکاح بھیجے نہ ہی کسی اور کے لئے، ان احادیث میں محرم حج اور محرم عمرہ کو صراحتہً اپنا نکاح کرنے یا کسی دوسرے کا نکاح کرانے سے منع کیا گیا ہے۔ نہی فساد منہی عنہ پر دلالت کرتی ہے، نیز احرام اس لئے باندھا جاتا ہے تاکہ بندہ ہر طرف سے کٹ کر عبادت میں مشغول ہو جائے جبکہ نکاح جنسی خواہش پوری کرنے کا طریقہ ہے لہٰذا احرام کے ہوتے ہوئے نکاح ناجائز ہوگا۔

مالکیہ نے تو یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ یہ نکاح فسخ کیا جائے گا اگرچہ دخول ہو چکا ہو اور بچہ بھی پیدا ہو چکا ہو، یہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں: نکاح کے صحیح ہونے کی یہ شرط غیر معتبر ہے، احرام کی حالت میں بھی نکاح صحیح ہے، برابر ہے کہ مرد نے احرام باندھ رکھا ہو یا عورت نے۔ یعنی محرم خود اپنا نکاح کر سکتا ہے اور اس کا نکاح کرانا بھی جائز ہے۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں تھے۔ ❷

حق یہ ہے کہ پہلی رائے راجح ہے کیونکہ یہی روایت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مختلف طرق سے مروی ہے چنانچہ وہ خود کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلال (احرام میں نہیں) تھے۔ ❸ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے تو اکثر راویوں کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی، چنانچہ یہ احتمال ہے کہ ایک روای وہم میں پڑ گیا ہو بخلاف کثیر راویوں کے، تاہم عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں محرم کے نکاح کی ممانعت ہے راجح ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل کی گئی ہے وہ یہ کہ محرم کا معنی حرم میں داخل ہونے والے تھے یا حرمت والے مہینوں میں داخل ہونے والے تھے۔ ❹

ساتویں شرط: یہ کہ نکاح مہر کے عوض میں ہو:

یہ شرط اور بعد میں آنے والی دو شرطیں مالکیہ کے نزدیک معتبر ہیں، اس شرط کا حاصل یہ ہے کہ عقد نکاح میں مہر کا تذکرہ ہو گویا نکاح مہر کے عوض میں ہو، اگر عقد طے کرتے وقت مہر کا تذکرہ نہ ہوا تو بوقت صحبت مہر مقرر کر لینا ضروری ہے یا پھر صحبت سے مہر مثل خود بخود مقرر ہو جائے گا۔

مالکیہ کے نزدیک مہر کا ہونا شرط ہے، مہر کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا، لیکن بوقت عقد مہر کا ذکر شرط نہیں بلکہ محض مستحب ہے، کیونکہ اس سے نفس کو اطمینان حاصل ہو جاتا اور مستقبل میں اختلاف کا وہم جاتا رہتا ہے، اگر بوقت عقد مہر کا ذکر نہ ہوا تو نکاح صحیح ہوگا البتہ اس نکاح کو نکاح

---

❶......رواہ مسلم عن عثمان رضی اللہ عنہ ❷ متفق علیہ عن ابن عباس ❸ رواہ مسلم عن میمونہ رضی اللہ عنہا (سبل السلام ۱۲۴/۳) ❹ یہ تاویل بعید از قیاس ہے ابن عباس کی روایت مختلف وجوہ سے راجح ہے یہ روایت صحیح ہے، تواتر کے ساتھ مروی ہے اس روایت کے متعدد شواہد بھی ہیں تفصیل کے لئے مطولات دیکھ لیجیے۔

تفویض کہا جائے گا۔

نکاح تفویض...... یہ ایسا عقد ہے جس میں مہر مقرر کرنے کا ذکر ہی نہ ہو اور نہ ہی مہر کا اسقاط ہو۔ یہ نکاح مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، البتہ اگر مرد اور عورت نے بغیر مہر کے نکاح پر اتفاق کرلیا یا نکاح میں مہر نہ دینے کی شرط لگادی یا کوئی ایسی چیز مہر دینے کی شرط لگادی جو مہر بن ہی نہ سکتی ہو جیسے شراب خنزیر تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا اور دخول سے

پہلے فسخ کرنا واجب ہے، اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کرلی تو عقد پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گا اور عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا۔ ❶

جمہور کہتے ہیں بغیر مہر کے کیا ہوا نکاح فاسد نہیں ہوتا اسی طرح اگر اسقاط مہر کی شرط لگادی یا ایسی چیز مہر میں رکھی جو مہر بن ہی نہ سکتی ہو جیسے خنزیر تو بھی نکاح فاسد نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا گویا اس خلل کا عقد پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ مذہب راجح ہے، اگر عقد نکاح میں مہر شرط ہوتا تو بوقت عقد اس کا ذکر واجب ہوتا، جبکہ بوقت عقد مہر کا مقرر کرنا واجب نہیں بلکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ ❷

لہٰذا نکاح تفویض بالاتفاق صحیح ہے

آٹھویں شرط: کتمان نکاح پر زوج اور گواہوں کا اتفاق نہ ہو:

یہ شرط بھی مالکیہ کے ہاں معتبر ہے چنانچہ اگر زوج اور گواہوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ یہ نکاح لوگوں سے یا کسی خاص جماعت سے چھپایا جائے (اور پوشیدہ رکھا جائے) تو نکاح باطل ہو جائے گا اوپر مذکور ہو چکا کہ اس قسم کے نکاح کو نکاح سر یا پوشیدہ نکاح کہا جاتا ہے۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ زوج گواہوں کو وصیت کردے کہ یہ نکاح اسکی دوسری بیوی سے یا مخصوص کسی جماعت سے یا گھر والوں سے مخفی رکھا جائے، بشرطیکہ کتمان کسی ظالم کے خوف سے نہ ہو۔ یہ نکاح قابل فسخ ہوتا ہے ہاں البتہ اگر عورت کے ساتھ خاوند صحبت کرلے تو پھر فسخ نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر گواہوں کو کتمان کی وصیت صرف ولی نے کی ہو یا صرف زوجہ نے کی ہو، مرد نے وصیت نہ کی ہو یا گواہوں کو تاکید کیے بغیر زوجین اور ولی کتمان نکاح پر اتفاق کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نکاح بھی باطل نہیں ہوگا۔ ❸

جمہور کہتے ہیں: یہ شرط معتبر نہیں اس کے بغیر بھی نکاح صحیح ہے چنانچہ اگر خاوند گواہوں کے ساتھ کتمان نکاح پر اتفاق کرلے اور آپس میں طے کرلیں کہ سبھی لوگوں سے یہ نکاح چھپایا جائے تو عقد فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ اعلان دو گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے۔

نویں شرط: یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک جان لیوا مرض میں مبتلا نہ ہو:

اس شرط کا اعتبار بھی مالکیہ کے ہاں کیا جاتا ہے چنانچہ مرد یا عورت اگر کسی جان لیوا مرض میں مبتلا ہو تو اسکا نکاح صحیح نہیں، جان لیوا مرض سے مراد ایسی بیماری ہے جس سے عادۃً موت واقع ہو جاتی ہو۔ یہ نکاح قابل فسخ ہوتا ہے اگر چہ مرد نے صحبت کر بھی لی ہو تو، اگر صحبت نہیں کی اور نکاح فسخ کردیا گیا تو عورت کو مہر نہیں ملے گا اگر صحبت کرلی تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا۔ اگر فسخ نکاح سے پہلے کوئی مر گیا اگر چہ صحبت ہو چکی ہو تو دوسرا فریق وارث نہیں بنے گا (یعنی وارثت سے اسے کچھ نہیں ملے گا) اس فساد کا اصل سبب یہ ہے کہ مورث نے ایسے فریق کو وارثت میں داخل کردیا ہے جو بیماری سے پہلے وارثت میں داخل نہیں تھا، گویا مورث کی یہ جانی بوجھی سازش ہے۔ البتہ اگر خاوند فسخ نکاح سے پہلے مر گیا اور صحبت ہو چکی تھی تو عوت کو مقررہ مہر اور تہائی ترکہ میں سے جو کم ہو وہ ملے گا۔ کیونکہ جان لیوا مرض میں نکاح کرنا محض تبرع ہے اور تبرع

---

❶......الشرح الكبير ۲/ ۳۱۳، القوانين الفقهيه ۲۰۳ الشرح الصغير ۲/ ۴۴۹ ❷ مغنى المحتاج ۳/ ۲۲۹، المغنى ۶/ ۴۱۶ كشف القناع ۵/ ۱۷۴، فتح القدير ۳/ ۳۳۴۔ ❸الشرح الكبير مع الدسوقى ۲/ ۲۳۶

تہائی ترکہ میں نافذ ہوتا ہے۔ ❶

دسویں شرط: ولی کا موجود ہونا:

یہ شرط حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں معتبر ہے، جمہور کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ...... البقرة ۲/ ۲۳۲

(اے مکے والو) عورتوں کو اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے دوبارہ نکاح کریں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ولی کے اعتبار میں یہ آیت صریح تر ہے ❷ ورنہ عضل یعنی منع کرنے کا کیا معنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لانکاح الا بولی

یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ❸

حدیث میں نکاح کی حقیقت شرعیہ کی نفی کی گئی ہے یعنی جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔ اگر (ایسے نکاح کے بعد) مرد نے صحبت کرلی تو شرمگاہ کو حلال سمجھنے کے بدلہ میں عورت کے لیے مہر ہوگا، اگر ولی کے متعلق لوگوں کا جھگڑا ہو جائے تو جسکا کوئی ولی نہ ہو سلطان اسکا ولی ہوتا ہے۔ ❹

پہلی حدیث کو نفی کمال پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ شارع کا کلام حقائق شرعیہ پر محمول ہوتا ہے یعنی ولی کے بغیر شرعی نکاح نہیں ہوتا۔

دوسری حدیث سے یہ مفہوم نہ لیا جائے کہ ولی کی اجازت سے نکاح صحیح ہوتا ہے، چونکہ یہ حدیث غالب احوال کے پیش نظر ہے، چونکہ غالب احوال میں عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیتی ہے۔

ایک اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شادی نہ کرائے اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے ❺ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو نہ اپنے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کسی دوسری عورت کے نکاح کی۔ چنانچہ ایجاب وقبول کے حوالے سے نکاح میں عورتوں کی عبارات کا کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ...... جمہور کہتے ہیں عورتوں کی عبارات سے نکاح سرے سے ہی منعقد نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی عورت نے خود اپنا نکاح کرلیا یا کسی دوسری عورت کا نکاح کیا یا عورت نے ولی کے علاوہ کسی اور کو وکیل بنالیا گو ولی کی اجازت ہی کیوں نہ ہو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ نکاح کی مجلس میں ولی کی موجودگی اور حاضری شرط ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں (ظاہر الروایہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے) کہ عاقلہ، بالغہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کرا سکتی ہے، نیز عورت نکاح میں دوسرے کی وکالت کرسکتی ہے، البتہ عورت اگر غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلے

---

❶......الشرح الکبیر ۲/ ۲۴۰، الشرح الکبیر ۳/ ۳۸۲ ❷ آیت میں تو ولی کو اپنا اختیار چلانے سے منع کیا گیا ہے اور نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے پتہ چلا ولی کے بغیر عورتیں نکاح کرسکتی ہیں۔ ❸ رواہ الخمسة احمد واصحاب السنن عن ابی موسیٰ۔ رواہ الاربعة الاالنسائی وصححه والترمذی۔ (سبل السلام ۳/ ۱۱۷) ❹ رواہ الاربعة لانسائی و صححه الترمذی وابوعوانه وابن معین (سبل السلام ۳/ ۱۲۷) ❺ رواہ ابن ماجه والدارقطنی عن ابی هريره ورجاله ثقات۔

تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے، حنفیہ کی عبارت یوں ہے۔ عاقلہ، بالغہ آزاد عورت کا نکاح جو اس کی رضامندی سے ہو منعقد ہو جاتا ہے، اگرچہ اس میں ولی کی رضا شامل نہ ہو، خواہ عورت کنواری ہو یا ثیبہ ہو یہ ظاہر الروایہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے ولایت محض مستحب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی کے بغیر کیا گیا نکاح موقوف ہوتا ہے۔ ❶

حنفیہ نے قرآن وسنت سے استدلال کیا ہے۔

قرآن سے..... متعدد آیات میں نکاح کی نسبت عورتؔ کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۰

اگر خاوند نے عورت کو تیسری طلاق دے دی تو اس کے بعد اس کے لیے یہ عورت حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ (وہ عورت) کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔

وَ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۲

جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اے میکے والو) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے دوبارہ نکاح کریں۔

ان آیات میں عورتوں کی طرف نکاح کی نسبت کی گئی ہے:

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِىۡٓ اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۴

پھر جب وہ اپنی عدت کی میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کاروائی (دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

ان آیات میں صراحۃً بیان ہے کہ عورت سے نکاح کا صدور جائز ہے اور اسے نکاح کا اختیار حاصل ہے۔

سنت سے..... حدیث ہے۔ شوہر دیدہ عورت مقابلہ ولی کے اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور کنواری عورت سے اجازت لی جائے اور اسکی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ ❷ ایک اور روایت میں ہے۔ شوہر دیدہ عورت (یعنی جسے طلاق ہوئی ہو یا اسکا خاوند مرگیا ہو) کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے، کنواری لڑکی کا نکاح بھی اسکی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس کا سکوت اس کی اجازت ہے۔ ❸ حدیث میں نکاح کا اختیار شوہر دیدہ ثیبہ) عورت کو سونپا گیا ہے جبکہ کنواری لڑکی بھی اسی کی مانند ہے، لیکن چونکہ کنواری لڑکی میں حیاء غالب ہوتی ہے اسلئے شریعت نے اس کے سکوت کو اسکی رضامندی پر دال قرار دیا ہے۔ ایسا نہیں کہ شریعت نے اس کا حق ہی سلب کرلیا ہے۔

ابوثور..... اس مسئلہ میں ایک اور درمیانی رائے بھی ہے جو شافعیہ میں سے ابوثور کی ہے وہ یہ کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضامندی کا ہونا ضروری ہے، ایسا نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو مستقل اختیار حاصل ہو اور دوسرے کی اجازت اور رضامندی ہی نہ ہو۔ جب دونوں راضی ہوں تو عقد طے کرلیا جائے گا کیونکہ عورت کو تصرفات میں کامل اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ ❹

شرائط نفاذ..... حنفیہ نے عقد نکاح کے نفاذ اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی پانچ شرائط عائد کی ہیں۔ ❺

ا..... کہ زوجین میں سے ہر کوئی کامل اہلیت رکھتا ہو جب وہ خود اپنا نکاح منعقد کررہا ہو یا اسکی طرف سے وکیل منعقد کر ا ہو۔ کامل

---

❶ ..... فتح القدیر ۲/ ۳۹۱، البدائع ۲/ ۲۳۷ ❷ رواہ مسلم عن بن عباسؓ (سبل السلام ۳/ ۱۱۹) ❸ متفق علیہ عن ابی ہریرۃ (سبل السلام ۳/ ۱۱۸) ❹ المهذب ۲/ ۳۰ ❺ البدائع ۲/ ۲۲۳، الدر المختار ۲/ ۳۷۹، الشرح الصغیر ۲/ ۳۹۱ الشرح الکبیر ۲/ ۲۴۱

اہلیت سے مراد ہے زوجین عاقل، بالغ اور آزاد ہوں۔ چنانچہ اگر زوجین عاقل بالغ اور آزاد ہوں تو عقد نکاح نافذ ہو جائے گا اور اس کے اثرات مرتب ہوں گے، یعنی صحبت حلال ہوگی اور مہر واجب ہو جائے گا وغیرہ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کے بغیر اپنا نکاح کر دے تو اسکا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

اگر ممیّز بچہ یا غلام اپنا نکاح کر لے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ نکاح ولی یا مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مجنون یا غیر ممیّز بچے نے نکاح کر لیا تو یہ نکاح سرے سے ہی نافذ نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غلام، ممیّز بچے اور غیر ممیّز کے تصرفات سرے سے ہی نافذ نہیں ہوتے بلکہ باطل ہیں۔

۲..... یہ کہ زوج (مرد یا عورت) جو اپنی ولایت کے اختیار سے اپنا نکاح کر رہا ہو اس میں رشد اور سمجھداری ہو۔ یہ شرط مالکیہ کے نزدیک ہے۔ اگر سفیہ غیر سمجھدار ہو اپنے مال میں بہتر تصرف نہ کر سکتا ہو، ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تو مالکیہ کے نزدیک اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سمجھداری (رشد) صحت نکاح کی شرط ہے اگر سفیہ نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو نکاح باطل ہوگا۔ کیونکہ نکاح ایسا تصرف ہے جس میں مہر نان نفقہ وغیرہ جیسے اخراجات لازم ہوتے ہیں گویا یہ تصرف اتلاف مال پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا باطل ہے۔

حنفیہ: کہتے ہیں رشد (سمجھداری) نہ صحت نکاح کی شرط ہے اور نہ ہی نفاذ نکاح کی شرط ہے، سو اگر سفیہ نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اسکا نکاح جائز ہوگا۔ کیونکہ نکاح انسان کی اصلی حاجت اور شخصی تصرف ہے۔ حجر (پابندی) تو صرف مالی معاملات پر ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایک ضابطہ مقرر ہے کہ ہر وہ معاملہ جس میں ہزل (ہنسی مذاق) کا اثر نہیں ہوتا جیسے عتق، نکاح، طلاق، تو اس میں پابندی (حجر) کا اثر نہیں ہوتا، اگر سفیہ مرد ہو تو عورت کے لیے مہر مثل سے زائد مہر نہیں ہوگا اگر عورت سفیہ ہو تو اسے مہر مثل اور مقرر شدہ مہر میں سے جو کم ہوگا وہ ملے گا۔

۳..... یہ کہ عاقد ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد (دور کا ولی) نہ ہو، یہ حنفیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے اگر ولی ابعد نے مثلاً لڑکی کی شادی کرادی جبکہ اقرب موجود ہو تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط، شرط صحت ہے۔۔ چنانچہ ان فقہاء کے نزدیک ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح غیر صحیح ہے۔ ہاں البتہ اقرب معذور ہو مثلاً پاگل ہو گیا ہو، یا بہت بوڑھا ہو یا کمسن ہو وغیرہ تو ولی ابعد کا کرایا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ ❷

مالکیہ کہتے ہیں ❸ اگر ولی اقرب مثلاً باپ، بھائی، دادا، چچا، جبر نہ کر رہا ہو تو عقد صحیح مگر مکروہ ہوگا م اگر ولی اقرب مثلاً باپ جبر کر رہا ہو تو عقد فسخ کیا جائے گا۔

۴..... یہ کہ وکیل موکل کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کی متعین لڑکی سے شادی کرائے متعین مہر کے ساتھ شادی کرائے، جبکہ وکیل نے اس متعین لڑکی کے علاوہ کسی اور لڑکی کے ساتھ موکل کی شادی کرادی یا متعین مہر سے زیادہ مہر کے ساتھ شادی کرائی تو عقد نافذ نہیں ہوگا بلکہ موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اور اگر موکل کو علم نہ ہو یہاں تک کہ اس نے منکوحہ کے ساتھ صحبت کر لی تب بھی خیار اس کے لئے باقی رہے گا، چاہے عقد نکاح نافذ کرے یا فسخ کرے۔ حنفیہ کے نزدیک عورت کو مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے جو کم ہوگا وہ ملے گا، کیونکہ موقوف نکاح، نکاح فاسد کے حکم میں ہے۔

---

❶..... الشرح الصغیر ۳/ ۳۸۷، الشرح الکبیر ۳/ ۲۳۱، القوانین الفقهیه ۱۹۷۔ ❷ مغنی المحتاج ۳/ ۱۰۴۔ ❸ الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۸

۵..... یہ کہ عاقد فضولی نہ ہو، فضولی سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے جسے عقد کے وقت ولایت نکاح حاصل نہیں ہوتی، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ شرط نفاذ ہے، اگر ایک شخص نے کسی عورت کی ایک مرد کے ساتھ شادی کرادی جبکہ اس شخص کو نہ نکاح کی ولایت حاصل تھی اور نہ ہی وکالت تاہم یہ نکاح خاوند کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فضولی کا تصرف خواہ بیع کا ہو یا نکاح کا باطل ہے۔

شرائط لزوم:

لزوم عقد کا معنی...... یہ ہے کہ عقد نکاح منعقد ہونے کے بعد زوجین یا ان کے علاوہ کسی کو فسخ عقد کا حق نہیں رہتا، یعنی عقد خیار فسخ سے پاک ہوتا ہے، لزوم نکاح کی چار شرائط ہیں۔ [1]

ا۔ یہ کہ فاقد اہلیت یعنی مجنون معتوہ اور ناقص اہلیت یعنی کمسن بچہ یا بچی کا نکاح کرانے والا ولی باپ ہو یا دادا ہو، یہ شرط امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک معتبر ہے، اور اگر شادی کرنے والا باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ہو مثلاً بھائی ہو یا چچا ہو تو افاقہ کے بعد یعنی جنون اور ناسمجھی ختم ہونے کے بعد زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، اسی طرح نابالغ کو بعد از بلوغ فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔ اگر چہ نکاح کفو کے ساتھ اور مہر مثل کے ساتھ ہوا ہو کیونکہ اصل وفرع کے علاوہ دیگر لوگوں کی قرابت محض رشتہ داری کی قرابت داری ہوتی ہے، اس لئے حاشیہ بردار رشتہ دار شفقت میں اصول وفروع کے مساوی نہیں ہوتے، لہٰذا حاشیہ بردار رشتہ داروں کی کی ہوئی شادی ظاہری مصلحت کے ساتھ مقید ہوگی اس لئے زوج کو خیار فسخ دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی شادی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کرادی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از بلوغ لڑکی کو خیار (بلوغ) دیا، لڑکی نے اختیار استعمال کیا۔ حتیٰ کہ روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں اس لڑکی کا مالک بن گیا تھا اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو مجھ سے الگ کرلیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ شرط غیر معتبر ہے باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ولی اگر نکاح کرادے تو یہ نکاح لازم ہو جائے گا اور مولیٰ علیہ کو خیار نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ نکاح ولی کی طرف سے صادر ہوا ہے لہٰذا لازم ہوگا، کیونکہ نکاح کی ولایت کا دارومدار شفقت پر ہوتا ہے اور ولی نے حتی الامکان تحقیق مصلحت میں کوشش کی ہے لہٰذا بعد از تحقیق ولی کا کرایا ہوا نکاح معتبر ہوگا۔

اگر حاکم فاقد اہلیت (مجنون یا معتوہ) یا ناقص اہلیت (کمسن) کی شادی کرادے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مولیٰ علیہ (لڑکی) کو خیار نہیں ملے گا کیونکہ حکمران کی ولایت عمومی ہوتی ہے جبکہ بھائی اور چچا کی ولایت میں عموم نہیں ہوتا، نیز حکمران جان ومال میں تصرف کا حق رکھتا ہے لہٰذا حکمران کی ولایت باپ اور دادا کی ولایت کے مشابہ ہے لہٰذا حکمران کی ولایت لازم ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک مولیٰ علیہ کو خیار ملے گا۔

۲..... یہ کہ مرد عورت کا کفو (ہمسر، جوڑ کا) ہو، یعنی جب عاقلہ بالغہ آزاد عورت خود اپنا نکاح کردے اور اولیاء اس نکاح سے راضی نہ ہوں تو شرط ہے کہ عورت اپنے کفو کے ساتھ اور مہر مثل کے ساتھ نکاح کرے۔ عورت کا ولی عصبات میں سے کوئی ہو جو اس نکاح سے راضی نہ ہو تو اس ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاضی سے نکاح فسخ کرادے، ظاہر الروایہ کے مطابق یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے۔

بقیہ ائمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کفو کا ہونا لزوم نکاح کی شرط ہے، صحت نکاح کی شرط نہیں۔ تاہم اگر کفو نہ ہو تو بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، کفو کا

---

[1]..... البدائع ۲/ ۳۱۰، المهذب ۲/ ۳۹، کشف القناع ۵/ ۷۱، القوانين الفقهيه ۱۹۷

انتخاب عورت کا حق اور اس کے اولیاء کا حق ہے، اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو جو ولی اس نکاح پر رضامند نہ ہوا سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔ خواہ فوراً نکاح فسخ کرائے یا تاخیر سے، اس اختیار میں اولیاء برابر ہیں۔

کفاءت (ہمسری) کے، شرط لزوم نہ کہ شرط صحت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لیں، چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ۔ حضرت ابوحذیفہ بن عقبہ بن ربیعہ نے سالم کو متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا اور سالم کے ساتھ اپنی بھتیجی ولید بن عقبہ کی بیٹی کا نکاح کر دیا جبکہ وہ منہ بولا بیٹا ایک انصاری عورت کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ❷

اسی طرح ابوحنظلہ بن ابی سفیان جمحی اپنی والدہ سے روایت نقل کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن کو بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیکھا ہے۔ ❸

۳..... جب آزاد عاقلہ بالغہ عورت اولیاء کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح کرلے تو شرط یہ ہے کہ اس کا مہر، مہر مثل کے لگ بھگ ہو بلکہ مہر مثل سے کم نہ ہو، یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے، چنانچہ اگر مہر، مہر مثل سے کم رکھ لیا تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط غیر معتبر ہے، اس کے بغیر بھی نکاح لازم ہوجاتا ہے۔

۴..... شوہر مقطوع الذکر اور نامردی کے عیب سے پاک ہو۔

مذکورہ بالا شرعی نکاح کی شرائط ہیں، ان کے علاوہ کچھ اور خودساختہ شرائط بھی ہیں جنہیں حیثیت حاصل ہے تاکہ سرکاری سطح پر نکاح کا نفاذ ہو اور لوگ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی سے باز رہیں، یہ شرائط محض قانونی قیودات ہیں۔

ہر مذہب میں علیحدہ علیحدہ شرائط نکاح کا خلاصہ:

حنفیہ..... نکاح کی کچھ شرائط ایجاب وقبول (یعنی صیغہ) کے متعلق ہیں کچھ شرائط عاقدین (لڑکی، لڑکا) کے متعلق ہیں اور کچھ شرائط گواہوں کے بارے میں ہیں۔

صیغہ کی شرائط..... صیغہ سے مراد ایجاب وقبول ہے۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱..... یہ کہ ایجاب وقبول مخصوص الفاظ کے ساتھ ہو، یہ الفاظ یا تو صریح ہوں گے یا کنایہ۔ صریح الفاظ جیسے تزویج، نکاح، (اردو میں شادی کی، نکاح کیا، بیاہ کیا) اور ان دو الفاظ کے مشتقات، برابر ہے کہ ماضی کے لفظ سے ہو یا مضارع سے، یا امر کے لفظ سے ہو۔ جیسے "زوجی، میری شادی کرادو۔" کنایہ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو محتاج نیت ہوں اور اس نیت پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو، کنائی الفاظ یہ ہیں، ہبہ صدقہ، تملیک، بیع، شراء بشرطیکہ یہ الفاظ بول کر مراد نکاح (شادی) ہو، تاہم اجارہ اور وصیت کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اسی طرح اباحت، حلال، عاریت، رہن، تمتع، اقالہ اور خلع کے الفاظ سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

۲..... یہ کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہوں۔

۳..... یہ کہ قبول ایجاب کے خلاف نہ ہو۔

۴..... یہ کہ ایجاب وقبول کو عاقدین سن رہے ہوں۔

۵..... نکاح کے لئے جو لفظ بولا جائے وہ موقت نہ ہو جیسے مہینہ کا وقت، کیونکہ یہ نکاح متعہ اور نکاح موقت ہے جو باطل ہیں۔

---

❶..... متفق علیہ۔ ❷ رواہ البخاری و ابوداؤد والنسائی۔ ❸ رواہ الدارقطنی

۔ین کی شرائط:

عاقدین سے مراد زوج اور زوجہ (لڑکا اور لڑکی یعنی مرد اور عورت) ہیں۔ان کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱......دونوں عاقل ہوں۔ یہ شرط انعقاد نکاح کی شرط ہے، چنانچہ مجنون اور غیر ممیز بچے کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

۲......دونوں بالغ ہوں اور آزاد ہوں، یہ دونوں شرطیں نفاذ نکاح کی شرطیں ہیں۔

۳......نکاح کی نسبت عورت یا اس کے کسی ایسے عضو کی طرف کی گئی ہو جس سے کل کو تعبیر کیا جاتا ہو جیسے سر، گردن۔ چنانچہ اگر کسی نے یوں کہا: میں نے عورت کے نصف یا اس کے ہاتھ یا اسکے پاؤں کے ساتھ نکاح کر لیا، تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

رہی بات شہادت (گواہی) کی سووہ صحت نکاح کی شرط ہے۔

گواہوں کی شرائط:

گواہوں کی پانچ شرائط ہیں۔

۱،۲،۳...... عقل، بلوغ اور آزادی۔ چنانچہ مجنون، بچے اور غلام کی گواہی سے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

۴......اگر مرد اور عورت (زوج وزوجہ) مسلمان ہوں تو گواہوں کا بھی مسلمان ہونا شرط ہے۔

اگر عورت ذمیہ ہو اور مرد مسلمان ہو تو نکاح دو ذمیوں کی گواہی سے ہو جائے گا، اگر عاقدین غیر مسلم ہوں تو غیر مسلموں کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۵......یہ کہ گواہ عاقدین کا کلام سن رہے ہوں، اور دونوں اکٹھے سنیں۔ چنانچہ سوئے ہوئے گواہوں کی گواہی سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

گواہوں کے لئے عدالت شرط نہیں چنانچہ عادل وغیر عادل بھی نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔

اسی طرح نکاح میں عاقدین کا اختیار بھی شرط نہیں چنانچہ اگر لڑکے یا لڑکی کو نکاح پر مجبور کیا گیا تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، طلاق اور عتق بھی نکاح کی طرح ہیں چونکہ ان تینوں میں جد (سنجیدگی) اور ہزل (ہنسی مذاق) کا اثر نہیں ہوتا۔

مالکیہ:......ایجاب وقبول کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔یہ کہ ایجاب وقبول مخصوص الفاظ میں ہو، وہ یہ کہ ولی کہے: **زوجت اور نکحت** ......یعنی میں نے شادی کرادی یا کہے میں نے نکاح کرادیا، اور زوج (مرد) کہے: **زوجنی فلانته**......یعنی فلاں لڑکی کے ساتھ میری شادی کرادو، اور قبول میں اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ **قبلته رضیت نفذت**......یعنی میں نے قبول کیا، میں راضی ہوا، وغیرہ۔

۲۔ایجاب وقبول میں فصل طویل نہ ہو بلکہ ایجاب کے فوراً بعد قبول ہو۔ البتہ فصل یسیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۳۔ایجاب وقبول کے الفاظ موقت نہ ہوں کیونکہ اگر موقت ہوئے تو وہ نکاح متعہ ہوگا،

۴۔ایجاب وقبول خیار یا ایسی شرط جو عقد کے منافی ہو پر مشتمل نہ ہو مالکیہ کے نزدیک نکاح میں مہر کا ذکر شرط ہے اگر بوقت عقد مہر کا ذکر نہ ہوا تو دخول کے وقت ذکر ضروری ہوگا۔

شہادت بھی شرط ہے لیکن عقد کے وقت گواہوں کا حاضر ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ زوجین میں یہ شرط ہے کہ ان میں مانع نہ ہو جیسے احرام، عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں نہ ہو، یا کسی دوسرے شخص کی عدت میں نہ ہو نسبی یا رضاعی یا سسرالی حرمت سے بھی دونوں پاک ہوں۔

زوج (مرد) میں صحت نکاح کی چار شرائط ہیں۔

۱.....اگر عورت مسلمان ہو تو مرد بھی مسلمان ہو ۲.....عاقل ہو۔

۳.....تمیز کر سکتا ہو ۴.....اس کی مردانگی متحقق ہو

یہ شرط اس لئے ہے تا کہ خنثیٰ مشکل سے احتراز ہو سکے کیونکہ خنثیٰ مشکل نہ خود اپنا نکاح کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکا نکاح کیا جا سکتا ہے۔

نکاح کو برقرار رکھنے کے لئے زوج (خاوند) میں پانچ شرطیں ہیں آزادی، بلوغ، رشد، صحت، کفو (ہمسر) ہونا۔

شافعیہ کے نزدیک کچھ شرائط ایجاب وقبول کی ہیں کچھ شرائط کا زوجین میں پایا جانا ضروری ہے اور کچھ شرائط کا شہود میں پایا جانا ضروری ہے۔

صیغہ کی شرائط.....صیغہ کی تیرہ (۱۳) شرائط ہیں۔

۱۔ خطاب، یعنی عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کو مخاطب کرے۔

۲۔ خطاب مخاطب کے کل پر واقع ہو، اس کے جزو پر واقع نہ ہو۔

۳۔ ایجاب وقبول میں جو فریق ابتدا کر رہا ہو وہ عقد کی دو شرائط یعنی عوض اور معوض کا تذکرہ کرے۔

۴۔ یہ کہ عاقد کی زبان سے جو لفظ نکلے وہ اس کے معنی کا قصد بھی کرے۔

۵۔ ایجاب وقبول میں غیر متعلقہ کلام حائل نہ ہو۔

۶۔ ایجاب وقبول میں طویل سکوت حائل نہ ہو۔

۷۔ ابتداء کرنے والے کا کلام دوسرے کے قبول سے پہلے متغیر نہ ہو۔

۸۔ عاقدین ایک دوسرے کا کلام سمجھتے ہوں اور ان کے پاس جو شخص بیٹھا ہو وہ بھی سمجھتا ہو اگر پاس بیٹھا ہوا شخص عاقد کے کلام کو نہ سمجھے تو ایجاب وقبول ناکافی ہوگا اگرچہ عاقد سمجھ رہا ہو۔

۹۔ یہ کہ معنی کے اعتبار سے قبول ایجاب کے موافق ہو۔

۱۰۔ یہ کہ ایجاب وقبول کو کسی ایسی چیز کے ساتھ معلق نہ کیا گیا ہو جس کا عقد تقاضا نہ کرتا ہو، مثلاً کہہ دیا اگر فلاں نے چاہا، یا کہا: انشاء اللہ!

۱۱۔ عاقد کا کلام کسی وقت کے ساتھ موقت نہ ہو۔

۱۲۔ قبول اس شخص کی طرف سے صادر ہو جسے ایجاب کا مخاطب بنایا گیا ہو۔

۱۳۔ قبول مکمل ہونے تک عاقدین کی اہلیت برقرار رہے۔ اگر قبول سے پہلے عاقدین میں سے کوئی ایک پاگل ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا۔

زوج کی شرائط یہ ہیں:

مرد عورت کا محرم نہ ہو بلکہ غیر محرم ہو، زوج (مرد) مختار ہو اس پر جبر واکراہ نہ کیا جا رہا ہو، مرد متعین ہو چنانچہ مجہول کا نکاح صحیح نہیں ہوتا، یہ کہ زوج عورت کے حلال ہونے سے جاہل نہ ہو، چنانچہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح کا اقدام جائز نہیں جس کے حلال ہونے سے مرد جاہل ہو۔

زوجہ کی شرائط..... یہ کہ عورت مرد کی محرم نہ ہو، عورت متعین ہو، اور عورت شرعی موانع سے پاک ہو مثلاً شادی شدہ نہ ہو، یا کسی دوسرے خاوند کی عدت میں نہ ہو۔

گواہوں کی شرائط......حسب ذیل ہیں:

آزاد ہونا، مرد ہونا، عادل ہونا، قوت سماعت، قوت بصارت کا برقرار ہونا، گواہ ولی کے علاوہ ہو، گویا گواہ اور ولی عقد نکاح کے دو ارکان ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک نکاح کی پانچ شرائط ہیں۔

۱۔ زوجین متعین ہوں، کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے جو بیع کے مشابہ ہے، جس طرح بیع کا متعین ہونا شرط ہے اسی طرح زوجین کا بھی متعین ہونا شرط ہے نیز نکاح کا مقصد تعیین ہوتی ہے لہٰذا بدون تعیین کے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ایجاب وقبول میں شرط ہے کہ ایجاب وقبول لفظ نکاح یا لفظ تزویج (شادی) سے ہو لیکن قبول کے لئے (**قبلت یا رضیت**) کہہ دینا کافی ہے۔ ایجاب سے پہلے قبول کا صادر کرنا صحیح نہیں۔ ایجاب کے فوراً بعد قبول ہوا گر ایجاب وقبول کے درمیان فعل ہو گیا یا عاقدین جدا ہو گئے یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئے تو عقد صحیح نہیں ہوا، ایجاب وقبول کے لئے عربی لفظ شرط نہیں تاہم غیر عربی اپنی زبان میں بھی ایجاب وقبول کر سکتا ہے بشرطیکہ نکاح اور تزویج کا معنی ذکر کردہ الفاظ میں پایا جاتا ہو۔ کتابت سے (یعنی تحریری نکاح کا) عقد صحیح نہیں ہوتا، اشارہ سے بھی صحیح نہیں البتہ بہرہ شخص مفہومہ اشارہ سے ایجاب وقبول کر سکتا ہے۔

۲۔ زوجین اپنی رضامندی اور اختیار سے نکاح کر رہے ہوں چنانچہ اکراہ کی صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ ولی کا موجود ہونا شرط ہے، چنانچہ بغیر ولی کے نکاہ صحیح نہیں ہوتا۔

۴۔ نکاح پر گواہی موجود ہو، چنانچہ دو عاقل، بالغ اور عادل مردوں کی گواہی سے نکاح صحیح ہوگا، یہ دو گواہ بات کر سکتے ہوں، مسلمان ہوں، بات سنتے بھی ہوں، چنانچہ بہرے اور کافر کی گواہی صحیح نہیں، نابینا کی گواہی سے نکاح صحیح ہے، اسی طرح زوجین کے دشمن بھی نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔ دو گواہ زوجین کے اصول اور فروع یعنی باپ دادا اور اولاد نہ ہوں کیونکہ اصول وفروع کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔

۵۔ زوجین موانع حرمت سے پاک ہوں یعنی نسبی، رضاعی اور سسرالی حرمت نہ ہو، اختلاف دین کا مانع بھی نہ ہو مثلاً مرد مسلمان ہو اور عورت مجوسہ ہو یا عورت کسی دوسرے خاوند کی عدت میں نہ ہو۔ زوجین میں سے کوئی حالت احرام میں بھی نہ ہو۔

چوتھی بحث: نکاح کی مختلف انواع اور ہر نوع کا حکم:

چونکہ مختلف مذاہب میں نکاح کی شرائط بھی مختلف ہیں اس اعتبار سے نکاح کی انواع بھی مختلف ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک نکاح کی پانچ انواع ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح کی پانچ انواع ہیں:

(۱) نکاح صحیح لازم (۲) صحیح غیر لازم (۳) موقوف، (۴) فاسد، (۵) اور باطل۔

مالکیہ کے نزدیک نکاح کی چار انواع ہیں:

(۱) نکاح لازم، (۲) غیر لازم، (۳) موقوف، (۴) فاسد یا باطل۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کی تین انواع ہیں:

(۱) نکاح لازم، (۲) غیر لازم (۳) فاسد یا باطل۔

رہی بات نکاح مکروہ کی سو وہ بالاتفاق نکاح صحیح لازم کی انواع میں سے ہے۔

نکاح لازم...... سے مقصود ایسا نکاح ہے جس کی جملہ ارکان، شرائط صحت، شرائط نفاذ اور شرائط لزوم پائی جاتی ہوں۔

غیر لازم......جس کے ارکان، شرائط صحت اور شرائط نفاذ پائی جاتی ہوں البتہ شرائط لزوم میں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو۔

موقوف......وہ نکاح جس کے ارکان پائے جاتے ہوں، شرائط صحت بھی پائی جاتی ہوں لیکن شرائط نفاذ میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

باطل......جمہور کے نزدیک نکاح باطل وہ ہے جس کے ارکان میں سے کوئی رکن مفقود ہو یا شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو۔

حنفیہ کے نزدیک باطل نکاح: وہ ہے جس کا کوئی رکن مفقود ہو یا شرائط انعقاد میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد: وہ ہوتا ہے جس کے ارکان پائے جاتے ہوں، شرائط انعقاد بھی پائی جاتی ہوں البتہ شرائط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

جمہور کے نزدیک نکاح فاسد اور نکاح باطل میں کوئی فرق نہیں۔

حکم نکاح......سے مراد عقد پر مرتب ہونے والے اثرات ہیں۔ یعنی جب ارکان اور جملہ شرعی شرائط عقد نکاح میں پائی جاتی ہوں تو ان کے بعد نکاح کے اثرات مرتب ہوجاتے ہیں۔ میں یہاں متذکرہ بالا ہر نوع کا حکم بیان کروں گا۔

قانون میں نکاح کی انواع اور ان کا حکم......سوریہ میں احوال شخصیہ کے قانون میں نکاح کی مختلف انواع اور ہر نوع کے حکم کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ دفعہ ۴۷ میں نکاح صحیح کی یوں صراحت کی گئی ہے۔ جب عقد نکاح میں جملہ ارکان اور شرائط انعقاد پائی جائیں تو وہ نکاح صحیح ہوگا۔

دفعہ نمبر ۴۹ میں نکاح صحیح کے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے۔

نکاح صحیح جو نافذ ہو پر جملہ اثرات مرتب ہوتے ہیں یعنی حقوق زوجیت جیسے مہر، بیوی کا نفقہ زوجین کا حق وراثت عائلی حقوق جیسے اولاد کا نسب اور حرمت مصاہرہ ثابت ہوں گے۔ یعنی نکاح صحیح کے عقد سے چھ احکام ثابت ہوجاتے ہیں وہ یہ ہیں: مہر واجب ہوجاتا ہے، بیوی کے اخراجات واجب ہوجاتے ہیں، بیوی خاوند کے متابعت میں چلی جاتی ہے، وراثت کا استحقاق ثابت ہوجاتا ہے، باپ سے اولاد کا نسب ثابت ہوجاتا ہے اور سسرالی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

دفعہ ۵۰ میں نکاح باطل کے اثر کی صراحت کی گئی ہے۔

نکاح باطل پر نکاح صحیح کے اثرات میں سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اگرچہ صحبت ہوچکی ہو۔

دفعہ ۴۸/ ۲ میں صراحت ہے کہ۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم کے ساتھ باطل ہے۔ اسی دفعہ کی شق نمبر میں وضاحت ہے کہ۔ ہر وہ نکاح جس میں ارکان سبھی پائے جائیں لیکن بعض شرائط میں خلل ہو تو وہ نکاح فاسد ہے۔

دفعہ ۵۱ میں نکاح فاسد کے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے، جو یہ ہے

۱۔ صحبت سے پہلے نکاح فاسد، نکاح باطل کے حکم میں ہے۔

۲۔ نکاح فاسد میں اگر وطی ہوجائے تو درج ذیل نتائج مرتب ہوں گے۔

(ا)......مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے جو اقل ہو واجب ہوگا۔

(ب)......اولاد کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

(ج)......حرمت مصاہرہ ثابت ہوجائے گی (یعنی سسرالی حرمت)

(د)......مفارقت یا خاوند کے مرجانے کی صورت میں عورت پر عدت واجب ہوگی، اور عدت کا خرچہ خاوند کے ترکہ میں سے ہوگا البتہ

عورت کو وراثت نہیں ملے گی۔

۳۔ جب تک عورت فساد نکاح سے جاہل ہو نفقہ (خرچہ) کی حقدار ہوگی۔

دفعہ ۵۲ میں نکاح موقوف کے حکم کی صراحت کی گئی ہے۔ کہ نکاح موقوف اجازت سے پہلے نکاح فاسد کے حکم میں ہے۔

قانون میں نکاح غیر لازم کی وضاحت نہیں کی گئی، ہاں البتہ کفو کی بحث میں دفعہ ۲۷ کے تحت اتنی صراحت کی گئی ہے کہ اگر بالغ (بڑی) لڑکی غیر کفو سے اپنا نکاح کرے تو اس کے ولی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

دفعہ ۳۰ میں ہے کہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کی صورت میں اگر صحبت ہو جائے اور عورت حاملہ ہو جائے تو فسخ کا حق ختم ہو جائے گا۔

فقہاء کے نزدیک نکاح کے مختلف احکام:

نکاح صحیح لازم کا حکم......نکاح صحیح لازم وہ ہوتا ہے جس کے جملہ ارکان اور جملہ شرائط پائے جائیں، اس نکاح کے مختلف اثرات ہیں جو درج ذیل ہیں۔❶

۱۔ زوجین کے لئے استمتاع حلال ہو جاتا ہے......یعنی زوجین ایک دوسرے سے جنسی تسکین کا نفع اٹھا سکتے ہیں، بشرطیکہ استمتاع میں شرعی اجازت کا خیال رکھا جائے اور کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔ شرعی اجازت کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱......قبل میں صحبت حلال ہے دبر میں حلال نہیں۔ یعنی عورت کے آگے والے حصہ میں صحبت کرنا حلال اور پیچھے کے حصہ میں صحبت کرنا حرام ہے، حالت حیض ونفاس میں صحبت کرنا حلال نہیں۔ احرام کی حالت میں بھی صحبت حلال نہیں۔ ظہار کی صورت میں کفارہ ادا کرنے سے پہلے بھی صحبت کرنا حلال نہیں۔ ان سب صورتوں کے دلائل یہ ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ المؤمنون ۲۳/۵۔۶

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ قابل ملامت نہیں ہیں۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ البقرة ۲/۲۲۲

حیض کے بارے میں لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو (حیض) نری اذیت ہے، حیض کے دوران ان عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔

نفاس حیض کے حکم میں ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ......البقرة ۲/۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں، لہٰذا اپنی کھیتیوں میں جہاں سے چاہو جاؤ۔

آیت میں بیان کردہ عموم سے مراد وقت اور کیفیت کا عموم ہے، یعنی جس وقت چاہو جس کیفیت سے مرضی ہو عورتوں سے صحبت کرو۔ ❷ بشرطیکہ صحبت کا مقام آگے والا حصہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے رجوع کرتے ہیں تو ان کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔

---

❶......البدائع ۲/ ۳۳۱۔ ❷ یعنی کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس کیفیت سے مرضی ہو عورتوں سے صحبت کرو بشرطیکہ مقام صحبت آگے والا ہو۔ کیونکہ آیت میں آگے والے مقام کو کھیتی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ مقام جس سے اناج یعنی اولاد حاصل ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ وہ شخص ملعون ہے، جو کسی عورت کے ساتھ بد فعلی کرے۔ ❶

ایک اور حدیث میں فرمایا: جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ صحبت کی یا عورت کے ساتھ بد فعلی کی یا کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کی کہانت کی تصدیق کر دی اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی تعلیمات کا کفر کر دیا۔ ❷

ایک اور حدیث ہے۔ عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو چونکہ عورتیں تمہارے ماتحت ہیں، عورتیں اپنی ذات کے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں۔ تم نے عورتوں کو اپنے اختیار میں اللہ کی امانت سمجھ کر رکھا ہے، اور اللہ کے حکم سے ان کی شرمگاہ کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ ❸

البتہ عورت کے ساتھ بد فعلی (یعنی پچھلے حصہ میں صحبت کرنے سے عورت کو طلاق نہیں پڑتی، ہاں البتہ عورت اذیت اور ضرر کی وجہ سے قاضی کی عدالت میں جا کر طلاق کا مقدمہ دائر کر سکتی ہے۔

آگے والے مقام میں حائضہ کے ساتھ صحبت کرنے کے تقاضے:

ملحوظ رہے کہ پچھلے حصہ میں صحبت کرنا مطلقاً حرام ہے، مطلقاً کا معنی ہے کہ خواہ عورت حائضہ ہو یا طاہرہ ہو۔ جو شخص جان بوجھ کر آگے والے حصہ میں حائضہ کے ساتھ صحبت کرے درحالیکہ اسے تحریم کا علم بھی ہو تو اس کے لئے مسنون ہے کہ اگر ابتدائے حیض میں صحبت کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر انتہائے حیض میں صحبت کی ہو تو نصف دینار صدقہ کرے، کیونکہ حدیث ہے۔ جب کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ صحبت کر بیٹھے تو اگر خون سرخ رنگت کا ہو تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون زرد رنگت کا ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔ ❹

ب..... حالت حیات میں سر سے لے کر پاؤں تک عورت کو دیکھنا اسے چومنا اور مس کرنا حلال ہو جاتا ہے، کیونکہ جب نکاح لازم صحیح سے صحبت کرنا حلال ہے تو عورت کو دیکھنا اور چومنا بطریق اولیٰ حلال ہو جائے گا۔ البتہ اگر منکوحہ مر جائے تو اس کے مرنے کے بعد اسے دیکھنا اور اسے چومنا حلال نہیں یہ حنفیہ کے نزدیک ہے جبکہ جمہور کے نزدیک حلال ہے۔

ج..... مرد کو ملک متعہ حاصل ہو جاتی ہے، یعنی شوہر کو بضعہ کے منافع اور تمام اعضاء کے منافع حاصل ہو جاتے ہیں منافع جات صرف شوہر کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ کیونکہ بضعہ (شرمگاہ) کے منافع مہر کے عوض میں خاوند کو حاصل ہوتے ہیں اور مہر خاوند پر لازم ہوتا ہے لہٰذا بضعہ کے منافع خاوند کے لئے مخصوص ہوں گے۔

۲۔ حبس وقید کا اختیار..... یعنی عورت کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

أَسۡكِنُوهُنَّ..... عورتوں کو سکونت دو..... الطلاق

سکونت دینے کا جو حکم آیا ہے حقیقت میں عورت کو باہر نکلنے سے ممانعت کی گئی ہے۔

وَقَرۡنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ......الاحزاب ۳۳/۳۳

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔

لَا تُخۡرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ ......الطلاق ۶۰/۱

عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور وہ عورتیں خود بھی باہر نہ نکلیں۔

---

❶..... رواہ احمد و ابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ (نیل الاوطار ۶/ ۲۰۰) ❷رواہ احمد وابوداؤد، الترمذی (المرجع السابق)
❸رواہ احمد عن ابی صرۃ الرقاشی، وثقہ ابوداؤد وفیہ علی بن زید وفیہ کلام (مجمع الزوائد ۳/ ۲۶۰) ❹رواہ ابوداؤد والحاکم وصححہ۔

۳۔ مرد کے ذمہ عورت کے لئے مقررہ مہر واجب ہوجاتا ہے...... نکاح صحیح لازم کا یہ اثر حقیقت میں نکاح کا حکم اصلی ہے، مہر کے بغیر شرعاً نکاح کا وجود ہی نہیں ہوتا، کیونکہ مہر ملک متعہ کا عوض ہوتا ہے۔

۴۔ خرچے کی تینوں انواع واجب ہوجاتی ہیں...... تین انواع سے مراد، کھانا، کپڑے اور رہائش ہے۔ چنانچہ جب تک عورت خاوند کی فرمانبردار رہے تو اس کے لئے تینوں خرچے واجب ہوتے ہیں اگر عورت مرد کی اطاعت سے انکار کردے یا صحبت سے انکار کردے تو اسکا خرچہ ساقط ہوجاتا ہے۔ خرچہ واجب ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں (یعنی اپنی بیویوں) کے کھانے اور لباس کا خرچہ اٹھائے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ...... الطلاق ۶۰/ ۷

ہر صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس شخص کے لئے اس کا رزق تنگ کردیا گیا ہو تو جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اسی سے نفقہ دے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ...... الطلاق ۶۰/ ۶

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو۔

عورتوں کو مذکور بالا آیت میں جو سکونت دینے کا حکم دیا گیا ہے درحقیقت یہ نفقہ کا حکم ہے، کیونکہ عورت باہر جا کر کمانے کی طاقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ عورت اپنی خلقت کی وجہ سے محنت و مزدوری کرنے سے عاجز ہے۔

۵۔ سسرالی حرمت ثابت ہوجاتی ہے...... نکاح صحیح لازم کا یہ پانچواں اثر ہے، چنانچہ منکوحہ اپنے خاوند کے اصول (باپ دادا) اور فروع (اولاد) پر حرام ہوجاتی ہے، اسی طرح منکوحہ کے اصول وفروع خاوند پر حرام ہوجاتے ہیں، البتہ بعض احوال میں محض عقد نکاح سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے اور بعض احوال میں صحبت کرنے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ❶

۶۔ خاوند سے اولاد کا نسب ثابت ہوجاتا ہے...... بظاہر محض نکاح پائے جانے سے اولاد کا نسب زوج سے ثابت ہوجاتا ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ولد (بچہ، مولود) صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ ❷

۷۔ زوجین کے درمیان حق وراثت ثابت ہوجاتا ہے...... اگر زوجیت کے دوران زوجین میں سے کوئی ایک مرگیا تو دوسرا میت کا وارث بنے گا اسی طرح طلاق رجعی کی عدت میں اگر کوئی ایک مرگیا تو بھی دوسرا وارث بنے گا، جمہور کے نزدیک مرض الموت میں طلاق ہوئی اور دوران عدت فوتگی ہوگئی تو دوسرا وارث بنے گا، شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تو عدت کے بعد بھی دوسرا فریق وارث بنے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ...... النساء ۴/ ۱۲

اور تمہاری ازواج کا نصف ترکہ ہے۔

وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ...... النساء ۴/ ۱۲

---

❶...... منکوحہ کی ماں محض عقد نکاح سے زوج پر حرام ہوجاتی ہے خواہ صحبت ہوئی یا نہ ہوئی جبکہ منکوحہ کی بیٹی زوج پر صحبت کرنے سے حرام ہوتی ہے، اگر صحبت سے پہلے منکوحہ کو طلاق دے دی تو زوج منکوحہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے جبکہ اسکی ماں کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ ❷ رواہ الجماعۃ الاابا داؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

عورتوں کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ وصیت اور دین چکانے کے بعد۔

۸۔ ایک سے زائد عورتوں کے درمیان عدل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ ❶

جب آدمی کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں تو جمہور فقہاء (شافعیہ کے علاوہ) کے نزدیک ان بیویوں کے درمیان ان کے حقوق شب باشی، نفقہ لباس اور سکنیٰ میں عدل (برابری) کرنا واجب ہے، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے، ترک عدل و مساوات کے خوف پر ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ دن اور رات کی باری میں عورتوں کے درمیان مساوات واجب ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً ...... النساء ۴/۳

اور اگر تمہیں ناانصافی کا خوف ہو تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

یعنی اگر باری اور نفقہ میں تمہیں خوف ہو کہ ایک سے زائد عورتوں میں برابری نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۝ النساء ۴/۳

اگر تمہیں ناانصافی کا خوف ہو تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو یا کنزیں رکھ لو جو تمہاری ملکیت میں آچکی ہوں، یہ (حکم) اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم سے گریزاں رہو۔

معلوم ہوا ایک سے زائد عورتوں میں عدل وانصاف کرنا ضرورۃً واجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے درمیان باریاں مقرر کر رکھی تھیں اور آپ عدل وانصاف پر پورا اترتے تھے، پھر بھی فرماتے: یا اللہ میری مقرر کردہ باری میرے دائرہ اختیار تک محدود ہے اور جو چیز تیرے دائرہ اختیار میں ہے اور وہ میرے اختیار میں نہیں اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ ❷

امام ترمذی کہتے ہیں: جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ اختیار میں نہیں وہ طبعی قلبی رجحان ہے۔

بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آیت کریمہ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ ۔ تم عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اگرچہ تمہیں عدل کا کتنا ہی حرص ہو۔ یعنی قلبی رجحان اور صحبت کرنے میں عدل نہیں کرسکتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اسکی ایک جانب مفلوج ہوگی۔ ❸

باری کی ابتدا اور دور کی مقدار کا اختیار خاوند کو حاصل ہے، تاہم بیویوں کے پاس ان کے گھروں میں جائے تا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرسکے۔ ایک ہی بستر پر ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کا اکٹھا ہونا ممنوع ہے اگرچہ مرد صحبت نہ کرے، اگر خاوند رات کو محنت مزدوری یا ملازمت کرتا ہو جیسے چوکیدار تو دونوں کے حساب سے باری مقرر کرے، حنفیہ کہتے ہیں اس طرح کی تقسیم نہایت بہتر ہے۔

حالت مرض...... باری کے واجب ہونے میں مریض صحت مند عاقل بالغ کی مانند ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں پوچھتے تھے کہ میں کل کہاں ہوں گا؟ میں کل کہاں ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کو چاہ رہے

---

❶ ...... البدائع ۲/ ۳۳۲، تبیین الحقائق ۲/ ۱۷۹، فتح القدیر ۲/ ۱۰۶، الدر المختار و حاشیته ابن عابدین ۲/ ۲۵۶، القوانین الفقهیه ۲۱۲ الشرح الصغیر ۲/ ۵۰۵ المهذب ۲/ ۶۷ مغنی المحتاج ۳/ ۲۰۱ ❷ رواه الخمسة الا احمد (نیل الاوطار ۶/ ۲۱۷) ❸ رواه الخمسة عن ابی هریرةؓ (نیل الاوطار ۶/ ۲۱۶)

ہوتے، تاہم ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے اور انہی کے پاس آپ کا وصال ہوا۔ ❶

مالکیہ کہتے ہیں...... اگر مریض شدت مرض کی وجہ سے باری پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بلا تعین جس عورت کے پاس چاہے چلا جائے۔

باری کی نوعیت...... صحبت میں باری مقرر کرنا واجب نہیں بلکہ صرف شب باشی میں باری مقرر کرنا ضروری ہے، البتہ اگر خاوند کسی بیوی کو ضرر پہنچا رہا ہو اس واسطے اس کے ساتھ صحبت نہ کرتا ہو تو ترک ضرر واجب ہوگا، باری کا دارومدار رات پر ہے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً...... اور ہم نے رات کو پردے کا سبب بنایا۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ رہائشگاہوں میں ٹھکانا پکڑنا اور پناہ لینا مراد ہے، کیونکہ دن تو تلاش معاش کا ذریعہ ہے اور رات سکون کے لئے ہوتی ہے۔

تاہم صحبت میں بھی باری مقرر کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے کامل عدل متحقق ہوتا ہے۔

سفر میں باری...... حنفیہ کہتے ہیں: حالت سفر میں باری کا لحاظ رکھنا خاوند پر واجب نہیں، اور خاوند پر یہ بھی واجب نہیں کہ ایام سفر کے مقابلہ میں اتنے ہی دن دوسری عورت کے پاس رہے، کیونکہ مدت سفر شمار سے باہر ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ خاوند بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالے اور جس عورت کے نام کا قرعہ نکلے اسی کو ساتھ لے کر جائے، قرعہ کا فائدہ یہ ہے کہ عورتوں کا دل مطمئن رہے اور خاوند سے میلان کی تہمت ختم ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسی کو آپ سفر میں ساتھ رکھتے۔ ❷

مالکیہ کی رائے بھی حنفیہ جیسی ہے کہ جب خاوند سفر پر رخصت ہونے کا ارادہ کرے تو جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے، البتہ اگر حج کا سفر ہو تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے۔ حاصل یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ قرعہ کو واجب نہیں سمجھتے کیونکہ قرعہ میں ایک گونا قمار کا معنی پایا جاتا ہے۔

لیکن حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو سفر پر ساتھ لے جانا جائز نہیں، جب خاوند سفر کا ارادہ کرے تو بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کے نام کا قرعہ نکلے اسی کو سفر پر لے کر جائے۔ چنانچہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس عورت کے نام قرعہ نکلتا اسی کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ ❸

عورت کے سفر کا باری پر اثر...... اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر سفر پر چلی گئی تو ایام سفر کے دوران اسکی باری کا حق اور نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ باری تو انس کے لئے ہوتی ہے اور نفقہ ملک بضعہ سے نفع اٹھانے کی قدرت پر ہوتا ہے جبکہ عورت سفر پر چلی گئی اور استمتاع مفقود رہا، اگر عورت خاوند کی اجازت سے سفر پر گئی (شافعیہ کے جدید قول کے مطابق) اگر عورت کا سفر خاوند کی کسی غرض کے لئے تھا تو باری کی قضا کی جائے گی اور اگر سفر عورت کی ذاتی غرض کے لئے تھا تو باری کی قضا نہیں ہوگی۔

حنابلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر سفر پر چلی گئی یا خاوند کے پاس رات گزارنے سے انکار کر دیا یا عورت نے ذاتی غرض کے لئے سفر کیا تو باری کا حق اور نفقہ ساقط ہو جائے گا، یعنی مرد کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اگر خاوند نے عورت کو اپنی کسی غرض کے

---

❶ ......متفق عليه عن عائشه (المرجع السابق ۲۱۷) ❷متفق عليه عن عائشة (المرجع السابق) ❸متفق عليه.

لئے بھیجا ہو تو باری کا حق اور نفقہ ساقط نہیں ہوگا، حنابلہ کہتے ہیں: اگر خاوند نے عورت کی کسی غرض کے لئے سفر کیا تو اس عورت کی باری کا حق اور اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر چہ کسی عذر کی وجہ سے سفر طویل ہو جائے۔

عورت کا اپنے حق کو ہبہ کر دینا...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اپنی باری کے حق کو ہمہ وقت کے لئے یا بعض اوقات کے لئے اپنی کسی سوکن کو ہبہ کر سکتی ہے، گویا عورت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی باری کا حق پورا پورا وصول بھی کر سکتی ہے اور چھوڑ بھی سکتی ہے چنانچہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دن کی باری کا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو دن گزارتے تھے ایک ان کی اپنی باری کا اور ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کا۔ (۱)

لیکن خاوند کی رضامندی کے بغیر باری کا حق ہبہ کرنا جائز نہیں، اگر ہبہ کرنے والی عورت اور خاوند دونوں راضی ہوں تو بلا اختلاف باری کا ہبہ جائز ہے۔

اگر باری کا حق ہبہ کرنے والی عورت مال لے کر ہبہ کرے تو اس کے لئے مال جائز نہیں ہوگا مال واپس کرنا واجب ہوگا، خاوند کے ذمہ واجب ہے کہ گزرے دنوں کی قضا کرے کیونکہ واہبہ نے عوض کی شرط پر باری کا حق ترک کیا ہے جبکہ عوض اس کے پاس سلامت رہا نہیں بلکہ اس نے واپس کر دیا ہے لہٰذا معوض پر وہ رجوع کر سکتی ہے، چونکہ یہ باری کا معاوضہ ہے اور بیع کے معنی میں ہے فی الواقع یہ بیع جائز نہیں ہے۔

کنواری، شوہر دیدہ، نئی اور پرانی عورت کا حق...... حنفیہ کہتے ہیں کنواری، ثیبہ (شوہر دیدہ) نئی، پرانی، مسلمان اور کتابیہ باری میں سب برابر ہیں، کیونکہ آیات میں حکم مطلق ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ ...... النساء ۱۲۹/۴

تم عورتوں کے درمیان ہرگز عدل نہیں کر سکتے اگر چہ تم اس کے حریص ہی کیوں نہ ہو، تاہم کلی میلان سے گریزاں رہو۔

آیت کا معنی ہے کہ تم بشری تقاضہ کے پیش نظر محبت میں عدل نہیں کر سکتے۔ تاہم باری میں کسی ایک طرف تمہارا میلان نہ ہو۔

آیت کریمہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ...... اور عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ۔ (النساء ۱۹/۴)

میں حسن معاشرت سے مراد باری ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا ...... اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر پاؤ گے۔ (النساء ۳/۴)

وہ احادیث جن میں کسی عورت کی طرف میلان اور باری مقرر نہ کرنے کی ممانعت آئی ہے وہ بھی مطلق ہیں، نیز باری حقوق زوجیت میں سے ہے اور عورتوں کے حقوق میں تفاوت نہیں ہوتا۔

رہی بات اس روایت کی کہ کنواری عورت کے لئے سات دن اور ثیبہ کے لئے تین دن باری مقرر کی جائے۔ سو اس حدیث میں شروعاتی فضلیت کو بیان کیا گیا ہے لہٰذا دلیل قطعی یعنی آیات کو مقدم رکھنا واجب ہے۔

جمہور کہتے ہیں: نئی نویلی کنواری عورت کے لئے زفاف کے سات دن وجوباً مختص ہیں جو لگاتار ہوں، اور ثیبہ (شوہر دیدہ عورت کے لئے زفاف کے تین دن وجوباً مختص ہیں اور ان دنوں کی دوسری بیویوں کے حق میں قضاء بھی نہیں گویا ان دنوں کو گزارنے کے بعد بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کی جائیں۔ ان فقہاء کی دلیل ابن حبان کی اپنی صحیح میں روایت کردہ حدیث ہے کہ۔ کنواری عورت کے لئے سات دن اور شوہر دیدہ عورت کے لئے تین دن ہیں۔ (۲)

ابوقلابہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ مسنون ہے کہ جب کنواری عورت شوہر دیدہ عورت پر بیاہ کر لائی جائے تو

---

(۱)...... متفق علیه عن عائشة المرجع السابق ۲۱۸۔ (۲) راه الدارقطنی ایضاً (نیل الاوطار ۲۱۴/۶)

خاوند اس کے پاس سات دن قیام کرے، اور اگر شوہر دیدہ عورت (ثیبہ) کو بیاہ کر لائے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر باری مقرر کرلے۔ ابوقلابہ کہتے ہیں: میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتے تھے۔ ❶

۹......جب خاوند بیوی کو صحبت کے لئے کہے تو اسکا حکم ماننا واجب ہو جاتا ہے بیوی کے لئے:

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ......البقرة ۲/۲۲۸

اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ عورت کے لئے مرد پر نفقہ اور مہر واجب ہے اور عورت پر واجب ہے کہ مرد کی خواہش کے متعلق فرمانبرداری کرے، اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور اپنے نفس کی حفاظت کرے، چنانچہ شریعت نے اسکا حکم دے رکھا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ......النساء ۴/۳۴

عورتوں کو نصیحت کرو اور اثر نہ ہونے پر ان کے بستر چھوڑ دو اور پھر (بھی اثر نہ ہو تو) مناسب پٹائی کرو۔

یعنی اگر عورتیں اطاعت نہ کریں تو ان کے بستر چھوڑ کر ان کی تادیب کرو اور غیر مبرح ضرب سے پٹائی کرو۔ اس کے بعد فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ......النساء ۴/۳۴

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف کاروائی کرنے کی راہ تلاش مت کرو۔

چنانچہ مذکورہ بالا آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خاوند کی فرمانبرادی عورت پر لازم ہے۔

۱۰......بیوی کی طرف سے عدم اطاعت کی صورت میں خاوند کو تادیبی کاروائی کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے:

مثلاً عورت نشوز (نافرمانی) پر اتر آئے یا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جائے یا حقوق اللہ مثلاً طہارت، نماز ترک کردے یا خاوند کو باہر چھوڑ کر دروازہ بند کردے یا اپنے نفس میں خیانت کرے یا خاوند کے مال میں خیانت کرے، چنانچہ درج ذیل ترتیب کے مطابق کارروائی عمل میں لائے۔

اولاً پیار محبت اور نرمی سے بیوی کو نصیحت کرے اور اسے سمجھائے، چونکہ نصیحت سے قوی امید ہوتی ہے کہ عورت نشوز چھوڑ دے اور فرمانبرداری کرنے لگے۔ اگر اس سے بیوی پر کوئی اثر نہ ہو تو اس کا بستر چھوڑ دے اور اس سے الگ ہوجائے اور صحبت ترک کردے، اگر اس سے بھی اثر نہ ہو تو اسے مارے تاہم خیال رہے کہ ضرب غیر مبرح (جسکا جسم پر نشان نہ پڑے) ہو مثلاً مسواک چھوٹی سی چھڑی سے مارے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ

اور وہ عورتیں جن کے نشوز (مخالفت، نافرمانی) کا خوف ہو تو انہیں (نرمی سے) نصیحت کرو اور ان کے بستر چھوڑ دو اور انہیں مارو۔

اگر چہ لغوی اعتبار سے صرف واؤ مطلق جمع کے لئے موضوع ہے لیکن اس سے مراد جمع علی سبیل ترتیب ہے اور واؤ ترتیب کا احتمال رکھتا ہے۔

اگر عورت کو مارنے سے نفع ہو اور نشوز ترک کردے تو فبہا ورنہ معاملہ حکمین پر منتج ہوگا ایک حکم (ثالث، منصف) مرد کے خاندان سے ہو،

❶......متفق علیه (المرجع السابق)

دوسرا عورت کے خاندان سے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان اختلاف پڑ جانے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے خاندان سے بھیجو اور ایک منصف عورت کے خاندان سے، بشرطیکہ میاں بیوی اصلاح چاہتے ہوں تو اللہ انہیں اسکی توفیق عطا فرمائے گا۔

۱۱۔عورت کے ساتھ حسن سلوک، ایذاء پہنچانے سے گریز کرنا، اور اس کے حقوق ادا کرنا..... مرد کے لیے عورت کے ساتھ حسن سلوک رکھنا مندوب مستحب ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......النساء ۱۹/۴

دستور کے مطابق (اچھی طرح سے) عورتوں کے ساتھ سلوک رکھو۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔ (۱)

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

استوصوا بالنساء خیرا

یعنی عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آو۔ (۲)

اسی طرح عورت کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ حسن معاشرت رکھے، جب بات کرے تو نرمی سے بات کرے اور خاوند کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس سے خاوند کا دل خوش ہوتا رہے۔

حسن معاشرت کا ایک انداز اور طریقہ یہ بھی ہے کہ ذمہ میں جو حق واجب ہو اسے بلا تاخیر ادا کر دیا جائے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مالدار شخص کی ٹال مٹول ظلم ہے۔ (۳)

حسن معاشرت برقرار رکھنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک ہی گھر میں دو بیویوں کو جمع نہ کیا جائے، ہاں البتہ دونوں ایک ہی گھر پر دلی طور پر رضامند ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایک ہی گھر میں دو بیویوں کو جمع رکھنا حسن معاشرت کے منافی ہے، نیز اس سے جھگڑا فساد کھڑا ہوتا ہے، حسن معاشرت برقرار رکھنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی سے صحبت نہ کرے کیونکہ یہ مروت کے معیار سے نہایت گرا ہوا طریقہ ہے اور سوء معاشرت ہے، ایک اصول یہ بھی ہے کہ بیوی کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی سے صحبت کرے اسکی صحت کا خیال رکھے اگر عورت جسمانی طور پر کمزور ہو اور صحبت کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس سے صحبت کرنا جائز نہیں کیونکہ عورت کی جسمانی کمزوری کی حالت میں اس سے صحبت کرنے میں اسے اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔

کیا عورت کے ساتھ صحبت کرنا واجب ہے..... حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے صحبت کرنے کا مطالبہ کرے، کیونکہ جو چیز حلال ہے وہ عورت کا حق ہوتا ہے جیسے حلال چیز مرد کا حق ہے اور جب عورت خاوند سے صحبت کا مطالبہ کرے تو خاوند پر

(۱).....رواہ الترمذی عن عائشہ وابن ماجہ عن ابن عباس والطبرانی عن معاویۃ وھو حدیث صحیح (نیل الاوطار ۲۰۶/۶)

(۲)متفق علیہ عن ابی ھریرۃ (نیل الاوطار ۲۰۵/۶) (۳)رواہ الجماعۃ احمد واصحاب الکتب الستہ وابن ابی شیبہ والطبرانی عن ابی ھریرۃ (نصب الرایتہ ۵۹/۴)

صحبت کرنا واجب ہے۔[1]

مالکیہ:۔ کہتے کہ اگر کوئی عذر مانع نہ ہو تو بیوی کے ساتھ جماع کرنا مرد پر واجب ہے۔[2]

شافعیہ:۔ کہتے ہیں: مرد پر عورت کے ساتھ ایک مرتبہ جماع کرنا واجب ہے، کیونکہ عورت کے ساتھ جماع کرنا مرد کا حق ہے لہٰذا ترک جماع مرد کے لئے جائز ہے۔[3] جیسے اجرت پر لئے ہوئے مکان کی رہائش کا چھوڑ دینا جائز ہے، نیز صحبت کا داعیہ (یعنی سبب) شہوت نفس محبت اور ہیجان نفس ہے، لہٰذا جماع کو مرد پر واجب قرار دینا کیونکر ممکن ہوا، ہاں البتہ مرد کے لئے مستحب ہے کہ وہ کلیتہً جماع کو ترک نہ کرے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: کیا تم دن کے وقت روزہ رکھتے ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: کیا تم رات کو عبادت میں مصروف رہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میں بھی تو روزہ رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں نمازیں بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور بیویوں کے ساتھ صحبت بھی کرتا ہوں، سو جس شخص نے بھی میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں (یعنی میری سنت پر نہیں)۔[4]

حنابلہ کہتے ہیں: مرد پر بس اتنا واجب ہے کہ ہر چار ماہ میں صرف ایک بار عورت کے ساتھ جماع کرے بشرطیکہ کوئی عذر مانع نہ ہو کیونکہ چار ماہ میں اگر ایک بار جماع واجب نہ ہوتا تو ترک جماع پر قسم اٹھانے سے ایلاء نہ ہوتا، نیز نکاح زوجین کی مصلحت اور بھلائی کے پیش نظر مشروع ہوا ہے، جماع سے عورت کی شہوت مٹ جاتی ہے، جیسے مرد کی شہوت جماع سے ٹوٹ جاتی ہے، اس تفصیل کی روشنی میں جماع میاں بیوی دونوں کا حق ہے، نیز اگر جماع عورت کا حق نہ ہوتا تو عزل کی صورت میں عورت سے اجازت لینا واجب نہ ہوتا۔[5]

اگر چار ماہ گزرنے کے بعد بھی مرد بیوی کے ساتھ صحبت نہ کی یا آزاد عورت کے پاس چار ماہ کے دوران ایک رات بھی نہ گزاری اور کوئی عذر مانع نہیں تھا تو بیوی کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاوند اپنی بیوی کے ساتھ ایلاء کی قسم اٹھالے، اگر چہ چار ماہ کا عرصہ رخصتی کے بعد اور دخول سے پہلے کا ہو۔

خلاصہ...... جمہور فقہاء کے نزدیک بیوی کے ساتھ جماع کرنا مرد پر واجب ہے تاکہ عورت کی عفت اور پاکدامنی برقرار رہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک صرف ایک بار بیوی کے ساتھ صحبت کرنا مرد پر واجب ہے، جبکہ پہلی رائے راجح ہے۔

عزل...... صحبت کے موقع پر جب مرد کو انزال ہونے لگے تو اپنا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال لے تاکہ نطفہ شرمگاہ میں نہ گرنے پائے اور حمل نہ ٹھہرے اسی کو فقہی اصطلاح میں عزل کہا جاتا ہے۔ تاہم حسن معاشرت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ بیوی کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے، بالاتفاق بیوی کی اجازت کے بغیر عزل مکروہ ہے، کیونکہ انزال اولاد کا سبب ہے اور عورت اولاد کا حق رکھتی ہے جبکہ عزل سے اولاد کے حق سے عورت محروم ہو جاتی ہے۔[6]

دلیل جواز: عزل کے جائز ہونے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کرتے رہتے تھے جبکہ قرآن مجید نازل ہوتا رہتا تھا۔[7] مسلم کی روایت ان الفاظ میں ہے۔ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کرتے تھے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تاہم آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

---

[1]......البدائع ۲/ ۳۳۱ [2] القوانین الفقهية ۲۱۱ [3] المهذب ۲/ ۶۶ تكملة الجموع ۱۰/ ۵۶۸ [4] رواه ابوداؤد الطيالسى عن ابن عمرو والبزار عن ابن عباس وفيه ضعيف [5] كشف القناع ۵/ ۲۱۴. [6] البدائع ۲/ ۲۳۴ الدر المختار ۲/ ۵۲۱، القوانين الفقهية ۲۱۲ المهذب ۲/ ۶۶، تكلمة المجموع ۱۵/ ۵۷۸. [7] متفق عليه عن جابر رضى الله عنه (نيل الاوطار ۶/ ۱۹۵)

دلیل کراہت......عزل کے مکروہ ہونے پر جذامہ بنت وہب اسدیہ کی حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ایک مرتبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ آپ لوگوں کی ایک مختصر سی جماعت میں تھے اور آپ فرما رہے تھے: میں نے چاہا کہ غیلہ [1] سے منع کر دوں تاہم میں نے رومیوں اور فارسیوں پر نظر دوڑائی، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ اپنی اولاد کو حالت حمل میں دودھ پلاتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد میں کوئی نقص نہیں آتا، پھر صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ ایک درجہ میں زندہ لڑکی کو در گور کر دینے کے مترادف ہے اور یہ تو اس آیت وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ اور جب زندہ در گور لڑکی سے سوال کیا جائے گا کا مصداق ہے۔ [2]

متاخرین حنفیہ کا قول ہے کہ کسی عذر کی بنا پر عورت کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے، مثلاً خاوند کہیں دور سفر پر ہو اور بیوی اس کے ساتھ ہو یا دارالحراب میں ہو، اور اسے بچے کی پرورش و پرداخت کا خوف لاحق ہو یا مثلاً عورت بد خلق ہو اور خاوند اسے طلاق دینا چاہتا ہو اور اسے خوف ہو کہ اگر عزل نہ کیا تو یہ حاملہ ہو جائے گی۔ [3]

اسقاط حمل......بعض فقہاء کا موقف ہے کہ چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل مباح ہے اگرچہ خاوند کی اجازت کے بغیر ہی کیوں نہ ہو۔

مالکیہ: کہتے ہیں: جب نطفہ عورت کے رحم میں استقرار پکڑ لے تو اس کے بعد اس سے چھیڑ چھاڑ جائز نہیں، اور جب نطفہ بچے کے تخلیقی مراحل میں داخل ہو جائے پھر اس کے ساتھ تعرض کرنا اور زیادہ ممنوع ہے اور جب بچے میں روح پھونک دی جائے پھر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا کہیں زیادہ ممنوع ہے بلکہ روح پیدا ہو جانے کے بعد بالاتفاق اسقاط حمل قتل کے زمرے میں داخل ہے۔

سوریہ کے قانون میں نکاح صحیح کے احکام دفعہ ۴۹ میں صراحت ہے کہ۔ نکاح صحیح جو نافذ ہو چکا ہو اس پر زوجیت کے جملہ حقوق کے اثرات مرتب ہوں گے جیسے مہر، بیوی کا نفقہ، عورت کا مرد کے تابع ہو جانا، میاں بیوی میں وراثت کا چلنا اور عائلی حقوق یعنی اولاد کا نسب اور حرمت مصاہرہ۔

نکاح غیر لازم کا حکم......نکاح غیر لازم کا حکم نکاح لازم کی مانند ہے ہاں البتہ نکاح غیر لازم میں خاوند یا بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے، گویا نکاح غیر لازم قابل فسخ ہوتا ہے۔

نکاح موقوف کا حکم......نکاح موقوف گو صحیح ہوتا ہے تاہم صاحب اجازت کی اجازت سے قبل اس نکاح کے اثرات مرتب نہیں ہوتے، چنانچہ نکاح موقوف کی صورت میں منکوحہ کے ساتھ صحبت حلال نہیں ہوتی، اس نکاح میں عورت کے لئے خاوند پر نفقہ واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی عورت پر خاوند کی اطاعت واجب ہوتی ہے، اس نکاح سے زوجین کے درمیان حق وراثت ثابت نہیں ہوتا۔

جبکہ اگر صاحب اجازت نکاح کی اجازت دے دے تو مذکورہ بالا جملہ اثرات مرتب ہونا شروع ہو جائیں گے، جیسے نکاح لازم میں اثرات مرتب ہوتے ہیں چونکہ فقہ میں اصول مسلم ہے کہ بعد میں لاحق ہونے والی اجازت سابقہ وکالت کے مترادف ہے۔

نکاح غیر لازم کی مثال فضولی کا نکاح ہے، فضولی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کا نکاح کرا دے جبکہ اسے نکاح پر ولایت تامہ حاصل نہ ہو اور نہ ہی وہ اس کا وکیل ہو۔ جیسے مثلاً کوئی شخص کمسن لڑکے اور کمسن لڑکی کا نکاح کرا دے جبکہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو جائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ، بالغہ عورت کا اپنے تئیں کیا ہوا نکاح موقوف ہوتا ہے۔

اگر اجازت سے پہلے صحبت ہو جائے تو یہ نری معصیت ہوگی، ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک صحبت کے بعد نکاح فاسد کے اثرات اس نکاح

---

[1]......حالت حمل میں عورت کا اپنے بچے کو دودھ پلانا غیلہ ہے۔ [2] رواہ احمد و مسلم (نیل الاوطار ۶/ ۱۹۶) [3] الدر مختار ۲/ ۵۲۲

پر مراتب ہوں گے۔نکاح فاسدہ کے اثرات کا تذکرہ ذیل میں آیا چاہتا ہے۔چنانچہ حد ساقط ہو جائے گی، پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہوگی، مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ عورت کو ملے گا، البتہ اجازت سے پہلے نکاح موقوف میں عورت پر عدت نہیں ہوگی۔سوریہ کے قانون میں دفعہ ۵۲ کے تحت اس نوع کے احکام کے بارے میں یوں صراحت کی گئی ہے۔''نکاح موقوف قبل اجازت نکاح فاسد کے حکم میں ہے۔

نکاح فاسد کا حکم اور حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد کی مختلف انواع:

حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد......نکاح فاسد وہ ہوتا ہے جس میں شرائط صحیح میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

انواع......بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا، نکاح موقت، چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کر لینا، عورت کے ساتھ اس کی کسی ایسی رشتہ دار کو جمع کر لینا جن کا آپس میں نکاح حرام ہو مثلاً دو بہنیں، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی اور خالہ۔کسی ایسی عورت سے نکاح کر لینا جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور ناکح کو اس کا علم ہی نہ ہو جبکہ محارم کے ساتھ نکاح جس کے حرام ہونے کا علم نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک باطل ہے، اور صاحبین کا قول راجح ہے۔

نکاح فاسد کا حکم......قبل از دخول نکاح فاسد کا کوئی حکم نہیں چنانچہ نکاح فاسد پر زوجیت کے آثار مرتب نہیں ہوتے، چنانچہ نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے، اس نکاح میں عورت کے لئے مرد پر مہر واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی نفقہ واجب ہوتا ہے عدت بھی واجب نہیں ہوتی، اس سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی، پیدا ہونے والے بچے کا نسب بھی ثابت نہیں ہوتا، اور زوجین کے درمیان وراثت بھی نہیں چلتی۔

خود میاں بیوی پر واجب ہے کہ وہ بذات خود ہی الگ الگ ہو جائیں، ورنہ معاملہ عدالت میں دائر کیا جائے تاکہ قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے، ایسے نکاح کے خاتمہ کے لئے حسبہ کا دعویٰ بھی جائز ہے تاکہ منکرات کا خاتمہ ہو بشرطیکہ مدعی کو دعویٰ سے کوئی اپنی غرض متعلق نہ ہو، مرد، عورت دونوں کو اس نکاح کے خاتمے کا حق حاصل ہے اگرچہ دوسرا فریق حاضر نہ بھی ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اصح قول یہی ہے، کیونکہ معصیت سے جتنا جلدی ہو سکے باہر نکلا جائے۔

بعد از صحبت اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کر لی تو یہ صحبت معصیت ہوگی اس کے بعد تفریق واجب ہے البتہ ان پر حد زنا جاری نہیں کی جائے گی، البتہ زجر و توبیخ کے لئے قاضی انہیں مناسب تعزیر دے سکتا ہے۔کیونکہ عقد کا شبہ پایا جا رہا ہے اور حد شبہ سے ٹل جاتی ہے۔

البتہ صاحبین کے نزدیک محارم کے ساتھ نکاح فاسد کی صورت میں اگر دخول ہو جائے تو حد واجب ہوگی، صاحبین کی رائے راجح ہے، کیونکہ ایسا نکاح جو ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو حرام علی التابید ہو اس میں شبہ عقد نہیں پایا جاتا، اور ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح جو حرام علی التابید نہ ہوں جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی، اور بغیر گواہوں کے نکاح تو اس عقد میں شبہ پایا جاتا ہے اس لئے حد نہیں ہوگی۔البتہ اگر تفریق کے بعد مرد نے صحبت کر دی تو حد لازم ہو جائے گی۔

اسی طرح جو عورت دوسرے کے نکاح میں ہو یا کسی دوسرے شخص کی عدت میں ہو اس کے ساتھ نکاح کر لینے کی صورت میں حد واجب ہوگی بشرطیکہ حرمت کا علم ہو، چونکہ یہ صریح زنا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

تاہم نکاح فاسد میں دخول نری معصیت ہے بایں ہمہ حنفیہ کے نزدیک قبل میں صحبت کرنے سے اس نکاح پر اثرات مرتب ہوں گے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وجوب مہر...... نکاح فاسد میں اگر صحبت ہوگئی تو مہر واجب ہوگا اگر چہ صحبت میں تکرار ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام زفر کے علاوہ جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ اثر مرتب ہوگا، تاہم مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے جو قلیل ہوگا وہ عورت کو ملے گا، اگر عقد میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل واجب ہوگا خواہ جہاں تک پہنچ جائے، کیونکہ مہر کی تعیین فاسد ہو چکی، اگر چہ نکاح فاسد حقیقت میں نکاح نہیں ہوتا لیکن پھر بھی مہر واجب ہوگا کیونکہ مہر بوجہ عقد واجب نہیں ہورہا بلکہ دخول کی وجہ سے واجب ہورہا ہے چنانچہ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ۔ دارالاسلام میں ہر ایسی وطی جو حد اور مہر سے خالی ہو (یعنی نہ ہی اس وطی پر حد واجب ہوتی ہو اور نہ ہی عقد کے زمرہ میں مہر مقرر کیا گیا ہو) تو مہر واجب ہوگا۔

تاہم جو مہر مقرر کیا گیا ہو اس سے زیادہ عورت کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ عورت اسی مقررہ مقدار پر راضی تھی اور دو عاقدین مقررہ مقدار سے زائد قیمت کے ساتھ منافع جات کی قیمت نہیں چکاتے، لہٰذا مقررہ مہر سے زائد قیمت نہیں ہوگی، اور دونوں مہروں میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا، اصل تو مہر مثلی ہے۔ اسی لئے امام زفر کے نزدیک مہر مثلی ہوگا خواہ جہاں تک پہنچتا ہو۔

۲۔ ثبوت نسب...... اگر صحبت کے بعد حمل ٹھہر گیا تو پیدا ہونے والا بچہ نکاح کی طرف منسوب ہوگا، کیونکہ اس میں بچے کو زندہ رکھنے کی احتیاط ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔

۳۔ وجوب عدت...... جمہور حنفیہ کے نزدیک جونہی دونوں (میاں بیوی) کے درمیان تفریق عمل میں لائی جائے گی اسی وقت سے عورت پر عدت واجب ہوگی، حنفی مذہب میں یہی قول درست اور صواب ہے، چونکہ وطی کے بعد نکاح فاسد حق فراش کے اعتبار سے منعقد سمجھا جاتا ہے، اور فراش تفریق سے قبل ختم نہیں ہوتا، بنا بر ہذا عدت صحبت کے بعد واجب ہوگی خلوت کے بعد واجب نہیں ہوگی، نیز یہ عدت طلاق بوقت تفریق سے شمار کی جائے گی یا یہ کہ خاوند عورت کو چھوڑنے کی ٹھان لے اگر چہ عورت کو اس کا علم نہ ہو۔ اصح قول یہی ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عدت کا وقت آخری بار جماع کرنے کے بعد سے شروع ہو جائے گا کیونکہ عدت وطی سے واجب ہوئی ہے اور عدت استبراء رحم کے لئے واجب ہوتی ہے اور حمل وطی سے ٹھہرتا ہے۔ جبکہ اگر کسی محرم کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو تو اس کی پاداش میں عدت نہیں ہوگی، اسی طرح غیر کی منکوحہ یا غیر کی معتدہ پر بھی عدت نہیں، بشرطیکہ ناکح کو علم ہو کہ منکوحہ کسی دوسرے کے **نکاح** میں ہے، کیونکہ اس نکاح کے جواز کا قول کسی نے نہیں کیا، لہٰذا سرے سے یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا جیسے محرم کے ساتھ نکاح باطل ہوتا ہے۔

۴۔ حرمت مصاہرت کا ثبوت...... چنانچہ نکاح فاسد کے تحت لائی ہوئی عورت کے اصول (ماں، دادی، نانی) اور فروع (بیٹی، پوتی) مرد پر حرام ہو جاتے ہیں اسی طرح عورت بھی مرد کے اصول وفروع پر حرام ہو جاتی ہے۔

نکاح فاسد پر دوسرے احکام مرتب نہیں ہوتے چنانچہ اس نکاح میں عورت کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، عورت پر خاوند کی اطاعت واجب نہیں ہوتی، مرد اور عورت کے درمیان وراثت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۵۱ کے تحت نکاح فاسد کے احکام پر یوں تصریح کی گئی ہے۔

۱)...... دخول سے قبل نکاح فاسد، نکاح باطل کے حکم میں ہے،

۲)...... دخول ہو جانے کے بعد درج ذیل نتائج مرتب ہوں گے۔

(ا)...... مہر مسمّی اور مہر مثل میں سے جو قلیل ہو واجب ہوگا۔

(ب)...... اولاد ناکح کی طرف منسوب ہوگی دفعہ ۱۳۳ میں اس حکم کی صراحت کی گئی ہے۔

(ج)...... حرمت مصاہرہ ثابت ہوگی۔

(د)...... تفریق یا ناکح کے مرجانے کی وجہ سے عورت پر عدت واجب ہوگی، عدت کا نفقہ ناکح کے ذمے واجب ہوگا، البتہ وراثت

نہیں ہوگی۔

۳)...... جب تک عورت فساد نکاح سے جاہل ہو اس وقت تک وہ زوجہ ہونے کے ناطے نفقہ کی مستحق ہوگی۔

نکاح باطل کا حکم اور اس کی مختلف انواع:

ا۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح باطل اور اس کی انواع...... حنفیہ کے نزدیک نکاح باطل وہ ہوتا ہے جس کے کسی رکن میں خلل واقع ہو یا شرائط انعقاد میں سے کسی شرط میں کوئی خلل ہو، مثلاً غیر ممیز بچے کی شادی کرادی، یا ایجاب وقبول میں ایسے الفاظ بولے جو معنی مستقبل پر دلالت کرتے ہوں، اسی طرح راجح رائے کے مطابق محارم مثلاً بہن، پھوپھی، خالہ کے ساتھ نکاح کرلیا، شادی شدہ عورت کا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرلینا جبکہ شوہر ثانی کو اس کے شادی شدہ ہونے کا علم ہو، مسلمان عورت کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح بھی نکاح باطل ہے، اسی طرح مسلمان مرد کا غیر کتابیہ کافرہ کے ساتھ نکاح کرلینا مثلاً مجوسیہ یا بت پرست کے ساتھ نکاح کرلیا۔

نکاح باطل کا حکم...... نکاح باطل پر نکاح صحیح کے اثرات اصلاً ہی مرتب نہیں ہوتے۔ چنانچہ نکاح باطل میں عورت کے ساتھ صحبت حلال نہیں، اس سے مہر واجب نہیں ہوتا، عورت کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، عورت پر خاوند کی اطاعت واجب نہیں ہوتی، مرد عورت کے درمیان وراثت ثابت نہیں ہوتی، حرمت مصاہرت بھی ثابت نہیں ہوتی، واجب ہے کہ ناکح اور منکوحہ کو صحبت کرنے کا موقع نہ دیا جائے اگر دخول ہوگیا تو قاضی جبراً دونوں کے درمیان تفریق کردے، تفریق کے بعد عدت واجب نہیں ہوگی جیسے اجازت سے قبل نکاح موقوف میں عدت واجب نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۴۸/ ۲ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ۔ مسلمان عورت کا غیر مسلمان مرد کے ساتھ نکاح باطل ہے، دفعہ ۵۰ میں نکاح باطل کے احکام پر یوں صراحت ہے۔ نکاح باطل پر نکاح صحیح کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اگرچہ دخول ہو بھی گیا ہو۔

۲۔ مالکیہ کے نزدیک نکاح باطل کا حکم اور اس کی انواع:

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح فاسد اور نکاح باطل ایک ہی معنی میں ہیں، مالکیہ کے نزدیک نکاح باطل یا نکاح فاسد وہ ہوتا ہے جس کے کسی رکن یا شرائط صحیحہ میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہو، اسکی دو قسمیں ہیں۔

ا)...... وہ نکاح جس کے فساد پر سبھی فقہاء کا اتفاق ہے جیسے نسبی یا رضائی محرم کے ساتھ نکاح۔

ب)...... وہ نکاح جس کے فساد پر فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ یہ وہ نکاح ہے جو مالکیہ کے نزدیک فاسد ہے اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک اس شرط کے ساتھ صحیح ہے کہ خلاف قوی ہو جیسے مثلاً مریض نے نکاح کرلیا، چنانچہ مریض کا نکاح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

اگر خلاف ضعیف ہو۔ مثلاً نکاح متعہ اور پانچویں عورت کے ساتھ نکاح تو اس نکاح کے فساد پر فقہاء کا اجماع ہے۔

نکاح فاسد یا باطل کے مختلف احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ اس نکاح پر تحریم کا حکم لگانا اور فی الفور فسخ کا اقدام کرنا ضروری اور واجب ہے، تاکہ جتنا جلدی ہو معصیت کا خاتمہ ہو، اگر فسخ کا علم پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، برابر ہے کہ نکاح کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو، چنانچہ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ۔ ہر وہ نکاح جو قبل از دخول فسخ کردیا جائے تو اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہوتی خواہ اس نکاح کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو خواہ فساد، عقد کی وجہ سے ہو یا مہر کی وجہ سے۔ چنانچہ فسخ قبل از دخول ایسی طلاق کے حکم میں نہیں جو نکاح صحیح میں قبل از دخول ہو۔ چنانچہ قبل از دخول نکاح فسخ کردینے سے

کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔

اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کر دی تو کیا عقد فسخ کیا جائے گا یا نہیں؟ دخول کے بعد عقد فاسد جو قابل فسخ ہو کی تین قسمیں ہیں۔

ا.....پہلی قسم جس کا فسخ ہمہ وقت واجب ہوتا ہے اگر چہ دخول کے بعد عرصہ گزر چکا ہو، یہ وہ نکاح ہے جس کا فساد ایجاب وقبول میں ہو، یا عاقدین میں ہو یا محل عقد میں ہو جیسے نسبی یا رضاعی محرم سے نکاح کر لینا، نکاح، متعہ، چار سے زائد عورتوں سے نکاح، ولی کے بغیر نکاح، گواہوں کے بغیر نکاح، مریض الموت کا نکاح، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول کے مطابق مریض الموت کا نکاح جائز نہیں اگر چہ یہ نکاح صحیح ہوتا ہے لیکن اسے فسخ کرنا ضروری ہے۔

ب.....دوسری قسم وہ نکاح جسے فسخ کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ باقی رکھا جاتا ہے، یہ وہ نکاح ہے جس کا فساد مہر کی وجہ سے ہو یا مجہول مہر کی وجہ سے ہو یا فساد ایسی کسی شرط کی وجہ سے ہو جو نکاح کے مقصد کے منافی ہو، مثلاً نکاح میں یہ شرط لگا دی کہ خاوند بیوی کے ساتھ رات کو مباشرت نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگا دی کہ مرد بیوی کو نفقہ نہیں دے گا یا یہ شرط لگا دی کہ اس بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کی باری مقرر نہیں کرے گا۔

ج.....تیسری قسم، وہ نکاح جس کا فسخ کرنا واجب ہو بشرطیکہ دخول کے بعد عرصہ طویل نہ گزرا ہو، چنانچہ اگر عرصہ طویل گزر چکا ہو تو نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، یہ قسم تین صورتوں پر مخصر ہے۔

ا.....کمسن یتیم بچی کی شادی کرادی جائے جبکہ شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔

۲.....ولایت عامہ کے تحت شریف عورت کا نکاح کر دینا جبکہ ولی خاص موجود ہو۔

۳.....نکاح سر یعنی جس میں خاوند گواہوں کو وصیت کر دے کہ یہ نکاح میری دوسری بیوی یا کسی مخصوص جماعت سے پوشیدہ رکھا جائے، لیکن یتیم لڑکی اور شریف عورت کی صورت میں عرصہ کی طوالت کا اعتبار تین سال کے گزرنے سے کیا جائے گا یا دو بچے جنم دینے سے کیا جائے گا جبکہ نکاح سر میں طول زمانہ کا اعتبار بحسب عرف ہوگا، اس عرف کا حاصل یہ ہے کہ جتنے عرصہ میں خاص وعام کو عادۃً خبر ہو جاتی ہو۔

. قبل از دخول یا بعد از خول فسخ طلاق سمجھی جائے گی، اگر بعد میں عقد صحیح ہو جائے تو طلاق دہندہ کے پاس فقط دو طلاقیں باقی رہ جائیں گی۔

۲۔دخول سے مہر کا واجب ہو جانا.....نکاح فاسد یا باطل میں دخول سے مہر واجب ہو جاتا ہے جب کہ محض خلوت سے مہر واجب نہیں ہوتا، برابر ہے کہ نکاح کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو۔استحقاق مہر کے حوالہ سے دیکھا جائے گا کہ اگر مہر متعین ومقرر ہو تو وہی عورت کو ملے گا، اور اگر مہر مقرر نہیں تو مہر مثل دینا ہوگا۔

۳۔اولاد کا نسب ثابت ہو جائے گا.....اگر عقد کے فساد میں اختلاف ہو تو پیدا ہونے والی اولاد ناکح کی طرف منسوب گی، اور وہ عقد جس کا فساد متفق علیہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، تاہم وطی زنا نہیں سمجھی جائے گی، بشرطیکہ مرد حرمت وطی سے واقف نہ ہو۔اگر اسے پتہ ہو کہ یہ وطی حرام ہے تو وطی کو زنا سمجھا جائے گا اور حد واجب ہوگی، نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

بنا برایں معتدہ کے نکاح کی صورت میں بھی عدم علم کی وجہ سے حد ٹل جاتی ہے، اسی طرح محرم یا رضاعی محرم کے ساتھ وطی کرنے پر بھی حد ٹل جاتی ہے۔اور اگر ناکح کو علم ہو کہ منکوحہ اس کی ذی رحم محرم ہے یا رضاعی محرم یا وہ معتدہ ہے یا وہ پانچویں عورت ہے تو ناکح پر حد جاری کی جائے گی، البتہ معتدہ کے ساتھ وطی کر لینے کی پاداش میں ناکح پر حد ہو گی یا نہیں اس میں دونوں اقوال ہیں۔

۴۔ثبوت وراثت.....یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ صرف اس صورت میں ہے کہ نکاح کا فساد مختلف فیہ ہو، چنانچہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا اور ابھی فسخ نہیں کیا گیا تھا تو دوسرا فرد میت کا وارث بنے گا، خواہ مرد نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، مالکیہ کے نزدیک مرض الموت میں کیے ہوئے نکاح میں زندہ فرد کو وراثت سے حصہ نہیں ملے گا جبکہ اس میں جمہور کا اختلاف ہے۔

اگر نکاح کا فساد متفق علیہ ہو تو زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے، کیونکہ ایسا نکاح تو سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اسی طرح جو عقد علماء کے درمیان مختلف فیہ ہو اس میں، منکوحہ کے ساتھ وطی کر لینے سے حد واجب نہیں ہوتی جیسے حالت احرام میں کیا ہوا نکاح یا نکاح شغار یا عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنے تئیں نکاح کر لے تو ان صورتوں میں وطی کر لینے پر حد نہیں ہوگی۔

۵۔ **حرمت مصاہرت کا ثبوت**...... چنانچہ دخول یا مقدمات جماع سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جائے گی جبکہ عقد مختلف فیہ ہو، اسی طرح اگر عقد کا فساد متفق علیہ ہو تو بھی وطی اور مقدمات سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وطی کو موجب حد نہ سمجھا گیا ہو، اور اگر وطی کو زنا کے معنی میں لیا گیا ہو جو موجب حد ہو تو اس سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوگی۔ یہی قول قابل اعتماد ہے۔

محض عقد فاسد جو مختلف فیہ ہو سے عورت، مرد کے اصول وفروع پر حرام جو جاتی ہے اور مرد عورت کے صرف اصول پر حرام ہو جاتا ہے کیونکہ محض عقد نکاح سے عورت کی ماں ناکح پر حرام ہو جاتی ہے جبکہ محض عقد ہو جانے سے منکوحہ کے فروع یعنی بیٹیاں حرام نہیں ہوتیں، اور جب منکوحہ کے ساتھ خاوند وطی کر لیتا ہے تو منکوحہ کی بیٹیاں ناکح پر حرام ہو جاتی ہیں۔

۶۔ **عدت کا وجوب**...... اگر مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کر لی یا اس قدر اسے خلوت نصیب ہوئی کہ جنسی اتصال ممکن تھا اور پھر عقد فسخ کر دیا گیا تو عدت عورت پر واجب ہوگی، خواہ عقد کا فساد متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ ہو۔ فسخ عقد کے بعد فرقت کے وقت ہی سے عدت کی ابتداء ہو جائے گی۔

نکاح ہائے فاسدہ جو کہ مختلف فیہا ہوں کی مختلف انواع:

نکاح ہائے فاسدہ چار ہیں، ان کے متعلق صراحۃً نہی وارد ہوئی ہے، وہ یہ ہیں: نکاح شغار، نکاح متعہ، مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجنا اور نکاح بشرط حلالہ۔ [1]

نکاح شغار...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی زیر ولایت خاتون (مثلاً بہن یا بیٹی) کا نکاح دوسرے شخص سے کرتا ہے اور اس کے زیر ولایت خاتون کو اپنے نکاح میں لاتا ہے الگ سے مہر مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر عورت کی بضع دوسری کا مہر قرار دیا جاتا ہے۔ نکاح شغار کے اس معنی اور تعریف پر علماء کا اتفاق ہے، اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اس کے متعلق صریح نہی وارد ہوئی ہے اور اس میں مہر کی بھی نفی کی جاتی ہے، پھر آگے علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ اگر نکاح شغار کا وقوع ہو جائے تو کیا مہر مثل سے نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نکاح شغار کبھی بھی صحیح نہیں ہوتا اور اسے فسخ کرنا واجب ہوتا ہے خواہ دخول ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔ [2] اور شغار کی تعریف اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ نکاح شغار میں اگر مہر مثل تسلیم کر لیا جائے تو وہ صحیح ہو جاتا ہے رہی بات ورود نہی کی سو وہ کراہت پر محمول ہے، اور کراہت سے فساد عقد واجب نہیں ہوتا، گویا شریعت نے نکاح شغار کے متعلق دو چیزوں کو واجب کیا ہے، کراہت اور مہر مثل کو۔

منشاء اختلاف...... نکاح شغار کے متعلق آنے والی نہی عدم عوض کے ساتھ معلل ہے یا غیر معلل ہے؟ سو اگر ہم کہیں کہ نکاح شغار

---

[1] ...... بداية المجتهد ۲/ ۵۷، الدر المختار ۲/ ۴۰۷، الشرح الكبير ۲/ ۲۳۹، الشرح الصغير ۲/ ۲۸۸، القوانين الفقهية ۲۰۴، المهذب ۲/ ۴۶، مغنى المحتاج ۳/ ۱۴۲، المغنى ۶/ ۶۴۱ اللباب ۳/ ۲۰ مختصر الطحاوى [2] ۱۸۱ رواه الجماعة عن نافع عن ابن عمر (نيل الاوطار ۶/ ۱۴۰)

غیر معلل ہے تو مطلقاً فسخ نکاح لازمی ہوگا۔اور اگر ہم یہ کہیں کہ نکاح شغار کے متعلق آنے والی نہی عدم عوض کے ساتھ معلل ہے تو عقد مہر مثل کے طے کر لینے سے صحیح ہو جائے گا، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کر کے نکاح کر لیا جائے۔

خلاصہ......جمہور کے نزدیک نکاح شغار باطل ہے، حنفیہ کے نزدیک صحیح مگر مکروہ تحریمی ہے، تاہم جمہور کے نزدیک دخول سے حرمت مصاہرہ اور وراثت ثابت ہو جاتی ہے۔

نکاح متعہ......نکاح متعہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے کہے کہ میں تمہارے ساتھ اتنی مدت کے لیے متعہ کرتا ہوں۔اور نکاح موقت یہ ہے کہ ایک شخص

کسی عورت کے ساتھ مثلاً دس دن کی مدت کے لئے شادی کر لے، یہ دونوں نکاح باطل ہیں، نکاح متعہ تو سوائے شیعہ کے بالا جماع باطل ہے، اور نکاح موقت چونکہ نکاح متعہ کے معنی میں ہے اس لئے باطل ہے (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اور عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے، امام زفر اور شیعہ نکاح موقت کو صحیح اور لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ نکاح شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا یہ علت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ہے۔بقیہ تفاصیل گزر چکی ہیں۔

مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجنا......اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام بھیجا ہو اور اس کے پیغام کا مثبت یا منفی جواب نہ ملا ہو کہ دوسرا شخص اسی عورت کے متعلق پیغام نکاح بھیج دے اور اس دوسرے شخص کا نکاح ہو جائے۔چنانچہ حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، تاہم جمہور فقہاء کے نزدیک یہ نکاح صحیح تصور ہوگا، اور زوجین کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، کیونکہ نہی نفس عقد کے متعلق وارد نہیں ہوئی بلکہ نہی امر خارجی کی طرف وارد ہوئی ہے جو عقد نکاح کی حقیقت سے باہر ہے، لہٰذا عقد باطل نہیں ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے غصب کیے ہوئے پانی سے وضو کر لیا جائے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دخول سے قبل ہی ایک طلاق بائنہ سے نکاح فسخ کرنا ضروری ہے، مالکیہ کے ہاں یہی قول با اعتماد ہے۔

نکاح شرط حلالہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں اور طلاق دہندہ اسے از سرنو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہو وہ حلالہ کی شرط پر مطلقہ کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرا دے جو وطی کرنے کے بعد اسے طلاق دے اور عورت پھر پہلے خاوند کے پاس آ جائے یہ نکاح حرام باطل اور واجب الفسخ ہے۔کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لعن اللہ المحلل والمحلل لہ

اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے ان دونوں پر لعنت کرے۔[1]

شافعیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ یہ نکاح معصیت اور گناہ کا باعث ہے تاہم صحیح ہے کیونکہ عقد کی بظاہر شرائط اور ارکان مکمل ہیں۔

سبب اختلاف......چونکہ فقہاء کا مفہوم حدیث میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ:

لعن اللہ المحلل

میں جن فقہاء نے لعنت سے فقط گناہ گار قرار دینا مراد لیا ہے ان کے نزدیک نکاح صحیح اور جن فقہاء نے لعنت سے گناہ گاری مع فساد عقد مراد لیا ہے ان کے نزدیک نکاح بشرط حلالہ فاسد ہے چونکہ نہی فساد منہی عنہ کی مقتضی ہے۔

---

[1]...... راہ ابو داؤد وابن ماجہ والترمذی وقال حدیث حسن صحیح

۳۔شافعیہ کے نزدیک نکاح ہائے باطلہ کی مختلف انواع......نکاح باطل وہ ہے جس کے رکن میں کوئی خلل واقع ہو اور فاسد وہ ہے جس کی کسی شرط میں کوئی خلل واقع ہو، فساد انعقاد نکاح کے بعد پیش آتا ہے، شافعیہ کے نزدیک نکاح باطل اور نکاح فاسد کا ایک ہی حکم ہے، وہ یہ کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی نکاح صحیح کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، مہر نہیں ہوگا، عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، حرمت مصاہرہ ان دونوں نکاحوں سے ثابت نہیں ہوگی، نسب بھی ثابت نہیں ہوگا، عورت پر عدت بھی نہیں ہوگی، شافعیہ کے نزدیک نکاح ہائے باطلہ جن کے متعلق نہی وارد ہوئی ویسے تو بہت سارے ہیں تاہم ان میں سے اہم نو ہیں۔[1]

۱۔نکاح شغار......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنی بیٹی کی شادی کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کرادے کہ وہ بھی اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروائے بایں طور کہ ان میں سے ہر عورت کا بضع۔[2] دوسری عورت کا مہر قرار پائے۔ اگر بضع کو مہر قرار نہ دیں بلکہ دونوں خاموش رہیں اور ہر عورت کے لئے مہر مثل ہو تو اصح قول کے مطابق نکاح صحیح ہوگا۔ نکاح شغار کے باطل ہونے کی وجہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہونے والی نہی ہے۔ لاشغار فی الاسلام۔ اسلام میں شغار کی گنجائش نہیں۔[3] چنانچہ نہی منہی عنہ کے فساد کی مقتضی ہوتی ہے، یعنی جس چیز کے متعلق نہی وارد ہو وہ فاسد ہوتی ہے۔

۲۔نکاح متعہ......نکاح متعہ کا معنی بارہا گزر چکا ہے۔ اگر شرط خیار کے ساتھ نکاح کیا جائے تو عقد باطل ہوتا ہے کیونکہ عقد نکاح ایسا عقد ہوتا ہے جسے توقیت (مدّت کی تعین) باطل کردیتی ہے لہٰذا نکاح بھی شرط خیار سے باطل ہوجاتا ہے جیسے بیع باطل ہوجاتی ہے۔

۳۔حالت احرام میں نکاح......خواہ مرد نے احرام باندھ رکھا ہو یا عورت نے کسی کا بھی نکاح صحیح نہیں ہوتا، خواہ حج کا احرام باندھا ہوا یا عمرہ کا، اسکی دلیل حدیث سابق ہے کہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کیا جائے۔

البتہ حالت احرام میں رجعت اور نکاح کی گواہی دینا صحیح ہے۔

۴۔تعدد ازواج......اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عورت کے دو ولی ہوں جو ہم پلہ ہوں وہ دونوں الگ الگ طور پر عورت کا نکاح کروادیں گویا ایک ہی عورت کا نکاح دو مردوں سے ہوجائے جبکہ یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس ولی نے نکاح منعقد کیا، اگر دونوں خاوندوں میں سے کسی ایک نے عورت کے ساتھ صحبت کردی تو عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوجائے گا۔ اور اگر دونوں نے صحبت کردی تو ان میں سے ہر ایک پر عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا، اگر یہ معلوم ہوجائے کہ پہلے فلاں خاوند کا نکاح ہوا ہے تو اسی کا نکاح صحیح متعین ہوجائے گا۔

۵۔نکاح معتدہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ عورت جو استبراء رحم کی عدت گزار رہی ہو خواہ مطلقہ ہو یا وطی بالشبہ کے سبب سے استبراء رحم کررہی ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے۔

اگر ناکح نے وطی کرلی تو اسے حد لگائی جائے گی، ہاں البتہ اگر وہ دعویٰ کرے کہ اسے عدت اور استبراء رحم کی عدت کے دوران نکاح کرنے کی حرمت کا علم نہیں تو پھر اس پر حد زنا نہیں ہوگی، تاہم دیکھا جائے گا کہ اگر وہ نومسلم ہو یا علماء سے دور کہیں اس نے پرورش پائی ہو تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔

۶۔ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جسے حمل کا شک ہو......یعنی وہ عورت عدت میں ہو اور ابھی اس کی عدت گزری نہ ہو اور اسے تردد ہو کہ آیا وہ حاملہ ہے یا نہیں تو ایسی عورت کے ساتھ بھی نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ شک کا زائل کرنا ضروری ہے، سو اگر کسی شخص نے

---

[1]......حاشیة الشرقاوی علی تحفة الطلاب بالزکریا الأنصاری ۲/ ۲۳۳، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۲، المهذب ۲/ ۴۶۔ [2] بضع کا اطلاق نکاح پر بھی ہوتا ہے جماع پر بھی ہوتا ہے اور عورت کی شرمگاہ پر بھی (النهایه لابن الأثیر ۱/ ۱۳۳) یہاں مراد شرمگاہ ہے۔ [3] رواه مسلم عن ابن عمرؓ، وروی مسلم و احمد حدیثاً آخر عن ابی هریرةؓ۔

عورت کے ساتھ نکاح کیا وہ سمجھا کہ یہ عورت معتدہ یا مستبرأۃ ہے یا محرمہ ہے پھر حقیقت حال اس کے خلاف نکلی تو بھی نکاح باطل ہے کیونکہ حلال ہونے میں تردد ہے۔

۷۔کافرہ غیر کتابیہ کے ساتھ مسلمان کا نکاح......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی کافر عورت جو کتابیہ (نصرانیہ یا یہودیہ) نہ ہو بلکہ بت پرست ہو یا مجوسی ہو یا سورج کی پجارن ہو یا مرتدہ (قادیانیہ) ہو یا خالص کتابیہ نہ ہو مثلاً وہ ایسی عورت ہو جو کتابی مجوسیہ کے جوڑ سے پیدا ہوئی ہو یا اس کے برعکس ہو تو ایسی عورت کے ساتھ نکاح باطل ہے۔کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ...... البقرۃ ۲/ ۲۲۱

مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اور وہ عورت جو کتابی اور مجوسیہ کے جوڑ سے پیدا ہوئی ہو اس کے ساتھ نکاح جہت حرمت کے غالب ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

رہی بات کتابیہ کی سو وہ اگر اسرائیلیہ ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے اگر چہ اس کے اصول (باپ، دادا) یہودیت میں داخل نہ ہوئے ہوں۔

اور اگر کتابیہ اسرائیلیہ نہ ہو تو وہ نصرانیہ ہوگی اس کے ساتھ بھی نکاح کرنا حلال ہے بشرطیکہ اس کے اصول کا نصرانیت میں داخل ہونا یقینی ہو۔

یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ نکاح کے مباح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ...... المائدۃ ۵/ ۵

اور اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

کتاب سے مراد تورات وانجیل ہے، ساری آسمانی کتابیں اور سابق صحیفے جیسے ادریس علیہ السلام کا صحیفہ شیث اور ابراہیم علیہ السلام کے مراد نہیں ہیں۔

۸۔ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہونے والی عورت کے ساتھ نکاح......اصطلاح میں ایسی عورت کو مرتدہ کہا جاتا ہے (جیسے ہمارے زمانے میں قادیانیہ عورت) چنانچہ ایسی عورت اگر اسلام کا جھانسہ دے تو اس کا اسلام قابل قبول نہیں ہوگا اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں۔

۹۔مسلمان عورت کا نکاح کافر کے ساتھ......مسلمان عورت اگر کافر یا مرتد کے ساتھ نکاح کر لے تو اس کا یہ نکاح باطل ہوگا، کیونکہ بالاجماع مسلمان غیر مسلم کے لئے حلال نہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ ...... البقرۃ ۲/ ۲۲۱

مشرکین کا نکاح مت کراؤ۔

اسی طرح مرتد عورت بھی نہ تو مسلمان کے لئے حلال ہے نہ کافر کے لئے چونکہ وہ کافر ہے ارتداد پر برقرار نہیں رہ سکتی۔اور کافر کے لئے اس لئے حلال نہیں کہ اسلام کے ساتھ ایک گونہ اس کا تعلق باقی ہے۔

اگر دخول سے قبل زوجین دونوں مرتد ہو جائیں یا کوئی ایک مرتد ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائے گا، اور اگر دخول کے بعد مرتد ہوا تو انہیں مہلت دی جائے گی اگر دوران عدت اسلام پر جمع ہو گئے تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اسلام پر جمع نہ ہوئے تو نکاح برقرار نہیں رہے گا۔

اس بحث کے ضمن میں نکاح کی کچھ مکروہ صورتیں ہیں جیسے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا، حلالہ کی نیت سے نکاح جس

ی حلالہ کی شرط نہ لگائی گئی ہو، اور اگر حلالہ کرنے والے نے اس شرط کے ساتھ نکاح کرلیا کہ جب مطلقہ کے ساتھ وطی کرلے گا تو اسے طلاق دے دے گا تو پھر یہ نکاح باطل ہوگا۔

۴۔ حنابلہ کے نزدیک نکاح فاسد کی مختلف انواع.....نکاح فاسد کی دو قسمیں ہیں۔ ❶

پہلی قسم.....کہ نکاح سرے ہی سے باطل ہو۔ اس طرح کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ نکاح شغار.....کہ ایک شخص اپنے زیرولایت خاتون کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کرائے کہ وہ شخص بھی اپنی زیر ولایت خاتون کا نکاح اس سے کرائے گا اور مہر مقرر نہ ہو، یا متعین دراہم کے ساتھ ساتھ بضع کو بھی مہر قرار دے دیا جائے، یہ نکاح فاسد ہے۔

۲۔ نکاح بشرط حلالہ.....مرد کسی (مطلقہ) عورت کے ساتھ اس شرط پر نکاح کرلے کہ وہ اسے حلال کرکے طلاق دے دے گا یا وطی کے بعد ان کے درمیان نکاح باقی نہیں رہے گا، یا خاوند اس کی نیت کرلے یا خاوند اور حلالہ کرنے والا دونوں عقد سے پہلے حلالہ پر اتفاق کرلیں تو نکاح حرام ہوگا اور عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

۳۔ نکاح متعہ.....ایک مدت کے لئے شادی کرنا یا نکاح میں متعین وقت پر طلاق دینے کی شرط لگا دینا، یا دل میں اس کی نیت کرلینا یا پردیسی شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ جب وطن واپس لوٹے گا تو عورت کو طلاق دے دے گا، یا مثلاً مرد عورت سے کہے میرے ساتھ متعہ کرلو عورت کہے میں نے تمہارے ساتھ متعہ کرلیا جبکہ نہ ولی موجود ہو اور نہ ہی گواہ موجود ہوں۔ چنانچہ یہ نکاح باطل ہے، مبتلا بہ پر تعزیر ہوگی۔ اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

۴۔ نکاح معلق.....اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا نکاح جو کسی چیز پر معلق کرلیا گیا ہو مثلاً کوئی کہے: مہینے کے آخر میں تمہارے ساتھ نکاح کرلوں گا، یا کہے: میں نے نکاح کرلیا اگر عورت کی ماں رضامند ہوئی یا کہے: اگر میری بیوی نے بچی جنم دی تو میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کروادیا۔ یہ نکاح بھی فاسد ہے کیونکہ اسے کسی شرط پر معلق کردیا جاتا ہے۔

نکاح باطل کی حنابلہ کے ہاں مزید صورتیں ہیں، مثلاً شادی شدہ عورت کے ساتھ نکاح، معتدہ کے ساتھ نکاح اور اگر ان نکاحوں میں زوجین کو حرمت کا علم ہو تو صحبت کرنے پر وہ زانی کہلائیں گے اور دونوں پر حد جاری کی جائے گی، اور نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

رہی بات نکاح فاسد جس کی اباحت میں اختلاف ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا بغیر ولی کے نکاح تو اس نکاح میں صحبت ہو جانے پر زوجین پر حد زنا نہیں ہوگی، کیونکہ اس قسم کے نکاح کی اباحت میں علماء کا اختلاف ہے اور حد شبہ سے ٹل جاتی ہے اور اختلاف تو قوی تر شبہ ہے۔

دوسری قسم.....نکاح تو صحیح ہوتا ہے البتہ شرط صحیح نہیں ہوتی:۔

مثلاً مرد نے یہ شرط لگا دی کہ عورت کو مہر نہیں دے گا یا یہ شرط لگا دے کہ اس عورت کو اس کی سوکن کے مقابلہ میں زیادہ باری دے گا یا کم باری دے گا، یا زوجین وطی نہ کرنے کی شرط لگالیں یا کوئی ایک وطی نہ کرنے کی شرط لگا دے یا دوائی وطی بجانہ لانے کی شرط لگا دے، یا یہ شرط لگا دے کہ عورت اسے کوئی چیز دے یا عورت خاوند پر خرچہ کرے یا شرط لگا دی کہ اگر عورت چھوڑ دی تو دیا ہوا خرچہ واپس لے گا، یا زوجین عقد میں خیار شرط رکھ لیں یا زوجین میں سے کوئی ایک خیار شرط رکھ لے یا یہ شرط لگا دی جائے کہ فلاں وقت خاوند مہر لائے ورنہ نکاح باقی نہیں رہے گا یا یہ شرط لگا دی کہ خاوند عورت کو سفر پر ساتھ لے کر جائے گا، یا یہ شرط لگا دی کہ جب عورت کو صحبت کی خواہش ہوگی تب خاوند وطی کرے گا، یا یہ شرط لگا دی کہ مقررہ مدت تک عورت اپنا نفس خاوند کے سپرد نہیں کرے گی یا مرد ہفتہ میں صرف ایک رات عورت کے پاس گزارے گا یا یہ شرط لگا دی

❶.....غاية المنتهى ۳/۴۲، المغني ۶/۶۰۰

کہ خاوند عزل کرے گا یا عورت کو وہاں ٹھہرائے گا جہاں عورت چاہ رہی ہو یا عورت کا باپ چاہ رہا ہو وغیر ذالک ان تمام صورتوں میں عقد نکاح صحیح ہوگا لیکن شرط فاسد اور لغو تصور ہوگی۔

اگر زوج نے یہ شرط لگائی کہ عورت مسلمان ہو نکاح کے بعد واضح ہوا کہ عورت کتابیہ ہے یا شرط لگائی کہ عورت کنواری ہو یا خوبصورت ہو یا حسب ونسب والی ہو یا کسی ایسے عیب کے نہ ہونے کی شرط لگادی کہ اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہ کیا جاتا ہو اور بعد میں حقیقت حال شرط کے خلاف نکلی تو خاوند کو خیار حاصل ہوگا اور دخول کے بعد اس شخص پر رجوع کرے گا جس نے اس کو دھوکا دیا ہو۔

اور اگر خاوند نے کسی صفت کی شرط لگادی مثلاً کہا عورت کتابیہ ہو اور بعد میں عورت مذکورہ صفت سے اعلیٰ وافضل نکلی مثلاً وہ مسلمان نکلی تو مرد کو خیار نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ کمتر پر راضی تھا افضل پر بطریق اولی راضی ہوگا۔

پانچویں بحث.....عقد نکاح کے مستحبات:

عقد نکاح کے مستحبات مندرجہ ذیل ہیں۔ ➊

۱۔ عقد سے پہلے خاوند خطبہ دے......جس وقت خاوند شادی کی التماس اور گذارش کررہا ہو تو اس وقت خطبہ دے، جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے ہو، اس کے بعد خطبہ ایسی آیات پر مشتمل ہو جن میں تقوی اور نکاح کا مقصد ذکر ہو، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تشہد اور خطبہ حاجت سکھایا، خطبہ حاجت یہ ہے:

"الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ، ونعوذ با للہ من شروانفسنا ومن سیئات اعما لنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لاالہ الااللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ"

اس کے بعد درج ذیل تین آیات پڑھے ان آیات کا خطبہ میں پڑھا جانا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

۱......يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ آل عمران ۳/ ۱۰۲

۲......يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا النساء ۴/ ۱

۳......يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ......الاحزاب ۳۳/ ۷۰

اس کے بعد کہے: امابعد! اللہ تعالیٰ نے ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور زنا سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ۭ ...... النور ۲۴/ ۳۲

تم میں سے جو لوگ غیر شادی شدہ ہوں اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نیکوکار ہوں ان کی شادی کراؤ۔

خطبہ میں اللہ کی حمد وثناء تشہد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام کافی ہوتا ہے، چنانچہ روایت منقول ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی تقریب نکاح میں بلائے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ یوں فرماتے:

➊......الشرح الصغیر ۲/ ۳۳۸، مغنی المحتاج ۳/ ۱۳۷، المھذب ۲/ ۴۱، المغنی ۶/ ۵۳۶ کشف القناع ۵/ ۳۰ تکملۃ المجموع ۵۴۸/۰ غایۃ المنتھی ۳/ ۲۶

الحمدللہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد

اس کے بعد فرماتے: فلاں شخص نے تمہارے پاس فلاں عورت کے متعلق پیغام نکاح بھیجا ہے، اگر تم اس کا نکاح کرا دو تو الحمد اللہ اور اگر رد کر دو تو سبحان اللہ۔

عقد نکاح سے قبل صرف ایک ہی خطبہ مسنون ہے، دو خطبوں کا دینا بے حقیقت ہے، تاہم دو خطبوں کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ ایک خطبہ عاقد کی طرف سے ہوتا ہے اور دوسرا خاوند کی طرف سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف سے صرف ایک ہی خطبہ منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اولیٰ ہے۔

زوج اپنا مقصد یوں بیان کرے، ہم نے تمہاری صف میں شامل ہونے کا ارادہ کیا ہے اور ہم تمہاری سسرالی رشتہ داری کا ارادہ لے کر آئے ہیں، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے، آپ لوگ ہمیں اپنے پروں تلے سمالو، وغیر ذالک۔ ولی یوں کہے کہ: ہم نے تمہیں قبول کر لیا ہے اور ہم تم سے راضی ہیں کہ تم ہمارا فرد بن گئے اور ہمارے بیچ جزو ہو گے، وغیرہ۔

اگر عقد نکاح خطبہ کے بغیر منعقد ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ خطبہ نکاح مستحب ہے واجب نہیں، چنانچہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اپنے تئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرنا چاہا، آپ نے جب کوئی جواب نہ دیا تو ایک شخص بولا: یارسول اللہ: اس عورت کے ساتھ میری شادی کروا دیں، بعدازاں آپ نے اس شخص سے فرمایا: میں نے اس قرآن کے سبب اس عورت کے ساتھ تمہاری شادی کروادی جو کہ تمہیں زبانی یاد ہے ❶ حدیث میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے خطبہ کا تذکرہ نہیں کیا، ابوداؤد نے بنی سلیم کے ایک شخص کی اسناد سے حدیث روایت کی ہے اس شخص کا کہنا ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ بنت عبدالمطلب کے متعلق پیغام نکاح دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر تشہد (خطبہ) کے امامہ کے ساتھ میرا نکاح کروا دیا، نیز نکاح عقد معاوضہ ہے، بیع کی طرح اس میں بھی خطبہ واجب نہیں۔

۲۔عقد ہو جانے کے بعد زوجین کے لئے دعائے خیر کرنا ..... چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب کسی شخص کی شادی ہو جاتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبارکبادیوں دیتے:

بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير ❷

اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تمہارے اوپر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں میاں بیوی کو خیر و بھلائی میں جمع رکھے۔

زوجین کو یوں بھی مبارکباد دی جاسکتی ہے:

مبارك ان شاء الله ويوم مبارك وغير ذالك

۳۔عقد نکاح بروز جمعہ پچھلے پہر طے کرنا ..... اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ شام کے وقت شادی کرو کیونکہ اس وقت برکت زیادہ ہوتی ہے۔❸ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جمعہ کا دن عظمت والا دن ہوتا ہے اور اسے یوم عید بھی کہا جاتا ہے، جبکہ نکاح میں برکت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے طلب برکت کے لئے عظمت والے دن اکا انتظار مستحب ہے، پچھلے پہر (یعنی شام لے لگ بھگ) کا اس لئے انتخاب کیا گیا ہے چونکہ جمعہ کے دن پچھلے پہر میں قبولیت والی گھڑی پائی جاتی ہے۔

۴۔نکاح کا اعلان کرنا اور اس موقع پر دف بجانا ..... تقریب نکاح کا یہ چوتھا مستحب ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نکاح کا اعلان کرو۔❹

---

❶ ..... متفق عليه بين احمد والشيخين۔ ❷ رواه ابوداؤد والترمذي و صححه وحسنه واخرجه ابن ماجه ❸ رواه ابوحفص ❹ رواه الحاكم و صححه ورواه احمد عن عامر بن عبدالله بن الزبير واما حديث عائشه عند الترمذي ففيه ضعيف (سبل السلام ۳/ ۱۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ترمذی کی حدیث میں ہے۔نکاح کا اعلان کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔نسائی کی روایت میں ہے۔حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی چیز آواز ہے اور نکاح میں دف ہے۔

نکاح کے موقع پر مباح کلام کے گنگنانے میں کوئی حرج نہیں،ایسی کوئی غزل بھی گائی جاسکتی ہے جو کسی مخصوص شخص کے بارے میں نہ ہو بلکہ عمومی کلام ہو،بشرطیکہ گانے کے آلات لہو ولعب سے پاک ہو۔چنانچہ ابن ماجہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک یتیم لڑکی کی شادی ایک شخص کے ساتھ کروائی،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں شامل تھیں جو لڑکی کو خاوند انصاری کے پاس لے جارہے تھے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہم واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا:اے عائشہ!تم لوگوں نے کیا کہا؟میں نے عرض کیا:ہم نے سلام کیا اور برکت کی دعا کی،پھر واپس لوٹ آئے،اس پر آپ نے فرمایا:انصاری لوگوں میں غزل پڑھنے کا رواج ہے،اے عائشہ!تم لوگوں نے یوں کیوں نہیں کہہ دیا:

اتیناکم اتیناکم، فحیانا وحیاکم

ہم تمہارے پاس آئے ہیں،ہم تمہارے پاس آئے ہیں،لہٰذا تم ہمیں خراج تحسین پیش کرو ہم تمہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک بوقت عقد گواہوں کا ہونا شرط نہیں تاہم وہ کہتے ہیں کہ عقد کے وقت کے وقت گواہ بنانا مندوب ہے،تاکہ اختلاف سے نکل جائیں،مالکیہ فی نفسہ گواہی کے حق میں ہیں اور اگرچہ بوقت عقد گواہی نہ ہو جیسے خرید فروخت میں،لیکن عقد کی صحت راسخ نہیں ہوتی،اور اس نکاح کے ثمرات (یعنی ملک بضع سے جنسی تسکین کا نفع اٹھانا) مرتب نہیں ہوتے،ہاں البتہ زفاف سے پہلے پہلے گواہ بنالینا ضروری ہے۔تاہم ایسا بھی جائز ہے کہ زوجین پوشیدہ طور پر عقد نکاح طے کرلیں پھر دو عادل آدمیوں کو نکاح پر گواہ بنالیں،مثلاً دو عادل گواہوں سے یوں کہیں:عقد ہم نے طے کرلیا اور یہ عقد فلاں مرد اور فلانی عورت کے درمیان طے ہوا۔یا ولی دو عادلوں کو خبر کردے اور خاوند ان دو کے علاوہ مزید دو اور عادلوں کو خبر کردے،اتنا کافی نہیں ہوگا کہ ولی اور خاوند میں سے ایک،ایک عادل کو خبر کردے اور دوسرا،دوسرے عادل کو خبر کردے کیونکہ اس صورت میں دونوں عادل بمنزلہ واحد کے ہوں گے،گویا دو عادلوں کو خبر کرنا ضروری ہے۔چاہے ولی اور خاوند الگ الگ دو دو عادلوں کو خبر کریں یا معاً دو عادلوں کو خبر کردیں۔

۵۔مہر کا ذکر......بوقت عقد مہر مقرر کرنا مستحب ہے،کیونکہ بوقت عقد مہر طے کرلینے سے دل کو اطمینان اور تسلی مل جاتی ہے اور مستقبل میں اختلاف پڑنے کا وہم ختم ہوجاتا ہے یہ بھی مستحب ہے کہ مہر نقدی ادا کیا جائے اور مؤجل نہ رکھا جائے۔

۶۔ولیمہ کرنا......ولیمہ اصطلاح میں اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے۔ولیمہ کرنا سنت مستحبہ موکدہ ہے یہ جمہور علماء کا قول ہے،مالکیہ اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے،بعض شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ ولیمہ وہ کھانا ہوتا ہے جو عارضی سرور اور خوشی کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے لہٰذا بقیہ کھانوں کی طرح واجب نہیں ہے۔

امام مالک کا دوسرا قول،امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی کتاب الام میں منصوص قول اور ظاہر یہ کی رائے ہے کہ ولیمہ واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو فرمایا:ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی پکا کر کرو[1] حدیث میں اُولم بصیغہ امر لایا گیا ہے اور امر بظاہر وجوب کا مقتضی ہوتا ہے۔

ولیمے کا وقت......ولیمہ کے وقت کے بارے میں اسلاف میں اختلاف ہے،آیا کہ بوقت عقد کیا جائے،یا عقد کے فوراً بعد،یا صحبت کے وقت،یا صحبت ہوجانے کے بعد یا ابتدائے عقد سے لے کر صحبت (سہاگ) ہوجانے تک۔

---

[1]......متفق علیہ عن انس (نیل الاوطار ۶/ ۱۷۰)

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک سہاگ کے بعد ولیمہ کرنا مستحب ہے، جبکہ مالکیہ کی ایک جماعت کے نزدیک بوقت عقد ولیمہ کرنا مستحب ہے، ابن جندب کے نزدیک بوقت عقد اور صحبت ہو جانے کے بعد، سبکی لکھتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارے میں یہ منقول ہے کہ ولیمہ دخول (صحبت) کے بعد مسنون ہے، چنانچہ بخاری وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اس میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی صبح کو لوگوں کو دعوت ولیمہ دی۔ ❶

مالکیہ کے نزدیک یہی معتمد قول ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں: عقد ہو جانے پر ولیمہ کرنا مسنون ہے، ہاں البتہ دخول (صحبت) سے کچھ پہلے ولیمہ کرنے کی عادت اور رواج عام ہے۔

نکاح کے موقع پر نچھاور کی گئی مٹھائی اخروٹ وغیرہ کا حکم..... چنانچہ شادی کے موقع پر عام رواج ہے کہ دولہا پر شکر، مٹھائی، اخروٹ، بادام اور چھوہارے، وغیرہ نچھاور کیے جاتے ہیں، چنانچہ ان چیزوں کو نچھاور کرنا امام شافعی اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ نچھاور کی گئی اشیاء کا چننا گھٹیا اور کمتر فعل تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا اس طرح گرائی جانے والی مٹھائی کو کچھ لوگ اٹھا لیتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں اٹھاتے، اس لئے مٹھائی کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ ❷

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا..... حنفیہ کے نزدیک ولیمہ کی دعوت قبول کرنا مسنون ہے۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں: دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، پھر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب عینی ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی عذر مثلاً سردی، شدید گرمی یا کوئی اور مشغولیت مانع نہ ہو تو واجب ہے، کیونکہ حدیث ہے۔ جس شخص کو ولیمہ کی دعوت دی گئی ہو اور وہ اسے قبول نہ کرے اس نے ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کی نافرمانی کی۔

ایک اور حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو شادی کے ولیمہ کی دعوت دی جائے تو وہ دعوت میں شریک ہو۔ ❸

دعوت میں حاضر ہونا واجب ہے یہاں تک کہ روزہ دار پر بھی واجب ہے لیکن کھانا کھانا لازمی نہیں، کیونکہ احمد رحمۃ اللہ علیہ مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو دعوت ولیمہ دی جائے تو وہ اسے قبول کرے اور اگر مدعو روزہ میں ہو تو دعا کر دے اور اگر روزے میں نہ ہو تو کھانا کھالے۔

اعذار دعوت..... ولیمہ کی دعوت قبول کرنا علی الاطلاق واجب نہیں بلکہ بعض اعذار کی وجہ سے قبول دعوت ساقط ہو جاتا ہے، تاہم علماء کی آراء حسب ذیل ہیں۔

شافعیہ: کہتے ہیں: اگر کسی شخص کو ایسی جگہ دعوت پر بلایا گیا جہاں منکرات ہو رہے ہوں مثلاً محفل ناؤ نوش شراب و کباب ہو یا طبلے، سارنگیاں بج رہی ہوں اور بین باجے بجائے جا رہے ہوں تو پھر اگر مدعو ان منکرات کے ازالہ پر قدرت رکھتا ہو تو وجوب دعوت میں حاضر ہونا اس پر لازمی ہے۔ اگر ازالہ منکرات کی قدرت نہ رکھتا ہو تو دعوت میں حاضر نہ ہو۔

کیونکہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دسترخوان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جس پر شراب کے جام لنڈھائے جا رہے ہوں۔ ❶

حنابلہ..... ایسے شخص کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے جس نے دعوت کا انتظام مال حرام سے کر رکھا ہو، بلکہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کرنا،

---

❶ ..... نیل الاوطار ۶/ ۱۷۶ ❷ آج کل مٹھائی کی جگہ پھول تلے اور چمکین وغیرہ دولہا پر ڈالی جاتی ہے یہ مباح ہے بشرطیکہ اس میں دوسرے مفاسد نہ ہوں۔ تاہم نوجوان لڑکیاں اگر نچھاور کریں تو ممنوع ہے۔ نیز تبذیر ہے اس لئے اجتناب افضل ہے۔ ❸ الحدیث الاول رواہ مسلم والثانی رواہ مسلم و احمد۔ ❹ رواہ ابوداؤد عن ابن عمرؓ۔

اس کی دعوت قبول کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اسکا ہبہ قبول کرنا اور اسکا صدقہ قبول کرنا مکروہ ہے۔ حرام کی کثرت وقلت سے کراہت میں بھی کثرت وقلت ہو جاتی ہے۔ عام حالات میں دعوت ولیمہ کھانا بالاتفاق مستحب ہے اگر چہ مدعو روزہ کی حالت میں کیوں نہ ہو، ہاں البتہ اگر واجب روزہ ہو تو نہ توڑے، کیونکہ نفلی روزہ کی صورت میں کھا لینے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی خوشی میں بالفعل شامل ہو جائے گا۔

اگر ایک ہی دن میں ایک سے زائد دعوتیں ہو جائیں اگر ممکن ہو تو سب میں شرکت کرے۔ اگر ممکن نہ ہو تو جس شخص نے سب سے پہلے دعوت دی ہو اس کی دعوت قبول کرے، بہتر یہ ہے کہ جو شخص قریبی رشتہ دار ہو اس کی دعوت پہلے قبول کرے، پھر پڑوسی کو دور کے داعی پر ترجیح دے اگر وجہ ترجیح نہ بن پڑے تو قرعہ ڈالے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں کہ جس شخص کو متعین کر کے ولیمہ کی دعوت دی گئی ہو دعوت کا قبول کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے، بشرطیکہ مجلس دعوت میں کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے امر دینی کا کوئی حرج ہوتا ہو یا دوسرے لوگوں کی دینداری متاثر ہوتی ہو۔ مثلاً مجلس میں کوئی ایسا شخص ہو جس کا شیوہ لوگوں کی عزتیں اور پگڑیاں اچھالنا ہو، یا مجلس ولیمہ میں کوئی منکر ہو۔ مثلاً ریشم بچھا ہو یا سونے چاندی کے برتن ہوں یا مجلس میں ناؤنوش کا انتظام ہو، یا مجلس میں گانے بجانے، عورتوں کے رقص اور آلات لہو ولعب کا انتظام یا مجلس میں پوری پوری تصویریں آویزاں کی گئی ہوں، ہاں البتہ سر کٹی تصویریں اور آفاق ومناظر کی سینریوں میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کامل تصویر بالا جماع حرام ہے اور حرام چیز کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

ہجوم اور لوگوں کی بھیڑ کو بھی اعذار میں سے شمار کیا گیا ہے، چنانچہ لوگوں کی بھیڑ سے بھی قبول دعوت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح مدعو آیا اور آگے دروازہ بند کر دیا گیا تو بھی وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں جمعہ کے اعذار یعنی جن سے جمعہ کے لئے جامع مسجد نہ جانا مباح ہو جاتا ہے وہ اعذار قبول دعوت میں بھی موثر ہیں جیسے بارش، کیچڑ، قریبی رشتہ دار کی تیمارداری کی جانے پر مال کے ضیاع کا خوف ہو تو قبول دعوت واجب نہیں۔ ❶

آلات لہو ولہب کا حکم مالکیہ کے نزدیک...... مالکیہ کہتے ہیں بگل اور بانسری وغیرہ بجانا مکروہ ہے بشرطیکہ کثرت سے نہ بجائے جاتے ہوں، اور اگر کثرت سے بجائے جاتے ہوں کہ مجلس کا منظر محفل لہو ولعب دکھائی دے تو بجانا حرام ہے۔ ایسا گانا جو فحش کلام پر مشتمل ہو یا ہذیان وبکواسات کا مجموعہ ہو اسے گانا بھی حرام ہے۔

دف بجانا مکروہ نہیں بشرطیکہ دف کے ساتھ دوسرے منکرات نہ ہوں، چنانچہ اگر دف کے ساتھ بین باجے بھی ہوں رقص وسرور بھی ہو تو دف بجانا حرام ہوگا، بڑا طبلہ جو مدور ہو بجانا بھی مکروہ نہیں۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ آلات ملاہی نہ ہوں۔

عز بن عبدالسلام کہتے ہیں: رہی بات عود باجے اور وتر وتانت والے معروف آلات جیسے چنگ ورباب سو مذاہب اربعہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ان آلات کا بجانا اور سننا حرام ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ یہ آلات صغائر میں شمار کیے گئے ہیں۔ چنانچہ صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ ان آلات کا بجانا جائز ہے۔ ❷

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نص اور قیاس اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ گانا سننا، ❸ چھوٹا طبلہ بجانا اور دف وغیرہ بجانا مباح ہے۔ اس اباحت سے آلات ملاہی، وتر والے آلات، سارنگی اور باجے مستثنیٰ ہیں چونکہ شریعت میں ان کے بارے صریح ممانعت

---

❶...... پاکستان میں بعض شہروں میں شادی کے موقع پر سلامی یا نیندرہ کا عام رواج ہے جسے باقاعدہ اندراج میں لایا جاتا ہے تاکہ سلامی دینے والا اپنے عزیز کی شادی پر واپس لے اور دی ہوئی مقدار سے زیادہ لے علماء نے اسے سود کہا ہے اس لئے حرام ہے۔ تفصیل کے لئے مطلولات دیکھئے۔ ❷ واضح رہے حالات و ظروف اور زمانہ کے بدلنے سے فتوی بدل جاتا ہے، آج کے واہی تباہی دور میں ان آلات یعنی چنگ ورباب کا بجانا اور سننا حرام قطعی ہے۔ یہی حال بڑے طبلے کا ہے۔ ❸ گانے سے مراد اچھی سر کے ساتھ مباح کلام گنگنانا ہے جس کے ساتھ بین باجے نہ ہوں۔

وارد ہوئی ہے۔

رقص.....شادی کے موقع چونکہ رقص وسرود کی محفل بھی جمائی جاتی ہے اس مناسبت سے یہاں رقص کا حکم بیان کرنا ضروری ہے، چنانچہ رقص کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک رقص مکروہ ہے، ایک اور جماعت کے نزدیک مباح ہے، جبکہ علماء کی ایک جماعت نے ارباب احوال اور ارباب غیر احوال میں فرق کیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اصحاب حال ہوں (یعنی رقص سے ان پر صوفیائی کیفیت طاری ہو جائے) ان کے لئے جائز ہے ان کے علاوہ اوروں کے لئے مکروہ ہے۔ عز بن عبدالسلام کہتے ہیں: یہ پسندیدہ قول ہے، یہی رائے اکثر فقہاء کی ہے جو گانا سننے کی گنجائش سمجھتے ہیں، میں نے قبل ازیں وضاحت کردی ہے کہ اگر گانے اور رقص کے ساتھ عورتیں یا ہیجڑے اور بے ریش ہوں تو رقص وگانا حرام ہے۔

۷۔ زفاف کے وقت پڑھنے کے وظائف..... جب دلہن زفاف کے لئے دولہا کے پاس لے جائی جائے تو خاوند حسب ذیل وظائف پڑھے۔

ا.....صالح بن احمد، ابوسید کے آزاد کردہ غلام ابوسعید سے نقل کرتے ہیں کہ جب انہوں نے شادی کی تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے عبداللہ بن مسعود، ابوذر اور حذیفہ رضی اللہ عنہم (وغیرہ) ان کے پاس تشریف لائے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، صحابہ کرام نے ابوسعید کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا حالانکہ وہ مملوک تھے، انہوں نے صحابہ کو نماز پڑھائی، جب فارغ ہو چکے تو صحابہ نے ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

جب تم زفاف کے لئے اپنی دلہن کے پاس جانے کا ارادہ کرو تو پہلے دو رکعتیں نماز پڑھ لو پھر اسکی چوٹی پکڑ کر یہ دعا پڑھو:

اللّٰھم بارك لی فی اھلی وبارك لاھلی فی وارزقھم منی وارزقنی منھم

یا اللہ! میری بیوی میں میرے لئے برکت کر اور میری بیوی کے لئے میرے اندر برکت کر، اسے مجھ سے اولاد عطا فرما اور مجھے اس سے اولاد عطا فرما۔ اس کے بعد بیوی کے ساتھ عمل زفاف کرو۔

ب.....ابوداؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حدیث روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے یا کوئی خادم خریدے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اللّٰھم انی اَسئَلُكَ خیر ھا وخیر ما جبلت علیه واعوذبك من شر ھا و شر ما جبلتھا علیه

یا اللہ میں تجھ سے اس دلہن یا اس خادم کی بھلائی مانگتا ہوں اور جس مقصد کے لئے تو نے اسے پیدا کیا اسکی بھلائی مانگتا ہوں، اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور جس شر پر اسے پیدا کیا اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ اور جو شخص اونٹ خریدے وہ اس کی کوہان کی چوٹی پکڑ کر یہی دعا پڑھے۔

گاڑی اور گھر وغیرہ خریدنے پر بھی یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

تیسری فصل.....محرمات یا حرام نکاح

شرائط نکاح میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ مرد جس عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس پر حرام نہ ہو، یعنی وہ عورت محل نکاح ہو، حنفیہ کے نزدیک عورت کے نکاح کے لئے محل ہونے کی دو صورتیں ہیں:

(۱).....محلیۃ اصلیہ (۲) محلیہ فرعیہ

پہلی صورت انعقاد نکاح میں شرط ہے اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو عقد باطل ہو جاتا ہے چونکہ محلیہ اصلیہ حقیقت میں تحریم قطعی ہوتی ہے، دوسری صورت نکاح کے صحیح ہونے کی شرط ہے اگر شرط مفقود ہوئی تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس صورت کی تحریم ظنی ہے۔

عقد نکاح کا محل..... شریعت میں ہر وہ عورت جو حلال ہو وہ دو طریقوں سے حلال ہو جاتی ہے یا تو اس کے ساتھ نکاح کیا جائے یا اسے باندی بنا کر ملکیت میں لایا جائے۔

محرمات..... (وہ عورتیں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہو) کی دو قسمیں ہیں:

(۱)..... وہ عورتیں جو علی التابید (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوں)۔

(۲)..... اور وہ عورتیں جن کی حرمت وقتی اور عارضی ہو پھر ابدی تحریم یا تو نسبی اعتبار سے ہوگی یا سسرالی حرمت کے اعتبار سے ہوگی یا رضاعت کے اعتبار سے ہوگی۔[1]

محرمات کی تعداد..... مالکیہ کے نزدیک محرمات کی تعداد ۴۸ ہے، ان میں سے پچیس عورتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔ ان میں سات عورتیں تو نسبی اعتبار سے حرام ہیں وہ یہ ہیں: ماں، بیٹی، خالہ، بہن، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی، یہ رشتے رضاعی بھی حرام ہیں۔ چار عورتیں سسرالی حرمت کی وجہ سے حرام ہیں: بیوی کی ماں اور اس کی بیٹی، باپ کی بیوی اور بیٹے کی بیوی، یہ رشتے رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، ملاعنہ (جس کے ساتھ لعان کیا ہو) اور جو عورت عدت میں ہو یہ سب حرام ہیں۔

غیر موبدات..... یعنی وہ عورتیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہوں بلکہ عارضی اور جزوقتی حرام ہوں۔ ایسی عورتوں کی تعداد تیرہ (۱۳) ہے۔ جو کہ یہ ہیں: مرتدہ، غیر کتابیہ، چار سے زائد پانچویں بیوی، جو عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو، معتدہ وہ عورت جو عدت گزار رہی ہو، مستبرأہ (وہ عورت جو برأت رحم کر رہی ہو) حاملہ عورت، وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی ہو، مشترکہ باندی، کافرہ باندی، مسلمان باندی اس شخص کے لئے حرام ہے جو مہر کی قدرت رکھتا ہو، بیٹے کی باندی، اپنی باندی، غلام پر مالکن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، آقا کی ماں غلام پر حرام ہے، وہ عورت جو حالت احرام میں ہو، مریضہ، بیوی کی بہن بیوی کی خالہ، بیوی کی پھوپھی، چنانچہ ان دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں، جمعہ کے دن زوال کے وقت کی منکوحہ، وہ عورت جسے پہلے پیغام نکاح دیا جا چکا ہو اور پیغام دہندہ کی طرف میلان بھی ہو اور نابالغ یتیم لڑکی۔

پہلی نوع: محرمات موبدہ..... ان سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں، کیونکہ ان عورتوں میں سبب دائمی پایا جاتا ہے، جیسے بنوت (بیٹا ہونے کا تعلق) امومت (ماں ہونے کا تعلق) اخوۃ، یہ محرمات تین اسباب میں منحصر ہیں:

(۱)..... قرابت (۲)..... مصاہرت (۳)..... رضاعت۔

۱۔ حرمت قرابت یا نسبی محرمات..... نسبی محرمات جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوں وہ عورتیں ہیں جو نسبی قرابت کی وجہ سے مرد پر حرام ہوں، ایسی عورتوں کی چار انواع ہیں۔

۱۔ انسان کے اصول یعنی ماں، دادی، پڑدادی:

وہ یہ عورتیں ہیں: ماں، دادی، نانی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ..... النساء ۴/ ۲۳

---

[1] ..... البدائع ۲/ ۲۵۶، تبيين الحقائق ۲/ ۱۰۱، فتح القدير ۲/ ۳۵۷، غاية المنتهى ۳/ ۳۰ الدرالمختار بداية المجتهد ۲/ ۳۱، القوانين الفقهية ۲۰۴، مغنی المحتاج ۳/ ۱۷۴، المهذب ۲/ ۴۲ المغنی ۶/ ۵۴۳، كشف القناع ۵/ ۷۴

تمہارے اوپر تمہاری ماؤں کو حرام کر دیا گیا ہے۔

آیت میں اُم کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ماں دادی اور نانی۔ اگر چہ اوپر چلے جائیں۔

ب۔ انسان کے فروع، اولاد:

وہ یہ عورتیں ہیں: بیٹی، نواسی، پوتی، اگر چہ اور نیچے آجائیں یعنی پڑپوتی، لکڑپوتی......الخ۔ کیونکہ آیت میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ ......النساء ۴/۲۳

تمہارے اوپر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں۔

ج۔ والدین کے فروع:

ماں باپ دونوں یا کسی ایک کی اولاد بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہے۔ اگر چہ ان کا درجہ دور کا ہو، وہ عورتیں یہ ہیں: سگی بہنیں، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، مذکورہ بہنوں کی بیٹیاں، بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں پھر ان کی بیٹیوں کی بیٹیاں اگر چہ اور نیچے تک چلی جائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ ......النساء ۴/۲۳

تمہارے اوپر بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں۔

د۔ طبقہ اولیٰ:

یعنی پہلے طبقہ کی عورتیں بھی علی التابید حرام ہیں۔ ان سے مراد دادا دادی اور نانا نانی کی اولاد ہیں۔ جو یہ ہیں: پھوپھیاں، خالائیں، برابر ہے کہ براہ راست مرد کی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یا ماں باپ، دادی، دادا کی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یہ سب حرام ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ ......النساء ۴/۲۳

تمہارے اوپر تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں حرام کر دی گئی ہیں۔

جبکہ دوسرے طبقہ کی عورتیں مرد پر حرام نہیں ہیں ان سے مراد یہ عورتیں ہیں: پھوپھیوں کی بیٹیاں، چچاؤں کی بیٹیاں، خالاؤں کی بیٹیاں اور ماموؤں کی بیٹیاں۔ چونکہ یہ عورتیں آیت کے اس مضمون میں داخل ہیں:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/۲۴

مذکورہ عورتوں کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

دوسری دلیل:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ، وَبَنٰتِ عَمِّكَ، وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ

اے نبی ہم نے تمہارے لئے تمہاری ان بیویوں کو حلال کر دیا ہے جنہیں تم نے ان کے مہر دے دیے ہوں اور وہ باندیاں جو تمہاری ملکیت میں آچکی ہوں اور وہ مال غنیمت میں اللہ نے تمہیں عطا کی ہوں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں

اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں بشرطیکہ وہ تمہارے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہوں۔

سوریہ کے قانون دفعہ ۳۳ کے ذیل میں ان محرمات پر یوں صراحت کی گئی ہے انسان پر اس کے اصول وفروع، والدین کے فروع اور اجداد کے فروع میں سے طبقہ اولیٰ کی عورتیں حرام ہیں۔ قرابتی محرمات کے سات گروہ ہیں:

مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں۔

ان عورتوں کی حرمت کی حکمت...... یہ ہے کہ انسان کی عائلی اور خاندانی زندگی محبت وخلوص کی ان اعلیٰ بنیادوں پر استوار رہے جن میں کسی قسم کی مصلحت کوشی کا شائبہ تک آڑے نہ آنے پائے۔ چنانچہ تحریم سے طمع کی جڑ کٹ جاتی ہے اور یوں اختلاط اور اجتماع پاکیزہ رہتا ہے، میاں بیوی کے درمیان نزاع اور جھگڑا ہو جانا معمول کی بات ہے اگر ان محرمات میں سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جائے تو نزاع اور جھگڑے کی صورت میں قطع رحمی ہو جاتی ہے، جبکہ قطع رحمی حرام ہے اور جو امر حرام تک پہنچانے کا سبب بنے وہ بھی حرام ہوتا ہے، علامہ کاسانی نے یہی لکھا ہے۔ ❶

علاوہ ازیں قریب کی رشتہ دار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے پیدا ہونے والی اولاد جسمانی طور پر کمزور اور مریض ہوتی ہے، اس کے برخلاف اگر دور کے رشتہ داروں میں شادی کی جائے تو اولاد چست وتوانا پیدا ہوتی ہے، طبی اور شرعی اعتبار سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اس مضمون میں ایک اثر منقول ہے۔ **اعتزلوا الا تضووا**۔ یعنی دور کی عورت سے نکاح کرو تا کہ تمہاری اولاد کمزور نہ پیدا ہو۔

۲۔ حرمت مصاہرت...... اردو میں حرمت مصاہرت کو سسرالی حرمت سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ سسرالی حرمت کے سبب محرمات کی بھی چار انواع ہیں:

ا۔ اصول کی بیوی...... یعنی باپ، دادا، پردادا اگر چہ اوپر چلے جاؤ کی بیویاں حرام ہیں۔ یہ اصول خواہ ذوی الارحام میں سے ہوں، یا عصبات میں سے ہوں، خواہ اصول نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو جیسے باپ کی بیوی، دادا کی بیوی، نانا کی بیوی اسی طرح پردادا اور پرنانا کی بیوی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا﴾ النساء ۴/۲۲

ان عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جن کے ساتھ تمہارے آباؤ اجداد نے عقد نکاح کر لیا ہو، اس سے قبل جو ہونا تھا وہ گزر چکا، چونکہ یہ نکاح بے حیائی اور سخت گناہ کی بات ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

آیت مذکورہ میں ما نکح سے مراد عقد نکاح ہے، یعنی اصول نے جس عورت کے ساتھ عقد نکاح کیا ہو وہ فروع پر حرام ہو جاتی ہے خواہ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اب کا اطلاق باپ اور دادا دونوں پر ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی رو سے صرف باپ کی زوجہ بیٹے پر حرام ہے، رہی بات باپ کی منکوحہ کی بیٹی اور ماں کی سو وہ بیٹے پر حرام نہیں، چنانچہ ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس عورت کی بیٹی یا ماں کے ساتھ اس شخص کا بیٹا بھی نکاح کر سکتا ہے۔

سبب تحریم...... شریعت نے آباؤ اجداد کے احترام وعزت کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ اصول کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنے سے یہ احترام مجروح ہو جاتا ہے، اس حرمت کا لحاظ رکھ کر خاندان امن وآشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے اور فتنہ وفساد برپا نہیں ہوتا، کیونکہ اگر یہ حرمت نہ ہوتی تو باپ کی منکوحہ پر بیٹا تاک جھانک کرنے لگ جاتا، عادۃ باپ بیٹا اکٹھے رہتے ہیں اور یوں اختلاط کی صورت میں اس فتنے کا اور زیادہ اندیشہ ہو جاتا ہے۔

---

❶ ...... البدائع ۲/۲۰۷

ب۔ فروع کی منکوحہ...... یعنی بیٹے، پوتے پڑپوتے اگر چہ نیچے چلے جائیں کی منکوحہ اصول پر حرام ہوتی ہے خواہ وہ عصبات میں سے ہوں یا ذوی الارحام میں سے ہوں، برابر ہے فرع (اولاد) نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر چہ منکوحہ کو طلاق ہو چکی ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو، جیسے بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی یا بیٹی، نواسی پھر نواسی کی بیٹی اگر چہ اور نیچے چلے جائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ...... النساء ۴/ ۲۳

اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے صلبی بیٹے ہوں۔

بہو کے ساتھ نکاح باطل ہوتا ہے اس پر نکاح کا اثر مرتب نہیں ہوتا، فقہاء کہتے ہیں کہ محض عقد ہو جانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ بیٹے نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

حنفیہ نے مذکورہ بالا حرمت کے ساتھ ایسی عورت کو بھی شامل کیا ہے جس کے ساتھ اصل (باپ یا فرع (بیٹے) نے وطی کر دی ہو اور وہ وطی زنا ہو یا نکاح فاسد میں وطی کر دی ہو، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک حرمت کے لئے محض وطی کافی ہوتی ہے۔

مذکورہ حرمت کے حوالے سے نسبی بیٹے اور رضاعی بیٹے میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ نسبی بیٹے کی بیوی اور رضاعی بیٹے کی بیوی نسبی باپ اور رضاعی باپ پر حرام ہے، کیونکہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہوں۔

ج۔ بیوی کے اصول...... یعنی بیوی کی ماں، دادی، پردادی اگر چہ اور اوپر چلے جائیں۔ خاوند پر حرام ہے، خاوند نے خواہ بیوی کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، چنانچہ محض عقد ہو جانے سے بیوی کے اصول خواہ باپ کی طرف سے ہوں جیسے دادی، پردادی خواہ ماں کی طرف سے ہوں جیسے نانی، پرنانی خاوند پر حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر خاوند نے بیوی کو طلاق دے دی یا بیوی مر گئی پھر بھی بیوی کی ماں دادی سے نکاح حرام ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وامھات نسائکم۔ اور تمہاری بیویوں کی مائیں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں۔ (النساء ۴/ ۲۳)

د۔ بیوی کے فروع...... یعنی بیوی کی بیٹی، پھر بیٹی کی بیٹی اگر چہ اور نیچے چلے جائیں خاوند پر حرام ہے، عموماً مطلقہ عورت اپنے ساتھ پہلے خاوند کی بیٹی لے آتی ہے جو دوسرے خاوند کی پرورش میں ہوتی ہے جسے فقہی اصطلاح میں ربیبہ کہا جاتا ہے اور اردو میں پروردہ لڑکی کہا جاتا ہے، چنانچہ ربیبہ خاوند پر حرام ہے البتہ اس میں دخول کی شرط ملحوظ ہے کہ اگر خاوند نے منکوحہ کے ساتھ صحبت کر دی ہو تو اسکی سابق خاوند کے نطفہ کی بیٹی (ربیبہ) خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، اور اگر خاوند نے دخول نہ کیا ہو اور منکوحہ کو طلاق دے دے یا منکوحہ مر جائے تو ربیبہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں منکوحہ کی بیٹی یا بیٹی کی بیٹی خاوند کے لئے حلال ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

اور تمہاری وہ پروردہ لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں اور تمہاری ان عورتوں کے بطن سے ہوں جن سے تم نے صحبت کر لی ہوں تو وہ بھی تمہارے اوپر حرام ہیں اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو تو ان لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ النساء ۴/ ۲۳

منکوحہ کی بیٹی خواہ خاوند کے گھر میں رہائش پذیر ہو یا نہ ہو اور آیت میں مذکورہ قید فی حجورکم (یعنی جو تمہاری پرورش میں ہوں) غالب احوال کے پیش نظر لائی گئی ہے۔

اس حرمت کا سبب یہ ہے کہ نکاح قطع رحمی پر منتج ہوتا ہے، برابر ہے کہ منکوحہ کی بیٹی خاوند کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔

حنفیہ کے نزدیک زوجہ کے اصول اور فروع کے ساتھ ایسی عورت کے اصول وفروع بھی داخل ہیں جس سے حرام وطی کر دی گئی ہو یا شبہ کی بناء پر وطی کر دی گئی ہو۔

حرمت مصاہرت کے حوالے سے اوپر مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ملحوظ رہے کہ کسی عورت کے ساتھ محض عقد کر لینے سے حرمت مصاہرہ

ثابت ہوجاتی ہے ہاں البتہ اس عورت کے فروع (اولاد) کے لئے حرمت بعد از وطی ثابت ہوتی ہے، اس مسئلہ میں فقہاء نے ایک قاعدہ مقرر کر رکھا ہے۔ بیٹیوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے ان کی مائیں حرام ہوجاتی ہیں اور ماؤں کے ساتھ صحبت کر لینے سے بیٹیاں حرام ہوجاتی ہیں۔

گویا بیٹی کے ساتھ محض عقد نکاح کر لینے سے ساس حرام ہوجاتی ہے خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو جبکہ ماں کے ساتھ عقد نکاح کرنے سے بیٹی حرام نہیں ہوتی بلکہ تب حرام ہوتی ہے جب صحبت کر لی جائے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے بیٹے یا بیٹی سے ایسی ہی محبت کرتا ہے جیسی اپنی جان سے محبت ہوتی ہے اس کے برخلاف اصول سے ایسی محبت نہیں ہوتی، چنانچہ عقد کے بعد ماں کی بیٹی سے نکاح کر لینے سے ماں کو اذیت اور تکلیف نہیں پہنچے گی۔

حرمت مصاہرت کی حکمت...... امام دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس نوع کے رشتہ داروں میں تنازعات اور جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس لئے شریعت نے حرمت مصاہرت کے ذریعے ان تنازعات کا ازالہ چاہا ہے، تا کہ لوگ سسرالی حرمت کا لحاظ رکھیں اور تنازعات سے دور رہیں۔ ❶

سسرالی حرمت کے ملحقات...... حنفیہ نے درج ذیل صورتوں کو سسرالی حرمت کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

۱..... عقد فاسد میں جس عورت سے صحبت کر دی اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح ہوا اور منکوحہ کے ساتھ ناکح نے صحبت کر دی تو سسرالی حرمت ثابت ہوگی۔

۲..... شبہ کی بنا پر جس عورت کے ساتھ صحبت کر دی گئی تو بھی سسرالی حرمت ثابت ہوگئی، اس کی صورت مسئلہ یوں ہے مثلاً ایک شخص کا کسی عورت سے عقد نکاح ہوا لیکن زفاف کے لئے منکوحہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت لائی گئی اور ناکح سے کہہ دیا گیا کہ یہ تمہاری بیوی ہے، ناکح اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کر بیٹھے پھر بعد میں حقیقت حال سے آگاہی ہو کہ یہ تو وہ عورت نہیں جس کے ساتھ اس کا عقد نکاح ہوا تھا اور نہ ہی اس نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ ایسی عورت کو اصطلاح میں۔ مذفوفہ کہا جاتا ہے۔

۳..... اسی طرح حنفیہ نے حنابلہ کے ساتھ درج ذیل صورتوں کو بھی سسرالی حرمت کے ساتھ ملحق کیا ہے، چنانچہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے، اسی طرح مقدمات زنا اور دواعی زنا سے بھی حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے دواعی زنا سے مراد عورت کو چومنا، مس کرنا نظر شہوت سے دیکھنا، ایسی عورت جو نکاح، ملک یمین اور شبہ نکاح میں نہ ہو (بلکہ عام اجنبی عورت ہو) کو نظر شہوت سے دیکھا یا اسے چوم لیا یا اس کے ساتھ زنا کر لیا تو ان سب امور سے سسرالی حرمت ثابت ہو جائے گی، گویا دواعی زنا چومنا اور نظر شہوت ایسا سبب ہے جو وطی کا باعث بنتا ہے اس لئے احتیاطاً سبب زنا اور دوائی زنا کو زنا کے قائم مقام تصور کیا گیا ہے۔ ❷

حنابلہ نے لواطت (غیر فطری فعل) کو بھی زنا کے ساتھ ملحق کیا ہے، چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں کہ حرام محض تو زنا ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ آگے سے ہو وہ بھی زنا خواہ پیچھے سے ہو وہ بھی زنا ہے۔ چنانچہ اگر زنا آزاد عورت سے ہو یا باندی سے ہو تو اس سے تحریم متعلق ہوجاتی ہے۔

اوپر یہ مذکور ہوا کہ غیر فطری فعل عورت کے ساتھ کیا جائے تو اس سے بھی سسرالی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

اور اگر اغلام بازی (بد فعلی کسی لڑکے کے ساتھ) کی گئی تو اس سے بھی تحریم ثابت ہوجاتی ہے، چنانچہ لواطت کرنے والے پر لڑکے کی ماں اور بیٹی حرام ہوجائے گی، اسی طرح لڑکے پر لواطت کرنے والے کی ماں اور بیٹی حرام ہوگی، کیونکہ بد فعلی بھی تو شرمگاہ میں ایک قسم کی وطی ہے جو کہ حرام ہے اور اس سے حرام کا ارتکاب ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی غیر منکوحہ عورت کے ساتھ وطی کرنا، نیز جس عورت کے لئے حرمت ثابت ہوگی وہ

---

❶..... حجة الله البالغه ❷البدائع ۲/ ۲۶۰، المغنی ۶/ ۵۷۷، فتح القدیر ۲/ ۳۶۵.

وطی کرنے والے کی بیٹی ہوگی یا ماں ہوگی لہٰذا دونوں مفعول پر حرام ہوں گی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی عورت کے ساتھ وطی کر لی۔

اس رائے کے مطابق درج ذیل صورتیں مرتب ہوتی ہیں، زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی زانی پر حرام ہوگی، ولد الزنا کی بہن زانی پر حرام ہو گی، ولد الزنا کی بیٹی بھی زانی پر حرام ہوگی، ولد الزنا کی پوتی، بھتیجی بھی حرام ہوگی، اسی طرح مزنیہ کی ماں اور دادا، نانی بھی زانی پر حرام ہوگی، زانی پر، مزنیہ کی بیٹی اور ماں حرام ہوں گی، اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا بیٹی جو کسی دوسرے خاوند کے نطفہ سے ہو کے ساتھ زنا کر دیا تو بیوی زانی پر علی التابید حرام ہو جائے گی۔

حنفیہ اور حنابلہ نے مذکور بالا اپنے مسلک پر دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

اول..... روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت کے ساتھ زنا کر دیا تھا، کیا اب میں اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس نکاح کو روا نہیں سمجھتا، یہ اچھا نہیں کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جائے جس کی ماں کو آ گاہی ہو کہ ناکح اب اس کی بیٹی سے شہوت پوری کرے گا۔ لیکن یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے، جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے۔

دوم..... زنا اولاد کا سبب ہے، لہٰذا غیر زنا پر قیاس کرتے ہوئے اس سے بھی تحریم ثابت ہوگی، اور یہ کہ زنا کا حرام ہونا موثر نہیں اس دلیل سے ہے کہ عقد فاسد میں عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے بالاتفاق حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے اگر چہ یہ صحبت حرام تھی۔

تبصرہ..... مذکور قیاس کو رد کیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے چونکہ زنا سے حد واجب ہوتی ہے اور زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، بخلاف اس کے کہ عقد نکاح (خواہ فاسد ہی ہو) میں وطی کی جائے تاہم ولد کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

اسی لئے ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ نکاح قابل ستائش امر ہے میں اس کی مدح کرتا ہوں جبکہ زنا فعل شنیع ہے اس پر میں مجرم کو رجم کرتا ہو، بھلا یہ دونوں کیسے مشابہ ہو گئے۔ [1]

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: زنا اور مقدمات زنا یعنی نظر شہوت سے عورت کو دیکھنا، چومنا وغیرہ سے سسرالی حرمت ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کر لے اس کے ساتھ نکاح کرنا اس شخص پر حرام نہیں ہوگا، اسی طرح مزنیہ کی ماں اور اس کی بیٹی کے ساتھ زانی نکاح کر سکتا ہے، مزنیہ عورت زانی کے اصول وفروع پر بھی حرام نہیں ہوگی، اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا کسی دوسرے خاوند سے بیوی کی لڑکی سے زنا کیا تو زانی پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی، اور اگر کسی شخص نے کسی لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی تو لڑکے کی ماں اور بیٹی بدفعل پر حرام نہیں ہوگی لیکن اس قسم کا نکاح مکروہ ہے۔ [2]

مالکیہ اور شافعیہ نے چار دلائل سے استدلال کیا ہے۔

اول..... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر دیا تھا اور اب وہ اس عورت کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے یا اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام فعل سے حلال فعل حرام نہیں ہوتا حرمت تو وہ ہے جو نکاح سے ہو۔ [3]

چنانچہ اس استدلال کے متعلق علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ زنا سے سسرالی حرمت ثابت نہیں ہوتی حتیٰ کہ زانی مزنی بہا کی ماں سے شادی کر سکتا ہے

---

[1] ..... اس تبصرہ پر بھی نقد وارد کیا گیا ہے کہ وجہ جامع عقد کا ہونا یا فعل کا قابل ستائش ہونا اور قبیح شنیع ہونا نہیں بلکہ نفس وطی کا ہونا ہے جو ولد کا سبب ہے چنانچہ نکاح اور زنا دونوں میں وطی ہوتی ہے۔ [2] الشرح الصغیر ۲/ ۳۴۷، مغنی المحتاج ۳/ ۱۷۵۔ [3] اخرجه البيهقي عن عائشه وضعفه واخرجه ابن ماجه عن ابن عمر۔

اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ زانی کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور زانی کے نصیب میں اپنے ہی جیسی عورت ہوتی ہے جس سے وہ نکاح کرتا ہے۔ ❶ ایک شخص نے کسی زانیہ عورت کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ......النور ۲۴/۳

زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی ہی یا کوئی مشرک۔ ❷

دوم..... مصاہرت (سسرالی تعلق) نعمت ہے کیونکہ سسرالی رشتہ ہی سے غیر لوگ اپنے بن جاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ:

المصاهرة لحمة كلحمة النسب

رہی بات زنا کی سو وہ تو شرعاً ممنوع ہے وہ نعمت کا سبب نہیں بن سکتا۔ ❸

سوم..... حرمت مصاہرہ کے اثبات سے یہ مقصد ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان طمع منقطع ہو جائے اور الفت ومحبت اور یگانگت استوار ہو جائے اور کسی قسم کے بھی تردد وریب سے پاک معاشرہ وجود میں آئے، رہی بات مزنی بہا (وہ عورت جس سے زنا کیا جائے) کی وہ تو مرد کے لئے اجنبی ہوتی ہے اور وہ شرعی طور پر اس مرد کی طرف منسوب نہیں کی جاتی اور نہ ہی زانی اور مزنی بہا کے درمیان حق وراثت ثابت ہوتا ہے، نہ ہی زانی پر مزنی بہا کا نفقہ لازمی ہوتا ہے، گویا مزنی بہا کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے کی کوئی راہ نہیں، مزنی بہا بھی اجانب (اجنبیوں) کے مترادف ہے چنانچہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

چہارم..... فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/۲۴

ان عورتوں کے علاوہ باقی سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

آیت میں صراحت ہے کہ ماقبل مذکورہ عورتوں کے علاوہ باقی سب عورتیں حلال ہیں، جبکہ ماقبل کی مذکور محرمات میں مزنی بہا نہیں ہے لہٰذا حلال کے عموم میں مزنی بہا بھی داخل ہے۔

مصنف کا تبصرہ..... فریقین کے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریق اول کے دلائل ضعیف ہیں اور فریق ثانی کی رائے راجح ہے تاکہ حلال ومشروع اور حرام ومحظور میں امتیاز کیا جائے۔

مترجم کا تبصرہ..... مزاج شریعت اس امر کا مقتضی ہے کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرہ ثابت ہو اور فریق ثانی کے بیان کردہ دلائل میں بھی صراحتہً اجازت نہیں نیز زنا سے حرمت کا ثبوت ہے نہ کہ نعمت کا۔ علاوہ ازیں مثال کے طور پر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہو اور پھر وہ اس کی بیٹی سے نکاح کا خواہشمند ہو تو بتائیے

جب داماد ساس سے ملے گا ان کی ندامت اور جہالت کا کیا عالم ہوگا جبکہ داماد اور ساس کا میل ملاپ مسلم معاشرہ میں، مروج اور عام ہے۔ یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۵ فروری ۲۰۱۱ء کو ایک صاحب نے مسئلہ دریافت کیا۔ مستفتی کا بیان تھا کہ میں نے قبل ازیں ایک عورت سے زنا کر لیا اور اب گھر والوں نے مزنی بہا کی بیٹی کے ساتھ میرا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ میں نے پوچھا: بھئی ایمان سے بتاؤ: مزنی بہا کی

---

❶.....رواه احمد وابوداؤد، وقال في الفتح، رجاله ثقات ❷رواه احمد والطبراني في الكبير والاوسط وقال الهيثمي ورجال احمد ثقات، اس زانیہ عورت کا نام ام مهزول کہا جاتا ہے۔ ❸المعروف حديث البخاري عن ابن عباس (حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع (جامع الاصول ۲/ ۱۴۴)

کی سے نکاح کرنے کو تمہارا دل چاہتا ہے؟ وہ بولا، مولانا صاحب: آپ خود اندازہ کرلیں اگر یہ رشتہ تکمیل ہو جاتا ہے تو میں اپنے بیوی کو ساتھ لے کر ساس سے کیسے ملوں گا اور کس منہ سے ملوں گا میری غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ آخر مسلمان کو ندامت ہو جاتی ہے اور وہ اس فعل کو قبیح اور شنیع سمجھنے لگتا ہے اور آئندہ کے لئے اپنی سوچ اور زاویہ نگاہ درست کر لیتا ہے، تاہم فطرت سلیمہ ایسے نکاح کی اجازت نہیں دیتی نیز اگر زانی کے لئے حرمت مصاہرہ ثابت نہ کی جائے تو اس کے لئے زنا کی راہ اور زیادہ ہموار ہو جائے گی بہتر ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ پابندی کا سامنا رہے۔ بالخصوص آج کے بے راہ روی کے دور میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ حرمت مصاہرہ بسبب زنا کی پوری طرح تائید کی جائے۔ واللہ اعلم (از مترجم)

سوریہ کے قانون دفعہ ۳۴ کے تحت سسرالی محرمات پر یوں تصریح کی گئی ہے۔

۱۔ مرد پر باپ اور اولاد کی بیوی حرام ہے اور ان میں سے کسی ایک کی موطوءہ بھی حرام ہے۔

۲۔ موطوءہ کے اصول اور فروع (یعنی ماں اور بیٹی) اور بیوی کی ماں دادی بھی حرام ہے۔

(۳) حرمت رضاعت (دودھ سے متعلقہ حرمت):

رضاعت کے بسبب محرم عورتیں وہی ہیں جو نسب سے حرام ہوتی ہیں، نسبی اعتبار سے اس کی چار انواع ہیں اور مصاہرت کے اعتبار سے بھی چار انواع ہیں کل ملا کر آٹھ انواع بن جاتی ہیں، حرمت رضاعت کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ...... النساء ۴/ ۲۳

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں بھی تمہارے اوپر حرام ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ [1]

جس طرح رضاعت سے قریبی رشتہ دار عورتیں حرام ہو جاتی ہیں اسی طرح رضاعت سے سسرالی رشتے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ گویا رضاعت کو نسب پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کا مفہوم بھی یہی ہے اور حدیث کا بھی یہی مضمون ہے، گویا آیت اور حدیث کے مضامین سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے۔ رضاعت کے بسبب وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب اور مصاہرت کے بسبب حرام ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ دو صورتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں میں عنقریب ان دونوں صورتوں کا تذکرہ کروں گا۔

رضاعی محرمات کی آٹھ انواع ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

اول..... انسان کے رضاعی اصول (یعنی رضاعی ماں، رضاعی دادی، رضاعی پردادی) بسا اوقات اوپر تک جا پہنچتے ہیں۔

دوم..... بسا اوقات رضاعی فروع نیچے تک آ جاتے ہیں اور وہ رضاعی بیٹی، رضاعی نواسی، رضاعی پوتی اور رضاعی پوتی کی بیٹی اس سے بھی نیچے آ جائیں، کیونکہ یہ عورتیں رضیع کے بھائی اور بہنوں کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

سوم..... رضاعی والدین کے فروع، ان سے مراد رضاعی بہنیں اور رضاعی بھائی بہنوں کی بیٹیاں، چونکہ یہ عورتیں بھتیجیاں ہیں یا بھانجیاں ہیں۔

چہارم..... رضاعی دادا اور دادی کے براہ راست فروع (اولاد)۔ ان سے مراد رضاعی پھوپھیاں اور رضاعی خالائیں ہیں، رضاعی پھوپھی سے مراد وہ عورت ہوتی ہے جو دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی بہن ہو (یعنی دودھ ماں کی نند) اور رضاعی خالہ دودھ ماں کی بہن ہوتی ہے، چنانچہ رضاعی پھوپھیوں اور رضاعی چچاؤں، رضاعی خالاؤں رضاعی ماموؤں کی بیٹیاں رضیع (دودھ پینے والے مرد) کے لئے حرام

---

[1] ..... رواہ الجماعۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (جامع الاصول ۱۲/ ۱۴۲، نیل الاوطار ۶/ ۳۱۷)

نہیں ہوتی، جیسے کہ یہ رشتے نسبی صورت میں بھی حرام نہیں ہوتے۔ ❶

پنجم...... بیوی کی رضاعی ماں اور بیوی کی رضاعی دادی بسا اوقات اوپر تک جا پہنچتی ہیں برابر ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

ششم...... رضاعی باپ کی بیوی اور رضاعی دادا کی بیوی (اگر چہ اوپر چلے جائیں) برابر ہے کہ رضاعی باپ اور رضاعی دادا نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، وہ عورتیں رضیع پر حرام ہیں۔ گویا رضیع (دودھ پینے والا) رضاعی باپ رضاعی دادا کی بیوی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ نسبی باپ اور نسبی دادا کی منکوحہ بیٹے اور پوتے پر حرام ہوتی۔

ہفتم...... رضاعی بیٹے کی بیوی اور رضاعی پوتے کی بیوی بھی دودھ پینے والے پر حرام ہے برابر ہے کہ رضاعی بیٹے نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو ایسا ہی ہے جیسے نسبی اولاد کی بیوی (یعنی بہو) حرام ہوتی ہے۔

ہشتم...... بیوی کی رضاعی بیٹی اور بیوی کی رضاعی اولاد کی بیٹیاں خاوند پر حرام ہو جاتی ہیں، البتہ اس میں ایک شرط ہے کہ بیوی کے ساتھ صحبت کی گئی ہو (یعنی اسی کے خاوند نے صحبت کی ہو) اگر خاوند نے صحبت نہیں کی تو پھر اسکی رضاعی اولاد زوج پر حرام نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے جیسے نسب میں ہے۔ ❷

وہ مسائل جن میں حکم رضاعت حکم نسب سے مختلف ہے:

حنفیہ نے نسبی حرمت سے دو صورتیں مستثنیٰ کی ہیں چنانچہ ان دو صورتوں میں رضاعی اعتبار سے حرمت نہیں ہے۔ وہ صورتیں درج ذیل ہیں۔ ❸

ا۔ رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی ماں...... کے ساتھ نکاح جائز ہے جبکہ باپ کی طرف سے نسبی بھائی یا نسبی بہن کی ماں کے ساتھ نکاح جائز نہیں، صورت مسئلہ یہ بنتی ہے مثلاً زینب نے زید کو دودھ پلایا جبکہ زینب کا ایک نسبی (یعنی خاوند کے نطفہ سے) بیٹا خالد بھی ہو تو خالد، زید کی ماں کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ دودھ زید نے خالد کی ماں کا پیا خالد نے تو زید کی ماں کا نہیں پیا۔ اب زید اور خالد آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔

جبکہ یہ صورت نسبی اعتبار سے حرام ہے چونکہ بھائی یا بہن کی نسبی ماں یا تو سگی ماں ہوگی یا سوتیلی ماں یعنی باپ کی منکوحہ ہوگی، جبکہ یہ صورت رضاعت میں نہیں پائی جاتی۔

ب۔ رضاعی بیٹے یا رضاعی بیٹی کی بہن...... کے ساتھ نکاح جائز ہے جبکہ نسبی اعتبار سے بیٹے کی بہن یا بیٹی کی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ صورت مسئلہ یوں بنتی ہے۔ مثلاً زینب نے زید کو دودھ پلایا تو زینب کا خاوند زید کی بہن کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اور زید کا باپ زینب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

نسبی اعتبار سے بیٹے کی بہن یا بیٹی کی بہن اپنی نسبی بیٹی ہوگی یا مدخول بہا بیوی کی بیٹی ہوگی اور یہ دونوں خاوند پر حرام ہیں جبکہ یہ حرمت رضاعت میں نہیں پائی جاتی۔

بھائی کی بہن رضیع (جس نے دودھ پیا ہو) کی ماں اور مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت)

---

❶...... اس نوع کو سادہ الفاظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ نسبی زاد اور رضاعی زاد محرم نہیں زاد سے مراد چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد لڑکیاں ہیں۔ ❷ صورت مسئلہ یوں ہے مثلاً زید کی بیوی زینب نے خالدہ کو دودھ پلایا ہو تو زید پر خالدہ حرام ہو جائے گی بشرطیکہ زید نے اپنی بیوی زینب کے ساتھ صحبت کی ہو۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو خالدہ زید پر حرام نہیں ہوگی۔ جیسے منکوحہ کی بیٹی صحبت سے حرام ہو جاتی ہے۔ اگر صحبت نہیں کی تو ناکح منکوحہ کو طلاق دے کر اسکی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ ولا عکسہ ❸ البدائع ۳/ ۵ اللباب ۳/ ۳۳۔

حنفیہ نے ذکر کیا ہے آدمی بھائی کی رضاعی بہن، نسبی بھائی کی بہن، رضیع کی نسبی ماں، اور مرضعہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ یہ کل ملا کر چار صورتیں بنتی ہیں۔

اول..... بھائی کی رضاعی بہن سے آدمی نکاح کر سکتا ہے، اسکی صورت یوں بنتی ہے مثلاً زید نے زینب کا دودھ پیا تو زید کے بھائی خالد جس نے زینب کا دودھ نہیں پیا ہوا کے لئے جائز ہے کہ وہ زینب کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرے جبکہ زینب کی بیٹی خالد کے بھائی زید کی رضاعی بہن ہے۔ اسی مسئلہ کو عوام الناس پہلی کی صورت میں یوں بیان کرتے ہیں: أفلت رضيعاً وخذا خاه۔ یعنی رضیع تو بچ گیا، اس کے بھائی کو پکڑلو۔ اسکی ایک اور مثال بھی ہے کہ رضاعی بہن کی بہن کے ساتھ بھی آدمی نکاح کر سکتا ہے۔

دوم..... نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے صورت مسئلہ یوں ہے، مثلاً زید اور خالد دو باپ شریک بھائی ہوں، زید کی ایک ماں شریک بہن زاہدہ ہو تو خالد زاہدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جبکہ زاہدہ زید کی نسبی بہن ہے خالد اور زاہدہ کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، نہ رضاعی نہ نسبی۔ بلکہ زاہدہ تو خالد کے باپ کی بیوی کی بیٹی ہے جو کسی دوسرے شخص کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے۔

اسی طرح اگر دو ماں شریک بھائی ہوں مثلاً زید اور خالد ماں شریک بھائی ہوں، اور زید کی باپ شریک نسبی بہن خالدہ ہو تو خالد، خالدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

سوم..... رضیع کی نسبی ماں کے ساتھ آدمی نکاح کر سکتا ہے یعنی مرضعہ کا خاوند، رضیع کی نسبی ماں کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ رضیع مرضعہ کے خاوند کا (رضاعی) بیٹا ہے، جیسے نسبی بیٹے کی ماں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

چہارم..... رضیع کا نسبی باپ مرضعہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ مرضعہ رضاعی بیٹے کی ماں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے نسبی بیٹے کی ماں۔

رضاعت کے متعلق قانون کا موقف..... سوریہ کے قانون دفعہ ۳۵ شق ۱ کے تحت رضاعی محرمات پر یوں صراحت کی گئی ہے۔ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، ہاں البتہ وہ رشتے حرام نہیں ہوتے جن کو فقہاء حنفیہ نے مستثنیٰ کیا ہے۔

اسی دفعہ کی شق نمبر ۲ میں رضاع محرم کی شرائط پر یوں صراحت کی گئی ہے۔ رضاعت سے تحریم کے ثبوت کی یہ شرط ہے کہ بچے نے پہلے دو سالوں میں کسی کا دودھ پیا ہو، اور بچے نے پانچ متفرق چسکاریوں میں دودھ پیا ہو۔

گویا جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ یہ کہ رضیع نے عرصہ حیات میں پہلے دو سالوں میں دودھ پیا ہو، اگر دو سالوں کے بعد دودھ پیا تو حرمت ثابت نہیں ہوتی، یہ جمہور فقہاء کا قول ہے۔ چونکہ حدیث میں ہے۔ رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سالوں میں ہو۔ [1] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دو سالہ مدت کے ساتھ آخری دو ماہ کی مدت کو بھی ملایا ہے چونکہ اس مدت میں بچے کی غذا دودھ سے طعام کی طرف تحویل ہوتی ہے، بشرطیکہ اس مدت سے پہلے بچے کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو اور اگر اس مدت سے قبل بچے کا دودھ چھوڑ ادیا گیا تو پھر رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، تاکہ بچہ آخری آدھے سال میں اپنی غذا تبدیل کرلے۔

۲۔ یہ کہ بچہ پانچ متفرق چسکاریوں سے دودھ پئے، چسکاریوں کا اعتبار بحسب عادت ہے، بایں طور کہ بچہ اپنے اختیار سے چسکاری چھوڑ دے، مثلاً سانس لے یا معمولی استراحت کے لئے چھوڑے یا کوئی ایسی چیز ہو جو یکسر رضاعت سے غافل نہ کرتی ہو، چسکاریوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پیٹ بھر کر ہوں، یہی شافعیہ اور حنابلہ کا راجح مذہب ہے۔

---

[1] ..... رواه الدارقطني عن ابن عباس (نيل الاوطار ۶/ ۳۱۵)

صغیر وکبیر کے متعلق علماء کی آراء......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ ایک مرتبہ سہلہ بنت سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ رہتا ہے اور دوسرے مردوں کی طرح اسکا بھی ہمارے ساتھ اختلاط ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے دودھ پلادو وہ تمہارے اوپر حرام ہوجائے گا۔ (رواہ مسلم)

سنن ابی داؤد میں یہ روایت ہے۔ اسے پانچ چسکاریوں میں دودھ پلادو۔ گویا دودھ پینے والا مرضعہ کا رضاعی بیٹا بن جائے گا۔

یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر بڑی عمر کا آدمی بھی دودھ پی لے تو اس سے بھی رضاعی حرمت ثابت ہوجاتی ہے، حالانکہ یہ رضاعت بھوک کی وجہ سے نہیں ہوتی، پہلی حدیث کا پس منظر یوں ہے کہ ابوحذیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سالم اور اس کی بیوی کو متبنیٰ بنالیا تھا، جبکہ سالم ایک انصاریہ عورت کا غلام تھا۔ اسی دوران سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔

چنانچہ جس لے پالک کا باپ معلوم ومتعین تھا وہ اس کی طرف منسوب کردیا گیا اور جس لے پالک کا باپ معروف ومتعین نہیں تھا وہ دینی بھائی قرار دیا گیا، اسی موقع پر سہلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی تھیں۔ الحدیث

اس حکم میں اسلاف کا اختلاف ہے......اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے

ا......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابوداؤد ظاہری کا مذہب ہے کہ اگر بالغ شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ بلکہ اثر وارد ہوا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس مرد کو اپنے گھر میں داخل کرنا چاہتی تھیں تو آپ، اپنی بہن ام کلثوم اور بھتیجوں کو دودھ پلانے کا حکم دیتی تھیں۔ (رواہ مالک)

ان کے دلائل:

ا......سہلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس حدیث کی صحت میں شک نہیں۔

ب......آیت کریمہ ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ......النساء ۴/ ۲۳

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں تمہارے اوپر حرام ہیں۔

یہ آیت رضاعت مطلق ہے کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں۔

۲......جمہور صحابہ، تابعین اور فقہاء کے نزدیک صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو صغرسنی میں ہو، پھر سن کی تعیین مدت میں تھوڑا اختلاف ہے۔

(۱)......جمہور کہتے ہیں: بچے کے ابتدائی دو سالوں میں رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے، دو سالوں کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان کا استدلال اس آیت سے ہے۔ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ کامل دو سال ہیں اس شخص کے لئے جو رضاعت پوری کرنا چاہتا ہو۔ البقرۃ ۲/ ۲۳۳

(۲)......حدیث ہے کہ انما الرضاعة من المجاعة رضاعت (باعتبار حرمت) وہی معتبر ہے جو بھوک کی وجہ سے ہو۔ یعنی جس رضاعت سے بھوک مٹے وہی محرم ہے۔ اس حدیث کا مصداق وہی بن سکتا ہے جو صرف دودھ سے پیٹ بھرتا ہو اور دودھ کے علاوہ اس کی کوئی

غذا نہ ہو، اس حدیث کی رو سے بالغ آدمی حرمت میں داخل نہیں ہوتا، بالخصوص مذکور حدیث میں کلمہ حصر لایا گیا ہے۔
ت.....علماء کی ایک دوسری جماعت کا موقف ہے کہ اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دودھ چھڑانے سے پہلے پہلے ہو، ان علماء نے رضاعت کی زمانے کے اعتبار سے تحدید نہیں کی۔
ج.....امام اوزاعی کہتے ہیں: اگر بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا اور ابھی اس کی عمر صرف ایک ہی سال ہوئی ہو اور اس کا دودھ بدستور چھوٹا رہے پھر دو سال پورے ہونے سے قبل بچے کو دوبارہ دودھ پلا دیا گیا تو اس بعد کی رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر بچے کا دودھ نہ چھڑایا گیا بلکہ بدستور پیتا رہا تو دو سالوں کے اندر ہونے والی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی۔ اور دو سالوں کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اگر چہ اسے دودھ پلانے کا عمل بلا انقطاع جاری رہے۔
د.....اس موضوع پر اور اقوال بھی ہیں جو استدلال سے عاری ہیں۔

جوابات.....جمہور نے سالم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث سہلہ رضی اللہ عنہ کے قصہ کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم ہمیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم کو رخصت عنایت کی ہو یا یہ حکم منسوخ ہو۔
جو علماء بالغ شخص کی رضاعت سے حرمت کے قائل ہیں وہ یوں جواب دیتے ہیں کہ آیت اور حدیث۔ انما الرضاعۃ من المجاعۃ۔ میں مرضعہ کے وجوب نفقہ کو بیان کیا جا رہا ہے اور ان میں ایسی عورت کا بیان ہے جس پر والدین جبر کریں جیسا کہ آیت کہ آخر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

نومولود کے سرپرست کے ذمہ دودھ پلانے والی عورتوں کا طعام اور کپڑے واجب ہیں جو معروف قاعدہ کے مطابق ہوں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی یہ حدیث **انما الرضاعة من المجاعة** مروی ہے حالانکہ وہ بالغ شخص کی رضاعت کی حرمت کی بھی قائل ہیں۔ پتہ چلا اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت اور حدیث سے وہی مفہوم سمجھا ہے جو ہم نے ذکر کیا۔
ان حضرات کا بھی کہنا ہے کہ اگر سالم رضی اللہ عنہ کی حدیث انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس تخصیص کا ضرور ذکر فرماتے جیسے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو بکری کا چھ ماہ کا بچہ قربانی کرنے کے لئے اجازت دی تھی ساتھ کھلے عام تخصیص کا اعلان کیا تھا۔
رہی یہ بات کہ سالم رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے، نسخ کا قول بھی ضعیف ہے کیونکہ سہلہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حولین کاملین والی آیت سے متاخر ہے۔ کیونکہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں اسے کیونکر دودھ پلا سکتی ہوں حالانکہ وہ کبیر السن شخص ہے؟ گویا سہلہ کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے آدمی کی رضاعت باعث حرمت نہیں، تاہم اعتقاد حرمت کے بعد تحلیل کا حکم ہے۔

ابن تیمیہ کا محاکمہ.....ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کا محاکمہ کیا ہے وہ یہ ہے:
مسئلہ رضاعت میں صغر سنی کا اعتبار ہے، ہاں البتہ جب کبھی رضاعت کی ضرورت شدیدہ در پیش ہو۔ مثلاً کسی بالغ شخص کو دودھ پلانے کی ضرورت پڑ گئی چونکہ وہ کسی عورت کے پاس بار بار آتا جاتا ہو تو عورت کو بار بار اس سے حجاب کرنے میں شدید دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو وہ اسے دودھ پلا دے اس وقت جاری رہے گی، جیسے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ سالم کا واقعہ پیش آیا، چنانچہ اسی طرح بالغ شخص کو ضرورت شدیدہ کی بنا پر کوئی عورت دودھ پلا دے تو رضاعت موثر ہوگی، اس کے علاوہ کے لئے صغر سنی کے سوا کوئی

چارہ کار نہیں۔ ❶

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ محاکمہ میں احادیث جمع ہو جاتی ہیں پھر نہ ہی تخصیص کے قول کی ضرورت رہتی ہے اور نہ ہی نسخ کا قول کرنا پڑتا ہے، اس سے لغوی اعتبار بھی لغو نہیں ہوتا۔ احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ❷

لبن فحل......فحل کا معنی نر ہے اور یہاں فحل سے مراد وہ شخص ہے جو دودھ پلانے والی عورت کا خاوند ہو اور اسی وجہ سے عورت کے سینے میں دودھ اترا ہو۔ ❸

جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک یہ حکم مقرر ہے لبن فحل ہی سے حرمت متعلق ہوتی ہے یعنی عورت کے پستانوں میں اترنے والا دودھ خاوند کا حق ہوتا ہے کیونکہ یہ دودھ اسی کے سبب سے اس کے پستانوں میں اترا ہوتا ہے، چنانچہ جس عورت کا خاوند مر جائے یا اسے طلاق دے دے۔ بعد ازاں بھی خاوند سے دودھ کی نسبت منقطع نہیں ہوتی، اسی دودھ ہی کی وجہ سے مرضعہ کا خاوند رضیع کا باپ بن جاتا ہے اور مرضعہ رضیع کی ماں بن جاتی ہے، دودھ پینے والا بچہ مرضعہ کے خاوند اور اس کے اقارب کے لئے محرم بن جاتا ہے جیسے نسبی بیٹا محرم بن جاتا ہے، مرضعہ کے خاوند کی ساری اولاد رضیع کے بہن بھائی بن جاتے ہیں، برابر ہے کہ اسکی یہ اولاد مرضعہ کے بطن سے ہو یا کسی دوسری بیوی کے بطن سے۔ ❹

حدیث کے ائمہ ستہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس افلح بن ابی قعیس آئے، میں نے ان سے پردہ کر لیا، وہ بولے: تم مجھ سے پردہ کرتی ہو حالانکہ میں تمہارا چچا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا بھلا آپ میرے کہاں سے چچا ہوئے؟ افلح بولے: میرے بھائی کی بیوی نے تمہیں دودھ پلایا ہوا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا: افلح تمہارے چچا ہیں، وہ تمہارے پاس آ جا سکتے ہیں۔

رضاعی حرمت کی حکمت...... رضاعت سے حرمت اس لئے وجود میں آ جاتی ہے کہ رضاعت سے انسانیت میں جزئیت اور بعضیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ مرضعہ کے دودھ سے رضیع کا گوشت پوست بنتا ہے اس کی ہڈیوں میں رسوخ پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ وہی رضاعت معتبر ہے جس سے ہڈیوں میں بڑھوتری ہو اور گوشت پوست جس سے بنے۔ ❺ گویا جب رضیع مرضعہ کا دودھ پیتا ہے تو وہ مرضعہ کا حقیقۃ جزو بن جاتا ہے۔

رضاعت کی شرائط ان شاءاللہ عنقریب میں ذکر کروں گا۔

دوسری نوع: محرمات مؤقتہ...... یہ وہ عورتیں ہیں جو کسی معین سبب کی وجہ سے وقتی طور پر حرام ہوتی ہیں، جب سبب زائل ہو جاتا ہے حرمت بھی زائل ہو جاتی ہے اس نوع کی پانچ اقسام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)......مطلقہ ثلاث (وہ عورت جسے تین طلاقیں ملی ہوں)۔

---

❶......ابن تیمیہ کے محاکمہ سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

(۱)......رضاعت کی ضرورت شدیدہ ہو۔ (۲)......دقت شدیدہ ہو۔ (۳)......اور ابتلاء لابدی ہو تب بالغ شخص کی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم ❷ سبل السلام ۳/ ۲۱۳۔ ❸ چونکہ خاوند بیوی سے صحبت کرتا ہے، بیوی حاملہ ہوتی ہے بعد وضع حمل سینے میں دودھ اترتا ہے جیسے بیوی اپنے بچے کو بھی پلاتی ہے اور دوسروں کو بھی۔ ❹ المغنی ۶/ ۵۷۲ اللباب ۳/ ۳۲، القوانین الفقھیہ ۲۰۶ مغنی المحتاج ۳/ ۴۱۸، المقدمات الممھدات لابن رشد ۱/ ۴۹۲۔ ❺ نیل الاوطار ۶/ ۳۱۶

(۲)..... وہ عورت جو کسی دوسرے خاوند کے نکاح میں ہو یا عدت میں ہو۔

(۳)..... وہ عورت جو کسی سماوی دین کی ماننے والی نہ ہو۔

(۴) بیوی کی بہن اور وہ عورتیں جو بہن کے حکم میں ہوں۔

(۵) اور چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت۔

سوریہ کے قانون میں صرف چار صورتیں بیان کی گئی ہیں تیسری صورت بیان نہیں کی گئی، چنانچہ دفعہ ۳۶۔۳۹ میں اس پر یوں تصریح کی گئی ہے۔

دفعہ ۳۶ شق نمبر ا میں ہے۔طلاق دہندہ مطلقہ ثلاث کے ساتھ صرف اس صورت میں نکاح کر سکتا ہے کہ جب کسی دوسرے خاوند سے اسکی شادی ہو اور پھر اس کی عدت بھی گزر جائے، نیز شوہر ثانی نے بالفعل دخول کیا ہو۔

۲۔ مطلقہ کے دوسرے خاوند سے نکاح کر لینے سے سابق خاوند کی طلاقیں معدوم ہو جاتی ہیں، اگر تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو مطلقہ سابق خاوند کے پاس نئی تین طلاقیں لے کر آئے گی۔ دفعہ ۳۷ میں ہے: آدمی پانچویں عورت کے ساتھ صرف اس صورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کہ وہ پہلے سے موجود چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے۔

دفعہ ۳۸ میں ہے: دوسرے کی منکوحہ یا معتدہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

دفعہ ۳۹ میں ہے: ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں کہ ان میں سے ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے اور دوسری کو عورت تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔ اگر اس اعتبار سے حلت ثابت ہو تو دونوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔

حنفیہ نے ملاعنہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ملاعنہ سے مراد وہ عورت ہے جس پر اس کے خاوند نے زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کی نفی کی ہو۔ اور یوں معاملہ عدالت تک جا پہنچے، پھر دونوں قاضی کے روبرو لعان کریں تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا، یہ عورت مرد پر حرام ہو جائے گی۔

اگر ملاعنہ کے خاوند نے اپنی ہی تکذیب کر دی اور بیوی کو تہمت سے بری الذمہ قرار دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ تحریم موبد ہوگی چونکہ حدیث میں ہے زوجین جو آپس میں لعان کرلیں وہ کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ❶

میں ملاعنہ کے علاوہ بقیہ انواع کو تفصیلاً ذیل میں بیان کروں گا۔

ا۔ مطلقہ ثلاث...... جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی کہ اس کے ساتھ دوسری بار نکاح کرے، الا یہ کہ مطلقہ عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر اس سے صحبت بھی کرے اور طلاق دے یا مر جائے اور عورت کی عدت بھی گزر جائے اس کے بعد شوہر اول مطلقہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، یوں مطلقہ شوہر اول کے پاس از سر نو زوجیت لے کر آئے گی اور طلاق دہندہ (شوہر اول) تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ ❷

پہلے خاوند کے پاس مطلقہ اب نئے تجربہ کے ساتھ آتی ہے، اس عرصہ میں خاوند بیوی کی جدائی کا بری طرح سے احساس کرتا رہا یوں وہ دونوں مشترکہ خاندانی زندگی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ عورت نئی زوجیت لے کر آتی ہے اور اپنے خاوند کو خوش رکھنے میں سعی کرتی ہے، ان اسباب سے دور رہنے کی کوشش کرتی ہے جن سے پہلی زوجیت کی عمارت منہدم ہوئی۔

---

❶ ..... رواه ابوداؤد عن سهل بن سعد وروى الدارقطني ذالك عن سهل بن سعد بن ابن عباس وعلي وابن مسعود (نيل الاوطار ۶ / ۲۷۱) ❷ المحرر في الفقه الحنبلي لابن تيمية ۲/ ۸۰، المغني ۷/ ۲۶۱

تاہم اللہ تعالیٰ نے مطلقہ ثلاث کو حلال کرنے کا طریقہ قرآن میں یوں بیان کیا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ ...... البقرۃ ۲/۲۲۹

طلاق رجعی دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقہ سے بیوی کو روک لینا ہے یا حسن سلوک سے اسے چھوڑ دینا ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ

پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب مطلقہ طلاق دہندہ کے لئے حلال نہیں رہے گی تاوقتیکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے، اگر اس دوسرے شخص نے اسے طلاق دے دی تو ان پر کوئی حرج نہیں کہ وہ رجوع کریں بشرطیکہ حدود اللہ کو قائم رکھنے کا انہیں یقین ہو۔ البقرۃ ۲/۲۳۰

اوپر ضمناً یہ شرط ذکر کی گئی ہے مطلقہ ثلاث پہلے خاوند کے لئے تب حلال ہوگی جب شوہر ثانی اس کے ساتھ صحبت کر لے، اس شرط کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں: رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھے طلاق دے دی، اور مجھے تین طلاقیں دیں، ان کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر سے شادی کر لی تاہم اس کا آلہ تناسل تو اس چادر کے پلو جیسا ہے (جو مردانہ طاقت سے خالی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم رفاعہ کے نکاح میں واپس آنا چاہتی ہو؟ سو تم اس وقت تک اس کے نکاح میں واپس نہیں آسکتی ہو یہاں تک کہ تم اس کا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا شہد چکھ لے۔ ❶

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محض وطی سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی بلکہ آلے کا منتشر ہونا ضروری ہے، تاہم اگر نامرد ہو یا بچے نے وطی کی تو اس سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ اہل علم کا اصح قول یہی ہے۔

مطلقہ ثلاث کے حلال ہونے کی شرائط:

مطلقہ ثلاث کے حلال ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔ ❷

اول: یہ کہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ ...... البقرۃ ۲/۲۳۰

دوم: یہ کہ نکاح صحیح ہو، اگر نکاح فاسد ہو تو اس مطلقہ سے وطی کرنا حلال نہیں اس شرط پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ وغیرہ۔ آیت میں نکاح سے مراد نکاح صحیح ہے۔

سوم: یہ کہ دوسرا شوہر مطلقہ ثلاث کے ساتھ اس کی آگے والی شرمگاہ میں صحبت کرے۔

اگر دوسرے شوہر نے مقام مخصوص سے ہٹ کر کہیں اور وطی کردی یا غیر فطری فعل کر دیا تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں صراحتہ فرمایا: یہاں تک کہ تم اس کا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا شہد چکھ لے۔ شہد چکھنا جنسی لذات سے کنایہ ہے اور طرفین اسی وقت شہد چکھ سکتے ہیں جب فرج (عورت کے آگے والے حصہ) میں وطی ہو۔ اس میں کم از کم مقدار یہ ہے کہ آلہ تناسل کا حشفہ عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے، کیونکہ وطی کے احکام اسی سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ اگر انتشار کے بغیر ہی آلہ شرمگاہ میں داخل کر دیا تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث میں حلال ہونے کا حکم شہد کے چکھنے پر معلق کیا گیا ہے اور شہد چکھنے کی کیفیت انتشار آلہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ حشفہ کی مقدار سے دخول ثابت ہو جاتا ہے۔ عورت خصی کی وطی سے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خصی بھی فحل (نر) کی طرح وطی کرتا ہے، صرف انزال باقی رہتا ہے اور انزال عورت کو حلال کرنے میں غیر معتبر ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: مطلقہ ثلاث نے اگر مقطوع الذکر کے ساتھ شادی کر لی تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ عورت حاملہ نہ ہو جائے تو حکما دخول کا حکم لگا دیا جائے گا،

---

❶ رواه الجماعة عن عائشة، نيل الأوطار ۶/۲۰۳، ❷ المغني ۷/۲۷۵

اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب شوہر ثانی سے ثابت ہوگا۔

ایک اور شرط.....حنابلہ اور مالکیہ نے چوتھی شرط بھی عائد کی ہے کہ: وہ یہ کہ وطی بھی حلال ہو، سو اگر شوہر ثانی نے مطلقہ ثلاث کے ساتھ حالت حیض یا حالت نفاس یا حالت احرام میں وطی کر دی یا روزہ کی حالت میں وطی کر دی تو عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ حقوق اللہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ وطی حرام ہے، اس سے حلال نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مرتدہ کے ساتھ وطی کر دی، سو مرتدہ وطی سے حلال نہیں ہوتی۔

حنفیہ اور شافعیہ نے یہ شرط نہیں لگائی، ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: انشاء اللہ یہ شرط مذکورہ بالا آیت اور حدیث کی روشنی میں صحیح ہے۔

کیا مطلقہ ثلاث مشروط حلالہ سے حلال ہو جاتی ہے؟

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں ❶: مطلقہ ثلاث مشروط حلالہ سے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک نکاح بشرط حلالہ مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کی ہے۔ ❷ تاہم نکاح صحیح ہوگا البتہ حلالہ کی شرط باطل ہو جائے گی اور شوہر ثانی کو طلاق پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر پہلے خاوند اور دوسرے خاوند نے حلالہ کو دل ہی دل میں چھپائے رکھا سر عام حلالہ کی شرط نہ لگائی اور نکاح بھی محض شہوت پرستی کے لئے نہ کیا گیا تو پھر مکروہ نہیں۔

شافعیہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے کہ نکاح بشرط حلالہ باطل ہے کیونکہ ہزیل نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی، تل بنانے والی اور بنوانے والی، حلالہ کرنے والے اور کروانے والے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔ ❸

دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح بشرط حلالہ، بشرط انقطاع ہوتا ہے اس کی کوئی غایت مطمع نظر نہیں ہوتی، لہٰذا نکاح متعہ کے مشابہ ہے، البتہ اگر کسی شخص نے عورت کے ساتھ شادی کی اور یہ نیت رکھ لی کہ بعد از وطی اسے طلاق دے دے گا تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حاکم طبرانی نے عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تاہم مطلقہ کے ساتھ طلاق دہندہ کے بھائی نے بلا رغبت نکاح کر لیا کیا ناکح مذکورہ عورت کو اپنے بھائی کے لئے حلال کر دے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، الا یہ کہ نکاح رغبت ہو۔

خلاصہ.....نکاح حلالہ جو بلا شرط ہو یعنی صراحۃً طلاق کی شرط نہ لگائی گئی ہو بلکہ محض قصد و نیت میں طلاق ہو تو یہ نکاح صحیح مکروہ ہوگا، یہ شافعیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ عقد نکاح کے ارکان اور شرائط پوری ہیں اور داخلی باعث سے عقد متاثر نہیں ہوتا۔

مالکیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں نکاح حلالہ یا مستعار سانڈ کا نکاح اگرچہ بلا شرط ہو حرام باطل اور قابل فسخ ہوتا ہے، یہ نکاح غیر صحیح ہے، عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، اعتبار حلالہ کرنے والے کی نیت کا ہے نہ کہ عورت کی نیت کا، اور نہ ہی محلل لہ کی نیت کا اعتبار ہے۔ ❹

ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کی ہے۔ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ کیا میں تمہیں مستعار سانڈ کے متعلق نہ بتلاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے

---

❶..... الدر المختار ۲/ ۷۳۸، المهذب ۲/ ۴۶ تكملة المجموع ۱۵/۶ ، ۴۰۵۔ ❷رواه احمد والنسائی والترمذی وصححه عن ابن مسعود ورواه الخمسة الا النسائی من حديث علی مثله۔ ❸اخرجه النسائی والترمذی وصححه ❹القوانين الفقهية ۲۰۹ غاية المنتهی ۳/ ۴۰

رسول صلی اللہ علیہ وسلم: بے شک ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا: مستعار سانڈ، حلالہ کرنے والے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والا اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کرے۔ ❶

یہ دلائل حلالہ کے حرام ہونے پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ لعنت کبیرہ گناہ پر ہوتی ہے، یہ تعلیل سد ذرائع کے اصول پر بھی متفق ہے، یہی مذہب میرے نزدیک راجح ہے۔

وہ عورت جو دوسرے خاوند کے حق میں مشغول ہو......اس سے مراد وہ عورت ہے جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں بالفعل موجود ہو یا دوسرے شخص کی عدت میں ہو، اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ شادی شدہ عورت......یعنی وہ عورت جو شادی شدہ ہو اس کا خاوند حیات ہو طلاق بھی نہ دی ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حق متعلق ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ خاوند مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

اور (شادی شدہ) پاکدامن عورتیں تمہارے اوپر حرام ہیں، ہاں البتہ جو باندیاں تمہاری ملکیت میں ہوں وہ حلال ہیں۔

آیت میں المحصنات سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ آیت میں حکم حرمت سے باندیوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، باندی وہ ہوتی ہے جسے مشروع جنگ میں قید کرلیا گیا ہو، چنانچہ جب کوئی (غیر مسلم) عورت قید کرلی جائے تو اس کے درمیان اور اس کے خاوند کے درمیان اختلاف دارین کی وجہ سے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس عورت کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زوجیت کا یہ چودھواں مانع ہے، اس کا ذکر آیا چاہتا ہے۔

حکمت......واضح ہے وہ یہ کہ دوسرے کے حق پر جارحیت کا اقدام ممنوع ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ تاکہ نسب محفوظ رہے اور اختلاط نہ ہونے پائے۔

۲۔ معتدۂ غیر......یعنی وہ عورت جسے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا خاوند وفات پا گیا ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو، چنانچہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ اسکی عدت گزر جائے، اسی طرح اگر عورت نکاح فاسد یا نکاح شبہ کی فرقت کے بعد عدت میں ہو تو اس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں، کیونکہ اس طرح کے نکاحوں کے بعد بھی پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۵

اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرو جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔

یعنی متوفی عنہا زوجہا جو عدت میں ہو اس کے ساتھ عقد نکاح مت کرو تاوقتیکہ اس کی عدت نہ گزر جائے، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ......البقرۃ ۲/ ۲۲۸

اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

قروء سے مراد حیض یا طہر ہے جیسا کہ دو مختلف آراء ہیں گویا مطلقہ پر واجب ہے کہ وہ تین حیض یا تین طہر انتظار کرے۔

حضرت علی، ابن عباس اور عبیدہ سلیمانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا زبردست اجماع کسی چیز پر نہیں ہوا جتنا کہ ظہر سے پہلے چار رکعات پر اور اس بات پر کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے جس کی بہن عدت میں ہو۔

---

❶......رواه ابن ماجة والحاكم وأعله ابوزرعة وابوحاتم بالارسال (نيل الاوطار ٦/ ١٣٨)

حکمت......معتدہ غیر کے ساتھ اس لئے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ سابق شوہر کے آثار نکاح عدت کے دوران باقی رہتے ہیں اور سابقہ زوجیت کے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے نیز معتدہ کے ساتھ نکاح کرنے میں نسب کے اختلاط کا اندیشہ قوی ہوتا ہے۔

مسئلہ......کیا معتدہ غیر کے ساتھ صحبت کرنے سے وہ ناکح پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ان کی دو آراء ہیں۔

ا۔ **جمہور**......اگر ناکح نے معتدہ غیر کے ساتھ صحبت کر لی تو وہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوگی، بلکہ جب اس کی عدت پوری ہو جائے گی وہ ناکح کے لئے حلال ہو جائے گی، کیونکہ ناکح نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے جس کے ساتھ حقیقت میں نکاح کرنا حرام نہیں تھا، اسی طرح دخول سے بھی وہ ناکح پر حرام نہیں ہوئی، نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی اور جب عدت گزر جائے پھر خاوند کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو از سرِ نو پیغام نکاح بھیجے چاہے ترک کر دے۔

مالکیہ......کہتے ہیں معتدہ غیر کے ساتھ (بعد از نکاح) صحبت کرنے سے وہ ناکح پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، دونوں کے درمیان فرقت کرنا واجب ہے، اور وہ پھر ناکح کے لئے کبھی بھی حلال نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ راشد ثقفی نے طلیحہ اسدیہ کے ساتھ شادی کر لی تھی جبکہ وہ معتدہ غیر تھی، حضر عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور فرمایا: جو عورت بھی اپنی عدت کے دوران نکاح کر لے تو اگر اس کے ناکح نے اس کے ساتھ صحبت نہ کی ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ پہلے خاوند کی بقیہ عدت پوری کرے پھر دوسرا اسے پیغام نکاح دے، اور اگر ناکح نے اس کے ساتھ صحبت کر لی ہو تو دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی، وہ اولاً پہلے خاوند کی عدت پوری کرے پھر دوسرے خاوند کی عدت پوری کرے پھر یہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جمع نہیں ہو سکتے۔

ابن مسیب کہتے ہیں: اس عورت کے لئے مہر مقرر ہوگا۔ مالکیہ کے نزدیک موانع نکاح میں سے یہ چودھواں مانع ہے۔

۳۔ وہ عورت جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو جائے (حنفیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے نزدیک مانع زنا)۔

بالاتفاق زانی اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جس کے ساتھ اس نے زنا کیا ہو۔ پھر اگر چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا اور اگر چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو تو اگر زوج دعوائے نسب کرتا ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا، گویا زوج کا دعویٰ سابق عقد کی خبر دیتا ہے، یہ اس لئے کہ ایک مسلمان کی عزت بحال رہے اور اس کا پردہ چاک نہ ہونے پائے۔

آیا کہ غیر زانی مزنی بہا کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟......چنانچہ فقہاء کی ایک جماعت جیسے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتی ہے: زنا سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جمہور فقہاء کہتے ہیں: مزنی بہا کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

اختلاف کا دارومدار اس آیت پر ہے:

وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ النور ۲۴/۳

زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی ہی یا مشرک ہی، اور یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

فریق اول نے ظاہر آیت سے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بظاہر تحریم معلوم ہوتی ہے۔

جبکہ جمہور نے آیت کو ذم پر محمول کیا ہے، چنانچہ ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباس سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: میری بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی (یعنی وہ پاکدامن نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے الگ کر دو وہ شخص بولا: مجھے خوف ہے کہ میرا نفس اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ساتھ استمتاع

کرتے رہو ❶ نیز ابن ماجہ نے ابن عمر سے بیہقی نے حضرت عائشہ سے حدیث نقل کی ہے کہ۔حرام چیز حلال کو حرام نہیں کرتی ہے

پھراس کی تفصیل میں جمہور کا اختلاف ہے۔حنفیہ کہتے ہیں: اگر مزنی بہا (زانیہ) حاملہ نہ ہو تو اس کے ساتھ غیر زانی بھی نکاح کرسکتا ہے،اسی طرح اگر حاملہ بھی ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غیر زانی اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے لیکن وضع حمل سے پہلے صحبت نہیں کرسکتا۔ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔محرمات کی فہرست میں مزنی بہا کا ذکر نہیں۔لہٰذا من جملہ مباح عورتوں میں سے ہوئی،چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

ان کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں۔

۲۔زانی کا نطفہ غیر محترم ہے،چونکہ نطفہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔❷ جب نطفہ زنا کا کوئی احترام نہیں تو وہ مانع نکاح بھی نہیں ہوگا۔

رہی یہ بات کہ حاملہ زنا کے ساتھ اس لئے صحبت کرنا حرام ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کا پانی کسی دوسری کی کھیتی کو ہرگز سیراب نہ کرے۔❸ یعنی حاملہ عورتوں کے ساتھ ہرگز صحبت نہ کی جائے۔

امام ابو یوسف اور امام زفر کہتے ہیں......حاملہ زنا کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں،کیونکہ یہ حمل وطی سے مانع ہوتا ہے،اسی طرح یہ حمل عقد نکاح سے بھی مانع ہے،جیسے ثابت النسب حمل عقد نکاح سے مانع ہوتا ہے،یعنی جس طرح حاملہ غیر زنا سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح حاملہ زنا سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں......جب تک زانیہ کا استبراء رحم نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے نکاح کرنا حرام ہے،زانیہ کا استبرائے رحم تین حیض یا تین ماہ گزرنے سے ہوگا۔اگر استبراء رحم سے قبل زانیہ کے ساتھ نکاح کردیا گیا تو نکاح فاسد ہوجائے گا،اس کا فسخ لازمی ہوگا،خواہ حمل ظاہر ہو یا نہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں......اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کرلیا تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حرام امر سے حلال حرام نہیں ہوتا۔

حنابلہ کہتے ہیں......جب کوئی عورت زنا کا ارتکاب کربیٹھے تو دو شرطوں کے ساتھ اس سے نکاح جائز ہوگا۔

۱......یہ کہ اس کی عدت گزر جائے،اگر زانیہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی،چنانچہ وضع حمل سے قبل نکاح صحیح نہیں ہوگا،اس کی دلیل حدیث سابق ہے کہ کسی شخص کے پانی سے دوسرے کی کھیتی سیراب نہ ہو۔یہ حدیث صحیح ہے۔

۲......یہ کہ زانیہ زنا سے سچی توبہ کرلے۔کیونکہ آیت کریمہ ہے:

وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ النور ۲۴/ ۳

اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔

❶......نیل الاوطار ۶/ ۱۴۰ واسنادہ صحیح ❷رواہ الجماعۃ الا اباداؤد عن ابی ہریرۃ (نیل الاوطار ۶/ ۲۷۹)❸رواہ الترمذی عن رویفع وھو حسن۔ ورواہ ابو دائود للفظ آخر

توبہ سے قبل زنا کے حکم میں ہوگا، اگر زانیہ نے توبہ کرلی تو تحریم جاتی رہے گی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص گناہ سے توبہ کرلے وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو ❶ باقی ائمہ نے یہ شرط نہیں لگائی۔

زوجین میں سے اگر کوئی زنا کر بیٹھے...... اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی نے زنا کردیا یا کسی عورت کے شوہر نے زنا کردیا تو زوجین کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ برابر ہے کے زنا صحبت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ چونکہ زنا معصیت ہے اور ارتکاب معصیت سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا لہٰذا زنا چوری کے مشابہ ہوا۔

رہی بات لعان کی سو لعان فسخ نکاح کا مقتضی ہے اگر چہ حقیقت میں زنا ہوا ہو، کیونکہ جب عورت کی طرف سے لعان ہوتا ہے تو گویا وہ قبول کر رہی ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والے کے لئے حد واجب کی ہے اور فسخ لعان سے واقع ہوتا ہے۔

لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مستحب قرار دیا ہے کہ جس شخص کی عورت زنا کا ارتکاب کر بیٹھے وہ اسے الگ کردے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص زانیہ کو اپنے نکاح میں روکے رکھے چونکہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اس کا فراش فساد زدہ ہو جائے گا اور ایسا بچہ صاحب فراش کے ساتھ لاحق کردیا جائے گا جو اس کے نطفہ سے نہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ زانیہ کے ساتھ اسکا خاوند صحبت نہ کرے یہاں تک کہ اس کا استبرائے رحم نہ ہو جائے۔ اور اس کا استبرائے رحم تین حیض سے ہوگا۔ استبرائے رحم کی دلیل حدیث سابق ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں زانیہ کے استبرائے رحم کے لئے ایک حیض بھی کافی ہے۔ ❷

۳۔ وہ عورت جو کسی آسمانی دین کو ماننے والی نہ ہو...... مشرکہ عورت اور بت پرست عورت کے ساتھ مسلمان کا نکاح کرنا حلال نہیں، بت پرست سے مراد ایسی عورت جو اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرتی ہو۔ مثلاً بتوں کو پوجتی ہو یا ستاروں کو پوجتی ہو یا آگ کو پوجتی ہو یا درختوں کی پوجا کرتی ہو جیسے ملحدہ عورت، دہریہ عورت۔ دہریہ یا مادیت پرست سے مراد وہ عورت ہے جو مادہ کو سب کچھ خیال کرتی ہو اور وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتی ہو۔ اسے آسمانی ادیان کا یقین ہی نہ ہو، جیسے آج کل مادیت پرست، دہریے، بہائی، قادیانی اور بوذیہ۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ ...... البقرة ۲/۲۲۱

مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، جبکہ مومن باندی مشرکہ عورت سے بدرجہا افضل ہے اگرچہ مشرکہ عورت تمہیں پسند ہو۔

حنفیہ اور شافعیہ نے مرتدہ عورت کو مشرکہ کے ساتھ ملحق کیا ہے چنانچہ، مرتدہ کے ساتھ نکاح کرنا نہ ہی مسلمان کے لئے جائز ہے نہ کافر کے لئے۔ کیونکہ مرتدہ نے ملت اسلام کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ارتداد پر برقرار بھی نہیں رہے گی کیونکہ یا تو اسے قتل کردیا جائے گا یا دوبارہ اسلام پر آجائے گی۔ گویا ارتداد موت کے معنی میں ہے کیونکہ ارتداد موت تک پہنچانے کا سبب ہے اور میت محل نکاح نہیں ہوتا۔

خلاصہ...... بالاتفاق غیر کتابیہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے غیر کتابیہ سے مراد وہ عورت جو کسی آسمانی کتاب کو نہ ماننے والی ہو جیسے بت پرست، مجوسی وغیرہ۔

مشرکہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان تعاون اور اطمینان نہیں ہوگا چونکہ عقیدے کے تباین سے قلق و اضطراب اور زوجین کے درمیان نفرت پیدا ہوتی ہے، اور زوجیت محبت ومودت کے ستونوں پر قائم نہیں رہ سکے گی، پھر عورت کسی دین پر ایمان نہیں رکھتی اس سے اس کے لیے خیانت کرنا اور بھی آسان ہو جائے گا وہ عفت وپاکدامنی اور ناموس کے بارے میں غیر معتمد ہے، اس کا

❶...... المغنی ۶/ ۲۰۳، ❷ ایضاً

خرافات اور اوہام میں پڑنا یقینی ہے کیونکہ خرافات اوہام کے مانع کوئی چیز نہیں ہوگی۔

مسلمان عورت کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح...... بالاتفاق مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلمان کے ساتھ حرام ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ......البقرۃ ۲۲۱/۲

مشرکین سے نکاح مت کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ......الممتحنہ ۱۰/۶۰

اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ مہاجر عورتیں مومن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ لوٹاؤ چونکہ وہ ان کے لئے حلال نہیں اور وہ ان کے لئے حلال نہیں۔

نیز اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ عورت کفر میں پڑ جائے گی کیونکہ عادۃً خاوند بیوی کو اپنے دین کی دعوت دیتا ہے اور عورتیں عادۃً خاوندوں کی اتباع کرتی ہیں، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ......البقرۃ ۲۲۱/۲

یہ لوگ دوزخ کی آگ کی دعوت دیتے ہیں۔

یعنی مومن عورتوں کو کفر کو دعوت دیتے ہیں۔ کفر کی دعوت حقیقت میں دوزخ کی دعوت ہے، چونکہ کفر آگ کا سبب ہے، گویا کافر مرد سے نکاح دوزخ کا سبب ہے اس لئے حرام اور باطل ہے۔ اگر چہ نص وارد ہوئی ہے صرف مشرکین کے متعلق لیکن علت کفر جہاں جہاں پائی جائے گی وہیں وہیں حکم بھی لگے گا، گویا مطلق کافروں پر مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

بنابرھذا: کتابی (مرد) مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا ہے، جیسے بت پرست اور مجوسی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ شریعت نے کافروں کی ولایت کو مسلمانوں سے الگ کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۱۴۱/۴

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر کوئی اختیار نہیں دیا۔

اگر کافر کی شادی مسلمان عورت کے ساتھ جائز ہوتی تو کافر کے لئے مسلمان عورت پر کوئی نہ کوئی اختیار ثابت ہوتا۔

کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح...... کتابیات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی آسمانی دین پر ایمان رکھتی ہوں، جیسے یہودی عورتیں اور نصرانی عورتیں، اہل کتاب سے مراد اہل تورات اور اہل انجیل یعنی تورات وانجیل کے ماننے والے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ......المائدۃ ۵/۵

آج کے روز تمہارے لئے پاک چیزوں کو حلال کر دیا گیا ہے، اور اہل کتاب کے کھانے کو تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے اور تمہارے کھانے کو ان کے لئے حلال کر دیا گیا ہے، مومن عورتوں میں سے جو پاکدامن ہوں وہ حلال ہیں اور وہ لوگ جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ان میں سے پاکدامن عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔

آیت کریمہ میں پاکدامن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ پاکدامن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے زوجین کے درمیان محبت والفت جنم لیتی ہے اور خاندانی اطمینان وسکون میسر ہوتا ہے۔

صحابہ کرام ذمیوں کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ کے ساتھ نکاح کیا حالانکہ نصرانیہ تھیں، اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدائن کی ایک یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم نے کوفہ میں زمانہ فتوحات میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا ہے۔

کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کا سبب مشرکہ کے ساتھ عدم جواز کے برعکس ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کتابیہ عورت مسلمان مرد کے ساتھ مل کر اسلام کی طرف راغب ہوگی کیونکہ وہ بعض اساسی اور بنیادی عقائد کا اعتقاد رکھتی ہے چنانچہ وہ معبود باری تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے، رسولوں پر ایمان رکھتی ہے، روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے، حساب وعذاب پر ایمان رکھتی ہے، ان بنیادی عقائد کی روشنی میں اسکا حق کی طرف مائل ہونا اور بھی یقینی ہو جاتا ہے اس طرح خاندانی زندگی بہتر نہج پر ڈھل سکتی ہے اور اس کے اسلام قبول کرنے کی قوی امید ہوتی ہے۔

مسلمان مرد کتابی عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے جبکہ کتابی مرد مسلمان عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مرد تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اور تمام ادیان کے اصول پر ایمان رکھتا ہے نیز عورت مرد کے تابع ہوتی ہے لہٰذا مسلمان مرد کے عقیدہ کے فساد کا خوف نہیں ہوتا جبکہ غیر مسلم مرد اسلام کا عقیدہ نہیں رکھتا ہوتا اس لئے یہاں قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کو اپنے دین کی طرف مائل کردے گا اور عورت عادۃً بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔

کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے:۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کچھ مسلمانوں نے کتابیات کے ساتھ نکاح کرلیا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا: ان کتابیات کو طلاق دو۔ چنانچہ سبھی لوگوں نے کتابیات کو طلاق دے دی البتہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے طلاق نہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اسے طلاق دے دو، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ نشئلی ہوتی ہیں جو جھاڑ کی مانند لپٹ جاتی ہیں اسے طلاق دے دو۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں پہلی بات دہرائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جانتا ہوں کہ کتابی عورتیں ایسی ہی ہیں لیکن یہ میرے لئے حلال ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کتابیہ کو طلاق دے دی، ان سے دریافت کیا گیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے تمہیں حکم دے رہے تھے اس وقت اس عورت کو طلاق کیوں نہ دی؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اچھا نہ سمجھا کہ لوگ مجھے ایسے کام کا مرتکب دیکھیں جو میرے حال کے مناسب نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات خاوند کا دل کتابیہ کی طرف مائل ہو جائے گا اور وہ فتنے میں پڑسکتا ہے۔

رہی بات حربیہ کی سو حنفیہ کے نزدیک دار الحراب میں حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ دار الحراب میں اس کے ساتھ نکاح کرنے سے فتنوں کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک خلاف اولیٰ ہے۔

فی الواقع کتابیات کے ساتھ نکاح کرنے میں بہت سارے مفاسد ہیں اولاً وہ پاکیزہ عائلی زندگی جسے اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہو جاتی ہے قومی اور دینی اعتبار سے مفاسد کا دروازہ کھل جاتا ہے، بسا اوقات کتابیات غیر مسلم ممالک کے لئے جاسوسی کرتی ہیں اور مسلم ممالک کے بہت سارے خفیہ راز افشا کردیتی ہیں۔ بسا اوقات کتابیات سے پیدا ہونے والی اولاد

عقائد کے اعتبار سے غیر مسلم ہو جاتی ہے، بسا اوقات کتابیات کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو ضرر میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کتابیہ عورت راستباز نہیں ہوتی۔

جصاص نے اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ کو خط لکھا کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ جواباً لکھا: کیا یہ عورت مجھ پر حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ عورت حرام تو نہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس کی وجہ سے زانی عورتوں تک جا پہنچو گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں مذکور بالا حدیث کے مضمون کی ایک اور حدیث بھی نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح کر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ اسے چھوڑ دو، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: اے امیر المؤمنین کیا یہ عورت مجھ پر حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں کہ میرا یہ خط ہاتھ سے نیچے رکھنے سے پہلے اس عورت کو طلاق دے دو۔ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ لوگ تمہاری اقتداء کرنے لگ جائیں گے اور یوں ذمی عورتوں کو پسند کرنے لگ جائیں گے اور جس سے مسلمان عورتیں فتنہ میں پڑ جائیں گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کتابیہ عورت کے ساتھ شادی کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے میں ضرر اور فساد ہے۔ وہ یہ کہ یا تو کتابی عورتوں میں سے طوائف کے ساتھ نکاح کا رواج پڑ جائے گا یا مسلمان کتابی عورتوں کو ترجیح دینا شروع کر دیں گے، اور یوں مسلمان عورتیں بغیر شادی کے رہ جائیں گی۔

کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں شافعیہ کا موقف...... جمہور کے نزدیک کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، البتہ شافعیہ نے کتابیہ کے ساتھ نکاح کے جواز کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے۔ چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں: کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال ہے لیکن حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے، اسی طرح شافعیہ کے اصح قول کے مطابق ذمیہ کے ساتھ نکاح کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ حربیہ کی طرف میلان ہو جانے کی صورت میں فتنے کا اندیشہ ہے۔

اگر کتابیہ اسرائیلیہ ہو تو پھر اگر اس کے قدیم آباؤ اجداد کے یہودی ہونے کا علم ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، کیونکہ اس سے یہ بات یقینی ہوگی کہ اس کے آباؤ اجداد کا غیر منسوخ یہودیت پر ایمان رہا ہوگا یا کم از کم شک کے درجے میں ہوگا، اگر اس کے آباؤ اجداد کا قدیم یہودی ہونا معلوم نہ ہو تو اس اسرائیلیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ اب یہودیت کی فضیلت ختم ہو چکی ہے۔

اگر کتابیہ نصرانیہ ہو تو وہ مسلمان کے لیے حلال ہے بشرطیکہ اس کی قوم کا عیسائی ہونا یقینی ہو کیونکہ جب عیسائی دین برحق تھا اور منسوخ نہیں ہوا تھا اس کے آباؤ اجداد اس حق دین کے ماننے والے تھے۔ اور اگر اس کے آباؤ اجداد کا علم نہ ہو کہ آیا انہوں نے غیر منسوخ عیسائی دین قبول کیا یا نہیں تو اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوگا۔

میرے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے کیونکہ ان کے دلائل قوی ہیں۔

مجوسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا...... اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہوتے۔[1] اس کی دلیل سابقہ آیت کریمہ ہے:

ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا

یہ کہ تم کہتے ہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو جماعتوں پر نازل کی گئی ہے۔ الانعام ۶/۱۰۶

---

[1]...... احکام القرآن للجصاص ۲/۳۲۷، المغنی ۶/۵۹۱، البدائع ۲/۲۷۱

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب کی دو جماعتیں ہیں، اگر مجوسی اہل کتاب میں سے ہوتے تو اہل کتاب کی تین جماعتیں ہوتیں۔

نیز مجوسی اپنے کسی حکم کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ وہ تو زرتشت کی کتاب پڑھتے ہیں اور وہ جھوٹا نبی تھا، گویا مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں۔

مجوسیوں کے اہل کتاب نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں جب مجوسیوں سے جزیہ لینے کا وقت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ میں ان مجوسیوں کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ چنانچہ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ: مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ رواہ الشافعی

اس سے معلوم ہوا کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں۔ ❶

سامرہ اور صابئہ کا حکم...... سامرہ یہودیوں کا ایک طائفہ ہے اور صابئہ نصرانیوں کا ایک فرقہ ہے۔

امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کہتے ہیں: سامرہ اور صابئہ دونوں فرقے اہل کتاب میں سے ہیں، لہٰذا مسلمان مرد صابئات کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ صابئہ فرقہ کتاب پر ایمان رکھتا ہے، چنانچہ وہ زبور پڑھتے ہیں۔ اور ستاروں کو نہیں پوجتے۔ ہاں البتہ وہ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان کعبۃ اللہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہاں البتہ صابئہ فرقہ بعض دینی معاملات میں اہل کتاب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ چیز نکاح کے مانع نہیں۔

صاحبین کہتے ہیں صابئہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ صابئہ فرقہ ستاروں کی پرستش کرتا ہے۔ جبکہ پجاری بت پرست کے حکم میں ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ ان کے ساتھ نکاح کریں۔

بقول بعض یہ اختلاف حقیقۃً اختلاف نہیں بلکہ اس اختلاف کا دارومدار فریقین کے مذہبی اشتباہ پر ہے، چنانچہ جن حضرات نے صابئہ کو بت پرست تصور کیا ان کے نزدیک نکاح جائز نہیں اور جن حضرات نے انہیں اہل کتاب تصور کیا ان کے نزدیک نکاح جائز ہے۔

حق بات یہی ہے اور یہی شافعیہ کی رائے کے موافق بھی ہے، چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں: اگر اصل دین میں سامرہ فرقہ یہود کے مخالف ہو اور صابئہ فرقہ نصرانیت کے خلاف ہو تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوگا اور اگر اصل دین میں ان کے موافق ہوں تو نکاح جائز ہوگا۔ امام قدوری نے اپنی کتاب میں اسی رائے کو حتمی قرار دیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔ چنانچہ امام قدوری رقمطراز ہیں۔ اگر صابئین کسی نبی پر ایمان رکھتے ہوں اور کسی کتاب کو بھی پڑھتے ہوں تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے، اور اگر صابئین ستاروں کی عبادت کرتے ہوں اور کسی کتاب کا اقرار نہ کرتے ہوں تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ ❷

ایسی عورت کا حکم جو بت پرست باپ اور کتابیہ ماں سے پیدا ہوئی ہو؟

اگر کافرہ عورت کے والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا بت پرست ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ عورت خالص کتابیہ نہیں ہوتی، نیز جب حلت وحرمت جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔ ❸

کتابی کا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہونا...... اگر مجوسی یا کتابی اپنا دین تبدیل کر دے بت پرست بن جائے تو اسے بت پرستی پر برقرار نہیں رکھا جائے گا، چنانچہ فقہاء کی ایک رائے کے مطابق اگر کتابی اپنے دین پر نہ لوٹا تو اسے قتل کر دیا جائے گا، ان کی دلیل عموم حدیث ہے۔ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔ ❹

❶......نیل الاوطار ۸/۵۶ ❷ اللباب ۳/۷۔ ❸مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۹، المغنی ۶/ ۵۹۲ المھذب ۲/ ۴۴۔ ❹رواہ الجماعۃ الامسلماً عن ابن عباس (نیل الاوطار ۷/ ۱۹۰)

دوسری رائے کے مطابق کتابی قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اپنے دین پر لوٹنے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے لئے اسے قید و بند اور مارا بھی جاسکتا ہے۔

ایک کتابی ایک دین سے دوسرے کتابی دین کی طرف منتقل ہو جائے۔ مثلاً یہودی نصرانیت قبول کرے یا نصرانی یہودی بن جائے تو شافعیہ کے ظاہری قول کے مطابق سوائے اسلام کے دوسرا دین قابل قبول نہیں ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت منقول ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ...... آل عمران ۳/۸۵

جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش کیا تو اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس شخص نے ایک دین کے بطلان کا اعتراف کرنے کے بعد دوسرا باطل دین اختیار کر لیا، لہٰذا اسے اس دین پر برقرار نہیں رہنے دیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مسلمان مرتد ہو جائے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتابی کو دوسرے کتابی دین پر برقرار رکھا جائے گا، حنابلہ کی بھی ایک یہی روایت ہے۔ کیونکہ یہ کتابی اہل کتاب کے دین سے نہیں نکلا، لہٰذا ہم اس کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

رہی یہ حدیث کہ جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو۔ اس میں دین سے مراد دین اسلام ہے۔

اگر بت پرست یہودی بن جائے یا نصرانی بن جائے تو شافعیہ کے نزدیک اسے مبدل دین پر برقرار نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس کے حق میں اسلام ہی متعین ہوگا۔ جیسے کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اسے ارتداد پر نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ اس کے حق میں اسلام ہی متعین ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور حنابلہ کے نزدیک اسے دین مبدل پر برقرار رہنے دیا جائے گا۔ (۱) کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے کیونکہ کفر میں رب تعالیٰ کی تکذیب کی جاتی ہے۔

زوجین دونوں یا کوئی ایک اگر مرتد ہو جائے...... شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے اور ارتداد صحبت سے پہلے ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور اگر صحبت کے بعد ردت ہو تو فرقت عدت کے گزرنے تک موقوف رہے گی، اگر دوران عدت اسلام پر لوٹ آئے تو نکاح برقرار رہے گا۔ اگر دوران عدت اسلام کی طرف نہ لوٹے تو نکاح کو بوقت ارتداد فسخ سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر خاوند نے وطی کر دی تو شبہ کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہوگی، عورت پر عدت واجب ہوگی۔

اگر زوجین غیر مسلم ہوں بیوی اسلام قبول کرلے پھر دوران عدت خاوند نے بھی اسلام قبول کر لیا تو دونوں کو زوجیت اور سابق نکاح برقرار رکھا جائے گا۔ اور اگر زوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا اور دوران عدت دوسرے نے اسلام قبول نہ کیا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔

چنانچہ صحیح روایت ہے بنی تغلب جو کہ نصرانی تھے کے ایک شخص کی بیوی نے اسلام قبول کیا جبکہ اس شخص نے قبول اسلام سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے درمیان تفریق کروادی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر نصرانی عورت اپنے خاوند سے قبل اسلام قبول کرلے تو اسے اپنے نفس کا مکمل اختیار حاصل ہوگا۔

غیر مرتد کفار کے نکاحوں کا حکم:۔ غیر مسلموں کے آپس کے نکاح آیا کہ صحیح ہوں گے یا فاسد؟ اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کی دو طرح کی آراء ہیں۔

مالکیہ: کہتے ہیں غیر مسلمین کے آپس کے نکاح فاسد ہیں (۲) کیونکہ اسلام میں نکاح کے صحیح ہونے کی مختلف شرائط ہیں اور غیر مسلمین

---

(۱)...... البدائع ۲/ ۲۷۱، اللباب ۳/ ۲۶، العنایۃ علی فتح القدیر ۴/ ۳۹۶ الشرح الصغیر ۲/ ۴۲۲۔ مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۹، المغنی ۳/ ۱۸۹، المهذب ۲/ ۵۲ (۲) الشرح الصغیر ۲/ ۴۲۲

ان شرائط کی رعایت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے نکاحوں کے صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

جمہور: کہتے ہیں ❶ غیر مرتد کفار کے نکاح صحیح ہیں، انہیں ان کے نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔ یعنی اگر غیر مسلمین اسلام قبول کرلیں یا ہمارے پاس مقدمہ لائیں تو انہیں نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔ بشرطیکہ خاوند عورت کے محارم میں سے نہ ہو۔ اور اگر محارم میں سے ہو تو اس نکاح کو برقرار نہیں رکھا جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو محل کی حرمت کی وجہ سے حرام ہو جیسے محارم کا نکاح تو وہ جائز واقع ہوگا۔

حنفیہ نے جمہور کے ساتھ اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ غیر مسلمین کے نکاح کی کیفیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کے لئے مسلمانوں کے نکاح کی شرائط عائد نہیں کی جائیں گے، ان کے حق میں وہی نکاح معتبر ہے جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہوں۔ بعد از قبول اسلام انہیں نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

بنابر ہذا جمہور کے نزدیک غیر مسلمین کے نکاح پر مسلمانوں کے نکاح کے احکام لاگو ہوں گے یعنی بیوی کا نفقہ، سکنیٰ وغیرہ خاوند پر واجب ہوگا، طلاق واقع ہو جائے گا، عدت واجب ہوگی، پیدا ہونے والے بچے کا باپ سے نسب ثابت ہو جائے گا، زوجین کے درمیان حق وراثت ثابت ہوگا، اہل ذمہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، اگرچہ ان کے ادیان مختلف ہوں، کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے۔

جمہور کی دلیل درج ذیل آیات ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ ...... القصص ۲۸/ ۹

فرعون کی بیوی نے کہا۔

وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۝ سورۃ اللہب ۱۱۱/ ۴

اور اس کی بیوی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔

چنانچہ کفار کے آپسی کے نکاح اگر باطل ہوتے تو مذکورہ بالا عورتیں اپنے کفار خاوندوں کی حقیقت میں بیویاں نہ ہوتیں۔ نیز نکاح حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ میری ولادت نکاح کے نتیجہ میں ہوئی ہے بغیر نکاح کے میری ولادت نہیں ہوئی۔ ❷ حدیث میں جاہلی طریقہ نکاح کی نفی کی گئی ہے وہ یہ کہ عورت نکاح سے پہلے کسی مرد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرلیتی تھی پھر نکاح کر لیتی۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی طریقہ پر ہونے والے نکاحوں کو نکاح سے تعبیر کیا ہے اگر ہم جاہلی نکاحوں کو باطل قرار دیں تو بہت سارے انبیاء کے انساب پر طعنہ لازم آئے گا۔

اسی طرح غیلان ثقفی کی حدیث ہے کہ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، جنہوں نے غیلان کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار عورتوں کو اپنے لئے اختیار کرلو اور بقیہ عورتوں کو الگ کردو۔ ❸ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط نکاح کا مطالبہ نہیں کیا، لہٰذا غیر مسلموں کے نکاحوں کے متعلق شرائط نکاح سے بحث نہیں کی جائے گی۔

۴۔ **بیوی کی بہن اور اس کے محارم**...... بالفاظ دیگر اس کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ ایک نکاح میں بیوی اور اس کی بہن یا اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ وغیرہ کو جمع کرنا حرام ہے۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ عورت اور اس کی محرم میں سے کسی ایک کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ چنانچہ محرّمات کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ

اور یہ بھی تمہارے اوپر حرام کردیا گیا ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو۔ ہاں البتہ قبل ازیں جو گزر چکا سو گزر چکا۔

---

❶......البدائع ۲/ ۲۷۲ الدر المختار ۲/ ۵۰۶ مغنی المحتاج ۳/ ۱۹۳، المغنی ۶/ ۶۱۳۔ ❷رواہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم وابن عساکر عن علی۔ (مجمع الزوائد ۸/ ۲۱۴) (❸رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی عن ابن عمر (نیل الاوطار ۶/ ۱۰۹)

اس تحریم کی عقلی دلیل یہ ہے کہ دو ذی رحم محرم عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے قطع رحمی کا اندیشہ قوی تر ہو جاتا ہے چونکہ دو سوکنیں آپس میں اتفاق اور حسن سلوک سے کب رہتی ہیں فطری طور پر دو سوکنوں کے درمیان آپس میں بغض وعداوت پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ماں بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے بلکہ ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا بطریق اولیٰ حرام ہے کیونکہ ولایت کی قرابت داری بھائی چارے کی قرابتداری سے زیادی قوی ہوتی ہے۔لہٰذا دو بہنوں کے متعلق وارد نص ماں بیٹی کے متعلق بطریق اولیٰ معمول بہا ہوگی۔

اسی طرح بیوی اور اس کی پھوپھی، بیوی اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ پھوپھی بمنزلہ ماں کے ہے، اور خالہ بھی تو ماں ہے، سنت میں صراحتہً بیوی اور پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی یا خالہ پر عورت (یعنی بھتیجی یا بیوی کی بھانجی) کو نکاح کرکے لانے سے منع فرمایا ہے۔ ❶

ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے۔ پھوپھی پر بھتیجی نکاح کرکے نہ لائی جائے، اور نہ ہی بھتیجی پر پھوپھی لائی جائے، خالہ پر بھانجی نہ لائے جائے اور نہ ہی خالہ بھانجی پر لائی جائے، بڑی چھوٹی پر نہ لائی جائے اور چھوٹی پر بڑی نہ لائی جائے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ اس حدیث نے آیت کریمہ واحل لکم ما وراء ذالکم میں تخصیص کردی۔ نیز دو ذی رحم محرم عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا قطع رحمی پر منتج ہوتا ہے، کیونکہ دو سوکنیں آپس میں جھگڑتی رہتی ہیں، ان میں اختلاف کا ہونا فطری ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر تم ایسا کروگے تو تم قطع رحمی کی طرف پیش رفت کروگے۔

محارم کو جمع کرنے کا فقہی قاعدہ..... فقہاء نے نصوص سے ایک ضابطہ مستنبط کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان میں سے ایک کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ ❷

چنانچہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر دو بہنوں میں سے ایک کو ہم مرد فرض کریں تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہوگا چونکہ بھائی بہن آپس میں نکاح نہیں کرسکتے، اسی طرح بھتیجی اور پھوپھی کو جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو مرد اور پھوپھی کا نکاح حرام ہے۔

اسی طرح بھانجی اور خالہ کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر بھانجی کو مرد تصور کرلیا جائے تو بھانجے اور خالہ کے درمیان نکاح حرام ہے، وکذا عکسہ۔

اگر دونوں عورتوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے اور ان کا آپس میں نکاح حلال ہو تو ایسی دو عورتوں کو آپس میں جمع کرنا حلال ہے جیسے دو چچازاد یا خالہ زاد بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ چنانچہ آدمی اپنی چچازاد بہن یا خالہ زاد بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

اگر اس فرض واعتبار سے تحریم صرف جانب واحد سے ہو اور دوسری طرف سے تحریم نہ ہو تو حرمت نہیں ہوگی گویا دونوں عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہوگا۔ مثلاً ایک عورت پہلے خاوند کی مطلقہ ہو اور اس پہلے خاوند کی دوسری بیوی سے ایک بیٹی ہو تو اس مطلقہ عورت اور بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں، اور جیسے ایک عورت ہو اور اس کے باپ کی منکوحہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں دونوں عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی ذی رحم محرم کا رشتہ نہیں۔ چنانچہ پہلی صورت میں اگر بیٹی کو مرد فرض کرلیا جائے تو وہ عورت یعنی باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی البتہ اگر عورت کو مرد تصور کیا جائے تو اس سے باپ کی منکوحہ ہونے کی صفت زائل ہو جائے گی اور وہ بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ کیونکہ بیٹی اجنبی ہوگی ان میں کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر بن علی

❶..... رواہ الجماعہ (سبل السلام ۳/ ۱۲۴ نیل الاوطار ۶/ ۱۴۶) ❷البدائع ۲/ ۲۶۲، الدرالمختار ۲/ ۳۹۱ مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۰، اللباب ۳/ ۶، المھذب ۲/ ۸۳ بدایۃ المجتھد ۲/ ۴۰

بن ابی طالب نے اپنے نکاح میں اپنے چچا علی رضی اللہ عنہ کی بیوی لیلیٰ بنت مسعود نہشلیہ اور حضرت علی کی دوسری بیوی کے بطن سے بیٹی حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جمع کیا تھا حالانکہ لیلیٰ، ام کلثوم کی سوتیلی ماں تھی، اس پر صحابہ نے انکار نہیں کیا۔

ایک نکاح میں دو چچازاد بہنوں کو دو ماموں زاد بہنوں کو دو خالہ زاد بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے (یعنی ایک بیٹی ایک چچا کی ہو اور دوسری دوسرے چچا کی) کیونکہ ان کی حرمت کے متعلق نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ نیز یہ عورتیں عموم آیت میں داخل ہیں:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ......النساء ۴/ ۲۴

نیز اگر ان میں سے ایک عورت کو مرد فرض کرلیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز ہوگا لہٰذا ایک نکاح میں انہیں جمع کرنا جائز ہے۔ البتہ دو چچازاد یا خالہ زاد یا ماموں زاد بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی کراہت کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطع رحمی کا اندیشہ قوی ہونے کی وجہ سے ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ امام شافعی اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔

دو بہنوں کو عقد واحد میں جمع کرنے کا حکم...... اگر کسی شخص نے عقد نکاح میں ایسی دو عورتوں کو جمع کرلیا جن میں محرمیت کا تعلق ہو جیسے دو بہنیں بھتیجی اور پھوپھی یا بھانجی اور خالہ تو اس نکاح کے حکم میں تفصیل ہے۔ [1]

ا۔ اگر ایک ہی عقد میں دونوں کے ساتھ نکاح کیا تو دونوں کے ساتھ نکاح فاسد ہوجائے گا ہاں باطل نہیں ہوگا، پھر اگر صحبت سے پہلے تفریق ہوجائے تو دونوں عورتوں کو مہر میں سے کچھ نہیں ملے گا، اور ان پر عدت بھی نہیں ہوگی، کیونکہ نکاح فاسد کا دخول سے قبل کوئی حکم نہیں ہوتا۔ اسی طرح خلوت کے بعد بھی اس کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔

اگر ناکح نے دونوں کے ساتھ صحبت کرلی ہو تو ہر عورت کے لئے حنفیہ کے نزدیک مہر مثل ہوگا۔ لیکن مقررہ مہر سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ عورت مقررہ مہر پر رضامند تھی، جیسا کہ نکاح فاسد کا یہی حکم ہے۔ دونوں عورتوں پر عدت واجب ہوگی، اور نکاح فاسد میں بھی صحبت کا یہی حکم ہے۔

ب۔ اگر دونوں عورتوں کے ساتھ مستقلاً یعنی الگ الگ نکاح کیا ہو بایں طور کہ پہلے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا پھر دوسری عورت کے ساتھ نکاح کیا تو پہلا نکاح صحیح ہوگا دوسرا نکاح فاسد ہوگا۔ کیونکہ اصل فساد دوسری عورت کو نکاح میں لانے سے ہوا ہے لہٰذا فساد نکاح کو اسی دوسری عورت کے عقد نکاح پر منحصر رکھا جائے گا۔ چنانچہ خاوند اور دوسری عورت کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اگر تفریق صحبت سے پہلے عمل میں آئی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا اور اس پر عدت بھی نہیں ہوگی اور اگر صحبت کے بعد تفریق ہوئی ہو تو عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مقررہ مہر سے زائد نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ دارالاسلام میں ہونے والی وطی عقر (مہر) سے خالی نہیں ہوتی عقر میں یا تو حد واجب ہوتی ہے یا مہر، شبہ نکاح کی وجہ سے حد ساقط ہوجائے گی اور مہر واجب ہوگا اور عوت پر عدت ہوگی۔

جب تک دوسری عورت کی عدت گزر نہ جائے تب تک پہلی عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہوگا، تاکہ من وجہ بھی دونوں عورتوں کو جمع نہ کرپائے جبکہ محارم کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

ج۔ اگر دونوں محارم کے ساتھ الگ الگ نکاح کیا لیکن یہ معلوم نہ رہا کہ پہلے کس عورت سے نکاح کیا اور بعد میں کس عورت سے تو دونوں عورتوں اور خاوند کے درمیان تفریق کردی جائے گی، کیونکہ یقیناً ایک عورت کا نکاح فاسد ہے اور وہ عورت مجہول ہے اور نکاح کے مقاصد مجہول عورت سے حاصل نہیں ہوتے، لہٰذا دونوں کے درمیان تفریق واجب ہے۔ اگر دونوں عورتوں میں سے ہر ایک دعویٰ کررہی ہو کہ پہلے اس سے نکاح ہوا ہے تو ہر ایک کو نصف نصف مہر ملے گا کیونکہ ان میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہے جبکہ تفریق صحبت سے پہلے

---

[1] ......البدائع ۲/ ۲۶۳، اللباب مع الکتاب ۳/ ۲۲۔

ہوئی ہے لہٰذا نصف مہر واجب ہوگا۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں اگر کسی شخص نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کر دیا یا دو رضاعی بہنوں یا نسبی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کر دیا تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا اور اگر آگے پیچھے نکاح کیا تو دوسرا نکاح باطل ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحبت کرنے پر مہر مثل واجب ہوگا۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک مقررہ مہر واجب ہوگا۔ ❶

عدت میں دو بہنوں کو جمع کرنا❷..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وفات کی وجہ سے واقع ہونے والی فرقت کے بعد محارم کو جمع کرنا جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی مرگئی تو خاوند متوفیہ کی بہن، پھوپھی، خالہ کو بغیر انتظار مدت کے نکاح میں لاسکتا ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورت کی عدت کے دوران اس کے محارم کو نکاح میں لانا جائز نہیں، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو خاوند بیوی کی عدت کے دوران بیوی کے محارم (بہن، پھوپھی، خالہ) کو نکاح میں نہیں لاسکتا، البتہ عدت گزر جانے کے بعد نکاح میں لاسکتا ہے، کیونکہ عدت میں سابق نکاح کے احکام باقی رہتے ہیں۔

اگر عورت کو طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ دی گئی ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو آیا کہ اس کی عدت میں اس کی محارمات کو نکاح میں لانا جائز ہے؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کی طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ کی عدت میں مطلقہ کی بہن، پھوپھی، خالہ کو نکاح میں لانا جائز نہیں، چنانچہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کا نطفہ دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ ہونے پائے۔ ❸ دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت کے دوران بائنہ عورت سے بھی نکاح کرنا حرام ہوتا ہے۔ لہٰذا بائنہ اس امر میں رجعیہ کے مشابہ ہوئی نیز دوران عدت عورت کی ذوی الارحام عورتوں سے نکاح کرنے سے قطع رحمی جنم لیتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ یہی راجح رائے ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ..... کہتے ہیں مطلقہ بائنہ و مغلظہ جو عدت گزار رہی ہو اس کی عدت میں اس کی بہن اور ان عورتوں جو بہن کے حکم میں ہوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ طلاق بائنہ اور طلاق مغلظہ کی وجہ سے نکاح سابق کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں، چنانچہ طلاق دہندہ کے لئے مطلقہ صرف عقد جدید سے حلال ہوتی ہے، اس وقت دو عورتیں فراش واحد کے حکم میں جمع نہیں ہوتیں۔

حنابلہ..... کہتے ہیں اگر مجوسیہ یا بت پرست عورت کا خاوند اسلام قبول کرلے یا خلع، رضاع، عیب یا تنگدستی کی وجہ سے زوجہ کا نکاح فسخ کر دیا جائے تو خاوند عورت کی ایسی محرمات کو نکاح میں نہیں لاسکتا جن کو نکاح واحد میں جمع کرنا حرام ہو یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

اگر مجوسی کی بیوی اسلام قبول کرلے پھر مجوسی مسلمہ کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کرلے اور پھر وہ دونوں اسلام قبول کرلیں درحالیکہ پہلی عورت (مسلمہ) کی عدت ابھی نہ گزری ہو تو خاوند ان دونوں عورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے، یہ ایسا ہی ہے جیسے دونوں عورتوں کو اکٹھے نکاح میں لایا ہو، اور اگر خاوند پہلی عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام قبول کرے تو عورت بائنہ ہو جائے گی اور دوسری عورت کا نکاح پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو وہ اس عورت کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا تاوقتیکہ اس کی عدت نہ گزر جائے، زنا اور وطی شبہ کی عدت کا حکم نکاح کی عدت جیسا ہے۔

---

❶..... مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۰، القوانین الفقہیہ ۲۰۹ کشاف القناع ۵/ ۸۱ المقدمات الممہدات ۱/ ۴۰۸۔

❷ الدرالمختار ۲/ ۳۹۰ اللباب ۳/ ۶، القوانین الفقہیہ ۲۰۹، ❸ المہذب ۲/ ۴۳ کشاف القناع ۵/ ۸۱

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن کے ساتھ زنا کر لے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ زانی اپنی بیوی کے ساتھ وطی نہ کرے تاوقتیکہ مزنی بہا کے تین حیض گزر جائیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مزنی بہا کا استبرائے رحم ایک حیض سے بھی ہو جائے گا کیونکہ زنا بغیر نکاح کے وطی ہوتی ہے، وطی زنا کے احکام نکاح کے احکام کی طرح نہیں۔

اگر خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس کی بیوی نے اسے خبر دی ہے کہ اس کی عدت گزر چکی ہے اور دعویٰ اتنی مدت کے بعد ہو کہ اتنے عرصہ میں عدت گزر سکتی ہو جبکہ عورت اس کے دعویٰ کی تکذیب کرتی ہو تو خاوند اس عورت کی بہن کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اور ظاہر میں اس عورت کے علاوہ چار عورتیں نکاح میں لاسکتا ہے جبکہ باطن میں بھی خاوند کی سچائی پر نکاح کا دارومدار ہوگا، کیونکہ یہ اس کے اور اللہ کے درمیان معاملہ ہے تاہم خاوند کا قول قبول کر لیا جائے گا۔

چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح...... اہل سنت والجماعت کے تمام مذاہب میں مرد ایک ہی وقت میں نکاح میں چار سے زائد عورتیں جمع نہیں کر سکتا، اگر چہ ان چار میں سے کوئی عورت مطلقہ ہو اور عدت گزار رہی ہو۔ اگر پانچویں عورت نکاح میں لانا چاہتا ہو تو ان چار میں سے ایک کو طلاق دے اور جب اس کی عدت گزر جائے تو پھر پانچویں عورت نکاح میں لائے۔ کیونکہ نص قرآنی ایک شخص کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں آن واحد میں جمع کرنی جائز قرار نہیں دیتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ النساء ۴/ ۳

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کی بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کر و یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اس طریقہ میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔

آیت کا معنی ہے کہ اگر تمہیں یتیموں کے معاملہ میں ظلم کا خوف ہو اور تم ان کے مہر میں عدل نہ کر سکو یا ان کے نکاح میں انصاف نہ کر سکو یا تمہیں ان کی ولایت اور سرپرستی میں دقت محسوس ہو اور تمہیں اسی طرح عام عورتوں کے متعلق ظلم کا اندیشہ ہو تو بیویوں کی تعداد کم کر دو اور ان میں سے صرف چار پر اکتفاء کر لو، اور اگر تمہیں ایک سے زائد عورتوں پر ظلم کا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت پر اکتفاء کر لو ملحوظ رہے کہ "مثنیٰ اثنین اثنین سے معدول ہے، چنانچہ عربی مقولہ جاءنی القوم مثنیٰ مثنیٰ ای اثنین اثنین یعنی میرے پاس قوم کے دو دو آدمی آئے۔ ثلاث اور رباع میں بھی یہی تفصیل ہے۔ اس سے زوجات کی انواع اور لوگوں کے جتھوں کو بیان کرنا مقصود ہے۔ مثنیٰ وثلاث ورباع میں واؤ برائے تخییر ہے نہ کہ جمع کے لئے۔

مذکورہ آیت کے مدلول کی وضاحت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہو جاتی ہے کہ غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا اس کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، وہ سب کی سب غیلان کے ساتھ اسلام لے آئیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان کو حکم دیا کہ ان دس میں سے چار کا انتخاب کر لو۔ ❶

نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ نے قیس بن حارث کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے اسلام قبول کیا جبکہ میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ ذکر کیا آپ نے فرمایا: ان میں سے چار

❶......رواہ احمد و ابن ماجہ والترمذی عن ابن عمر (نیل الاوطار ۶/ ۱۰۹)

عورتوں کا انتخاب کرلو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نوفل بن معاویہ کی روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا جبکہ ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں چار اپنے نکاح میں رکھ لو اور پانچویں کو الگ کردو۔ ❶

عہد صحابہ وعہد تابعین میں کسی ایک کے متعلق بھی منقول نہیں کہ اس نے اپنے نکاح میں چار سے زائد عورتیں جمع کی ہوں گویا چار سے زائد عورتوں کے جمع کرنے کی حرمت پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے، نیز اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں وہ حسن لغیرہ کے مرتبہ سے کم نہیں ہیں۔ اور یہ احادیث مجموعی حیثیت سے قابل احتجاج ہیں، اگر چہ انفرادی طور پر ان احادیث پر کلام کیا گیا ہے، جیسا کہ علامہ شوکانی نے لکھا ہے۔

بعض شرذمہ قلیلہ مذکورہ آیت میں تاویل کرتے ہیں اور ان کے نزدیک مرد نو عورتوں کو وقت واحد میں نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ ان کا استدلال ظاہر آیت سے ہے۔ مثنیٰ وثلاث ورباع۔ ان کے نزدیک واؤ برائے جمع ہے گویا ۲+ ۳+ ۴ =۹ عورتیں نکاح میں رکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے استدلال کا جواب دیا گیا ہے کہ آیت خطاب کے اعتبار سے لوگوں کے رواج پر محمول ہے۔ اور واؤ مثنیٰ وثلاث ورباع میں تخییر کے لئے ہے، چنانچہ اسی طرح کی ترکیب دوسری آیت میں بھی ہے:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ...... فاطر، ۱/۳۵

اللہ فرشتوں کو قاصد بنا کر بھیجنے والا ہے جو کہ دودو، تین تین، چار چار، پروں والے ہیں۔

یعنی فرشتوں کے مختلف گروہ ہیں، ان میں سے بعض کے دو دو پر ہیں بعض کے تین اور بعض کے چار چار، چنانچہ مثنیٰ، اثنین سے عبارت نہیں بلکہ مثنیٰ سے عدد کا دو مرتبہ ہونا کم از کم مراد لیا جاتا ہے اور ثلاث سے عدد کا تین مرتبہ ہونا کم از کم مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح رباع بھی۔

صرف چار عورتوں پر اکتفاء کا سبب...... انسان کی فطرت میں رغبت ودیعت کردی گئی ہے چنانچہ فطرت انسانی کسی ایک چیز پر قانع نہیں ہوتی اس لئے شریعت نے انسانی فطرت کی رعایت رکھی اور انسان کو صرف ایک بیوی پر مجبور نہیں کیا بلکہ عورتوں کی تعداد میں وسعت رکھی ہے عندالصدر نکتہ کی وجہ یہ ہے کہ چار عورتوں کا نکاح میں رکھنے کی سہولت سے بہت سارے مقاصد حل ہوتے ہیں اور مردوں کی حوائج پوری ہوتی ہیں، چار عورتوں سے مردوں کی خواہشات حتی الامکان پوری ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ ہر مہینہ میں چار ہفتے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ میں ہفتہ وار باری ہر عورت کے حق میں پوری ہوسکتی ہے، اور شرعاً اس سے کفایت بھی ہوجاتی ہے، چار عورتوں سے نکاح مشروع ہونے سے انحراف اور مفاسد کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ عشقیہ مزاج ہوتے ہیں اور وہ طوائف اور بازاری عورتوں کو خواہش نفس کے لئے رکھ لیتے ہیں، چار عورتوں کے مشروع ہونے سے طبیعت میں قناعت آجاتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ بعض لوگوں کی طبیعت تو چار عورتوں سے بھی سیر نہیں ہوتی بھلا چار سے زائد عورتیں کیوں مشروع نہیں کی گئیں؟ کیونکہ انسانی طبیعت جو درجہ اعتدال میں ہو اور افراط وتفریط سے پاک ہو اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور چار سے زائد عورتوں کی صورت میں عورتوں پر ظلم کا امکان قوی تر ہوجاتا ہے، آخر عورتوں کے حقوق بھی تو پورے کرنے ہیں، چار کی حد میں حتی الامکان عورتوں کے حقوق پورے کئے جاسکتے ہیں جبکہ چار سے زائد میں ہفتہ وار مہینہ وار حقوق پورے کرنے میں کوتاہی ہوسکتی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ...... النساء ۳/۴

اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کرسکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو۔

---

❶ ...... راجع الحدیثین فی نیل الاوطار ۶/ ۱۴۰ لکن فی حدیث قیس ضعیف فی اسناد حدیث نوفل رجل مجهول۔

یعنی اگر تم دو یا تین یا چار عورتوں کی باری، صحبت، نان نفقہ اور دوسرے حقوق میں عدل وانصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کر لو۔ کیونکہ ایک عورت کی صورت میں ظلم اور بے انصافی کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح چار عورتوں پر اکتفاء کر لینے میں عدل اور میانہ روی ہے اور ظلم وزیادتی کا احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے، یہ حکم قدیم جاہلی اور قبیلائی رواج کے خلاف ہے چنانچہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی تحدید نہیں ہوتی تھی، عقل بھی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ عورتوں کی کوئی نہ کوئی حد مقرر ہونی چاہیے۔

یہ محض اجازت اور اباحت کا حکم ہے شریعت زور نہیں دیتی کہ چار عورتیں ضرور نکاح میں ہوں، بلکہ خارج میں دیکھا جائے تو کہیں شاذ و نادر ہی ایسی مثال ملے گی کہ کسی مسلمان کے نکاح میں چار عورتیں ہو بلکہ عصر حاضر میں تو صرف ایک ہی عورت کا رواج عام ہے۔

ایک اور نکتہ...... اسلام افزائش نسل پر زور دیتا ہے چنانچہ حدیث میں ایسی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو زیادہ سے زیادہ بچے جنم دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت امت کو مفاخر اخرویہ میں سے شمار کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ایک مرد کے نکاح میں دو یا تین یا چار عورتیں ہوں گی اسکی اولاد بھی زیادہ ہوگی جبکہ ایک عورت سے محدود اولاد ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ (از مترجم)

ایک سے زائد عورتیں رکھنے کی قیود...... شریعت مطہرہ نے ایک سے زائد عورتیں رکھنے کی دو بنیادی قیود عائد کی ہیں وہ یہ ہیں:

۱...... بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل وانصاف کیا جائے۔ یعنی انسانی طاقت اور اختیار میں جتنا عدل ہے اتنا کرنا واجب ہے، اور وہ عورتوں کے درمیان مساوات کرنا، حسن سلوک رکھنا، مادی اور اخلاقی حوالے سے برابری کرنا، نان ونفقہ میں مساوات کرنا، شب باشی اور باری میں برابری کرنا وغیرہ۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ النساء ۴/۳

آیت کریمہ میں ایک عورت پر اکتفاء کرنے کی علت بے انصافی کا خوف قرار دیا ہے، پتہ چلا ایک سے زائد عورتوں میں عدل وانصاف واجب ہے۔

یہ جو عدل قید لگائی جاتی ہے عدل سے یہ مراد نہیں کہ قلبی میلان، محبت وعاطفت میں بھی برابری ہو کیونکہ یہ چیزیں انسانی اختیار میں نہیں ہوتی ہیں اور ان پر کسی کا کنٹرول نہیں، شریعت نے تو انسان کو ان امور کا مکلف بنایا ہے جو انسان کے مقدور اور بس میں ہوں۔ چنانچہ جبلی اور فطری امور کا انسان کو مکلف نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ محبت وبغض انسانی ارادے کے ماتحت نہیں۔

لیکن محبت کا بھوت تو انسانی اختیار میں ہے اور وہ امر متوقع ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں اسی محبت کے بھوت سے ڈرایا گیا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ ...... النساء ۴/۱۲۹

عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تمہارے بس میں نہیں۔ چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو، البتہ کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز۔

اس آیت میں عدل کی شرط کی تاکید کی گئی ہے۔ اور عورتوں پر ظلم نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے بایں طور کہ ایک عورت ویسے ہی چھوڑ دی جائے کہ وہ لٹکی ہوئی دکھائی دے نہ اسے اپنے بیوی سمجھے اور نہ ہی اسے طلاق دے۔ جبکہ عقلمند شخص تو وہ ہوتا ہے جو امور کے وقوع سے قبل ہی ان کی بہتر تدبیر کر لے۔ آیت کریمہ نے ایسے ہی حالات اور داخلی کیفیات پر تنبیہ کی ہے، ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ عدل انسانی طاقت میں نہیں اسکی تاکید کی گئی ہے لہٰذا ایک سے زائد عورتیں جائز ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ شرط متحقق ہونا محال ہے۔

۲۔ ایک سے زائد عورتوں پر خرچہ کرنے کی قدرت ہو، چنانچہ شرعاً ایک سے زائد عورتیں رکھنا تبھی جائز ہے جب خاوند کو ان کے اخراجات

کی قدرت حاصل ہوا گر قدرت نہ ہو تو پھر زائد عورتیں رکھنا جائز نہیں اور یہ امر واضح ہے کہ بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اے نوجوانوں کی جماعت: تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت (خرچہ وغیرہ) رکھتا ہو وہ شادی کر لے۔

تعدد ازواج کی حکمت......نکاح میں ایک ہی بیوی کا ہونا نظام زندگی کے اعتبار سے افضل ہے اور یہی شرعاً اصل ہے۔

جبکہ تعدد ازواج امر نادر ہے اور استثنائی صورت ہے جو کہ خلاف اصل ہے۔ تاہم خلاف اصل کا ارتکاب تبھی کیا جاتا ہے جب شدید حاجت پیش آئے، چنانچہ شریعت نے کسی پر بھی تعدد ازواج واجب نہیں کیا، بلکہ تعدد ازواج کی ترغیب بھی نہیں دی گئی، تاہم شریعت نے بعض عام اور بعض خاص اسباب کی وجہ سے تعدد ازواج کو مباح کیا ہے۔

اسباب عامہ......تعدد ازواج میں ایک زبردست آفت کا علاج ہے وہ یہ کہ مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہونا ہے، چنانچہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا تناسب زیادہ ہے جیسے کہ شمالی یورپ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ جب مردوں کو ایک سے زائد عورتیں رکھنے کی اجازت ہوگی تو لامحالہ عورتوں کے زائد تناسب سے پیدا ہونے والے مفاسد کالعدم ہو جائیں گے۔

اسی طرح جنگوں میں بے شمار مرد ہلاک ہو جاتے ہیں اور عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی میں کچھ ایسا ہی اتفاق ہوا، مردوں کی اکثریت جنگوں کی بھینٹ چڑھ گئی جس سے عورتوں کی تعداد میں حیرت ناک اضافہ ہوا، پھر انہی عورتوں نے سر عام مظاہرے کیے اور مطالبہ کیا کہ تعدد ازواج کو قانونی شکل دی جائے، جبکہ اس عالمی جنگ میں جرمنی کے اکثر مرد ہلاک ہو گئے اور اس کے نتیجے میں عورتوں میں جنسی مفاسد عام ہو گئے۔ سڑکوں، چوراہوں اور قومی پارکوں میں لاوارث گرے پڑے بچوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا۔

ان حالات میں اس وقت اجتماعی اور اخلاقی طور پر تعدد ازواج کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا، بلاشبہ مصلحت ورحمت کا یہی تقاضا ہے، تعدد ازواج عورتوں کو بے راہ روی سے بچانے کا اہم ذریعہ بھی ہے، یوں نسل انسانی موذی امراض ایڈز وغیرہ سے محفوظ بھی رہ سکتی ہے، عورت کو سکون واطمینان والی زندگی میسر آسکتی ہے، جنسی ہیجان سے پیدا ہونے والے مفاسد کا دروازہ بند ہو سکتا ہے، سر عام بے حیائی کے اڈے بند ہو سکتے ہیں جیسے کہ جرمنی وغیرہ میں ایسے کلب عام دیکھے جاتے ہیں۔

انہی اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بسا اوقات امت کو زیادت نسل (آبادی کے اضافہ) کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ مردوں کی تعداد میں اضافہ ہو جو دشمن کے خلاف جنگ لڑ سکیں، کاروبار زندگی زراعت صنعت وحرفت میں ترقی کر سکیں۔

یہودیوں نے تعدد ازواج کو قانونی شکل دے رکھی ہے اسی طرح عیسائیت میں بھی کوئی ایسی نص نہیں جس میں تعدد ازواج کو ممنوع قرار دیا گیا ہو۔ عصر حاضر میں افریقہ کے عیسائیوں کو کنیسہ نے تعدد ازواج کی اجازت دے رکھی ہے۔

ان اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ تعدد ازواج سے قرابتوں رشتہ داریوں بالخصوص سسرالی رشتہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے جتنی زیادہ قربتداری ہوگی اتنی ہی زیادہ اسلامی دعوت پھیلے گی، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ظاہر ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے چونویں (۵۴ ویں) سال میں آپ کی ازواج کی تعداد ۹ (نو) ہوگئی تاکہ ازواج کے ذریعہ بھی دعوت پھیلے۔ [1]

---

[1]......عصر حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ مقبوضہ مسلم ممالک مثلاً کشمیر، فلسطین اور چیچنیا وغیرہ میں مسلمان مردوں کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے اور ان ممالک میں مسلمان مرد ایک سے زائد شادیاں کرتے ہیں جس کی برکات عام دیکھنے میں آتی ہیں۔ لامحالہ ان ممالک کو مجاہدین کی ضرورت ہے جو دشمن کے خلاف لڑ سکیں، مسلمان مردوں کی تعداد میں تبھی اضافہ ہو سکتا ہے جب تعدد ازواج کو عام رواج دیا جائے، آج تو معاشرہ میں تعدد ازواج کو کبیرہ گناہ سمجھا جاتا ہے، اس گمان غلط کا خاتمہ ضروری ہے۔

اسباب خاصہ......اسباب خاصہ بہت سارے ہیں تاہم ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

ا۔عورت کا بانجھ پن، مرض اورزوجین کے درمیان ہم آہنگی کا نہ ہونا......بسا اوقات عورت بانجھ ہوتی ہے جس کی وجہ سے گھر کے آنگن میں پھولوں جیسے بچے عنقا ہوتے ہیں یا عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے خاوند کو بیوی کی طرف چنداں رغبت نہیں ہوتی، یا بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی کی طبیعت کے ساتھ خاوند کی طبیعت موافقت نہیں رکھتی جس کی وجہ سے زوجین کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان ہو جاتا ہے، جبکہ شریعت خاندانی زندگی کو امن وامان اور محبت وسکون کا گہوارہ دیکھنا چاہتی ہے، ان حالات میں بیوی چولہے کی تیسری ناد بن جاتی ہے۔ بجائے اس کے اگر خاوند دوسری شادی کرلے جدید عورت سے گھر میں پھولوں جیسے بچے بھی آجائیں یا گھریلو نظام میں ہم آہنگی آجائے تو لامحالہ گھرانہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکتا ہے، اس ضمن میں مریضہ عورت کا بسا اوقات مرض بھی ختم ہو جاتا ہے اور طبائع میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے ماقبل کا حرمان اور ناامیدی اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

میں نے قبل ازیں بیان کیا ہے کہ چار عورتوں پر اکتفاء کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کے پاس تین راتوں تک نہیں جاتا تو تین راتوں کے بعد خاوند کے دل میں خود بخود داعیہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ پہلی عورت کے پاس جائے۔ اس سے خود بخود عدل متحقق ہو جاتا ہے۔

طبعاً سوکنوں کے درمیان حسد ونفرت پائی جاتی ہے بسا اوقات یہی حسد جھگڑے اور فساد پر منتج ہوتا ہے، لیکن ایسے حالات عموماً مرد کی نااہلی اور شخصی معیار کی کمی کی وجہ سے جنم لیتے ہیں، اور خاوند شرعی قواعد کا کماحقہ التزام نہیں کرپاتا، جس سے گھرانہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، نیز یہ کہ خاوند شب باشی کے معاملہ میں باری اور تقسیم کی طرف توجہ نہیں دیتا، اولاد کی تربیت وتعلیم اور ان کے درمیان عدل وانصاف کی طرف توجہ نہیں دیتا جس سے گھریلو سطح پر مفاسد پیدا ہوتے ہیں، جب خاوند اپنی بیویوں کے درمیان عدل کرے، اولاد کی تعلیم وتربیت اور خرچہ میں مساوات سے کام لے، ہر بیوی کے لئے ایک حد مقرر کردے جس سے تجاوز نہ کرنے پائے تو لامحالہ خاوند ہر ایسے مفسدہ کا استیصال کرسکتا ہے جس سے گھریلو انتشار جنم لیتا ہو، گویا گھریلو امن وامان کو بحال رکھنا خاوند کے حسن تدبیر، عقلمندی ودانشوری اور اہتمام حدود شرعیہ سے ممکن ہے، جب گھریلو امن مہیا ہو تو خاوند معاشی ذمہ داریوں کے لئے اپنی سوچ وفکر کو محفوظ کرلیتا ہے۔

ان قواعد وحدود کی رعایت، خاوند کی شخصی اہلیت اور حسن تدبیر کے بعد کسی عورت کے دل میں طبعی غیرت ظاہر ہو یا اولاد میں سے کسی فرد میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو تو یہ معمول کی چیز سمجھی جائے گی جس سے گھرانہ خالی نہیں ہوتا، تاہم اس حالت کو بھی حکمت وبصیرت سے ختم کرنا ممکن ہوتا ہے۔

عورت ایک سے زائد مردوں سے نکاح نہیں کرسکتی......مرد ایک سے زائد عورتیں نکاح میں رکھ سکتا ہے جبکہ اس کے برخلاف عورت وقت واحد میں صرف ایک ہی مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے، عورت کے لئے ایک سے زائد مردوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے کیونکہ اگر ایک عورت دو یا تین یا چار مردوں کے نکاح میں ہو تو ان مردوں میں تنازع اور فساد کھڑا ہو جائے گا ایک دوسرے سے جھگڑنے لگیں گے اس قسم کے تعدد میں اجتماعی اور معاشرتی فساد اور ضرر ہے، کیونکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب ضائع ہو جاتا ہے اور اولاد کے اصول میں نہ ختم ہونے والا اختلاط پیدا ہو جاتا ہے یوں یہ شرکاء مرد اولاد کی تربیت اور اخراجات سے بیگانہ رہیں گے ہر مرد دوسرے پر تھوپ دے گا یہ فلاں کی اولاد ہے۔ گویا عورت کے اعتبار سے تعدد ازواج نرا فساد نری بے حیائی اور حیوانیت بلکہ خنزیریت ہے۔

۲۔بسا اوقات مرد کی ناپسندیدگی بڑھ جاتی ہے......بعض اوقات مرد اور عورت کے قرابتداروں میں عائلی نزاع پیدا ہو جاتا ہے، یا میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے جو ختم ہونے کو آتا ہی نہیں، اس سے عائلی زندگی کا سکون بگڑ جاتا ہے، گھریلو اطمینان عنقا ہو جاتا

ہے، نکاح کے اصل مقاصد موقوف ہو جاتے ہیں، جبکہ طرفین، نزاع پر ڈٹ جاتے ہیں، کسی جانب سے بھی نرمی کا پہلو نہیں نکلتا، بالآخر یہ نزاع یا تو طلاق پر منتج ہوتا ہے یا پھر مرد کو کڑا صبر کرنا پڑتا ہے، بلاشبہ ان دونوں صورتوں میں پاکیزہ عائلی زندگی جو شریعت کا مقصد بھی ہے مفقود ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف یہ صورت بھی ہے کہ خاوند دوسری شادی کر لے یہ متنازعہ عورت بھی اس کے نکاح میں رہے اور خاوند بھی کڑے امتحانی صبر سے نکل جائے، چنانچہ دوسری شادی کر لینا متنازعہ عورت کو طلاق دینے سے اہون ہے۔ حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ امر طلاق ہے۔

۳۔ **بعض مردوں میں مردانہ قوت معمول سے زیادہ ہوتی ہے**...... بعض لوگوں میں جنسی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک بیوی کو ناکافی سمجھتے ہیں، ناکافی سمجھنا یا تو عورت کے بڑھاپے کی وجہ سے ہوتا ہے یا خاوند اس سے جنسی اتصال کو ناپسند کرتا ہوتا ہے، یا عورت کے حیض ونفاس کی مدت طویل ہوتی ہے اور خاوند کو کڑے صبر آزما امتحان سے گزرنا پڑتا ہے، ان حالات میں لامحالہ پاکدامنی کا بھی تقاضا ہے کہ خاوند کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں جو کہ غیر شرعی جنسی اتصال کا نعم البدل ہیں، نیز ایسے حالات میں تعدد ازواج کی طرف اقدام نہ کرنا شخصی واجتماعی ضرر کا باعث ہے بلکہ فحاشی وزنا کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

خلاصہ...... تعدد زوجات مختلف احوال ضرورت، عذر اور مصلحت کے ساتھ مقید ہے۔

تعدد زوجات کے لئے اجازت قاضی کا مسئلہ...... عصر حاضر میں ایک اور رواج چل پڑا ہے کہ تعدد زوجات کے لئے عدالت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی جائے تاکہ شریعت کی مقرر کردہ شرائط اور قیود متحقق ہو جائیں آیا کہ درخواست گزار واقعی تعدد زوجات کا ضرورتمند ہے یا نہیں، ان قیود اور شرائط کا ماقبل میں ذکر ہو چکا ہے وہ دو چیزیں ہیں بیویوں کے درمیان عدل کا ہونا اور انفاق کی قدرت کا ہونا، کیونکہ بہت سارے لوگ تعدد زوجات کی رخصت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بعض مخلصین نے ان تجاویز کی تردید کی ہے اور اس کے معقول اسباب بیان کیے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

۱...... اللہ تعالیٰ نے تعدد ازواج کی دو شرطوں کو براہ راست راغب یعنی خاوند کے ساتھ وابستہ کیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ...... النساء ۳/۴

اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرو۔

چنانچہ اس آیت میں خطاب صرف راغب یعنی خاوند سے ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور سے خطاب نہیں، یعنی یہ خطاب قاضی وغیرہ سے نہیں ہے۔ گویا خاوند کے علاوہ کسی اور کی طرف سے بے انصافی کا خوف ہونا نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اسی طرح انفاق کی قدرت کی شرط بھی براہ راست راغب یعنی خاوند کے ساتھ وابستہ ہے چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اے نوجوانوں کی جماعت: تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کر لے۔ الحدیث

اس میں بھی خطاب خاوند سے ہے۔ کسی اور سے نہیں ہے۔

۲...... شخصی معاملات میں قاضی کا دخل دینا امر عبث اور فضول بات ہے کیونکہ شخصی معاملات کے حوالے سے قاضی کو حقیقی سبب پر آگاہی نہیں ہو سکتی کیونکہ لوگ عادۃً شخصی معاملات کے حقیقی سبب کو چھپا کر رکھتے ہیں، بالفرض اگر قاضی کو شخصی امور کی آگاہی حاصل بھی ہو جائے تو یہ بات خاندانی زندگی کے خفیہ امور کے حوالے سے محض فضیحت ہوگی، یہ تو لوگوں کی آزادی میں دخل دینے کے مترادف ہے اور اس سے انسانی اختیار کو سلب کرنا لازم آتا ہے، درحقیقت ان امور کی کھوج ایسے معاملات میں وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے جو قاضی کی ذمہ داری سے خارج ہیں۔ چنانچہ نکاح محض شخصی معاملہ ہے اس میں غیر متعلقہ دخل اندازی فضول ہے، عقد نکاح میں زوجین عورت کے

اولیاء کے ساتھ متفق ہوتے ہیں کوئی شخص بھی ان شخصی اقدار کی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا نیز زوجین کے خفیہ امور اور رازوں پر کسی اور کو اطلاع نہیں ہوتی۔

۳.....تعدد زوجات دنیا میں خوفناک حد کو نہیں پہنچا بلکہ تعدد زوجات کا تناسب نہایت قلیل ہے بلکہ نادر ہے۔ چنانچہ مصر اور لیبیا میں تعدد زوجات کا تناسب گذشتہ پانچ دہائیوں سے اوسطاً ۴ فیصد سے زائد نہیں ہونے پایا۔ شام میں تو یہ تناسب نہایت قلیل ہے جو ایک فیصد سے بھی کم ہے، جب یہ تناسب دنیا میں اتنا قلیل ہے تو یہ نئے نئے قوانین صادر کرنے کا قطعاً موجب نہیں، بلکہ اگر قوانین بنا بھی دیے گئے تو اس تناسب میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی کیونکہ اس صورت میں یہ قوانین وقت کے مرہون ہوں گے۔

۴.....تعداد زوجات اولاد کی گمراہی، آوارگی اور ذہنی تشطط کا سبب اور باعث نہیں جیسا کہ شرذمہ قلیلہ کا دعویٰ ہے، بلکہ ان مفاسد کا حقیقی سبب تو والدین کا تربیت اولاد کی طرف توجہ نہ دینا، اولاد کا شراب نوشی میں مبتلا ہونا، منشیات میں ان کا پڑ جانا، لذات کے سیل رواں میں ان بہہ جانا، جوئے کے دھندوں میں پڑ جانا کلبوں اور عشرت کدوں میں ان کی عیش کوشی، خاندانی اور گھریلو زندگی کی طرف عدم توجہ وغیرہ ہے، چنانچہ مصر میں تعدد زوجات کی وجہ سے اولاد کی آوارگی گذشتہ پانچ دہائیوں سے ۳ فیصد سے زائد نہیں، حقیقت میں اولاد کی آوارگی اور ذہنی پراگندگی کا سبب غربت ہے، تاہم ان مفاسد کا علاج دو طریقوں سے ممکن ہے۔

اول..... یہ کہ اولاد کی تربیت دینی اور اخلاقی طریقوں پر کی جائے، بایں طور کہ زوجین کے درمیان پاکیزہ ذہنی ہم آہنگی ہو اور عائلی زندگی محبت و ہمدردی کے اساس پر قائم ہو، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ...... الروم ۳۰/۲۱

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان سے سکون وآرام حاصل کر سکو اور اللہ نے تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کر دی ہے۔

دوم..... جو شخص اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہو یا اس کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہو یا کما حقہ اولاد کی تربیت نہ کرتا ہو اسے مناسب سزا دینا، چنانچہ جو شخص اپنی ذمہ داریوں کے متعلق کوتاہی کرتا ہو اس کا دنیا و آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

شرعی نکاح کے موانع کا خلاصہ..... فقہ مالکیہ میں شرعی نکاح کے موانع کی تلخیص کچھ یوں ہے مالکیہ نے دوسرے فقہاء کی طرح ان موانع کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱)..... موانع مؤبدہ (۲)..... موانع غیر مؤبدہ۔

موانع مؤبدہ..... موانع مؤبدہ (یعنی ایسا مانع جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح کے لئے مانع ہو) کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱)..... متفق علیہا (۲)..... اور مختلف فیہا

پھر متفق علیہا کی تین اقسام ہیں:

(۱)..... نسبی مانع (۲)..... سسرالی مانع (۳) اور..... رضاعی مانع

اور مختلف فیہا کی دو قسمیں ہیں:

(۱) زنا (۲) لعان

موانع غیر مؤبدہ..... یعنی ایسے موانع جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مانع نہ ہوں بلکہ عارضی ہوں) موانع غیر مؤبدہ کی نو اقسام ہیں:

(۱) مانع عدد (۲) مانع جمع (۳) مانع رق (غلامی) (۴) مانع کفر (۵) مانع احرام (۶) مانع مرض (۷) مانع عدت (۸) مانع طلاق ثلاثہ

(۹) مانع زوجیت، اس طرح مانع شرعیہ ۱۴ ہیں۔❶

۱۔ مانع نسب...... مانع نسب یا نسبی مانع، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نسبی اعتبار سے محرمات (جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہو) سات ہیں جن کا قرآن مجید میں تذکرہ ہوا ہے، وہ یہ ہیں، مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

ان محرمات میں عموم ہے ماں سے مراد وہی نہیں کہ جس سے مرد پیدا ہو بلکہ ماں سے مراد باپ کی منکوحہ دادی، نانی بھی ہیں۔ بہن بھی عام ہے اس سے مراد حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بھی ہے۔ پھوپھی میں بھی عموم ہے اس سے مراد باپ کی بہن، دادا کی بہن، نانا کی بہن، وغیرہ خالہ میں بھی عموم ہے یعنی ماں کی بہن ماں کی باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، دادی کی بہن، اسی طرح باقی رشتوں میں بھی عموم ہے۔

۲۔ سسرالی مانع...... سسرالی تعلق سے چار رشتے حرام ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ آباؤ اجداد کی بیویاں، بیٹیوں کی بیویاں، بیویوں کی مائیں اور بیویوں کی بیٹیاں یعنی ربیبہ لڑکیاں (جو بیوی کی کسی دوسرے خاوند سے بیٹیاں ہوں اور مرد کی پرورش میں ہوں) فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان رشتوں میں سے دو قسم کی عورتیں نفس عقد سے حرام ہو جاتی ہیں وہ آباؤ اجداد کی بیویاں اور بیٹوں کی بیویاں ہیں، اور ایک عورت دخول سے حرام ہو جاتی ہے وہ بیوی کی بیٹی ہے چنانچہ بیوی کے ساتھ اگر صحبت کر لی تو بیوی کی وہ بیٹی جو پہلے خاوند سے ہو اس پر حرام ہو جاتی ہے، رہی بات بیوی کی ماں کی سو بیوی کے ساتھ عقد کر لینے سے جمہور کے نزدیک اس کی ماں خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، خواہ بیوی کے ساتھ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔

۳۔ رضاعی مانع...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یعنی دودھ پلانے والی عورت رضیع کی ماں ہو جاتی ہے چنانچہ مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) رضیع پر حرام ہو جاتی ہے اور رضیع پر وہ رشتے بھی حرام ہو جاتے ہیں جو نسبی طور پر حرام ہوں۔

مذاہب اربعہ کے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ لبن فحل تحریم کا باعث ہوتا ہے، یعنی مرضعہ کا خاوند رضیع کے باپ کے بمنزلہ ہے۔ لہٰذا جو رشتے باپ بیٹے کے درمیان حرام ہوتے ہیں۔ وہ رضیع اور مرضعہ کے خاوند کے درمیان بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

۴۔ مانع زنا...... یعنی مالکیہ کے نزدیک زانیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں، تاہم جمہور نے زانیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے جبکہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس نکاح سے منع کیا ہے، ان فقہاء کا منشاء اختلاف آیت کریمہ کے مفہوم میں اختلاف کا ہونا ہے:

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ النور ۲۴/ ۳

زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں کرتا مگر کوئی زانی یا کوئی مشرک، جبکہ یہ مؤمنین، پر حرام ہے۔

۵۔ مانع عدد...... سبھی مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وقت واحد میں چار عورتیں نکاح میں رکھنی حلال ہیں اور جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق چار عورتوں کے ہوتے ہوئے پانچویں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ ...... النساء ۴/ ۳

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلان کو فرمایا تھا کہ دس عورتوں میں سے چار عورتوں کا انتخاب کر لو اور بقیہ عورتوں کو اپنے سے الگ کر دو۔ شیعہ اور ظاہریہ کے نزدیک ۹ عورتیں نکاح میں رکھنی جائز ہیں ان کے نزدیک واؤ برائے جمع ہے۔

---

❶...... بداية المجتهد ۲/ ۳۱، القوانين الفقهيه ۲۰۴، الشرح الصغير ۲/ ۴۰۲

۶۔ مانع جمع...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد نکاح میں دو بہنوں کو جمع نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ......النساء ۴/ ۲۳

اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو تمہارے اوپر حرام کردیا گیا ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ پھوپھی، بھتیجی اور بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسکی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متواتر حدیث ہے جیسا کہ ابن رشد کہتے ہیں یا مشہور حدیث ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ حدیث یہ ہے: عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی عورت اور اس کی خالہ کو جمع کیا جائے پھوپھی میں عموم ہے اس سے مراد باپ کی بہن، دادا کی بہن خواہ حقیقی ہو یا باپ شریک یا ماں شریک ہو۔

۷۔ مانع رق (غلامی)...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غلام، باندی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور آزاد عورت غلام کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے بشرطیکہ وہ خود اور اس کے اولیاء رضامند ہوں جبکہ آزاد مرد باندی کے ساتھ دو شرطوں کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے:

(۱)...... یہ کہ مرد کو زنا میں پڑنے کا خوف ہو۔

(۲)...... آزاد عورت یا کتابیہ عورت کا نان نفقہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

یہ جمہور فقہاء کے نزدیک ہے، اس میں ابن قاسم مالکی کا اختلاف ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ ......النساء ۴/ ۲۵

اور تم میں سے جو شخص پاکدامن مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو (یعنی مہر ونفقہ نہ دے سکتا ہو) تو وہ تمہاری ملکیت میں جو مومن باندیاں ہوں ان کے ساتھ نکاح کرلے۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے زنا کا خوف ہو۔

یہی مذہب راجح ہے، ابن رشد کہتے ہیں ابن قاسم کی رائے ہے کہ آزاد مرد لونڈی کے ساتھ مطلقاً نکاح کرسکتا ہے۔

۸۔ مانع کفر...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کا بت پرست عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ...... الممتحنۃ ۶۰/ ۱۰

کافر عورتوں کے ناموس کو اپنے پاس نہ رہنے دو۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ جبکہ شیعہ امامیہ کہتے ہیں۔ ❶ کتابیہ کے ساتھ نکاح اصلی کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ کتابیہ کے ساتھ متعہ کرنا جائز ہے۔

۹۔ مانع احرام...... جمہور فقہاء کے نزدیک محرم (جو حالت احرام میں ہو) کا نکاح جائز نہیں، چنانچہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کرویا جائے۔ اگر نکاح کرلیا تو اس کا نکاح باطل ہوجائے گا۔

امام بو حنیفہ کہتے ہیں: محرم نکاح کرسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

جمہور کا استدلال یوں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

---

❶......المختصر النافع ۲۰۳

کیا۔ درحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہوا تھا۔ اور میمونہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے۔ یوں ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے لہٰذا استدلال ساقط ہو جائے گا اور رجوع اس حدیث کی طرف کیا جائے گا کہ محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ ہی اس کا نکاح کروایا جائے۔

۱۰۔ مانع مرض...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ جو شخص مرض الموت میں مبتلا ہو اس کا نکاح جائز نہیں۔ جمہور فقہاء کہتے ہیں: یہ نکاح جائز ہے۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نکاح بیع اور ہبہ کے درمیان متردد ہے، چنانچہ مریض کا ہبہ صرف تہائی مال میں جائز ہے اور مریض کی بیع جائز ہے۔ اسی طرح ایک اور سبب میں بھی اختلاف ہے کہ آیا ایک اور نئے وارث کو بیچ میں داخل کرنے سے وارثوں کا ضرر ہوگا یا نہیں؟

۱۱۔ مانع عدت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عدت میں نکاح جائز نہیں برابر ہے کہ عدت حیض ہو یا عدت حمل یا مہینہ وار کے حساب سے عدت ہو، اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ عدت خواہ شبہ نکاح کی ہو یا صحیح نکاح کی۔ اگر کوئی شخص معتدہ کے ساتھ نکاح کرلے اور پھر صحبت بھی کرے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام مالک اور امام اوزاعی کہتے ہیں: ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام ثوری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں: فی الحال دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور جب عورت کی عدت گزر جائے تو ناکح دوسری بار اس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، اس اختلاف کا سبب صحابہ کے اقوال کا مختلف ہونا ہے، فریق اول نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے طلیحہ اسدیہ اور راشد ثقفی کے درمیان تفریق کردی تھی کیونکہ راشد ثقفی نے دوران عدت طلیحہ کے ساتھ شادی کرلی تھی۔

فریق ثانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ ان حضرات کے نزدیک ایسا نکاح حرام نہیں۔

۱۲۔ مانع زوجیت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ مسلمان عورتیں جن کے خاوند زندہ ہوں اور وہ ان کے نکاح میں بھی موجود ہوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح جو عورتیں ذمیوں کے نکاح میں ہوں ان کے ساتھ بھی نکاح کرنا حرام ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ...... النساء ۴/ ۲۴

اور جو عورتیں پاکدامن یعنی شادی شدہ ہوں وہ بھی تمہارے اوپر حرام کردی گئی ہیں، البتہ وہ باندیاں جو تمہاری ملکیت میں ہوں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔

۱۳۔ مانع لعان...... جمہور کے نزدیک لعان سے زوجین کے درمیان فرقت موبدہ واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عورت لعان کرنے والے مرد کے لئے کبھی بھی حلال نہیں ہوتی، گو مرد اپنی تکذیب ہی کیوں نہ کردے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر خاوند اپنی تکذیب کردے تو فرقت ختم ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ طلاق ثلاث کا مانع...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس خاوند نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتی تاوقتیکہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے پھر دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے اس کی عدت گزر جائے تب پہلے کے لئے حلال ہوگی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۰

اگر خاوند نے عورت کو تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ تاوقتیکہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح نہ کر لے۔

سوریہ کے قانون میں محرمات عورتیں:

ا۔ محرمات موبدہ...... دفعہ ۳۳ کے ذیل میں ہے کہ آدمی پر اس کے اصول فروع اور والدین کے فروع حرام ہیں اور اپنے اجداد کے فروع جو طبقہ اولیٰ سے ہوں وہ بھی حرام ہیں۔

دفعہ ۳۴ میں ہے کہ مرد پر یہ عورتیں حرام ہیں۔

۱۔ باپ دادا کی بیوی، اولاد کی بیوی اور اصول وفروع کی موطوءہ۔

۲۔ موطوءہ (بیوی) کے اصول یعنی ماں، دادی وغیرہ۔ اور فروع بھی اور بیوی کے اصول دفعہ ۳۵ میں ہے۔

۱)...... رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ البتہ وہ رشتے رضاعت سے حرام نہیں ہوتے جنہیں فقہائے حنفیہ نے استثناء کیا ہے۔

۲)...... رضاعت کے لئے یہ شرط ہے کہ رضیع نے ابتدائی دو سالوں میں دودھ پیا ہو اور اس کی رضاعت پانچ چسکاریوں تک پہنچتی ہو جو متفرق ہوں۔

ب۔ محرمات مؤقتہ: ۱)...... جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کر لے۔

۲)...... مطلقہ کے ساتھ اگر طلاق دہندہ دوبارہ نکاح کرے تو اس نکاح سے پہلے کی دی ہوئی طلاقیں معدوم ہو جاتی ہیں اور وہ عورت خاوند کے پاس از سر نو تین طلاقیں لے کر آتی ہے۔

دفعہ ۳۷ میں ہے کہ مرد چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ ان چار میں سے ایک کو طلاق دے اور اس کی عدت بھی گزر جائے۔

دفعہ ۳۸ میں ہے کہ آدمی دوسرے کی بیوی سے شادی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جو کسی دوسرے شخص کی عدت گزار رہی ہو۔

دفعہ ۳۹ میں ہے ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے ایک کو اگر مرد فرض کیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔

چوتھی فصل......عقد نکاح میں اہلیت، ولایت اور وکالت

اس فصل میں تین مباحث ہیں۔

پہلی بحث: اہلیت زوجین...... ابن شبرمہ، ابوبکر اصم اور عثمان البتی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کا نکاح نہ کروایا جائے یہاں تک کہ دونوں بالغ ہو جائیں، ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ...... النساء ۶/۴

یہاں تک کہ جب حد نکاح کو پہنچ جائیں۔

چنانچہ اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو اس نکاح کا کوئی فائدہ نہ ہوتا، نیز نابالغوں کو نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ابن حزم کی رائے

ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح جائز ہے، ان کا استدلال ان آثار سے ہے جو اس بارے میں مروی ہیں۔ رہی بات نابالغ لڑکے کی سو اس کا نکاح باطل ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، اور اگر نکاح ہو جائے تو قابل فسخ ہوگا۔ ❶

جمہور فقہاء نے انعقاد نکاح کے لئے بلوغ وعقل کی شرط نہیں لگائی، جمہور فقہاء کہتے ہیں نابالغ اور مجنون کا نکاح صحیح ہوتا ہے۔

صغر...... جمہور فقہاء جن میں مذاہب اربعہ کے ائمہ ہیں کہتے ہیں بلکہ ابن منذر نے تو دعویٰ کیا ہے کہ نابالغ لڑکی کا کفو کے ساتھ نکاح جائز ہے، جمہور نے اپنے مذہب پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔ ❷

۱..... نصوص میں نابالغ لڑکی کی عدت کا بیان آیا ہے اور اس کی عدت تین ماہ بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰٓئِیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ ...... الطلاق ۶۵/ ۴

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں ماہواری سے مایوس ہو چکی ہوں تو (یاد رکھو) ان کی عدت تین مہینے ہے

اور یہ عدت ان عورتوں کی بھی ہے جنہیں ابھی ماہواری ابھی آئی ہی نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ نے نابالغ لڑکی جسے حیض نہ آتا ہو کی عدت تین مہینے قرار دی ہے جیسے کہ مایوس عورت کی عدت تین ماہ ہے۔ جبکہ عدت تو نکاح اور فراق کے بعد ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا نص کی اس امر پر دلالت ہوگئی کہ نابالغ لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے اور اسے طلاق ہوتی ہے۔ ورنہ بیان عدت چہ معنی دارد۔

۲۔ قرآن میں عورتوں کے نکاح کا حکم آیا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ ...... النور ۲۴/ ۳۲

تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں ان کا نکاح کروادو۔

الایامیٰ، الایم کی جمع ہے اس کا معنی وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو یہ عام ہے خواہ نابالغ لڑکی ہو یا بڑی لڑکی ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) ہو۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا درحالیکہ عائشہ رضی اللہ عنہا چھوٹی نابالغ لڑکی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا میں چھ سال کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے زفاف کی اس حال میں کہ میں نو (۹) سال کی تھی۔ ❸ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کروایا تھا، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نکاح ابن ابی سلمہ سے کروایا جبکہ وہ دونوں نابالغ تھے۔

۴۔ آثار صحابہ سے بھی یہ ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے کروایا جبکہ وہ دونوں نابالغ تھے۔ ایک شخص نے اپنی نابالغ بیٹی عبداللہ بن حسن بن علی کو ہبہ کردی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امر کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح ایک عورت نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح ابن مسیب بن نخبہ سے کروادیا، اس عورت کے خاوند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔

۵۔ اس باب میں یہ امر واضح رہے کہ نابالغوں کی شادی میں ایک اہم مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ باپ کو اگر کفول جائے تو وہ شادی کروانے میں دیر نہیں کرتا پھر یہ رشتہ تابلوغ فوت نہیں ہونے پاتا۔

نابالغوں کی شادی کروانے کا کس کو اختیار ہے؟

نابالغ لڑکے لڑکیوں کی شادی کے جواز کے قائلین جمہور فقہاء کا مسئلہ عنوان الصدر میں اختلاف ہے۔

---

❶..... المحلّی ۹/ ۵۶۰ ❷ المغنی ۶/ ۴۸۷، المبسوط ۴/ ۲۱۲، البدائع ۲/ ۲۴۰، القوانین الفقهیه ۱۹۸، مغنی المحتاج ۳/ ۶۸۔ ❸ متفق علیه بین البخاری ومسلم واحمد (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۰)

مالکیہ وحنابلہ...... کہتے ہیں (۱) باپ، باپ کے وصی یا حاکم کے علاوہ کسی اور کو نابالغ کی شادی کروانے کا اختیار حاصل نہیں، کیونکہ باپ میں اولاد کی بھرپور شفقت ہوتی ہے، حاکم وقت اور باپ کا وصی بھی باپ کے حکم میں ہے، کیونکہ ان کے علاوہ اور لوگوں کو نابالغوں کے مال میں اس قدر مشفقانہ نظر حاصل نہیں ہوتی، جس قدر انہیں حاصل ہوتی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یتیم لڑکی سے اس کے نکاح کے متعلق اجازت لی جائے، اگر خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت ہوگی اور اگر انکار کردے تو اس پر اختیار چلانے کا کوئی راستہ نہیں۔ (۲)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت مقداد بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نکاح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کروادیا، یہ معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لڑکی یتیم ہے اور یتیم لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔ (۳)

یتیم لڑکی وہ ہوتی ہے جس کی نابالغی میں اس کا والد وفات پا جائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ بالغ ہو جانے کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ (۴) حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نابالغ کی شادی کروانے کا اختیار صرف باپ کو حاصل ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں عصبات میں سے باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے افراد کو بھی نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی ...... النساء ۳/۴

اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے متعلق تم انصاف نہیں کرسکو گے۔

یعنی یتیموں کے ساتھ نکاح کرنے کے متعلق تمہیں بے انصافی کا خوف ہو۔ چنانچہ آیت کریمہ میں اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کی شادی کروائیں۔ ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عصبات کے علاوہ ذوی الارحام کو بھی اجازت دی ہے کہ وہ بھی یتیموں کی شادی کرواسکتے ہیں جیسے ماں، بہن، خالہ، بشرطیکہ عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل آیت کریمہ کا عموم **وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین**۔ اس آیت میں عصبات وغیر عصبات میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

شافعیہ...... کہتے ہیں (۵) باپ دادا کے علاوہ کسی اور کو نابالغوں کی شادی کروانے کا اختیار حاصل نہیں ہے، ان کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے کہ۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس (نکاح) کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی کی شادی اس کا باپ کروائے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت لے۔ اور دادا باپ کے حکم میں ہے، کیونکہ اسے بھی باپ کی طرح ولایت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اگر باپ نہ ہو تو دادا کنواری لڑکی کی شادی کروائے۔

خلاصہ...... مالکیہ کہتے ہیں قیاس کی رو سے نابالغوں کی شادی کروانا جائز نہیں ہاں البتہ باپ کے متعلق آثار مروی ہیں کہ وہ نابالغ اولاد کی شادی کرواسکتا ہے تاہم باپ کے علاوہ باقی اولیاء علی حسب قیاس رہیں گے۔ حنابلہ کی رائے ہے کہ احادیث میں صرف باپ کا حکم وارد ہوا ہے، شافعیہ نے مختلف احادیث سے استدلال کیا ہے لیکن انہوں نے دادا کو باپ پر قیاس کیا ہے۔ حنفیہ نے آیات کے عموم سے استدلال کیا ہے جن میں اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کی شادی کروائیں۔

امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے نابالغوں کی شادی کے متعلق یہ شرط عائد کی ہے کہ ان کی شادی کفو سے کروائی جائے اور مہر مثل رکھا جائے۔ اسی طرح شافعیہ نے نابالغ کی شادی میں مصلحت کی شرط لگائی ہے، جبکہ اگر باپ نابالغ بچی یا بڑی لڑکی کی شادی اس کی اجازت

---

(۱)...... القوانین الفقهیه ۱۹۹، الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۳، المغنی ۶/ ۴۸۹ (۲) رواه الخمسه الا ابن ما جه عن ابی هريرة (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۱) (۳) رواه احمد والدارقطنی عن ابن عمر (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۱ (۴) رواه ابو دائود وحسنه النووی (۵) مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹۔

کے بغیر کروائے تو یہ شادی صحیح ہونے کے لئے سات شرطیں عائد کی ہیں۔

(۱)......یہ کہ باپ اور لڑکی کے درمیان کوئی عدوات نہ ہو۔

(۲)......یہ کہ کفو کے ساتھ اس کی شادی کروائے۔

(۳)......یہ کہ مہر مثل رکھے۔

(۴)......یہ کہ مہر مثل شہر کی مروجہ کرنسی میں ہو۔

(۵)......یہ کہ خاوند مہر ادا کرنے سے قاصر اور تنگدست نہ ہو۔

(۶)......ایسے مرد کے ساتھ شادی نہ کروائے جس کی معاشرت سے منکوحہ کو اذیت پہنچتی ہو جیسے نابینا اور بوڑھا شخص۔

(۷)......یہ کہ عورت پر حج واجب نہ ہو کیونکہ خاوند کی وجہ سے حج موخر ہوسکتا ہے۔

مالکیہ نے باپ کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ نابالغ لڑکی کی شادی کرواسکتا ہے اگر چہ بغیر مہر کے کیوں نہ ہو، اگر چہ خاوند لڑکی کے معیار سے کمتر ہو یا بدصورت ہو، جو یتیم لڑکی دس سال کی عمر کو پہنچ چکی ہو تو اس کا ولی قاضی سے مشورہ لینے کے بعد اس سے شادی کر سکتا ہے، قاضی سے مشورہ لینا اس لئے شرط ہے تا کہ یتیم لڑکی کی شادی کفو سے ہو اور مہر مثل رکھا جائے۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ باپ اپنے نابالغ بیٹے اور مجنون کی شادی مہر مثل کے ساتھ کرواسکتا ہے اگر چہ باپ کو جبر ہی کیوں نہ کرنا پڑے، کیونکہ باپ اپنی کنواری لڑکی کی شادی بغیر مہر کے بھی کرواسکتا ہے۔ باپ اگر اپنے نابالغ لڑکے کی شادی کروائے تو ایک عورت سے کروائے کیونکہ ایک عورت سے مصلحت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر مصلحت ایک سے زائد عورتوں کی مقتضی ہو تو ایک سے زائد عورتوں سے بھی نکاح کرواسکتا ہے۔ جبکہ بعض حنابلہ نے اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ مصلحت ایک عورت سے پوری ہو جاتی ہے، چونکہ ایک سے زائد عورتوں میں مصلحت کی بجائے مفسدہ ہے۔ جبکہ باپ کا وصی نابالغ لڑکے کی شادی ایک سے زائد عورتوں سے نہیں کرواسکتا۔ کیونکہ ایک عورت سے کفایت ہو جاتی ہے۔

عقل......بالاتفاق نکاح کے لئے عقل شرط نہیں چنانچہ ولی کے لئے جائز ہے کہ وہ مجنون لڑکے، لڑکی، معتوہ لڑکے اور لڑکی خواہ نابالغ ہوں یا بالغ کی شادی کرواسکتا ہے یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔[1]

مالکیہ کے نزدیک باپ، مجنون لڑکے اور مجنون لڑکی وغیرہ کی شادی کرواسکتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا پہلے شادی کی ہو یا کنوارا۔[2]

شافعیہ کہتے ہیں: باپ مجنون کی شادی کروانے کا اختیار نہیں رکھتا وہ مجنون خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، الّا یہ کہ شادی کی اشد ضرورت ہو تو باپ صرف ایک عورت سے مجنون کی شادی کروائے۔ اگر باپ نہ ہو تو دادا کروائے وہ نہ ہو تو سلطان کروائے، باپ کے علاوہ بقیہ عصبات کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ چونکہ باپ اور دادا میں شفقت کامل پائی جاتی ہے۔[3]

حنابلہ کہتے ہیں[4] اگر مجنون عورت مردوں کی طرف مائل ہوتی ہو تو اس سے سبھی اولیاء کو اس کی شادی کروانے کا اختیار حاصل ہوگا کیونکہ تسکین شہوت کے لئے اسے شادی کی حاجت درپیش ہوتی ہے اور اسے زنا سے بچانا بھی ضروری ہے، مختلف قرائن سے اس کا مردوں کی طرف میلان جانچا سکتا ہے مثلاً وہ مردوں کے پاس آتی جاتی ہو، مردوں کا پیچھا کرتی ہو یا ایسی باتیں کرتی ہو جو اس کے میلان پر دال ہوں۔ اسی طرح اگر قابل اعتماد اطباء مشورہ دیں کہ مجنونہ کی بیماری شادی کروانے سے زائل ہوسکتی ہے تو اس کی شادی کروادی جائے اگر مجنونہ کا کوئی ولی نہ ہو تو حاکم وقت اس کی شادی کروادے۔

---

[1]......البدائع ۲/ ۲۴۱۔ [2] الشرح الصغیر ۲/ ۳۰۰۔ [3] مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۸۔ [4] کشاف القناع ۵/ ۴۶

اگر بالغ مجنون یا نابالغ عاقل کو شادی کی حاجت درپیش ہو یا اسے خدمت کے لئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت ہو تو باپ اور اس کے وصی کے نہ ہونے کی صورت میں حاکم وقت اس کی شادی کروا دے جبکہ باپ، وصی اور حاکم وقت کے علاوہ کسی اور کو ان کی شادی کروانے کا اختیار حاصل نہیں۔ اگر مجنون کو شادی کی حاجت نہ ہو تو اس کی شادی کروانا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کی شادی میں بلا منفعت ضرر پہنچانا ہے۔

نابالغ اور مجنون کے نکاح کے بارے میں سوریہ کے قانون کا موقف......مسئلہ مذکورہ بالا میں سوریہ کے قانون میں جمہور کی رائے کے خلاف ابن شبرمہ اور ان کے موافقین کی رائے کو اپنایا گیا ہے، چنانچہ معاشرہ کے حالات اور خاوند کی ذمہ داریوں کے پیش نظر نابالغ اولاد کا نکاح صحیح نہیں، سوریہ کے قانون میں تو مجنون اور معتوہ کا نکاح مطلقاً صحیح نہیں۔ الا یہ کہ طبی طور پہ طے ہو جائے کہ مجنون کو صرف اور صرف شادی سے افاقہ ہوگا، ایسی صورت میں قاضی نکاح کی اجازت دے دے۔

دفعہ ۱۵ میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱)......اہلیت نکاح کے حوالے سے عقل اور بلوغ شرط ہے۔

(۲)......جب ماہرین اطباء کے معائنہ سے ثابت ہو جائے کہ مجنون اور معتوہ کو شادی سے افاقہ ہوگا تو قاضی کو چاہئے کہ وہ شادی کی اجازت دے دے۔

سن بلوغ......سوریہ کے قانون میں سن بلوغ کی تحدید کے حوالے سے بھی جمہور کے خلاف رائے کو اپنایا گیا ہے۔ چنانچہ دیوانی قانون کی دفعہ ۴۶/۲ میں صراحت کی گئی ہے کہ سن بلوغ کی حد اٹھارہ (۱۸) سال ہے اور یہ حد لڑکے کی عمر کی حد ہے، جب کہ لڑکی کی عمر بھی اٹھارہ سال ہی رکھی گئی ہے، دفعہ کا متن کچھ یوں ہے۔

۱)......ہر وہ شخص جو قوائے عقلیہ سے نفع اٹھاتے ہوئے بالغ ہو جائے جبکہ اس پر حجر (پابندی) نہ ہو تو وہ اپنے مدنی (دیوانی) حقوق کی ادائیگی کی کامل اہلیت رکھتا ہے۔

۲)......سن رشد (سمجھداری کی عمر) پورے اٹھارہ میلادی سال ہیں، جبکہ شخصی احوال کے اعتبار سے صراحت ہے کہ لڑکے کی اہلیت کے اٹھارہ سال ہیں اور لڑکی کی اہلیت کے سترہ سال ہیں یہ صراحت دفعہ ۱۶ میں ہے۔

لیکن اس قانون نے قاضی کے لئے روا رکھا ہے کہ لڑکا اگر پندرہ سال پورے ہونے اور لڑکی تیرہ سال پورے ہونے کے بعد شادی کا مطالبہ کریں اور بالغ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہوں اور بظاہر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوں تو قاضی انہیں نکاح کی اجازت دے دے۔ چنانچہ اس میں شباب کی رعایت رکھی گئی ہے تاکہ نوجوان طبقہ انحراف کا شکار نہ ہو۔

قانون کی دفعہ ۱۸ میں حسب ذیل صراحت ہے۔

۱)......اگر پندرہ سال پورے ہونے کے بعد مراہق (قریب البلوغ لڑکا) بالغ ہونے کا دعویٰ کرے یا مراہق لڑکی تیرہ سال پورے ہونے کے بعد بلوغ کا دعویٰ کرے اور شادی کا مطالبہ کر رہے ہوں تو قاضی انہیں شادی کی اجازت دے دے، بشرطیکہ ان کا دعویٰ سچ ثابت ہو جائے۔

۲)......اگر ولی باپ ہو یا دادا ہو تو ان کی موافقت شرط ہوگی۔

جبکہ ہمارے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر ممیز بچے کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، جبکہ ممیز بچے کا نکاح حنفیہ کے نزدیک اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جبکہ جمہور کے نزدیک اس کا نکاح باطل ہوگا۔ اس حالت میں اس کی شادی تو بس اس کا ولی ہی کروائے، اور

جب پندرہ سال کو پہنچ جائے تو اپنے تئیں نکاح کرسکتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اٹھارہ سال کی عمر ہو جائے تو اپنے تئیں نکاح کرسکتا ہے۔

دوسری بحث: ولایت نکاح.....فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ جس شخص کو ولایت نکاح حاصل ہو وہ براہ راست نکاح کرواسکتا ہو جب یہ ولایت پائی جائے تو عقد صحیح ہوگا اگر یہ ولایت مفقود ہو تو جمہور کے نزدیک عقد باطل ہو جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک عقد موقوف ہوگا۔

اگر ولی نے براہ راست ولایت کے فرائض انجام دیتے ہوئے اصالۃً عقد طے کیا تو بالاتفاق عقد صحیح ہوگا اور اگر ولی نے اپنا اختیار وکیل کو سونپ دیا تو بھی عقد صحیح ہوگا۔ ہم ولایت کے متعلق درج ذیل امور سے بحث کریں گے۔

ولایت کا معنی، ولایت کی انواع، عورت کے نکاح میں ولایت کا شرط ہونا، ولی کی شرائط، ولایت کا اختیار کس کو حاصل ہوگا، مولیٰ علیہ (جس پر ولایت حاصل ہو) اولیا کی ترتیب، عورت سے نکاح کی اجازت لینے کی کیفیت، ولی کا معاملہ نکاح میں رکاوٹ کھڑی کرنا اور ولی کا غائب ہونا۔

ولایت کا معنی.....ولایت کا لغوی معنی محبت ونصرت ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ومن یتولی اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے محبت کرتا ہے تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی نصرت کرنے والے ہیں۔

ولی کا معنی صاحب اختیار اور صاحب قدرت بھی ہے۔

اصطلاح میں براہ راست تصرف کا اختیار رکھنا جو کسی دوسرے کی اجازت پر موقوف نہ ہو۔ اور کسی عقد کے ذمہ دار کو ولی کہا جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ [1] البقرۃ ۲/ ۲۸۲

سبب ولایت.....ولایت کے مشروع ہونے کا سبب نابالغ اور مجنون کی شادی کروانے کا اختیار حاصل ہونا ہے، اور ان کی شادی میں مصلحت کی رعایت رکھنا ہوتا ہے۔ اور ولایت کو استعمال میں لا کر ان کے حقوق کی حفاظت کرنا ہوتا ہے تاکہ نابالغ اور مجنون کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

دوم: ولایت کی اقسام.....حنفیہ نے ولایت کی تین اقسام ذکر کی ہیں:۔ ولایت نفس، ولایت مال، ولایت نفس و مال معاً۔

ولایت علی النفس.....اس کا حاصل یہ ہے کہ نابالغ کے شخصی افعال میں دخل دینا جیسے شادی، تعلیم و تربیت، علاج معالجہ اور روزگار پر لگانا وغیرہ۔ یہ ولایت باپ، دادا اور دوسرے اولیاء کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی المال.....ایسی ولایت جس کے حاصل ہوتے ہوئے انسان نابالغ کے مالی معاملات کی تدبیر وانتظام کرتا ہو، یہ ولایت باپ، دادا، ان دونوں کے وصی اور قاضی کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس والمال...... یہ ولایت شخصی اور مالی معاملات دونوں کو شامل ہوتی ہے اور ولایت کی یہ قسم صرف باپ اور دادا کو حاصل ہوتی ہے۔

اس موقع پر ''ولایت علی النفس'' محل بحث ہے۔

ولایت علی النفس کی اقسام......ولایت علی النفس کی دو اقسام ہیں:

(۱)......ولایت اجبار　　　(۲)......ولایت اختیار

ولایت اجبار کو ولایت ایجاب اور ولایت اختیار کو ولایت استجاب بھی کہا جاتا ہے۔ ❶

۱) **ولایت اجبار**...... کا معنی ہے کسی دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا۔ اس عمومی معنیٰ کے ناطے ولایت اجبار چار اسباب سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہیں: قرابت، ملک، حق ولاء، اور امامت۔

ولایت قرابت...... یہ ولایت ولی کو ماتحت (زیر ولایت) شخص کی قرابتداری کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جیسے باپ، دادا، بیٹا، چچازاد بھائی وغیرہ۔

ولایت ملک...... یہ ولایت آقا کو اپنے مملوک پر حاصل ہوتی ہے چنانچہ آقا اپنے غلام یا باندی کی شادی کرواسکتا ہے، یعنی جبراً ان کی شادی کرواسکتا ہے۔ اگر غلام یا باندی اپنے تئیں شادی کرے تو ان کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

آقا کو یہ ولایت حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ آقا عاقل و بالغ ہو، تاہم مجنون اور معتوہ کو یہ ولایت حاصل نہیں ہوگی اسی طرح بچے کو بھی بلوغ سے پہلے یہ ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

ولایت ولاء کی اقسام......(۱) ولاء عتاق (۲) ولاء موالات۔

ولاء عتاق......شرعی حق ہے جو آزاد کنندہ کو آزاد کردہ غلام پر حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ آزاد کرنے والا اسی ولایت کے ذریعے آزاد کردہ غلام کا وارث بنتا ہے، چنانچہ آزاد کرنے والے کو ولایت حاصل ہوتی ہے کہ وہ آزاد کردہ غلام کی شادی کروائے خواہ آزاد کردہ غلام چھوٹا ہو یا بڑا، مجنون ہو یا معتوہ۔ اس ولایت کی بھی یہ شرط ہے کہ آزاد کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔

ولاء موالات......اس کا حاصل یہ ہے کہ دو آدمی آپس میں باہمی مدد و تعاون کا معاہدہ کر لیتے ہیں کہ اگر کسی ایک سے جرم سرزد ہوا تو دوسرا اس کی طرف سے تاوان دے گا اور مرنے پر وارث بھی بنے گا۔ اس معاہدہ سے شادی کروانے کی ولایت بھی ثابت ہو جاتی ہے، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ولی عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ اور یہ کہ مولیٰ علیہ کا کوئی نسبی وارث یا عصبہ سببی موجود نہ ہو۔

ولایت امامت...... یہ ولایت امام عادل یا اس کے نائب کو حاصل ہوتی ہے جیسے سلطان قاضی۔ چنانچہ سلطان اور قاضی کو نابالغ کی شادی کروانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ نابالغ کا کوئی قریبی ولی موجود نہ ہو، چنانچہ حدیث ہے کہ۔ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہوتا ہے۔ ❷

ولایت اجبار بالمعنی خاص یہ ہے کہ ولی کو ماتحت کا جس سے چاہے نکاح کروانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار بالمعنی خاص کی رو سے ولی نابالغ لڑکی اگرچہ شوہر دیدہ ہی ہو کا نکاح کرواسکتا ہے اس کے علاوہ معتوہ مجنونہ اور باندی کا نکاح کرواسکتا ہے۔ جس شخص کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے اسے ولی اجبار یا ولی مجبر کہا جاتا ہے،

---

❶...... البدائع ۲/ ۲۴۱۔ الدر المختار ۲/ ۴۶۲۔ ❷ اخرجه الاربعة الاالنسائی عن عائشه وصححه ابو عوانة وابن حبان والحاكم۔

۲۔ ولایت اختیار...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ولی زیرولایت کی شادی اسکی رضامندی اور اختیار سے کرواتا ہے، اسطرح کے ولی کو ولی مخیّر یا ولی اختیار کہا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ولایت مستحب ہے، یعنی آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح کروانے کے حوالے سے یہ ولایت مستحب ہے واجب نہیں۔ برابر ہے کہ عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو، کیونکہ اس ولایت کے استعمال میں اسلامی آداب ومحاسن کی رعایت ہے، حنفیہ کے نزدیک عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا اختیار اپنے ولی کو سونپ دے اس ولایت کے ثابت ہونے کی شرط مولیٰ علیہ (ماتحت، زیرولایت) کی رضامندی ہے۔

خلاصہ...... حنفیہ کے نزدیک ولی صرف ولی مجبر ہے، حنفیہ کے نزدیک ولی مجبر کے علاوہ کوئی اور ولی ایسا نہیں جس پر عقد نکاح موقوف ہوتا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک ولایت کی مختلف انواع...... مالکیہ کے نزدیک ولایت کی دواقسام ہیں:

(۱)......ولایت خاصہ۔ (۲)......ولایت عامہ۔[1]

۱۔ ولایت خاصہ...... یہ ایسی ولایت ہے جو مخصوص لوگوں کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ اس ولایت کے حامل چھ لوگ ہیں، وہ یہ ہیں: باپ۔ اس کا وصی، عصبہ قریب، مولیٰ، کفیل (ضامن) اور سلطان۔ اس ولایت کے اسباب بھی چھ ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ابوت (باپ ہونا) وصیت، عصبہ ہونا، ملک، کفالت، سلطنت۔ ولایت کفالت کا معنی ہے کہ کوئی عورت ہو جس کا والد موجود نہ ہو اور کوئی شخص اس عورت کا کفیل اور سرپرست بن جائے۔ نیز اس عورت کا خاندان بھی کہیں غائب ہو اور وہ شخص ایک عرصہ تک اس عورت کی تربیت کرتا رہے، تاہم اس شخص کو اپنی ماتحت عورت کے نکاح کروانے کا حق حاصل ہوگا۔ اس ولایت کے حاصل ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

اول)...... اتنے عرصہ تک عورت اس شخص کی سرپرستی میں رہے کہ جتنے عرصہ میں عادۃً کہا جاسکے کہ عورت پر اس شخص کی مہربانی اور شفقت ہوتی رہی ہے تاہم اس عرصہ کی تحدید کی چنداں حاجت نہیں کہ کہا جائے کہ چار سال یا دس سال، بلکہ اس عرصے کی تحدید لوگوں کے رواج اور عادت پر موقوف ہے۔

دوم)...... یہ کہ عورت شریف نہ ہو، شریف سے مراد یہ ہے کہ عورت حسب نسب، خوبصورت اور مالدار نہ ہو، اگر عورت فقط خوبصورت ہو یا فقط مالدار ہو تو حاکم وقت کو اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہوگی۔ تاہم بعض مالکیہ نے اس شرط سے رجوع کیا ہے کہ ولایت کفیل شریف وغیر شریف دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہے۔

۲۔ ولایت عامہ...... ولایت عامہ کے ثبوت کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ اسلام ہے، یہ ولایت ہر مسلمان کو حاصل ہوتی ہے، تاہم عورت کی دیکھ بھال کرنے کے لئے کوئی ایک مسلمان کھڑا ہوسکتا ہے، مثلاً کوئی عورت کسی مسلمان کو اپنے عقد نکاح کا وکیل بنادے بشرطیکہ عورت کا باپ یا باپ کا وصی موجود نہ ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ عورت شریف نہ ہو بلکہ غیر شریفہ ہو، غیر شریفہ سے مراد یہ ہے کہ عورت حسین وجمیل نہ ہو، حسب نسب والی نہ ہو اور مالدار بھی نہ ہو، نسب سے خالی ہونے کا مطلب ہے کہ عورت بنت زنا ہو یا شبہ نکاح سے پیدا ہوئی ہو یا آزاد کردہ باندی ہو، حسب سے مراد اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں جیسے علم، حسن انتظام سخاوت وبخشش اور دیگر اسلام کے محاسن۔

تاہم غیر شریفہ عورت پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے جبکہ ولی خاص غیر مجبر موجود ہو جیسے باپ، چچا کا بیٹا، جیسے کہ ولایت عامہ سے شریفہ عورت کا نکاح صحیح ہے۔

---

[1]...... القوانین الفقهیه ۱۹۸، الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۱، الشرح الکبیر ۲/ ۲۲۱۔

تاہم ولایت خاصہ جب متعذر ہو جائے تو ولایت عامہ فعال ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک ولایت اجبار دو اسباب میں سے ایک سبب سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱)......بکارت (کنوارے پن) سے

(۲)......اور صغر (بچپن) سے۔

چنانچہ باکرہ لڑکی اگر بالغ ہو تو ولایت اجبار واقع ہوگی اور چھوٹی لڑکی کے لئے تب ثابت ہوگی اگر وہ شوہر دیدہ ہو البتہ اس سے اجازت لینا مستحب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ولی اجبار تین میں سے ایک ہو سکتا ہے،: لونڈی اور غلام کا مالک۔ باپ اور باپ کی عدم موجودگی میں باپ کا وصی۔

ولی غیر مجبر عصبات ہیں پھر عورت کو آزاد کرنے والا پھر کفیل پھر حاکم وقت۔

شافعیہ کے نزدیک ولایت کی مختلف انواع......شافعیہ کے نزدیک عورت کی طرف سے ولی کا ہونا مطلقاً شرط ہے۔ [۱] ان کے نزدیک تبھی کسی عورت کا نکاح صحیح ہوگا جب عقد نکاح اس کا ولی طے کرے، چنانچہ عورت اپنے ولی کی اجازت سے اپنے تئیں نکاح نہیں کر سکتی، اور نہ ہی کوئی اور شخص وکالت کے ذریعہ نکاح کروا سکتا ہے، بغیر ولی کے نکاح قابل قبول نہیں۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......ولایت اجبار۔ (۲) ولایت اختیار۔

ولایت اجبار......ولایت اجبار باپ کو حاصل ہوتی ہے، اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ باپ کو کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ لڑکی چھوٹی ہو یا بڑی ہو، اسکی جازت کے بغیر نکاح کروا سکتا ہے۔ البتہ اس سے اجازت لینا مستحب ہے۔ کنواری بالغہ عاقلہ لڑکی سے اجازت لینے میں اس کا خاموش رہنا کافی ہے۔ شافعیہ کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نکاح کی اپنے ولی کی بنسبت زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی کی شادی اس کا باپ کروائے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے۔ شوہر دیدہ عورت سے اجازت اسکا باپ لے اور اس کا خاموش رہنا ہی اس کی جازت ہے۔

چنانچہ مسلم کی روایت استحباب پر محمول ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کنواری لڑکی میں حیاء زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس نے مردوں کا سامنا نہیں کیا ہوتا۔

ولایت اختیار......شوہر دیدہ عورت کے نکاح کے سلسلہ میں یہ ولایت اولیاء عصبات میں سے ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے۔ تاہم ولی شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی جازت کے بغیر نہیں کروا سکتا۔ اگر شوہر دیدہ عورت چھوٹی لڑکی ہو تو اس کی شادی نہ کروائی جائے تاوقتیکہ بالغ ہو جائے، کیونکہ نابالغ لڑکی کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔

بالغہ شوہر دیدہ عورت کی شادی صریح اجازت لے کر کروائی جائے۔

اس کا خاموش رہنا کافی نہیں ہوگا، اس کی دلیل دارقطنی کی سابق حدیث ہے، نیز حدیث ہے۔ غیر شادی شدہ عورتوں کا نکاح نہ کرواؤ مگر ان سے اجازت لے کر۔ [۲] نیز شوہر دیدہ عورت نکاح کا مقصد سمجھتی ہے لہٰذا کنواری عورت کے برخلاف اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ صریح اجازت لینے کی دلیل یہ حدیث ہے۔" ولی کو شوہر دیدہ عورت کے متعلق اختیار حاصل نہیں ہے۔ [۳] اور اگر شوہر دیدہ عورت سے اجازت

---

[۱]......مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۷، المہذب ۲/ ۳۵۔ [۲] رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔ [۳] رواہ ابوداؤد والنسائی (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۰)

بذریعہ وکیل لی جائے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ ان دونوں طریقوں سے اجازت لینے کا معنی ایک ہی ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ کنواری لڑکی اور شوہر دیدہ عورت میں فرق اجازت لینے میں ہے، جبکہ کنواری لڑکی سے اجازت لینا مستحب ہے، کنواری لڑکی کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے جبکہ شوہر دیدہ عورت سے اجازت لیناواجب ہے۔

رہی بات مجنونہ عورت کی سواس کا باپ اس کی شادی کروائے اور اگر باپ نہ ہوتو مصلحت کی خاطر دادا شادی کروائے۔

حنابلہ کے ہاں ولایت کی انواع......شافعیہ اور مالکیہ کی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی عورت کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوتا، اگر عورت نے اپنا نکاح خود کردیا یا کسی اور مثلاً اس کی بیٹی یا بہن نے کروایا یا عورت نے کسی کو وکیل بنادیا اور اس نے عورت کا نکاح کروایا تو ان تینوں صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ عورت اپنی ناقص عقل کی وجہ سے اپنی بضع کے بارے میں تسلی بخش فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی، اور عورت بہت جلد دھوکا کھا جاتی ہے، لہٰذا بضع کی تقدیر کا فیصلہ عورت کو نہیں سونپا جائے گا جیسے فضول خرچ کو مال نہیں سونپا جاتا، عورت کے معاملہ میں وکیل بنانا بھی صحیح نہیں اور عورت بضع کے معاملہ میں وکیل بن بھی نہیں سکتی اگر حاکم وقت نے اس نکاح کے صحیح ہونے کا فیصلہ کردیا تو یہ نکاح باقی فاسد نکاحوں کی طرح نہیں ہوگا۔ (۱)

ولایت اجبار...... باپ، باپ کے وصی کے لئے ثابت ہوتی ہے، پھر حاکم کے لئے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں جبکہ دادا اور بقیہ اولیاء کے لئے ولایت اجبار ثابت نہیں ہوتی اور ولایت اجبار فقط چھوٹی لڑکی کی شادی میں حاصل ہوتی ہے۔

ولایت اختیار...... یہ ولایت سبھی اولیاء کے لئے ثابت ہوتی ہے، یہ ولایت آزاد اور مکلف عورت پر حاصل ہوتی ہے، عورت خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری، تاہم عورت سے اجازت لی جائے گی، جبکہ کنواری عورت کی اجازت اس کی خاموشی ہے، اور شوہر دیدہ عورت کی اجازت اس کے کلام سے ہوگی، ان کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کروایا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے کروایا جائے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول: کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔ (۲) ایک اور حدیث میں ہے کہ۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی تعبیر کرسکتی ہے جبکہ کنواری لڑکی کی رضامندی اسکی خاموشی ہے۔ (۳)

سبھی اولیاء ۹ (نو) سال کی لڑکی کا نکاح کروانے کا اختیار رکھتے ہیں تاہم اس سے اجازت لی جائے، نو سال کی لڑکی کی اجازت صحیح اور معتبر ہے، اسکی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جب لڑکی نو سال کی ہوجائے تو وہ عورت بن جاتی ہے۔ (۴) نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جو اسی مضمون میں مروی ہے۔ نیز نو سال کی لڑکی نکاح کے قابل ہوجاتی ہے اور اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے لہٰذا بالغہ کے مشابہ ہوئی۔

خلاصہ...... عاقل بالغ مرد اصالتہً اپنا نکاح بالاتفاق کرسکتا ہے، ولی چھوٹے مجنون اور معتوہ کا بالاتفاق نکاح کرسکتا ہے۔

عاقلہ، بالغہ لڑکی کے نکاح کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: عاقلہ، بالغہ عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، جمہور کہتے ہیں: اسکا ولی اس کا نکاح کروائے، لیکن حنابلہ کے نزدیک عورت سے اجازت لینا ضروری ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر عورت شوہر دیدہ ہوتو اس سے اجازت لی جائے، اور اگر کنواری ہوتو اس کی اجازت کے بغیر بھی ولی نکاح کرواسکتا ہے خواہ چھوٹی لڑکی ہو یا بڑی۔ حنفیہ کے نزدیک ہر ولی مجبر ہوتا ہے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باپ، اس کا وصی اور حاکم ولی اجبار ہوتا ہے، شافعیہ کے نزدیک ولی اجبار باپ اور دادا ہوتا ہے۔

---

(۱)......المغنی ۶/ ۴۰۶، کشاف القناع ۵/ ۴۶. (۲) متفق علیہ. (۳) رواہ الاثرم وابن ماجہ. (۴) رواہ احمد بسندہ.

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک کنواری لڑکی سے اجازت لینا مستحب ہے، حنابلہ کے نزدیک چھوٹی لڑکی سے کسی حال میں بھی اجازت نہیں لی جائے گی، حنابلہ کے نزدیک حاکم اور سبھی اولیاء نو سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح کروانے کا اختیار نہیں رکھتے۔

سوم: عورت کے نکاح کے معاملہ میں ولایت کی شرط...... کیا عورت کی عبارت سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر کیا عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کی عبارت سے بدون ولی کے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور نکاح صحیح ہوتا ہے، جمہور کی رائے ہے کہ بغیر ولی کے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ ❶

پہلی رائے...... ظاہر الروایہ کے مطابق امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے، عورت اپنے نکاح اور دوسری عورت کے نکاح کی ولی بن سکتی ہے۔ البتہ اگر عورت ولایت نکاح اپنے ہاتھ میں لے جبکہ عورت کے عصبات میں کوئی ولی موجود ہو تو شرط یہ ہے کہ عورت کا نکاح کفو سے ہو، اور مہر، مہر مثل سے کم نہ ہو،

اگر عورت غیر کفو سے نکاح کر لے تو اس کے ولی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا اور قاضی نکاح فسخ کرے گا، البتہ اگر ولی نکاح کے بعد خاموش ہو جائے یہاں تک کہ عورت حاملہ ہو جائے یا بچہ جنم دے دے تو ولی کے اعتراض کرنے کا حق ساقط ہو جائے گا، کیونکہ بچے کی تربیت بھی ایسی صورت میں ایک مستقل مسئلہ بن جائے گا، اگر والدین کے درمیان تفریق کر دی جائے تو بچہ ہلاکت کا شکار بن جائے گا اور والدین بچے کی تربیت پر جمع رہ سکتے ہیں۔

مفتی بہ قول ہے کہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو عقد فاسد واقع ہوگا،

اگر عقد کے بعد ولی رضامند ہو جائے تو بھی عقد صحیح نہیں ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل حدیث سابق ہے کہ اَیِّـمُ (غیر شادی شدہ عورت) اپنے نکاح کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ اَیِّـمُ سے مراد ایسی عورت ہے جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ (شوہر دیدہ)، حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عورت کو بیع شراء، اجارہ، رہن وغیرہ جملہ تصرفات مالیہ میں کامل اہلیت حاصل ہوتی ہے لہٰذا عورت کو اپنا نکاح کرنے کی بھرپور اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ تصرف عورت کا خالص حق ہے۔

دوسری رائے...... جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا، عورت کو اپنا نکاح اور کسی دوسری عورت کے نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی عورت اپنے نکاح کی کسی دوسری عورت کو وکیل بنا سکتی ہے۔ اگر عورت نے اپنا نکاح کر لیا اگرچہ عاقلہ بالغہ اور سمجھدار ہی کیوں نہ ہو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اکثر صحابہ کی بھی یہی رائے ہے جن میں ابن عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، حضرت ابوہریرۃ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ سعید بن مسیّب، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، امام سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ ابن مبارک، عبید اللہ عنبری اسحٰق اور ابوعبید رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دلائل...... حضرت عائشہ، ابوموسیٰ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے کہ نکاح نہیں ہوگا مگر ولی کی اجازت سے ❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ۔ جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے باطل ہے، اگر خاوند نے دخول کر لیا تو اس نے عورت کی شرمگاہ کو جو حلال سمجھا ہے کے بدلے میں عورت کے لئے مہر ہوگا، اگر عورت کے ولی کے متعلق لوگوں کا

---

❶..... فتح القدیر ۲/ ۳۹۱ تبیین الحقائق ۲/ ۹۸، الدر المختار ۲/ ۴۰۷، الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۳، القوانین الفقهیه ۱۹۸، المهذب ۲/ ۳۵، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۷، کشاف القناع ۵/ ۵۹. ❷ رواه احمد و اصحاب السنن الا ربعه (نصب الرایه ۳/ ۱۸۳)

اختلاف ہو جائے تو سلطان اس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ ❶ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ عورت اپنا نکاح نہ کرے بلاشبہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کرلے۔ ❷

دوم یہ کہ عقد نکاح ایک مہتم بالشان معاملہ ہوتا ہے، عائلی زندگی کے حوالے سے نکاح کے بہت سارے مقاصد ہیں ان مقاصد، دائمی اطمینان اور خاندانی اقدار سے معمور زندگی کا حصول تبھی ممکن ہے جب اس اہم نازک معاملے کی حساسیت کو نہایت اہتمام سے محسوس کیا جائے، جبکہ مرد کے پاس روزمرہ کے معاملات کا وسیع تجربہ ہوتا ہے، اس تجربہ کی روشنی میں بطریق احسن عائلی زندگی کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، جبکہ عورت کا تجربہ نہایت محدود ہوتا ہے اور پیش آمدہ حالات سے عورت بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے تاہم مصلحت اسی میں ہے کہ عورت اپنے عقد کا اختیار اپنے ولی کو سونپ دے۔

چہارم: ولی کی شرائط......ولی کے متعلق کچھ شرائط ہیں جو فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ❸

ا۔ کمال اہلیت......یعنی ولی کے لئے شرط ہے کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو اور آزاد ہو، چنانچہ بچے، مجنون اور معتوہ (فاتر العقل) اور نشے میں مست شخص کو ولایت حاصل نہیں ہوگی، اسی طرح ایسے شخص کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوگی جس کی بڑھاپے کی وجہ سے نظر نہایت کمزور ہوگئی ہو، یا اس کی عقل میں فتور آگیا ہو، غلام کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ مذکورہ لوگوں کو اپنی ذات پر بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ ان کی قوت ادراک ناقص ہوتی ہے جبکہ ولایت کمال حال کی مقتضی ہے۔ رہی بات غلام کی سو وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اسے تو دوسرے لوگوں کے معاملات پر غور و فکر کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

۲۔ ولی اور مولیٰ علیہ (ماتحت، زیر ولایت)......کا دین ایک ہی ہو، چنانچہ غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، اور نہ ہی مسلمان کو غیر مسلم پر ولایت حاصل ہوتی ہے یعنی حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک کافر مسلمان عورت کی شادی نہیں کروا سکتا اور مسلمان کافرہ کی شادی بھی نہیں کروا سکتا۔ شافعیہ کہتے ہیں: کافر کافرہ کی شادی کروا سکتا ہے برابر ہے کہ کافرہ کا خاوند کافر ہو یا مسلمان ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں: مسلمان مرد کتابیہ کی شادی کروا سکتا ہے جبکہ مرتد کو نہ کسی مسلمان پر ولایت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کافر پر۔

کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ......التوبۃ ۹/۷۱

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہوتے ہیں۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ......الانفال ۸/۷۲

اور کفار ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۴/۱۴۱

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر کوئی اختیار نہیں دیا۔

نیز حدیث ہے کہ:

❶......اخرجه احمد و الاربعة الا النسائي وصححه ابوعوانه وابن حبان والحاكم وابن معين وغيره (نصب الرايه ۳/ ۱۸۴)

❷اخرجه الدارقطني وفي اسناده كلام (نصب الراية ۳/ ۱۸۸) ❸البدائع ۲/ ۲۳۹، الشرح الصغير ۲/ ۳۶۹، مغني المحتاج ۳/ ۱۵۴، كشاف القناع ۵/ ۵۵، المهذب ۲/ ۳۶۔

الاسلام یعلو ولایعلیٰ

اسلام کو بذات خود بلندی حاصل ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی اور دین کو سربلندی حاصل نہیں۔ ❶

اتحاد دین کا سبب یہ ہے کہ جب دین متحد ہوگا تو خیر و مصلحت میں سوچ وفکر بھی متحد ہوگی نیز اگر کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل ہو تو اس میں مسلمان کی ذلت ہے۔

اس شرط سے امام اور امام کا نائب مستثنیٰ ہے کیونکہ امام کو جمیع مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے، سوریہ کے قانون دفعہ ۲۲ کے تحت صرف کمال اہلیت کی شرط پر اکتفاء کیا گیا ہے جبکہ قانون میں اتحاد دین کی شرط کی صراحت نہیں کی گئی۔

کچھ مختلف فیہ شرائط بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۳۔ مرد ہونا...... جمہور کے نزدیک شرط ہے جبکہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک عورت کو ولایت نکاح حاصل نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ اور آزاد عورت کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے، یہ مسئلہ ایک دوسرے مسئلے پر متفرع ہوتا ہے کہ آیا عورتوں کی عبارات سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟

۴۔ عدالت...... یعنی دین کی استقامت کا ہونا، ولی دینی واجبات ادا کرتا ہو، کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔ مثلاً زنا، شراب، والدین کی نافرمانی وغیرہ صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو، یہ شرط شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک فاسق آدمی کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہوگی، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نکاح نہیں ہوتا مگر دو عادل گواہوں ور راستباز ولی کی موجودگی سے۔ ❷

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ معاملہ نکاح دقت نظر کا محتاج ہے بھلا فاسق آدمی کو مصلحتوں کی کیا پرواہ لہٰذا فاسق کو نکاح کی ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

تاہم عدالت کے معاملہ میں ظاہری عدالت کافی ہوگی اور مستور الحال کو کافی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ظاہراً و باطناً عدالت کی شرط لگا دینے میں بہت مشقت اور حرج لازم آتی ہے جس سے بہت سارے نکاح حد بطلان تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس شرط سے سلطان مستثنیٰ ہے تاہم ضرورت کی بنا پر سلطان میں عدالت کی شرط نہیں لگائی گئی، آقا اپنی باندی کی شادی کرواسکتا ہے، آقا کے لئے بھی عدالت شرط نہیں، کیونکہ آقا اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہوتا ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں۔ چنانچہ ولی خواہ عادل ہو یا فاسق اسے اپنی بیٹی، بہن اور بھتیجی کے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ فسق سے شفقت میں کمی نہیں پڑتی، نیز حق ولایت عام ہوتا ہے تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور آپ کے عہد کے بعد منقول نہیں کہ کسی ولی کو نکاح دینے سے روکا گیا ہو۔ یہی رائے راجح ہے چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے نیز حدیث میں مرشد کا معنی عادل نہیں بلکہ مصلحت تک رسائی حاصل کرنے والا ہے اور فاسق میں اس امر کی اہلیت ہوتی ہے۔

۵۔ رشد یعنی سمجھداری...... حنابلہ کے نزدیک رشد سے مراد کفو کی معرفت اور نکاح کے مصالح کی سوجھ بوجھ کا ہونا ہے، کیونکہ رشد ہر جگہ مقام کے مناسب حال اعتبار کی جاتی ہے، شافعیہ کے نزدیک رشد کا معنی مال کو فضول خرچی میں نہ لگانا ہے۔

---

❶......رواہ الدارقطنی فی سننہ والرویانی فی مسندہ عن عائذ بن عمرو المزنی مرفوعاً ورواہ الطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی الدلائل عن عمرو اسلم (المقاصد الحسنتہ ۵۸) ❷ قال الامام احمد : اصح شی ھذا قول ابن عباس مرفوعاً، وروی البرقانی باسنادہ عن جابر۔

رشد شافعیہ کے نزدیک شرط ہے حنابلہ کے نزدیک ثبوت ولایت میں شرط ہے، کیونکہ مجور علیہ (جس پر پابندی لگائی گئی ہو) اپنا نکاح کرنے کی ولایت نہیں رکھتا، لہٰذا وہ دوسرے شخص کا نکاح کروانے کی ولایت بھی نہیں رکھتا۔ اگر سفیہ پر پابندی نہ ہوتو شافعیہ کے نزدیک اسے دوسرے شخص کے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: رشد یہاں حسن تصرف مالی کے معنی میں نہیں تاہم سفیہ اگرچہ فضول خرچ ہواسے بھی ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے کہ سفیہ اپنی ماتحت عورت کا نکاح اس کی اجازت سے کروائے۔

مالکیہ نے دو مزید شرطوں کا اضافہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱)...... یہ کہ ولی نے حج یا عمرہ کا احرام نہ باندھا ہوتا ہم محرم کا عقد نکاح میں ولی بننا صحیح نہیں۔

۲)...... عدم اکراہ۔ چنانچہ مکرہ کا عقد نکاح میں ولی بننا صحیح نہیں، لیکن یہ شرط عقد نکاح کے ولی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ شرط تمام عقود شرعیہ میں معتبر ہے، یوں مالکیہ کے نزدیک کل ملا کر ولی کی سات شرائط ہیں۔ وہ یہ ہیں: مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، عورت اگر مسلمان ہوتو ولی بھی مسلمان ہو، حالت احرام کا نہ ہونا اور اکراہ کی صورت کا نہ ہونا جبکہ عدالت اور رشد (سمجھداری) شرط نہیں۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی سات شرئط ہیں: آزاد ہونا، مرد ہونا، ولی اور مولیٰ علیہا کا دین ایک ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، عدالت کا ہونا، رشد ہونا، جبکہ رشد حنابلہ کے نزدیک مصالح نکاح میں سے ہے اور رشد سے مراد کفو کی معرفت ہے، حفاظت مال مراد نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک مال کو فضول خرچی میں نہ لگانا رشد ہے۔

حنفیہ کے نزدیک چار شرائط ہیں:

عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، اور اتحاد دین، عدالت اور رشد ان کے نزدیک شرط نہیں۔

پنجم: ولایت کا اختیار کسے حاصل ہے؟ اور اولیاء کی ترتیب...... حنفیہ کہتے ہیں۔ [1] ولایت صرف ولایت اجبار ہے اور ولایت اجبار عصبات اقارب کے لئے ثابت ہے کیونکہ نکاح کا اختیار عصبات کے سپرد ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ ولایت کی حسب ذیل ترتیب ہے سب سے پہلے بیٹے کو ولایت حاصل ہوگی پھر باپ کو پھر بھائی کو پھر چچا کو پھر آزاد کرنے والے کو پھر حاکم وقت کو ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱)...... بیٹا، پوتا، پڑپوتا اگرچہ اور نیچے چلے جاؤ۔

۲)...... باپ، دادا، پڑدادا، اگرچہ اوپر چلے جائیں۔

۳)...... حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، ان دونوں کے بیٹے اور پوتے اگرچہ نیچے آجائیں۔

۴)...... حقیقی چچا، باپ شریک چچا اور ان دونوں کے بیٹے اور پوتے اگرچہ نیچے چلے جائیں

پھر ان کے بعد آزاد کرنے والے کا نمبر آتا ہے پھر اس کے بعد نسبی عصبہ۔ اس کے بعد سلطان یا اس کا نائب، سلطان کا نائب قاضی ہوتا ہے، کیونکہ قاضی ہی جمہور مسلمانوں کی طرف سے نائب ہوتا ہے، اس کی دلیل سابق حدیث ہے کہ۔ سلطان اس شخص کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

سوریہ کے قانون میں بھی دفعہ ۲۴ کے تحت اسی کو لیا گیا ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو قاضی اس کا ولی ہوتا ہے۔

وصی کو چھوٹے لڑکے اور چھوٹی لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ باپ نے وصیت ہی کیوں نہ کی ہو۔

---

[1]...... البدائع ۲/ ۲۴۰، فتح القدیر ۲/ ۴۰۵، الدرالمختار ۲/ ۴۲۹۔

قاضی چھوٹی (نابالغ) لڑکی کی شادی اپنے ساتھ نہیں کرا سکتا اور نہ ہی اس شخص کے ساتھ کروا سکتا ہے جس کے حق میں قاضی کی گواہی قبول نہ کی جاتی ہو۔ سوریہ کے قانون میں دفعہ ۲۵ کے تحت اسی کو لیا گیا۔

اگر ایک درجہ اوپر کا ولی اقرب (قریب کے) ولی کے ہوتے ہوئے لڑکی کی شادی کروائے تو نکاح اقرب ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، ہاں البتہ اگر ولی اقرب نابالغ ہو یا مجنون ہو تو ولی ابعد کا عقد نافذ ہو جائے گا۔ سوریہ کے قانون میں دفعہ ۲۲ شق ایک کے تحت ہے کہ اگر ایک ہی مرتبہ کے دو اولیاء میں سے کوئی ایک شرائط کا لحاظ رکھ کر لڑکی کا نکاح کروا دے تو نکاح جائز ہوگا۔

اولیاء مذکورہ ترتیب صاحبین کی رائے کے مطابق ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عصبات کے علاوہ بھی قریبی رشتہ داروں کو عصبات کے نہ ہوتے ہوئے ولایت نکاح حاصل ہوگی، یعنی ذوی الارحام کو بھی حق ولایت حاصل ہوتا ہے، ذوی الارحام میں بھی اقرب فالاقرب کا اصول کارفرما رہے گا۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عصبات میں سے کوئی ولی موجود نہ ہو، تاہم عصبہ کے نہ ہوتے ہوئے ولایت ماں کو حاصل ہوگی پھر دادای کو پھر نانی کو اگر اصول میں کوئی نہ ہو تو ولایت فروع کو منتقل ہو جائے گی، بایں طور کہ بیٹی، پوتی پر مقدم ہوگی۔ اسی طرح پوتی ولایت میں نواسی پر مقدم ہوگی کیونکہ پوتی کی قرابت میں قوت زیادہ ہے پھر نانا کو پھر دادی کے باپ کو ولایت ہوگی۔ پھر ماموں کو ولایت ہوگی پھر خالاؤں اور ان کی اولاد کو۔

اگر ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو ولایت حاکم وقت کو منتقل ہو جائے گی۔

اگر مجنونہ کی ولایت کے بارے میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا جمع ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا ولی بیٹا ہوگا۔ کیونکہ عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے اور ولایت میں شفقت کے زائد ہونے کا اعتبار نہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس عورت کا ولی اس کا باپ ہوگا کیونکہ باپ بیٹے کی نسبت زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اقارب کی ولایت کے اثبات میں حنفیہ کا اختلاف ہے، چنانچہ قرآن مجید میں چچازاد بھائی کے لئے ولایت کا ثبوت ہے:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ......النساء ۴/ ۱۲۷

اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہو۔

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور وہ اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہو، جبکہ وہ اسے مہر سے محروم رکھنا چاہتا ہو، یہ ولی ہونہ ہو یتیم لڑکی کا چچازاد بھائی ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا جو لوگ چچازاد سے زیادہ قریبی ہوں ان کے لئے ولایت بطریق اولیٰ ثابت ہوگی، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نکاح کا اختیار عصبات کے سپرد ہوتا ہے جبکہ وصی عصبہ اقارب میں سے نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے لئے ولایت ثابت نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۲۱ کے تحت جمہور کی رائے کے مطابق ولایت کو صرف عصبات کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔

اولیاء کی ترتیب میں مالکیہ کا مذہب...... مالکیہ کہتے ہیں: [1] اولیاء کی ترتیب میں اولیاء کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] ...... الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۳، القوانین الفقھیہ ۱۹۹، الشرح الکبیر ۲/ ۲۲۱، شرح الرسالۃ ۲/ ۳۱۔

(۱) ولی مجبر (۲) ولی غیر مجبر

چنانچہ ولایت اجبار درج ذیل تین آدمیوں کے لئے ثابت ہوتی ہے۔

ا...... آقا جو کہ مالک ہوا گرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو چنانچہ آقا اپنے غلام یا باندی کو شادی پر مجبور کر سکتا ہے بشرطیکہ شادی میں کوئی عذر مانع نہ ہو اور غلام یا باندی کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو مثلاً کسی کوڑی یا برص زدہ سے ان کی شادی کروار ہا ہو تو اس صورت میں مالک کو ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔

۲...... باپ کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے خواہ باپ رشید (سمجھدار) ہو یا سفیہ ہو، چنانچہ باپ کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ عورت ساٹھ سالہ عمر کو پہنچ چکی ہو باپ جبراً بیٹی کا نکاح کروا سکتا ہے، اگرچہ نکاح مہر مثل کے بغیر ہی کیوں نہ ہو یا غیر کفو سے کیوں نہ ہو مثلاً عورت کا خاوند عورت سے کمتر ہو یا اس سے بدصورت ہو۔

اگر باپ بیٹی کو رشیدہ (سمجھدار) قرار دیتا ہو تو باپ اسے شادی پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ باپ نے گویا اسے قابل تصرف قرار دے دیا ہے۔ یا یہ کہ عورت دخول کے بعد سال بھر سے زائد عرصہ خاوند کے ہاں مقیم رہے پھر وہ شوہر دیدہ کے حکم میں ہو جائے تو باپ کو اس عورت پر جبر کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر نکاح فاسد کی صورت میں لڑکی کی بکارت (کنوارہ پن) زائل ہو جائے تو باپ کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی بشرطیکہ شبہ کی وجہ سے حد ٹل گئی ہو اور اگر حد نہ ٹلی ہو تو باپ کو ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

باپ کو شوہر دیدہ چھوٹی لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، بایں طور کہ اس لڑکی کی بکارت زائل ہو چکی ہو تاہم چھوٹی ہونے کی وجہ سے ثیبوبت (شوہر دیدگی) کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر زنا یا چھلانگ وغیرہ کی وجہ سے لڑکی کی بکارت زائل ہو جائے تو بھی باپ کو لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

باپ کو مجنونہ پر بھی ولایت اجبار حاصل ہوگی اگرچہ مجنونہ شوہر دیدہ ہو یا اس کے بطن سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔

۳...... باپ کے وصی کو ولایت اجبار حاصل ہے جبکہ باپ موجود نہ ہو، اس کی تین شرائط ہیں۔

ا...... یہ کہ باپ وصی کے سامنے خاوند کی تعیین کر دے مثلاً یوں کہے کہ اس لڑکی کی فلاں شخص سے شادی کروا دو، یا صراحۃً وصی کو جبر کا حکم دے دے۔

یا یہ کہ باپ تعیین کے بغیر وصی کو شادی کروانے کی وصیت کر دے مثلاً یوں کہے کہ اس لڑکی کی شادی کروا دو یا اس کا نکاح کروا دو یا کہے اس کی شادی ایسے شخص سے کرا دو۔

یا باپ یوں کہہ دے کہ تم میری بیٹی کے نکاح کے متعلق میرے وصی ہو چنانچہ وصی کو راجح قول کے مطابق ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

ب...... یہ کہ مہر، مہر مثل سے کم نہ ہو۔

ج...... یہ کہ خاوند فاسق نہ ہو۔

خلاصہ...... ہمارے زمانے میں باپ اور اس کا وصی جبر کرے گا اور باپ، اس کے وصی اور آقا کے علاوہ کسی اور کو کنواری لڑکی، چھوٹی لڑکی اور مجنونہ کی شادی کروانے پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے۔ البتہ یتیم چھوٹی لڑکی کی شادی اس کا ولی قاضی کے مشورہ سے کروائے تاکہ شریر فاسق لوگ شرارت نہ کر سکیں۔ بشرطیکہ وہ دس سال کی ہو چکی ہو، وگرنہ اس کا نکاح فسخ کیا جائے، ہاں البتہ اگر دخول ہو جائے یا عرصہ لمبا ہو جائے یعنی دخول و بلوغ کو تین سال گزر جائیں یا اولاد ہو جائے تو نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

مالکیہ ولایت اجبار باپ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کروائی درحالیکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سات یا سال تھی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کا باپ اجازت لے حدیث میں اجازت لینے کو صرف باپ پر مقصور رکھا ہے۔

مالکیہ کی اس بات پر دلیل کہ باپ کا وصی باپ کی طرح ہے یہ ہے کہ وصی باپ کا نائب ہوتا ہے جس طرح عرصہ حیات میں باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے شخص کو اپنا وکیل بنائے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا وصی مقرر کرے جو وفات کے بعد فعال ہو۔

ولایت اختیار یا ولی غیر مجبر.......ولایت اختیار بیٹوں کے لئے ثابت ہے پھر باپ کے لئے پھر بھائیوں کے لئے پھر دادا کے لئے پھر چچا کے لئے ترتیب حسب ذیل ہے۔

بیٹا پوتا اگرچہ نیچے آ جائیں (یعنی پڑپوتا وغیرہ) پھر باپ، پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی پھر حقیقی بھتیجا پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا، پھر دادا ملاحظہ رہے کہ دادا کو چوتھے درجہ میں رکھا گیا ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک دادا دوسرے درجے پر ہے۔ پھر چچا پھر چچا کا بیٹا بایں طور کہ حقیقی غیر حقیقی پر مقدم ہوگا پھر دادا کا باپ، پھر باپ شریک چچا پھر اس کا بیٹا پھر دادا کا چچا اور اس کا بیٹا۔

اگر اولیاء درجے میں برابر ہوں تو جو افضل ہوگا اسے مقدم کیا جائے گا، اور اگر درجے اور فضیلت میں سب برابر ہوں مثلاً سبھی علماء ہوں تو حاکم وقت جسے مقدم کردے، اگر حاکم تک رسائی نہ ہونے پائے تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے۔

پھر آزاد کرنے والے کو ولایت اختیار حاصل ہوگی پھر عصبہ کو پھر کفیل کو کفیل سے مراد وہ شخص ہے جو چھوٹی لڑکی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری نبھار ہا ہو، یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو جائے یا دو شرطوں کے ساتھ دس سال کی ہو جائے۔

۱)...... یہ کہ کفیل اس عرصہ میں لڑکی کی دیکھ بھال کرے جب وہ شفقت اور مہربانی کی محتاج ہو ظاہر مذہب میں اس مدت کی تعیین نہیں۔

۲)...... یہ کہ لڑکی غیر شریفہ ہو، غیر شریفہ سے مراد ایسی لڑکی جو مالدار نہ ہو، حسن وجمال والی نہ ہو، حسب ونسب والی نہ ہو حسب سے مراد اخلاق کریمہ والی ہونا ہے، جیسے علم، بردباری، تدبیر وغیرہ اگر لڑکی شریفہ ہو تو قاضی اس کی شادی کروائے۔

کفیل کے بعد ولایت اختیار حاکم قاضی کو حاصل ہوگی قاضی سے مراد قاضی شرعی ہے۔ اگر مذکورہ اولیاء میں سے کوئی نہ ہو تو ولایت عام مسلمانوں کو منتقل ہو جائے گی، ان میں ماموں، نانا، ماں شریک بھائی شامل ہیں ان کے علاوہ ہر مسلمان کو شریف وغیر شریف عورت کی شادی کی ولایت حاصل ہوتی ہے لیکن عورت کی اجازت اور رضامندی شرط ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ......التوبہ ۹/ ۷۱

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہوتے ہیں۔

اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد لڑکی کی شادی کروا دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا۔ چچا کے بیٹے، آزاد کرنے والے، ولی کے وکیل اور حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ زیر ولایت عورت کا نکاح اپنے ساتھ کروا دیں اور یوں عقد کے طرفین سے متولی ہوں گے، عورت کی رضامندی پر البتہ انہیں گواہ بنا لینے چاہئیں تا کہ منازعت اور خوف کا امکان جاتا رہے۔

حاصل یہ ہوا کہ مالکیہ بھائیوں کے بعد دادا کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں جبکہ اس میں دوسرے فقہاء کا اختلاف ہے، مالکیہ باپ کے بعد دادا کا درجہ نہیں رکھتے، اور یہ کہ ولی مجبر صرف باپ ہے دادا نہیں، اسی طرح مالکیہ نے وصیت اور کفالت کے ذریعے ثبوت ولایت میں دوسرے فقہاء سے اختلاف کیا ہے، اور ولایت عامہ سے بھی ولایت کے ثبوت کے قائل نہیں۔ جبکہ ملک، ابوت عصوبت اور سلطنت کے سبب دوسرے فقہاء کے ساتھ ثبوت ولایت میں اتفاق ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اولیاء کی ترتیب......شافعیہ کے نزدیک ولی کی دو قسمیں ہیں:

(۱)......ولی مجبر (۲)......ولی غیر مجبر۔[1]

ولی مجبر میں تین آدمی ہیں۔ باپ، دادا اور آقا۔

چنانچہ باپ کنواری لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر بھی کرواسکتا ہے خواہ لڑکی چھوٹی ہو یا بڑی، البتہ اس سے اجازت لینا مستحب ہے، باپ شوہر دیدہ عورت کی شادی اس سے اجازت لینے کے بغیر نہیں کرواسکتا، اور اگر شوہر دیدہ لڑکی نابالغ چھوٹی ہو تو جب تک بالغ نہ ہو جائے اس کی شادی نہ کروائی جائے۔

اگر باپ نہ ہو تو دادا باپ کے مترادف ہے۔

آقا اپنی باندی کی شادی کرواسکتا ہے خواہ باندی کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، عاقلہ ہو یا مجنونہ، کیونکہ نکاح ایسا عقد ہے جس کا اختیار آقا کو ملکیت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ولی غیر مجبر باپ ہے، دادا ہے اور باقی عصبات ہیں۔

اولیاء کی ترتیب حسب ذیل ہے۔ باپ، بھائی، چچا، پھر آزاد کرنے والا پھر سلطان تفصیل اسکی یہ ہے کہ اولاً ولایت باپ کو حاصل ہوگی پھر دادا، پھر پردادا اگر چہ اوپر چلے جائیں، پھر حقیقی بھائی، پھر باپ، شریک بھائی، پھر حقیقی بھتیجا، پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا اگر چہ نیچے آجائیں، پھر چچا، پھر باقی عصبات جیسے وراثت میں ترتیب ہوتی ہے۔

پھر معتق (آزاد کرنے والا) پھر عصبہ علی ترتیب الوارث۔ پھر سلطان ولی ہوگا۔

بیٹیوں کو ولایت حاصل نہیں چنانچہ بیٹا اپنی ماں کا نکاح نہیں کرواسکتا، اس میں ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے اور خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ان سے اختلاف ہے، کیونکہ بیٹے اور ماں میں از روئے نسب مشارکت نہیں ہوتی جبکہ ماں کی نسبت تو اپنے باپ کی طرف ہوتی ہے۔

جمہور نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کروادو۔[2] شافعیہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ولی کی ضرورت نہیں تھی آپ نے محض طیب خاطر کے لئے یہ فرمایا تھا۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ عمر بن ابی سلمہ ۲ھ میں حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۴ھ میں کیا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اولیاء کی ترتیب......حنابلہ کے نزدیک ولی یا تو مجبر ہوگا یا غیر مجبر (۱) ولی مجبر باپ ہے پھر باپ کا وصی پھر بوقت حاجت حاکم۔

ولی غیر مجبر، بقیہ اقارب جو عصبات ہوں ان میں اقرب فالاقرب کا اصول ہوگا۔

اولیاء کی ترتیب یوں ہے: پہلے باپ پھر بیٹا پھر بھائی پھر چچا، پھر آزاد کنندہ، پھر عصبہ پھر سلطان، تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

۱)......باپ۔ آزاد عورت کا نکاح کروانے کا اختیار رکھتا ہے کیونکہ باپ کی نظر اور شفقت کامل ہوتی ہے۔

۲)......پھر دادا پھر پردادا اگر چہ اوپر چلے جائیں، چنانچہ بیٹے اور دوسرے اولیاء کی بنسبت دادا کو پوتی کا نکاح دینے کا زیادہ حق حاصل

---

[1]......مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹، المهذب ۲/ ۳۷۔ [2] رواه احمد والنسائی عن ام سلمه، لیکن اس حدیث میں یہ علت بیان کی گئی ہے کہ ام سلمہ کے مذکور نکاح کے وقت عمر دو سال کے تھے کیونکہ وہ ۲ھ میں حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۴)

ہوتا ہے۔

۳)......پھر بیٹا اور پوتا اگر چہ نیچے چلے جائیں، چنانچہ بیٹا ماں کا نکاح کروانے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

۴)......پھر حقیقی بھائی کیونکہ حقیقی بھائی باپ اور بیٹے کے بعد عصبات میں زیادہ قریبی ہوتا ہے۔

۵)......پھر باپ شریک بھائی کیونکہ وہ بھی حقیقی بھائی کی طرح ہوتا ہے۔

۶)......پھر بھائیوں کی اولاد خواہ جتنے نیچے چلے جائیں۔

۷)......پھر چچے اور ان کی اولاد اگر چہ نیچے چلے جائیں پھر باپ کے چچے۔

۸)......پھر آزاد کرنے والا پھر عصبہ جو قریبی ہوں۔

۹)......پھر سلطان۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف نہیں کہ اگر اولیاء نہ ہوں تو سلطان کو ولایت نکاح حاصل ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے۔

ششم: مولیٰ علیہ یعنی جس پر ولایت کا ثبوت ہو..... حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک ولایت کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار ولایت اختیار جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ان دونوں ولایتوں کی مختلف اقسام ہیں۔

ولایت اجبار کس پر ثابت ہوگی؟ ولایت اجبار درج ذیل لوگوں پر ثابت ہوتی ہے۔ (۱)

۱)......عدیم الاہلیت اور ناقص الاہلیت یعنی صغر، جنون اور عتہ (ناسمجھی) کے بسبب حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہوگی، چنانچہ نابالغوں، مجنونوں اور معتوھین (ناسمجھوں) پر بلا کسی فرق کے ولایت اجبار حاصل ہوگی، ہاں البتہ وہ مجنونہ عورت جس کا جنون منقطع ہو جاتا ہو یعنی جنون میں مبتلا ہو جاتی ہو اور کبھی اسے افاقہ ہو جاتا ہو تو مالکیہ کے نزدیک اس سے اجازت لی جائے گی، اگر ایسی عورت کو افاقہ ہو جائے تو ولی اس کی اجازت سے اس کا نکاح کروائے، گویا مالکیہ کے نزدیک ولایت اجبار کی علت بکارت ہے یا صغر ہے۔

شافعیہ نے شوہر دیدہ چھوٹی لڑکی کو مستثنیٰ کیا ہے چنانچہ اس پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ شافعیہ کے نزدیک ولایت اجبار کی علت صرف بکارت ہے اور یہ علت شوہر دیدہ چھوٹی لڑکی میں متحقق نہیں ہوتی، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی شادی نہ کروائی جائے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور اپنے ولی کو نکاح کی اجازت دے دے ان کی دلیل حدیث سابق ہے کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کا بنسبت اپنے ولی کے زیادہ حق رکھتی ہے جبکہ کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ تاہم شافعیہ کی تردید کی گئی ہے کہ حدیث میں: ثیب (شوہر دیدہ سے مراد بالغہ ہے۔

حنابلہ کا قول بھی بمثل مالکیہ کے ہے۔ ان کے نزدیک بھی علت ولایت اجبار یا تو بکارت ہے یا صغر ہے۔ چنانچہ باپ اپنی بالغ بیٹیوں کی بدون اجازت لینے کے شادی کروا سکتا ہے، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ اَیِّم (غیر شادی شدہ) اپنے نفس کے متعلق اپنے ولی کی بنسبت زیادہ حق رکھتی ہے، کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے، اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ چنانچہ طریقہ استدلال یوں ہے کہ حدیث میں عورتوں کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک کے لئے حدیث میں حق ثابت کیا گیا ہے اور دوسری سے حق اختیار کی نفی کی ہے اور وہ کنواری لڑکی ہے گویا اس کا ولی اسکی ولایت کا زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح باپ کو نوسال سے کم عمر شوہر دیدہ لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہے اس کی اجازت کے بغیر ہی۔

---

(۱)......البدائع ۲/ ۲۴۱، الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۱، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹ کشاف القناع ۵/ ۴۳، الشرح الکبیر۔ ۲/ ۲۲۱، الدر المختار ۲/ ۴۰۷۔

جبکہ دادا اور دیگر اولیاء کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا، جیسے کہ باپ کے علاوہ سبھی اولیاء کو بڑی بالغہ شوہر دیدہ یا کنواری لڑکی کے نکاح کا اختیار اس اجازت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ ایم (غیر شادی شدہ عورت) کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کروایا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح بھی نہ کروایا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ البتہ مجنونہ مستثنیٰ ہے، تاہم اگر مجنونہ مردوں کی طرف مائل ہوتی ہو تو سبھی اولیاء کو اس کے نکاح کا اختیار حاصل ہے کیونکہ اسے بھی تو نکاح کی حاجت در پیش ہے اور ضرر شہوت کا دفیعہ بھی تو ضروری ہے نیز اسے زنا کاری سے بھی دور رکھنا ہے۔

حنفیہ کا مالکیہ اور حنابلہ کے ساتھ اس بات میں اتفاق ہے کہ چھوٹے لڑکے، چھوٹی لڑکی بڑے مجنون اور بڑی مجنونہ پر ولایت ثابت ہے، خواہ چھوٹی لڑکی کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو۔ تاہم عاقل بالغ پر ولایت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی عاقلہ بالغہ پر ثابت ہوتی ہے کیونکہ ولایت اجبار کی علت حنفیہ کے نزدیک صغر ہے جبکہ یہ علت نابالغوں اور مجنونوں میں متحقق ہے ان کے علاوہ میں متحقق نہیں۔

۲۔ کنواری عاقلہ بالغہ...... حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے کیونکہ علت اجبار بکارت (کنوارہ پن) ہے، جمہور کا استدلال اس حدیث کے مفہوم سے ہے کہ۔ شوہر دیدہ عورت اپنے ولی کے بنسبت اپنے نفس کا زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت لی جائے چنانچہ حدیث میں شوہر دیدہ عورت کو اپنے نفس کا اختیار سونپا گیا ہے جبکہ کنواری کو اختیار نہیں سونپا گیا یہ تو بعینہ اجبار ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے۔ کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت لی جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کنواری لڑکی سے اسکا باپ اجازت طلب کرے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی سے اجازت لینا ضری ہے تاہم اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی صحیح نہیں۔ چنانچہ نسائی وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ ایک لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرے باپ نے اپنے بھائی کے بیٹے سے میری شادی کروادی ہے اور وہ میری وجہ سے اس کی کمتری کو دور کرنا چاہتا ہے حالانکہ میں اسے ناپسند کرتی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہیں بیٹھو یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خبر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھجوا کر اس لڑکی کے باپ کو بلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار لڑکی کو سونپ دیا، اس پر وہ بولی: اے اللہ کے رسول: میرے باپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا میں نے اسے بحال رکھا، لیکن میں عورتوں کو یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ ہمارے آباء کے پاس ہمارا اختیار نہیں ہے۔ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی کنواری تھی، اس سے معلوم ہوا کہ کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر نہ کروائی جائے۔

۳)...... ثیبہ (شوہر دیدہ) عاقلہ بالغہ عورت جس کی بکارت کسی عارضہ کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو یا تو مار کی وجہ سے یا چھلانگ لگانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے یا زنا کی وجہ سے بکارت زائل ہوگئی ہو یا مالکیہ کے نزدیک غصب کی وجہ سے بکارت زائل ہوگئی ہو تو ولی مجبر (باپ یا باپ کے وصی) کو اس کے نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، اگر چہ اس عورت کی عمر ساٹھ سال تک پہنچ چکی ہو۔ کیونکہ ولایت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عورت نکاح کے امور اور مصالح سے نابلد ہوتی ہے، جبکہ مذکورہ بالا عورت بھی نکاح کے مصالح سے نابلد ہوتی ہے لہٰذا کنواری بالغہ عورت کی طرح اس پر بھی ولایت اجبار حاصل ہوگی۔

جمہور کے نزدیک شوہر دیدہ بالغہ عورت پر ولایت اجبار ثابت نہیں جبکہ ثبوت کے مختلف اسباب ہیں، حنفیہ کہتے ہیں جس عورت کی بکارت چھلانگ لگانے سے یا پے در پے حیض آنے سے زخم سے یا کبر سنی کی وجہ سے زائل ہو جائے تو وہ عورت حقیقت میں کنواری ہے، اگر یہ عورت

مقطوع الذکر کے پاس چلی جائے یا نامرد کے پاس یا خلوت کے بعد اسے طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند مر جائے تو اسے کنواری تصور کیا جائے گا۔ (یعنی وطی نہ ہوا اور اس سے پہلے یہ ہو جائے) شبہ سے یا نکاح فاسد میں وطی ہو جانے والی عورت ثیبہ (شوہر دیدہ) ہے اور جس عورت کے ساتھ صرف ایک بار زنا ہوا ہو جبکہ پیشہ ور زانیہ نہ ہو وہ بھی کنواری کے حکم میں ہوگی اور اجازت نکاح میں اس کے سکوت پر اکتفا کر لیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں: ثیبہ وہ عورت ہے جس کے آگے والے حصے میں وطی کی گئی ہو پیچھے والے حصے میں وطی کرنے سے ثیبہ نہیں ہوگی، اور پھر وطی بھی انسان آلہ کے تناسل سے ہو، کسی اور چیز سے نہ ہو، اگر چہ زنا کی وطی ہو تب بھی ثیبہ ہو جائے گی، شافعیہ کہتے ہیں: ثیبہ وہ ہے جس کی بکارت زائل ہو چکی ہو برابر ہے کہ اس کی بکارت (کنوارپن) حلال وطی جیسے نکاح سے زائل ہوئی ہو یا حرام وطی (زنا) سے یا شبہ سے زائل ہوئی ہو۔ بغیر وطی کے بکارت زائل ہونے کا کوئی اثر نہیں۔ مثلاً کبرسنی یا انگلی داخل کرنے سے اگر بکارت زائل ہوگئی تو وہ عورت کنواری کے حکم میں ہوگی۔

ولایت اختیار کن عورتوں پر ثابت ہوگی؟...... مالکیہ کے نزدیک چار قسم کی عورتوں پر ولایت اختیار ثابت ہوتی ہے تاہم ان کی تفصیل دوسرے مذاہب کے موازنہ کے ساتھ حسب ذیل ہے۔ ❶

۱...... شوہر دیدہ بالغہ عورت جس کی بکارت نکاح صحیح سے زائل ہوگئی ہو یا نکاح فاسد سے زائل ہوئی ہو، تو بالاتفاق ایسی عورت کا نکاح اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نہیں کروایا جائے گا، اس کی دلیل سابق حدیث ہے کہ ثیبہ (شوہر دیدہ) عورت اپنے ولی کی بنسبت اپنے نفس کا زیادہ اختیار رکھتی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ثیبہ سے مشاورت کی جائے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کروایا جائے۔

۲...... بالغہ کنواری عورت جسے اس کے باپ نے رشیدہ (سمجھدار) قرار دیا ہو، مثلاً اس پر سے پابندی اٹھا دی ہو چونکہ عورت میں حسن تصرف کی سوجھ بوجھ پیدا ہو چکی ہو، اس عورت پر ولایت کے ثابت ہونے میں حنفیہ مالکیہ کے ساتھ ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں کروایا جائے گا، خواہ اس قسم کی عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ، لیکن اس عورت پر ولایت حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اس عورت پر ولایت اجبار ہوگی۔

۳...... کنواری بالغ عورت جو سال بھر اپنے خاوند کے ہاں مقیم رہے پھر ایم (شوہر کے بغیر) ہوگئی درحالیکہ کے وہ کنواری ہی ہو، کیونکہ عورت اگر خاوند کے پاس ایک سال مقیم رہے تو وہ تکمیل مہر کے سلسلہ میں ثیبہ کے حکم میں ہے، لہٰذا رضامندی سے اس عورت کا نکاح کروایا جائے گا، حنفیہ مالکیہ کے ساتھ ہیں۔ جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس عورت پر ولایت جبر ہوگی۔

۴...... یتیم چھوٹی لڑکی جس کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا اس لئے کہ اس کے پاس فساق وفجار لوگ آتے جاتے ہوں یا وہی فساق کے پاس آتی جاتی ہو یا اس کے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، چنانچہ باپ اور اس کے وصی کے علاوہ ولی کے لئے جائز ہے کہ جب وہ لڑکی دس سال کی ہو جائے اس کی شادی کروادے، اور اس میں قاضی کی مشاورت بھی شامل کرلے تاکہ یہ امر مؤکد ہو جائے کہ لڑکی شادی پر رضامند ہے، نیز اس کا مہر مہر مثل ہے تاہم ولی کی موجودگی میں اپنے نکاح کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہ لے۔

ہفتم: نکاح کے سلسلہ میں عورت کی اجازت کی کیفیت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کے حال کے مناسب نکاح کے حوالے سے اس کی اجازت اور رضامندی شامل ہو، خواہ عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ۔ ❷ چنانچہ مختلف احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

---

❶...... الشرح الصغير ۲/ ۳۵۳، الشرح الكبير ۲/ ۲۲۳، البدائع ۲/ ۲۴۷، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۹، كشاف القناع ۵/ ۴۶۔

❷ البدائع ۲/ ۲۴۲، الدر المختار ۲/ ۴۱۱، الشرح الصغير ۲/ ۳۲۲، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۰، كشاف القناع ۵/ ۴۷

ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے متعلق تعبیر کر سکتی ہے اور کنواری لڑکی کی رضا مندی اس کا خاموش رہنا ہے۔ ❶ ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ ثیبہ (شوہر دیدہ) عورت اپنے ولی کی بنسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت طلب کی جائے، اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔ ❷

ابوداؤد اور نسائی نے اسی حدیث کا ایک طریق نقل کیا ہے اس میں ہے۔ شوہر دیدہ عورت کے متعلق ولی کو اختیار حاصل نہیں اور یتیم لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ بنابریں اگر عورت کنواری ہو تو اس کی رضامندی اس کی خاموشی سے ہوگی، کیونکہ عادۃً کنواری لڑکی صراحۃً نکاح کی اجازت نہیں دیتی اور شرما جاتی ہے، لہٰذا اس کے سکوت پر اکتفاء کر لیا جائے گا، مالکیہ کے نزدیک دوران نکاح اس بات کی وضاحت کر دینا مستحب ہے کہ کنواری لڑکی کا سکوت اس کی رضا مندی ہے، تاہم اگر انکار کر دے تو اس کا نکاح نہ کروایا جائے گا مثلاً یوں کہے۔ میں راضی نہیں ہوں یا کہے میں شادی نہیں کرتی یا اس جیسی کوئی اور بات کہے جو انکار کے معنی میں ہو۔

اسی طرح اگر عورت سے کوئی ایسا امر صادر ہو جو اس کے سکوت کے معنی میں ہو اس کا شمار رضا مندی میں ہوگا جیسے مثلاً ٹھٹھہ اور استہزاء کے بغیر لڑکی نے تبسم کر دیا یا ہنس دی یا بغیر آواز بلند کرنے کے رو دی تو اس کی طرف سے رضا مندی ہوگی، اگر ہنسی یا تبسم استہزاء اور ٹھٹھہ کے طور پر ہو یا آواز بلند لڑکی رو دی یا رونے کے ساتھ رخسار پیٹ ڈالے تو اس کی طرف سے رضا مندی اور اجازت نہیں ہوگی، لیکن اس کی طرف سے تردید بھی نہیں ہوگی، اگر اس کے بعد صراحۃً نکاح سے رضا مندی ظاہر کر دی تو عقد منعقد ہو جائے گا۔

البتہ اگر عورت ثیبہ (شوہر دیدہ) ہو تو اس کی رضا مندی صراحۃً قول سے ہوگی یعنی ضروری ہے کہ عورت باواز بلند کہے کہ میں راضی ہوں۔ چنانچہ حدیث ہے کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے متعلق مافی ضمیر کا اظہار کرے۔ چنانچہ شوہر دیدہ عورت کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ سکوت پر اعتماد ہی نہ کیا جائے کیونکہ سکوت میں احتمال ہے اور کنواری لڑکی کے متعلق اس کے سکوت پر ضرورۃً اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ کنواری لڑکی عموماً صراحۃً نکاح کے متعلق مافی ضمیر کا اظہار نہیں کرتی اور شرما جاتی ہے جو چیز بطور ضرورت ثابت ہوا سے بقدر ضرورت ہی اپنایا جاتا ہے جبکہ ثیبہ کے حق میں اس امر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ثیبہ پہلے بھی مرد کا سامنا کر چکی ہوتی ہے لہٰذا وہ عادۃً حیاء محسوس نہیں کرتی اور صراحۃً رضا مندی کا اظہار کر دیتی ہے، لہٰذا نکاح کے متعلق اجازت لینے میں سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ مالکیہ کہتے ہیں: شوہر دیدہ کے ساتھ چھ قسم کی کنواری لڑکیاں شریک کی گئی ہیں، چنانچہ نکاح کے متعلق ان کی خاموشی پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ صریح قول کے ساتھ اجازت کا ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہیں

۱۔ وہ کنواری لڑکی جس کو اس کے باپ یا وصی نے رشیدہ (سمجھدار) قرار دیا ہو، بایں طور کہ باپ نے اس لڑکی سے حجر (پابندی) اٹھا دیا ہو اور اسے تصرف کی اجازت دے دی ہو جبکہ وہ بالغہ بھی ہو تو اس کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ صریح قول کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ وہ کنواری لڑکی جسے اس کے ولی نے بلا وجہ نکاح سے روکے رکھا ہو اور اس کا معاملہ قاضی تک پہنچایا گیا ہو اور قاضی اس کے نکاح کا ولی بن گیا ہو صراحۃً اس سے اجازت لینا ضروری ہے۔

۳۔ مہمل کنواری لڑکی یعنی جس کا باپ ہو اور نہ ہی وصی۔ چنانچہ اگر اس لڑکی کے مہر میں ساز و سامان رکھ دیا گیا ہو حالانکہ یہ لڑکی ایسی قوم سے ہو جو ساز و سامان پر لڑکیوں کے نکاح نہ کرواتے ہوں۔

یا اس لڑکی کی قوم متعین سامان پر اس کا نکاح کروا دے تو اس لڑکی کا صراحۃً یوں کہنا کہ میں اس مہر پر راضی ہوں، ضروری ہے۔

۴۔ کنواری لڑکی جس کی شادی کسی غلام سے کروا دی گئی ہو، اگرچہ وہ مجبرہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی بھی صراحۃً اجازت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ غلام آزاد عورت کا کفو نہیں ہوتا۔

---

❶ ..... رواه الاثرم وابن ماجه ❷ رواه الجماعة الا البخاري.

۵۔وہ کنواری لڑکی جس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروائی جائے جس میں کوئی عیب ہواور اس عیب سے عورت کو اختیار ملتا ہو جیسے جذام برص، جنون خصی ہونا لڑکی کا صراحۃً قول کرنا ضروری ہے کہ میں اس نکاح پر راضی ہوں۔

۶۔کنواری لڑکی جو غیر مجبر ہو اس کی رضامندی کے بغیر اس کا ولی عقد نکاح کردے اور پھر اسے نکاح کی خبر پہنچے اور وہ رضامندی ظاہر کرے تو نکاح صحیح ہے، تاہم اس لڑکی کا صراحۃً قول سے رضامندی ظاہر کرنا ضروری ہے۔

اس میں حنابلہ نے بھی مالکیہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور کہتے ہیں کہ جب ایسی لڑکی کی اجازت کے بغیر شادی کی جائے جس کی اجازت اور رضامندی معتبر ہو تو اس کا نکاح اسکی اجازت پر موقوف رہے گا، سو اس کی اجازت قولاً ہو یا ایسے امر سے ہو جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو مثلاً خاوند کو صحبت کا اختیار دے دے یا عورت مہر اور نفقہ کا مطالبہ کردے۔ ❶

ولی کا عضل اور اس کا حکم:

عضل...... عضل کا معنی ہے کہ عورت کے کفو کے ساتھ مطالبہ نکاح کے باوجود ولی اسے نکاح سے روکے رکھے اور اسے نکاح نہ کرنے دے جبکہ عورت عاقلہ بالغہ ہو اور مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے میں رغبت بھی رکھتے ہوں۔ ایسا کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ ❷

عضل کا شرعاً ممنوع ہونا...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اولیاء کو عضل سے منع فرمایا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۲

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت مدت کو پہنچ جائیں تو انہیں نکاح کرنے سے مت روکو۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنی بہن کی ایک شخص کے ساتھ شادی کروادی، اس شخص نے میری بہن کو طلاق دے دی یہاں تک کہ جب اس کی عدت گزر چکی وہ شخص آ گیا اور پیغام نکاح دینے لگا، میں نے اس سے کہا: میں نے تمہاری شادی کروائی، بیوی تمہارے گھر پہنچائی اور تمہیں عزت دی پھر تم نے اسے طلاق دے دی اور اب اسے پیغام نکاح دینے آ گئے ہو، اللہ کی قسم یہ عورت اب تمہارے پاس کبھی بھی نہیں آئے گی، اس شخص میں کوئی عیب نہیں تھا اور عورت بھی دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ...... اور انہیں نکاح سے مت روکو۔ البقرۃ ۲/ ۲۳۲

میں نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول میں یہ نکاح ابھی کرواتا ہوں، چنانچہ معقل رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کروادیا ❸ لیکن فقہاء کی رائے میں نہی مطلق نہیں ہے۔

شافعیہ، حنابلہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولی اپنے زیر ولایت عورت کو نکاح سے نہیں روک سکتا اگرچہ مہر میں کمی ہو، یا مہر ایسے مال میں رکھا ہو جو شہر کا نقدی اور مروج نہ ہو اور عورت اس پر راضی ہو، برابر ہے کہ عورت مہر مثل کے ساتھ نکاح کا مطالبہ کرتی ہو یا غیر مہر مثل کے ساتھ، تاہم نکاح سے روکنا جائز نہیں، کیونکہ مہر عورت کا خالص حق ہوتا ہے اور اس کا مخصوص عوض ہوتا ہے، لہٰذا اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر عورت کا نکاح مہر مثل سے کم کے ساتھ ہو رہا ہو تو اولیاء کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے نکاح سے روک دیں کیونکہ کم مہر کی صورت میں اولیاء کے لیے عار ہے۔

---

❶......المغنی ۶/ ۴۷۶۔ ❷البدائع ۲/ ۲۴۸، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/ ۲۳۲، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۳، کشاف القناع ۵/ ۵۰۔ ❸رواہ البخاری حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مرد نے عورت کو ایک طلاق رجعی دی تھی۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ عضل دو مسئلوں میں متحقق ہوتا ہے:

(۱)..... جب کہ ولی کفو کا عورت سے مطالبہ کر رہا ہو اور عورت اس سے راضی ہو عورت اس سے نکاح کا مطالبہ کر رہی ہو خواہ نہ کر رہی ہو۔

(۲)..... جب عورت ایک کفو سے نکاح کا مطالبہ کر رہی ہو اور اس کا ولی کسی دوسرے کفو سے نکاح کا مطالبہ کر رہا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ نے عضل کو صرف پہلے مسئلہ میں مقصور رکھا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر عورت نے کسی کفو کو متعین کر دیا ہو جبکہ باپ نے اس کے علاوہ کسی اور کفو کو متعین کر رکھا ہو تو اسے عضل کا حق حاصل ہے۔

حنابلہ نے عضل کی ایک صورت کا اضافہ بھی کیا ہے وہ یہ کہ جب نکاح کا پیغام دینے کے لئے لوگ ولی کو شدت پسندی کی وجہ سے رکے ہوئے ہوں، لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس موقع پر انکار ولی کے لئے حرام نہیں کیونکہ ولی کا یہ فعل عضل کی وجہ سے نہیں۔

کس شخص سے عضل کا ثبوت ہوگا؟

ا..... اگر ولی باپ ہو جسے ولایت اجبار حاصل ہو اور ولایت اجبار کے اختیار سے اپنی بیٹی کو نکاح سے روکتا ہو محض اس سے باپ عاضل (نکاح سے روکنے والا) نہیں کہلائے گا الا یہ کہ لڑکی کو ضرر پہنچانا مقصود ہو اور بالفعل ضرر دکھائی بھی دیتا ہو، مثلاً لڑکی کو نکاح سے اس لئے روک رہا ہوتا کہ وہ اس کی خدمت کرتی رہے یا اسے لڑکی کا وظیفہ مل رہا ہو اور نکاح کروانے سے وظیفہ کے منقطع ہونے کا اسے اندیشہ ہو۔

البتہ اگر باپ نے محض کسی کفو کے پیغام نکاح دینے پر رد کر دیا ہو لڑکی بھی اس سے راضی ہو تو باپ عاضل نہیں کہلائے گا کیونکہ باپ فطرتی طور پر اولاد سے شفقت اور مہربانی کرتا ہے جبکہ اولاد نکاح کے مصالح سے ناواقف ہوتی ہے اس لئے باپ اسی وقت رشتہ رد کرتا ہے جو اولاد کے حق میں بہتر اور موافق نہ ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی بیٹیوں کے اچھے اچھے رشتے آئے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رد کر دئے اسی طرح سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی کا خلیفہ کے گھر سے آیا ہوا رشتہ رد کر دیا حالانکہ انہیں عاضل نہیں شمار کیا گیا اور ان کا مقصد اپنی بیٹیوں کو ضرر پہنچانا بھی نہیں تھا۔

مالکیہ کے نزدیک اگر باپ کے وصی نے آنے والے رشتہ کو رد کر دیا گو لڑکی اس رشتے کے کفو ہونے سے راضی بھی ہو وصی عاضل نہیں ہوگا الاّ یہ کہ رشتہ رد کرنے سے وصی کا مقصد لڑکی کو ضرر پہنچانا ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلا رشتہ جو کفو ہو اسے رد کرنے سے وصی عاضل ہو جائے گا۔

ب..... اگر ولی غیر مجبر ہو اور وہ باپ ہو یا کوئی اور ہو تو وہ اوپر مذکورہ صورتوں میں عاضل متصور ہوگا جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دوسری صورت میں عاضل ہوگا۔

عضل کا حکم..... اگر ولی بار بار عورت کا نکاح کروانے سے انکار کرے تو وہ فسق کا مرتکب ہوگا کیونکہ مناسب رشتہ مل جانے کے بعد لڑکی کی شادی کروانے سے انکار کرنا معصیت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ولی اقرب عضل کا مرتکب ہو تو ولایت ولی ابعد کو منتقل ہو جائے گی کیونکہ بوجہ عضل وہ فسق کا مرتکب ہوا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے شراب پی لے، اور اگر سبھی اولیاء عضل کے مرتکب ہوں تو حاکم وقت لڑکی کی شادی کروائے۔

حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: اگر ولی عضل کا مرتکب ہو اور ولی مجبر ہو تو ولایت سلطان کو منتقل ہو جائے گی یعنی قاضی کو ولایت حاصل ہو جائے گی، اور ولی ابعد کو ولایت منتقل نہیں ہوگی، اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ جب اولیاء کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو جس کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اسکا ولی ہے، نیز عضل سے ولی، ولی نہیں رہا، بلکہ ظالم بن گیا اور ظلم کا دفعیہ قاضی کرتا ہے۔

نہم: ولی کا غائب ہونا قید یا مفقود ہونا..... ولی کے موجود نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

(۱)......حنفیہ اور حنابلہ کی رائے۔

(۲)......مالکیہ کی رائے۔

(۳)......اور شافعیہ کی رائے۔

پہلی رائے......یہ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے اگر ولی کا غائب ہونا منقطع ہو ❶ اور ولی نے کوئی وکیل بھی نامزد نہ کیا ہو تو اس سے ولایت منتقل ہو جائے گی اور ایسے شخص کو ولی نامزد کر دیا جائے گا جو اس کے بعد آتا ہو مثلاً اگر لڑکا کا باپ غائب ہو تو دادا اس کا ولی ہوگا، حاکم وقت ولی نہیں ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو سلطان اس کا ولی ہے۔ جبکہ اس عورت کا ایک ولی غائب ہے دادا تو موجود ہے، نیز یہ ولایت دیکھ بھال اور شفقت کی وجہ سے حاصل ولایت ہے، لہٰذا دادا حاکم وقت سے مقدم ہے۔ ❷

سوریہ کے قانون دفعہ ۲۳ میں اسی رائے کو اپنایا گیا ہے اور اس پر یوں صراحت کی گئی ہے کہ۔ اگر ولی اقرب غائب ہو اور قاضی کو اس کے انتظار میں مصلحت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ولایت اس شخص کو منتقل ہو جائے گی جس کا نمبر غائب ولی کے بعد آتا ہو۔

غیبت منقطعہ......حنفیہ کی رائے میں غیبت منقطعہ سے مراد ولی کا اپنے وطن سے اتنا دور ہونا ہے کہ اس شہر تک سال میں صرف ایک بار قافلے پہنچتے ہوں، امام قدوری نے اسی کو اختیار کیا ہے، ایک قول میں کم از کم مدت سفر یعنی تین دن کی مسافت ہے جو ۸۹ کلومیٹر ہے، یہ مسافت بعض متاخرین حنفیہ کی مختار ہے۔ دوسری رائے کے ساتھ حنابلہ کا اتفاق ہے گویا غیبت منقطعہ وہ ہوگی جو مسافت قصر سے زائد ہو کیونکہ اس سے کم مسافت قصر نہیں بلکہ حاضر کے حکم میں ہے۔

شافعیہ کی رائے......اگر نسبی اقرب ولی غائب ہو اور دو مرحلوں کی مسافت پر ہو یعنی اتنے فاصلے پر ہو جتنے فاصلے میں نماز کی قصر کی جاتی ہو (۸۹ کلومیٹر) اور شہر میں اس کا کوئی وکیل بھی نہ ہو تو سلطان یا اس کا نائب لڑکی کی شادی کروا دے، اصح قول کے مطابق ولی ابعد ولی نہیں ہوگا، اگر ولی اقرب مسافت قصر سے کم فاصلے پر ہو تو اصح قول کے مطابق اس کی اجازت کے بغیر لڑکی کی شادی نہیں کروائی جائے گی، تاہم اس سے رابطہ کیا جائے گا تاکہ شہر میں حاضر ہو جائے یا کسی کو اپنا وکیل نامزد کر دے۔

سوم: مالکیہ کی رائے......اس میں قدرے تفصیل ہے، مالکیہ نے ولی مجبر اور ولی غیر مجبر کی غیبت کا اعتبار کیا ہے۔

ا......اگر غائب ہونے والا ولی مجبر ہو یعنی باپ یا اس کا وصی پھر یا تو غیبت قریب ہوگی یا بعید اگر غیبت (غائب ہونا) قریب ہو مثلاً دس دن کے فاصلے پر ہو تو لڑکی کی شادی نہیں کروائی جائے گی یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے، بشرطیکہ لڑکی کے لئے کافی وافی نفقہ موجود ہو اور فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو اور ولی کے آنے جانے کا راستہ بھی پر امن ہو ورنہ قاضی اپنے اختیار سے لڑکی کی شادی کروا دے۔

اگر غیبت بعیدہ ہو مثلاً تین مہینے کی مسافت پر ہو یا اس سے زائد، جیسے ماضی میں افریقہ وغیرہ کا سفر کیا جاتا تھا، اگر ولی کی آمد متوقع ہو مثلاً وہ تجارت کے لئے سفر پر گیا ہو تو اس کی واپسی تک لڑکی کی شادی نہیں کروائی جائے گی اور اگر اسکی آمد ن کی توقع نہ ہو تو پھر اولیاء کے علاوہ صرف قاضی کو اس لڑکی کی شادی کا اختیار ہوگا بشرطیکہ لڑکی بالغ ہو اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہوگی، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو جب تک اس پر فتنہ اور فساد کا خوف نہ ہو تو اس کی شادی نہ کروائی جائے۔ اگر فساد کا اندیشہ ہو تو جبراً اس کی شادی کروائی جائے برابر ہے کہ لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ۔

ب......اگر غائب ولی غیر مجبر ہو جیسے بھائی اور دادا، پھر اگر غیبت قریبہ ہو مثلاً تین دن اور عورت کفو کے ساتھ نکاح کا مطالبہ کر رہی ہو اور حالات بھی نکاح کے مقتضی ہوں تو ولی البعد کی بجائے حاکم وقت لڑکی کی شادی کروائے کیونکہ غائب کا وکیل حاکم وقت ہوتا ہے۔

❶......یعنی اس کی آمد نی متوقع ہو اور اس کا غائب ہونا بھی ختم بھی ہو جائے اور وہ رشتہ داروں کے علم میں ہو۔ ❷فتح القدیر ۲/ ۴۱۵، الشرح الکبیر ۲/ ۲۲۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۷، المغنی ۶/ ۸۷، کشاف القناع ۵/ ۵۷۔

اگر ولی تین دن سے کم مسافت پر ہو تو حاکم وقت ولی کی طرف قاصد دوڑا کر اسے بلوائے اگر ولی حاضر ہو جائے یا کسی کو وکیل بنادے تو مطلوب پورا ہو گیا ورنہ ابعد لڑکی کی شادی کروائے اور یہ اختیار قاضی کو حاصل نہیں ہوگا۔

اگر ولی غیبت بعیدہ میں ہو مثلاً تین دن سے زائد مسافت پر ہو تو قاضی لڑکی کی شادی کروادے کیونکہ قاضی غائب شخص کا وکیل ہوتا ہے، اگر ولی ابعد نے نکاح کروادیا تو بھی نکاح صحیح ہوگا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ ولی کا کوئی وکیل نہ ہو تاہم اگر وکیل ہو تو اسے مقدم رکھا جائے گا۔

قید یا مفقود ہونے کی وجہ سے غائب ہونا...... مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اگر ولی اقرب قید ہونے کی وجہ سے غائب ہو یا کہیں مفقود ہو اور اس کی جگہ کا علم نہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی خبر ہو تو ولی ابعد لڑکی کی شادی کروادے ولایت قاضی کو منتقل نہیں ہوگی، اس میں ولی مجبر اور غیر مجبر میں کوئی فرق نہیں کیونکہ قید ہونا یا مفقود ہونا موت کے مترادف ہے۔

اسی طرح حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ولی قریب قید ہو یا دشمن نے جیل میں ڈال رکھا ہو کہ اس سے رابطہ کرنا مشکل ہو تو ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تیسری بحث نکاح میں وکیل بنانا...... وکیل اپنے موکل سے اختیارات لیتا ہے اور وکیل کا تصرف نافذ ہو جاتا ہے گویا وکالت بھی ولایت کی ایک قسم ہوئی اور موکل کے حق میں وکیل کا تصرف ایسا ہی نافذ ہوتا ہے جیسے مولیٰ علیہ پر ولی کا تصرف نافذ ہوتا ہے، تاہم اس بحث کے ضمن میں، میں درج ذیل امور سے بحث کروں گا، وکالت نکاح کا حکم، وکیل کے اختیارات کی حد، وکالت سے ہونے والے نکاح میں حقد کے حقوق اور عاقد واحد سے انعقاد نکاح۔ ❶

اول: وکالت نکاح کا حکم...... حنفیہ کی رائے ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو نکاح کا وکیل بنانا صحیح ہے بشرطیکہ وہ کامل اہلیت رکھتے ہوں یعنی عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، حنفیہ کے نزدیک عورت خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہے اس لئے ان کے نزدیک عورت عقد نکاح کی وکیل بھی بن سکتی ہے، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے کہ ہر وہ تصرف جسے انسان براہ راست انجام دے سکتا ہو اس کی انجام دہی کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ تصرف نیابت کو قبول کرتا ہو۔

تقریری (زبانی) طور پر بھی وکیل مقرر کرنا صحیح ہے اور تحریری طور پر بھی، بالاتفاق وکالت پر گواہوں کا ہونا شرط نہیں اگر چہ وکیل کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ گواہ بنالے تاکہ تنازع کی صورت میں وکالت کا انکار نہ ہو۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ عورت کو عقد نکاح کی وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ عورت بذات خود عقد نکاح کا انعقاد نہیں کر سکتی لہٰذا دوسری عورت کے نکاح کی وکیل بھی نہیں بن سکتی، البتہ عورت کے ولی مجبر کے لئے جائز ہے کہ وہ عورت کی اجازت کے بغیر کسی کو نکاح کا وکیل بنادے۔ جیسے ولی اجبار لڑکی کی اجازت کے بغیر بھی اس کا نکاح کرواسکتا ہے۔ اور زوج کی تعیین شرط نہیں، چنانچہ مطلق اور مقید وکالت جائز ہے۔ مقید وکالت یہ ہے کہ نکاح کے معاملہ میں مرد کو متعین کر دیا جائے اور مطلق سے مراد یہ ہے کہ وکیل جس شخص سے راضی ہو یا جسے وہ چاہے اس سے لڑکی کا نکاح کروادے۔

مالکیہ نے مرد کے لئے جائز رکھا ہے کہ وہ ایسے شخص کو وکیل بنا سکتا ہے جس میں ولایت کا کوئی مانع پایا جاتا ہو بشرطیکہ وہ مانع احرام کا مانع نہ ہو۔ چنانچہ مرد نصرانی، غلام، عورت اور ممیز بچے کو وکیل بنا سکتا ہے۔

---

❶...... فتح القدير ۲/ ۴۲۷، تبيين الحقائق ۲/ ۱۳۲، الشرح الصغير ۲/ ۳۷۲، الشرح الكبير ۲/ ۲۳۱، مغني المحتاج ۳/ ۱۵۷، المغني ۲/ ۴۶۲، المهذب ۲/ ۳۸۔

رہی بات ولی غیر مجبر کی سووہ شافعیہ کے نزدیک عورت کی اجازت کے بغیر وکیل نہیں بنا سکتا، ہاں البتہ عورت اگر ولی غیر مجبر سے کہے کہ وکیل بنالے تو وہ وکیل بنا سکتا ہے اگر عورت ولی غیر مجبر کو وکیل بنانے سے منع کرے تو وہ وکیل نہ بنائے، اور اگر عورت کہے کہ میری شادی کروادو تو اصح قول کے مطابق ولی وکیل بنا سکتا ہے۔ کیونکہ ولی غیر مجبر اجازت سے تصرف کررہا ہے، لہٰذا ولی غیر مجبر ولی اور قیم کے مشابہ ہوا، اور یہ دونوں بغیر اجازت کے وکیل بنا سکتے ہیں، اگر ولی غیر مجبر نکاح کے متعلق عورت سے اجازت لینے سے پہلے وکیل بنادے تو یہ وکالت درست نہیں ہوگی کیونکہ ولی غیر مجبر اس صورت میں اپنا نکاح نہیں کرسکتا بھلا غیر کو کیسے نکاح کا ولی بنا سکتا ہے؟

حنابلہ کہتے ہیں: وکالت کے صحیح ہونے کے لئے عورت کی اجازت کا اعتبار نہیں، اور نہ ہی وکیل پر دو گواہوں کا ہونا کسی اعتبار میں ہے، برابر ہے کہ موکل باپ ہو یا کوئی اور ہو، کیونکہ ولی کی اجازت عورت کی اجازت کی محتاج نہیں اور نہ ہی وکالت گواہوں کی محتاج ہے، لیکن وکیل کے لئے وہ اختیارات ثابت ہوں گے جو موکل کے لئے ثابت ہوتے ہیں، اگر ولی مجبر ہو تو اسے وکیل بنانے کے لئے عورت کی اجازت کی ضرورت نہیں، اور اگر ولی غیر مجبر ہو تو اسے وکالت کے لئے عورت کی اجازت کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں عقد نکاح میں ولی کا وکیل یوں کہے: میں نے فلاں شخص کی بیٹی کے ساتھ تمہاری شادی (نکاح) کروادی اور دولہے کے وکیل سے ولی کہے: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں شخص سے کروادیا۔ وکیل کہے: میں نے اس کے لئے نکاح قبول کرلیا۔

دوم: وکیل کے اختیارات کی حد:۔ عقد نکاح میں وکیل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بھی عقود (معاملات) میں وکیل ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک وکیل کسی دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ موکل تو اسی وکیل کی رائے سے راضی ہوا ہے کسی دوسرے کی رائے سے راضی نہیں، الا یہ کہ موکل وکیل کو آگے وکیل بنانے اجازت دے دے، یا یہ کہ موکل معاملہ وکیل کو سپرد کردے، اس وقت وکیل آگے کسی اور کو وکیل بنا سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وکالت کی نوع کے اعتبار سے وکیل کو اختیارات ملیں گے دیکھا جائے گا کہ وکالت مطلق ہے یا مقید، اگر وکالت مقید ہو تو جو قیود اور شرائط موکل نے عائد کررکھیں ہوں وکالت انہی قیود و شرائط میں دائر رہے گی، وکیل کے لئے جائز نہیں ہوتا کہ وہ موکل کی متعین کردہ حدود و قیود سے تجاوز کرے کیونکہ وکیل کے اختیارت موکل سے مستعار لئے ہوتے ہیں تاہم وہ انہی اختیارات کا مالک ہوگا جو موکل نے اسے سونپے ہوں، تاہم جن تصرفات کا اختیار سونپا ہوا نہی میں وکیل کا تصرف نافذ ہوگا ان کے علاوہ اگر تجاوز کیا تو وکیل فضولی کہلائے گا، اور تصرف موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا، بعد میں ملنے والی اجازت وکالت سابقہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

۱۔ وکالت مقیدہ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ موکل متعین اوصاف کے ساتھ ناکح کو مقید کردے اور وکیل ان اوصاف کی پاسداری کرنے کا پابند ہوگا، وکیل متعین حدود سے تجاوز نہیں کرسکتا، الا یہ کہ مخالفت موکل کے حق میں بہتر ہو تو اس صورت میں عقد موکل کے حق میں نافذ ہوجائے گا اگر وکیل نے قید کی مخالفت کی تو عقد موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوجائے گا ورنہ باطل ہوجائے گا۔

بنا بر ہذا اگر موکل نے نام اور خاندان کے ساتھ عورت متعین کردی تو اگر وکیل نے اسی متعین عورت کے ساتھ نکاح کروادیا تو نکاح نافذ ہوجائے گا اگر کسی اور عورت سے نکاح کروادیا تو عقد موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوجائے گا اور اگر اجازت نہ دی تو باطل ہوجائے گا کیونکہ وکیل مخالفت کرنے سے فضولی ہوجائے گا جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فضولی کا عقد مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔

اگر موکل نے متعین مہر کے ساتھ عقد مقید کردیا اور وکیل نے اسی مہر کے ساتھ نکاح کروایا تو عقد نافذ ہوجائے گا اور اگر وکیل نے مخالفت کی تو عقد موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، الا یہ کہ جب مخالفت موکل کے حق میں بہتر ہو تو عقد صحیح اور نافذ ہوگا۔

اگر ایک شخص نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ ایک عورت کے ساتھ اس کی شادی کروادے وکیل نے عقد واحد میں دوعورتوں کے ساتھ اس کی شادی کروادی تو ان دونوں میں سے ایک بھی اسے لازم نہیں ہوگی، کیونکہ مخالفت کی وجہ سے نفاذ کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی، اور جہالت کی وجہ سے ان میں سے ایک عورت کا نکاح بھی نافذ نہیں کر سکتے، اولیت کے معدوم ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں تعیین بھی نہیں لہٰذا تفریق لازمی ہوگی۔

۲۔ وکالت مطلقہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ موکل کسی عورت کو متعین نہ کرے اور نہ ہی کوئی وصف متعین کرے اور نہ ہی مہر متعین کرے، اس طرح کی وکالت کے متعلق ائمہ، حنفیہ کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: کی رائے ہے کہ وکیل کسی بھی عورت کے ساتھ موکل کی شادی کرواسکتا ہے اگر چہ وہ موکل کی کفو نہ ہو اور کچھ بھی مہر رکھ سکتا ہے، الا یہ کہ جب تصرف ایسی جگہ میں ہو جس میں تہمت ہو، کیونکہ قاعدہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے، چنانچہ وکیل مہر مثل اور اس سے زائد مہر کے ساتھ شادی کرواسکتا ہے یا نابینا، بدصورت اور لنجی کے ساتھ بھی موکل کی شادی کرواسکتا ہے، اور اگر عورت موکل ہو تو عقد تب منعقد ہوگا جب وکیل کفو کے ساتھ شادی کروائے، خواہ نکاح مہر مثل کے ساتھ ہو یا مہر مثل سے کم کے ساتھ، خواہ مرد صحیح ہو یا بدصورت، کیونکہ اطلاق میں یہی آتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے موکل کی عبارت اور لفظ کا اعتبار کیا ہے۔

صاحبین......اور بقیہ مذاہب کی رائے ہے کہ وکیل استحساناً متعارف کے ساتھ مقید ہوگا کیونکہ اطلاق عرف ورواج کے ساتھ مقید ہوتا ہے لہٰذا وکیل کفو کے ساتھ شادی کروانے کا پابند ہوگا اور عقد میں مہر مثل رکھنے کا پابند ہوگا۔ عرفاً جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے، اگر وکیل نے مناسب عورت جو عیوب سے پاک ہو اور موزوں مہر سے نکاح کروادیا جس میں کوئی دھوکا نہ ہو تو نکاح موکل پر لازم اور نافذ ہوگا۔ اور اگر عورت نابینا ہو یا اس کے ہاتھ کٹے ہوں یا مفلوج ہو یا مجنون ہو یا اسکی شرمگاہ میں بیماری ہو یا مہر ایسا رکھا جس میں غبن فاحش ہو تو صاحبین اور مالکیہ کے نزدیک نکاح موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ وکیل نے معروف کی مخالفت کی ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد صحیح نہیں ہوگا۔

یہ رائے راجح ہے، حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ یہی ہے مصر میں یہی رائے معمول بہ ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صاحبین عرف و رواج کے مطابق حکم لگاتے تھے۔

البتہ اس رائے کے ضمن میں بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ کا صاحبین کے ساتھ اتفاق ہے۔ وہ مسائل یہ ہیں۔

ا......اگر عورت موکل ہو تو وکیل کے لئے ضروری ہے کہ کفو کے ساتھ اس کی شادی کروائے کیونکہ عورت عام طور پر صرف کفو ہی میں رغبت رکھتی ہے، اسی میں مصلحت ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اولیاء اعتراض نہ کرسکیں۔

ب......اگر مرد نے وکیل کو یہ تاکید کی کہ وہ نابینا عورت کے ساتھ اس کی شادی کروائے تاہم وکیل نے بینا عورت کے ساتھ اس کی شادی کروادی تو عقد نافذ العمل ہوگا کیونکہ وکیل کی مخالفت میں موکل کی بہتری ہے۔

ج......اگر ایک شخص نے کسی دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ کسی عورت کے ساتھ اس کی شادی کروائے تاہم وکیل نے ایسی چھوٹی لڑکی کے ساتھ اس کی شادی کروادی جو جماع کے قابل نہ ہو تو عقد بالاتفاق جائز ہوگا، اگر یہ چھوٹی لڑکی وکیل کی بیٹی یا بھتیجی ہو تو عقد نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس نکاح میں تہمت ہے۔

اگر لڑکی وکیل کی ہو جو بڑی ہو اور لڑکی کی رضامندی سے شادی کروائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اس عقد میں تہمت ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک عقد نافذ ہوگا کیونکہ اس لڑکی پر وکیل کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی۔

البتہ وکیل نے اگر اپنی بالغ بہن کے ساتھ موکل کی شادی کروادی تو عقد بالاتفاق نافذ ہوگا۔

د.....اگر ایک شخص نے دوسرے آدمی کو وکیل بنایا کہ فلاں عورت سے شادی کروادے یا فلاں عورت سے، وکیل نے ان دونوں میں سے ایک عورت کے ساتھ شادی کروادی تو عقد نافذ ہوجائے گا کیونکہ اصل وکالت میں اختیار موجود ہے۔

ھ.....اگر عورت نے اپنی شادی کا کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے اپنے ساتھ شادی کردی تو عقد عورت کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا، اسی طرح اگر مرد نے کسی عورت کو وکیل بنایا اور عورت نے اپنے ساتھ شادی کر دی تو بھی موکل کی اجازت کے بغیر عقد نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں حالتوں میں تہمت پائی جاتی ہے، اسی طرح وکیل نے اگر اپنے باپ یا بیٹے کے ساتھ موکل عورت کی شادی کروادی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں بھی تہمت ہے۔جبکہ صاحبین کے نزدیک عقد نافذ ہوجائے گا کیونکہ اس صورت میں ان کے نزدیک تہمت نہیں۔

مالکیہ نے ان اختلافی مسائل میں کچھ استثناء کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں :اگر عورت اپنے ولی غیر مجبر کو وکیل بنائے کہ وکیل جس سے چاہے اس کی شادی کروادے، وکیل کے لئے واجب ہے کہ عقد سے پہلے عورت کے سامنے خاوند کی تعیین کردے، کیونکہ مردوں میں عورتوں کی اغراض مختلف ہوتی ہے، اگر مرد کی تعیین نہ کی تو عقد عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا، برابر ہے کہ وکیل اپنے ساتھ عورت کی کروائے مثلاً وکیل عورت کا چچازاد بھائی ہو، یا سرپرست وو کیل ہو یا حاکم ہو یا کسی اور سے شادی کروائے، کیونکہ عورتوں کی اغراض مختلف ہوتی ہیں۔

سوم :وکالت نکاح میں عقد کے حقوق.....عقد کے حقوق سے مراد وہ اعمال ہیں جن کا مقتضائے عقد کے نفاذ کے لئے ہونا لابدی ہو، جیسے بضع کا سپرد کرنا، مہر سپرد کرنا، وصول کرنا وغیرہ۔ایہ امر متفق علیہ ہے کہ عقد نکاح کے حقوق اصل کی طرف راجح ہوتے ہیں، رہی بات وکیل کی سو وہ محض سفیر اور معبر ہوتا ہے، عقد کے حقوق وکیل کی طرف راجع نہیں ہوتے، چنانچہ وکیل سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ عورت کو زفاف کے لئے خاوند کے پاس لائے، مہر کی ادائیگی اور نفقہ وغیرہ دینے کا مطالبہ بھی وکیل سے نہیں کیا جائے گا، وکیل نکاح، وکیل خرید فروخت کے برخلاف ہے چنانچہ بیع وشراء میں جمہور کے نزدیک حقوق موکل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔نکاح میں قاصد وکیل کے حکم میں ہے۔

بنا برایں عورت سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ زفاف کے لئے مرد کے پاس جائے، خاوند سے ادائیگی مہر اور خرچے کا مطالبہ کیا جائے گا، عورت خود مہر پر قبضہ کرنے کی مجاز ہوگی عورت کا وکیل مہر پر قبضہ کرنے کا حق نہیں رکھتا الا یہ کہ صراحۃً اسے اجازت دی گئی ہو، اگر عورت کے باپ یا دادا نے مہر پر قبضہ کرلیا تو اب عورت خاوند سے مطالبہ نہیں کرسکتی، حنفیہ کے نزدیک عورت کا سکوت گویا باپ دادا کو قبضہ مہر کی اجازت ہے، چنانچہ باپ کا قبضہ صحیح ہوگا اور خاوند مہر کی ادائیگی سے بری الذمہ ہوجائے گا، چنانچہ لوگوں میں اسی کا رواج ہے کہ باپ ہی اپنی بیٹی کا مہر قبضہ کرتا ہے، اس لئے دلالۃً بھی عورت کی اجازت کافی تصور ہوگی، البتہ اگر باپ اور دادا کے علاوہ کوئی اور ہو تو صراحۃً قبضہ مہر کی اجازت ہونا ضروری ہے۔

مالکیہ نے عورت کے مجبرہ اور غیر مجبرہ ہونے میں تفصیل کی ہے چنانچہ اگر عورت مجبرہ ہو تو اس کا ولی مجبر عورت کے وکیل بنانے کے بغیر بھی مہر پر قبضہ کرسکتا ہے، اگر عورت سمجھدار ہو اور اس پر کوئی جبر نہ ہو تو اس کے وکیل کو مہر پر قبضہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا، الا یہ کہ صراحۃً عورت وکیل کو مہر قبضہ کرنے کا کہہ دے۔

چہارم :عاقد واحد کے ذریعہ انعقاد نکاح..... جملہ عقود معاملات میں اصل یہ ہے کہ عاقدین ایک سے زائد ہوں، لیکن جمہور حنفیہ (امام زفر کے علاوہ) نے بعض احوال میں عاقد واحد کے ذریعہ عقد نکاح کے انعقاد کو جائز قرار دیا ہے۔اس کی پانچ صورتیں ہیں جو کہ

حسب ذیل ہیں۔ ❶

اول ..... یہ کہ عقد کا متولی اپنی طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے ولی ہو چنانچہ اسکی صورت یہ ہے کہ چچازاد بھائی اپنی چچازاد بہن کا اپنے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ کیونکہ نکاح میں وکیل محض سفیر اور معبر ہوتا ہے عقد کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے۔

دوم ..... یہ کہ عاقد (عقد نکاح طے کرنے والا) اپنی طرف سے اصل ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو۔ مثلاً کسی عورت نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ اپنے ساتھ اس عورت کا نکاح کردے وکیل نے گواہوں کے روبرو کہا: فلاں عورت نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ میں اپنے ساتھ اس کا نکاح کرلوں، لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں نے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔

اگر عورت نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس کا نکاح کروادے تاہم وکیل نے اپنے ساتھ نکاح کروادیا یا اپنے بیٹے یا بھائی کے ساتھ کروادیا تو حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ عورت نے وکیل کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ کروانے کی ذمہ داری سونپی ہے نہ کہ اپنے ساتھ شادی کرنے کو کہا ہے۔

سوم ..... یہ کہ شخص واحد طرفین (لڑکی اور لڑکے) کا ولی ہو، اسکی صورت یہ ہے مثلاً ایک دادا اپنے کا پوتے کی شادی (دوسرے بیٹے کی لڑکی یعنی) پوتی سے کروادے۔ اسی طرح جیسے کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کروادے جو اس کی ولایت میں ہو۔

چہارم ..... یہ کہ ایک شخص طرفین سے وکیل ہو جیسے مرد اور عورت ایک ہی شخص کو اپنا اپنا وکیل بنادیں کہ وہ ان کی شادی کروادے اور وکیل کہے میں نے فلاں عورت کا فلاں مرد کے ساتھ نکاح کروادیا۔

پنجم ..... یہ کہ ایک شخص ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو، جیسے مثلاً ایک آدمی نے ایک شخص کو وکیل بنایا کہ وہ (وکیل) اپنی بیٹی کے ساتھ اس (موکل) کی شادی کروادے اور وہ لڑکی کے ساتھ اس کی شادی کروادے۔

رہی بات فضولی کی سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا طرفین کی جانب سے عقد کا متولی بننا صحیح ہے اگر چہ ایجاب وقبول کا تکلم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱) ..... یہ کہ ایک شخص طرفین سے فضولی ہو۔

(۲) ..... ایک طرف سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے اصل ہو۔

(۳) ..... یا ایک جانب سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے ولی ہو۔

(۴) ..... یا ایک جانب سے فضولی ہو اور دسری جانب سے وکیل ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کہا: تم گواہ رہو میں نے فلاں عورت کے ساتھ نکاح کرلیا اور پھر عورت کو خبر ملی اس نے نکاح کی اجازت دے دی تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ اور اگر ایک شخص نے کہا تم گواہ رہو میں نے فلاں عورت کا فلاں مرد کے ساتھ نکاح کروادیا پھر عورت کو خبر پہنچی اور اس نے نکاح کی اجازت دے دی تو یہ نکاح جائز ہوگا۔

چنانچہ مذکورہ چار مسائل میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ فضولی اصیل کے قائم مقام ہے، چنانچہ ایک عبارت دو عبارتوں کی قائم مقام نہیں ہوسکتی، اور فضولی کی عبارت سے صرف ایجاب ہی صادر ہوسکتا ہے اور ایجاب عقد کا نصف حصہ ہے، اور عقد کا نصف حصہ مجلس کے بعد باقی نہیں رہتا۔ اور قبول ایسی صورت میں صادر ہوگا کہ ایجاب کا وجود ہی نہیں ہوگا کیونکہ ایجاب مجلس کے برخاست ہوتے ہی ختم اور ہدر ہوگیا۔

جبکہ پہلے پانچ مسائل میں جو کہ وکالت یا ولایت کی حالت میں ہیں ان میں ایسا قرینہ موجود ہے جو عاقد کے اصل کے قائم مقام ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور یوں اسکی عبارت اصیل کی عبارت کے قائم مقام ہوگی اور اسکی عبارت ایجاب وقبول کا فائدہ دے گی۔

---

❶ ..... الدر المختار ورد المحتار ۲ / ۴۴۶۔

امام ابو یوسف نے ان تمام مسائل میں عاقد واحد کے ذریعہ انعقاد نکاح کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ جب کوئی عورت کسی غائب شخص کے ساتھ اپنا نکاح کردے اور پھر اس غائب شخص کو خبر پہنچے اور وہ اجازت دے دے تو امام ابو یوسف کے نزدیک عقد جائز ہوگا، کیونکہ عاقد واحد کی عبارت دو عبارتوں کے قائم مقام ہونے میں کوئی مانع نہیں اور عقد مجلس کے بعد دوسرے فرد کی اجازت پر موقوف ہوگا اس میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ عقد کے حقوق اصیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

اگر عقد دو فضولیوں یا ایک فضولی اور ایک اصیل کے درمیان جاری ہو تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق عقد جائز ہوگا البتہ غائب کی اجازت پر موقوف رہے گا کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی عبارت اصیل کی عبارت کے قائم مقام ہوگی کیونکہ حقیقۃً عاقدوں میں تعدد ہے۔ گویا دو فضولیوں کے درمیان جاری ہونے والا عقد تام ہوگا کیونکہ ایجاب وقبول پایا جاتا ہے عقد کامل بھی تو مجلس کے بعد موقوف رہتا ہے۔

امام زفر، امام شافعی اور جمہور کے نزدیک عاقد واحد کے ذریعہ نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ شخص واحد مملک (مالک بنانے والا) اور متملک (مالک بننے والا) متصور نہیں ہوتا البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ مستثنیٰ کیا ہے وہ یہ کہ دادا جب پوتے اور پوتی کا نکاح کروا رہا ہو تو بوجہ ضرورت کے یہ نکاح جائز ہے، جبکہ بقیہ صورتوں میں کوئی ضرورت نہیں۔

مالکیہ نے چچا کے بیٹے، مولیٰ، ولی کے وکیل اور حاکم کے لئے روا رکھا ہے کہ وہ اپنے ساتھ عورت کا نکاح کروا سکتے ہیں، اور طرفین سے عقد کے متولی بن سکتے ہیں، البتہ عورت کی رضامندی پر گواہ بنالیں تاکہ عورت کسی قسم کے دباؤ کا شکار نہ ہو۔

پانچویں فصل.....نکاح میں کفو (ہمسر) کا اعتبار

اس فصل میں درج ذیل امور پر بحث کی جائے گی، کفو کا معنی، اس کے شرط ہونے میں فقہاء کی مختلف آراء، شرط کفو کی نوع، کفو میں صاحب حق، کس فریق کی طرف سے کفاءۃ کا اعتبار ہے یا اوصاف کفو، ان جملہ امور کو پانچ مباحث میں بیان کیا جائے گا۔

پہلی بحث.....کفو کا معنی اور کفو کے شرط ہونے میں فقہاء کی مختلف آراء:

معنی کفو.....کفو کفاءۃ سے مشتق ہے اور کفاءۃ کا معنی مماثلت اور مساوات ہے چنانچہ مقولہ ہے۔ **فلان کفو لفلان** یعنی فلاں، فلاں شخص کے مساوی (ہمسر اور برابر) ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المسلمون تتکافأ دماؤھم ❶

یعنی مسلمانوں کے خون مساوی ہیں۔ گویا ادنیٰ مسلمان کی جان اور خون اعلیٰ مسلمان کے خون اور جان کی طرح ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولم یکن لہ کفواً احد..... سورۃ الاخلاص ۱۱۲/ ۴

یعنی اللہ کا کوئی ہمسر نہیں۔

اصطلاحی تعریف.....المماثلۃ بین الزوجین دفعاً للعار فی امور مخصوصۃ یعنی دفع عار کے لئے بعض مخصوص امور میں زوجین کے درمیان مماثلت (برابری) کا ہونا کفاءۃ ہے۔ یہ مخصوص امور مالکیہ کے نزدیک دینداری اور حالت (یعنی ایسے عیوب سے سلامت ہونا ہے جن سے خیار ملتا ہو۔) ہے۔ جمہور کے نزدیک دینداری، نسب، آزادی ہنرمندی ہے، حنفیہ اور حنابلہ نے مالداری کو بھی امور کفاءۃ میں شمار کیا ہے۔ ❷

---

❶..... رواہ احمد والنسائی وابوداؤد عن علی کرم اللہ وجہہ۔ ❷الدسوقی ۲/ ۲۴۸، کشاف القناع ۵/ ۶۷، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴۔ اللباب ۳/ ۱۲۔ حاشیۃ ابن عابدین ۲/ ۴۳۶۔

ان اجتماعی ومعاشرتی امور میں مساوات کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے تا کہ عائلی زندگی مستحکم رہے، زوجین کے درمیان خوشگوار ماحول قائم رہے اور تا کہ عورت کو یا اس کے اولیاء کو خاوند کمتر ہونے کی عار نہ دلائی جا سکے۔

کفاءۃ کے شرط ہونے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ❶

پہلی رائے......بعض فقہاء جیسے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ سے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے کہ کفاءت (ہمسری) سرے سے شرط ہی نہیں، نہ ہی نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط اور نہ ہی لزوم نکاح کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ نکاح صحیح ہوگا خواہ مرد، عورت کے ہمسر ہو یا نہ ہو۔ ان فقہاء نے درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

۱......حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ کنگھی کے دندانوں کی مانند مساوی ہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر برتری حاصل نہیں۔ برتری (فضیلت) تو تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ ❷ کفاءت کے شرط نہ ہونے پر یہ آیت بھی دلیل ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ......الحجرات ۱۳/۴۹

اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب زیادہ فضیلت والا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَھُوَالَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا ......الفرقان ۵۴/۲۵

وہی تو ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا۔

حدیث میں ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر برتری حاصل نہیں مگر برتری تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ❸

ان دلائل کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ لوگ حقوق وفرائض میں مساوی ہیں اور فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے، حقوق و فرائض کے علاوہ شخصی امور جن کا دورامدار لوگوں کے عرف اور رواج پر ہے بلا شبہ لوگوں میں یہ امور مختلف ہوتے ہیں، اس لحاظ سے مال ودولت کے اعتبار سے فضیلت ہوگی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ......النحل ۷۱/۱۶

اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔

یقیناً آیت میں علمی فضیلت مراد ہے جو عزت وتکریم کی مقتضی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ......المجادلۃ ۱۱/۵۸

اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

چنانچہ لوگ ادبی اور اجتماعی ومعاشرتی امور میں ایک دوسرے پر برتری لے جاتے رہے ہیں، یہی انسانی فطرت کا مقتضاء ہے، شریعت، فطرت اور عرف کی مخالفت نہیں کرتی۔

۲......حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کے کچھ لوگوں کو پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے انکار کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان لوگوں سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ میری شادی کروادو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم کفاءت کی صورت میں انصار کو شادی کروانے کا حکم دیا، اگر کفاءت کا اعتبار ہوتا تو آپ شادی

---

❶......فتح القدیر ۴۱۷/۲، البدائع ۳۱۷/۲، تبیین الحقائق ۱۲۸/۲، الدسوقی مع الشرح الکبیر ۲۴۸/۲، مغنی المحتاج ۱۶۴/۳، المھذب ۳۸/۲، المغنی ۴۸۰/۶ ❷ اخرجه بن لال بلفظ قریب عن سھل بن سعد (سبل السلام ۱۲۹/۳) ❸ رواہ احمد ورجا له رجال الصحیح عن ابی نضرۃ (مجمع الزوائد ۲۶۶/۳).

کا حکم نہ دیتے، کیونکہ غیر کفو کے ساتھ شادی کروانے کا حکم نہ ہوتا۔

اس رائے کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے کہ ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام سالم کی شادی ابوحذیفہ نے اپنے بھائی کی بیٹی ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کروائی ❶ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قرشیہ ضحاک بن قیس کی بہن فاطمہ جو کہ ہجرت کر کے مدینہ آئی تھی کے متعلق حکم دیا کہ اس کا نکاح اسامہ رضی اللہ عنہ سے کروایا جائے، آپ نے اس عورت سے فرمایا: اسامہ کے ساتھ نکاح کرلو۔ ❷ دار قطنی کی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابو ہند حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بنی بیاضہ ابو ہند کا نکاح کروادو۔ ❸ ان دلائل کے معارض دوسری احادیث ہیں جن میں کفاءت کا مطالبہ کیا گیا ہے، نیز عرب اور عجم کے درمیان برابری آخرت کے احکام میں ہے، رہی بات دنیا کی سود نیوی اعتبار سے عجمی پر عربی کی فضلیت بہت سارے احکام میں ظاہر ہے۔

۳..... جنایات میں خون سبھی کے برابر ہوتے ہیں۔ چنانچہ شریف آدمی کو ادنیٰ کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے اور عالم کو جاہل کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے، اسی کو عدم کفاءت پر قیاس کیا جائے گا، جب کفاءت کا جنایات میں کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا تو نکاح میں بطریق اولی کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس استدلال کو رد کیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قصاص میں برابری اس لئے کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کی زندگی محفوظ رہے کہیں صاحب شوکت کو ادنیٰ شخص کے قتل کی جرأت نہ ہو، نکاح میں کفاءت کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ دائمی محبت والفت کے ساتھ زوجین کے درمیان معاشرت قائم رہے، حسن معاشرت تبھی قائم کی جاسکتی ہے جب کفاءت کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوسری رائے...... یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے۔ وہ یہ کہ کفاءت لزوم نکاح کی شرط ہے، صحت نکاح کی شرط نہیں، جمہور نے سنت اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

۱)..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز کا جب وقت ہو جائے، جنازہ جب تیار ہو جائے گا اور غیر شادی شدہ جب اس کا ہمسر مل جائے۔ ❹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ۔ عورتوں کا نکاح ان کے ہمسروں سے کراؤ اور عورتوں کی شادی صرف ان کے اولیاء کروائیں اور دس درہم سے کم مہر نہ ہو۔ ❺

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ اپنے نطفوں کے لئے بہتر عورتوں کا انتخاب کرو اور ہمسروں سے نکاح کرواؤ۔ ❻

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ عرب ایک دوسرے کے ہمسر ہیں، ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا ہمسر ہے، مرد مرد کا ہمسر ہے، عجمی ایک دوسرے کے ہمسر ہیں ان کا بھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا ہمسر ہے، ہر مرد دوسرے کا ہمسر ہے البتہ جولاہا اور حجام (ہمسر نہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں ضرور منع کروں گا حسب ونسب والی عورتوں کی شادی سے الا یہ کہ ان کی شادی ہمسروں سے ہو۔

ابو حاتم مزنی کی حدیث ہے کہ۔ جب تمہارے پاس ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو تو اس کا نکاح کرادو،

---

❶..... رواه البخاري والنسائي و ابو داؤد عن عائشه (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❷ رواه مسلم عن فا طمه بنت قيس (سبل السلام ۳/ ۱۲۹) ❸ رواه ابوداؤد عن ابي هريره (نيل الا وطار ۶/ ۱۲۸) ❹ رواه الترمذی و الحاكم عن علی (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❺ رواه الدارقطني عن جابر بن عبدالله وفيه مبشر بن عبدالله متروك الحديث (نصب الراية ۳/ ۱۹۶) ❻ روى من حديث عائشه و من حديث انس ومن حديث عمر بن الخطاب من طرق عديدة كلها ضعيفة (نصب الراية ۳/ ۱۹۷)

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں عظیم فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کروا دیا تھا تاکہ بیٹی کے ذریعہ اسکی کمتری کو دور کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کو اختیار دے دیا تھا۔

حدیث میں ہے العلماء ورثة الانبیاء ❶ یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس سے علماء کی فضیلت اور برتری پر استدلال ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ۔ لوگ کانوں کی مانند ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، چنانچہ جو لوگ جاہلیت میں افضل سمجھے جاتے تھے وہ اسلام میں بھی افضل ہیں بشرطیکہ جب انہیں دین کی سمجھ ہو۔ ❷

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نکاح میں ہمسری ہونے کی اصل دلیل بریدہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ چنانچہ جب باپ نے غیر کفو کے ساتھ لڑکی کی شادی کروا دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی کو اختیار دے دیا۔

کمال بن ہمام کہتے ہیں ❸ یہ ضعیف احادیث مختلف طرق سے مروی ہیں جن سے ان احادیث میں قوت آ جاتی ہے، اس مضمون کی احادیث کے مجموعہ سے استدلال صحیح ہے نیز ان احادیث کے شواہد بھی ہیں یوں یہ احادیث درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور یوں مضمون احادیث کے متعلق ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت بھی ہے اور یہ کافی ہے۔

۲۔ عقل سے...... عادۃً زوجین کے درمیان مصالح کا حسن انتظام صرف اسی صورت میں استوار رہ سکتا ہے جب ان دونوں کے درمیان برابری اور ہمسری ہو چنانچہ شریف عورت گھٹیا مرد کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتی، لہٰذا مرد کی طرف سے کفاءت کا اعتبار لابدی ہے، جبکہ عورت کی طرف سے کفاءت ضروری نہیں، یعنی مرد عورت کے ہمسر ہو عورت بھلے مرد کے ہمسر نہ ہو۔ کیونکہ کفاءت نہ ہونے کی صورت میں مرد متاثر ہوتا ہے جبکہ رواج اور عرف قوی تر سلطان ہے اگر مرد عورت کے ہمسر نہ ہو تو ازدواجی زندگی میں ربط اور ہم آہنگی نہیں رہتی، دونوں کے درمیان پیار اور محبت دم توڑ جاتی ہے، پھر مرد کو وہ احترام حاصل نہیں رہتا جو اس کا مقام ہے، اسی طرح اگر عورت کا خاوند اس کے ہم پلہ نہ ہو تو دامادی رشتہ کے کمتری سے اولیاء عار محسوس کرتے ہیں یوں سسرالی رشتہ یا تو بے ربطی کا شکار ہو جاتا ہے یا کم از کم کمزور ضرور ہو جاتا ہے، ازدواجی زندگی کے اعلیٰ معاشرتی اہداف نہیں حاصل ہو پاتے اور نہ ہی عائلی زندگی کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

اکثر اسلامی ممالک مثلاً مصر، سوریہ اور لیبیا، وغیرہ میں اسی رائے پر عمل کیا جا رہا ہے، میرے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے راجح ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دو چیزوں میں ہے:

(۱)...... دینداری میں۔ (۲)...... اور عیوب سے پاک ہونے میں۔

اور حسب نسب کا اعتبار محض مستحب ہے، امام مالک کے مذہب کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمہور کی مستدل احادیث ضعیف ہیں، ہاں البتہ جمہور کی عقلی دلیل مضبوط ہے جس کا دارومدار عرف پر ہے، ہاں البتہ اگر عام کفاءت کا لوگوں میں رواج ہو جائے (جیسے بعض ممالک میں ہے) تو پھر کفاءت کا اعتبار کالعدم ہو جائے گا۔

دوسری بحث...... شرط کفاءت کی نوع:

کیا کفاءت شرط صحت ہے یا شرط لزوم؟...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح میں کفاءت کا اعتبار شرط لزوم

---

❶...... اخرجه احمد وابوداؤد والترمذی، وابن حبان من حديث ابی الدرداء وضعفه الدارقطنی فی العلل (نيل الاوطار ۶/ ۱۲۸) ❷ متفق عليه (رياض الصالحين ۱۶۴) ❸ فتح القدير ۲/ ۴۱۷۔

ہے۔ ❶ صحت نکاح کی شرط نہیں۔ چنانچہ اگر عورت نے نکاح غیر کفو کے ساتھ کرایا تو بلا شبہ نکاح صحیح ہوگا لیکن عورت کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر اولیا حق اعتراض چھوڑ دیں تو نکاح لازم ہو جائے گا اگر کفاءت صحت نکاح کی شرط ہوتا تو نکاح صحیح نہ ہوتا، حتیٰ کہ اگر اولیاء حق اعتراض سے بھی دست کش ہو جاتے پھر بھی صحیح نہ ہوتا کیونکہ شرط صحت ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔

سوریہ کے قانون دفعہ ۲۶ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ کفاءت شرط لزوم ہے اور مصر میں بھی شخصی قوانین میں اسی شق کو اختیار کیا گیا ہے۔

شرط کفاءت کے بارے میں حنفیہ کی رائے کی تفصیل...... فی الجملہ حنفیہ کے نزدیک کفاءت شرط لزوم ہے لیکن متاخرین حنفیہ کے نزدیک بعض احوال میں کفاءت نکاح کی شرط صحت ہے اور بعض احوال میں شرط نفاذ ہے۔ جبکہ بعض صورتوں میں کفاءت شرط لزوم ہے۔

صحت نکاح...... کے لئے کفاءت کے شرط ہونے کی مختلف صورتیں حسب ذیل ہیں۔ ❷

۱...... جب عاقلہ بالغہ عورت غیر کفو کے ساتھ اپنا نکاح کر لے اور اس کے عصبات میں ولی موجود ہو جو اس نکاح سے عقد سے پہلے رضامند نہ ہو تو یہ نکاح سرے سے ہی درست نہیں نہ ہی لازم ہوگا اور نہ ہی بالغ ہونے کے بعد رضامندی پر موقوف ہوگا۔

۲...... جب اصل یا فرع یعنی باپ، دادا یا اولاد کے علاوہ کوئی اور ولی عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت کا نکاح کروادے مثلاً مجنون، مجنونہ، نابالغ لڑکا، لڑکی کا نکاح غیر کفو کے ساتھ کروادے، یہ نکاح فاسد ہوگا، کیونکہ ان مذکور لوگوں کی ولایت مصلحت کے ساتھ منوط ہے جب کہ کفو کے ساتھ نکاح کروانے میں کوئی مصلحت نہیں۔

۳...... جب باپ یا بیٹا جو بداختیاری (لاابالی پن، شرابی کبابی اور فاسق ہو) میں معروف ہو عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت لڑکی کی شادی غیر کفو کے ساتھ کروادے یا مہر میں غبن فاحش ہو تو بالا تفاق نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر نشے میں دھت شخص نے کسی فاسق یا شریر یا فقیر یا گھٹیا پیشہ ور کے ساتھ لڑکی کا نکاح کروادیا تو بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بداختیاری واضح ہے اور اس نکاح کی مصلحت بھی فوت ہے۔

اگر غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہوا یعنی مہر میں بہت کمی کردی یا مہر کہیں زیادہ رکھ دیا یا باپ دادا یا مجنونہ کے بیٹے نے غیر کفو کے ساتھ نکاح کروادیا تو نکاح لازم ہوگا بشرطیکہ باپ دادا اور مجنونہ کے بیٹے کی طرف سے بداختیاری معروف نہ ہو۔

نفاذ نکاح...... کے لئے کفاءت کے شرط ہونے کی صورت حسب ذیل ہے:

جب عاقلہ بالغہ عورت کسی شخص کو اپنے نکاح کی وکیل بنادے خواہ وہ اس کا ولی ہو یا کوئی اجنبی ہو چنانچہ وہ غیر کفو کے ساتھ اس کا نکاح کروادے تو عقد نکاح اس عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ ❸ کیونکہ کفاءت عورت اور اس کے اولیاء کا حق ہے، چنانچہ اگر مرد عورت کے ہمسر نہ ہو تو عقد عورت کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہوگا۔

لزوم نکاح...... کے لئے کفاءت شرط ہونے کی تفصیل حسب ذیل ہے:

جب عاقلہ بالغہ عورت کفو کے ساتھ اپنا نکاح کرلے تو نکاح لازم ہوگا اور اس کے اولیاء کو اعتراض اور فسخ کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا، اگر عورت نے غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلیا تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔ ❹

اس سے ظاہر ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک کفاءت، ولایت نکاح کے مشابہ ہے تبھی بعض صورتوں میں کفاءت صحت نکاح کی شرط ہے اور بعض

---

❶...... البدائع ۲/ ۳۱۷، الدسوقی ۲/ ۲۴۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴، المهذب ۲/ ۳۸، کشاف القناع ۲/ ۷۱، المغنی ۶/ ۴۸۰، فتح القدیر ۲/ ۴۱۹، اللباب ۳/ ۱۲۔ ❷الدرالمختار وردالمحتار ۲/ ۴۱۸۔ ❸الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۴۳۶۔ ❹المراجع السابقة، البدائع ۲/ ۳۱۷۔

صورتوں میں نفاذ نکاح کی شرط ہے اور بعض صورتوں میں لزوم نکاح کی شرط ہے۔

گویا حنفیہ کے نزدیک کفاءت چار صورتوں میں لزوم کی شرط ہے۔

ا۔ یہ کہ چھوٹی لڑکی اور چھوٹے لڑکے کی شادی کا ولی باپ یا دادا ہو، اگر ان کے علاوہ کوئی اور مثلاً بھائی یا چچا نابالغوں کا نکاح کروائے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ بالغ ہونے کے بعد لڑکی لڑکے کو اختیار حاصل ہوگا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی ولی نابالغوں کا نکاح کروادے تو نکاح لازم ہو جائے گا، ان کے نزدیک نابالغوں کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ ❶

۲۔ یہ کہ خاوند جنسی عیوب سے پاک ہو، اس کی تفصیل طلاق کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

۳۔ یہ کہ عورت مہر مثل کے ساتھ اپنا نکاح کرے، اگر عورت غبن فاحش کے ساتھ نکاح کرے تو عقد لازم نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا حتیٰ کہ مہر مثل پورا کرلیں یا دونوں کے درمیان تفریق کروادیں، کیونکہ اولیاء زیادہ مہر رکھنے پر فخر کرتے ہیں اور کم مہر رکھنے سے عار محسوس کرتے ہیں لہٰذا مہر کفاءت کے مشابہ ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ دس درہم سے زائد مہر رکھنا عورت کا حق ہے اور جو شخص اپنے حق کو ساقط کردے اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا۔ ❷

۴۔ یہ کہ لڑکا، لڑکی کے ہمسر ہو، چنانچہ اگر عورت نے غیر کفو کے ساتھ اپنے تئیں نکاح کرلیا تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، اگر عدم کفاءت ثابت ہو جائے تو قاضی نکاح فسخ کردے تاکہ پیش آنے والی عار کا دفعیہ ہو، اس صورت پر مذاہب کا اتفاق ہے۔

تیسری بحث.....کفاءت کا حق کون رکھتا ہے؟

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کفاءت کا حق ہر عورت اور اس کے اولیاء کو حاصل ہوتا ہے ❸ چنانچہ اگر عورت غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اگر ولی عورت کا نکاح غیر کفو کے ساتھ کروادے تو عورت کو بھی فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے کیونکہ فسخ ایسا خیار ہوتا ہے جو معقود علیہ میں نقص آ جانے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا خرید و فروخت (بیع) کے خیار سے مشابہ ہوا، چنانچہ روایت ہے کہ ایک لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کیا: میرے باپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ میری شادی کروادی ہے تاکہ میری وجہ سے اس کے گھٹیا پن کو ختم کر سکے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار لڑکی کو سونپ دیا اس پر لڑکی بولی: میرے والد نے میرے متعلق جو فیصلہ کیا ہے میں اسے نافذ کرتی ہوں، لیکن میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہمارے آباء کے پاس ہمارا اختیار نہیں ہے۔ ❹ حاصل یہ ہوا کہ اگر عورت کفاءت کو ترک کردے تو ولی کا حق باقی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر ولی کفاءت ترک کردے تو عورت کے پاس حق باقی رہتا ہے۔

اولیاء کے درمیان حق کی ترتیب اور حق اعتراض کے سقوط کا وقت.....حنفیہ کے نزدیک یہ حق اولیاء عصبہ کے لئے الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت ثابت ہوگا، چنانچہ اگر اولیاء راضی نہ ہوں تو عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کروادیں، بشرطیکہ عورت نے بچہ جنم نہ دیا ہو، یا ظاہراً حاملہ نہ ہو، اور جب ولی عورت کی رضامندی سے غیر کفو کے ساتھ اس کا نکاح کروادے تو نکاح لازم ہو جائے گا۔

---

❶.....البدائع ۲/ ۳۱۵۔ ❷ فتح القدیر ۲/ ۴۲۴، البدائع ۲/ ۳۲۲، الدر المختار ۲/ ۴۴۵۔ ❸البدائع ۲/ ۳۱۸، الدر المختار وردالمحتار ۲/۴۳۶، االلباب ۳/ ۱۲، الشرح الکبیر ۲/ ۲۴۹، المهذب ۲/ ۳۸، کشاف القناع ۵/ ۶۷، المغنی ۶/ ۴۸۱

❹رواه ابن ماجه واحمد والنسائی من حدیث عبدالله بن بریده عن ابیه (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۷)

اور جب اولیاء رضامند ہو جائیں تو ان کا حق اعتراض اور حق فسخ ساقط ہو جاتا ہے،

مالکیہ کہتے ہیں: اولیاء کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا بشرطیکہ دخول نہ ہوا ہو، اگر دخول ہو چکا ہو تو پھر فسخ کا حق نہیں رہے گا، اور اعتراض کا حق اولیاء کے درمیان مشترک ہوگا، چنانچہ اگر اولیاء میں سے کسی ایک نے بقیہ اولیاء کی رضامندی کے بغیر عورت کا غیر کفو کے ساتھ نکاح کروایا تو نکاح لازم نہیں ہوگا، یہ صورت حنفیہ اور شافعیہ کے مذاہب کے خلاف ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر ولی اقرب نے لڑکی کی اجازت سے اس کی شادی کروائی تو ولی ابعد کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ اسے نکاح کروانے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور اگر اولیاء درجے میں برابر ہوں (مثلاً سب حقیقی بھائی ہوں) اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے اولیاء کی رضامندی کے بغیر لڑکی کا نکاح کروادے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اولیاء کو کفاءت میں اعتراض کا حق حاصل ہوتا ہے، لہٰذا عورت کی رضامندی کی طرح اولیا کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ولی نے عورت کی رضامندی سے غیر کفو کے ساتھ نکاح کروادیا یا مساوی الدرجہ اولیاء میں سے بعض نے عورت کی رضامندی سے اور بقیہ اولیاء کی رضامندی سے شادی کروادی تو نکاح صحیح ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر ولی اقرب نکاح سے رضامند ہو اس کے باوجود بھی ولی ابعد کو اعتراض اور مطالبہ فسخ کا حق حاصل ہوگا کیونکہ اسے اس نکاح سے عار لاحق ہوتی ہے، چنانچہ کشاف القناع میں ہے کہ شافعیہ کے نزدیک کفاءت کا حق عورت اور اس کے سبھی اولیاء کو حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اگر باپ غیر کفو کے ساتھ بیٹی کا نکاح کروادے تو لڑکی کے بھائیوں کو حق فسخ حاصل ہوگا کیونکہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کرنے میں ان سب کے لئے عار ہوتی ہے۔

اگر عقد نکاح کے بعد کفاءت زائل ہو جائے تو اولیاء کی بجائے صرف عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ اولیاء کو ابتدائے عقد میں حق حاصل ہوتا ہے نہ کہ نکاح کے دوام میں، لہٰذا عقد ہو جانے کے بعد زوال عقد سے ان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، شافعیہ کا یہ مذہب جمہور کے مذہب کے خلاف ہے چنانچہ اگر ابتدائے کفو کے ساتھ عورت کا نکاح ہوا ہو اور پھر کفاءت زائل ہو جائے تو عورت کو فسخ عقد کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

درجے میں برابر کچھ اولیاء کا رضامند ہونا اور کچھ کا رضامند نہ ہونا...... اگر قریبی اولیاء ایک سے زائد ہوں مثلاً پانچ، چھ حقیقی بھائی ہوں، ان میں سے بعض تو نکاح سے راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعض کی رضامندی سے دوسرے بعض کی رضامندی ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کفاءت کا حق شی واحد ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا سبب قرابت ہے اور وہ تجزی قبول نہیں کرتی، اور فقہی قاعدہ ہے کہ وہ امر کہ جس میں تجزی نہ ہوتی ہو اس کے بعض حصے کے اسقاط (ساقط کرنے) سے وہ کل ساقط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب بعض اولیا اپنا حق ساقط کر دیں تو باقی اولیاء کا حق بھی ساقط ہو جائے گا، اس مسئلہ کو قصاص پر بھی قیاس کیا گیا ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر ورثہ کی ایک جماعت کو حق قصاص حاصل ہو تو اگر بعض ورثہ حق قصاص کو معاف کر دیں تو باقی ورثہ سے بھی حق قصاص ساقط ہو جائے گا جبکہ حق قصاص تجزی قبول نہیں کرتا۔ تاہم اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حق قصاص ہر ایک وارث کے لئے کامل طور پر ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اگر قصاص کا کچھ حصہ ساقط ہو جائے تو اس کا لینا دشوار ہو جاتا ہے۔

جمہور کہتے ہیں (یعنی مالکیہ، شافعیہ حنابلہ، ابو یوسف اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم) اگر درجے میں مساوی اولیاء میں سے بعض اولیاء راضی ہوں تو دوسرے بعض اولیاء کا حق اعتراض ساقط نہیں ہوگا کیونکہ کفاءت مشترک حق ہے جو سبھی اولیاء کے لئے ثابت ہوتا ہے اور جب دو شریک میں سے ایک شریک اپنا حق ساقط کر دے تو دوسرے کا حق ساقط نہیں ہوتا جیسے مشترک دین ساقط نہیں ہوتا۔

جمہور کے قیاس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کفاءت کو مشترک دین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ دین ایسا حق ہے جو تجزی کو قبول

کرتا ہے جبکہ حق کفاءت تجزی کو قبول نہیں کرتا۔

حنابلہ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ اولیاء درجہ میں مساوی ہوں یا ان کے درجات میں تفاوت ہو کیونکہ حنابلہ کے نزدیک کفاءت کا حق سبھی اولیاء کا حق ہے۔

چوتھی بحث: کفاءت کا مطالبہ کس کی طرف سے ہوگا؟......جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ کفاءت عورتوں کے لئے مطلوب ہے نہ کہ مردوں کے لئے اس کا معنی یہ ہوا کہ کفاءت مردوں کی جانب ہو عورتوں کے لئے (گویا مرد عورت کا ہمسر ہو اور یہ ضروری نہیں کہ عورت مرد کے برابر ہو) کفاءت میں عورت کی مصلحت ہے مردوں کی نہیں، چنانچہ شرط ہے کہ مرد عورت کے مماثل ہو یا درجے میں اس کے قریب قریب ہو، جبکہ عورت کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ مرد کے مماثل (برابر) ہو یا اس کے قریب قریب ہو۔ بلکہ اگر عورت امور کفاءت میں مرد سے کمتر ہو تب بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، کیونکہ ادنیٰ عورت کے ساتھ شادی کرنے سے مرد کو عار نہیں دلائی جاتی، جبکہ عوت اگر غیر کفو کے ساتھ یعنی اپنے سے کمتر سے شادی کر لے تو عورت اور اس کے اقارب کو عار دلائی جاتی ہے۔ [1] لیکن اس اصول سے دو مسئلے مستثنیٰ ہیں جن میں عورت کی طرف سے کفاءت کی شرط لگائی گئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

اول......یہ کہ باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور شخص عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت (نابالغ یا مجنون) کی شادی کروا دے یا ایسا باپ یا دادا جو عقد سے پہلے بد اختیاری میں مشہور ہو وہ لڑکے کی شادی کروا دے تو اس نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ لڑکی لڑکے کے ہمسر ہو کیونکہ اسی میں نکاح کی مصلحت ہے، ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

دوم......یہ کہ ایک شخص کسی دوسرے کو وکیل بنائے کہ وہ اس کی شادی کروائے اور وکالت مطلق ہو چنانچہ نفاذ عقد کے لئے شرط ہے کہ عورت موکل کے ہمسر (کفو) ہو یہ شرط مالکیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

پانچویں بحث......کفاءت کے اوصاف:

کفاءت (ہمسری) کی خصلتوں کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ مالکیہ کے نزدیک وہ دو خصلتیں ہیں:

(۱)......دین (دینداری)۔

(۲)......اور ایسے عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار حاصل ہوتا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک حسب ونسب امور کفاءت میں سے نہیں ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک اوصاف کفاءت چھ ہیں۔ دین (دینداری)، اسلام، آزادی، نسب، مالداری اور پیشہ۔ [2]

حنفیہ کے نزدیک عیوب مثلاً جذام، جنون، برص، گندہ دہنی، اور بغلوں کی بدبو وغیرہ سے پاک ہونا اوصاف کفاءت میں سے نہیں۔ البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے تین عیوب سے پاک ہونا شرط ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اوصاف کفاءت پانچ ہیں۔ دین یا عفت۔ (پاکدامنی)، آزادی نسب، ایسے عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار حاصل ہوتا ہو اور حرفت یعنی پیشہ۔

حنابلہ کے نزدیک اوصاف کفاءت پانچ ہیں۔ دین، آزادی، نسب، مالداری، اور پیشہ۔ [3]

---

[1]......البدائع ۲/ ۳۲۰، الدسوقی ۲/ ۲۴۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴۔ [2] ان چھ اوصاف کو علامہ حموی نے یوں نظم کیا ہے:

ان للکفاءۃ فی النکاح تکون فی۔ سبّ لھا بیت بدیع قد ضبط   نسب واسلام کذا لک حرفتہ۔ حریتہ و دیانتہ مال فقط

[3]......البدائع ۲/ ۳۱۸ الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۴۳۷، فتح القدیر ۲/ ۴۱۹، اللباب ۳/ ۱۳۔ الشرح الکبیر ۲/ ۲۴۹، المہذب ۲/ ۳۹، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۵، کشاف القناع ۵/ ۷۲، المغنی ۶/ ۴۸۲۔

متفقات...... دین کے اوصاف کفاءت میں سے ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے، مالکیہ کے علاوہ بقیہ ائمہ کا پیشہ، نسب اور آزادی پر اتفاق ہے، مالکیہ اور شافعیہ عیوب سے پاک ہونے کی خصلت پر متفق ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کا مالداری کی خصلت پر اتفاق ہے۔

جبکہ انفرادی طور پر حنفیہ کے نزدیک اسلام بھی اوصاف کفاءت میں سے ہے۔

ا۔ دیانت، عفت وتقویٰ...... دیانت سے مراد راست بازی اور احکام دین پر استقامت اختیار کرنا ہے، چنانچہ فاسق، فاجر شخص پاکدامن نیکوکار اور راست باز عورت کے جوڑ کا نہیں ہوتا برابر ہے کہ مرد کا فسق وفجور اعلانیہ ہو یا غیر اعلانیہ، لیکن اس کے فسق پر گواہ قائم کیا جائے گا، کیونکہ فاسق کی گواہی اور روایت حدیث مردود ہے، بلاشبہ فسق وفجور انسانیت کا ایک بڑا نقص ہے، نیز عورت کا خاوند اگر فاسق ہو تو اسے نسب کے ضیاع پر اتنی عار نہیں دلائی جاتی جتنی کہ خاوند کے فاسق ہونے پر دلائی جاتی ہے، چنانچہ فاسق شخص عادل عورت کا ہمسر نہیں ہوسکتا، اس پر سوائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سب کا اتفاق ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ ......السجدۃ ۱۸/۳۲

بھلا وہ شخص جو مومن ہو کیا وہ فاسق جیسا ہوسکتا ہے، ان میں مساوات نہیں ہوسکتی۔

نیز فرمایا:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ......النور ۳/۲۴

زانی مرد نکاح نہ کرے مگر زانیہ عورت سے۔

ان دونوں قرآنی استدلالات کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ پہلی آیت مومن اور کافر کے حق کے بارے میں ہے اور دوسری آیت منسوخ ہے۔ البتہ ابوحاتم مزنی کی سابق حدیث سے استدلال صحیح ہے۔

حدیث یہ ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آجائے جس کی دینداری اور اخلاق سے تم رضامند ہو تو اس کا نکاح کروادو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ پھیلے گا اور عظیم فساد برپا ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں فسق کفاءت کے مانع نہیں ہے، الا یہ کہ فسق ہتک کی حد تک پہنچا ہو یا اس کا مذاق اڑایا جاتا ہو یا فاسق نشے کی حالت میں بازاروں میں نکلتا ہو، کیونکہ فسق آخرت کے احکام میں سے ہے اس پر دنیوی احکام کا دارومدار نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ...... کیا فاسق مرد، نیکوکار شخص کی فاسقہ بیٹی کے کفو (ہمسر) ہوسکتا ہے،؟؟ بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ فاسق اس عورت کے ہمسر نہیں، ابن عابدین کہتے ہیں: فقہاء کے کلام سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ باپ بیٹی یعنی پورے خاندان کی راست بازی کا اعتبار ہے، اور جن فقہاء نے عورت کی راستبازی، یا آباءواجداد کی راستبازی، پر اکتفاء کیا ہے انہوں نے غالب احوال پہ نظر کی ہے، چونکہ باپ اور بیٹی کی راست بازی لازم ملزوم ہے۔ بنابریں فاسق شخص راست باز باپ کی راست باز بیٹی کا ہمسر نہیں بلکہ وہ تو فاسق مرد کی فاسقہ بیٹی کا کفو ہے۔ اسی طرح نیکوکار شخص کی فاسقہ بیٹی کا بھی ہمسر ہے، چونکہ بیٹی سے ملنے والی عار دامادی رشتے کی عار سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، چناچہ نیکوکار عورت جو کہ فاسق باپ کی بیٹی ہونے اگر فاسق شخص کے [illegible] نکاح کرلیا تو اس کے فاسق باپ کو حق اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ باپ بھی تو خاوند ہی جیسا ہے اور عورت اس پر راضی ہے۔

۲۔ اسلام...... حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے اور یہ شرط غیر عرب کے لئے ہے، جمہور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، اسلام سے مراد آباء واجداد کا اسلام ہے چنانچہ جس شخص کا صرف باپ اور دادا یا صرف ماں باپ مسلمان ہوں وہ اس شخص کا ہمسر نہیں ہوسکتا جس کے آباءواجداد

مسلمان چلے آرہے ہوں، اسی طرح جس شخص کا صرف باپ مسلمان ہو وہ اس کے ہمسر نہیں جس کا باپ اور دادا مسلمان ہوں۔ کیونکہ باپ اور دادا سے نسب تمام ہوتا ہے، امام ابویوسف نے ایک مسلمان کو دو کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

نومسلم ایسے شخص کا ہمسر نہیں ہوتا جس کا صرف باپ مسلمان ہوا ہو کیونکہ عجمیوں میں اسلام لانے پر فخر کیا جاتا ہے۔

کفاءت کی اس خصلت پر حنفیہ کی یہ دلیل ہے کہ باپ اور دادا سے شخص کی تعریف مکمل ہوتی ہے چنانچہ جب کسی شخص کا باپ اور دادا مسلمان ہوں تو اسلام کی طرف اس کی نسبت کامل ہوتی ہے۔

اس خصلت کا اعتبار عجمیوں میں کیا جائے گا کیونکہ عجمیوں کے اسلام قبول کرنے سے ان کے فخر کا دارومدار اسلام پر رہ جاتا ہے لہٰذا اسلام عجمیوں کے لئے نسب کے قائم مقام ہوگا، رہی بات عرب کی سو ان کے آباؤ اجداد کے اسلام لانے سے کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عرب نسب پر فخر کرتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے اسلام لانے پر فخر نہیں کرتے، چنانچہ نومسلم عربی ایسی عربیہ مسلمان عورت کا ہمسر ہے جس کے آباؤ اجداد مسلمان ہوں۔

۳۔ آزادی...... جمہور (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک آزادی (حریت) بھی اوصاف کفاءت میں سے ہے، چنانچہ غلام آزاد عورت کا ہمسر نہیں ہوتا اگرچہ عورت آزاد کردہ باندی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ غلام میں غلامی کا نقص پایا جاتا ہے اور وہ اپنی کمائی میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا، وہ اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا نیز آزاد لوگوں کو غلام داماد کی عار دلائی جاتی ہے جیسے حسب ونسب میں کمتر ہونے کی عار دلائی جاتی ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے آباؤ اجداد کے آزاد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے چنانچہ جس کے آباؤ اجداد میں کوئی ایک غلام ہو تو وہ ایسے شخص کا ہمسر نہیں ہوتا جس کے سبھی آباؤ اجداد آزاد ہوں۔ اسی طرح جس شخص کا باپ آزاد کردہ غلام ہو وہ ایسے شخص کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے باپ اور دادا آزاد ہوں۔

حنفیہ اور شافعیہ نے اضافہ کیا ہے کہ آزاد کردہ شخص ایسی عورت کا کفو نہیں جو اصلاً آزاد ہو، کیونکہ لوگ آزاد کردہ غلاموں کو داماد بنانے پر عار محسوس کرتے ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں جو شخص عملی طور پر آزاد کردیا گیا ہو وہ آزاد عورت کا ہمسر ہے۔ رہی بات مالکیہ کی سو انہوں نے کفاءت میں حریت (آزادی) کی شرط نہیں لگائی، اب آیا کہ ان کے نزدیک غلام آزاد عورت کے ہمسر ہے یا نہیں چنانچہ مالکیہ کے دو اقوال ہیں ایک یہ کہ غلام آزاد شخص کا کفو نہیں ہے دوم یہ کہ کفو ہے، دوسرا قول راجح ہے چونکہ یہ ابن قاسم کا ہے۔

علامہ دسوقی کہتے ہیں: بظاہر اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر سفید فام ہو تو وہ کفو ہوگا، کیونکہ اس میں آزاد کی بنسبت رغبت زیادہ ہوتی ہے، ہمارے زمانے میں مصر میں گوری رنگت کو شرف کی علامت سمجھا جاتا ہے، اور جو سیاہ فام ہو وہ کفو نہیں ہوگا، کیونکہ سیاہ رنگت سے نفسوں کو نفرت ہوتی ہے اور اسی رنگت پر عورت کی مذمت کی جاتی ہے، البتہ یہ ہمارے زمانے کا عرف ہے کوئی مقرر شرعی حکم نہیں ہے۔

میں اس رائے کو دسوقی کی مخصوص رائے سمجھتا ہوں، چنانچہ شریعت کے قواعد وضوابط اس قول کے منافی ہیں کیونکہ لوگوں میں ان کی رنگت کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں ہے۔ مصر میں جو رنگت کی بنیاد پر عرف چل پڑا ہے یہ محض فاسد ہے، چونکہ یہ عرف صراحۃً اصول شریعت سے متصادم ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ عرف خواہشات نفس کا نتیجہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں سبھی لوگ یکساں ہیں۔

۴۔ نسب...... حنابلہ نسب کو منصب سے تعبیر کرتے ہیں۔

نسب سے مراد انسان کا اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ تعلق کا ہونا ہے، جبکہ حسب سے مراد ایسی عمدہ واعلیٰ صفات جن سے آباؤ اجداد متصف

ہوں یا آباؤاجداد کے مفاخر مثلاً علم، شجاعت، جودوسخا، اور تقویٰ، نسب حسب کو لازم نہیں جبکہ حسب نسب کو لازم ہے، نسب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کا باپ متعین ہو وہ گراپڑا انسان یعنی لقیط یا آزاد کردہ غلام نہ ہو، مالکیہ نے نسب میں کفاءت کے ہونے کا اعتبار نہیں کیا، جبکہ جمہور فقہاء، حنفیہ، شافعیہ حنابلہ اور بعض زیدیہ نے نسب کا اعتبار کیا ہے۔ حنفیہ نے نکاح کے لئے نسب کے وصف کو عرب کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ عرب کے انساب محفوظ ہیں اور عرب انساب پر فخر بھی کرتے ہیں اور اسی میں ایک دوسرے کو عار بھی دلاتے ہیں۔

رہی بات عجمیوں کی سوان کے انساب محفوظ نہیں اور وہ انساب پر فخر بھی نہیں کرتے، اسی لئے عجموں میں آزادی اور اسلام کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

بنابریں عجمی مرد، عرب عورت کا ہمسر نہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں ضرور حسب والی عورتوں کو منع کروں گا کہ وہ صرف اپنے ہمسروں سے شادی کریں۔ ❶

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کو غیر عرب پر فوقیت دی ہے اور عرب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دوسری قوموں پر فضلیت حاصل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک قریش ایک دوسرے کے ہمسر ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک یہ روایت منقول ہے۔ جبکہ قریش کے علاوہ بقیہ عرب ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔ بعض حنفیہ نے بنی باہلہ کو مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ عرب میں انہیں قبائلی کمتری کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، حنفیہ کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ قریش ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ بقیہ قریش ہاشمی اور مطلبی کے ہمسر نہیں جیسے بنی عبدشمس اور نوفل۔ اگرچہ یہ دونوں ہاشم کے بھائی تھے کیونکہ حدیث ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے عرب میں سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ سے قریش کو منتخب کیا قریش سے ھاشم کو منتخب کیا اور بنی ھاشم سے مجھے منتخب کیا۔'' ❷ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نضر بن کنانہ کی اولاد قریش ہے اور وہ نسب کے اعتبار سے بقیہ عرب سے افضل ہیں، چنانچہ قریشیہ کا ہمسر صرف قریشی ہے، جبکہ قریشی ہر عربی عورت کا ہمسر ہے، اور غیر قریشیہ عورت کسی بھی قبیلے کے عربی کے ہمسر ہے، لیکن غیر عربی عربیہ کا ہمسر نہیں۔

جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے ہمسر ہے، مرد مرد کے ہمسر ہے، عجمی ایک دوسرے کے ہمسر ہیں اور ہر عجمی قبیلہ دوسرے قبیلے کے ہمسر ہے، عجمی مرد عجمی مرد کے ہمسر ہے البتہ جولاہا اور حجام ہمسر نہیں۔ ❸

حق بات یہ ہے کہ کفاءت میں نسب کا اعتبار صحیح نہیں ہے، دراصل مالکیہ کا قول صحیح ہے، کیونکہ اسلام کی فضلیت بنیادی چیز ہے جو مساوات کی دعوت دیتی ہے، اسلام نسلی امتیازات کو ختم کرتا ہے اور قبیلائی، نسبی اور جاہلی مفاخر کی تردید کرتا ہے۔ حجتہ الوادع کے موقع پر اعلان اس کی واضح دلیل ہے، اس اعلان میں سبھی لوگوں کو آدم کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور کسی عربی کو عجمی پر فضلیت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

رہی وہ حدیث جس پر جمہور نے اعتمار کیا ہے سو وہ ضعیف ہے چنانچہ بقیہ عرب پر قریش کی فضلیت پھر عجم پر عرب کی فضلیت پر سنت سے کوئی واضح دلیل نہیں۔ بلکہ سنت میں تو اس کے برخلاف وارد ہوا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کروایا، ابوالعاص کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا سے کروایا، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوالعاص بنی عبدالشمس میں سے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کروایا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کی

---

❶ ......رواہ الخلال والدارقطنی۔ ❷ رواہ الترمذی عن واثلہ وھو صحیح۔ ❸ رواہ الحاکم والبیھقی عن عبداللہ بن عمر ولکنہ، حدیث متقطع (نصب الرایۃ ۳/ ۱۹۷)

بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے کروایا حالانکہ زید رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ کا نکاح فاطمہ بنت قیس سے کروادیا جبکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا قریشیہ تھیں۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہم انہیں پیغام نکاح بھیج رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوجہم تو اپنے کاندھے سے عصا نیچے رکھتا ہی نہیں، جبکہ معاویہ تنگدست ہے اس کے پاس مال نہیں، لہٰذا تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ ❶

عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے شادی کی مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ سے شادی کی، عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سکینہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹی صباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے نکاح کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن ام فروہ کا نکاح اشعث بن قیس سے کروایا جبکہ مقداد رضی اللہ عنہ اور اشعث دونوں کندی تھے۔ ❷

نیز عجمی ایک دوسرے کے ہمسر ہیں اگر چہ بعض دوسرے اعتبار سے انہیں بھی ایک دوسرے پر شرف اور فضیلت حاصل ہوتی ہے، جب عرب انساب پر فخر کرتے ہیں تو غیر عرب بھی انساب پر فخر کرتے ہیں چنانچہ عجمیوں کی کوئی عورت اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرلے جو حسب و نسب میں عورت سے کمتر ہو تو عورت کے اولیاء اس سے عار محسوس کرتے ہیں۔

۵۔ مالداری...... مالداری سے مراد مہر اور عورت کے خرچہ کی قدرت کا حاصل ہونا ہے، مالداری سے دولت مند اور صاحب ثروت ہونا مراد نہیں، چناچہ تنگدست مالدار عورت کا کفو نہیں۔ حنفیہ نے اس قدرت کی تحدید ایک مہینے کے خرچے سے کی ہے، بعض حنفیہ کے نزدیک اتنا بھی کافی ہے کہ مرد کسب وکمائی کی طاقت رکھتا ہو تو وہ مالدار تصور کیا جائے گا۔

حنفیہ اور حنابلہ نے کفاءت کے لئے مالداری کی شرط لگائی ہے، اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: رہی بات معاویہ رضی اللہ عنہ کی سووہ تنگدست ہے اس کے پاس مال نہیں۔ عقلی وجہ یہ ہے کہ لوگ نسب پر اتنا زیادہ فخر نہیں کرتے جتنا زیادہ مال پر کرتے ہیں، نیز مالدار عورت کو تنگدست خاوند سے ضرر ہوتا ہے کیونکہ تنگدست مرد اپنی بیوی اور اولاد کا نفقہ نہیں دے سکتا، اسی لئے اگر مرد بیوی کا خرچہ نہ دے سکتا ہو تو اسے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے۔

نیز تنگدستی کو عرف عام میں نقص سمجھا جاتا ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: مالداری اوصاف کفاءت میں سے نہیں ہے کیونکہ مال ڈھلتا سایہ ہے صبح ہوتا ہے شام کو نہیں ہوتا، چنانچہ اہل مروت اور اہل بصیرت مال پر فخر نہیں کرتے۔

میرے نزدیک یہی رائے راجح ہے کیونکہ مالداری ہمیشہ نہیں رہتی مال آنے جانے والی چیز ہے اور رزق کسب وکمائی کے مرہون منت ہے، جبکہ فقر کو دین کا سرمایہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یا اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دے۔ ❸

۶۔ پیشہ...... پیشے سے مراد ایسا کام ہے جسے انسان روزگار کے طور پر اپنائے رکھتا ہے، حکومت سے تنخواہ لینا بھی پیشہ ہے۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے پیشوں کو اوصاف کفاءت (ہمسری) میں شمار کیا ہے، گویا مرد اور اس کے خاندان کا پیشہ عورت اور اس کے خاندان کے پیشے کے مساوی ہو، چنانچہ گھٹیا پیشہ جیسے حجام، جولاہا، جھاڑو دینے والا، چوکیدار، چرواہا، گوبر صاف کرنے والا کسی عظیم پیشہ ور

❶......رواہ مسلم عن فاطمہ بنت قیس (سبل اسلام ۳/ ۱۲۹) ❷المغنی ۶/ ۴۸۳. ❸رواہ الترمذی من حدیث انس وابن ماجہ والحاکم وصححہ من حدیث ابی سعید الخدری.

جیسے تاجر، عالم، قاضی اور مدرس کی بیٹی کے ہمسر نہیں ہو سکتا، البتہ گھٹیا پیشوں والے ایک دوسرے کے کفو ہیں اور کفار بھی ایک دوسرے کے کفو ہیں، کیونکہ کفاءت کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ نقص کا دفعیہ ہو سکے جبکہ کفر سے بڑا نقص کوئی نہیں۔

پیشوں کے کمتر یا اعلیٰ ہونے کا دارومدار عرف پر ہے کیونکہ لوگوں کے مذاق کے مختلف ہونے سے پیشوں کے اعلیٰ اور کمتر ہونے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، اسی طرح جگہ کا بھی اعتبار ہے، چنانچہ ایک زمانے میں کوئی پیشہ گھٹیا سمجھا جاتا تھا پھر دوسرے زمانے میں وہی پیشہ اعلیٰ سمجھا جانے لگا، اسی طرح ایک شہر میں کوئی پیشہ اگر کمتر سمجھا جاتا ہے تو دوسرے شہر میں وہی پیشہ اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔

مالکیہ نے پیشے کو اوصاف کفاءت میں شمار نہیں کیا کیونکہ پیشے کے حوالے سے دینداری میں کوئی نقص نہیں آتا، اور نہ ہی پیشہ کوئی لازمی وصف ہے، جیسے مالداری کوئی لازمی وصف نہیں، لہٰذا پیشہ ضعف، مرض، عافیت اور صحت کی مانند ہے۔ یہی رائے راجح ہے۔

۷۔ایسے عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار ثابت ہوتا ہو:

یعنی ایسے عیوب جن کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو جاتا ہو جیسے جنون، جذام، برص وغیرہ۔ مالکیہ اور شافعیہ نے کفاءت کے لئے اس خصلت کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ مرد و عورت میں سے جو بھی ان عیوب میں سے کسی عیب میں مبتلا ہو وہ ایسے شخص کا ہمسر نہیں ہو سکتا جو ان عیوب سے پاک ہو، کیونکہ انسانی نفس ایسے شخص سے دور رہتا ہے جس میں ان عیوب میں سے کوئی عیب ہو، نیز ان عیوب کے ہوتے ہوئے نکاح کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔

حنفیہ اور حنابلہ نے کفاءت میں اس خصلت کا اعتبار نہیں کیا، لیکن عورت کو خیار ملے گا اس کے اولیاء کو نہیں ملے گا، کیونکہ ضرر تو عورت کو مل رہا ہوتا ہے، البتہ ولی عورت کو مجذوم، برص اور مجنون کے ساتھ نکاح کرنے سے روک سکتا ہے، یہ رائے راجح ہے کیونکہ کفاءت کی خصلتیں عورت اور اولیاء میں سے ہر ایک کا حق ہیں۔

متذکرہ بالا خصلتیں کفاءت کی خصلتیں ہیں، ان خصائل کے علاوہ بقیہ اوصاف جیسے حسن جمال، عمر، ثقافت، شہر اور دوسرے عیوب جن سے نکاح میں خیار حاصل نہیں ہوتا، جیسے اندھا پن، عضو کا کٹا ہوا ہونا، بدصورتی سو کفاءت میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا، چنانچہ بدصورت خوبصورت عورت کا کفو ہوتا ہے، بڑی عمر والا کم عمر والی عورت کے ہمسر ہوتا ہے، جاہل تعلیم یافتہ کے ہمسر ہے، دیہاتی شہری کے ہمسر ہے اور مریض صحت مند کے ہمسر ہے۔

لیکن بایں ہمہ ان اوصاف میں حتی الامکان یکسانیت کا لحاظ رکھا جائے بالخصوص عمر اور ثقافت کا لحاظ رکھا جائے، کیونکہ ان اوصاف کی رعایت رکھنے سے زوجین کے درمیان اتفاق اور ہم آہنگی کو وجود ملتا ہے، جبکہ اگر ان اوصاف کی اگر رعایت نہ کی جائے تو زوجین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ لوگوں کے مذاق میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

قانون میں کفاءت کا اعتبار...... متذکرہ بالا اوصاف کا فقہاء نے اعتبار کیا ہے اور ماضی کے معاشرہ میں ان اوصاف کی رعایت بھی کی جاتی رہی ہے، عصر حاضر میں عرف کو دیکھا جائے تو جو امور عرفی اور رواجی لحاظ سے معتبر سمجھے جاتے ہوں، ان کا بطور شرط لحاظ رکھا جائے، چنانچہ نسب اور مالداری کا اعتبار باقی نہیں رہا۔ ❶ اسی لئے سوریہ کے قانون میں حسب ذیل صراحت کی گئی ہے:

دفعہ ۲۶ میں ہے: لزوم نکاح کے لئے شرط ہے کہ مرد عورت کے جوڑ کا ہو۔

دفعہ ۲۷ میں ہے: اگر بالغ عورت اپنے ولی کی موافقت کے بغیر شادی کر لے تو دیکھا جائے گا کہ خاوند اگر ہمسر ہو تو عقد لازم ہو جائے

---

❶ یہ سوریہ کا عرف ہے جبکہ ہندو پاک کے عرف میں نسب اور مالداری کو دیکھا جاتا ہے سادات برادری کے لوگ اپنے رشتے غیر سادات کو نہیں دیتے مالدار شخص اپنی بیٹی کا رشتہ تنگدست کو قطعاً نہیں دیتا، کتنے ایسے رشتے ہوئے جو نسبی یا مالداری لحاظ سے ہمسر ی نہ ہونے کی وجہ سے توڑ دیے گئے۔

گا ورنہ ولی فسخ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

دفعہ ۲۸ میں ہے: کفاءت کے حوالے سے شہر کے عرف ورواج کا اعتبار ہوگا۔

دفعہ ۲۹ میں ہے: کفاءت عورت اور ولی کا مخصوص حق ہے۔

دفعہ ۳۰ میں ہے: اگر عورت حاملہ ہوجائے اور اس کا خاوند اس کا کفو نہ ہوتو حق کفاءت ساقط ہوجائے گا۔

دفعہ ۳۱ میں ہے: بوقت عقد کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، عقد کے بعد کفاءت کے زائل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

دفعہ ۳۲ میں ہے: اگر بوقت عقد کفاءت کی شرط لگائی گئی ہو یا عورت کو خبر دی گئی ہو کہ اس کا خاوند اس کے جوڑ کا ہے پھر بعد میں ظاہر ہو کہ مرد اس عورت کا ہمسر نہیں تو ولی اور عورت دونوں کو فسخ نکاح کے مطالبے کا حق حاصل ہوگا۔

ملاحظہ رہے مذکورہ بالا اکثر احکام حنفی مذہب کے موافق ہیں۔

چھٹی فصل......نکاح کے اثرات

اس فصل میں تین مباحث ہیں:

مہر، خلوت اور متعہ (معمولی ساز وسامان)

پہلی بحث......مہر اور اس کے احکام

تمہید......نکاح بھی دیگر معاملات کی طرح ایسا عقد ہے جس سے مختلف حقوق اور فرائض (ذمہ داریاں) جنم لیتی ہیں جو مرد اور عورت سے متعلق ہیں۔قرآن مجید نے اس اصول پر وضاحت کی ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ......البقرہ۲/ ۲۲۸

عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔

یہ حقوق وفرائض جو مرد وعورت سے متعلق ہیں ان میں سے اکثر کا دارومدار فطری بھلائی اور خوبی پر ہے۔

سوریہ کے قانون میں شخصی احوال کے حوالے سے صراحت کی گئی ہے کہ جملہ مالی حقوق جو عورت مرد پر رکھتی ہے وہ مہر، نفقہ اور رہائش ہے۔رہی بات غیر مالی حقوق کی جیسے عدل، احسان وحسن معاشرت، بیوی کا فرماں بردار ہونا، عورت کو اذیت وتکلیف نہ پہنچانا، سو قانون میں ان حقوق سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ اخلاقی حقوق ہیں۔البتہ قرآن نے ان میں سے بعض پر صراحت کی ہے اور سنت نبوی میں بعض پر صراحت کی گئی ہے۔

میں یہاں مہر پر گفتگو کروں گا۔اس ضمن میں درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔مہر کی تعریف، حکم، حکمت، مرد پر مہر لازم کرنے کا سبب، مہر کی مقدار، شرائط، کونسی چیز مہر بن سکتی ہے کونسی نہیں بن سکتی۔مہر کی مختلف انواع اور ہر نوع کے وجوب کے مختلف حالات، مہر میں صاحب حق، مہر معجّل اور مہر مؤجل، مہر میں کمی بیشی کرنا، مہر کب واجب ہوتا ہے اور اس کا وجوب کب موکد ہوجاتا ہے اور مہر کب نصف ہوتا ہے، مہر کب ساقط ہوتا ہے، ضمان مہر، مہر ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے یا اس میں عیب آجانے کا حکم، مہر میں اختلاف ہوجانے کا حکم گھریلو ساز وسامان اور مہر کی وراثت اور اس کا ہبہ۔

اول: مہر کی تعریف، حکم، حکمت اور مرد پر مہر لازم کرنے کا سبب:

مہر......مہر وہ مال ہے جو عقد نکاح یا جنسی ربط کی وجہ سے کسی عورت کا مرد پر واجب ہوتا ہے۔

صاحب عنایہ نے فتح القدیر کے حاشیہ پر یوں تعریف کی ہے:

هوالمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالتسمية او بالعقد

مہر وہ مال ہوتا ہے جو عقد نکاح کی صورت میں بضع کے مقابل کے طور پر خاوند پر واجب ہوتا ہے جو کہ یا تو مقرر کر لینے سے یا عقد سے۔

بعض حنفیہ نے مہر کی یوں تعریف کی ہے:

ماتستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوط

وہ مال ہے جس کی عقد نکاح یا صحبت کی وجہ سے عورت مستحق ہو۔

مالکیہ نے یوں تعریف کی ہے:

مايجعل للزوجة في نظير الاستمتاع بها

وہ مال ہے جو استمتاع کے مقابل میں عورت کے لیے مقرر کر لیا گیا ہو۔

شافعیہ نے یوں تعریف کی ہے:

ماوجب بنكاح أو وطءٍ أو تفويت بضع قهرًا كرضاع ورجوع شهود

وہ مال ہے جو نکاح یا جنسی ربط یا بضع کے فوت ہو جانے پر جبراً واجب ہے۔

حنابلہ نے یوں تعریف کی ہے:

انه العوض في النكاح سواء سمى في العقد أو فرض بعده بتراضي الطرفين أوالحاكم

مہر نکاح میں عوض ہوتا ہے۔ خواہ دوران عقد مقرر کر لیا جائے یا عقد کے بعد طرفین کی باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے مقرر کر لیا جائے۔

مہر کے مختلف نام...... مہر کے دس نام ہیں۔ مہر، صداق، صدقہ، نحلہ، اجر، فریضہ، حباء، عقر، طول، نکاح۔ کسی نے ان ناموں کو اس شعر میں نظم کیا ہے:

صداق ومهر، نحلة وفريضة　　　حباء وأجر، ثم عقر، علائق

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا ...... النساء ۴/ ۲۵

تم میں سے جو شخص طول (مہر) کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا ...... النور ۲۴/ ۳۳

اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع (یعنی مہر) میسر نہ ہوں وہ پاکدامنی اختیار کریں۔

مہر کا حکم...... جیسا کہ مہر کی تعریفوں سے واضح ہو چکا ہے کہ مہر مرد پر واجب ہے، کیونکہ دارالاسلام میں جو وطی بھی ہو وہ دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے خالی نہیں ہوتی۔ چنانچہ وطی پر یا تو عقر واجب ہوتا ہے یا مہر واجب ہوتا ہے کیونکہ اسی میں عورت کا احترام ملحوظ رہتا ہے۔

اول...... محض عقد صحیح۔ بسا اوقات اگر نکاح دخول یا موت سے موکد نہ ہو مہر یا تو کل ساقط ہو جاتا ہے یا نصف ساقط ہو جاتا ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔

دوم...... حقیقی دخول کی صورت میں جیسا کہ وطی بشبہ یا نکاح فاسد کی حالت میں ہوتا ہے تاہم مہر ساقط نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ خاوند ادا کرے یا عورت خاوند کو بری الذمہ کر دے۔

سوریہ کے قانون میں دفعہ ۵۳ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ محض عقد صحیح سے عورت کے لیے مہر واجب ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ بوقت عقد مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

وجوب مہر کے دلائل

ا۔ قرآن......فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ......النساء ۴/۴

عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت میں خاوندوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ ایک اور قول کے مطابق خطاب اولیاء سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اولیاء مہر لیتے تھے اور مہر کو نحلہ کا نام دیتے تھے۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ مہر میں عورت کا احترام ہے۔

فرمان باری تعالیٰ:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ...... النساء ۴/ ۲۴

چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو انہیں مقررہ مہر دو۔

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ...... عورتوں کو ان کا مہر دو۔ النساء ۴/ ۲۵

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ......النساء ۴/ ۲۴

ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔

۲۔ سنت......حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا:

مہر تلاش کر لاؤ۔ اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ [1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ آپ کا کوئی نکاح مہر کے بغیر ہوا ہو۔

عقد کے دوران مہر مقرر کرنا مسنون ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ کوئی نکاح مہر سے خالی ہو، نیز دوران عقد مہر مقرر کرنے میں جھگڑا نہیں رہتا، عقد کے دوران مہر مقرر کرنے میں یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ عورت نے اپنے تئیں مرد کو ہبہ کر دیا ہے چونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

۳۔ اجماع امت......نکاح میں مہر کے ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

حکمت......چنانچہ نکاح مہتم بالشان عقد ہے۔ اس عقد کے مرتبہ اور مقام کا اظہار مہر مقرر کر کے کیا جاتا ہے۔ عورت کے اعزاز و اکرام کا اظہار بھی اس کی حکمت ہے تاکہ عائلی زندگی بہتر طریقے سے قائم رہ سکے اور میاں بیوی کے درمیان حسن معاشرت قائم رہ سکے۔ مہر کی ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرنا عورت پر واجب ہے۔ چنانچہ عورت لباس اور سامان تزئین کا انتظام مہر کے مال سے بسہولت کر سکتی ہے۔

مہر مرد پر واجب ہے نہ کہ عورت پر......شریعت میں یہ اصول مقرر ہے کہ اخراجات کا بار عورت کے کاندھوں پر نہیں ڈالا گیا۔ خواہ

[1]......متفق علیہ بین احمد والشیخین عن سہل بن سعد (نیل الاوطار ۱۷۰/۶)

عورت ماں ہو یا بیٹی ہو یا بیوی ہو بلکہ مرد پر خرچے کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔ کیونکہ مرد کسب وکمائی کی طاقت رکھتا ہے۔ رہی بات عورت کی سو اس کی ذمہ داری گھریلو انتظام استوار رکھنا، اولاد کی بہتر تربیت کرنا اور گھریلو امور حسن و بھلائی سے انجام دینا۔ بلاشبہ ان امور کی انجام دہی آسان نہیں مشکل ہے۔ چنانچہ جب عورت کو پیشگی مہر دے دیا جائے تو وہ بطریق احسن ان امور کی انجام دہی کے لیے سعی کر سکتی ہے۔

مہر عقد نکاح میں رکن ہے نہ ہی شرط...... میں نے شرائط میں وضاحت کر دی ہے کہ مہر نکاح میں اگرچہ واجب ہے لیکن مہر رکن ہے اور نہ ہی شرط ہے ❶ مہر تو عقد نکاح پر مرتب ہونے والے اثرات میں سے ہے، اسی لیے مہر میں معمولی قسم کی جہالت اور غرر قابل برداشت ہوتا ہے بشرطیکہ اس جہالت اور غرر کے زوال کی امید ہو کیونکہ نکاح کا مقصد ملک بضعہ سے نفع اٹھانا ہے اس لئے تذکرہ مہر کے بغیر بھی عقد نکاح صحیح ہوتا ہے اور عورت کے لئے بہر حال بالاتفاق مہر واجب ہوگا۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ...... البقرۃ ۲/۲۳۶

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے (صحبت کیے بغیر) اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت کریم میں دخول سے قبل طلاق مباح کر دی گئی ہے اسی طرح مہر مقرر کرنے سے پہلے بھی طلاق دینے کا جواز ہے اس سے معلوم ہوا کہ مہر نہ رکن ہے اور نہ ہی شرط۔

علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک استفتاء لایا گیا کہ ایک عورت کے ساتھ ایک مرد نے شادی کر لی تھی پھر وہ مر گیا جبکہ اس نے عورت کا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس عورت کے ساتھ صحبت کی تھی چنانچہ لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور فتوی کی لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے کی مطابق اس عوت کے لئے مہر مثل ہوگا میراث سے بھی اسے حصہ ملے گا اور عورت پر عدت بھی ہوگی اس فتویٰ کے متعلق معقل بن سنان اشجعی نے گواہی دی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ ❷

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: میں فلاں عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں؟ عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا: کیا تم راضی ہو کہ فلاں مرد کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں؟ عورت نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ آپ نے ان دونوں کی شادی کرا دی اور مرد نے عورت کے ساتھ صحبت بھی کر لی جبکہ اس عورت کا مہر مقرر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت مرد نے کہا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کرائی تھی اور میں نے اسکا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے اسے کچھ دیا اور اب میں نے اسے مہر کے عوض میں خیبر کی سرزمین سے ملنے والا حصہ دے دیا ہے چنانچہ عورت نے زمین کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا اور بعد میں ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ ❸

بنا بر ہذا اگر زوجین نے بغیر مہر کے اتفاق کر لیا یا کسی ایسی چیز کو بطور مہر مقرر کیا جس کا شرعاً مالک نہیں بنا جا سکتا مثلاً شراب خنزیر نجس چیز گوبر وغیرہ تو مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک عقد نکاح صحیح ہو جائے گا، اور عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مالکیہ کہتے ہیں اگر زوجین سقوط مہر پر اتفاق کر لیں تو نکاح ہی فاسد ہو جائے گا۔ ❹

نکاح تفویض......ابن رشد وغیرہ کہتے ہیں ❺ نکاح تفویض کے جائز ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے نکاح تفویض یہ ہے کہ مہر کے بغیر

---

❶......البدائع ۲/۲۷۴ کشاف القناع ۵/۱۴۴ المهذب ۲/۵۵ بداية المجتهد ۲/۲۵ ❷رواه الخمسه (احمد اصحاب السنن) وصححه الترمذی ❸ نيل الاوطار ۶/۱۷۲ ❹اخرجه ابوداؤد والحاكم۔ ❺بداية المجتهد ۲/۲۵ القوانين الفقهيه ۲۰۳ البدائع ۲/۲۷۴۔ الدر المختار ۲/۴۶۰

ہی نکاح کرلیا جائے۔اس کی دلیل یہ آیت ''لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيضَةً'' ہے۔اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگائے بغیر یا مہر مقرر کئے بغیر طلاق دے دو تو تمہارے اوپر کوئی گناہ ہیں۔(البقرۃ ۲/۲۳۶) لیکن جمہور کے نزدیک نکاح تفویض میں مہر کے بغیر ہی نکاح پر اتفاق کرلیا جاتا ہے یا نکاح میں مہر مقرر نہیں کیا جاتا۔ مالکیہ کے نزدیک مہر مقرر نہیں کیا تو وہ نکاح تفویض ہے اور جائز ہے اور اگر سقوط مہر پر اتفاق کرلیا گیا تو نکاح ہی فاسد ہوگا۔ ❶

دوم: مہر کی مقدار اور گرانی مہر...... بالاتفاق مہر کی انتہائی حد مقرر نہیں کیونکہ شریعت میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس میں مہر کی انتہائی حد کی تعین کی گئی ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

اور تم نے کسی عورت کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو اس سے کوئی چیز بھی واپس نہ لو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عورتوں کے مہر میں گرانی ہو چلی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے مہر کی ایک مناسب حد تک تحدید وتعین کا ارادہ کیا بلکہ اعلان کر دیا کہ چار سو درا ہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے اور لوگوں سے خطاب کیا ❷ اے لوگو! عورتوں کے مہر میں گرانی مت کرو کیونکہ بڑھا چڑھا کر مہر دینا اگر دنیا میں شرافت کی چیز ہوتی یا آخرت میں کوئی تقوی کی چیز ہوتی یقیناً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور عمل فرماتے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی سے زیادہ مقرر نہیں کیا ❸ سو جس شخص نے بھی ۱۲اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کیا زائد مقدار بیت المال میں جمع کرانی ہوگی جب عمر رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اترے تو قریش کی ایک عورت آڑے آ گئی اور کہنے لگی: اے عمر! تمہیں یہ اختیار حاصل نہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت سے وجہ پوچھی عورت بولی: کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ:

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (النساء ۴/۲۰)

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ایک عورت نے سچ کہا جبکہ عمر سے خطا ہوئی ابویعلی نے الکبیر میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی یا اللہ! ہر وہ شخص جو عمر سے زیادہ فقاہت رکھتا ہو اسکی مغفرت فرما۔آپ رضی اللہ عنہ دوبارہ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں مسئلہ مہر کے متعلق چار سو درہم سے زائد مہر مقرر کرنے سے منع کیا تھا سو کوئی شخص مہر میں جتنا مال چاہے عورت کو دے سکتا ہے۔ ❹

لیکن کم مہر رکھنا اور گرانی سے اجتناب کرنا مسنون ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں اخراجات کم سے کم ہوں ❺ ایک اور روایت میں ہے سب سے زیادہ برکت والی عورت وہ ہے جسکا مہر سب سے کم ہو۔

ابوداؤد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ سب سے بہترین مہر وہ ہے جو سب سے کم ہو۔

کم مہر کی حکمت...... گرانی مہر سے اس لیے منع کیا گیا ہے تاکہ نوجوانوں کے لئے شادی کرنا آسان تر ہو جائے اور نوجوان طبقہ نکاح سے اعراض نہ کرے خدانخواستہ اگر نوجوان طبقہ شادی سے اعراض کرنے لگ گیا تو معاشرے میں اخلاقی بے راہ روی اور مفاسد عام ہو جائیں

---

❶.....البدائع ۲/۲۸۶ الدر المختار ۲/۴۵۲ المهذب ۲/۵۵ ❷ رواه ابوداؤد والترمذی وصححه احمد وابن ماجه الخمسه ❸ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے ❹ مجمع الزوائد ۴/۲۸۳ سيرة عمر بن الخطاب لطنطا وبين نقلا عن سيرة عمر لابن الجوزی ۱/۳۲۱ تكملة المجموع ۱۵۶/۴۸۲ ❺ رواه احمد عن عائشه وفيه ضعيف (نيل الاوطار ۶/۱۶۸)

گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متذکرہ بالا خطاب میں فرمایا تھا۔ آدمی اپنی بیوی کے مہر میں گرانی کر دیتا ہے بالآخر یہ گرانی اس کے دل میں عداوت بن جاتی ہے۔

مہر کی کم از کم مقدار...... مہر کی کم از کم حد کیا ہونی چاہیے سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور کل ملا کر تین آراء ہیں:

حنفیہ: کہتے ہیں (۱) کم از کم مہر کی مقدار دس (۱۰) دراہم ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے دس دراہم سے کم مہر نہیں ہوتا (۲) نیز حنفیہ نے اقل مہر کو سرقہ کے نصاب پر بھی قیاس کیا ہے چنانچہ دس درہم چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا گویا دس درہم کی اہمیت ہے لہٰذا ایک عورت کے مرتبے اور مقام کا تقاضا ہے کہ اسکا مہر دس درہم سے کم نہ ہو رہی یہ حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تھا: تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو سو یہ حدیث مہر معجّل پر محمول ہے کیونکہ اہل عرب کا رواج تھا کہ صحبت سے پہلے کچھ نہ کچھ مہر دے دیا جائے نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا تاوقتیکہ انھیں کوئی چیز دے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنی زرہ ہی دے دو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دی۔ (۳)

مالکیہ کہتے ہیں: کم از کم مہر کی مقدار چوتھائی دینار ہے یا خالص چاندی کے تین دراہم۔ یا ہر ایسی چیز سامان، جانور، زمین جو شرعا مال سمجھی جاتی ہو اور شرعا اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو پاک ہو اور اس کی قیمت تین درہم بنتی ہو تاہم لہو ولعب کے آلات کو مہر میں نہیں دیا جاسکتا کیونکہ شرعاً ان سے نفع اٹھانا ممنوع ہے۔ نیز مہر میں رکھی گئی وہ چیز مقدور التسلیم ہو (۴) اس کی مقدار متعین ہو صفت اور نوع بھی متعین ہو مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ مہر عورت کی شرافت اور عظمت کا امین ہوتا ہے لہٰذا سرقہ کے نصاب سے کم نہیں رکھا جائے گا تاہم اگر کسی مرد نے اس سے کم مقدار پر عورت کے ساتھ نکاح کر لیا اور مرد نے عورت کے ساتھ صحبت بھی کر دی تو ربع دینار واجب ہو جائے گا اور اگر صحبت نہ کی تو مرد سے کہا جائے گا کہ یا تو مہر کی مقرر مقدار پوری کر دو یا نکاح ہی فسخ کر دو۔ (۵)

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: کم از کم مہر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ چنانچہ مال قلیل وکثیر کا مہر ہونا صحیح ہے، تاہم ان حضرات کے نزدیک ضابطہ یہ ہے ہر وہ چیز جو مبیع بن سکتی ہو وہ مہر بھی بن سکتی ہے اور جو چیز مبیع نہیں بن سکتی وہ مہر بھی نہیں بن سکتی۔ بشرطیکہ وہ چیز ایسی نہ ہو جسے مال شمار نہ کیا جاتا ہو اگر ایسی چیز مہر میں رکھ دی مثلاً گٹھلی کنکری وغیرہ تو یہ مہر فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ (۶)

(ا)...... آیت کریمہ ہے:

أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم ...... النساء: ۴/ ۲۴

ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ تم اپنے مال کے مہر سے ان سے نکاح کرنا چاہو۔

چنانچہ شریعت میں کوئی چیز اقل مہر کے طور پر مقرر نہیں کہ جس پر علی الاطلاق عمل کیا جائے۔

(ب)...... سابقہ حدیث ہے۔ تلاش کرلاؤ اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جو مال ہے وہ مہر بن سکتی ہے۔

(ج)...... عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قبیلہ فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیوں پر نکاح کر لیا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ

---

(۱)...... الدر المختار ۲/ ۴۵۲ البدائع ۲/ ۲۷۵ (۲) رواہ البیہقی بسند ضعیف ورواہ ابن ابی حاتم وقال ابن حجر الاسناد حسن (۳) رواہ ابوداؤد والنسائی (۴) یعنی ایسی ہو جسے بیوی کو دینا ممکن ہو۔ (۵) الشرح الصغیر ۲/ ۴۲۸۔ (۶) المہذب ۲/ ۵۵ معنی المحتاج ۳/ ۲۲۰ کشاف القناع ۵/ ۱۴۲ المغنی ۶/ ۶۸۰

علیہ وسلم نے عورت سے پوچھا: کیا تو ان دو جوتیوں کے بدلہ میں اپنے نفس کو سپرد کرنے پر راضی ہے؟ عورت نے کہا: جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو جائز قرار دیا❶ ابوداؤد نے جابر رضی اللہ عنہ سے موقوف حدیث نقل کی ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کو مٹھی بھر کھانا بطور مہر دے دیا تو وہ عورت اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔

(د)..... مہر عورت کا حق ہے اللہ تعالیٰ نے مہر عورت کے مرتبہ اور مقام کی خاطر مشروع کیا ہے لہٰذا مہر کی تعیین طرفین کی رضامندی سے ہوگی، نیز مہر عورت سے نفع اٹھانے کا بدل ہے لہٰذا مہر کی تعین کا اختیار عورت کو حاصل ہوگا جیسے منافع کی اجرت مستأجر متعین کرتا ہے۔

یہ رائے راجح ہے کیونکہ اس کے دلائل قرآن وسنت سے ہیں۔ چنانچہ اس رائے کے فقہاء کہتے ہیں کہ چار سو دراہم سے پانچ سو دراہم تک مہر مقرر کرنا مسنون ہے، کیونکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا درال حالیکہ وہ اس وقت سرزمین حبشہ میں مقیم تھیں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے کوئی چیز نہیں بھیجی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطھرات کا مہر چار سو درہم ہوتا تھا❷ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطھرات کا مہر پانچ پانچ سو دراہم تھا❸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی اقتداء مستحب ہے اور باعث برکت ہے۔

اگر پانچ سو دراہم سے زیادہ مہر مقرر کر دیا گیا اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ اوپر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا درحالیکہ وہ سرزمین حبشہ میں مقیم تھیں نجاشی نے یہ شادی کرائی تھی اور اسی نے چار ہزار دراہم مہر مقرر کیا تھا نیز جہیز اور دیگر ساز وسامان بھی نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی طرف سے دیا تھا۔ اور حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں مدینہ روانہ کیا، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی تھی۔

عقد نکاح کے وقت مہر مقرر کر لینا چاہیے کیونکہ اگر مہر مقرر نہ کیا گیا تو بسا اوقات جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مستحب ہے کہ مہر دس دراہم سے کم نہ ہو تا کہ فقہاء کے اختلاف سے بچا جا سکے۔

پوشیدہ اور اعلانیہ مہر...... اگر دو قسم کے مہور پر نکاح ہوا یعنی ایک مہر پوشیدہ رکھا دوسرا اعلانیہ۔ چنانچہ شافعیہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک وہی مہر واجب ہوگا جس پر عقد طے ہوا ہو کیونکہ مہر عقد سے واجب ہوتا ہے لہٰذا جس مہر پر عقد طے ہوا وہی واجب ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک علانیہ مہر دیا جائے گا اگر چہ پوشیدہ مہر پر عقد طے ہوا ہو کیونکہ جب پوشیدہ مہر پر عقد ہوا اور اس کے بعد علانیہ مہر کا اظہار کیا گیا تو اس سے مہر کی زائد مقدار کی خبر ملتی ہے لہٰذا زائد مقدار واجب ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے مقررہ مہر سے زائد دے دیا جائے۔

اگر ایجاب وقبول کے دوران مہر میں اختلاف ہو جائے...... اگر ولی کہے: میں نے ایک ہزار روپے مہر کے عوض اپنی بیٹی کا تمہارے سے نکاح کر دیا اور مرد کہے میں نے یہ نکاح پانچ سو روپے مہر کے عوض قبول کیا۔ تو شافعیہ کی نزدیک مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مرد نے ہزار روپے بطور مہر قبول نہیں کیے اور ولی نے پانچ سو روپے کا ایجاب نہیں کیا لہٰذا دونوں ہند سے ساقط الاعتبار ہوں گے اور مہر مثل واجب ہوگا۔

سوریہ میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے کو قانونی حیثیت دی گئی ہے۔

چنانچہ دفعہ کا متن یوں ہے (م ۵۴) (۱) اقل اور اکثر مہر کی کوئی حد نہیں۔ (۲) ہر وہ چیز جس کا شرعاً التزام کیا جا سکتا ہو وہ مہر بھی بن سکتی ہے۔

---

❶.....رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی وصححہ ❷رواہ احمد والنسائی (نیل الاوطار ۶/ ۱۶۹) ❸رواہ مسلم۔

سوم: مہر کی شرائط (کونسی چیز مہر بن سکتی ہے اور کونسی چیز نہیں بن سکتی)

مہر کی تین شرائط ہیں: ❶

اول..... مہر ایسی چیز ہونی چاہئے شریعت میں جس کا مالک بنانا جائز ہو اور شرعاً اس کی خرید وفروخت ہوتی ہو۔ جیسے سونا چاندی، سامان وغیرہ۔ چنانچہ شراب اور خنزیر کو بطور مہر مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ شرعاً ان دونوں چیزوں کا مالک بننا جائز نہیں۔

دوم..... یہ کہ مہر غرر سے سلامت اور محفوظ ہو چنانچہ بھگوڑے غلام اور بدکے ہوئے اونٹ کو مہر میں دینا جائز نہیں۔

سوم..... یہ کہ مہر معلوم و متعین ہو کیونکہ مہر مقرر کردہ عوض ہوتا ہے جو ثمن کے مشابہ ہے۔ لہٰذا مجہول چیز نکاح میں بطور مہر رکھنا جائز نہیں، ہاں البتہ نکاح تفویض میں مجہول مہر جائز ہے نکاح تفویض کا حاصل یہ ہے کہ عاقدین عقد طے کرتے وقت مہر کی تعیین نہ کریں اور خاموش رہیں اور تعین کا اختیار کسی ایک عاقد کو سونپ دیا گیا ہو یا کسی تیسرے آدمی کو سونپ دیا گیا ہو۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک سامان کا وصف بیان کرنا واجب ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وصف بیان کرنا واجب ہے۔ اگر سامان مطلوبہ وصف کے خلاف نکلا تو درمیانہ قسم کا سامان واجب ہوگا۔

حنفیہ نے چوتھی شرط کا بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ نکاح صحیح ہو، چنانچہ نکاح فاسد میں مہر مقرر کرنا صحیح نہیں۔ اور نکاح فاسد میں مقررہ مہر لازم بھی نہیں ہوتا کیونکہ نکاح فاسد حقیقت میں نکاح نہیں ہوتا۔ اور اگر مرد نے صحبت کر دی تو مہر مثل واجب ہوگا۔

بنا بریں فقہاء نے کچھ ایسے ضوابط مقرر کئے ہیں جن سے ایسی چیز کی وضاحت ہو جاتی ہے جو مہر میں دی جا رہی ہو آیا کہ وہ مہر بن سکتی ہے یا نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں: ❷ مہر میں ہر ایسا مال دینا جائز ہے جو متقوم ہو متعین ہو اور سپرد کیا جا سکتا ہو، چنانچہ سونا چاندی خواہ ڈھلے ہوں یا ڈھلے نہ ہو نقدی صورت میں ہوں یا زیورات کی صورت میں دین ہو یا عین فلوس ہوں یا کاغذی کرنسی مکیلی ہو یا موزونی جانور ہو یا زمین خواہ تجارتی ساز وسامان ہو یا کپڑے۔ یہ سب چیزیں مہر میں دی جا سکتی ہیں شخصی منفعت کو بھی مہر میں دیا جا سکتا ہے جیسے گھر کی رہائش زمین کی کاشتکاری اور گاڑی پر سوار ہونے کی منفعت وغیرہ۔ گویا منفعت ایسی ہو کہ اس کے مقابلہ میں مال کا ملنا یقینی ہو۔

رہی بات یہ کہ نکاح میں اگر تعلیم قرآن یا دینی مسائل واحکام جو حلال وحرام کے متعلق ہوں کی تعلیم کو مہر قرار دے دیا جائے تو یہ مہر متقدمین حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں ہے: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ آیت کی رو سے مہر کا مال ہونا ضروری ہے جبکہ تعلیم قرآن یا دینی مسائل کی تعلیم مال نہیں۔ بلکہ طاعات کے قبیل سے ہیں اور قربت ہیں حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں نیز تعلیم مال کے مقابل نہیں ہو سکتی اس صورت میں مہر صحیح نہیں ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا۔

متاخرین حنفیہ نے قرآن مجید اور احکام دین کی تعلیم پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب حالات اور زمانہ بدل چکا ہے اور معلم بغیر اجرت کے تعلیم کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا تاہم اس فتوی کی روشنی میں تعلیم قرآن یا تعلیم احکام دین کو مہر مقرر کرنا جائز ہوگا اسکی دلیل حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا نکاح کرا دیا اس کے پاس قرآن مجید (جو اسے حفظ تھا) کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آپ نے اس پر فرمایا: تمہارے پاس

جو قرآن ہے اس کے عوض میں نے اس عورت کے ساتھ تمہارا نکاح کرا دیا۔ ❸

---

❶..... البدائع ۲/۲۷۷ الشرح الکبیر ۲/۲۹۴ القوانین الفقھیة ۲۰۱ کشاف القناع ۵/۱۴۷ مغنی المحتاج: ۳/۲۲۰۔ ❷ البدائع المکان السابق الدر المختار ۲/۲۵۳ احکام القرآن للجصاص ۲/۱۴۳۔ ❸ متفق علیہ بین احمد والشیخین (نیل الاوطار ۶/۱۷۰)

ایسی چیز مہر میں رکھنا صحیح نہیں جو مال متقوم نہ ہو۔ مثلاً مسلمان مرد مسلمان عورت کے ساتھ مٹی پر نکاح کر لے یا خون یا خنزیر یا شراب پر کیونکہ مذکورہ اشیاء مال متقوم نہیں اسی طرح ایک عورت کی طلاق پر دوسری عورت کے ساتھ نکاح (یعنی طلاق کو مہر رکھ لیا جائے) صحیح نہیں قصاص معاف کرنے پر بھی نکاح صحیح نہیں۔ کیونکہ طلاق مال نہیں اور نہ ہی قصاص مال ہے۔

نکاح شغار..... بھی صحیح نہیں نکاح شغار کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح مجھ سے کروادو میں اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح تم سے کروا دیتا ہوں گویا اس قسم کے نکاح میں بضع کو مقابل کی عورت کا مہر قرار دیا جائے جبکہ بضع مال نہیں یوں یہ مہر باطل ہے اور ہر عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا۔ نکاح شغار جمہور کے نزدیک باطل ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے کیونکہ بضع کو مہر قرار دیا گیا ہے جبکہ نکاح مؤبد ہے جو شرط فاسد پر مشتمل ہے لہٰذا شرط باطل ہوگی نکاح صحیح ہوگا۔ اور مہر مثل واجب ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح شغار وہ ہوتا ہے جو عوض سے خالی ہو۔

خدمت کو مہر قرار دینا...... اگر آزاد شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور ایک سال کی خدمت مہر رکھ لی کہ وہ ایک سال تک عورت کی بکریاں چرائے گا مثلاً تو یہ مہر فاسد ہوگا اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گا کیونکہ ان کے نزدیک منافع اموال متقومہ نہیں ہوتے لہٰذا غصب اور اتلاف سے ان کا ضمان بھی شیخین کے نزدیک نہیں ہوگا،

جبکہ امام شافعی اور باقی ائمہ کے نزدیک نکاح میں خدمت کو بطور مہر مقرر کرنا صحیح ہے، اور عورت کے لئے مرد کو ایک سال خدمت کرنی ہوگی، ان ائمہ کے نزدیک آزاد آدمی کے منافع عوض بن سکتے ہیں کیونکہ آزاد آدمی کا اجارہ بالاتفاق جائز ہے لہٰذا خدمت کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔

مختلف اعیان (اشیاء) کے منافع پر عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے مثلاً گھر کی رہائش، گاڑی یا جانور کی سواری زمین کی کاشتکاری وغیرہ۔ کیونکہ یہ منافع اموال ہیں۔

مجہول متقوم چیز جس میں معمولی جہالت ہو پر نکاح کرنا صحیح ہے کیونکہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوتا اس لئے معمولی جہالت پر چشم پوشی کرلی جاتی ہے جبکہ مالی معاوضات میں معمولی چشم پوشی بھی نہیں کی جاتی البتہ ایسی چیز پر نکاح جائز نہیں جس میں فاحش قسم کی جہالت ہو کیونکہ جہالت فاحش نزاع اور جھگڑے پر منتج ہوتی ہے اور ایسی جہالت سے عقد باطل ہوجاتا ہے۔

فرق...... جہالت فاحشہ اور معمولی جہالت میں فرق کچھ یوں ہے کہ جہالت فاحشہ عموماً جنس نوع اور مقدار میں ہوتی ہے۔ مثلاً کسی عورت کے ساتھ جانور یا کپڑے پر نکاح کرلیا جبکہ جانور اور کپڑا مستقل الگ الگ جنس ہیں اور ہر جنس کے تحت مختلف انواع داخل ہیں، یا مثلاً مطلق روئی پر نکاح کرلیا حالانکہ روئی کی نہ نوع بیان کی نہ اسکا وزن اور حجم بیان کیا، جبکہ روئی کی انواع مختلف ہیں پھر گانٹھیں بھی ہر علاقے کے رواج کے مطابق بنائی جاتی ہیں۔

رہی بات معمولی جہالت کی جو اس صورت میں ہوتی ہے کہ مقررہ چیز کی جنس اور نوع متعین ہو لیکن اسکی صفت مجہول ہو جیسے کہا گندم کا ڈھیر یا روئی کا ڈھیر اس میں ساتھ وصف نہ بیان کیا ہو، معمولی جہالت حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قابل برداشت ہوتی ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔ اس صورت میں متوسط قسم کی چیز واجب ہوگی،

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جہالت وصف بھی باعث ضرر ہے کیونکہ یہ جہالت بھی تنازع پر منتج ہوتی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے جنس کی جہالت۔

مالکیہ کے نزدیک وہ چیز جو مہر بن سکتی ہے:

مالکیہ کہتے ہیں ❶ ہر وہ چیز مہر بن سکتی ہے جسے شرعاً مال سمجھا جاتا ہو جیسے ساز وسامان جانور زمین، پاک چیز، جو نجس نہ ہو، چنانچہ نجس چیز شرعاً مال نہیں تصور کی جاتی، نجس چیز سے شرعاً نفع بھی نہیں اٹھایا جاتا، الہٰذا نجس چیز شرعاً متقوم نہیں۔

ایسی چیز کو مہر مقرر کرنا صحیح نہیں جو شرعاً مال نہ ہو جیسے مثلاً خاوند کا بیوی پر حق قصاص واجب تھا خاوند نے حق قصاص کو مہر مقرر کر دیا اور دعوائے قصاص چھوڑ دیا یہ مہر صحیح نہیں صحبت سے پہلے پہلے نکاح فسخ کیا جائے گا اگر صحبت ہو چکی تو مہر مثل واجب ہوگا اور خاوند دیت کا مطالبہ کرے گا۔

ایسی چیز پر بھی نکاح صحیح نہیں جس کا شرعاً مالک نہ بن سکتا ہو جیسے شراب خنزیر گوبر وغیرہ۔

ایسی چیز کو بھی مہر نہیں رکھ سکتے جو مقدور التسلیم (جسے حوالے کرنے کی قدرت) نہ ہو جیسے بدکا ہوا جانور بھاگا ہوا غلام، فضا میں اڑتے پرندے حوض میں تیرتی مچھلیاں وغیرہ۔

مجہول چیز کو بھی مہر نہیں رکھ سکتے۔ مثلاً کوئی چیز کپڑا مطلق گھوڑا وغیرہ۔ ایسی چیز کو مہر میں رکھنا جائز ہے جس میں معمولی جہالت ہو یا معمولی غرر ہو کیونکہ معاملات نکاح میں معمولی چیز کے متعلق چشم پوشی کر لی جاتی ہے۔ مثلاً مہر مثل پر نکاح کر لیا یا گھریلو سامان پر نکاح کر لیا اس صورت میں گھر کا متوسط قسم کا سامان مراد ہوگا متعین گنتی کی چیزوں کو بھی مہر میں رکھنا جائز ہے۔ مثلاً کہا دس بکریاں دس اونٹ وغیرہ۔ اس صورت میں متوسط قسم کی چیز مراد ہوگی یعنی عمر، عمدگی اور کوالٹی میں درمیانی قسم کی چیز کا اعتبار ہوگا۔ ایسی منفعت کو مہر مقرر کرنا صحیح نہیں جس کے مقابلہ میں کوئی مال نہ ہو۔ مثلاً مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کر لیا اور مہر میں منکوحہ کی سوکن کی طلاق رکھ لی یا یہ چیز مہر رکھی کہ اس پر کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا اسے شہر سے باہر نہیں نکالے گا چنانچہ یہ سارے منافع مہر نہیں بن سکتے چونکہ ان کے مقابلہ میں مال نہیں۔

مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق حنفیہ کی طرح اجارہ پر بھی نکاح جائز نہیں مثلاً نکاح میں خدمت یا قرآن کی تعلیم مہر مقرر کی مالکیہ کے دوسرے قول کے مطابق خدمت اور تعلیم قرآن پر نکاح جائز ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو چیز مہر بن سکتی ہے کا ضابطہ ❷......شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جس کی خرید وفروخت کی جا سکتی ہو وہ مہر بن سکتی ہے یا ہر وہ چیز جو ثمن یا اجرت بن سکتی ہو مہر بن سکتی ہے، اگرچہ وہ چیز قلیل ہی کیوں نہ ہو یعنی ایسی چیز جو مال ہو سکتی ہو خواہ عین ہو یا دین معجّل ہو یا مؤجل، عمل ہو یا منفعت جیسے بکریاں چرانا، کپڑے سینا مقررہ مدت کی خدمتگاری قرآن کی تعلیم، علم وادب کی تعلیم کتابت کی تعلیم وغیرہ۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے:

﴿اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾......القصص ۲۸/ ۲۷

میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کے ساتھ تمہارا نکاح کرنا چاہتا ہوں اس بات پر کہ تم آٹھ سال میرے ہاں اجرت پر کام کرو۔

نیز نکاح ایسا عقد ہے جو منفعت پر ہوتا ہے لہٰذا المذکور بالا منافع جات پر نکاح کرنا جائز ہے نیز آزاد شخص کی منفعت پر عوض لینا جائز ہے لہٰذا آزاد شخص کی منفعت مہر بھی بن سکتی ہے۔

اگر منفعت مہر مقرر کیا ہو اور خاوند صحبت سے پہلے طلاق دے دے اور بیوی نے پوری طرح منافع بھی وصول نہ کیے ہوں تو مہر میں مقررہ منافع جات کی نصف اجرت خاوند پر واجب ہوگی۔

---

❶......الشرح الصغیر ۲/ ۳۲۹ القوانین الفقهیة ۲۰۱ بدایة المجتهد ۲/ ۲۰. ❷مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۰ المهذب ۲/ ۵۶ کشاف القناع ۵/ ۱۴۳ المغنی ۶/ ۶۸۷

حاصل یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک خدمت کو مہر مقرر نہیں کیا جاسکتا، شافعیہ کے ہاں خدمت بطور مہر جائز ہے حنابلہ کے نزدیک مدت معینہ کی خدمت بطور مہر رکھی جاسکتی ہے۔

اگر زوجین مسلمان ہوں یا ایک مسلمان ہو دوسرا کتابی ہو تو حرام چیز کو مہر نہیں رکھ سکتے جیسے شراب یا خنزیر سواگر نکاح میں حرام چیز یعنی شراب یا خنزیر مہر رکھ لیا تو نکاح صحیح ہوگا مقررہ مہر باطل ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر مال نہیں ہیں۔اسی طرح اگر تورات وانجیل کی تعلیم کو بطور مہر مقرر کرلیا تو بھی یہ مہر باطل ہوگا کیونکہ تورات وانجیل منسوخ ہو چکی ہیں۔

ایسی چیز کو بھی مہر میں رکھنا صحیح نہیں جس میں غرر ہو جیسے معدوم اور مجہول چیز اور ایسی چیز جسکی ملکیت ابھی نامکمل ہو جیسے غیر مقبوض مبیع، ایسی چیز بھی مہر میں نہیں رکھ سکتے جسے فریق ثانی کے سپرد نہ کیا جاسکتا ہو جیسے بھاگا ہوا غلام، بدکا ہوا اونٹ، ہوا میں اڑتے پرندے چونکہ مہر بھی ایک عقد میں عوض ہے اور خرید وفروخت کی طرح ایسا عوض نہیں رکھا جاسکتا جو مقدور التسلیم نہ ہو۔البتہ اگر مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز پر نکاح کرلیا تو نکاح باطل نہیں ہوگا کیونکہ نکاح میں اگر سرے سے مہر نہ رکھا جائے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے اور اگر فاسد چیز کو مہر رکھا جائے تو بطریق اولی ہوگا۔ہاں البتہ مہر مثل واجب ہوگا۔

جہالت فاحشہ قابل برداشت نہیں ہوتی۔مثلاً مہر کی جنس یا نوع یا صفت یا مقدار میں جہالت ہو، اگر مہر میں غیر متعین گھر رکھا، یا مبہم جانور رکھا یا کوئی غیر متعین چیز رکھی یا کوئی مجہول چیز رکھی جیسے گھریلو سامان یا درخت کا پھل مہر میں رکھا تو یہ مہر صحیح نہیں ہوگا اور اگر مہر میں ایسی چیز رکھی جس کی کوئی منفعت نہ ہو جیسے حشرات الارض یا ایسی چیز مہر رکھ دی جو مقدور التسلیم نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیاں یا ایسی چیز مہر میں رکھی جو عادۃً مال نہ ہو جیسے اخروٹ کے چھلکے یا ایک عدد اخروٹ یا گندم کے ایک دو دانے تو یہ مہر صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس میں یا تو جہالت ہے یا غرر ہے یا مال نہیں۔

فساد مہر کے وقت مہر مثل کا واجب ہونا......سابقہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جب مقررہ مہر میں فساد ہو تو بالاتفاق فقہاء کے نزدیک مہر مثل واجب ہوتا ہے۔مالکیہ کے نزدیک عقد نکاح بھی فاسد ہو جاتا ہے اور نکاح فسخ کرنا واجب ہوتا ہے، ہاں البتہ اگر خاوند صحبت کرلے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔جمہور فقہاء کہتے ہیں اگر مہر فاسد ہو جائے تو عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ عقد صحیح ہوتا ہے اگر صحبت سے پہلے فرقت ہو جائے تو عورت کو متعہ (تھوڑا سا سامان) دینا واجب ہے اگر فرقت صحبت کے بعد ہو تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ فساد مہر سے مقررہ مہر میں اضافہ نہیں ہوتا اور جب بغیر مہر کے بھی عقد صحیح ہوتا ہے تو فساد مہر کے وقت بھی صحیح ہوگا کیونکہ فاسد مہر کا ذکر معدوم کی مانند ہے۔

چہارم: مہر کی مختلف انواع اور ہر نوع کے وجوب کی صورتیں:

فقہاء کے نزدیک مہر کی دو انواع ہیں:

(۱)......مہر مسمی (مقرر مہر) (۲) مہر مثل۔[1]

مہر مسمی یا متعین مہر یا مقررہ مہر......سے مراد وہ مہر ہے جو دوران عقد نکاح مقرر کرلیا جائے اور فریقین اس پر راضی ہوں۔یا عقد کے بعد باہمی رضامندی سے مقرر کرلیا جائے یا حاکم وقت مقرر کردے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۷

اور تم مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف ہوگا۔

---

[1]...... البدائع ۲/ ۲۷۴ الدرالمختار ۲/ ۴۶۰ الکتاب مع اللباب ۳/ ۲۲، الشرح الکبیر ۲/ ۳۰۰ الشرح الصغیر ۲/ ۴۴۹ مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۷ کشاف القناع ۵/ ۱۷۴ المغنی ۶/ ۷۱۲ المہذب ۲/ ۶۰۔

دوران عقد مقررہ مہر میں وہ مال اور چیزیں بھی شمار ہوتی ہیں جو خاوند بیوی کو زفاف سے پہلے یا بعد میں دیتا ہے جیسے زفاف کے کپڑے (دلہن سوٹ) یا سہاگ رات کا تحفہ کیونکہ لوگوں کے ہاں جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے اور وہ معروف چیز خاوند پر لازم ہوگی ہاں البتہ اگر اسکی نفی کی شرط لگادی جائے تو پھر لازمی نہیں ہوگی۔

مالکیہ نے تو صراحت کی ہے کہ عقد نکاح سے پہلے یا عقد نکاح کے بعد عورت کو جو چیز ہدیہ کی جائے وہ مہر میں سے شمار ہوگی اگر چہ اسکی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اسی طرح عورت کے ولی کو جو چیز عقد سے پہلے ہدیہ کی جائے وہ بھی مہر میں سے شمار ہوگی، اگر صحبت سے پہلے عورت کو طلاق دے دی گئی تو خاوند نے جو ہدیہ دیا ہوا سکا نصف واپس کرنا ضروری ہوگا البتہ عورت کے ولی کو عقد کے بعد جو چیز بطور ہدیہ دی گئی تو وہ ولی کے لئے خاص ہوجائے گی اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

مہر مثل......حنفیہ کے ہاں مہر مثل سے مراد عورت کے خاندان کی کسی دوسری عورت کا مہر ہے جو اوصاف میں اس عورت کے مماثل ہو اور وہ عورت باپ کی طرف سے رشتہ دار ہو جیسے، بہن پھوپھی چچازاد، بہن اور وہ ایک شہر اور ایک زمانہ کی ہوں۔ وہ دونوں عورتیں مرغوب صفات میں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں صفات جیسے مال جمال، عمر، عقل و دانش اور دین وغیرہ۔ کیونکہ شہروں کے بدلنے سے مہر بھی بدل جاتا ہے، اسی طرح مالی حالت، عقل مندی، حسن و جمال اور عمر کے مختلف ہونے سے مہر بھی بدل جاتا ہے، چنانچہ مالدار تعلیم یافتہ خوبصورت کنواری لڑکی کا مہر عام عورت کی بنسبت زیادہ مقرر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اعتبار کردہ عورت اور منکوحہ عورت دونوں کا صفت میں ہم پلہ ہونا ضروری ہے تاکہ خاندان کی عورتوں کا رواجی مہر واجب ہو اور اگر باپ کی طرف سے کوئی رشتہ دار عورت نہ ہو جس کے مہر کو مہر مثل قرار دیا جائے تو ایسی عورت کے مہر کا اعتبار کرلیا جائے گا جو منکوحہ کے باپ کے خاندان کے ہم پلہ ہو۔ اگر ایسی عورت بھی نہ ہو تو قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ خاوند اضافی حد کا منکر ہوتا ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔

مہر مثل کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی گواہی کافی ہے اور لفظ شہادت بھی ضروری ہوگا اگر مہر مثل کے لئے عادل گواہ دستیاب نہ ہو تو خاوند کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک مہر مثل......ماں باپ کی طرف سے عورت کی رشتہ دار عورتوں میں سے کسی بھی عورت کا مہر مہر مثل قرار دیا جاسکتا ہے جیسے مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن، خالہ، وغیرھا۔ ان کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث ہے کہ عورت کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر ہوگا، نیز مطلق قرابت کا بھی فی الجملہ اثر ہوتا ہے، اگر قرابتداروں میں کوئی عورت نہ ہو جس کے مہر کو مہر مثل قرار دیا جائے تو اس شہر کی کسی بھی ہم پلہ عورت کے مہر کا اعتبار کرلیا جائے گا۔

شافعیہ اور مالکیہ کی تحدید مہر مثل......مہر مثل وہ ہے جتنے میں اس جیسا شخص اس جیسی عورت میں رغبت رکھتا ہو۔ یعنی ناکح کی صفات جیسا مرد منکوحہ کی صفات جیسی عورت میں جتنے مہر میں رغبت رکھتا ہو وہ مہر مثل ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مہر مثل کا اعتبار عصبات کی عورتوں سے ہوگا، ان کی دلیل علقمہ کی حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ مسعود بن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسئلہ لایا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کرلیا پھر وہ مرگیا جبکہ خاوند نے اسکا مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ صحبت کی تھی، لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوگیا اور مقدمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے میں اس عورت کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر مثل ہوگا اسے میراث بھی ملے گی اس پر عدت بھی ہوگی معقل بن سنان اشجعی نے اس پر گواہی دی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ [1]

---

[1]......رواه الخمسة احمد واصحاب السنن وصححه واخرجه الحاكم والبيهقي وابن حبان وصححه ايضا ابن مهدي.

مہر مثل کے اعتبار میں اقرب فالاقرب کا اعتبار ہوگا یعنی اولاً عورت کی بہن کا مہر دیکھا جائے گا اگر بہن نہ ہو تو چچازاد بہن کا ھکذا۔ چنانچہ بہنیں، بھتیجیاں، پھوپھیاں، چچا کی بیٹیاں اقرب ہیں، اگر عصبات میں عورتیں نہ ہوں جن کے مہر کو مہر مثل قرار دیا جائے تو ماں اور خالہ کے خاندان کی عورتوں کا مہر دیکھا جائے گا کیونکہ وہی زیادہ قریب کی رشتہ دار عورتیں ہیں، اگر ان دونوں قسم کی عورتوں میں سے کوئی عورت نہ ہو تو شہر کی عورتوں کا اعتبار کیا جائے گا اور ترجیحاً اس عورت کو دیکھا جائے گا جو اس عورت کے زیادہ مشابہ ہو۔

مالکیہ کے نزدیک عورت کے اقارب کے مہر مثل کا اعتبار ہوگا، اس عورت کے حال حسب ونسب اور مال و جمال کا اعتبار کیا جائے گا، مثلاً عورت کی سگی بہن کا جتنا مہر ہوگا یا باپ شریک بہن کا جتنا مہر ہوگا وہ مہر مثل ہے۔ ماں اور ماں شریک پھوپھی کے مہر کا اعتبار نہیں، کیونکہ یہ عورتیں بسا اوقات دوسری قوم کی عورتیں ہوتی ہیں۔

بالاتفاق تمام مذاہب میں دونوں عورتوں میں دینداری، مال و جمال، عقل، و دانش علم و ادب، عمر، کنوارے پن، شوہر دیدگی (ثیبوبت) شہر اور حسب ونسب کی برابری کو دیکھا جائے گا، چونکہ خاندانوں میں ان چیزوں کو مفاخر میں سے سمجھا جاتا ہے۔

نکاح صحیح میں ان اوصاف کا اعتبار عقد کے دن کیا جائے گا اور نکاح فاسد میں وطی کے دن کیا جائے گا کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں مہر مثل طے پایا ہے۔

حنابلہ: کہتے ہیں اگر عورت کے قریبی رشتہ داروں کا رواج مہر میں تخفیف (کمی) کرنے کا ہو تو مہر میں تخفیف کا لحاظ رکھا جائے گا، اور اگر مہر میں ان کا رواج کثرت کا ہو (یعنی زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کا رواج ہو) تو پھر اسکا لحاظ نہیں رکھا جائے گا کیونکہ مہر کثیر کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اگر رشتہ داروں کا رواج مہر مؤجل رکھنے کا ہو تو مہر مؤجل رکھا جائے گا کیونکہ خاندان کی عورتوں کا یہی مہر ہے اگر خاندان کا رواج مہر مؤجل کا نہ ہو تو مہر نقدی مقرر کیا جائے گا۔ اگر خاندان کا رواج مختلف ہو کبھی نقدی رکھتے ہوں کبھی موجل کبھی کم کبھی زیادہ تو متوسط قسم کا مہر رکھا جائے گا چونکہ اس میں عدل وانصاف ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی مختلف صورتیں......مندرجہ ذیل صورتوں میں عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

ا۔ نکاح تفویض......نکاح تفویض کا حاصل یہ ہے کہ عورت اپنا اختیار خاوند کو سپرد کر دے، چنانچہ نکاح تفویض بشرطیکہ صحیح ہو اور اس میں مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا ایسی عورت کو اصطلاح میں مفوضہ (بکسر الواو) کہا جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نکاح تفویض یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور نکاح میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو مفوضہ سے وہ عورت مراد ہوگی جو بلا مہر اپنا اختیار ولی اور خاوند کو سپرد کر دے۔ مثلاً مرد عورت کے ولی سے کہے کہ فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کروا دو ولی کہے: میں نے نکاح قبول کر لیا، اور دونوں عقد میں مہر کا ذکر نہ کریں، اگر خاوند نے عورت کے ساتھ صحبت کر لی یا مہر مقرر کرنے سے پہلے مر گیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور اگر صحبت سے پہلے عورت کو طلاق دے دی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا البتہ عورت کو بالاتفاق متعہ ملے گا۔ ❶

مالکیہ کے نزدیک نکاح تفویض یہ ہے کہ ایسا عقد جسمیں مہر مقرر نہ ہو، مہر کے اسقاط کی شرط پر دخول نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی کے حکم پر مہر کی تفویض ہوگی۔ اگر زوجین نے اسقاط پر اتفاق کرتے ہوئے صحبت کر لی تو یہ نکاح تفویض نہیں ہوگا، بلکہ یہ نکاح فاسد ہوگا، بالفاظ دیگر نکاح تفویض کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ طرفین عقد کے وقت مہر متعین نہ کریں اور خاموش رہیں، اور تعین کا اختیار کسی ایک فریق کو سونپ دیا جائے یا کسی تیسرے آدمی کو تعین کا اختیار سونپا جائے، پھر مہر کی تعین سے قبل خاوند صحبت نہ کرے، اگر کسی ایک فریق نے مہر کی تعین کر دی تو دوسرے فریق کو یہ مہر لازم ہو جائے گا بشرطیکہ مہر مثل ہو یا مہر مثل سے زائد ہو اور اگر مہر مثل سے کم ہو تو لازم نہیں ہوگا الا یہ کہ عورت اس پر رضامند ہو۔ ❷

❶......البدائع ۲/۲۷۴ الدر المختار وردالمحتار ۲/۴۶۰ ❷ القوانین الفقھیة ۲۰۳ الشرح الکبیر ۲/۳۱۳ الشرح الصغیر ۲/۴۴۹۔

اور اگر خاوند راضی نہیں تو خاوند کو تین چیزوں میں اختیار حاصل ہوگا یا تو مہر مثل دے یا عورت کی تعیین پر راضی ہو جائے یا عورت کو طلاق دے دے اگر صحبت اور تعیین مہر سے پہلے خاوند مر گیا تو عورت کو مہر نہیں ملے گا ہاں البتہ اسے بالاتفاق میراث ملے گی۔

شافعیہ کے نزدیک تفویض کا معنی وہی ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے کہ عورت ملک بضع کا اختیار ولی یا خاوند کو سونپ دے۔ یا یہ کہ ولی اپنی بیٹی پر جبر کرتے ہوئے بغیر مہر کے نکاح کروادے یا عورت اپنے ولی کو اجازت دے کہ ولی بغیر مہر کے اسکا نکاح کروادے، پھر برابر ہے کہ ولی مہر کی تعیین سے خاموش رہے یا نفی مہر کی شرط لگادے، تاہم ناسمجھ عورت کی تفویض صحیح نہیں ہوگی، صحیح قول کے مطابق نکاح تفویض کا حکم یہ ہے کہ عورت کے لئے مہر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اگر عقد سے عورت کے لئے مہر واجب ہوتا تو طلاق سے لامحالہ نصف ہو جاتا، البتہ زوجین جتنے مہر پر اتفاق کرلیں وہی مقرر ہو جائے گا۔ اور جو مہر مقرر ہو جائے گا وہ دخول اور موت سے استقرار پکڑ لیتا ہے اور پکا ہو جاتا ہے گویا یہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ عقد کے دوران طے کرلیا۔ جو مہر خاوند مقرر کرے گا اس کے لئے عورت کی رضامندی شرط ہوگی، اصح قول کے مطابق مہر مؤجل بھی مقرر کرنا جائز ہے مہر مثل سے زائد بھی رکھا جاسکتا ہے۔ اگر خاوند تعیین مہر سے انکار کردے یا زوجین کا اس پر جھگڑا ہو جائے تو قاضی مہر مثل مقرر کریگا اگر عورت کے لئے مہر مقرر نہ کیا حتیٰ کہ خاوند نے اسے طلاق دے دی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا، جیسا کہ مالکیہ کا موقف ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۷

اگر تم نے عورتوں سے صحبت کرنے سے پہلے انھیں طلاق دے دی حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقررہ مہر کا نصف واجب ہوگا

آیت سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ اگر مہر مقرر نہ ہو تو نصف مہر واجب نہیں ہوتا۔

اور اگر مہر مقرر نہ کیا ہو یہاں تک کہ خاوند نے صحبت کرلی تو مہر مثل پکا ہو جائے گا اگر زوجین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک تعیین مہر سے پہلے مر گیا تو ظاہر مذہب کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ امام نووی نے لکھا ہے، کیونکہ وطی مہر مقرر کرنے کے معاملہ میں موت کے مترادف ہے، نیز بردع بنت واشق نے بلا مہر نکاح کرلیا تھا پھر تعیین مہر سے پہلے ان کا خاوند مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مہر مثل کا فیصلہ کیا تھا اور میراث میں بھی اسے برابر کی حصہ دار قرار دیا۔ (1)

حاصل یہ ہوا کہ نکاح تفویض کی صورت میں محض عقد کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، بلکہ وطی کرنے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اور خاوند کی تعیین کی صورت میں عورت کی رضامندی شرط ہے اصح قول کے مطابق کسی تیسرے اجنبی شخص کی تعیین کا اعتبار نہیں، چونکہ اجنبی کی تعیین مقتضائے عقد کے خلاف ہے اگر وطی اور تعیین پہلے عورت کو طلاق دے دی تو عورت کو نصف مہر نہیں ملے گا۔ کیونکہ آیت کا مفہوم اسی مہر پر دلالت کرتا ہے اور تعیین مہر سے قبل خاوند کی موت واقع ہو جانے پر مہر مثل واجب ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک تفویض......حنابلہ کے نزدیک تفویض کی دو انواع ہیں جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ (2)

۱۔ تفویض بضع ......جب باب نکاح میں مطلق تفویض کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد تفویض بضع ہوتا ہے، تفویض بضع کا حاصل یہ ہے کہ باپ اپنی بیٹی پر جبر کرتے ہوئی بلا مہر اسکا نکاح کرادے یا خود عورت اپنے ولی کو اجازت دے کہ وہ بلا مہر اسکا نکاح کروادے، برابر ہے کہ ولی مہر کی متعلق سکوت کرے یا مہر کی نفی کی شرط لگادے، تاہم عقد صحیح ہوگا اور عورت کو مہر مثل ملے گا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ......البقرۃ ۲/ ۲۳۷

تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو طلاق دے دو جب تک کہ تم نے انھیں چھوا نہ ہو یا ان کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو۔

---

(1) ......رواہ ابو داؤد وغیرہ وقال الترمذی حسن صحیح۔ (2) کشاف القناع ۵/ ۱۷۴ المغنی ۶/ ۲۱۷،

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا کمامر۔

تفویض مہر......اس کا حاصل یہ ہے کہ مرد عورت کے ساتھ عورت کے چاہنے پر نکاح کرے یا اس شرط پر کرے جو خاوند چاہتا ہو یا ولی چاہتا ہو یا زوجین کے علاوہ کوئی اجنبی چاہتا ہو۔ یا ولی یوں کہے: میں نے اس عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دی اس شرط پر کہ جو ہم چاہتے ہیں یا ہمارے حکم پر ان تمام صورتوں میں نکاح صحیح ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ عورت نے مہر کے ہونے پر نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مہر مجہول ہے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ اگر عقد سے مہر واجب نہ ہو تو موت یا دخول سے واجب ہو جاتا ہے اور اگر خاوند مہر کی تعیین سے قبل صحبت کر لے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

اگر زوجین مکلّف اور سمجھدار ہوں اور وہ دونوں مہر کی تعین پر اتفاق کر لیں تو جس حد پر اتفاق کر لیں وہ واجب ہوگا گویا یہ مہر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ عقد کے دوران مقرر کر لیا ہو خواہ اس کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، اور اگر دونوں رضا مند نہ ہوئے تو حاکم وقت مہر مقرر کریگا جسکی مقدار مہر مثل کے برابر ہو شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

اتفاق سے مقرر کردہ مہر یا قاضی کے فیصلہ سے مقرر مہر ایسا ہی تصور ہوگا جیسا کہ دوران عقد مقرر ہو قبل الدخول طلاق ہو جانے پر نصف مہر واجب ہوگا اس کے ساتھ متعہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ آیت کا عموم اسی کا مقتضی ہے:

وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۷

حالانکہ تم نے عورتوں کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقرر مہر کا نصف عورتوں کو ملے گا۔

اگر صحبت سے پہلے میاں بیوی میں سے کوئی مر گیا جبکہ مہر بھی مقرر نہ ہو تو جو فریق زندہ ہوگا وہ اس مہر میں وارث بنے گا اور مفوضہ کو مہر مثل ملے گا، اور اگر خاوند نے صحبت سے پہلے مفوضہ کو طلاق دیکر اپنے سے جدا کر دیا تو اسے صرف متعہ ملے گا۔

خلاصہ......بالاتفاق نکاح تفویض سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، اور اگر مہر مقرر نہ ہو اور عورت کو طلاق ہو جائے تو فقط متعہ واجب ہوتا ہے، صحبت سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، اگر دخول سے پہلے خاوند مر گیا یا مہر مقرر کرنے سے پہلے مر گیا تو جمہور کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا، اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک موت سے مہر مثل واجب نہیں ہوتا۔

۲۔مہر کے نہ ہونے پر اتفاق کر لینا......مثلاً ایک آدمی نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور یہ شرط رکھی کہ اسے مہر نہیں ملے گا عورت نے یہ شرط قبول کر لی تو صحبت سے عورت کو مہر مثل ملے گا اور جمہور کے نزدیک زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو بھی عورت کو مہر مثل ملے گا، جبکہ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ کیونکہ عدم مہر پر زوجین کا اتفاق باطل ہے اور مہر کے نہ ہونے کی شرط لگانا امر فاسد ہے اور شرط فاسد سے حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مہر کی نفی کرنے سے بھی نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

مالکیہ کہتے ہیں: جب زوجین اسقاط مہر پر اتفاق کر لیں تو عقد نکاح فاسد ہو جاتا ہے، لیکن صحبت کر لینے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، تاہم اگر خاوند نے طلاق دے دی یا زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو قبل از دخول کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

۳۔مہر کی غیر صحیح تعین......مثلاً مہر کے طور پر کوئی ایسی چیز مقرر کر لی جو سرے سے مال ہی نہ ہو جیسے مردار، گندم کا ایک دانہ، پانی کا ایک قطرہ اور اسی جیسی کوئی چیز جس سے کوئی نفع نہ اٹھایا جاتا ہو یا ایسی چیز مہر میں رکھ لی جو غیر متقوم ہو (یعنی تاجروں کے ہاں قیمتی چیز نہ سمجھی جاتی ہو) یا ایسی چیز مہر رکھی جو غرر پر مشتمل ہو جیسے شراب خنزیر بشرطیکہ زوجین دونوں مسلمان ہوں، اگرچہ زوجہ کتابیہ ہی کیوں نہ ہو۔ یا کسی ایسی چیز کو

مہر میں رکھ لیا جو مقدور التسلیم نہ ہو (یعنی بیوی کو سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے) یا ایسی چیز مہر میں رکھی جس میں فحش قسم کی جہالت ہو جہالت فاحشہ سے مراد ایسی جہالت ہوتی ہے جو نزاع اور جھگڑے پر منتج ہوتی ہو اور یہ حنفیہ کے نزدیک جنس یا نوع کے مجہول ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ ان سب صورتوں میں جمہور کے نزدیک صحبت ہو جانے کے بعد یا زوجین میں سے کسی ایک کے مرنے سے قبل الدخول مہر مثل واجب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر مہر میں ایسی چیز مقرر کر لی جس کا مہر ہونا صحیح نہ ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا اور عورت مہر مثل کی مستحق صرف صحبت ہو جانے کی صورت میں ہوتی ہے البتہ اگر دخول سے پہلے موت یا طلاق کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان تفریق ہوگئی تو عورت کے لیے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ ❶

مقررہ مہر (مسمیٰ) واجب ہونے کی صورت اور نکاح فاسد کی صورت میں کیا واجب ہوتا ہے:

اگر مہر کی تعیین (تسمیہ) صحیح ہو تو مقررہ مہر ہی واجب ہوتا ہے بشرطیکہ عقد صحیح ہو برابر ہے کہ مہر کی تعیین عقد کے دوران ہوئی ہو یا عقد کے بعد زوجین کی باہمی رضامندی سے ہوئی ہو۔

اگر فساد مہر کے علاوہ کسی اور سبب سے نکاح فاسد ہو جائے مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا ہو یا جیسے نکاح بشرط حلالہ یا نکاح مؤقت ہو تو دخول حقیقی سے مہر واجب ہوگا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے اسکا نکاح باطل ہے، اسکا نکاح باطل ہے اگر ناکح نے اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی تو اس نے اس عورت کی شرمگاہ جو حلال کی اس کے بدلہ میں عورت کو مہر ملے گا۔ ❷

لیکن کونسا مہر واجب ہوگا؟ اس کی تحدید میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ ❸

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: عورت کو مہر مثل ملے گا خواہ جہاں تک پہنچ جائے کیونکہ اس عورت کے حق میں مقررہ مہر ملحوظ نہیں رکھا گیا لہٰذا اس کے حق میں تعیین مہر معدوم کے درجہ میں ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مقررہ مہر سے تجاوز نہیں کرنے دیا جائیگا کیونکہ عورت مقررہ مہر پر راضی ہے۔

البتہ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر عورت سے کسی شبہ کی بنا پر وطی ہو جائے یا نکاح متعہ ہو تو عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مقررہ مہر سے زائد نہیں دیا جائے گا نکاح شغار میں بھی اسی طرح عورت کو مہر مثل ملے گا لیکن مسمّی سے زائد نہیں۔ چنانچہ واجب ہونے والا مہر مثل ہے کیونکہ نکاح صحیح ہے اسکا حکم ایسا ہے جیسے کسی نکاح میں تعین مہر فاسد ہو جائے جیسے پہلے گزر چکا ہے حنیفہ کے نزدیک نکاح فاسد میں خلوت سے مہر واجب نہیں ہوتا۔

مالکیہ کہتے ہیں نکاح شغار کی صورت میں صحبت ہو جانے پر عورت کو مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو اکثر ہوگا وہ ملے گا اور جب تسمیہ مہر (تعین مہر) فاسد ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے البتہ اگر تسمیہ مہر کے علاوہ کسی اور سبب سے عقد فاسد ہو جائے جیسے مثلاً نکاح بشرط حلالہ تو عورت کو دخول ہونے پر مقرر مہر ملے گا رہی بات وطی بشبہہ کی اس سے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے اور اگر ایک ہی نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر دیا ہو تو دخول ہونے پر ہر عورت کو مقررہ مہر ملے گا۔

---

❶......الشرح الصغیر ۲/۴۴۰۔ ❷رواہ احمد واصحاب السنن الا النسائی عن عائشة (نیل الاوطار ۶/۱۱۸) ❸البدائع ۲/۲۸۶ الدرالمختار ۲/۴۵۷ اللباب ۳/۲۲، الشرح الصغیر وحاشیة الصاوی ۲/۴۱۳ القوانین الفقهیة ۲۰۴ مغنی المحتاج: ۳/۲۲۸ كشاف القناع ۵/۱۷۹ المغنی ۶/۷۵۰

شافعیہ کہتے ہیں: وطی سے واجب ہونے والا مہر مہر مثل ہے جہاں تک بھی پہنچ جائے کیونکہ نکاح باطل کی صورت میں شریعت نے وطی ہونے کے بسبب عورت کے لئے مہر واجب کیا ہے نہ کہ عقد کے بسبب اور وطی سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب تسمیہ (تعیین مہر) فاسد ہوتو اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور مہر مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: نکاح فاسد میں دخول یا خلوت سے مقررہ مہر واجب ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث کے بعض طرق میں ہے عورت کو جو مہر دیا ہے (یعنی اس کے لیے جو مقرر کیا ہے) وہی ملے گا کیونکہ مرد نے اس سے صحبت کی ہے۔ ❶

خلاصہ..... نکاح صحیح میں منکوحہ کے لیے مہر واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد میں موطوءہ کے لیے مہر واجب ہوتا ہے نکاح بشبہ میں موطوءہ کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جس عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا ہو اس کے لئے بھی مہر واجب ہوتا ہے الا یہ کہ فساد نکاح کی صورت میں مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مقررہ مہر واجب ہوگا امام ابوحنیفہ اور شافعیہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا صاحبین کے نزدیک مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا، فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ وطی بشبہ سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، کیونکہ دار الاسلام میں وطی سے یا تو حد واجب ہوتی ہے یا مہر۔

ایک اہم مسئلہ..... حنیفہ کہتے ہیں: دار الاسلام میں وطی کرنے سے یا تو حد واجب ہوتی ہے یا مہر واجب ہوتا ہے البتہ اس عموم سے دو مسئلے مستثنی ہیں۔ ❷

اول..... مراہق (قریب البلوغ) لڑکا اگر ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرلے عورت کے ساتھ صحبت بھی کرلے اور اسکا باپ نکاح کو رد کردے تو لڑکے پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ ہی مہر حد تو اس لیے واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ ابھی بچے کے حکم میں ہے، مہر اس لئے واجب نہیں ہوگا کیونکہ عورت کو علم ہے کہ بچے کا نکاح نافذ نہیں ہوتا۔ گویا عورت اپنا حق باطل کرنے پر راضی رہی ہے۔

دوم..... مثلاً ایک شخص نے اپنی باندی فروخت کردی پھر خریدار کو سپرد کرنے سے پہلے فروخت کنندہ نے باندی کے ساتھ وطی کرلی تو فروخت کنندہ پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ ہی مہر۔ کیونکہ یہ وطی شبہ محل کی بنا پر ہوئی ہے کیونکہ باندی ابھی فروخت کنندہ کے قبضے اور ضمان میں ہے چنانچہ اگر باندی ہلاک ہوجائے تو فروخت کنندہ کی ملکیت میں لوٹ آئے گی جبکہ فقہ کا اصول ہے کہ الغرم بالغنم۔

پنجم: مہر کے متعلق صاحب حق..... اس ضمن میں اولاً حقوق کی دو قسمیں ہیں:

(۱)..... وہ حقوق جو ابتدائی حالت میں مہر کے متعلقہ ہیں۔

(۲)..... اور وہ حقوق جو حالت بقا میں مہر کے متعلقہ ہیں۔

وہ حقوق جو ابتدائی حالت میں مہر کے متعلقہ ہوں۔ ❸

اس قسم کے حقوق کی تین قسمیں ہیں، اللہ کا حق، زوجہ کا حق اور اولیاء کا حق۔

حق اللہ..... یہ مہر کا حق ہے جو عقد کے فوراً بعد واجب ہوجاتا ہے چنانچہ جو مہر مقرر کرلیا گیا ہو اس میں سے ایک روپیہ بھی کم یا زیادہ نہیں کیا جائے گا اور وہ حنفیہ کے نزدیک دس دراہم سے کم نہ ہو مالکیہ کے نزدیک ربع دینار یا تین دراہم سے کم نہ ہو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اقل مہر کی کوئی حد نہیں۔ اگر نکاح بلا مہر منعقد ہوگیا تو دخول سے مہر مثل واجب ہوگا اگر دخول نہیں ہوا تو مالکیہ کے نزدیک مہر دینے اور فسخ نکاح میں خاوند کو اختیار حاصل ہوگا۔

---

❶..... رواہ ابوبکر البرقانی وابومحمد الخلال باسنادھما ❷الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۵۰۷. ❸ حالت ابتداء سے مراد نکاح کی بالکل ابتدائی حالت ہے اور حالت بقا سے مراد نکاح کے بحال رہنے کی حالت ہے۔

حق زوجہ...... عورت کے لئے مہر کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور قبضہ سے تمام ہو جاتی ہے اگر ولی نے مہر مثل سے کم پر عورت کا نکاح کروایا جبکہ عورت حنفیہ کے نزدیک رشیدہ (سمجھدار) ہو مالکیہ کے نزدیک مجبرہ (مجبور) نہ ہو تو اسے اس نکاح پر اعتراض کا حق حاصل ہوگا اگر عورت مجبرہ ہو یا عدیم الاہلیت ہو مثلاً نابالغ لڑکی ہو یا مجنونہ ہو اور اسکا نکاح اس کے باپ نے کروایا ہو تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے اعتراض کا حق نہیں ہوگا کما مر۔ ❶

حق اولیاء...... حنفیہ کے نزدیک حق اولیاء یہ ہے کہ مہر مہر مثل سے کم نہیں ہونا چاہئے چنانچہ اگر کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی نے خود اپنا نکاح مہر مثل سے کم کے ساتھ کرلیا تو حنفیہ کے نزدیک عصبات میں سے ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق حاصل ہوگا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ نکاح میں اگر مہر مہر مثل سے کم رکھا جائے تو اولیاء کو عار دلائی جاتی ہے اگر عورت اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہو تو اس سے ولی کا حق ساقط نہیں ہوتا اگر خاوند نے مہر مثل مکمل کر دیا تو پھر عقد لازم ہو جائے گا اور حق فسخ ساقط ہو جائے گا۔

وہ حقوق جو حالت بقاء میں مہر کے متعلق ہوں...... چنانچہ نکاح کے باقی رہنے کی صورت میں مہر عورت کا خالص حق ہوتا ہے اور اسکی ملکیت ہوتا ہے اس حق میں عورت کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا۔ عورت کو مہر (کے مال) میں من چاہا تصرف کرنے کا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے عورت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ حق مہر سے خاوند کو بری الذمہ قرار دے دے یا مہر اسے ہبہ کر دے۔

مہر کے کچھ حصہ کی ولی کا اپنے لئے شرط لگانا...... بنابریں شافعیہ کہتے ہیں ❷ اگر کسی شخص نے عورت کے ساتھ ایک ہزار روپے مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ عورت کے باپ کو ایک ہزار روپے دینے ہیں یا خاوند عورت کے باپ کو ایک ہزار عطیہ کرے گا چنانچہ شافعی مذہب میں، دونوں صورتوں میں مہر فاسد ہو جائے گا، کیونکہ خاوند نے بضع کے مقابلہ میں بیوی کے علاوہ کسی اور کو مال دینے کا التزام کیا ہے لہٰذا مقررہ مہر فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

البتہ حنابلہ کہتے ہیں ❸ عورت کا باپ عورت کے مہر سے کچھ حصہ کی اپنے لئے شرط لگا سکتا ہے، کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی شادی اپنی بیٹی سے کروائی اور بکریاں چروانے کی شرط اپنے لئے لگائی، نیز باپ اولاد کے مال کو لے سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بھی اور تمہارا مال بھی تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ حلال مال تمہاری کمائی کا ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے ❹ چنانچہ باپ کا لیا ہوا حصہ اور بیوی کے پاس رہنے والا بقیہ مال سبھی مہر تصور ہوگا باپ قبضہ کر لینے سے مالک بن جائے گا، اس میں شرط یہ ہے کہ باپ بیٹی کے مال کو ہتھیانا نہ چاہتا ہو اگر خاوند نے صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو خاوند دو ہزار کا نصف یعنی ایک ہزار واپس لے جبکہ باپ نے جو لیا ہوگا اس میں سے باپ پر کچھ نہیں ہوگا کیونکہ باپ نے بیٹی کا مال لیا ہے لہٰذا باپ پر رجوع نہیں کیا جائے گا بلکہ خاوند بیوی جو کہ باپ کی بیٹی ہے پر رجوع کریگا اگر بیوی نے مقررہ مہر پر قبضہ نہ کیا ہو کہ اس سے پہلے ہی خاوند اسے طلاق دے دے تو خاوند کے ذمہ سے نصف مہر ساقط ہو جائے گا اور بقیہ نصف عورت کے لئے باقی رہے گا بقیہ نصف سے باپ جتنا چاہے لے بشرطیکہ سارا مال ہتھیانا نہ چاہتا ہو۔

اگر باپ کے علاوہ کسی اور کے لئے مال لینے کی شرط لگادی گئی مثلاً دادا یا بھائی نے مہر سے کچھ حصہ لینے کی شرط لگادی تو مقررہ مہر صحیح ہوگا البتہ شرط لغو ہو جائے گی۔ اور سارا مہر عورت کی ملکیت میں جائے گا۔

ششم: مہر معجّل اور مہر مؤجل...... مہر معجّل سے مراد وہ مہر ہے جو بوقت عقد نقدی دے دیا جائے اور مہر مؤجل وہ ہے جو خاوند کے

---

❶ الدر المختار ۴۱۹/۲ الشرح الصغیر ۳۵۳/۲ مغنی المحتاج: ۱۴۹/۳ کشاف القناع ۴۳/۵ القوانین الفقهية ۲۰۳ ❷ مغنی المحتاج ۲۲۶/۳۔ ❸ کشاف القناع ۱۵۱/۵ المغنی ۶۹۶/۶ ❹ رواه احمد وابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن (نيل الاوطار ۲۱/۶)

ذمہ واجب رہے۔ فقہاء نے مہر مؤجل جائز قرار دیا ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں ❶ مہر کا مؤجل اور معجّل ہونا صحیح ہے خواہ پورا مہر مؤجل ہو یا اس کا کچھ حصہ خواہ مدت قریب کی ہو یا بعید کی یا طلاق ووفات کی مدت ہو چونکہ تقریباً سبھی اسلامی ممالک میں اسی کا رواج ہے۔ لیکن مہر موجل میں یہ شرط ہے کہ مدت تاجیل میں فاحش قسم کی جہالت نہ ہو مثلاً کوئی یوں کہے: میں نے تمہارے ساتھ ایک ہزار روپے پر شادی کر لی تاوقتیکہ میرے پاس مال آجائے یا کہے تاوقتیکہ ہوائیں چلنے لگیں یا کہے تاوقتیکہ بارش برسنے لگے چنانچہ مذکورہ شرائط کے ساتھ مہر مؤجل صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس میں فحش قسم کی جہالت ہے۔

اگر قسطوں کے ساتھ مہر ادا کرنے پر اتفاق ہو جائے تو اسی پر عمل کیا جائے گا کیونکہ کسی امر پر اتفاق کر لینا صریح کے قبیل میں سے ہے جبکہ عرف از قبیل دلالت ہے اور اصول یہ ہے کہ صریح دلالت سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اگر مہر مؤجل یا مہر معجّل میں سے کسی پر فریقین کا اتفاق نہ ہو تو اس شہر کے رواج پر عمل کیا جائے گا کیونکہ عرف میں جو چیز مشہور ہو وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے۔

اگر اس شہر میں مہر معجّل یا مہر مؤجل میں سے کسی کا رواج نہ ہو تو مہر نقدی دینا ضروری ہوگا کیونکہ مسکوت شے معجّل کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ جونہی عقد نکاح مکمل ہوتا ہے مہر واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ مہر نکاح کے اثرات میں سے ہے چنانچہ جب مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو تو اصل پر عمل کیا جائے گا نکاح عقد معاوضہ ہے لہٰذا جانبین سے مساوات کی رعایت کی جائے گی۔

شافعیہ حنابلہ......شافعیہ اور حنابلہ نے کل مہر یا مہر کے کچھ حصے کے موجل رکھنے کو جائز قرار دیا ہے ❷ کیونکہ مہر معاوضہ میں عوض ہوتا ہے، اگر عقد میں مہر کو مطلق رکھا تو نقدی دینا متعین ہے اور اگر مہر مؤجل رکھا لیکن مدت مجہول ہو جیسے مثلاً کہا زید کی آمد پر ادائیگی کر دے گا یا کہا بارش برسنے پر ادائیگی کر دے گا تو اس طرح کی مدت صحیح نہیں کیونکہ یہ مدت مجہول ہے اور اگر مہر مؤجل رکھا تاہم مدت مقرر نہ کی تو حنابلہ کے نزدیک مہر صحیح ہوگا اور بوقت فرقت یا بوقت موت ادائیگی ضروری ہوگی شافعیہ کے نزدیک مہر فاسد ہو جائیگا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

مالکیہ نے مہر مؤجل میں قدرے تفصیل کی ہے ❸ چنانچہ کہتے ہیں مہر اگر کوئی متعین چیز ہو جو شہر میں موجود ہو جیسے گھر، کپڑا، جانور تو اسے بروز عقد نکاح عورت کو یا اس کے ولی کو سپرد کرنا واجب ہے، اس کی تاخیر جائز نہیں ہوگی اگرچہ عورت تاخیر پر رضامند ہو، اگر عقد میں تاجیل کی شرط لگا دی تو عقد فاسد ہو جائے گا ہاں البتہ اگر مدت قلیل ہو جیسے دو دن یا پانچ دن (ہفتہ) تو عقد جائز ہوگا عورت کے لئے تاجیل بلا شرط جائز ہے۔

اور اگر مہر متعین ہو لیکن شہر میں موجود نہ ہو تو اگر قبضہ کی مدت مقرر کر دی، اور مدت بھی قریب کی ہو تا کہ مال میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا ورنہ نکاح فاسد ہو جائے گا۔

اگر مہر غیر متعین ہو جیسے سونا چاندی (کاغذی کرنسی) مکیلی یا موزونی چیز ہو تو اسے مؤجل رکھنا جائز ہے خواہ سارے کا سارا مہر مؤجل ہو یا کچھ حصہ۔ دخول تک مہر کو مؤجل رکھنا جائز ہے بشرطیکہ وقت معلوم ومتعین ہو جیسے گاہنے کا وقت، گرمی، پھل توڑنے کا وقت وغیرہ۔ بنا بر ہذا جواز تاجیل کی دو شرطیں ہیں۔

اول......یہ کہ مدت متعین ہو اگر مدت مجہول ہو مثلاً کہا موت تک مہر ادا کریگا یا فراق کو مدت ٹھہرایا تو اس صورت میں عقد کو فسخ کرنا واجب ہے، الا یہ کہ اگر دخول ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوگا۔

---

❶......البدائع ۲/۲۸۸ الدر المختار ۲/۴۹۳۔ ❷مغنی المحتاج ۳/۲۲۲ کشاف القناع ۵/۱۷۸ المغنی: ۶/۶۹۳ ❸الدسوقی مع الشرح الکبیر ۲/۲۹۷ الشرح الصغیر ۲/۴۳۲۔

دوم..... یہ کہ مدت بعید نہ ہو جیسے کہہ دیا پچاس سال یا اس سے بھی زیادہ کیونکہ اس صورت میں غالب گمان مہر کے سقوط کا ہوتا ہے جبکہ اگر مہر معرض سقوط میں ہو تو نکاح فاسد ہوتا ہے۔

سوریہ کے قانون میں حنفیہ کے مذہب کو لیا گیا ہے۔

چنانچہ دفعہ ۵۵ میں ہے مہر کو معجّل یا مؤجل رکھنا جائز ہے خواہ کل مہر ہو یا بعض کچھ حصہ صراحت نہ ہونے کی صورت میں رواج کو دیکھا جائے گا۔

دفعہ ۵۶ کے ذیل میں ہے کہ: اگر عقد میں کسی دوسری مدت کی صراحت نہ ہو تو مہر موجل بینونت پر منتج ہوتا ہے۔ یا بوقت وفات ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔

اگر خاوند مہر دینے سے عاجز وتنگدست ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا..... اگر خاوند مہر معجّل دینے سے عاجز ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کسی حال میں بھی فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کرسکتی خواہ دخول سے پہلے ہو یا بعد ہاں البتہ عورت خاوند کو صحبت سے روک سکتی ہے اور خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے میکے جاسکتی ہے۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: ❷ اس صورت میں عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا صحیح یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک قبل از دخول اور بعد از دخول عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک قبل الدخول فسخ نکاح کا حق حاصل ہے بعد از دخول حق حاصل نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مہر موجل کی شرط لگائی گئی ہو اور کل مہر موجل ہو اور مدت بھی متعین مثلاً کہا ایک سال میں دے دے گا، پھر اگر خاوند نے مدت پوری ہونے سے قبل دخول کی شرط لگائی تو عورت کو صحبت سے انکار کرنے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر خاوند نے دخول کی شرط نہیں لگائی تو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو صحبت سے انکار کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ جب عورت اپنا سارے کا سارا مہر مؤجل رکھنے پر راضی ہے تو وہ مہر معجّل کے اسقاط پر بھی راضی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عورت مہر مؤجل کی مدت پوری ہونے تک صحبت سے انکار کرسکتی ہے کیونکہ مرد استمتاع کے متعلق اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے استحساناً فتوی اسی قول پر دیا جاتا ہے۔

ولی کا مہر کا ضامن بننا..... حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر ولی یا عورت کا وکیل مہر کا ضامن بن جائے تو اس کی ضمانت درست ہوگی، کیونکہ ولی یا وکیل التزام کی اہلیت رکھتا ہے اور ولی یا وکیل عقد نکاح میں معبر یا سفیر ہوتا ہے اسی لئے عقد نکاح کے حقوق اصل کی طرف راجع ہوتے ہیں عورت کو مہر کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا چاہے خاوند سے مہر کا مطالبہ کرے یا ولی سے مطالبہ کرے اگر ولی اپنی طرف سے مہر ادا کردے تو وہ خاوند سے اس کے بقدر مال لے لے کیونکہ کفالت میں یہی اصول مقرر ہے۔ ❸

ہفتم: مہر پر قبضہ کرنا اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات..... مہر پر قبضہ کرنا عورت کا خالص حق ہے وہ مہر قبضہ کرنے کی آڑ میں صحبت سے انکار بھی کرسکتی ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں ❹ عورت کو حق حاصل ہے کہ مہر معجّل پر قبضہ کرنے سے دخول سے انکار کردے یا خاوند کے گھر جانے سے انکار کردے یہاں تک کہ مہر معجّل پورے پر قبضہ کرلے اور اگر خاوند کے گھر میں جاچکی ہو تو بھی صحبت سے انکار کرسکتی ہے کیونکہ مہر عوض ہے جیسے بیع میں ثمن مبیع کا عوض ہوتا ہے۔ لہٰذا عورت مہر لینے سے قبل صحبت سے انکار کرنے کا حق رکھتی ہے، اور اگر عورت نے مہر معجّل پورے پر قبضہ کرلیا

---

❶..... الدر المختار ۲/ ۴۹۲ کشاف القناع ۵/ ۱۸۳ ❷ الشرح الصغیر ۲/ ۴۳۴ المھذب ۲/ ۶۱ بدایۃ المجتھد ۲/ ۵۱۔

❸ الکتاب مع اللباب ۳/ ۲۲ الدر المختار ۲/ ۴۹۰ فتح القدیر: ۲/ ۴۷۱ ❹ البدائع ۲/ ۲۸۸

تو اب صحبت سے انکار نہیں کر سکتی۔

اور اگر خاوند نے صحبت کر لی ہو جبکہ عورت عاقلہ بالغہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب بھی صحبت سے انکار کر سکتی ہے حتیٰ کہ مہر معجّل پر قبضہ کر لے، عورت مہر معجّل پر قبضہ کرنے کی آڑ میں شہر سے باہر سفر کرنے سے بھی انکار کر سکتی ہے یا دوسری جگہ منتقل ہونے سے بھی انکار کر سکتی ہے۔

اور اگر خلوت ہو چکی ہو یا بلکہ وطی بھی ہو چکی ہو تو گویا ماضی میں عورت اپنا حق ساقط کرنے پر راضی رہی اور اب مستقبل میں صحبت اور دواعی صحبت سے انکار کر سکتی ہے تاوقتیکہ پورے مہر معجّل پر قبضہ کر لے۔ اسی طرح خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے بھی انکار کر سکتی ہے کیونکہ حق ماضی کے اسقاط سے مستقبل کا حق ساقط نہیں ہوتا۔

صاحبین کے نزدیک اگر صحبت ہو چکی ہو اور عورت نے انکار نہ کیا ہو تو اب وہ صحبت سے انکار نہیں کر سکتی کیونکہ ایک مرتبہ کی صحبت یا خلوت صحیح کے ضمن میں عورت نے جمیع عقود علیہ (ملک بضع) اپنی رضامندی سے سونپ دی اور عورت معقود علیہ سونپنے کی اہلیت رکھتی ہے لہٰذا اب صحبت سے انکار کرنے کا حق باطل ہو گیا۔ کیونکہ وطی کی رضامندی اسقاط حق کی رضامندی ہے اب اگر صحبت سے انکار کرے گی تو نشوز (نافرمانی) کی مرتکب ہوگی اور حق نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

مالکیہ کا مذہب صاحبین کے مذہب کے موافق ہے چنانچہ کہتے ہیں [1] عورت اگر چہ عیب دار ہو اور خاوند اس عیب سے راضی ہو وہ خاوند کو دخول سے قبل صحبت، خلوت اور ساتھ سفر کرنے سے روک سکتی ہے یہاں تک کہ خاوند اسے مہر معجّل سپرد کر دے مہر مؤجل کی مدت پوری ہونے پر بھی عورت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے جبکہ عورت کو وطی ہو جانے کے بعد اور قبضہ سے پہلے صحبت سے انکار کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا خواہ خاوند مالدار ہو یا تنگدست البتہ عورت کو صرف مطالبہ کا حق حاصل ہوگا اور عدالت میں دعویٰ کر سکتی ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے بھی صاحبین کی رائے جیسی ہے رہی بات حنابلہ کی سو انھوں نے دخول اور خلوت میں موافقت کی ہے، رہی بات شافعیہ کی سو انھوں نے دخول میں موافقت کی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر عورت مفوضہ ہو تو وہ مہر معجّل کو قبضہ کرنے کے لئے صحبت سے انکار کر سکتی ہے مہر مؤجل کے لئے انکار نہیں کر سکتی، اور اگر خاوند کو نفس سپرد کرنے سے پہلے مدت پوری ہو جائے تو اصح مذہب کے مطابق عورت کو انکار کا حق نہیں ہوگا کیونکہ مدت پوری ہونے سے پہلے تمکین صحبت واجب ہے، حق کی مدت پوری ہونے سے وجوب ختم نہیں ہوتا اگر خاوند نے عورت کی رضامندی سے صحبت کر دی جبکہ عورت عاقلہ، بالغہ اور مختارہ ہو تو اب اسے انکار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بائع تبرع کرتے ہوئے مبیع سپرد کر دے تو وہ مبیع کو روکنے کے لئے واپس نہیں لے سکتا۔ البتہ عورت سے اگر جبراً وطی کی گئی یا عورت نابالغہ ہو یا مجنونہ ہو تو اسے انکار کا حق حاصل ہوگا کیونکہ عورت نے اپنے اختیار سے اپنے نفس کی تمکین نہیں دی۔

اور اگر عورت نے مدت سے پہلے مہر کا مطالبہ کر دیا اور خاوند کو صحبت کا اختیار دے دیا تو بھی آئندہ صحبت سے انکار کا حق رکھتی ہے۔

اور خاوند نے مدت پوری ہونے سے پہلے مہر دے دیا تو عورت پر واجب ہے کہ وہ خاوند کو صحبت کرنے کا اختیار دے، اگر بلا عذر عورت نے صحبت سے انکار کر دیا تو خاوند مہر واپس نہیں لے سکتا کیونکہ مدت سے پہلے مہر دینے کا خاوند نے تبرع کر دیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے قرضہ مدت سے پہلے دے دیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں: دخول سے قبل عورت کو انکار کا حق حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ مہر موجل جس کی مدت پوری ہو چکی ہو قبضہ کر لے یا مہر معجّل قبضہ کر لے عورت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ نقدی مہر کا مطالبہ کرے اگر چہ عورت صحبت کے قابل نہ ہو۔

---

[1] ......الشرح الصغیر ۲/۴۳۴ القوانین الفقهیة ۴۳۴ الشرح الکبیر ۲/۲۹۷۔

اگر خاوند نے جبراً بیوی کے ساتھ وطی کرلی جبکہ مہر معجّل ابھی خاوند نے نہ دیا ہو تو عورت کے انکار کا حق ساقط نہیں ہوگا جیسے کہ شافعیہ کہتے ہیں کیونکہ جبراً وطی کالعدم کے درجہ میں ہے۔

جب اس صورت میں عورت خاوند کو اپنے اوپر اختیار دینے سے انکار کرسکتی ہے اسے یہ بھی حق ہے کہ خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کرے، عرصہ انکار کے دوران اگر عورت صحبت کے قابل ہو تو اس عرصہ کا نفقہ اسے ملے گا اگرچہ خاوند تنگ دست ہو اور مہر نہ دے سکتا ہو کیونکہ عورت کا احتباس تو خاوند کی طرف سے ہے۔

اگر مہر موجل ہو تو عورت صحبت سے انکار نہیں کرسکتی۔ کیونکہ عورت کو مہر موجل کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں اور اگر دخول سے قبل مہر مؤجل کی مدت پوری ہوجائے تو عورت کو صحبت سے انکار کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے، کیونکہ تسلیم نفس عورت پر واجب ہو چکا، اب اگر انکار کرے گی تو اسے خرچہ نہیں ملے گا کیونکہ وہ نافرمان ہوچکی۔

ایک اہم مسئلہ......شافعیہ اور حنابلہ نے ایک اہم مسئلہ کے متعلق بحث کی ہے وہ یہ کہ اگر زوجین میں سے ہر ایک اپنی واجب ذمہ داری سونپنے سے انکار کررہا ہو یعنی مرد عورت کو مہر دینے سے انکار کرتا ہو اور عورت خاوند کو اپنے نفس پر تمکین دینے سے انکار کرتی ہو اور دونوں واجب ذمہ داری کو مدمقابل کے اپنے حق پر معلق کرتے ہوں یعنی مرد کہتا ہو کہ پہلے عورت صحبت کا اختیار دے پھر وہ اسے مہر دے گا اور عورت کہتی ہو پہلے خاوند اسے مہر دے پھر وہ صحبت کا اختیار دے گی، تاہم شافعیہ کے نزدیک دونوں پر جبر کیا جائے گا خاوند کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کسی عادل شخص کے پاس مہر رکھے اور عورت کو حکم دیا جائے گا کہ وہ خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے، چنانچہ جب عورت خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے دے تو عادل شخص مہر بھی عورت کے سپرد کردے۔

حنابلہ کہتے ہیں: اولاً خاوند پر جبر کیا جائے گا کہ وہ مہر سپرد کرے پھر عورت کو تمکین کے لئے مجبور کیا جائے گا کیونکہ اگر اولاً عورت کو مجبور کیا جائے تو اس میں ملک بضع کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔

خلاصہ......اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت قبل از دخول مہر پر قبضہ کرنے کے لئے صحبت سے انکار کرسکتی ہے البتہ مہر مؤجل کی صورت میں اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا بعد از دخول صحبت سے انکار کرنے کے متعلق اختلاف ہے اور فقہاء کی دو آراء ہیں امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عورت کو انکار کا حق حاصل ہوگا جمہور کہتے ہیں عورت کو انکار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

مہر پر قبضہ کون کرے گا؟......سمجھدار عورت خود مہر پر قبضہ کرے گی اور وہی اس میں تصرف کرے گی تاہم شریعت نے عرف ورواج پر عمل کرنے کی بھی تاکید کی ہے کہ اگر رواج کے مطابق باپ یا دادا نے مہر پر قبضہ کرلیا تو اس کا قبضہ نافذ العمل ہوگا ہاں البتہ اگر خود عورت ولی کو قبضہ کرنے سے روک دے تو پھر ولی قبضہ نہیں کرسکتا، سوریہ کے قانون دفعہ ۶۰ میں بھی اسی شق کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور اگر عورت سمجھدار نہ ہو مثلاً چھوٹی نابالغ لڑکی ہو یا بیوقوف یا سفیہ یا جنون کی وجہ سے اس پر حجر (پابندی) ہو تو اس کے مال کا جو ولی ہو وہی اس کے مہر پر قبضہ بھی کرے حنفیہ کے نزدیک مال کے ولی یہ لوگ ہوسکتے ہیں باپ، اس کا وصی، پھر دادا، پھر اسکا وصی پھر قاضی اور پھر قاضی کا وصی۔

مالکیہ کہتے ہیں: عورت کا ولی اجبار باپ یا اسکا وصی ہوتا ہے، اور اسی کو مہر پر قبضہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اگر عورت کا ولی اجبار نہ ہو اور عورت رشیدہ (سمجھدار) ہو تو وہی مہر پر قبضہ کرے گی یا اسکا وکیل قبضہ کرے، اگر عورت سفیہ (بے وقوف) ہو تو اس کے مال کا جو ولی (سرپرست) ہو وہی اس کے مہر پر بھی قبضہ کرے اگر عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو قاضی اسکا ولی ہوگا اور وہی اس کا مہر قبضہ کرے۔

مہر میں تصرف......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اپنے مہر میں ہر طرح کا تصرف کرسکتی ہے، اسکا تصرف نافذ ہوگا کیونکہ مہر اسکی

ملکیت ہے اور ہر شخص اپنی ملکیت میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔

ہشتم: مہر میں کمی بیشی کرنا..... عقد نکاح ہو جانے کے بعد بسا اوقات مہر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور بسا اوقات کمی کر دی جاتی ہے۔

مہر میں اضافہ کرنا..... حنفیہ کہتے ہیں: اگر سمجھدار خاوند یا نابالغ لڑکے کا ولی (باپ یا دادا) عقد نکاح کے بعد مقررہ مہر میں اضافہ کر دیں اور طرفین اس اضافے پر رضامند ہوں تو وطی ہو جانے سے اضافہ لازم ہو جائے گا یا عورت مرگئی تو بھی لازم ہوگا، گویا اضافی مہر اصل مہر کا حصہ تصور ہوگا اور موت یا دخول سے موکد اور لازمی ہو جاتا ہے اگر صحبت سے پہلے طلاق ہو جائے تو جمہور (حنفیہ کے علاوہ) کے نزدیک اضافہ بھی نصف ہو جائے گا جیسے اصل مہر نصف ہو جاتا ہے۔

البتہ یہ اضافہ مندرجہ ذیل شرائط جنکی وضاحت حنیفہ نے کی ہے سے لازم ہوگا۔

(۱)..... یہ کہ خاوند عقلمند (رشید) اور سمجھدار ہو کیونکہ مقررہ مہر پر اضافہ درحقیقت تبرع ہوتا ہے اور تبرع اسی شخص کا مقبول ہوتا ہے جو تبرع کا اہل ہو۔

(۲)..... یہ کہ اضافہ معلوم و متعین ہو۔ اگر اضافہ مجہول ہو مثلاً کہا کہ میں تمہیں کچھ زائد مہر دوں گا تو یہ اضافہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ جہالت کا اعتبار نہیں۔

(۳)..... یہ کہ اضافہ حقیقۃً نکاح باقی رہنے کی صورت میں ادا کر دیا جائے یا حکماً نکاح باقی رہنے کی صورت میں یعنی عدت کے دوران عورت کے سپرد کر دیا جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ بیوی کے مرجانے کے بعد بھی اضافہ صحیح ہے اسی طرح طلاق بائن اور طلاق رجعی کی عدت گزر جانے کے بعد بھی اضافہ صحیح ہے۔

(۴)..... یہ کہ بیوی اضافے کو قبول کرے اگر عورت نابالغ ہو یا مجنون ہو تو اسکے ولی کا قبول کرنا شرط ہے کیونکہ یہ اضافہ ہبہ ہے اور ہبہ میں قبول ضروری اور شرط ہے۔

عقد کے بعد مہر میں اضافہ کرنے کی صورت میں حنابلہ کا حنفیہ کی رائے سے اتفاق ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عقد کے ساتھ اضافہ ملحق نہیں ہوگا اگر خاوند نے مہر میں اضافہ کیا تو وہ اضافہ ہبہ کی شرائط کا محتاج ہے اگر ہبہ کے بعد خاوند نے عورت کو طلاق دے دی تو اضافہ میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ خاوند مقررہ مہر کے عوض بضع کا مالک بن جاتا ہے، لہٰذا اضافہ کے بدلہ میں معقود علیہ کا کوئی حصہ حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا اضافہ عقد نکاح میں عوض نہیں ہوتا یہ ایسا ہی ہے جیسے خاوند بیوی کو کوئی چیز ہبہ کر دے۔ ❶

حنابلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرٰضَيْتُم بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ..... النساء: ۴/ ۲۴

اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو اس میں کوئی گناہ نہیں دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عقد کے بعد کا زمانہ مہر مقرر کرنے کا زمانہ (وقت) ہوتا ہے لہٰذا اضافہ ایسا ہی ہے جیسے حالت عقد کا مہر اسی نکتہ سے نکاح اور بیع و اجارہ میں فرق ہو جاتا ہے۔

مہر میں کمی کرنا اور مہر سے بری الذمہ کرنا..... حنفیہ کی رائے ہے کہ: ❷

سمجھدار عورت کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرض الموت میں مبتلا نہ ہو کہ وہ عقد نکاح کے تمام ہونے کے بعد کل مہر خاوند کو چھوڑ دے یا مہر میں سے کچھ کمی کر دے برابر ہے کہ خاوند اس کمی کو قبول کرے یا نہ کرے ہاں البتہ یہ کمی رد کرنے سے رد ہو جائیگی۔ جبکہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو اسکا باپ مہر میں کمی نہیں کر سکتا اور اگر عورت بالغ ہو اور اسکا باپ مہر میں کمی کرے تو عورت کی اجازت پر کمی موقوف رہے گی اسکی رضامندی ضروری ہے۔ ❸

❶..... المغنی ۶/ ۷۴۴ ❷ الدر المختار و ابن عابدین ۲/ ۴۶۴ ❸ الدر المختار و ابن عابدین ۲/ ۴۶۴۔

لیکن حنفیہ نے مہر میں کمی کرنے کی نوعیت کے اعتبار سے ابراء اور ہبہ میں فرق کیا ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: ابراء صرف اسی دین میں ہوتا ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے نقدی مال، مکیلی اشیاء موزونی اشیاء۔ کیونکہ دیون ذمہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے دستبرداری ابراء سے ہوتی ہے اس میں قبول شرط نہیں بلکہ عدم رد اس میں کافی ہے بسا اوقات منت احساں کو گراں بار سمجھتے ہوئے بھی ابراء کو رد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مہر میں کمی کرنا بطور ہبہ تملیک نہیں بلکہ وہ تو اسقاط ہے جو مرد کے لئے ابراء ہے البتہ اگر ابراء کسی متعین چیز پر وارد ہو تو مہر میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوگا بلکہ مہر خاوند کے پاس امانت ہوگا، اگر ہلاک ہو گیا تو خاوند پر ضمان نہیں ہوگا کیونکہ ابراء اعیان کی تملیک کے لئے صریح الفاظ میں سے نہیں ہے لہٰذا ضمان کی نفی پر محمول ہوگا۔

لیکن اگر ابراء سے بیوی کی مراد خاوند پر جو کچھ ہو وہ کل یا اسکا کچھ حصہ معاف کرنا ہو تو عصر حاضر میں لوگ فقہی اصطلاحات سے ناواقف ہیں اور تمیز نہیں کر سکتے اس لیے ابراء کو تملیک قرار دینا ممکن ہے اسکا حکم ہبہ کا حکم ہے۔

رہی بات مہر ہبہ کرنے کی سو وہ صحیح ہے خواہ مہر دین ہو یا عین (متعین چیز) جیسے گھر، جانور یا متعین کپڑا خواہ ہبہ قبضے سے پہلے ہو یا بعد البتہ مجلس میں خاوند کا قبول کرنا ضروری ہے، اسکا خاموش رہنا کافی نہیں ہوگا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر عورت اپنے خاوند کو کل مہر ہبہ کر دے حالانکہ ابھی صحبت نہ ہوئی ہو تو عورت پر رجوع نہیں کیا جائے گا۔ (1)

شافعیہ کا مذہب ہے کہ (2) ولی اپنی زیر ولایت عورت کے مہر کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، بلکہ شافعیہ کا جدید قول عام دیون کی طرح ہے کیونکہ عقد نکاح کے بعد ولی کے لئے کوئی کلام باقی نہیں رہتا، اگر عورت اپنے خاوند کو مہر سے بری الذمہ کر دے پھر خاوند اسے صحبت سے پہلے طلاق دے دے تو شافعی مذہب کے مطابق خاوند عورت پر رجوع نہیں کر سکتا، جیسا کہ ہبہ کے متعلق شافعیہ کا مذہب ہے، کیونکہ عورت نے خاوند سے مال نہیں لیا اور نہ ہی کوئی اور چیز لی یہ متعین چیز کے ہبہ کے برخلاف ہے چنانچہ عورت اگر اپنے خاوند کو متعین مہر جیسے متعین گھر اور متعین جانور دے تو اگر دخول سے قبل عورت کو طلاق دی ہو تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک باپ یا کوئی اور اپنے زیر سرپرستی عورت کے مہر کو معاف نہیں کر سکتا کیونکہ ولی کے ہاتھ میں تو عقد نکاح ہوتا ہے اور اگر عورت اپنے خاوند کو مہر معاف کر دے حالانکہ اس عورت کو تصرف کی اجازت حاصل ہو تو خاوند مہر سے بری الذمہ ہو جائے گا برابر ہے کہ عورت مہر کی دستبرداری کے لئے معاف کرنے کا لفظ بولے یا ساقط کرنے کا یا معاف کرنے کا یا صدقہ چھوڑنا وغیرھا۔

اگر مفوضہ خاوند کو بری الذمہ کر دے پھر دخول سے پہلے اسے طلاق ہو جائے تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔

سوریہ کے قانون میں حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے کہ مہر میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، چنانچہ دفعہ ۵۷ میں صراحت ہے عقد کے بعد خاوند مہر میں اضافہ کر سکتا ہے اور عورت مہر میں کمی کر سکتی ہے بشرطیکہ مرد اور عورت تصرف کی کامل اہلیت رکھتے ہوں، اگر دوسرا فریق کمی بیشی کو قبول کر لے تو اصل مہر کے ساتھ ملحق ہوگا۔

پھر ۱۹۷۵ء میں اس دفعہ میں یوں ترمیم کی گئی۔

کسی قسم کے اضافہ اور کمی کا مہر سے ہونے کا اعتبار نہیں یا زوجیت کے قائم ہوتے ہوئے مہر سے ابراء ہو یا عدت طلاق کے دوران ابراء ہو تو یہ ابراء باطل ہوگا بشرطیکہ قاضی دخل نہ دے اگر ان تصرفات کو دوسرا فریق قبول کرے اور قاضی کے روبرو اسکا اعتراف ہو جائے تو اصل عقد کے ساتھ ملحق سمجھا جائے گا۔

نہم: وجوب مہر کے احوال، مہر کا مؤکد ہونا تنصیف اور سقوط مہر:

وجوب مہر..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ محض عقد سے ہی مہر واجب ہو جاتا ہے (3) اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو مقررہ مہر واجب ہوتا ہے

---

(1) ..... القوانين الفقهية ۲۰۳ بداية المجتهد ۲/ ۲۵ (2) مغني المحتاج: ۳/ ۲۴۰۔ (3) البدائع ۲/ ۲۸۷ الشرح الكبير ۲/ ۳۰۰ القوانين الفقهية ۲۰۲ المهذب ۲/ ۵۷ كشاف القناع ۵/ ۱۵۶ الشرح الصغير ۲/ ۴۴۰

اگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو۔ ❶

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے عورت عقد نکاح کے طے ہونے سے ہی مقررہ مہر کی مالک بن جاتی ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو البتہ مالکیہ کی ایک رائے یہ ہے کہ عورت عقد سے نصف مہر کی مالک بن جاتی ہے۔

اگر نکاح فاسد ہو یا کسی مرد کو یہ کہہ کر کوئی عورت زفاف کے لئے دی جائے کہ یہ تمہاری بیوی ہے (یعنی وطی بشبہ ہو) تو مہر مثل واجب ہوگا۔ یہ وجوب مؤکد ہوگا اسکی ادائیگی ضروری ہے الا یہ کہ عورت خاوند کو بری الذمہ کردے۔

مہر کا مؤکد ہونا...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد صحیح میں وجوب مہر دخول سے یا موت سے مؤکد ہوجاتا ہے برابر ہے کہ مہر مثل ہو یا مقرر ہو حتی کہ اس کے بعد مہر ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ عورت خاوند کو بری الذمہ کردے۔

دو چیزوں کے ساتھ مہر کے مؤکد ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں۔ خلوت صحیحہ از فاف کے بعد سال بھر تک بیوی کا مقیم رہنا بغیر صحبت کے۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: خلوت صحیح سے مہر مؤکد ہوجاتا ہے جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: زفاف کے بعد سال بھر تک بغیر وطی کے عورت کے مقیم رہنے سے مہر مؤکد ہوجاتا ہے۔

حنابلہ نے ایک اور چیز کا اضافہ کیا ہے کہ مرض الموت میں اگر خاوند بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دے دے تو بھی مہر مؤکد ہوجاتا ہے۔ ❷

ان اسباب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ دخول حقیقی...... دخول حقیقی سے مراد وطی یا جنسی ربط واتصال ہے اگر چہ یہ ربط حرام ہو خواہ آگے کے راستہ سے ہو یا پیچھے کے راستہ سے جس کی مقدار یہ ہے کہ حشفہ (آلہ تناسل کا کٹا ہوا حصہ) شرمگاہ میں چھپ جائے خواہ عورت حالت حیض یا نفاس میں کیوں نہ ہو یا خواہ روزے میں یا احرام میں ہو یا اعتکاف میں ہو، چنانچہ دخول حقیقی سے مہر مؤکد ہوجاتا ہے یعنی مرد کے ذمہ مہر کی ادائیگی واجب ہوجاتی ہے کیونکہ مرد مہر کے مقابل چیز یعنی بضع سے نفع اٹھالیتا ہے اس لئے پورے مہر میں عورت کا حق موکد ہوجاتا ہے برابر ہے کہ عقد میں مہر مقرر کیا گیا ہو یا عقد کے بعد باہمی رضامندی سے مقرر کرلیا گیا ہو۔ یا قاضی کے حکم سے مہر طے ہوا ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ......النساء: ۴/ ۲۱

اور تم مہر کیسے واپس لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے سے (یعنی خاوند بیوی سے) جنسی خواہش پوری کرچکے۔

جب دخول سے مہر پکا ہوجاتا ہے تو اسکے سقوط کا امکان نہیں الا یہ کہ حقدار (یعنی عورت) کو ادائیگی کی جائے یا یہ کہ عورت خاوند کو بری الذمہ کردے۔

۲۔ زوجین میں سے کسی ایک کا مرجانا...... نکاح صحیح ہو اور دخول سے پہلے زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے تو مہر کا وجوب پکا ہوجاتا ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت صحیحہ سے پہلے اگر کوئی مرجائے تب بھی مہر مؤکد ہوجاتا ہے۔ اگر مہر مقرر ہو نکاح بھی صحیح ہو اور دخول سے قبل زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے تو بالاتفاق عورت مہر کی مستحق ہوجاتی ہے، کیونکہ موت سے عقد فسخ نہیں ہوتا

---

❶ ..... یعنی خاوند کو بیوی کے ساتھ اس طرح کی تنہائی مل جائے کہ صحبت کے لئے کوئی اور چیز مانع نہ ہو ❷ البدائع ۲/ ۲۹۱ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۲/ ۳۰۰ الشرح الصغیر ۲/ ۲۳۷، المھذب ۲/ ۵۷ کشاف القناع ۵/ ۱۶۱ مغنی المحتاج ۳/ ۲۲۴ المغنی ۶/ ۷۱۳ الشرح الصغیر ۲/ ۴۴۹۔

بلکہ موت سے عقد منتہی ہوتا ہے نکاح تفویض جس میں مہر مقرر نہ ہو کے بعد زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو مالکیہ کے نزدیک اس میں کچھ نہیں ہوگا مالکیہ نے اس صورت کو اس حالت پر قیاس کیا ہے کہ جب مہر مقرر نہ ہو اور طلاق قبل از دخول ہو جائے۔

جمہور کے نزدیک نکاح تفویض میں مہر مثل واجب ہوگا جمہور کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا اور صحبت بھی نہیں ہوئی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت کو مہر مثل ملے گا اس میں کمی بیشی نہ کی جائے، عورت پر عدت ہوگی اور وراثت سے اسے حصہ ملے گا اس فیصلے پر حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بردع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا۔ ❶

نیز نکاح ایسا عقد ہے جس کی مدت عمر ہوتی ہے لہٰذا کسی ایک کی موت سے یہ عقد انتہاء کو پہنچ جاتا ہے جیسے موت سے اجارہ منتہی ہوجاتا ہے، اور جب مہر پکا ہو جائے تو فسخ نکاح سے ساقط نہیں ہوتا یہی رائے راجح ہے چونکہ اس کے دلائل قوی ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رائے کو صحت حدیث پر معلق کیا ہے اور انھوں نے موت اور طلاق میں فرق کیا ہے کیونکہ موت سے عقد نکاح انتہاء کو پہنچ جاتا ہے رہی بات طلاق کی سو اتمام نکاح سے قبل ہی قطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے تو دخول سے قبل عدت واجب ہوتی ہے جبکہ طلاق سے واجب نہیں ہوتی۔

کیا قتل بھی موت کے حکم میں ہے...... اگر کوئی اجنبی زوجین میں سے کسی ایک کو قتل کردے یا زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو قتل کردے یا میاں بیوی میں سے کوئی ایک خودکشی کرلے تو اسکا حکم موت جیسا ہے اس سے بھی مہر پکا ہو جاتا ہے کیونکہ نکاح اپنی انتہاء کو پہنچ چکا لہٰذا موت منافع کی وصولی کے قائم مقام ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے کہ جب عورت خودکشی کرلے تو وہ مہر کی حقدار نہیں ہوگی کیونکہ خودکشی ارتدار کے مترادف ہے جبکہ ارتدار سے مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

جمہور نے اس کا جواب دیا ہے کہ خودکشی کو ارتدار پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ حالت ردت میں مہر کا تعلق عورت کے سوا کسی اور سے نہیں ہوتا لہٰذا عورت اپنے فعل سے ساقط کر سکتی ہے رہی بات قتل کی سو اس میں مہر سے ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے لہٰذا عورت کے اپنے ذاتی فعل سے مہر ساقط نہیں ہوگا۔

اگر عورت اپنے خاوند کو عمداً قتل کردے تو کیا مہر کی مستحق ہوگی یا نہیں...... اگر صحبت سے پہلے عورت جان بوجھ کر اپنے خاوند کو قتل کردے تو کیا مہر کی مستحق ہوگی یا مہر ساقط ہو جائے گا، چنانچہ فقہاء کی دو آراء ہیں۔

۱۔ **حنابلہ اور حنفیہ**...... کہتے ہیں کہ عورت کا حق مہر ساقط نہیں ہوگا بلکہ قتل سے پورا مہر مؤکد ہو جاتا ہے، کیونکہ شرعاً قتل عمد کی جزاء قصاص ہے اور قتل عمد سے مہر کے سقوط پر دلیل وارد نہیں ہوئی۔

۲۔ **مالکیہ اور شافعیہ**...... کہتے ہیں کہ قتل سے مہر ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ خاوند کو قتل کرنا سنگین جنایت (جرم) ہے اور جنایت سے حقوق مؤکد نہیں ہوتے۔ نیز اس جنائیت سے نکاح سے رکنے کا جرم عورت نے کیا ہے اور ایسی صورت میں عورت کا کل مہر ساقط ہو جاتا ہے اور مہر سے کسی کا حق متعلق نہیں۔ یہ رائے راجح ہے کیونکہ اسکی دلیل قوی ہے۔

۳۔ **خلوت صحیحہ**...... خلوت صحیحہ، خلوت فاسدہ سے احتراز ہے، خلوت صحیحہ یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد میاں بیوی ایسی جگہ جمع ہو جائیں کہ کامل طور پر ان کا جنسی اتصال ہو سکتا ہو اور زوجین کو ان کے پاس کسی کے آنے کا خوف نہ ہو اور ان میں سے کسی ایک میں کوئی طبعی،

❶...... رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه والترمذی وقال حديث حسن صحيح.

حسی یا شرعی مانع نہ ہو جو جماع میں رکاوٹ بن سکتا ہے چنانچہ خلفائے راشدین حضرت زید، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی ثابت ہے امام احمد اور اثرم نے زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ خلفائے راشدین نے فیصلہ کیا ہے کہ جو شخص (بیوی کو لیکر) دروازہ بند کر دے یا پردے کھینچ لے تو گویا مہر واجب ہو گیا اور اس سے عدت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

مانع طبعی...... کسی عاقل شخص کا موجود ہونا مانع طبعی ہے۔

مانع حسی...... زوجین میں سے کسی ایک کا ایسے مرض میں مبتلا ہونا جو صحبت کے مانع ہو جیسے عورت کی شرمگاہ میں پھوڑے کا مرض یا ہڈی ابھر آنے کا مرض۔

مانع شرعی...... جیسے زوجین نے رمضان کا روزہ رکھا ہو یا ان میں سے کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت صحیحہ سے پورا مہر مؤکد ہو جاتا ہے چنانچہ اگر مہر مقرر ہو تو مقرر کیا گیا مہر واجب ہو جاتا ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: خلوت سے مہر کا وجوب مؤکد نہیں ہوتا بلکہ خلوت کے ساتھ صحبت بھی ضروری ہے چنانچہ اگر خاوند کو خلوت صحیحہ میسر ہوئی پھر دخول سے قبل طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو متعہ واجب ہوگا۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلوت صحیحہ جسکی مذکورہ شرائط پوری ہوں سے عورت پورے مہر کی مستحق ہو جاتی ہے، اگر مرد نے بیوی کو طلاق دی تو خلوت صحیحہ کی وجہ سے عورت کے لیے مہر واجب ہوگا اگرچہ وطی حقیقتاً نہ ہو چنانچہ مہر اگر مقرر ہو تو پورا مہر واجب ہوگا اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوگا۔

مالکیہ اور شافعیہ (جدید قول کے مطابق) کہتے ہیں: محض خلوت سے وجوب مہر پکا نہیں ہوتا بلکہ خلوت کے ساتھ وطی کا ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر خاوند کو خلوت ملی ہو اور وہ اس کے بعد بیوی کو طلاق دے دے اور دخول نہ ہوا ہو تو مقررہ مہر کا نصف واجب ہوگا اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو متعہ واجب ہوگا۔

انشاء اللہ بعد میں آنے والے مقصد کے ذیل میں دلائل ذکر کروں گا۔

۴۔عورت کا زفاف کے بعد خاوند کے گھر میں بغیر وطی کے مقیم رہنا...... مالکیہ کے نزدیک مہر مؤکد ہونے کا یہ بھی ایک سبب ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا پھر اس سے زفاف بھی ہو گئی اور عورت بغیر صحبت کے ایک سال تک خاوند کے گھر میں مقیم رہے، بشرطیکہ عورت بالغ ہو اور دونوں کا صحبت نہ کرنے پر اتفاق ہو۔ کیونکہ ایک سال تک خاوند کے ہاں مقیم رہنا وطی کے قائم مقام ہے شافعیہ کے نزدیک اس سبب سے مہر مؤکد نہیں ہوتا۔

۵۔صحبت سے قبل مرض الموت میں فرار کی طلاق...... اس سبب کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص بیوی کو اپنی میراث میں شامل نہ کرنا چاہتا ہو اور وہ مرض الموت میں مبتلا ہو اس مقصد کے لئے وہ بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دیدے اور پھر مر جائے چنانچہ حنابلہ کے نزدیک اس سبب سے بھی پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں عورت پر عدت واجب ہوتی ہے۔

خلاصہ...... حنفیہ کے نزدیک مہر مؤکد ہونے کے تین اسباب ہیں: صحبت، خلوت صحیحہ اور موت، مالکیہ کے نزدیک بھی تین اسباب ہیں، دخول، موت اور عورت کا زفاف کے بعد خاوند کے گھر میں بغیر وطی کے مقیم رہنا۔ شافعیہ کے نزدیک دو امور سے مہر مؤکد ہوتا ہے وطی اگرچہ حرام ہو اور موت حنابلہ کے نزدیک چار چیزوں سے مہر مؤکد ہوتا ہے دخول، خلوت، موت یا قتل اور صحبت سے قبل مرض

الموت میں طلاق۔

تنصیف مہر......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مہر اگر مقرر ہو اور طلاق دخول سے قبل ہو جائے اور فرقت خاوند کی طرف سے ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خواہ فرقت بصورت طلاق ہو یا فسخ۔ فسخ جیسے ایلاء یا لعان کے سبب فرقت کا ہو جانا، یا خاوند مرتد ہو جائے یا بیوی مسلمان ہو اور خاوند قبول اسلام سے انکار کرے اور دونوں میں فرقت ہو جائے۔

دلیل یہ آیت ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/۲۳۷

اور اگر تم نے عورتوں کو انھیں چھونے (صحبت کرنے) سے پہلے طلاق دے دی حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو انھیں مقررہ مہر کا النصف دینا ہوگا۔

یہ طلاق کی صورت ہے اور فرقت کی بقیہ صورتوں کو طلاق پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ بقیہ صورتیں بھی طلاق کے معنی میں ہیں۔

اگر عقد میں سرے سے مہر ہی مقرر نہ کیا گیا ہو جیسے مفوضہ یا زوجین بدون مہر کے عقد نکاح پر اتفاق کر لیں یا مہر مقرر کرنا صحیح نہ ہو اور فرقت زوجین کی باہمی رضامندی سے ہو یا قاضی کے حکم سے ہو اور فرقت دخول سے قبل ہو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک فرقت خلوت سے پہلے ہو تو عورت کو مہر میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، بلکہ عورت کو متعہ ملے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ......البقرۃ ۲/۲۳۶

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے ان کو چھوا بھی نہ ہو اور نہ کوئی مہر مقرر کیا ہو اور (ایسی صورت میں) ان کو کوئی تحفہ دو۔

فرقت کی باقی صورتیں طلاق پر قیاس کی گئی ہیں مالکیہ کہتے ہیں: اگر نکاح فسخ کر دیا گیا یا بیوی میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے قبل از دخول خاوند نے نکاح رد کر دیا تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر خاوند میں کوئی عیب ہو اور عورت نکاح رد کر دے تو کیا اسے مہر ملے گا یا نہیں؟ سو اس میں اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں دخول اور خلوت سے پہلے بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جانے سے مہر ساقط ہو جاتا ہے اسکی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

قبل از دخول تنصیف مہر کے حوالے سے دو مسائل میں فقہاء کا اختلاف ہے:

(اول)......یہ کہ عقد کے بعد مقررہ مہر کا نصف ہونا۔

(دوم)......یہ کہ عقد کے بعد مہر میں اضافہ کا مسئلہ۔

پہلا مسئلہ......یہ کہ دوران عقد مہر مقرر نہ کیا جائے بلکہ عقد کے بعد باہمی رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے مقرر کر لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں: عقد کے بعد مقرر کیا ہوا مہر نصف نہیں ہوتا کیونکہ تنصیف صرف اسی مہر کے ساتھ خاص ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو اور اسی پر نص قرانی وارد ہوئی ہے بلکہ عورت کے لئے صرف متعہ واجب ہوگا، اگر فرقت دخول اور خلوت سے پہلے واقع ہو تو بھی متعہ واجب ہوگا۔

جمہور کہتے ہیں: عقد کے بعد مقرر کیا گیا مہر بھی نصف ہوگا، چنانچہ اگر دخول سے قبل فرقت ہو اور حنابلہ کے نزدیک خلوت سے قبل فرقت ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔

دوسرا مسئلہ......وہ یہ کہ عقد کے بعد خاوند مہر میں اضافہ کر دے۔

حنفیہ کہتے ہیں: یہ اضافہ ساقط ہو جائے گا جبکہ دخول اور خلوت سے پہلے نصف نہیں ہوگا۔

جمہور کہتے ہیں: خاوند کے ذمہ سے یہ اضافہ ساقط نہیں ہوگا جبکہ مقرر مہر کی طرح نصف ہوگا۔

حاصل یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک صرف وہی مہر نصف ہوتا ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو اور جو مہر عقد کے بعد مقرر کیا گیا ہو وہ نصف نہیں ہوتا، جمہور اس کے برخلاف ہیں چنانچہ جمہور کے نزدیک مطلقا مقرر کیا ہوا مہر نصف ہو جاتا ہے (یعنی اس صورت میں جبکہ طلاق فرقت دخول وخلوت سے قبل ہو)

منشائے اختلاف: اصل اختلاف اس آیت کی تفسیر میں ہے:

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۷

حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں مہر مفروض (مقرر) سے مراد وہی مہر ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو چونکہ عرف میں اسی مہر کو مفروض (مقرر) کہا جاتا ہے جو دوران عقد مقرر کیا گیا ہو۔ جبکہ جمہور کے نزدیک مطلقا مفروض مراد ہے خواہ دوران عقد مقرر مہر ہو یا عقد کے بعد۔

کل مہر کا ساقط ہو جانا......حنفیہ کے نزدیک پورا مہر ساقط ہونے کے چار اسباب ہیں۔ ❶

ا......صحبت اور خلوت سے پہلے بغیر طلاق کے فرقت کا واقع ہو جانا ہر ایسی فرقت جو دخول اور خلوت سے قبل طلاق کے بغیر ہو جائے تو اس سے پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔ برابر ہے کہ فرقت عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے اس کی صورتیں یہ ہیں۔ مثلاً عورت مرتدہ ہو جائے یا اس کا خاوند اسلام قبول کر لے اور وہ اسلام سے انکار کرتی ہو یا خاوند میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے عورت فسخ نکاح کر دے چنانچہ ان صورتوں میں اگر نکاح دخول سے قبل فسخ ہو جائے تو پورا مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ فرقت جو بغیر طلاق کے ہو اس سے عقد فسخ ہو جاتا ہے اور دخول سے قبل فسخ عقد سے پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

مالکیہ: کہتے ہیں ❷ اگر خاوند نے نکاح فسخ کر دیا یا بیوی میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے قبل از دخول نکاح رد کر دیا تو عورت کے لئے کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اس نکتہ پر مالکیہ حنفیہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ نے تفصیل کی ہے ❸ چنانچہ عورت کے کسی سبب کی وجہ سے فرقت ہو یا کسی اور کے بسبب فرقت ہو ان دونوں صوتوں میں حنابلہ اور شافعیہ نے تفصیل کی ہے چنانچہ کہتے ہیں: وہ فرقت جو قبل از دخول عورت کی طرف سے ہو تو اس سے مقرر مہر مفروض مہر اور مہر مثل ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً عورت نے اسلام قبول کر لیا یا بیوی میں کوئی عیب ہونے کی وجہ سے خاوند نکاح فسخ کر دے۔

رہی وہ فرقت جو کسی اور کے بسبب ہو جیسے طلاق اور خلع کی وجہ سے فرقت مثلاً عورت کو طلاق کا اختیار سونپ دیا گیا ہو اور وہ اپنے آپ کو طلاق دے دے یا خاوند نے عورت کے کسی فعل پر طلاق معلق کر دی ہو اور عورت اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھے یا خاوند اسلام قبول کر لے یا مرتد ہو جائے یا لعان کر بیٹھے تو ان صورتوں میں مہر ساقط نہیں ہوگا بلکہ عورت کو نصف مہر ملے گا طلاق کی صورت تو اس آیت سے ثابت ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ......البقرۃ: ۲/ ۲۳۷

بقیہ صورتوں کو طلاق پر قیاس کیا گیا ہے۔

۲......صحبت سے پہلے یا صحبت کے بعد مہر پر خلع کر لیا جائے تو بھی مہر ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ اگر عورت نے مہر پر قبضہ نہ کیا ہو تو خاوند کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر عورت نے قبضہ کر لیا ہو تو عورت مہر خاوند کو واپس کرے گی اور اگر خاوند نے مہر کے علاوہ الگ مال پر خلع کیا ہو تو عورت پر لازم ہوگا کہ وہ مال سپرد کرے جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد ہر طرح کی ذمہ داری مہر، نفقہ وغیرہ سے بری ہو جائے گا۔

۳......دخول سے قبل یا بعد کل مہر سے بری الذمہ کر دینا، چنانچہ اگر عورت تبرع کی اہلیت رکھتی ہو اور مہر ذمہ میں بطور دین واجب ہو اور خاوند کو بری الذمہ کر دے تو مہر ساقط ہو جائے گا، ذمہ میں دین واجب ہونے سے مراد نقود مکیلات اور موزونات ہیں، کیونکہ ابراء اسقاط ہوتا

❶......البدائع ۲/ ۲۹۵ ❷القوانین الفقهیة ۲۰۳ الشرح الصغیر ۲/ ۲۳۷۔ ❸مغنی المحتاج ۳/ ۲۳۴ کشاف القناع ۵/ ۱۶۵۔

ہے اور ایسے شخص کی طرف سے ابراء جو ابراء کے اہل ہو تو ابراء موجب سقوط ہوتا ہے۔

۴.....عورت اپنے خاوند کو کل مہر ہبہ کردے تو بھی اس سے مہر ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ عورت تبرع کی اہلیت رکھتی ہو اور خاوند بھی مجلس میں ہبہ قبول کرلے برابر ہے کہ ہبہ قبضہ سے پہلے ہو یا بعد۔

ہبہ اور ابراء میں فرق ہے وہ یوں کہ ہبہ دین اور عین دونوں پر وارد ہوتا ہے جبکہ ابراء صرف ذمہ میں ثابت شدہ دین پر ہوتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی ہبہ سے مہر ساقط ہو جاتا ہے البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے خاوند کو پورا مہر ہبہ کردے اس کے بعد خاوند اسے طلاق دے تو عورت سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا اگر خاوند دخول کا ارادہ کرے تو عورت کو اقل مہر یعنی چوتھائی دینار ملے گا اگر دخول کے بعد عورت مہر ہبہ کرے تو پھر خاوند پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں: اگر مہر کوئی متعین چیز ہو جیسے گھوڑا پھر عورت اپنے خاوند کو ہبہ کردے اور اس کے بعد خاوند صحبت سے قبل بیوی کو طلاق دے دے تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے بغیر طلاق کے عود کیا ہے لہٰذا طلاق سے اسکا حکم نصف سے کم ساقط نہیں ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے عورت کسی اجنبی کو ہبہ کردے پھر اجنبی خاوند کو ہبہ کردے۔ ❷

حنابلہ کہتے ہیں: اگر دخول سے پہلے عورت اپنے خاوند کو مہر سے بری الذمہ کردے پھر خاوند دخول سے قبل اسے طلاق دیدے تو خاوند نصف مہر واپس لے سکتا ہے کیونکہ طلاق سے نصف مہر واپس ہو جاتا ہے۔

اگر عورت نے نصف مہر سے خاوند کو بری الذمہ کردیا یا نصف مہر خاوند کو ہبہ کردیا پھر خاوند نے صحبت سے پہلے اسے طلاق دے دی تو خاوند بقیہ نصف مہر واپس لے سکتا ہے۔

نصف مہر کا سقوط.....حنفیہ کہتے ہیں:

جن اسباب سے نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ❸

پہلی قسم.....نکاح میں مہر مقرر ہو اور طلاق دخول سے قبل ہو جائے، جبکہ مہر ذمہ میں دین واجب ہو جس پر قبضہ نہ کیا ہو تو نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ ہے:

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ.....البقرۃ ۲/۲۳۷

تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف ہوگا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مقرر مہر کا نصف واجب کیا ہے۔

دوسری قسم.....وہ سبب جس سے معنوی طور پر نصف مہر ساقط ہوتا ہو اور صورۃ پورا مہر ساقط ہوتا ہو یہ ہر ایسی طلاق ہے جس میں متعہ واجب ہوتا ہو اور یہ ہر ایسی فرقت ہے جو خاوند کی طرف سے ہو دخول سے قبل ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہو، تفصیل عنقریب متعہ کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

دہم: مہر کا ضمان، مہر ضائع ہونے کا حکم استحقاق، مہر میں عیب کا آجانا اور مہر میں اضافہ:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے قبضہ میں مہر ہوگا مہر ہلاک (ضائع) ہونے پر اسی پر تاوان ہوگا چنانچہ عورت نے اگر قبضہ نہ کیا ہو کہ مہر خاوند کے پاس ہلاک (ضائع) ہو جائے تو خاوند پر ہی اس کا ضمان آئے گا۔ اگر عورت نے قبضہ کرلیا ہو اور پھر مہر ہلاک (ضائع) ہو جائے یا عورت کے فعل سے ضائع ہو تو عورت ہی اس کی ضامن ہوگی۔

❶.....القوانین الفقہیۃ ۲۰۳ ❷المھذب ۲/۵۹ ❸البدائع ۲/۲۹۶۔

اگر مہر آسمانی آفت سے ضائع یا ہلاک ہو جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزیک خاوند پر اسکی مثل یا قیمت واجب ہوگی۔

اور اگر مہر خاوند کے قبضہ میں ہو لیکن عورت کے فعل سے ہلاک ہو یا عورت نے قبضہ کر لیا تھا کہ آسمانی آفت سے مہر ہلاک ہو گیا تو گویا عورت اپنا حق وصول کر چکی اور پھر ضائع ہوا۔

اگر اجنبی کے فعل سے مہر ہلاک ہو تو عورت کو اختیار ہے خواہ خاوند کو ضامن بنائے یا اجنبی کو اگر خاوند تاوان بھرے تو پھر وہ اجنبی سے تاوان وصول کر سکتا ہے۔

اگر مہر میں کسی دوسرے شخص کا استحقاق نکل آیا گویا معلوم ہو کہ مہر خاوند کی ملکیت نہیں تھا تو اگر مہر مثلی ہو تو عورت خاوند سے مثلی چیز لے اور اگر قیمی ہو تو قیمی چیز لے۔

اگر عورت کو اطلاع ہو کہ مہر میں قدیم عیب ہے تو بھی مثلی اور قیمی ہونے کے اعتبار سے خاوند پر رجوع کرے۔ البتہ عقد نکاح کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کے بیان کردہ چند مسائل: [1]

حنفیہ کہتے ہیں: اگر عورت مہر پر قبضہ کر لے پھر اگر دراہم یا دنانیر متعین ہوں یا غیر متعین ہوں یا مہر مکیلی ہو یا موزونی ہو جو ذمہ میں واجب ہو پھر خاوند عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دے تو عورت کے ذمہ واجب ہے کہ قبضہ کیے ہوئے مہر کا نصف واپس کرے جس متعین چیز پر قبضہ کیا ہے۔ اسے واپس کرنا عورت پر لازم نہیں کیونکہ متعین قبضہ کیا ہوا مہر عقد سے واجب نہیں ہوتا لہٰذا فسخ سے واجب نہیں ہوتا۔ اگر مہر میں عیب یا کوئی نقص پیدا ہو جائے۔

(ا)..... اگر عیب یا نقص قبضہ سے پہلے کسی اجنبی کے فعل سے پیدا ہو تو عورت کو اختیار حاصل ہوگا چنانچہ عورت چاہے تو یہی نقص والی چیز لے اور نقص پیدا کرنے والے سے تاوان بھی وصول کرے، اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے اور خاوند سے عقد کے دن کی قیمت وصول کرے اور پھر خاوند اجنبی سے نقصان کا ضمان لے۔

(ب)..... اور اگر نقصان کسی آسمانی آفت سے ہو تو بھی عورت کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو یہی ناقص چیز لے تاہم اس کے علاوہ عورت کو کچھ اور نہیں ملے گا، اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے اور عقد کے دن کی قیمت وصول کرے۔ کیونکہ مہر کا ضمان خاوند پر آتا ہے جو عقد سے لاگو ہوتا ہے، جبکہ عقد سے اوصاف کا ضمان نہیں دیا جاتا کیونکہ عقد اوصاف پر وارد نہیں ہوتا لہٰذا عورت کے حق میں اوصاف کا ضمان نہیں ہوگا۔

ہاں البتہ مہر کی حالت تبدیل ہو جانے سے عورت کو خیار حاصل ہوگا۔

(ج)..... اگر مہر میں نقص خاوند کے فعل سے پیدا ہوا ہو تو ظاہر الروایۃ کے مطابق عورت اگر چاہے تو یہی ناقص مہر لے اور اس کے ساتھ نقصان کا تاوان بھی وصول کرے اگر چاہے تو عقد کے دن کی قیمت لے۔

(د)..... اگر مہر میں نقص عورت کے فعل سے پیدا ہو تو گویا اس زیادتی کی وجہ سے عورت مہر پر قابض سمجھی جائے گی، گویا نقصان عورت کے پاس پیدا ہوا جیسے کوئی خریدار مبیع پر جنایت (زیادتی) کر دے اور مبیع بائع کے قبضے میں ہو۔

یہ ساری تفصیل تب ہے جب نقصان فاحش قسم کا ہو اور اگر معمولی نقصان ہو تو اس صورت میں عورت کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے بیان کردہ چند مسائل..... اگر مہر تلف کر دیا اور مہر ایسی چیز تھی جسے مخفی رکھنا ممکن ہوتا ہم مہر کے ہلاک ہونے پر گواہ قائم نہ ہوں تو وہی شخص مہر کا ضامن ہوگا جس کے قبضہ میں ہو اگر طلاق دخول سے قبل ہو جائے تو نصف مہر دینا ہوگا۔

---

[1]..... البدائع ۲/۲۹۸

اگر مہر کے ضائع ہونے پر گواہ قائم نہ ہوں اور مہر ایسی چیز ہو جسے مخفی رکھنا ممکن نہ ہو جیسے مثلاً مہر باغ ہو یا کھیتی ہو یا کوئی جانور ہو اور خاوند نے دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو تو میاں بیوی میں سے کوئی بھی دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا، جس کے قبضہ میں مہر ہو وہ تہمت سے بچنے کے لئے حلف اٹھائے گا۔

اسی طرح اگر عقد کے بعد مہر ضائع ہو جائے جیسے مثلاً جانور تھا جو مر گیا یا گھر تھا جو جل گیا یا کوئی اور چیز تھی جو چوری ہوگئی پھر گواہوں سے بھی مہر کا ضائع ہونا ثابت ہو جائے یا اقرار سے ثابت ہو، برابر ہے کہ وہ چیز مخفی رکھی جاسکتی ہو یا نہ رکھی جاسکتی ہو۔ برابر ہے کہ مہر خاوند کے قبضہ میں ہو یا بیوی کے قبضہ میں یا کسی اور کے قبضہ میں، تو میاں بیوی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کریں گے۔

اگر مہر کوئی ایسی چیز تھی جس میں استحقاق ثابت ہوا اور مہر بیوی کے قبضہ میں ہو تو اگر وہ چیز مثلی ہو تو اسکی مثل عورت لے اور اگر قیمی ہو تو عقد کے دن کی قیمت لے۔

اگر عورت کو اطلاع ہو کہ مہر میں کوئی قدیم عیب ہے تو اسے خیار حاصل ہوگا چاہے تو وہی چیز اپنے پاس رکھے یا واپس کردے اور اس کی بجائے اس کی مثل لے یا اسکی قیمت لے۔ ❶

ضمان مہر کے متعلق شافعیہ کی تفصیل: ❷......اگر مہر متعین چیز ہو جیسے متعین گھر، متعین کپڑا یا متعین جانور قبضہ سے پہلے خاوند کے ہاتھ میں تلف ہو جائے تو خاوند پر ضمان عقد ہوگا ضمان قبضہ نہیں ہوگا کیونکہ مہر عقد معاوضہ سے ملکیت بن جاتا ہے، لہٰذا یہ مبیع کے مشابہ ہوا جو کسی بائع کے ہاتھ میں ہو۔ ضمان عقد اور ضمان قبضہ میں یہ فرق ہے کہ ضمان عقد کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور ضمان قبضہ کی صورت میں بدل شرعی یعنی مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے۔ چنانچہ پہلی صورت میں مبیع کی طرح عورت قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کرسکتی اور دوسری صورت میں فروخت کرسکتی ہے۔

اسی لئے اگر مہر معین چیز ہو جو خاوند کے قبضہ میں ہو اور وہ آسمانی آفت سے ہلاک ہو جائے تو پہلی صورت کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ عقد مہر فسخ ہو چکا جبکہ دوسری صورت کے مطابق فسخ نہیں ہوگا۔

اگر عورت نے مہر تلف کردیا تو عورت مہر پر قابض شمار ہوگی بشرطیکہ عورت قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو کیونکہ عورت نے اپنا ہی حق تلف کیا ہے، اور اگر عورت سمجھدار نہ ہو تو اسے قابض تصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ناسمجھ عورت کا قبضہ غیر معتبر ہوتا ہے۔

اور اگر اجنبی مہر کو ضائع کردے تو عورت کو فسخ مہر اور ابقائے مہر میں اختیار حاصل ہوگا، اگر عورت مہر فسخ کردے تو عورت خاوند سے مہر مثل وصول کرے اور اگر مہر فسخ نہ کرے تو تلف کنندہ سے ضمان لے یا تو مثل لے یا قیمت لے اگر خاوند تلف کرلے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آسمانی آفت سے تلف ہوا اور اس سے مہر مثل واجب ہوگا۔

اگر متعین مہر آسمانی آفت سے عیب دار ہو جائے جیسے مثلاً جانور تھا جو اندھا ہوگیا یا اسکی ٹانگ کٹ گئی چنانچہ عورت کو فسخ مہر اور ابقائے مہر میں اختیار حاصل ہوگا۔

اگر عورت نے مہر پر قبضہ کرلیا اور مہر میں کوئی عیب آجائے یا مہر میں استحقاق ثابت ہوا تو جدید مذہب کے مطابق عورت خاوند پر رجوع کرے۔

اگر تعلیم قرآن مہر ٹھہرے اور عورت کسی اور سے قرآن پڑھ لے یا حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے پڑھ نہ سکے تو یہ مہر متعین کی مانند ہوگا جب وہ تلف ہو جائے چنانچہ جدید قول کے مطابق عورت مہر مثل پر رجوع کرے گی۔

---

❶......الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/۲۹۵ الشرح الصغیر ۲/۴۵۷ القوانین الفقہیۃ ۲۰۳ ❷مغنی المحتاج ۳/۲۲۱ المھذب ۲/۵۷۔

فوت شدہ منافع جات کا خاوند پر ضمان نہیں ہوگا......اور اگر عورت خاوند سے مہر کی سپردگی کا مطالبہ کرے اور خاوند آگے سے انکار کرتا ہو تو اس پر ضمان عقد ہوگا۔

اگر مرد طلاق دے دے جبکہ مہر قبضہ کے بعد تلف ہو جائے تو عورت پر اسکا بدل واپس کرنا واجب ہے یا تو اسکی مثل واپس کرے یا اسکی قیمت واپس کرے۔

اگر عورت کے پاس مہر میں عیب پیدا ہو جائے خاوند اگر اسی عیب دار مہر پر قناعت کر لے تو خاوند کے لیے تاوان نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے بائع کے پاس مبیع میں عیب پیدا ہو جائے۔ اور اگر خاوند اسی عیب دار چیز پر قناعت نہ کرے جبکہ وہ چیز قیمی ہو تو عورت کے ذمہ نصف قیمت واجب ہوگی، اور اگر مثلی ہو تو اس کا نصف واجب ہوگا۔ کیونکہ عیب دار چیز سے راضی رہنا لازمی نہیں چنانچہ بدل کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اگر آسمانی آفت سے مہر عیب دار ہو جائے اور عورت اسی پر قناعت کرے تو خاوند کو یہی ناقص ملے گا اس کے لئے تاوان نہیں ہوگا اور نہ ہی خیار ہوگا۔ اور اگر مہر کی چیز کسی اجنبی کے فعل سے عیب دار ہو تو عورت جنایت کی ضامن ہوگی اور وہ اجنبی سے تاوان لے زیادہ صحیح یہ ہے کہ خاوند کے لئے نصف تاوان اور نصف مہر ہوگا۔

حنابلہ: کہتے ہیں ❶ اگر عورت نے مہر لے لیا اور اس میں کوئی عیب پایا تو عورت زفاف سے انکار کر سکتی ہے تا وقتیکہ متبادل لے لے، یا خاوند اسکا تاوان دے چونکہ عورت کا مہر صحیح ہوتا ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو۔

اگر عورت نے اپنا نفس خاوند کو سپرد کر دیا پھر پتہ چلا کہ مہر میں کوئی عیب ہے تو بھی عورت صحبت سے انکار کرنے کا حق رکھتی ہے تا وقتیکہ مہر کا بدل یا اس کا تاوان وصول کر لے۔

اور اگر مہر مکیلی یا موزونی چیز ہو جو خاوند کے قبضہ میں ہو اور اس میں نقص آ جائے یا مہر غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز ہو تو عورت تا وصولی صحبت سے انکار کر سکتی ہے اور نقص کا تاوان خاوند کے ذمہ واجب ہوگا کیونکہ یہ خاوند کے ضمان میں سے ہے۔

مہر سے پیدا ہو جانے والا اضافہ......فقہاء کے ہاں اس میں تفصیل ہے:

حنفیہ کے ہاں اس میں قدرے تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے۔ ❷

۱......اگر اضافہ اصل مہر سے پیدا شدہ ہو جیسے مہر میں جانور (بھینس) تھا اس سے بچہ پیدا ہوا اون، پھل، اناج، یا وہ اضافہ پیدا شدہ کے حکم میں ہو جیسے تاوان تو یہ اضافہ بھی مہر ہی ہے برابر ہے کہ اضافہ اصل مہر کے ساتھ متصل ہو جیسے فربہی، بڑا ہونا، خوبصورتی، یا منفصل ہو جیسے بچہ وغیرہ۔

اگر خاوند نے قبل از دخول عورت کو طلاق دیدی تو اصل مہر بمعہ اضافہ کے نصف ہوگا کیونکہ اضافہ اصل کے تابع ہوتا ہے کیونکہ اضافہ اصل سے پیدا ہوا ہے۔

۲......اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو پھر اگر اضافہ اصل مہر کے ساتھ متصل ہو جیسے کپڑے پر کیا ہوا رنگ اور زمین میں بنایا ہوا گھر بلاشبہ اسکی تنصیف ممنوع ہوگی عورت پر اصل کی قیمت واجب ہوگی، کیونکہ یہ اضافہ مہر نہیں ہے کیونکہ اصل سے پیدا نہیں ہوا لہٰذا مہر بھی نہیں ہوگا جبکہ اضافہ کے بغیر اصل مہر نصف نہیں کیا جا سکتا۔

اور اگر اضافہ اصل مہر سے جدا اور منفصل ہو جیسے مثلاً ہبہ، کسب وکمائی تو یہ اضافہ مہر نہیں ہوگا یہ سارا اضافہ عورت کا حق ہوگا یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لہٰذا یہ نصف نہیں ہوگا ہاں البتہ اصل مہر نصف ہوگا ❸ کیونکہ یہ اضافہ مہر نہیں بلکہ یہ تو عورت کا ذاتی مال ہے لہٰذا یہ عورت

---

❶......البدائع ۲/۲۹۹۔ ❷البدائع ۲/۲۹۹ ❸یعنی اگر عورت کو قبل از دخول طلاق ہو جائے تو اصل مہر نصف ہوگا اگر عورت نے مہر پر قبضہ کر لیا ہو تو مہر کا نصف واپس کرنا واجب ہوگا۔ اور جو کمائی یا اضافہ ہوگا وہ عورت کا حق ہے۔

کے دوسرے مال کے مشابہ ہے۔

صاحبین کے نزدیک یہ بھی مہر ہے لہٰذا اصل مہر کے ساتھ نصف ہوگا، جیسے اصل مہر سے پیدا شدہ اضافہ مثلاً فربہی اور بچہ۔

یہ تفصیل تب ہے جب مہر خاوند کے پاس ہو اور مہر میں اضافہ ہو جائے۔ البتہ مہر اگر عورت کے قبضہ میں ہو اور ابھی فرقت نہ ہوئی ہو تو دیکھا جائے گا: اضافہ اگر متصل ہو جو اصل سے پیدا شدہ ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی تنصیف ممنوع ہوگی عورت کے ذمہ اسکی قیمت واجب ہوگی اور قیمت کا اعتبار عقد نکاح کے دن کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اضافہ عقد کے دن موجود نہیں تھا اور نہ ہی قبضہ کے وقت موجود تھا لہٰذا اس اضافے کو مہر کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ جبکہ طلاق کے ذریعہ عقد کا فسخ ممکن نہیں کیونکہ فسخ تو اسی پر واقع ہوتا ہے جس پر عقد وارد ہوا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تنصیف ممنوع نہیں۔ چنانچہ اصل مع اضافہ کے نصف کیا جائے گا کیونکہ ظاہر آیت:

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ......البقرۃ ۲/۲۳۷

تنصیف کی مقتضی ہے اس سے مفروض کی قیمت مراد نہیں جو نصف کر دی جائے۔

اور اگر اضافہ منفصل ہو جو اصل سے پیدا شدہ ہو تو بالا تفاق تنصیف ممنوع ہوگی اور عورت پر اصل مہر کی قیمت خاوند کو واپس کرنا واجب ہے۔

اور اگر اضافہ منفصل ہو جو اصل مہر سے پیدا شدہ نہ ہو تو وہ عورت کا مخصوص حق ہوگا اور اصل زوجین کے درمیان بالا تفاق نصف نصف ہوگا۔

اور اگر اضافہ قبضہ سے پہلے اور طلاق کے بعد پیدا ہو تو اصل اور اضافہ نصف نصف کیا جائے گا۔

اور اگر قبضہ کے بعد اور خاوند کو نصف مہر واپس دینے کے فیصلہ کے بعد اضافہ پیدا ہو تو مذکورہ بالا صورت کی طرح اضافہ دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا، اور اگر فیصلہ سے قبل اضافہ ظاہر ہو جبکہ مہر عورت کے قبضہ میں ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے عقد فاسد میں قبضہ کیا ہوا مہر۔ اضافہ عورت کا حق ہوگا کیونکہ اس کی ملکیت عورت کو حاصل ہوتی ہے جبکہ نصف میں طلاق سے اسکی ملکیت فسخ ہو چکی۔

مالکیہ کہتے ہیں ❶ دخول سے قبل مہر میں پیدا ہونے والے اضافہ یا نقصان کا حکم یہ ہے کہ اضافہ زوجین کا حق ہے اور نقصان بھی دونوں پر ہوگا گویا زوجین اضافہ اور نقصان میں دونوں شریک ہوں گے، اسکا معنی یہ ہوا کہ دخول کے بعد اضافہ عورت کا حق ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں ❷ منفصل اضافہ جو مہر دے دینے کے بعد پیدا ہوا جیسے پھل بچہ، اجرت تو وہ عورت کا حق ہے کیونکہ یہ اضافہ عورت کی ملک میں پیدا ہوا ہے۔

متصل اضافہ جیسے فربہی وغیرہ کی صورت میں عورت کو خیار حاصل ہوگا۔

سو اگر عورت سماحت نہ کرے تو اس کے ذمہ مہر کی نصف قیمت واجب ہوگی، اس کی صورت یہ ہوگی کہ بدون اضافہ کے اصل مہر کی قیمت لگائی جائے گی اور جو قیمت قرار پائے گی اسکا نصف خاوند کو دیا جائے گا اگر عورت بمعہ اضافہ خاوند کو دینے پر راضی ہو جائے تو خاوند کو قبول کرنا لازمی ہوگا۔ خاوند نصف کا مطالبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ اضافہ کے ساتھ ہوتے ہوئے خاوند کے حق کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔

اگر مہر میں اضافہ ہو جائے اور ساتھ نقص بھی پیدا ہو جائے مثلاً جانور تھا جو بوڑھا ہو گیا اور اسکا فائدہ بھی نہ رہا سو اگر زوجین نصف واپس کرنے پر راضی ہوں تو ایسا ہی ہوگا ورنہ اضافہ اور نقص سے خالی چیز کی نصف قیمت واپس کی جائیگی کیونکہ اسی میں عدل ہے اور عورت کو نصف چیز واپس کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح خاوند کو بھی مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ چیز میں نقص ہے۔

---

❶ ...... القوانین الفقہیۃ ۲۰۳ ❷ مغنی المحتاج: ۳/۲۳۶۔

حنابلہ کا موقف...... یہ ہے کہ محض عقد سے مہر عورت کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے [1] سو اگر مہر میں اضافہ ہو جائے تو اضافہ عورت کا حق ہے اور اگر نقص پیدا ہو جائے تو اس کا تاوان بھی عورت پر پڑے گا۔ چنانچہ اگر مہر میں بکریاں رکھ دی ہوں جن سے بچے پیدا ہوئے ہوں چنانچہ یہ بچے منفصل (اصل مہر سے جدا) اضافہ تصور ہوگا جو عورت کا حق ہوگا کیونکہ بچے نماء ہیں جو عورت کی ملک ہیں اگر دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو اصل بکریوں میں سے آدھی بکریاں خاوند واپس لے بشرطیکہ بکریوں میں کمی نہ ہوئی ہو اور نہ ہی متصل اضافہ ہوا ہو چونکہ مہر مفروض کا نصف ہوگا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ...... البقرة ۲/۲۳۷

اگر تم عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقرر کئے گئے مہر کا نصف واجب ہوگا۔

اگر بچے جنم دینے کی وجہ سے بکریوں میں کمی آجائے یا کسی اور بیماری کی وجہ سے کمی آجائے تو مرد کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو انہی بکریوں میں سے نصف لے لے چاہے تو نصف قیمت لے قیمت کا اعتبار اس وقت کا ہوگا جب اس نے عوت کو مہر دیا ہو کیونکہ نقص کا ضمان عورت پر ہوتا ہے حنابلہ کا یہ موقف شافعیہ کے موافق ہے۔

اگر مہر میں جانور رکھا ہو جو گابھن نہ ہو، اس کے بعد گابھن ہو جائے تو یہ حمل متصل اضافہ ہوگا اگر عورت اس اضافہ سمیت خاوند کو واپس کرے تو اسکا قبول کرنا خاوند پر لازمی ہوگا اور حمل نقص نہیں ہوتا، چنانچہ مبیع کی صورت میں بھی حمل کی وجہ سے مبیع رد نہیں کی جاتی۔ اگر اس کی تنصیف پر میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو جائز ہے۔

اگر خاوند نے مہر میں زمین دی ہو جس میں عورت نے عمارت بنادی ہو یا کپڑا دیا ہو جس میں عورت نے رنگ چڑھا دیا ہو پھر خاوند اسے دخول سے پہلے طلاق دیدے تو دیکھا جائے گا کہ مہر دیتے وقت اس مہر کی قیمت کیا تھی چنانچہ خاوند نصف قیمت واپس لے یا چاہے تو عمارت کی نصف قیمت عورت کو دے گویا مرد کو نصف مہر واپس ملے گا یا عورت چاہے تو اضافہ خاوند کو دے دے اور خاوند کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔

اگر مرد نے مہر میں درخت دیئے ہوں جن پر پھل نہ آتا ہو پھر وہ ابھی خاوند کے قبضہ میں تھے کہ ان پر پھل آگیا تو پھل عورت کا حق ہوگا کیونکہ پھل عورت کی ملکیت کی نماء ہے جو اسکا حق ہے۔

یازدہم: مہر میں اختلاف پڑ جانا...... مہر میں اختلاف پڑ جانے کی تین صورتیں ہیں مہر کے مقرر کرنے (یعنی تسمیہ) میں اختلاف، مہر کی مقدار یا جنس یا نوع یا صفت میں اختلاف، مہر پر قبضہ کرنے کے بارے میں اختلاف۔ [2]

پہلی صورت: مہر مقرر کرنے یا نہ مقرر کرنے میں اختلاف ہو...... اس جھگڑے کو سنوارنے کے متعلق فقہاء کی آراء مختلف ہیں بایں طور کہ زوجین میں سے کوئی ایک یا وارثوں میں سے کوئی ایک مہر مقرر کا دعویٰ کرتا ہو جبکہ دوسرا انکار کرتا ہو مثلاً پہلا کہتا ہو کہ مہر مقرر ہے دوسرا کہتا ہو مہر مقرر نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: اگر اختلاف کے وقت زوجین زندہ ہوں تو جو تعیین مہر کا انکار کرتا ہو اسے حلف دیا جائے گا کیونکہ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہوتے ہیں اور جو منکر ہو اس کے ذمہ قسم اٹھانا ہے اگر منکر قسم اٹھانے سے انکار کردے تو تعیین مہر ثابت ہو جائیگی، اگر منکر نے قسم اٹھالی تو ائمہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر یہی اختلاف طلاق کے بعد اور دخول سے پہلے ہو تو بالاتفاق متعہ واجب ہوگا۔

---

[1] ...... المغنی ۶/۷۴۶۔ [2] البدائع ۲/۳۰۴ فتح القدیر ۲/۴۷۵ الدر المختار ۲/۴۹۶ الشرح الصغیر ۲/۴۹۱ القوانین الفقهية ۲۰۴ بداية المجتهد ۲/۲۹ المهذب ۲/۶۱ مغنی المحتاج: ۳/۲۴۲ کشاف القناع ۵/۱۷۱ المغنی ۶/۷۰۷۔

اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے اور اس کے بعد تسمیہ مہر میں اختلاف ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے دونوں کے زندہ رہنے کی صورت میں اختلاف ہوا تفصیل اوپر ذکر ہو چکی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر مدعی نے گواہ قائم کر دیئے تو اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور اگر مدعی نے گواہ نہ پیش کئے تو دیکھا جائے گا کہ عرف اور رواج جسکا شاہد ہو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اگر مرد دعویٰ کرتا ہو کہ اس نے نکاح تفویض کیا ہے اور عورت مہر مقرر ہونے کا دعویٰ کرتی ہو تو قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہو گا اگر چہ یہ اختلاف دخول کے بعد ہو یا موت کے بعد ہو یا طلاق کے بعد ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر مہر کے متعین ہونے یا نہ ہونے میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے یا دونوں کے وارثوں میں اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہو گا کیونکہ خاوند کا دعویٰ اصل کے موافق ہے، دخول اور موت کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اگر خاوند نے دخول سے قبل طلاق دیدی تو عورت کو متعہ ملے گا کیونکہ مہر مقرر نہ ہونے کے متعلق عورت کا قول معتبر ہوتا ہے اور وہ مفوضہ ہے۔

شافعیہ: اگر عورت مہر کے مقرر ہونے کا دعویٰ کرتی ہو اور خاوند انکار کرتا ہو اور کہتا ہو: تسمیہ کا وقوع ہی نہیں ہوا جبکہ خاوند نکاح تفویض کا دعویٰ نہ کرتا ہو تو اصح قول کے مطابق دونوں قسم اٹھائیں گی کیونکہ اختلاف کا ماحاصل مہر کی مقدار ہے کیونکہ خاوند مہر مثل کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ عورت مہر مثل سے زائد مہر کا مطالبہ کرتی ہے دونوں کی قسموں سے ہر دوسرے کا دعویٰ منتفی ہو جائے گا اور نتیجہ عقد تسمیہ کے بغیر رہ جائے گا اور اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

دوسری صورت: مقررہ مہر کی مقدار میں اختلاف کا ہو جانا......اگر مقررہ مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف ہو جائے خاوند کہتا ہو کہ مہر ایک ہزار روپے مقرر کیا گیا تھا بیوی کہتی ہو کہ مقرر مہر دو ہزار روپے ہے یہ اختلاف نکاح قائم ہونے کی حالت میں ہوا ہو۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس شخص کا قول معتبر ہو گا مہر مثل جسکا شاہد ہو اور ساتھ ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی البتہ زوجین میں سے جس نے بھی گواہ قائم کر دیئے قبول کئے جائیں گے۔

اگر میاں بیوی دونوں نے گواہ پیش کر دئے تو عورت کے گواہ مقدم ہوں گے بشرطیکہ مہر مثل مرد کا شاہد ہو کیونکہ عورت مہر مثل سے زائد کا ثبوت پیش کرتی ہے اور اگر مہر مثل عورت کا شاہد ہو تو مرد کے گواہ مقدم ہوں گے۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ درحقیقت گواہ خلاف ظاہر کا اثبات کرتے ہیں، اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اگر دونوں نے قسم اٹھالی تو مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد مہر مثل کو فیصل مانتے نہیں اور اگر مہر کی جنس یا نوع یا صفت میں اختلاف ہو تو مہر مثل کے بقدر اسکی قیمت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف: رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عورت مدعیہ تصور کی جائیگی کیونکہ عورت خاوند پر زائد مہر کا دعویٰ کرتی ہے جبکہ خاوند اس زائد مقدار کا منکر ہوتا ہے یہاں بھی فقہی قاعدے کے مطابق ہو گا کہ گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور قسم منکر پر ہوتی ہے چنانچہ عورت سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اگر اس نے گواہ پیش کر دیے تو اس کے نقطہ نظر کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں اور وہ خاوند کو قسم دینے کا مطالبہ کر رہی ہو تو خاوند کو قسم دی جائے گی، اگر خاوند قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا جائیگا اور اگر خاوند نے قسم اٹھالی تو وہ جس مقدار کا تذکرہ کر رہا ہو اسی کا فیصلہ کیا جائے گا، الا یہ کہ اگر خاوند مہر کی اتنی قلیل مقدار بیان کرتا ہو جو کسی عرف و رواج ہی میں نہ آتی ہو تو اس صورت میں مہر مثل پر فیصلہ کیا جائے گا۔

حاصل یہ رہا کہ امام ابو یوسف مہر مثل کو فیصل نہیں مانتے بلکہ قسم کے ساتھ خاوند کے قول کا اعتبار کرتے ہیں یہی رائے مصر میں بطور قانون نافذ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اگر مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف ہو جائے پھر اگر یہ اختلاف دخول سے قبل ہو تو میاں بیوی دونوں قسم اٹھائیں گے اور یوں مہر فسخ کریں گے عورت پہلے قسم اٹھائے اور جسکا مؤقف شہر کے عرف ورواج کے موافق ہو اس کے قول پر فیصلہ کیا جائیگا زوجین میں سے جس نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اس کے خلاف فیصلہ کیا جائیگا البتہ اس اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور اگر دخول کے بعد اختلاف ہو تو قسم کے ساتھ خاوند کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر مہر کی مقدار میں یا صفت میں یا مدت میں زوجین کا اختلاف ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے پھر مہر فسخ کر دیا جائے گا اور مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا البتہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر عقد کے بعد مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف ہو بلکہ زوجین میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو زوجین میں سے اس کا قول معتبر ہوگا جسکا قول مہر مثل کے مطابق ہو اگر عورت مہر مثل کا دعویٰ کرتی ہو یا اس سے کم کا دعویٰ کرتی ہو تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر خاوند مہر مثل یا اس سے زائد کا دعویٰ کرتا ہو تو اسی کا قول معتبر ہوگا حنابلہ کی رائے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی رائے کے موافق ہے۔

تیسری صورت مہر معجّل پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہو......مہر معجّل پر قبضہ کرنے کے بارے میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے جس کی صورت یہ ہے کہ خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے پورے مہر معجّل کی ادائیگی کر دی ہے جبکہ عورت کہتی ہو کہ اس نے مہر میں سے کچھ بھی قبضہ نہیں کیا۔

حنفیہ کہتے ہیں: اگر زوجین کے درمیان اختلاف صحبت سے قبل ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ گواہوں سے وہ اپنا مدعا ثابت کرے زوجین کے درمیان اختلاف اگر دخول کے بعد ہو اور اگر اس شہر میں پیشگی مہر دینے کا عرف ورواج نہ ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا اور اگر اس شہر میں عرف ورواج ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا مثلاً عورت کا دعویٰ ہو کہ اس نے مہر میں سے کچھ بھی قبضہ نہیں کیا جبکہ اس شہر کا رواج ہو کہ ایک تہائی یا نصف مہر پیشگی دیا جاتا ہے تو عورت کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔[1] چونکہ عرف سے عورت کی تکذیب ہو رہی ہے،

متاخرین حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ دخول کے بعد اگر عورت کا دعویٰ ہو کہ اس نے مہر معجّل پر قبضہ نہیں کیا تو اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی باوجود یہ کہ وہ قبضہ کی منکر ہے کیونکہ یہ عرف چل پڑا ہے کہ عورت زفاف سے قبل مہر معجّل پر قبضہ کر لیتی ہے۔

اگر مہر معجّل کے کچھ حصہ پر قبضہ کرنے کے متعلق اختلاف ہو مثلاً عورت کہتی ہو کہ اس نے کچھ مہر معجّل پر قبضہ کیا ہے، جبکہ خاوند کا دعویٰ ہو کہ اس نے پورا مہر دے دیا ہے، تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ جب کچھ مہر پر قبضہ ہو جائے تو پورے مہر کا مطالبہ کرنے میں لوگ تساہل سے کام لیتے ہیں جبکہ زفاف قبضہ سے پہلے بھی ہو جاتی ہے۔

قبل از دخول مہر معجّل پر قبضہ کرنے پر اختلاف ہو جانے کی صورت میں مالکیہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے یعنی عورت کا قول معتبر ہوگا جبکہ دخول کے بعد قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا ہاں البتہ اگر اس جگہ عرف ورواج کچھ اور ہو تو اسکی طرف رجوع کیا جائیگا۔

شافعیہ اور حنابلہ نے حنفیہ کی موافقت کی ہے اور قبل از خول وبعد از دخول میں فرق نہیں کیا چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں: اگر مہر پر قبضہ کرنے کے متعلق زوجین کا اختلاف ہو جائے، خاوند ادائیگی کا دعویٰ کرتا ہو جبکہ عورت انکار کرتی ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ عدم قبضہ اصل ہے لہٰذا مہر ذمہ میں باقی ہوگا۔

اگر مہر کسی قرآنی سورت کی تعلیم ہو، خاوند اسی کا دعویٰ کرتا ہو جبکہ عورت اس کا نکار کرتی ہو اگر عورت کو وہ قرآنی سورت حفظ نہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ عدم تعلیم اصل ہے اور اگر عورت کو وہ سورت حفظ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ عدم

---

[1] ......کہ وہ نصف یا تہائی مہر قبضہ کر چکی ہے۔

تعلیم اصل ہے۔ دوسرا یہ کہ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ خاوند نے اسے اس کے علاوہ کوئی اور تعلیم نہیں دی۔

دوازدہم: سازوسامان اور اس میں اختلاف کا پڑ جانا......سازوسامان سے مراد گھریلو اثاثہ، گھریلو سامان بستر بچھونے اور وہ سامان جو عائلی زندگی کے متعلق ہے چنانچہ گھریلو سازوسامان کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔

ا...... مالکیہ کہتے ہیں: عورت نے جتنی مقدار کا مہر قبضہ کیا ہو اس کے بقدر عوت پر گھریلو سازوسامان کا انتظام کرنا واجب ہے۔ اگر عورت نے مہر پر قبضہ نہ کیا ہو تو عورت پر سازوسامان بھی واجب نہ ہوگا۔ الا یہ کہ خاوند عورت پر جہیز کی شرط لگا دے یا عرف ورواج کی رو سے عورت پر لازم ہوتا ہے۔ مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ عرف ورواج کے مطابق عورت کو گھریلو انتظام کرنا ہوتا ہے اور اسی غرض کے لیے خاوند عورت کو مہر دیتا ہے چنانچہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شہر یا دیہات ہونے کے اعتبار سے گھریلو اثاثے کا بندوبست کرے چنانچہ عرف سے زیادہ سامان کا انتظام عورت پر لازم نہیں۔

۲......حنفیہ کی رائے مالکیہ کے برخلاف ہے چنانچہ ان کے نزدیک گھریلو سازوسامان کا انتظام مرد پر واجب ہے [1] جیسے عورت کی رہائش نفقہ اور کپڑے وغیرہ مرد پر واجب ہوتے ہیں جبکہ مہر گھریلو سازوسامان کے بدلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ مہر تو مرد کی جانب سے عورت کو عطیہ اور نحلہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مہر کو نحلہ قرار دیا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ مہر استمتاع کے بدلہ میں دیا جاتا ہے مہر مرد پر لازم ہے رہی یہ بات کہ مرد مستقل طور پر مہر سے الگ عورت کو مال دے تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ مستقل مال مہر سے زائد ہو تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ گھریلو اثاثے کا انتظام وانصرام کرے۔

اگر مال مہر سے علیحدہ مستقل طور پر نہ ہو البتہ مہر مہر مثل سے زائد مقرر کر دیا گیا ہو تو ابن عابدین کہتے ہیں: عورت پر گھریلو سامان کا انتظام لازم نہیں ہوگا کیونکہ جب مہر میں اضافہ کیا جاتا ہے تو اضافہ مہر کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے۔ اور وہ سب عورت کا خالص حق ہوتا ہے اور مہر میں سے سازوسامان کے لیے خرچ کرنے کے واسطے عورت سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

گھریلو اثاثے میں اختلاف......گھریلو اثاثے یا گھریلو سامان مثلاً بچھونے بستر، برتن وغیرہ میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس بارے میں فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں۔

مالکیہ: اگر گھریلو سامان کے متعلق زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے اور ہر ایک کا دعویٰ ہو کہ یہ سامان اس کی ملکیت ہے۔ زوجین میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو سامان کی نوعیت دیکھی جائے گی جو سامان نسوانی طرز کا ہو مثلاً زیور، کاتا ہوا سوت، عورتوں کے کپڑے برقعہ وغیرہ تو ایسے سامان کا فیصلہ عورت کے حق میں کیا جائے گا لیکن ساتھ عورت سے قسم بھی لی جائے گی۔ اور وہ سامان جو مردانہ طرز کا ہو جیسے اسلحہ کتابیں، زرعی آلات اور مردوں کے کپڑے وغیرہ تو قسم کے ساتھ مرد کے حق میں فیصلہ کیا جائیگا۔ اور جو سامان مشترکہ نوعیت کا ہو جیسے دراہم ودینار تو وہ مرد کی ملکیت ہوں گے تاہم مرد سے قسم لی جائے گی۔ سحنون مالکی کہتے ہیں: جو چیز زوجین میں سے کسی ایک کی معلوم ہو تو وہ بغیر قسم کے مرد کی ملکیت ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ: کا موقف بھی مالکیہ کے موافق ہے [2] چنانچہ یہ حضرات کہتے ہیں: وہ سامان جو مردوں کا ہو سکتا ہو جیسے ٹوپی عمامہ اسلحہ وغیرہ تو اس میں قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہری حالت مرد کی شاہد ہے۔ اور جو سامان عورتوں کا ہو سکتا ہو جیسے برقعہ، چادر، کاتا ہوا سوت وغیرہ تو اس میں قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہری حالت اسکی شاہد ہے اور جو سامان مشترکہ طرز کا ہو جیسے دراہم ودنانیز دیگر گھریلو اثاثہ چٹائیاں اناج وغیرہ تو اس میں قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ گھر میں موجود اشیاء پر

---

[1]......حاشیة ابن عابدین ۲/۵۰۵۔ [2] البدائع ۲/۳۰۸ الدر المختار اور ردالمحتاز ۲/۵۰۴۔

خاوند کا قبضہ عورت کے قبضہ سے کہیں زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ مرد کا قبضہ قبضہ تصرف ہوتا ہے جبکہ عورت کا قبضہ محض حفاظت کا ہوتا ہے جبکہ تصرف کا قبضہ حفاظتی قبضہ سے قوی ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں: عرف ورواج کے مطابق جو سامان عورتیں مہیا کرتی ہیں ان میں قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا اور بقیہ سامان میں خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ غالب احوال میں عورت کو جب زفاف کے لئے رخصت کیا جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ جہیز لے کر آتی ہے، گویا ظاہری حالت عورت کی شاہد ہے اس مقدار میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر سامان میں قسم کے ساتھ خاوند کا قول معتبر ہوگا کیونکہ ظاہری حالت اس کی شاہد ہے۔

یہ رائے ان شہروں کے عرف کے موافق ہے جن میں عورتیں جہیز لے کر آتی ہیں۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: گھریلو سامان جو زوجین کے درمیان مشترک ہو وہ نصف نصف کیا جائے گا۔

اگر زوجین مر جائیں اور پھر ورثہ کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو اسکا حکم وہی ہوگا جو زوجین کے اختلاف کا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک خاوند کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کے ورثہ کا قول اس سامان کے متعلق معتبر ہوگا جو نسوانی سامان ہو اور بقیہ میں خاوند کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا۔

اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے اور زندہ فریق کے ساتھ میت کے ورثہ کا اختلاف ہو جائے تو امام ابوسف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم تبدیل نہیں ہوگا چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اگر عورت زندہ ہو تو اس کے بمثل سامان کے متعلق عورت کا قول معتبر ہوگا اگر عورت مر گئی ہو تو اس کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اس کے علاوہ جو سامان ہوگا اس کے متعلق خاوند یا اس کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اگر خاوند زندہ ہو تو قسم کے ساتھ اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں زوجین میں سے جو زندہ ہو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہوگا اگر خاوند زندہ ہو تو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہوگا کیونکہ گھر میں موجود سامان پر اسکا قبضہ عورت کے قبضہ سے قوی ہوتا ہے اور اگر عورت زندہ ہو تو قسم کے ساتھ اسکا قول معتبر ہوگا کیونکہ خاوند جب زندہ ہوتا ہے تو عورت کا قبضہ ضعیف ہوتا ہے اور جب خاوند مر جاتا ہے تو عورت کا قبضہ قوی ہو جاتا ہے۔

سیزدہم......وراثت مہر اور اسکا ہبہ:

مالکیہ کہتے ہیں: مہر عورت کا خالص حق ہوتا ہے اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ چاہے مہر اپنے خاوند کو ہبہ کر دے یا اجنبی کو ہبہ کرے اگر عورت مر جائے تو مہر کا مال وراثت میں تقسیم ہوتا ہے اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

اگر دخول سے قبل عورت کو طلاق ہو جائے تو وہ نصف مہر کی حقدار ہوگی۔

اگر باپ یا کوئی اور دعویٰ کرے کہ بعض سامان اسکی ملکیت ہے جبکہ بیٹی یا خاوند اس کی مخالفت کرتا ہو تو باپ یا وصی کا دعویٰ قبول کیا جائے گا اِلّا یہ کہ باپ اس امر پر گواہ قائم کر دے کہ فلاں چیز اسکی بیٹی کے پاس اس کی امانت یا عاریت ہے۔

اگر دخول کے ایک سال کے بعد باپ یہی (مذکور بالا) دعویٰ کرے تو اسکا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اگر مہر سے زائد کوئی شخص اپنی بیٹی کو سامان دے پھر وہ شخص دخول سے پہلے مر جائے یا دخول کے بعد مر جائے تو وہ چیز بیٹی کی مخصوص ہوگی بشرطیکہ بیٹی نے سامان اپنے گھر منتقل کر لیا ہو یا باپ نے مرنے سے پہلے بیٹی کے حق میں گواہ قائم کر دیئے ہوں۔

اگر سمجھدار عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے خاوند کو مہر ہبہ کر دے تو خاوند کو اقل مہر یعنی چوتھائی دینار یا تین دراہم دینے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ نکاح مہر سے خالی نہ رہے۔

سمجھدار عورت کے لئے جائز ہے کہ جس مہر پر نکاح ہوا ہو وہ سارا اپنے خاوند کو ہبہ کر دے کیونکہ مہر عورت کی ملکیت ہے اور وطی سے اسکی ملکیت پختہ ہو جاتی ہے برابر ہے کہ عورت نے قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿۴﴾ النساء ۴/۴

اگر عورتیں خوشدلی سے تمہیں کچھ مہر ہبہ کر لیں تو تم اسے کھاؤ وہ حلال و خوشگوار ہے۔

اگر سمجھدار عورت اپنے خاوند کو مہر ہبہ کر دے یا اسے اپنی طرف سے مال دے اور اسکی غرض یہ ہو کہ تا کہ خاوند کے ساتھ حسن معاشرت قائم رہے پھر فساد کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا جائے یا دو سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ خاوند اسے طلاق دیدے تو عورت نے جتنا مہر ہبہ کیا ہو واپس لے سکتی ہے کیونکہ اسکی غرض پوری نہیں ہوئی۔

اگر ناسمجھ عورت کسی مرد کو مال دے تا کہ وہ مرد اس سے شادی کرے چنانچہ نکاح صحیح ہوگا اور فسخ نہیں کیا جائیگا، البتہ مرد پر لازم ہے کہ وہ اس کے بقدر عورت کو اتنا ہی مال دے جتنا لیا تھا بشرطیکہ وہ مال عورت کے مہر کے بمثل ہو یا اس سے زیادہ ہوا گر مہر مثل سے کم ہو تو مرد اسے اتنا مہر دے تا کہ مہر مثل کے برابر ہو جائے۔

دوسری بحث...... متعہ (سامان)

اس بحث میں متعہ کی تعریف، حکم اور اسکی مقدار بیان کی جائے گی۔ ❶

متعہ کا معنی...... متعہ متاع سے مشتق ہے مراد ایسی چیز جس سے نفع اٹھایا جائے متعہ کا اطلاق چار معانی پر ہوتا ہے۔

۱..... متعہ حج یعنی حج تمتع اسکا تذکرہ حج کی بحث میں گزر چکا ہے۔

۲..... متعہ نکاح جو متعین مدت کے لئے ہوتا ہے۔

۳..... متعہ مطلقات: یعنی طلاق یافتہ عورتوں کو کچھ تھوڑا ابہت دیا جانے والا سامان اور مال اس بحث میں اسی معنی پر گفتگو کی جائے گی۔

۴..... عورت کا اپنے مال میں سے خاوند کو کچھ دینا جیسا کہ بعض شہروں میں اس کا رواج ہے۔

زیر بحث متعہ...... سے مراد کپڑے اور وہ مال ہے جو خاوند طلاق یافتہ عورت کو دیتا ہے تا کہ عورت خوش ہو جائے اور فرقت وجدائی کا غم جاتا رہے۔

تعریف...... مالکیہ نے متعہ کی یوں تعریف کی ہے:

الاحسان الى المطلقات حين الطلاق بما يقدر عليه المطلق بحسب ماله فى القلة والكثرة

بوقت طلاق طلاق یافتہ عورتوں پر احسان کرنا جو مالی صورت میں ہو اور طلاق دہندہ اپنی وسعت کے بقدر دے۔

متعہ کا حکم...... متعہ کے حکم کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں: بعض صورتوں میں متعہ واجب ہوتا ہے بعض صورتوں میں مستحب ہے طلاق کی دوصورتوں میں متعہ واجب ہے۔

---

❶..... البدائع ۲/۳۰۲ الدر المختار ۲/۶۶۱ اللباب ۳/۱۷ فتح القدير: ۲/۴۴۸ الشرح الصغير ۲/۶۱۹ القوانين الفقهية ۲۱۰ مغنى المحتاج: ۳/۲۴۱ المهذب ۲/۶۳ كشاف القناع ۵/۱۷۶ المغنى ۶/۱۷ غاية المنتهى ۳/۷۳۔

ا......مفوضہ کو دخول سے قبل طلاق ہو جائے یا مطلقہ کا مہر مقرر تھا تاہم تسمیہ فاسد ہو یعنی دخول اور خلوت سے پہلے طلاق ہو جبکہ نکاح میں تسمیہ مہر (مہر کی تعین) نہ ہو۔اور نہ ہی نکاح کے بعد مہر مقرر کیا گیا ہو یا یہ کہ تسمیہ فاسد تھا یہ صورتیں مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ البقرۃ:۲/۲۳۶

تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ جب تک تم نے عورتوں کو نہ چھوا ہو کہ تم انھیں طلاق دے دو اور نہ ان کا مہر مقرر کیا ہو ایسی صورت میں ان کو متعہ دو۔

آیت کریمہ میں متعہ کے لئے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے یہ وجوب آیت کے آخر سے اور زیادہ موکد ہو جاتا ہے:

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ البقرۃ ۲/۲۳۶

نیکو کاروں پر واجب ہے۔

نیز اس صورت میں متعہ نصف مہر کا متبادل ہوتا ہے جبکہ نصف مہر واجب ہوتا ہے اور واجب کا بدل بھی واجب ہوتا ہے کیونکہ متعہ نصف مہر کے قائم مقام ہے۔جیسے تیمم وضو کے قائم مقام ہوتا ہے۔

۲......نکاح میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور طلاق دخول سے پہلے ہو جائے تو متعہ دینا واجب ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ ......الاحزاب ۳۳/۴۹

اے ایمان والو! اگر تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انھیں چھونے سے پہلے طلاق دو تو تمہارے لیے ان پر عدت واجب نہیں جسے تم شمار کرو اور تم انھیں متعہ دو۔

اسی طرح اوپر آیت گزر چکی ہے کہ فَمَتِّعُوْهُنَّ ......(البقرۃ ۲/۲۳۶)

چنانچہ پہلی آیت کی رو سے ہر وہ عورت جسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اسے متعہ دینا واجب ہے پھر اس عموم سے اس عورت کو مخصوص کر دیا گیا جس کا مہر مقرر کر دیا گیا ہو چنانچہ حکم آیت میں صرف وہی مطلقہ باقی رہی جس کا مہر مقرر نہ ہو دوسری آیت میں اس عورت کے لئے متعہ واجب قرار دیا گیا ہے جس کے نکاح کے بعد مہر مفروض (مقرر) نہ کیا گیا ہو۔

امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے کہ دخول سے قبل جس عورت کو طلاق ہو جائے درحالیکہ اسکا مہر مقرر ہو اسے نصف مہر دینا واجب ہے برابر ہے کہ عقد نکاح سے پہلے مہر مقرر کیا گیا ہو یا عقد نکاح کے بعد کیونکہ عقد کے بعد مہر مقرر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ عقد کے دوران مہر مقرر کیا گیا ہو۔چنانچہ عقد کے دوران مقرر کیا گیا مہر نصف ہو جاتا ہے اسی طرح عقد کی بعد مقرر کیا گیا مہر بھی نصف ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دخول کے بعد طلاق ہو جانے کی صورت میں اور نکاح میں مہر مقرر ہونے کی صورت میں قبل از دخول طلاق ہو جانے کی صورت میں متعہ مستحب ہے کیونکہ متعہ نصف مہر کے متبادل کے طور پر واجب ہوتا ہے چنانچہ جب عورت مقررہ مہر یا مہر مثل کی مستحق ٹھہرے تو متعہ کا یہاں کوئی سبب نہیں۔

شافعیہ: دخول کے بعد طلاق ہونے کی صورت میں متعہ واجب قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ البقرۃ ۲/۲۴۱

اور مطلقہ عورتوں کو قاعدہ کے مطابق متعہ دینا پرہیز گاروں پر ان کا حق ہے۔

خلاصہ...... حنفیہ کے نزدیک ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے البتہ اس عورت کو متعہ دینا واجب ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو (وہ اصلاح میں مفوضہ کہلاتی ہے) اور دخول سے قبل اسے طلاق ہو جائے یا جس عورت کا مہر مقرر ہو لیکن تعین مہر فاسد ہو یا عقد نکاح کے بعد مہر مقرر کیا گیا ہو۔

مالکیہ کا مذہب...... ہر طلاق یافتہ عورت کو متعہ دینا مستحب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾ البقرۃ ۲/۲۴۱

پرہیز گاروں پر واجب ہے۔

اور

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ البقرۃ ۲/۲۳۶

نیکوکاروں پر واجب ہے۔

چنانچہ دونوں آیات میں امر کو تقویٰ اور احسان کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ واجبات ان امور کے ساتھ مقید نہیں ہوتے مالکیہ کہتے ہیں: مطلقات کی تین اقسام ہیں:

۱...... ایسی عورت جسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے اور اس کا مہر بھی مقرر نہ ہو اس عورت کا مفوضہ کہا جاتا ہے۔ اس عورت کو متعہ ملے گا مہر میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

۲...... ایسی عورت جسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے اور اس کا مہر مقرر ہو چنانچہ اسے متعہ نہیں ملے گا۔

۳...... ایسی عورت جسے دخول کے بعد طلاق ہو جائے خواہ مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق ہو یا بعد اسے بھی متعہ ملے گا۔

ہر ایسی فرقت جو عورت کے اختیار سے ہو اس میں عورت کو متعہ نہیں ملے گا جیسے مجنون کی بیوی، مجذوم کی بیوی نامرد کی بیوی فسخ کی وجہ سے ہونے والی فرقت میں بھی متعہ نہیں ہوگا جو عورت خلع کرلے اسے بھی متعہ نہیں ملے گا اور جس عورت کے ساتھ لعان ہو جائے اسے بھی متعہ نہیں ملے گا۔

شافعیہ کا مذہب...... مالکیہ کے برعکس ہے چنانچہ شافعیہ کے نزدیک ہر مطلقہ کے لیے متعہ واجب ہے برابر ہے کہ دخول سے پہلے طلاق ہو یا بعد البتہ وہ عورت جسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اور اسکا مہر مقرر ہو اسے صرف نصف مہر ملے گا۔ تاہم متعہ اس عورت کے لیے بھی واجب ہوگا جسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اگرچہ نصف مہر اس کے لئے واجب نہ ہو۔

متعہ ہر ایسی فرقت پر واجب ہوتا ہے جو عورت کے سبب سے واقع نہ ہوئی ہو جیسے طلاق، خاوند کا مرتد ہو جانا مرد کا لعان کر لینا یا مرد نے اسلام قبول کر لیا اور جس عورت کے لئے نصف مہر واجب ہوا سے متعہ ملے گا جبکہ مفوضہ اور وہ عورت جس کے لیے مہر مقرر نہ ہوا سے متعہ ملے گا شافعیہ کی عبارت مختصراً یہ ہے۔

ہر فرقت والی عورت کو متعہ ملے گا البتہ وہ عورت جس کا مہر مقرر ہو اور دخول سے قبل فرقت ہو جائے یا فرقت عورت کی وجہ سے ہو یا مرد عورت کا مالک بن جائے یا فرقت موت کی وجہ سے ہوئی ہو یا فرقت لعان کی وجہ سے ہوئی ہو تو متعہ نہیں ملے گا۔

شافعیہ کی دلیل یہ آیت ہے: وَّمَتِّعُوْهُنَّ اور انھیں متعہ دو۔ (البقرۃ ۲/۲۳۶)

اور وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ مطلقہ عورتوں کے لئے قاعدہ کے مطابق متعہ ہے۔ (البقرۃ ۲/۲۴۱)

چنانچہ آیت میں ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب قرار دیا گیا ہے برابر ہے کہ مطلقہ کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اسکا مہر مقرر کیا گیا

ہو یا نہ کیا گیا ہو شافعیہ کے مذہب کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

اے نبی اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اسکی زیب و زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ ساز و سامان دوں گا اور تمہیں اچھی طرح سے رخصت کروں گا۔ الاحزاب ۳۳/۲۸

اگر نکاح تفویض کی صورت میں عورت کا مہر مقرر کر دیا گیا ہو تو اسے متعہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ خاوند بضع کے منافع سے مستفید نہیں ہوا لہٰذا نصف مہر پر اکتفا کیا جائے گا۔

حنابلہ کا مذہب فی الجملہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے چنانچہ حنابلہ کے نزدیک متعہ ہر آزاد و غلام، مسلمان اور ذمی پر واجب ہے اور ہر مفوضہ عورت (جسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے) متعہ کا حق رکھتی ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَمَتِّعُوْهُنَّ (البقرۃ ۲/۲۳۶)

حنابلہ کے نزدیک مفوضہ کے علاوہ ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ...... البقرۃ ۲/۲۴۱

مطلقہ عورتوں کو قاعدہ کے مطابق متعہ دینا ہے۔

البتہ متعہ واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقات کی دو قسمیں کی ہیں اور متعہ اس عورت کے لیے واجب قرار دیا ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو اور جس عورت کا مہر مقرر رہا ہو اسے نصف مہر ملتا ہے۔

جس عورت کا خاوند مر چکا ہو اسے متعہ نہیں ملے گا کیونکہ نص میں اسکا بیان شامل نہیں بلکہ نص میں مطلقات کا بیان ہے۔

ہر وہ مقام جہاں کل مہر ساقط ہو جاتا ہے وہاں متعہ بھی ساقط ہو جاتا ہے جیسے مثلاً عورت مرتدہ ہو جائے کیونکہ متعہ نصف مہر کے قائم مقام ہوتا ہے جب مہر ہی ساقط ہو جاتا ہے تو متعہ بھی بطریق اولی ساقط ہو جائے گا۔

جس عورت کے لیے نصف مہر واجب ہو اس کے لیے متعہ واجب نہیں ہوتا، برابر ہے کہ عورت کا مہر مقرر ہو یا نہ ہو لیکن عقد کے بعد مقرر کر لیا گیا ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جمہور کے مؤقف کے موافق ہے۔

جس عورت کا مہر دخول کے بعد مقرر کیا گیا ہو اسے متعہ نہیں ملے گا ہاں البتہ اسے متعہ دینا مستحب ہے اسی طرح جس عورت کا مہر مقرر ہو لیکن ہو فاسد مثلاً اسکا مہر شراب مقرر کر لیا گیا ہو اور اسے دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو اسے متعہ دینا مستحب ہے۔

متعہ کی مقدار...... متعہ کی مقدار میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی تاہم فقہاء نے اجتہاد سے متعہ کی مقدار بیان کی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: متعہ کے تین کپڑے ہوتے ہیں (۱) درع یعنی وہ کپڑا جسے عورت قمیص کے اوپر پہنتی ہے (۲) خمار جس سے عورت سر ڈھانپتی ہے (۳) ملحفہ اوڑھنی جسے عورت سر سے لے کر پاؤں تک لپیٹ لیتی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ البقرۃ ۲/۲۳۶

سامان دینا ہے قاعدہ کے مطابق یہ عورتوں کے لئے نیکوکاروں پر حق ہے۔

آیت میں متاع سے مراد ساز و سامان ہے نیز جب زوجیت قائم ہوتی ہے اس حالت میں بھی مرد کے ذمہ کپڑے واجب ہوتے ہیں اور کم از کم کپڑے کسی عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ تین کپڑے ہوتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اگر خاوند مالدار ہو تو ان تین کپڑوں کی قیمت نصف مہر سے زائد نہ ہونے پائے کیونکہ یہ تین کپڑے نصف مہر کا بدل ہوتے ہیں اور اگر خاوند فقیر ہو تو ان کی قیمت پانچ دراہم سے کم نہ ہو مفتی بہ قول کے مطابق متعہ میں زوجین کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جیسے نفقہ میں زوجین کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ

اگر دونوں مالدار ہوں تو اعلیٰ قسم کے کپڑے دیئے جائیں اور اگر دونوں فقیر ہوں تو ادنیٰ قسم کے کپڑے دیئے جائیں۔اگر ایک مالدار اور دوسرا فقیر ہو تو درمیانی قسم کے کپڑے دیئے جائیں۔

شافعیہ کہتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ متعہ میں جو چیز دی جائے اس کی قیمت تیس دراہم سے کم نہ ہو یہ مستحب کا ادنیٰ درجہ ہے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خادم دیا جائے اور درمیانی درجہ یہ ہے کہ کپڑا دیا جائے۔مسنون یہ ہے کہ متعہ نصف مہر تک نہ پہنچنے پائے بلکہ نصف مہر سے کم ہو اور اگر نصف مہر سے بڑھ جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ آیت **ومتعوھن** مطلق ہے۔

اگر متعہ کی مقدار میں زوجین کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو قاضی اپنے اجتہاد سے دونوں کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر کی مقدار متعین کرے جیسا کہ حنفیہ کا موقف ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ

اور مطلقہ عورتوں کو متعہ دو جو وسعت رکھتا ہو اس پر اسی کے بقدر ہے اور جو تنگدست ہو اس پر اسی کے بقدر۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ البقرة۲/۲۴۱

مطلقہ عورتوں کو قاعدہ کے مطابق ساز و سامان دینا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ متعہ کے حوالے سے مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا چنانچہ مرد اگر مالدار ہو تو اسی کے بقدر اس پر متعہ واجب ہوگا اور اگر مرد تنگدست ہو تو اسی کے بقدر اس پر متعہ واجب ہوگا اور مذکور آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ متعہ کا اعلیٰ درجہ خادم ہے ادنیٰ درجہ اتنا کپڑا دینا جس میں نماز ہو جائے حنفیہ کے نزدیک متعہ کا ادنیٰ درجہ تین کپڑے دینا ہے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: متعہ کا اعلیٰ درجہ خادم ہے پھر اس کے بعد نفقہ اور پھر کپڑے بظاہر یہ قول راجح ہے۔

سوریہ کے قانون دفعہ ۶۱ / ۲ میں یوں صراحت کی گئی ہے اگر دخول اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس صورت میں متعہ واجب ہوگا۔

تیسری بحث......خلوت صحیحہ اور اس کے احکام:

اس بحث میں خلوت کا معنی، فقہاء کی مختلف آراء اور خلوت کے احکام کا بیان ہوگا۔[1]

خلوت کا معنی......خلوت صحیحہ یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد زوجین ایسی جگہ اکٹھے ہو جائیں جہاں لوگوں کے آنے جانے کا خوف نہ ہو جیسے کوئی بند کمرہ۔

اگر میاں بیوی راستے میں اکٹھے ہوں یا سڑک پر اکٹھے ہوں یا مسجد میں اکٹھے ہوں یا اجتماعی حمام میں اکٹھے ہو یا گھر کی چھت پر اکٹھے ہوں جو اطراف سے کھلی ہو یا ایسے کمرے میں جمع ہوں جو کھلا پڑا ہو یا ایسے باغ میں جمع ہوں جسکا دروازہ نہ ہو تو ان سب صورتوں میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔

خلوت صحیحہ میں یہ بھی شرط ہے کہ زوجین میں کوئی طبعی، حسی یا شرعی مانع نہ ہو جو جنسی ربط و اتصال اور وطی میں رکاوٹ بنتا ہو۔ان موانع کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

[1]...... البدائع ۲/۲۹۱ الدر المختار ۲/۴۵۴ الشرح الکبیر ۲/۳۰۱ القوانین الفقهیه ۲۰۲ مغنی المحتاج ۳/۲۲۵ کشاف القناع ۵/۱۸۰

حسی مانع......اس کا حاصل یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک میں ایسا مرض ہو جو صحبت میں رکاوٹ بن رہا ہو مثلاً عورت کے رحم میں رتق کی بیماری رحم میں ہڈی ابھر جانے کی بیماری یا مرد کا خصی ہونا، مردانہ قوت کا فوت ہو جانا۔ جب کہ عورت صحت مند ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقطوع الذکر کی خلوت خلوت صحیحہ ہے جبکہ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

مانع طبعی......ایسا مانع جو نفس کو جماع سے روکتا ہو۔ مثلاً کوئی تیسرا شخص جو سمجھ بوجھ والا ہو موجود ہو اگر چہ وہ نابینا ہو یا سویا ہوا ہو یا ممیز بچہ ہو یا دوسری بیوی موجود ہو اور اگر تیسرا آدمی غیر ممیز بچہ ہو یا مجنون ہو یا بے ہوش ہو تو خلوت صحیحہ ہوگی۔

مانع شرعی......ایسا مانع کہ جس کے ہوتے ہوئے شرعاً صحبت کرنا ممنوع ہو جیسے رمضان کا روزہ حج یا عمرہ کا احرام اعتکاف، عورت کا حالت حیض یا نفاس میں ہونا، فرض نماز میں ہونا اسی طرح اگر مسجد میں خلوت ہوئی تو یہ خلوت بھی غیر صحیح ہوگی کیونکہ مسجد میں صحبت کرنا حرام ہے۔

اگر عورت کو علم نہ ہو کہ یہ شخص اسکا خاوند ہے چنانچہ ابن عابدین کہتے ہیں کہ یہ ایسا مانع ہے جس پر خاوند کا اختیار ہے یعنی خاوند عورت کو اطلاع دے کہ وہ اسکا خاوند ہے اگر خاوند کی طرف سے کوتاہی ہو تو خلوت کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ خاوند پر مہر لازم ہوگا۔

اگر خلوت کی مذکورہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو خلوت فاسد ہوگی مثلاً خلوت ایسی جگہ ہو جہاں لوگوں کا آنا عام ہو یا کوئی اور چیز جماع میں رکاوٹ بن رہی ہو تو وہ خلوت فاسدہ ہوگی یا یوں کہہ لیجئے کہ ہر ایسی خلوت جس میں مذکورہ بالا موانع میں سے کوئی مانع پایا جاتا ہو۔

احکام خلوت کے بارے میں فقہاء کی آراء......خلوت کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱۔ مالکیہ کا اور شافعیہ کا جدید مذہب......بغیر جماع کے محض خلوت اور پردے نیچے گرا لینے سے مہر موکد نہیں ہوتا۔ اگر خاوند کو بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ میسر ہوئی پھر خاوند نے دخول سے قبل طلاق دیدی اگر مہر مقرر ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا اگر مہر مقرر نہ ہو تو متعہ ملے گا کیونکہ مالکیہ کے نزدیک متعہ مستحب ہے واجب نہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ

اگر تم چھونے سے پہلے عورتوں کو طلاق دو حالانکہ تم نے ان کا مہر مقرر کر رکھا ہو تو مقرر کئے گئے مہر کا نصف واجب ہوگا۔

آیت کریمہ میں مس (چھونا) اتصال جنسی یعنی جماع سے کنایہ ہے نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر شرمگاہ کو حلال سمجھنے کے بدلہ میں لازم قرار دیا ہے۔

البتہ مالکیہ کہتے ہیں......خلوت صحیحہ کے دو حکم ہیں۔

اول......عورت پر عدت واجت ہوگی اگر چہ زوجین عدم صحبت پر اتفاق کرلیں پھر بھی عدت واجب ہوگی کیونکہ عدت اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو وطی نہ کرنے پر اتفاق کر لینے سے ساقط نہیں ہوتا۔

دوم......زوجین کے اختلاف کے وقت خلوت وطی پر قرینہ بن جاتی ہے چنانچہ اگر مرد بیوی کے ساتھ تنہائی اختیار کرے بایں طور کہ پردے لٹکا دیے گئے ہوں اور زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے سکون حاصل کرے اور مطمئن ہو جائے پھر خاوند اسے طلاق دے دے پھر وطی ہونے میں دونوں کا اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ عورت کی تصدیق کی جائے گی اگر عورت قسم اٹھانے سے انکار کرے تو خاوند کو قسم دی جائیگی اور اس پر لازم ہوگا کہ وہ عورت کو نصف مہر دے اور اگر قسم سے انکار کرے تو پورا مہر اس پر لازم ہوگا کیونکہ خلوت ایک گواہ کے قائم مقام ہے اور قسم سے انکار کرنا دوسرے گواہ کے قائم مقام ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب...... تکمیل مہر کے حوالے سے خلوت وطی کے مترادف ہے اسی طرح خلوت سے عدت لازم ہوجاتی ہے نسب ثابت ہوجاتا ہے، منکوحہ کی بہن ناکحہ پر حرام ہوجاتی ہے اس کے ہوتے ہوئے پانچویں عورت نکاح میں نہیں لائی جاسکتی یہاں تک کہ اسکی عدت گزر جائے، شہوت کے ساتھ چوما چاٹی اور بوس وکنار بھی حنابلہ کے نزدیک دخول کے حکم میں ہے تاہم خلوت صحیحہ کے بعد طلاق، طلاق بائن ہوگی اور اس پر مندرجہ ذیل احکام مرتب ہوں گے۔

۱...... پورا مہر ثابت ہوگا چنانچہ خلوت صحیحہ کے بعد مرد نے بیوی کو طلاق دیدی تو عورت کامل مہر کی مستحق ہوگی اگر مہر مقرر ہو اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل عورت کو ملے گا۔

۲...... نسب ثابت ہوجائے گا اگر خلوت صحیحہ کے بعد عورت کو طلاق دیدی گئی پھر عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو ناکح سے اسکا نسب ثابت ہوجائے گا بشرطیکہ عورت نے چھ ماہ سے زائد عرصہ کا بچہ جنم دیا ہو۔

۳...... عدت واجب ہوگی، اگر مرد نے خلوت کے بعد عورت کو طلاق دی حنفیہ کے نزدیک اگرچہ خلوت فاسدہ ہو تو عورت پر عدت واجب ہوگی۔

۴...... عورت کا عرصہ عدت کا نفقہ طلاق دہندہ خاوند پر واجب ہوگا یعنی طعام رہائش اور کپڑے خاوند پر واجب ہوں گے۔

۵...... وہ عورت جو اس منکوحہ کے لئے حرام ہو (یعنی اس کی بہن، پھوپھی، خالہ) وہ ناکح پر حرام ہوگی، اس کے علاوہ چار عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوگا یا اس کی جگہ پانچویں عورت کو نکاح میں لانا حرام ہوگا۔

۶...... منکوحہ کو طہر میں طلاق دینا ہوگی خلوت صحیحہ کے بعد خاوند اگر منکوحہ کو طلاق دینا چاہے تو اسے طلاق کے وقت کی رعایت رکھنی ہوگی اور طلاق طہر میں دیگا جیسا کہ طلاق سنی کا یہی وقت مقرر ہے۔

وہ احکام جن میں خلوت دخول کے حکم میں نہیں:

۱۔ **احصان**...... خلوت صحیحہ سے زوجین محصن نہیں کہلاتے بلکہ محصن ہونے کے لئے دخول کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ خلوت صحیحہ کے بعد اگر مرد سے زنا سرزد ہوجائے تو اسے رجم نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ **غسل**...... محض خلوت سے زوجین پر غسل واجب نہیں ہوتا، بخلاف وطی کے۔

۳۔ **حرمت بنت**...... خلوت سے منکوحہ کی بیٹی ناکح پر حرام نہیں ہوتی چنانچہ ناکح منکوحہ کو طلاق دیکر اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے، تاہم بیٹی حرام ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسکی ماں کے ساتھ صحبت کی ہو۔

۴۔ **حلالہ**...... دوسرے خاوند کے ساتھ خلوت صحیحہ سے عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی بلکہ حلال ہونے کے لئے حقیقۃً دخول کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ **حصول رجعت**...... جس عورت کو خاوند نے طلاق رجعی دی ہو تو خلوت سے رجعت نہیں ہوتی، چنانچہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہو پھر قول سے رجوع نہ کرے نہ بوسہ لے اور نہ ہی وطی کرے تو محض خلوت سے رجعت ثابت نہیں ہوگی۔ جبکہ دخول سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے۔

۶۔ **بغیر عقد جدید کے زوجیت کا لوٹ آنا**...... خلوت کے بعد طلاق طلاق بائن ہوتی ہے تاہم اگر خاوند طلاق کے بعد مطلقہ کو دوبارہ بیوی بنانا چاہتا ہو تو عقد جدید ضروری ہوگا خلوت سے مطلقہ اس کی بیوی نہیں بنے گی گویا نئے سرے سے عقد نکاح اور تعیین مہر ضروری

ہے، جبکہ دخول کے بعد طلاق طلاق رجعی ہوتی ہے بشرطیکہ طلاق مغلظہ نہ ہو اس صورت میں عقد جدید کے بغیر بھی رجعت ہوسکتی ہے۔

۷۔ میراث..... خلوت کے بعد طلاق بائن واقع ہوتی ہے چنانچہ عدت کے دوران اگر زوجین میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اس کا وارث نہیں بنے گا۔ کیونکہ طلاق بائن کی عدت میں موت کی صوریت میں میراث نہیں ہوتی، جبکہ اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے پھر اس طلاق کی عدت میں زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے تو زندہ فریق میت کا وارث ہوگا کیونکہ یہ طلاق رجعی ہے اور طلاق رجعی کی عدت کے دوران موت ایسی ہی ہے جیسے زوجیت کے قائم ہوتے ہوئے زوجین میں سے کوئی مرجائے۔

۸۔ عورت باکرہ کے حکم میں ہوتی ہے..... خلوت کے بعد جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو مطلقہ کنواری کے حکم میں ہوگی کیونکہ حقیقۃً کنواری ہے جبکہ جس عورت کے ساتھ صحبت ہوجائے اور طلاق کے بعد وہ ثیبہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

ملاحظہ..... خلوت کے مذکورہ بالا احکام صرف اسی صورت میں ثابت ہوں گے جب نکاح صحیحہ ہو اگر نکاح فاسد ہو تو مذکورہ بالا احکام ثابت نہیں ہوں گے۔

(ب)..... خلوت فاسدہ کی بعض صورتوں میں حنفی مذہب میں معتمد قول کے مطابق عدت واجب ہوگی چنانچہ مانع طبعی یا مانع شرعی کی وجہ سے اگر خلوت فاسد ہوجائے تو عدت واجب ہوگی کیونکہ ان دو موانع کے ہوتے ہوئے فی نفسہ وطی ممکن ہوتی ہے برخلاف مانع حسی کے۔

(ج)..... عدت قضاءً واجب ہوگی نہ کہ دیانۃً جبکہ دخول حقیقی کے بعد عدت دیانۃً بھی واجب ہوتی ہے اور قضاءً بھی۔

حنفیہ اور حنابلہ کے دلائل:

ا..... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ النساء: ۴/۲۰-۲۱

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے میں دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر) واپس لو گے؟ اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے اور انھوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا۔

چنانچہ اس آیت کریمہ میں افضاء ہوجانے کے بعد مہر واپس لینے سے منع کیا گیا ہے امام فراء کہتے ہیں افضاء سے مراد خلوت ہے خواہ دخول ہوا ہو یا نہ۔

۲..... حدیث نبوی ہے جس شخص نے (منکوحہ) عورت کا دوپٹہ ہٹایا اور اسکی طرف دیکھا تو مہر واجب ہوگیا خواہ اس سے صحبت کرے یا نہ کرے۔ ❶

۳..... حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ کرتے تھے کہ جب پردے گرادیئے جائیں اور دروازہ بند کردیا جائے تو عورت کو پورا مہر ملے گا اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی خواہ دخول ہو یا نہ ہو۔ ❷

۴..... عقلی دلیل ہے کہ جب مانع جماع نہ ہو اور عورت اپنے نفس پر خاوند کو اختیار دے دے تو گویا عورت مبدل سپرد کردیتی ہے اور مبدل مہر کے مقابل میں ہے لہٰذا خاوند پر واجب ہے کہ وہ بدل عورت کے سپرد کردے اور بدل مہر ہے جیسے بیع اور اجارہ میں ہوتا ہے اگر خاوند

❶..... رواہ الدارقطنی ❷ رواہ احمد والاثرم باسنادھما۔

اپنا حق وصول کرنے میں کوتاہی کرے تو اسکا مواخذہ عورت پر نہیں ہوگا جیسے مستاجر اور خریدار مطلوبہ چیز سے موانع نہ ہوتے ہوئے استفادہ نہ کریں تو بائع اور موجر پر مواخذہ نہیں ہوا کرتا۔

ساتویں فصل......نکاح کے حقوق وفرائض

قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ نکاح بھی دیگر عقود ومعاملات کی طرح ہے چنانچہ عقد نکاح طے ہو جانے کے بعد زوجین کے کچھ حقوق اور فرائض جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ زوجین کے درمیان توازن اور یکسانیت اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب ہر فریق دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اپنا فریضہ سمجھے گا، چنانچہ قرآن مجید میں انہی حقوق وفرائض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرة ۲/۲۲۸

اوران عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔

یعنی جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ واضح رہے ایک کے حقوق دوسرے کے واجبات وفرائض (ذمہ داریاں) ہیں جبکہ ایک کے فرائض دوسرے کے حقوق ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان حقوق وواجبات کا دارومدار عرف اور فطرت پر ہے اصول یہ ہے کہ ہر حق کے مقابلہ میں فریضہ ہے۔

اس فصل میں تین مباحث پر کلام کیا جائے گا۔

(اول)......بیوی کے حقوق۔

(دوم)......شوہر کے حقوق۔

(سوم)......زوجین کے درمیان مشترکہ حقوق۔

پہلی بحث: بیوی کے حقوق...... بیوی مالی حقوق بھی رکھتی ہے اور غیر مالی بھی مالی حقوق جیسے مہر نفقہ وغیرہ غیر مالی حقوق جیسے حسن معاشرت حسن معاملہ اور عدل وانصاف۔

مہر...... کے متعلق میں نے تفصیلا بات کر دی ہے چنانچہ قران وسنت سے معلوم ہو چکا ہے کہ مہر عورت کا خالص حق ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ...... النساء ۴/۴

عورتوں کو ان کے مہر عطیہ کے طور پر دو۔

سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نکاح مہر سے خالی نہیں تھا۔

نفقہ...... کے متعلق مخصوص بحث میں تذکرہ ہوگا چنانچہ قرآن وسنت میں نفقہ کا حکم مقرر ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرة ۲/۲۳۳

جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر معروف طریقے سے واجب ہے کہ وہ ماؤں کے کھانے اور کپڑوں کا انتظام کرے۔

معاویہ قشیری کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مرد پر عورت کا کیا حق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کھانا کھاؤ اسے بھی کھلاؤ، جب تم کپڑے پہنو اسے بھی پہناؤ، اسے چہرے پر مت مارو اسے بری بھلی بھی مت کہو اسے چھوڑو مت مگر گھر کی حد تک۔

حسن معاشرت...... سے مراد زوجین کے درمیان حسن سلوک، محبت والفت اور ہم آہنگی ہے زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ حسن سلوک رکھے اسے اذیت پہنچانے سے اجتناب کرے قدرت کے باوجود ایک دوسرے کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ ایک دوسرے کے معاملہ کو بشاشت اور خوشدلی سے برداشت کریں، خاوند کا طرز عمل احسان اور اذیت سے دور ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ...... النساء ۴/ ۱۹

عورتوں کے ساتھ قاعدے کے مطابق معاشرت رکھو۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ...... البقرة ۲/ ۲۲۸

عورتوں کے بھی قاعدے کے مطابق حقوق ہیں جیسے کہ ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔

ابو زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اسی طرح عورتیں بھی تمہارے معاملہ میں اللہ سے ڈریں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لئے آراستہ ہوں جیسے میں پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے بناؤ سنگھار کرے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ...... البقرة ۲/ ۲۲۸

قاعدے کے مطابق عورتوں کے بھی ایسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر تمہارے حقوق ہیں۔

سنت سے بھی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ثابت ہے چنانچہ سنت میں زوجین کے حقوق وفرائض بسط وتفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورتوں کے ساتھ اچھائی کا سلوک کرو کیونکہ عورتیں تمہاری قید میں ہوتی ہیں تم ان کی بضع کے علاوہ کسی چیز کے مالک نہیں ہوئے ہاں البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے بستر چھوڑ دو اور انھیں مارو تاہم مار کا اثر جسم پر نہ آنے پائے اگر عورتیں تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر اختیار مت لو۔ ❶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہارے اوپر عورتوں کے حقوق ہیں۔

عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور ایسے شخص کو گھر آنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ خبردار! عورتوں کا تمہارے اوپر حق ہے کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک رکھو ان کے کپڑوں اور کھانے کا بہتر انتظام کرو۔ ❷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔ ❸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہو۔ ❹

بیوی کے حقوق...... مختصراً بیوی کے مندرجہ ذیل حقوق ہیں۔

---

❶......رواه ابن ماجه والترمذی وصححه عن عمر وبن الاحوص (نيل الاوطار ۶/ ۲۱۰) ❷رواه الترمذی وصححه عن ابی هريرة ❸رواه احمد والترمذی وصححه عن ابی هريرة ❹ رواه احمد.

ا.....بیوی کے ساتھ صحبت کرنا اسکا حق ہے، مالکیہ کہتے ہیں: اگر عذر مانع نہ ہو تو بیوی کے ساتھ صحبت کرنا خاوند پر واجب ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صرف ایک بار عورت کے ساتھ صحبت کرنا واجب ہے کیونکہ صحبت کرنا مرد کا حق ہے اس لئے صحبت کا ترک کرنا مرد کے لئے جائز ہے جیسے کرائے پر لئے ہوئے مکان میں رہائش رکھنا مستاجر کا حق ہوتا ہے۔ نیز صحبت کا سبب ہیجان نفس شہوت اور محبت ہے اس لئے صحبت کو واجب قرار دینا ممکن نہیں، البتہ صحبت ترک کرنا صحیح نہیں بلکہ کرتے رہنا مستحب ہے تاکہ فساد نہ پھیلنے پائے۔

حنابلہ کہتے ہیں: خاوند پر واجب ہے کہ ہر چار ماہ میں بیوی کے ساتھ ایک بار ہمبستری کرے بشرطیکہ کوئی عذر مانع نہ ہو۔ کیونکہ صحبت اگر واجب نہ ہوتی تو ترک جماع کی قسم سے ایلاء واجب نہ ہوتا نیز نکاح زوجین کی مصلحت وبھلائی کے لئے مشروع ہوا ہے نکاح کے ذریعہ ایک دوسرے کے ضرر کا دفیعہ کیا جاتا ہے جبکہ ضرر شہوت کا دفیعہ بھی ضروری ہے لہٰذا وطی زوجین دونوں کا حق ہے اگر بلا عذر خاوند چار ماہ میں وطی کرنے سے انکار کرے یا بیوی کے پاس رات گزارنے سے انکار کرے تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی جیسے ایلاء کی صورت میں تفریق کر دی جاتی ہے البتہ اگر کسی عذر یا حاجت کی وجہ سے خاوند سفر پر ہو اور مدت سفر لمبی ہو جائے تو عورت کا حق صحبت ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی عذر یا حاجت مانع نہ ہو اور خاوند کا سفر چھ ماہ تک طویل ہو جائے جبکہ عورت بھی واپسی کا مطالبہ کرتی ہو تو خاوند پر واپسی لازمی ہوگی اسکی دلیل ابوحفص کی روایت ہے جو زید بن اسلم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ میں گھوم رہے تھے ایک عورت کے پاس سے گزرے وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

تطاول هذا الليل واسود جانبه
وطال على ان لا خليل الاعبه
فوالله لولا خشية الله والحيا
لحرّك من هذا السرير جوانبه

یہ رات طویل تر ہوتی جا رہی ہے اور اس کی تاریکیاں چھائی جا رہی ہیں اور اس بات پر میرا اضطراب بھی طویل تر ہوتا جا رہا ہے کہ میرا کوئی حبیب نہیں جس سے میں جی بہلا سکوں اللہ کی قسم اگر خوف خدا نہ ہوتا اور حیاء مانع نہ ہوتی تو اس چارپائی کے اطراف حرکت میں ہوتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا آپ کو جواب دیا گیا کہ اسکا خاوند جہاد کے لئے نکلا ہوا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے پاس ایک دوسری عورت بھیج دی جو اس کے پاس رہے اور اس کے خاوند کے پاس پیغام بھیجا کہ واپس آئے پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ان سے فرمایا: اے بیٹی عورت اپنے خاوند سے دور کتنے عرصے تک صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: سبحان اللہ! آپ مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حقیقت میں مجھے مسلمانوں کا معاملہ درپیش ہے ورنہ میں تم سے یہ سوال نہ کرتا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پانچ چھ ماہ تک عورت صبر کر سکتی ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد میں رہنے کی مدت چھ ماہ قرار دی۔ ایک ماہ جانے میں چار ماہ محاذ پر قیام کرنے کے اور ایک ماہ واپسی کا۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے سفر طویل ہو جائے مثلاً خاوند طلب علم میں مصروف ہو یا فرض جہاد یا فرض حج میں مصروف ہو یا تلاش معاش کے سلسلہ میں غائب ہو تو اس پر واپسی لازمی نہیں ہوگی کیونکہ وہ معذور ہے۔

اگر بلا عذر خاوند واپس نہ آ رہا ہو تو حاکم وقت اسے خط لکھے جس میں اسے واپسی کا حکم دے مراسلہ کے باوجود اگر واپس نہ آئے تو حاکم اس کا نکاح فسخ کر دے کیونکہ وہ ایسے حق کو پامال کر رہا ہے جس سے دوسرے فرد کو ضرر پہنچ رہا ہوتا ہے۔

۲.....پیچھے والے حصہ میں وطی کرنا حرام ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ حق واضح کرنے سے نہیں شرماتا تم لوگ عورتوں کے پیچھے حصہ میں صحبت مت کرو ایک اور حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو اپنی بیوی کے

ساتھ پچھلے حصہ میں صحبت کرتا ہوں ❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ صحبت کی یا پچھلے حصہ میں صحبت کی یا جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اسکی تصدیق کی تو گویا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی تعلیمات کا کفر کیا ❷ ایک اور حدیث میں ہے وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے حصہ میں صحبت کرے۔ ❸

حائضہ عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے اور جو شخص حائضہ کے ساتھ صحبت کر لے اگر شروع خون میں صحبت کی ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا مسنون ہے اور اگر انتہائے خون میں صحبت کی ہے تو نصف دینار صدقہ کرنا مسنون ہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور حاکم کی روایت ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ حالت حیض میں صحبت کر لے اگر خون سرخ رنگت کا ہو تو وہ ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون زرد رنگت کا ہو تو وہ نصف دینار صدقہ کرے۔

البتہ وطی کے بغیر عورت کے ساتھ مباشرت کرنا جائز ہے۔

صحبت کرنے کی کیفیت ہر طرح جائز ہے خواہ عورت کو الٹی لٹا کر صحبت کی جائے یا سیدھی لٹا کر بشرطیکہ صحبت آگے والے حصہ میں ہو۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہود کہا کرتے تھے: جو شخص پیچھے کی طرف سے ہو کر عورت کی آگے کی شرم گاہ میں صحبت کرے تو پیدا ہونے والد بچہ بھینگا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔ البقرۃ: ۲/ ۲۲۳

چنانچہ عورت کو سیدھی لیٹا کر الٹی لٹا کر صحبت کرنا جائز ہے بشرطیکہ آگے کے راستہ میں صحبت ہو ایک اور روایت میں ہے مرد عورت کے ساتھ آگے کی طرف سے ہو کر بھی صحبت کر سکتا ہے اور پیچھے کی طرف سے بھی ہو کر بشرطیکہ صحبت آگے کے حصہ میں ہو۔ ❹

اگر خاوند نے پیچھے والے حصہ میں صحبت کر دی تو اسے تعزیز لگائی جائے گی بشرطیکہ اسے تحریم کا علم ہو کیونکہ اس نے ایسی معصیت کا ارتکاب کر دیا ہے جس پر حد مقرر نہیں اور نہ ہی کفارہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: اگر زوجین پیچھے والے حصہ میں صحبت کرنے پر اتفاق کر لیں تو ان کے درمیان تفریق کی جائے گی اسی طرح اگر مرد کو عورت کے ساتھ پیچھے والے حصہ میں صحبت کرنے پر مجبور کیا گیا تو بھی تفریق کی جائے گی کیونکہ پیچھے والے حصہ میں وطی کرنا ممنوع ہے اور وہ اس بدفعلی سے باز نہیں آتا لہٰذا تفریق کی جائے گی۔

۳۔ عزل...... عزل کا معنی ہے عورت کی شرمگاہ سے منی باہر گرانا شافعیہ کہتے ہیں عزل مکروہ ہے چنانچہ جذامہ بنت وہب کی روایت ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھی صحابہ آپ سے عزل کے متعلق دریافت کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عزل تو واد خفی یعنی پوشیدہ طور پر بچی کو زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ...... التکویر ۸۱/ ۸

اور جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ ❺

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عزل جائز ہے متاخرین کے نزدیک یہ قول صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ

---

❶ ......رواہ ابن ماجہ واحمد (نیل الاوطار ۶/ ۲۰۰) ❷ رواہ الاثرم واحمد والترمذی (المرجع السابق) ❸ اخرجہ ابن ماجہ واحمد وابوداؤد واخرجہ الشافعی بنحوہ عن خزیمۃ بن ثابت وفی اسناد مجھول (المرجع السابق) ❹ متفق علیہ ❺ اخرجہ احمد ومسلم (نیل الاوطار ۶/ ۱۹۶)

ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کرتے تھے اور قرآن بھی نازل ہو رہا تھا❶ عزل کے جواز کا قول مذاہب اربعہ کے ہاں متفق علیہ ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:

ہم لوگ عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے صحبت کرنا پسند کرتے ہیں (اے اللہ کے رسول) عزل کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ تمہارے لئے ظاہر ہو وہ کرو اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا ہر نطفے سے بچہ پیدا نہیں ہوتا۔

آزاد عورت کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آزاد عورت کے ساتھ عزل کرنے سے منع فرماتے تھے الا یہ کہ اسکی اجازت سے ہو۔❷

۴۔حسن سلوک......خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک رکھے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ......النساء ۴/ ۱۹

اور عورتوں کے ساتھ بھلے انداز سے زندگی بسر کرو۔

خاوند پر واجب ہے کہ بغیر کسی قسم کی ٹال مٹول کے بیوی کے حقوق ادا کرے چنانچہ بیوی کا حق ادا کرنے میں تاخیر نہ کرنا بھی حسن معاشرت ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مالدار شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔❸

۵۔عورتوں کے درمیان عدل......جس شخص کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں تو جمہور (شافعیہ کے علاوہ) کے نزیک اس پر بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا واجب ہے چنانچہ نان نفقہ اور باری مقرر کرنے میں برابری کرے ہر بیوی کے پاس ایک دن اور ایک رات گزارے برابر ہے کہ خاوند صحت مند ہو یا مریض برابر ہے کہ عورت صحت مند ہو یا بیمار حالت حیض میں ہو یا حالت نفاس میں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کی ہوئی تھی اور حالت مرض میں بھی باری کی رعایت کی حالانکہ باری آپ پر واجب بھی نہیں تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کے لئے ایک دن اور ایک رات تقسیم کر رکھی تھی❹ اور فرمایا کرتے تھے: اللہ! میرے اختیار میں یہی تقسیم ہے جو چیز میرے اختیار میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ کرنا۔❺

اگر خاوند مریض ہو اور باری کی رعایت رکھنا اس کی طبیعت پر گراں ہو رہا ہو تو وہ بیویوں کی اجازت سے کسی ایک بیوی کے پاس قیام کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس پیغام بھیجا چنانچہ ازواج مطہرات آپ کے پس جمع ہوگئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اب تمہارے ہاں چکر لگانے کی طاقت نہیں رکھتا اگر تم مجھے اجازت دو تو میں عائشہ کے ہاں قیام کرلوں چنانچہ ازواج مطھرات نے آپ کو اجازت دی❻ اگر عورتیں اجازت نہ دیں تو قرعہ ڈالے جس کے نام کا قرعہ نکلے اسی کے پاس قیام کرے یا سب سے الگ ہو جائے تا کہ عدل قائم رہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: شروع میں باری کا لحاظ رکھنا خاوند پر واجب نہیں کیونکہ باری کا مقرر کرنا خاوند کے حق کی وجہ سے ہے اس لئے باری کو ترک کرنا جائز ہے تاہم جب کسی ایک عورت کے پاس رات گزارے تو دوسری عورتوں کے پاس بھی رات گزارنا لازم ہو جاتا ہے اگر چہ مرد مریض ہو یا نامرد ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باری پر عمل کرتے تھے۔

باری کی ابتداء قرعہ سے کی جائے چنانچہ بیویوں کی اجازت کے بغیر کسی ایک بیوی سے باری کی ابتداء کرنا جائز نہیں الا یہ کہ قرعہ ڈالے۔

---

❶......رواہ احمد والبخاری ومسلم (متفق علیہ) ❷رواہ احمد وابن ماجہ ❸رواہ اصحاب السنن الا الترمذی ورواہ البیھقی کلھم عن عمرو بن الشرید عن ابیہ ورواہ احمد واصحاب الکتب الستہ وابن ابی شیبہ عن ابی ھریرۃ ❹اخرجہ احمد والبخاری ومسلم ❺رواہ ابوداؤد ❻ایضاً

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو تو وہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر قرعہ کے اگر ابتدا کر لی گئی تو اس سے نفرت پیدا ہوگی۔

جب ایک بیوی کے لئے باری مقرر کر دی تو باقی بیویوں کے لئے بھی باری کا لحاظ رکھنا لازمی ہو جائے گا کیونکہ اگر باری کا لحاظ نہیں رکھے گا تو کسی ایک بیوی کی طرف مائل ہو جائے گا اور یوں وعید میں داخل ہو جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دوران سفر بھی باری کا لحاظ رکھنا لازمی ہے چنانچہ بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو سفر میں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے تاہم حنفیہ اور مالکیہ نے سفر میں باری کا لحاظ رکھنا واجب قرار نہیں دیا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ثواب کی نیت سے سفر کیا ہو تو قرعہ ڈالے جس بیوی کے نام کا قرعہ نکلے اسے ساتھ لے جائے۔

اگر عورت نے خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کیا تو اس کی باری اور نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ باری موانست برقرار رکھنے کے لئے ملحوظ رکھی جاتی ہے اور نفقہ اس لیے واجب ہوتا ہے تاکہ بیوی خاوند کو صحبت کی قدرت دے جبکہ سفر کی وجہ سے عورت نے ان دونوں چیزوں کو روک دیا ہے۔

باری کا دارومدار رات پر ہے کیونکہ رات کے وقت انسان کو کسی ٹھکانے کی تلاش ہوتی ہے اور وہ اپنے گھر والوں کے ہاں سکونت اختیار کرتا ہے عادۃً اپنے بستر پر بیوی کے ساتھ سوتا ہے جبکہ دن تو تلاش معاش کا وقت ہوتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ......النباء ۷۸/ ۱۰-۱۱

اور رات کو ہم نے پردے کا سبب بنایا ہے اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت بنایا ہے۔

بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی باری کا حق اپنی کسی دوسری سوکن کو ہبہ کر دے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ہاں البتہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کی رات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی سودہ رضی اللہ عنہا کی اس سے غرض یہ تھی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی رہیں۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک نئی دلہن کے پاس سات دن گزارے جائیں بشرطیکہ وہ کنواری ہو اور اگر شوہر دیدہ ہو تو اس کے پاس تین راتیں (شروع میں) گزاری جائیں حنفیہ نے نئی بیوی اور پرانی بیوی کے درمیان یکسانیت رکھی ہے۔

بیوی کے فرائض...... چنانچہ روٹی پکانے اور کپڑے وغیرہ دھونے کی خدمات بیوی پر واجب نہیں بلکہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ تیار شدہ کھانا مہیا کرے، کیونکہ وہ چیز جس پر عقد نکاح طے ہوا ہے وہ جنسی ربط کا نفع اٹھانا ہے لہٰذا اس کے علاوہ عورت پر کچھ اور واجب نہیں ہوگا۔ تاہم بیوی اگر گھریلو کام کاج کرنے کی قدرت رکھتی ہو تو اس کے لئے گھریلو خدمت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ کیونکہ گھریلو کام بیوی پر دیانۃً واجب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شریف عورت ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کام تقسیم کر دیے تھے۔ چنانچہ باہر کے جملہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ڈالے اور گھر کے داخلی کام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ڈالے۔

دوسری بحث: خاوند کے حقوق...... خاوند کے اہم اہم حقوق مندرجہ ذیل ہیں: [1]

ا۔ بیوی کا اپنے خاوند کی فرمانبردار ہونا...... عورت استمتاع (جنسی خواہش) اور گھر سے باہر جانے کے معاملہ میں اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے چنانچہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ عورت صحبت کے قابل ہو تو اس عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا نفس

[1] ......المراجع السابقه۔

اپنے خاوند کے سپرد کر دے اور جب عورت اپنا نفس خاوند کو سپرد کر دے تو خاوند پر واجب ہے کہ بدل حوالے کرے کیونکہ عقد سے خاوند تسلیم عوض کا مستحق ہوا ہے چنانچہ جب عورت اپنا نفس خاوند کو سپرد کر دے تو خاوند پر واجب ہے کہ مہر معجل عورت کو سپرد کرے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ نو سال کی لڑکی کے ساتھ صحبت کی جا سکتی ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زفاف کی اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال تھی۔

عرف ورواج کے مطابق عورت کو دو یا تین دن کی مہلت دی جا سکتی ہے تاکہ وہ اس عرصہ میں اپنی حالت درست کر لے۔

جب خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے تو خاوند کی اطاعت کرنا بیوی پر واجب ہے اگر چہ عورت تنور پر ہو یا سواری پر بیٹھی ہو جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے اس مضمون کی روایت بھی نقل کی ہے بشرطیکہ عورت فرائض سے مشغول نہ ہو رہی ہو یا خاوند کا مقصد اسے ضرر پہنچانا نہ ہو کیونکہ ضرر اور اذیت حسن معاشرت میں سے نہیں ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ......البقرة: ۲/۲۲۸

قاعدے کے مطابق عورتوں کے حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے ان پر حقوق ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت مر گئی درحالیکہ اسکا خاوند اس سے راضی تھا وہ جنت میں داخل ہوگی [2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس جانے سے انکار کر دے پھر خاوند غصہ کی حالت میں رات بسر کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ [3]

جب عورت اپنا مہر قبضہ کر لے اس پر واجب ہے کہ گھر میں ٹھہری رہے گھر سے باہر نہ جائے گھریلو معاملات سنوارے گھر کی دیکھ بھال کرے اولاد کی تربیت کرے عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جا سکتی تاہم حج کے لیے بھی خاوند کی اجازت ضروری ہے۔ خاوند بیوی کو مساجد وغیرہ میں جانے سے منع کر سکتا ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے ایک عورت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے دیکھا وہ بولی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاوند کا حق ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے، اگر خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر گئی تو اللہ کی اس پر لعنت ہو رحمت کے فرشتوں کی اس پر لعنت ہو اور غضب کے فرشتوں کی اس پر لعنت ہو یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے (یا فرمایا) یہاں تک کہ وہ واپس آ جائے، عورت بولی: اے اللہ کے رسول! اگر خاوند بیوی پر ظلم کرتا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ خاوند بیوی پر ظلم کرتا ہو [4] دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خاوند کا حق واجب ہے لہٰذا، اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

لیکن عورت کو اپنے والدین کی عیادت کرنے سے منع کرنا مکروہ ہے (جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مقرر ہے) اسی طرح اگر والدین میں سے کوئی مر جائے تو فوتگی میں حاضر ہونے سے منع کرنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ بیوی کو ایسے مواقع پر والدین کے ہاں جانے سے منع کرنا نفرت کا باعث ہے اور اس سے والدین کی نافرمانی کا پہلو ظاہر ہوتا ہے جو جائز نہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک والدین میں سے اگر کوئی بیمار ہو تو خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا عورت کے لئے جائز قرار دیا ہے۔

اگر عورت گھر سے باہر جائے تو اس پر پردے کا التزام واجب ہوگا چنانچہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ اس کا جسم ظاہر نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعضا کو چھپا کر رکھنا واجب قرار دیا ہے ان میں سے کسی عضو کو ظاہر رکھنے میں فتنے کا اندیشہ ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1]......رواه الترمذی وقال حديث حسن عن ابی هريرة [2] رواه ابن ماجه والترمذی وقال حديث حسن غريب عن ام سلمة
[3] متفق عليه بين الشيخين عن ابی هريرة۔ [4] رواه ابو داؤد الطيالسی عن ابن عمر۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى

اور (مردوں کو) اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو جیسا کہ پہلی جاہلیت میں ہوتا تھا۔

تبرج کا معنی مٹک کر چلنا اور ایسی حرکات کا چال سے اظہار کرنا جن سے شہوت ابھرتی ہو۔ ایسے کپڑے بھی پہننا تبرج میں داخل ہے جن کی باریکی سے بدنی اعضاء دکھائی دیتے ہوں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے دوزخیوں کی دو قسمیں دیکھی ہیں جو اس کے بعد میں نے کہیں نہیں دیکھیں، ایک وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں (یعنی باریک کپڑے پہنتی ہوں) دوسری وہ عورتیں جو مردوں کی طرف خود بھی مائل ہوتی ہوں اور مردوں کو مائل بھی کرتی ہوں ان کے سروں پر بختی اونٹوں جیسی کوہانیں ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو دور دور سے آتی ہے دوسرے ایسے مرد جن کے پاس گائیوں کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مار رہے ہوں گے۔ ❶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو عورت بھی خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلے اور پھر لوگوں کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں بلاشبہ وہ زانیہ ہے۔ ❷

گھر میں ٹھہرنے کا معنی..... گھر میں ٹھہرے رہنے اور ٹکے رہنے کا یہ معنی نہیں کہ اسے قید و بند میں رکھ دیا جائے یا اسے کال کوٹھڑی میں حبس کر لیا جائے بلکہ گھر میں ٹھہرے رہنا عورت کے لئے بہتر ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت پردے کی چیز ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے سیلوٹ کرتا ہے عورت اس وقت رب تعالیٰ کی رحمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ گھر کے بیچوں بیچ ٹھہری ہوئی ہو ❸ اس حدیث سے پردے کا وجوب ثابت ہوتا ہے جبکہ گھر سے باہر نکلنے میں شیطان کے اغواء کرنے اور مردوں کی تاک جھانک کا اندیشہ ہے جس کے پس منظر میں عورت کا فتنے میں مبتلا ہونا قوی تر ہو جاتا ہے۔

نفلی عبادت..... عورت نفلی روزہ خاوند کی اجازت کے بغیر نہ رکھے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے درحالیکہ اسکا خاوند گھر پر موجود ہو اور خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دے ❹ بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ: قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں بیوی پر خاوند کے کیا حقوق ہیں میں غیر شادی شدہ عورت ہوں، سو اگر خاوند کے حقوق مجھ سے ادا ہو سکے تو میں شادی کروں گی ورنہ غیر شادی شدہ ہی رہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت پر خاوند کا یہ حق ہے کہ اگر خاوند بیوی سے خواہش نفس پوری کرنے کا اظہار کرے تو بیوی اسکی فرمانبرداری کرے گو عورت سواری پر سوار کیوں نہ ہو اور یہ کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے اور اگر اس نے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھ لیا تو وہ یونہی بھوکی پیاسی رہی اسکا روزہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اگر خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر گئی تو آسمان کے فرشتے رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اس پر وہ عورت بولی: کوئی ضروری نہیں، میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔ ❺

حق طاعت کا منشاء..... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کے قوام (نگہبانی ونگرانی) کا درجہ ثابت کیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

---

❶..... رواه مسلم فی صحیحه عن ابی هريرة ❷ رواه الحاكم عن ابی موسى۔ ❸ رواه الترمذی عن ابن مسعود ❹ متفق عليه عن ابی هريرة ❺ رواه البزار وفيه حسين بن قيس المعروف بحنش وهو ضعيف وقد وثقه حصين بن نمير وبقية رجالة ثقات۔

مرد عورتوں کے نگران ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور کیونکہ مردوں نے اپنے اموال خرچ کیے ہیں۔ النساء ۴/۳۴
یعنی مردوں کو یہ درجہ فضیلت ان کی عقلمندی اور جسمانی قوت کی وجہ سے حاصل ہے نیز اس وجہ سے بھی حاصل ہے کیونکہ مرد عوتوں پر خرچ کرتے ہیں انھیں مہر دیتے ہیں گھریلو خرچہ دیتے ہیں اور دیگر اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں۔

۲۔ امانت...... اگر خاوند سفر پر ہوا گھر پر موجود نہ ہو تو بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کی حفاظت کرے خاوند کے گھر، مال اور اولاد کی حفاظت کرے چنانچہ ابن احوص کی حدیث ہے ”تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستروں پر ان لوگوں کو نہ آنے دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو اور جنھیں تم ناپسند کرتے ہو انھیں تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت نہ دیں ایک اور حدیث میں ہے۔ قریش کی عورتیں اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں سے بہتر ہیں چنانچہ وہ اپنے بچے کے لئے زیادہ مہربان ہیں، اپنے خاوند کے حقوق کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر عورتیں قریش کی نیکوکار عورتیں ہیں ❶ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اسکی نگہبانی کے بارے میں سوال کیا جائیگا امیر بھی نگہبان ہے مرد بھی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اسکی اولاد کی نگہبان ہے تاہم تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی نگہبانی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ ❷

چنانچہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اولاد کی اچھی تربیت کرے انہیں آداب زندگی سکھائے واجبات کی ادائیگی کی انہیں تعلیم دے۔

۳۔ حسن معاشرت...... عورت پر واجب ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ حسن سلوک رکھے اسے اذیت نہ پہنچائے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت بھی دنیا میں اپنے خاوند کو اذیت پہنچاتی ہے تو حوروں میں سے اس کی جو بیوی ہوتی ہے وہ کہتی ہے: اسے اذیت نہ پہنچا اللہ تجھے ہلاک کرے بلاشبہ یہ تمہارے پاس عارضی طور پر ہے کیا بعید یہ تمہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے ❸ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے بڑھ کر کوئی گراں بار فتنہ نہیں چھوڑا۔ ❹

۴۔ حق تادیب...... تادیب سے مراد عورت کو مناسب سزا دینا ہے ❺ اگر بیوی کسی قاعدہ کی اچھی بات پر خاوند کی نافرمانی کرے اور اس کا کہنا نہ مانے تو خاوند کو بیوی کی تادیب کا حق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی نافرمانی کی صورت میں صحبت کو چھوڑ دینے اور انھیں مارنے کی تادیب کا حکم دیا ہے، اگر بیوی طاعت اختیار کر لے تو خاوند تادیب سے رک جائے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَاتَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً

اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف کاروائی کا راستہ تلاش نہ کرو۔

تاہم نیکوکار اور سلیقہ شعار عورت کو تادیب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔

جبکہ جو عورت صالح (نیک) نہ ہو اور خاوند کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو وہ تادیب کی محتاج ہوتی ہے۔

---

❶......رواہ البخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ (جامع الاصول ۱۰/۱۳۴ ❷متفق علیه بین الشیخن عن ابن عمر (ریاض الصالحین ۱۳۵) ❸رواہ الترمذی عن معاذ جبل وقال حدیث حسن ❹متفق علیه۔ البخاری ومسلم عن اسامة بن زید (ریاض الصالحین ۱۳۵) ❺البدائع ۲/۳۳۴ القوانین الفقهية ۲۱۲ مغنی المحتاج: ۳/۲۵۷ المهذب ۲/۶۹ کشاف القناع ۵/۲۳۳۔

خاوند کو اس صورت میں تادیب کا اختیار حاصل ہوتا ہے جب عورت لازمی اطاعت سے پہلوتہی کرے اور اس سے نشوز سرزد ہو جب عورت اپنے فرائض میں کوتاہی کرے تو یہ نشوز ہے اسکی مختلف صورتیں ہیں مثلاً خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا تاہم اگر عدالت میں عورت کو جانا پڑے اور جانے کا مقصد خاوند سے اپنے حقوق کا مطالبہ ہو تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جا سکتی ہے، اسی طرح عورت کا بالفعل خاوند سے اعراض کرنا ضد پر اتر آنا یا خاوند کو غیر اخلاقی اور سختی سے جواب دینا۔ جب نشوز کی علامتیں ظاہر ہوں تو خاوند مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق بیوی کی تادیب کرے۔

اول: وعظ ونصیحت......سب سے پہلے نرمی کے ساتھ خاوند بیوی کو سمجھائے۔ مثلاً یوں کہے نیکی اور فرمانبرداری کی راہ اپناؤ اور ایسی ایسی مت بنو یا کہے: اے اللہ کی بندی، اللہ سے ڈرو اور میرے حقوق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور مار مت کھاؤ۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ ......النساء: ۴/ ۳۴

اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ۔

تاہم اس صورت کی تادیبی کاروائی میں عورت کو خوابگاہ میں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ ہی اسے مارا جائیگا اس معاملہ میں خاوند باری چھوڑ دینے کی دھمکی بھی دے سکتا ہے۔

دوم: خوابگاہ میں عورت کو تنہا چھوڑنا......اگر عورت کی نافرمانی متحقق ہو جائے یا خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو تو اسے خوابگاہ میں تنہا چھوڑ دے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ ......النساء: ۴/ ۳۴

اور انھیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اپنے بستر پر اپنی بیوی کے ساتھ نہ لیٹو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو خوابگاہوں میں تنہاء چھوڑ دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے تھے۔ [1]

تین دن تک خاوند اپنی بیوی سے کلام منقطع کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔

جمہور کے نزدیک خاوند بیوی کو نہ مارے چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: زیادہ ظاہر مذہب کے مطابق خاوند بیوی کو مار سکتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ......النساء: ۴/ ۳۴

عورتوں کو خوابگاہوں میں تنہاء چھوڑ دو اور انھیں مارو۔

بظاہر آیت کے مطابق اگرچہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے تاہم جمع سے مراد علی سبیل الترتیب ہے اور واؤ اسکا احتمال رکھتی ہے۔

مارنے میں احتیاط......اگر بیوی کو مارنے کی نوبت آ جائے تو چہرے پر نہ مارے پیٹ پر نہ مارے اور بدن پر ایسی جگہ بھی نہ مارے جس سے ہلاکت کا خوف ہو اعضاء حسن پر بھی مارنے سے گریز کرے تاکہ اعضا کا تناسب نہ بگڑنے پائے مار کی مقدار دس کوڑوں سے کم ہو جیسا کہ حنفیہ کے ہاں مذکور ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: تم میں سے کوئی شخص بھی دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے الا

[1]...... متفق علیہ

یہ کہ کسی حد میں کوڑے مارنے ہوں ❶ ایک اور حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص بھی اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جیسے غلام کو مارا جاتا ہے اور پھر وہ دن کے آخری حصہ میں بیوی کے ساتھ صحبت بھی کرنے لگے۔ ❷

اگر مارنے سے کھال ادھڑ جائے تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک خاوند پر اس کا تاوان نہیں ہوگا کیونکہ شرعاً مارنے کی اجازت ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: خاوند پر ضمان ہوگا۔ کیونکہ حق کی وصولی حفظ واحتیاط اور سلامتی کے ساتھ مقید ہے۔

بیوی کو مارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ سے بیوی کی ہتھیلی پر مارے یا چھوٹی سی چھڑی سے مارے یا مسواک سے مارے، بہتر یہ ہے کہ دھمکی پر اکتفاء کرے اور مارنے سے گریز کرے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور خادم کو نہیں مارا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو مارا الا یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں مارا ہے یا کسی نے اللہ کی حدود کو توڑا ہو تو آپ نے محض اللہ کے لیے انتقام لیا ہو۔ ❸

چہارم: حکمین کا قیام:

اگر مارنے سے عورت راہ راست پر آ جائے تو بہت اچھا اور اگر مار سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ خاوند الگ بیوی کے ظلم کا مدعی ہو اور بیوی الگ سے خاوند کے ظلم کا دعویٰ کرتی ہو جبکہ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہو تو معاملہ عدالت میں قاضی کے پاس لے جایا جائے گا تاکہ قاضی دو ایسے آدمی کھڑے کرے جو حکمین کی حیثیت سے زوجین کے درمیان صلح کا معاملہ طے کریں یا دونوں کے درمیان تفریق کر دیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو (ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے) ایک شخص خاوند کے خاندان سے اور ایک شخص بیوی کے خاندان سے بطور منصف بھیجو اگر وہ دونوں اصلاح کروانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔ النساء ۴/۳۵

حکمین (منصفین)...... جو دو اشخاص صلح کے لئے بھیجے جائیں وہ دونوں مسلمان ہوں، آزاد ہوں مرد ہوں عادل ہوں، مکلف وبالغ ہوں اور صلح وتفریق اور (نکاح، طلاق) کے مسائل سے آگاہ ہوں کیونکہ منصفی رائے دہی اور فکر ونظر کے تحت ہوتی ہے بہتر یہ ہے کہ ایک منصف عورت کے خاندان سے ہو اور ایک مصنف خاوند کے خاندان سے ہوتا ہم کسی دوسرے خاندان سے بھی حکمین کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ منصفی اور وکالت کے لئے قرابتداری شرط نہیں، حکمین اصلاح کی نیت لے کر معاملہ آگے بڑھائیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ ......النساء: ۴/۳۵

اگر وہ دونوں اصلاح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔

منصفین زوجین کو صلح کر لینے کی ترغیب دیں، ان سے نرمی کے ساتھ بات کریں انھیں ڈرائیں دھمکائیں نہیں، بات چیت کے لئے زوجین میں سے کسی ایک فرد کو مخصوص نہ کیا جائے بلکہ دوطرفہ بات ہو۔ تاکہ دونوں میں اتفاق پیدا کیا جا سکے۔

مالکیہ کے نزدیک زوجین کے معاملہ میں حکمین کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا خواہ ان کا فیصلہ طلاق کا ہو یا صلح کا اس فیصلہ کے لیے خاوند کی اجازت ضروری نہیں اور نہ ہی حاکم وقت (قاضی) کا اتفاق ضروری ہے اگر صلح کی راہ نہ بن پائے اور حکمین تفریق کا فیصلہ کر دیں تو یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی۔

---

❶ ..... متفق علیه بین احمد والشیخین واصحاب السنن الاربعة عن ابی بردة بن نیار وهو صحیح ❷ متفق علیه فی الصحیحین (نیل الاوطار ۶/۲۱۲) ❸ رواه النسائی: (نیل الاوطار ۶/۲۱۱)

شافعیہ اور حنابلہ: کہتے ہیں حکمین زوجین کے وکیل ہوتے ہیں چنانچہ انھیں تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا اگر تفریق پر ہی فیصلہ ٹھہرے تو زوجین کی اجازت ضروری ہوگی۔ چنانچہ خاوند اپنے وکیل کو طلاق یا صلح کی اجازت دے اور عورت اپنے وکیل کو اجازت دے۔

حنفیہ کہتے ہیں: حکمین کا جس نقطہ نظر پر اتفاقی فیصلہ ہو وہ اپنا اتفاقی فیصلہ قاضی کے پاس لے جائیں اور قاضی کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ طلاق واقع کرے اور یہ طلاق بائن ہوگی چنانچہ حکمین کو تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا الا یہ کہ پورا پورا اختیار انھیں سپرد کر دیا گیا ہو۔

۵۔ حیض ونفاس اور جنابت سے غسل کرنا...... شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند بیوی کو حیض ونفاس کے غسل پر مجبور کر سکتا ہے اگر چہ بیوی ذمیہ ہو۔ کیونکہ حیض ونفاس جنسی اتصال سے مانع ہوتے ہیں جبکہ جنسی اتصال خاوند کا حق ہے چنانچہ خاوند اپنا حق وصول کرنے کے لئے ازالہ مانع پر بیوی کو مجبور کر سکتا ہے۔

خاوند مسلمان بیوی کو غسل جنابت پر مجبور کرنے کا اختیار رکھتا ہے، کیونکہ مسلمان عورت پر نماز واجب ہوتی ہے اور غسل کے بغیر نماز ناممکن ہے نیز جنبی عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے جی کتراتا ہے، البتہ ذمیہ عورت کو غسل جنابت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جیسے نابالغ عورت کو غسل جنابت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جنسی نفع غسل جنابت پر موقوف نہیں چنانچہ غسل جنابت کے بغیر بھی جنسی نفع اٹھانا مباح ہے۔

حنابلہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ خاوند بیوی کو نجاست دھونے پر مجبور کر سکتا ہے کیونکہ ازالہ نجاست عورت پر واجب ہے اسی طرح خاوند بیوی کو حرام کردہ امور سے اجتناب پر بھی مجبور سکتا ہے، خاوند بیوی کو ناخن کاٹنے زیر ناف بال صاف کرنے اور میل کچیل دور کرنے پر بھی مجبور کر سکتا ہے چونکہ یہ چیزیں گندگی میں شمار کی جاتی ہیں اور اس قسم کی گندگی کے ہوتے ہوئے طبعیت جماع کرنے سے کتراتی ہے۔

جبکہ صفائی ستھرائی، زیر ناف بال صاف کرنے اور غسل جنابت کے متعلق شافعیہ کی دو آراء ہیں:

۱...... یہ کہ خاوند بیوی کو صفائی پر مجبور کر سکتا ہے کیونکہ پوری طرح جنسی نفع صفائی پر موقوف ہے۔

۲...... یہ کہ خاوند بیوی کو مجبور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا کیونکہ جماع (صحبت) ستھرائی پر موقوف نہیں۔

۶۔ بیوی کو سفر پر لے جانا...... پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ خاوند نے اگر مہر معجل ادا کر دیا ہو تو اگر دوران سفر کوئی خدشہ نہ ہو بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر لے جا سکتا ہے۔ [1]

تیسری بحث: میاں بیوی کے درمیان مشترک حقوق...... سابقہ حقوق میں سے اکثر اور خصوصاً حق استمتاع اور جو اس کے تابع ہیں یہ میاں بیوی کے درمیان مشترک حقوق ہیں لیکن شوہر کا حق بیوی کے حق سے بڑا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ...... البقرة ۲/ ۲۲۸

اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اور ابوداؤد کی سابقہ حدیث ”اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کے لیے سجدہ کرنے کے لیے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں اس عظیم حق کی بناء پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے۔“

میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سلوک کریں اور اچھے اخلاق سے پیش آئیں باوجود معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ...... النساء: ۴/ ۳۶

یعنی اچھا معاملہ کرو پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور گذشتہ حدیث لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت

[1] ... الدر المختار ۲/ ۴۹۵۔

مانو۔ نیز یہ حدیث تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں [1] لیکن شوہر کو بغیر افراط وتفریط کے غیرت مند ہونا چاہیے تا کہ اس کی وجہ سے شر سے پیش نہ آئے۔

اگر بیوی کے ساتھ اس کے عادات واطوار کی وجہ سے کوئی بات ناپسندیدہ بھی معلوم ہو تب بھی اس سے اور بدتعلقی اختیار نہ کرے اور روکے رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴿۱۹﴾ النساء: ۴/۱۹

اگر وہ (بیویاں) تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر وخوبی رکھی ہو۔ اور مسلم شریف میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہئے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی البتہ شوہر کے لیے مناسب نہیں کہ اپنی بیوی کو اپنے مال کی مقدار بتائے اور نہ ہی اسے کوئی راز دے جس کے شائع ہونے کا خطرہ ہو اور نہ ہی اس کو زیادہ عطیات دے اس لیے کہ جس چیز کی اس کو عادت ہوگی تو پھر نہ ہونے کی صورت میں وہ صبر نہیں کر سکے گی۔ [2]

فائدہ.....میاں بیوی کے باہمی حقوق وذمہ داریوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لیے سب سے بالاتر سمجھے اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے اپنی آخرت ودنیا کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ رکھے اور شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے۔ اس کی قدر کرے اور اس سے محبت کرے اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے صبر وتحمل دانشمندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

دوسرا باب.....رشتہ ازدواج ختم کرنا اور اس کے اثرات

اس باب میں چار فصلیں ہیں:

پہلی فصل.....طلاق۔

دوسری فصل.....خلع۔

تیسری فصل.....قضاء تفریق کرنا۔

چوتھی فصل.....عدت واستبراء۔

پہلی فصل: طلاق.....یہ ایک تمہید چھ مباحث اور ایک الحاق پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث.....طلاق کا معنی، مشروعیت، حکم، رکن، حکمت اور مرد کو طلاق کا اختیار دینے کا سبب۔

دوسری بحث.....طلاق کی شرطیں یا طلاق کا مالک طلاق کی مقدار محل طلاق اور صیغہ طلاق۔

تیسری بحث.....طلاق واقع کرنے کی شرعی قیود۔

چوتھی بحث.....طلاق میں وکیل بنانا اور تفویض۔

پانچویں بحث.....طلاق کی اقسام اور ہر قسم کا حکم۔

[1].....رواہ ابن ماجۃ. [2] کشاف القناع ۵/ ۲۰۶۔

چھٹی بحث ..... طلاق میں شک اور اس کے اثبات کا حکم۔

الحاق ..... حلالہ اور رجعت۔

تمہید ..... ازدواجی تعلق کے اختتام اور رشتہ ازدواج کی فرقت کی اقسام۔

ازدواجی تعلق کا اختتام یا تو شوہر کا اختیار سے نکاح کو ختم کرنا یا قاضی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور لفظ فرقت افتراق الگ الگ ہو جانے کے معنی میں ہے اور ان دونوں کی جمع فرق ہے اور اصطلاح میں زوجین کی ایک دوسرے سے علیحدگی کا اور ازدواجی تعلق کا اختتام ہونا کسی سبب کی وجہ سے۔ پھر اس جدائی اور علیحدگی کی دو قسمیں ہیں ایک فسخ نکاح اور ایک طلاق۔ اور فسخ نکاح یا تو میاں بیوی کی رضامندی سے ہوگا تو اسے خلع کہتے ہیں اور یا قاضی کے فیصلہ کرنے سے ہوگا اور مالکیہ نے ❶ ذکر کیا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی وجدائی پندرہ وجوہات سے ہوتی ہے اور وہ طلاق اپنی اقسام کے ساتھ اور ایلاء لعان، ارتداد، میاں بیوی میں سے کسی ایک کا دوسرے کا مالک ہو جانا، بیوی کو نقصان پہنچانا، حکم (فیصل) کا زوجین کے درمیان تفریق کرنا، زوجین کا دخول سے پہلے مہر میں اختلاف یا شوہر کا مجنون ہو جانا کوڑھا یا برص کا مریض ہو جانا، زوجین میں سے کسی ایک میں عیب کا پایا جانا، نفقہ یا مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونا غرر، فقد، غلام کی باندی کو آزاد کرنا اور آزاد پر باندی سے نکاح کرنا وغیرہ۔

فسخ نکاح اور طلاق میں فرق ..... فسخ طلاق سے تین طرح مختلف ہے۔

پہلا فرق ..... دونوں کی حقیقت: فسخ تو عقد کو بنیاد ہی سے ختم کرنے اور اس پر جو حلت حاصل ہوئی تھی اسے غیر مفید بنانا ہے اور طلاق عقد کو ختم کرنا ہے اس سے حلت ختم نہیں ہوتی جب تک تین طلاقیں نہ دے دے۔

دوسرا فرق ..... دونوں کے اسباب: فسخ تو اس وقت ہوتا ہے جب کچھ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ رشتہ ازدواج کے مخالف ہوں یا ایسے حالات جو اصل اور بنیاد ہی سے عقد کے لازم نہ ہونے سے ملے ہوئے ہوں نو پید حالات کی مثال مثلاً بیوی کا مرتد ہو جانا یا اس کا اسلام لانے سے انکار کرنا یا شوہر کا اپنی بیوی کی والدہ یا بیٹی سے جنسی تعلق پیدا ہونا یا بیوی اور خسر کے یا خاوند کے بیٹے کے درمیان ناجائز تعلق کا پیدا ہونا یہ ازدواجی تعلق کے منافی چیزیں ہیں اور ان حالات کی مثال جو مقارن ہیں: زوجین میں سے کسی ایک کو خیار بلوغ حاصل ہونا اسی طرح ولی عورت کو غیر کفو میں شادی کی صورت میں اختیار حاصل ہونا یا مہر مثل سے کم پر حنفیہ کے ہاں نکاح کی صورت میں تو ان صورتوں میں عقد لازم نہیں اور رہ گئی طلاق تو وہ تو صرف صحیح عقد جو لازم بھی ہو اس میں ہوتی ہے اور طلاق میں مذکورہ اشیاء میں سے کچھ بھی نہیں۔

تیسرا فرق ..... دونوں کا اثر: فسخ سے طلاق کا عدد جس کا شوہر مالک ہے وہ کم نہیں ہوتا اور طلاق سے عدد طلاق کم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وہ جدائی جو فسخ کی صورت میں ہو اس کی عدت میں طلاق واقع نہیں ہوتی الا یہ کہ فسخ ارتداد یا اسلام کے انکار کی صورت میں ہو کیونکہ حنفیہ کے ہاں اس صورت میں بطور سزا کے طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور طلاق کی عدت میں دوسری طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور اس میں کئی سارے ازدواجی تعلق کے احکام جاری ہوتے ہیں پھر یہ کہ دخول سے قبل فسخ کی صورت میں عورت کے لیے مہر وغیرہ میں سے کچھ چیز بھی واجب نہیں ہوتی جبکہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں مقررہ مہر میں سے نصف واجب ہوتا ہے اور اگر مہر مقرر نہ کیا ہو تو وہ متعہ کی مستحق ہوتی ہے۔

جدائی اور علیحدگی کب فسخ ہے اور کب طلاق ..... طلاق اور فسخ کے حالات میں فقہاء کی کئی آراء ہیں۔

حنفیہ کے ہاں ❷ درج ذیل صورتوں میں جدائی فسخ ہے:

❶ ..... القوانین الفقهية : ص ۲۲۷. ❷ فتح القدير ۳/ ۲۱ البدائع: ۲/ ۳۳۶ ردالمحتار لابن عابدين ۲/ ۵۷۱.

۱..... جب قاضی زوجین کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کرے اس وجہ سے کہ عورت کا شوہر شرک اور مجوسیت سے اسلام میں داخل ہو جائے اور عورت اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے کیونکہ مشرکہ مسلمان سے نکاح کی صلاحیت نہیں رکھتی اور تفریق بھی اسی کی جانب سے ہوتی ہے اور عورت کی طرف سے جو فرقت (جدائی) ہو وہ طلاق ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی لہٰذا اسے فسخ قرار دیا جائے گا اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار شوہر کی طرف سے ہو تو یہ جدائی طرفین کے ہاں طلاق ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں فسخ۔

۲..... زوجین میں سے کسی ایک کا مرتد ہونا۔

۳..... حقیقۃً یا حکماً دارین کا مختلف ہونا بایں طور کہ زوجین میں سے کوئی ایک دار الاسلام کی طرف آ جائے مسلمان یا ذمی بن کر اور دوسرا کافر رہے دار الحرب میں تو اسے ارتداد پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ عادۃً اس طرح نفع حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر زوجین میں سے ایک مستامن بن کر دار الاسلام میں آئے اور دوسرا دار الحرب میں کافر رہے تو اس سے فرقت اور جدائی نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں اختلاف دارین سے جدائی نہیں ہوتی۔

۴..... خیار بلوغ حاصل ہونا اس صورت میں علیحدگی اور تفریق صرف قاضی کے فیصلہ سے ہوگی۔ اور اگر تفریق عورت کروائے کسی عیب کی وجہ سے مثلاً شوہر مجبوب ہے۔ عنین ہے یا خصی اور مخنث ہے تو یہ تفریق طلاق ہوگی قاضی کی طرف سے۔

۵..... خیار عتق بایں طور کہ باندی آزاد کر دی جائے اور اس کا شوہر بدستور غلام رہے تو عورت کو ازدواجی تعلق باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار ہے اور صرف اختیار ہی سے علیحدگی ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ جدائی ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہو رہی ہے جو عورت نے اختیار کیا ہے اور عورت کا اختیار طلاق نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ طلاق کی مالک نہیں الا یہ کہ اسے طلاق کا اختیار دے دیا جائے۔

۶..... کفو نہ ہونے یا مہر کم ہونے کی وجہ سے تفریق۔ تو یہ علیحدگی بھی فسخ ہوگی اس لیے کہ یہ ایک ایسی علیحدگی ہے جو شوہر کی جانب سے نہیں لہٰذا اسے طلاق قرار دینا ممکن نہیں کیونکہ شوہر کے علاوہ کسی کو طلاق کی ولایت حاصل نہیں لہٰذا اسے فسخ قرار دیا جائے گا اور یہ تفریق بھی صرف قاضی ہی کے سامنے ہوگی جیسے خیار بلوغ میں اور ان حالات وانواع کے علاوہ جدائی کی جو صورتیں شوہر کی جانب سے یا اس کے سبب سے پائی جائیں وہ سب طلاق ہیں اور انہیں میں سے خلع بھی ہے۔ اسی بناء پر طرفین کے ہاں فسخ اور طلاق میں فرق کرنے والا ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ ہر وہ جدائی اور علیحدگی جو عورت کی طرف سے ہو تو وہ فسخ نکاح ہے اور ہر وہ جدائی جو مرد کی طرف سے ہو یا اس کی وجہ سے ہو تو وہ طلاق ہے۔ الا یہ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شوہر کے ارتداد کی صورت میں پیدا ہونے والی جدائی کو فسخ شمار کرتے ہیں اس لیے کہ ارتداد موت کی طرح ہے کہ مرتد کا خون رائیگاں ہوتا ہے لہٰذا یہ جدائی موت کے مشابہ ہے اور موت سے ہونے والی جدائی کو طلاق قرار دینا ممکن نہیں اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اکثر جدائی وعلیحدگی طلاق ہی ہوتی ہے۔

مالکیہ کے ہاں ❶ علیحدگی وجدائی یا تو صحیح نکاح سے ہوگی یا فاسد نکاح سے۔

پہلی بات..... اگر فرقت (جدائی) نکاح صحیح سے ہو تو وہ طلاق ہے الا یہ کہ وہ کسی ایسے سبب سے ہو جو ہمیشہ کی حرمت ہو چاہے زوجین میں سے کسی ایک کی جانب سے ہو یا قاضی کی تفریق (تو فسخ ہے)۔

دوسری بات..... اور اگر فرقت (جدائی) نکاح فاسد سے ہو تو۔ اگر تمام ائمہ اس کے فساد پر متفق ہوں تو یہ فرقت فسخ ہے نہ کہ طلاق جیسے متعہ اور اپنے محارم میں سے کسی ایک کے نکاح کی فرقت اور معتدۃ الغیر سے نکاح وغیرہ والی جدائی وعلیحدگی اور اگر نکاح فاسد ہونے میں اختلاف ہو وہ وہ کہ جو مالکیہ کے ہاں فاسد ہو اور ان کے علاوہ ائمہ کے ہاں صحیح ہو جیسے عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں شادی کرنا مالکیہ

---

❶..... بدایة المجتهد ۲ / ۷۰ الشرح الكبير مع الدسوقی ۲ / ۳۶۴

کے ہاں فاسد ہے اور حنفیہ کے ہاں نکاح صحیح ہے پس اس صورت میں تفریق وجدائی طلاق ہے فسخ نہیں اور اسی طرح پوشیدہ نکاح (وہ نکاح جس کے چھپانے کا شوہر گواہوں کو کہے لوگوں سے) تو یہ مالکیہ کے ہاں فاسد ہے باقی ائمہ کے ہاں صحیح ہے اسی بناء پر درج ذیل مقامات میں جدائی وعلیحدگی فسخ ہوگی۔

۱..... جب عقد صحیح نہ ہو جیسے اپنی بہن یا ذی رحم محرم میں سے کسی سے نکاح کرنا یا غیر کی بیوی یا غیر کی عدت گذارنے والی سے نکاح۔

۲..... جب از دواجی تعلق کے دوران ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے جیسے زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے اصول وفروع سے جنسی تعلق قائم ہونا کسی شبہ کی بناء پر۔

۳..... لعان کے ذریعہ جو جدائی ہو۔ اس لیے کہ اس سے بھی حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے حدیث میں ہے لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ❶

۴..... اگر بیوی اسلام قبول کرلے اور شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو اس صورت میں ہونے والی علیحدگی یا غیر کتابیہ بیوی کا شوہر کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے انکار کرنے کیونکہ یہ انکار مفسد نکاح ہے۔

اور درج ذیل صورتوں میں تفریق وعلیحدگی طلاق ہوگی:

۱..... جب نکاح صحیح یا جس کے فاسد ہونے میں اختلاف ہے اس میں طلاق کا لفظ استعمال کرے۔

۲..... اور خلع سے جدائی ہو۔

۳..... ایلاء کی وجہ سے ہونے والی جدائی اور ایلاء یہ ہے کہ شوہر قسم اٹھائے کہ چار ماہ سے زیادہ عرصہ وہ بیوی کے پاس نہیں آئے گا۔ اگر وہ اپنی قسم سے باز نہ آیا قاضی کے حکم کے بعد تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ بیوی کے دعویٰ کرنے کی صورت میں ان میں تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق ہے۔

۴..... کف میں شادی نہ ہونے کی صورت میں جدائی چاہے بیوی کی طرف سے ہو یا ولی کی طرف سے۔

۵..... نفقہ نہ ہونے یا عیب ہونے یا کسی اور ضرر اور بدمعاملگی کی وجہ سے ہونے والی جدائی۔

۶..... زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہونے کی وجہ سے ہونے والی جدائی مشہور مذہب کے مطلق یہ طلاق ہے اس لیے کہ یہ ایک ایسی فرقت ہے کہ اس سے غیر مؤبد تحریم ہوتی ہے جو کہ اسلام قبول کر لینے سے ختم ہو جاتی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اثر تفریق طلاق ہوتی ہے۔

شوافع کے ہاں: ❷ نکاح کی جدائی طلاق اور فسخ ہے۔ طلاق کی کئی قسمیں ہیں صریح وکنایہ خلع ایلاء کے ساتھ تفریق حکم کا فیصلہ اور فسخ کی سترہ قسمیں ہیں: مہر نفقہ کپڑے سکنی وغیرہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے فرقت لعان کی وجہ سے تفریق خیار عتق کی فرقت ❸ اور عیوب کی وجہ سے جدائی جو کہ حاکم کے پاس دعویٰ کے بعد ہوتی ہے ❹ عیب کا ثبوت اس کی وجہ سے فی الفور فسخ ہوگا الا یہ کہ عنین ہو تو پھر اس کے ثبوت کے دن سے ایک سال کا عرصہ اس کو دیا جائے گا اور فرقت غرور ❺ اور وطی بشبہ جیسے بیوی کی والدہ سے وطی کرنا یا اس کی بیٹی سے دخول سے پہلے یا بعد

---

❶ ..... رواه الدراقطنی عن ابن عباس ❷ تحفة الطلاب: ص ۲۳۶ حاشية الشرقاوی ۲ ۲۹۱۔۲۹۴ ❸ خيار العتيقة هو أن تعتق الأمة زوجة رفيق فيثبت لها الخيار فورا بدون رفع الامر الى الحاكم الا اذ كان عتقها قبل الوط فى مرض الموت وكان ثلث ماله لاتحمل سقوط المهر مع قيمتها۔ ❹ العيوب الموت للخيار فى الزواج هى جنون وجذام وبرص با حد الزوجين ورتق وقرن بالزوجه وجب وعنة بالزوج۔ ❺ من الانكحه المكروهة نكاح المغرور بحرية امراة اونسبها اواسلامها وهو يخير الفسخ والرجوع بالعزامه على من غره لا بالمهر لانه الموقع له فى القرامة فلو شرط رحل حرية امراة فى العقد خبان رقها وهو من من لايحل له نكاح الامة فهو باطل وإلا فصيح وللحر الخيار وان بان نسب المرأة دون المشروط صح وان بان دون نسبه فللرجل الخيار (تحفة الطلاب: ص ۲۲۰)

زوجین میں سے کسی ایک کا غلام ہوجانا اس لیے کہ رقیت جب پیدا ہوتی ہے تو اپنے نفس سے ملکیت زائل کردیتی ہے پس عصمت کی صورت میں بدرجہ اولی اسی طرح زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے یا کسی ایک کے مرتد ہونے کی وجہ سے تفریق یا شوہر کا اس حالت میں اسلام لانا کہ اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں یا چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو باندیاں ہوں یا زوجین میں سے ایک دوسرے کا مالک بننا کفو میں نہ ہونا یا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہونا جیسے یہودیت سے نصرانیت کی طرف اور رضاعت کی وجہ سے تفریق جبکہ دو سال گزرنے سے پہلے دودھ پیا ہوا اور پانچ متفرق گھونٹ پیئے ہوں۔

حنابلہ کے ہاں: ❶ فسخ کئی حالتوں میں ہوتا ہے کچھ درج ذیل ہیں:

۱......خلع جب لفظ طلاق کے بغیر ہو یا نیت طلاق کے بغیر ہو۔

۲...... ارتداد۔

۳......کسی مشترک عیب کی وجہ سے علیحدگی جیسے جنون مرگی یا عورت کے ساتھ خالص عیب جیسے بانجھ پن گندہ دہن ہونا خارشی ہونا یا دونوں راستوں کا پھٹ کر ملا ہوا ہونا یا مردوں کے ساتھ مخصوص عیب جیسے مجبوب اور عنین ہونا اور نکاح صرف حاکم ہی فسخ کرسکتا ہے۔

۴......زوجین میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کرلینا۔

۵......ایلاء کے ذریعہ بذریعہ قاضی تفریق جبکہ چار ماہ گذر چکے ہوں اور شوہر نے اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو اور نہ ہی اس نے طلاق دی ہو پھر حاکم اسے طلاق کا حکم دے۔

۶...... لعان کی وجہ سے تفرق اس لیے کہ لعان کی وجہ سے تو ہمیشہ کی حرمت ہوجاتی ہے اگرچہ قاضی فیصلہ نہ بھی کرے۔ اور رہ گئی طلاق تو وہ الفاظ طلاق کے ساتھ صریح وکنایہ وغیرہ۔

وہ تفریق جو قضاء قاضی پر موقوف ہے اور جو موقوف نہیں......تفریق چاہے طلاق ہو یا فسخ کبھی قاضی کی قضاء کی محتاج ہوتی ہے اور کبھی محتاج نہیں ہوتی اور بعض احکام میں تفریق کے قضاء پر موقوف ہونے یا نہ ہونے کا اثر ظاہر ہوگا جیسے وراثت میں کہ اگر تفریق کا سبب پایا جائے پھر زوجین میں سے کوئی ایک قاضی کا فیصلہ ہونے سے پہلے مرجائے اب اگر تفریق قضاء کی محتاج ہو تو دوسرا وارث ہوگا اگر اس میں قضاء کی ضرورت نہ ہو تو دوسرا وارث نہیں ہوگا کیونکہ سبب تفریق کی وجہ سے زوجیت کا تعلق ختم ہوگیا۔ وہ تفریق جو قضاء کی محتاج ہے اس کی دو قسمیں ہیں تفریق طلاق اور تفریق فسخ۔ اور تفریق طلاق جو قضاء پر موقوف ہے وہ حنفیہ کے ہاں درج ذیل ہیں:

۱......لعان کی وجہ سے تفریق مالکیہ کے ہاں مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ تفریق قضاء پر موقوف نہیں۔

۲......شوہر میں پائے جانے والے عیوب کی وجہ سے ہونے والی تفریق مجبوب، عنین اور خصی ہونا وغیرہ ان عیوب اور عورت میں پائے جانے والے عیوب کی وجہ سے عقد اس وقت فسخ ہوگا جب حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا جائے۔

۳......امام ابوحنیفہ اور محمد کے ہاں شوہر جب اسلام سے انکار کرے اس کی وجہ سے ہونے والی تفریق مصر اور شام میں شوہر کے غائب ہونے والی تفریق بھی یا بیوی پر خرچہ نہ کرنے کی وجہ سے یا ناچاکی اور بیوی کو ضرر پہچانے کی وجہ سے طلاق کی وہ تفریق جو قضاء قاضی پر موقوف نہیں۔

۱......لفظ طلاق کے ساتھ تفریق اور اسی میں سے تفویض طلاق بھی ہے۔

۲......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ایلاء کی تفریق۔

---

❶ ......المغنی ۷/۵۶ غایۃ المنتہی ۳/۲۶، ۴۶، ۵۶، ۱۰۳۔

۳.....جمہور کے ہاں حنابلہ کے علاوہ خلع کی تفریق۔

رہ گئی تفریق فسخ کی جو قضاء پر موقوف ہے:

۱.....کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق۔

۲.....مہر مثل سے کم مہر کی وجہسے تفریق۔

۳.....جب زوجین میں سے ایک اسلام قبول کر لے اور دوسرا انکار کرے اور اس وجہ سے ہونے والی تفریق لیکن بیوی کے انکار کی صورت میں ہونے والی تفریق متفق علیہ ہے اور شوہر کے انکار والی صورت میں طرفین کے علاوہ کی رائے میں۔

۴.....حنفیہ کے ہاں خیار بلوغ سے ہونے والی تفریق جبکہ والد اور دادا کے علاوہ کسی نے نکاح کرایا ہو۔

۵.....حنفیہ کے ہاں حالت جنون میں کیے گئے نکاح کے خیار (خیار الافاقہ) سے ہونے والی تفریق جبکہ والد دادا اور بیٹے کے علاوہ نے نکاح کرایا ہو۔ فسخ کی وہ صورتیں جو قضاء قاضی پر موقوف نہیں:

۱.....اصل کے اعتبار سے عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے فسخ مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح یا بہن سے شادی۔

۲.....زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے اصول کے ساتھ ایسا اتصال جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

۳.....امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شوہر کے ارتداد کی وجہ سے فسخ اگر دونوں مرتد ہو جائیں تو صرف ارتداد کی وجہ سے تفریق نہیں ہوگی حنفیہ کے ہاں۔

۴.....بیوی کے خیار عتق کی وجہ سے فسخ۔

۵.....زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے کے مالک ہونے کی وجہ سے فسخ۔ اب دو باتیں ملحوظ نظر رہیں۔

پہلی بات.....وہ تفریق جو ایسے تعلق کی وجہ سے ہو جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یہ ہمیشہ کی حرمت واجب کرتی ہے اور خیار بلوغ ارتداد اسلام سے انکار زوجین میں سے ایک کا دوسرے کے مالک ہو جانا حرمت موقتہ ثابت کرتا ہے اور لعان سے ہونے والی تفریق حنابلہ امام ابو یوسف شوافع اور مالکیہ کے ہاں حرمت مؤبدہ ہے اور طرفین کے ہاں اس سے حرمت مؤقتہ ہوتی ہے جب زوجین میں سے کوئی ایک لعان کی اہلیت سے نکل گیا یا مرد نے اپنی تکذیب کر دی تہمت سے۔

دوسری بات.....حنفیہ کے ہاں ہر وہ تفریق جو بیوی کی طرف سے ہو تو اس سے مہر ساقط ہو جاتا ہے۔ الا یہ کہ دخول ہو گیا ہو یا خلوت صحیحہ اور اگر تفریق کا سبب مرد ہو تو پھر دخول اور عدم دخول سے کوئی چیز کم اور ساقط نہیں ہوگی۔

پہلی بحث: طلاق کا معنی، مشروعیت، حکم، رکن، حکمت اور مرد کو طلاق کے اختیار کا سبب:

طلاق کا معنی.....لغوی اعتبار سے آزاد کرنا اور کھولنا اور اسی سے ہے ناقة طالق آزادانہ چرنے والی اونٹنی اور رہا کرنا لیکن عرف میں طلاق کا لفظ معنوی قید سے آزاد کے ساتھ خاص ہے جو کہ عورت کو حاصل ہوتی ہے اور اطلاق حسی قید سے رہائی کے لیے ہے۔ اور شرعی طور پر طلاق کہتے ہیں: نکاح کی قید سے آزاد کرنا یا شادی کے بندھن کو لفظ طلاق وغیرہ سے توڑنا یا نکاح کا بندھن فی الحال یا آئندہ ختم کرنا مخصوص لفظ کے ساتھ [1] فی الحال ازدواجی تعلق کو توڑنا طلاق بائن سے ہوتا ہے اور مآل یعنی عدت کے بعد طلاق رجعی سے ہوتا ہے اور مخصوص لفظ وہ صریح جیسے لفظ طلاق یا کنایہ جیسے لفظ بائن حرام اطلاق وغیرہ یا جو لفظ کے قائم مقام ہو جیسے کتابت (تحریر) اور سمجھ میں آنے والا اشارہ اور لفظ

[1].....الدر المختار ۲/۵۷۰ مغنی المحتاج: ۳/۲۷۹ المغنی: ۷/۲۶ کشاف القناع ۵/۲۶۱۔

طلاق کے ساتھ لفظ خلع بھی ملحق ہے اور قاضی کا قول ''فرقت'' جبکہ وہ عدم موجودگی یا قید کی صورت میں یا نفقہ نہ دینے اور بد معاملگی کی صورت میں تفریق کرے اور لفظ مخصوص کے ذریعہ فسخ کو نکال: دیا کیونکہ وہ ازدواجی تعلق کو فی الحال ختم کر دیتا ہے لفظ طلاق۔

وغیرہ کے بغیر بھی اور فسخ جیسے خیار بلوغ عدم کفو مہر کی کمی اور ارتداد وغیرہ ہے۔ باقی قسموں (ایمان) کی طرح طلاق سے رجوع نہیں اور عدول نہیں ہوسکتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلاق کو فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ ❶

مشروعیت طلاق......طلاق کی اجازت ہے کتاب اللہ سنت اور اجماع سے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ......البقرۃ ۲/۲۲۹

وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔ ❷

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ......الطلاق: ۶۵/۱

اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دو) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔ ❸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الطلاق لمن اخذ بالساق

طلاق صرف شوہر ہی دے سکتا ہے (یعنی طلاق کا اختیار شوہر کو ہے)۔ ❹

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دی پھر رجوع کر لیا۔ اور تمام لوگوں کا طلاق کے جواز پر اجماع ہے اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے اس لیے کہ بسا اوقات زوجین میں سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہوجاتی ہے اور ازدواجی تعلق ایک مصیبت اور عذاب بن جاتا ہے اور مرد پر نفقہ سکنی اور عورت کو بری معاشرت میں قید کرنا اور ہمیشہ کے لیے لڑائی جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے پس شریعت نے ازدواجی تعلق کو ختم کرنے کی آخری چارہ کار کے طور پر یہ اجازت دی ہے تاکہ اس سے پیدا شدہ مصیبت ختم ہوسکے۔

طلاق کی اجازت کی حکمت......سابقہ معقولی بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہے جو ناگواری اور اخلاقی بعد سے پیدا ہونے اور حدود اللہ قائم نہ رکھ سکنے کی وجہ سے بغض اور کینہ جنم دیتی ہے لہٰذا طلاق کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے ❺ یعنی میاں بیوی کے درمیان سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہونے اور ساتھ رہنا بجائے راحت ومسرت کے مصیبت بن جانے اور طبیعت کے مختلف ہونے اور معاشرت اچھی طرح نہ ادا ہونے یا کسی مرض کا شکار ہونے یا لاعلاج بانجھ پن کے ذریعہ جو محبت اور الفت ختم ہوتی ہے اور اس سے جو کراہت اور بغض پیدا ہوتا ہے اس کا علاج طلاق سے کیا گیا ہے لہٰذا طلاق ہی ان مفاسد اور شرور سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا اس وقت طلاق خاندانی مشکلات کے حل کی ضرورت ہے اور حاجت وضرورت کے وقت مشروع ہے جب ضرورت نہ ہو تو مکروہ ہے سابقہ حدیث حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے کی وجہ سے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ ❻

---

❶......اخرجه العقيلي من حديث صفوان بن عمران الطائي (نيل الاوطار ۲۳۸/۶) ❷رواه ابن ماجه والدار قطني عن ابن عباس (نيل الاوطار ۲۳۸/۶) ❸ رواه ابوداؤد (نيل الاوطار ۲۲۰/۶) ❹رواه ابوداؤد (نيل الاوطار ۲۱۹/۶) ❺فتح القدير: ۲۱/۳

❻رواه الخمسة الاالنسائي عن ثوبان (المرجع السابق ص: ۲۲۰)

اسی طرح طلاق کو مباح کرنے والے اسباب میں سے والدین کی اطاعت بھی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا اور میرے والد اسے ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھے اسے طلاق دینے کا حکم دیا تو میں نے انکار کر دیا یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ ❶

حنابلہ نے ❷ تصریح کی ہے کہ مرد پر اپنے والدین کی اطاعت طلاق یا شادی نہ کرنے کے سلسلہ میں واجب نہیں اور طلاق سے جو ضرر ہوتا ہے خاص کر کے اولاد کو تو اشد اور بڑے ضرر کو دفع کرنے کی لیے اسے برداشت کیا جا سکتا ہے اس قاعدے پر عمل کرتے ہوئے یختار اھون الشـــرین ہلکے شر کو اختیار کیا جائے لیکن شریعت نے بیوی کی غلطی اور اس کی بداخلاقی کو صبر تحمل اور دانش مندی سے نباہنے اور خوشگوار تعلقات بنانے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

اور بیویوں کے ساتھ مناسب اور معقول طریقے سے گذران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔ النساء: ۴/۱۹

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا اس کو کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ ❸

اور شریعت نے زوجین کے درمیان پائی جانے والی ناچاکی اور ناگواری کے حل کے لئے مختلف طریقے مشروع کئے ہیں مثلاً وعظ ونصیحت بستر چھوڑنا اعراض مارنا قاضی کی طرف سے دو فیصل مقرر کر کے بھیجنا جبکہ میاں بیوی اصلاح نہ کریں اور درمیان میں پائی جانے والی ناچاکی کو ختم نہ کریں اور اس کی تفصیل زوجین کے حقوق میں بیان کر دی ہے اور یہ سب تفصیل درج ذیل تین آیات سے ماخوذ ہیں:

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ النساء: ۴/۱۲۸

اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ النساء: ۴/۳۵

اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کا خاندان میں سے مقرر کرو وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کر دے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے۔

وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ النساء ۴/۳۴

اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بیشک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔

اور فوراً ہی اول وھلہ میں طلاق کی طرف مجبور نہ ہو اور اسے ہلکے اسباب نہ سمجھے۔ جیسا کہ بعض جاہل لوگوں جن میں طیش ہوتا ہے یا

❶......رواہ الخمسۃ (المرجع السابق ص: ۲۲۰) ❷غایۃ المنتھی: ۱۱۲/۳ ❸رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ

حماقت یا غصہ یا حملہ کرنے کی خواہش یا ظاہری خواہش یہ ساری چیزیں تعلیمات اسلام اور آداب سے خروج ہے اور یہ گناہ معصیت ہے اور اس پر تادیب اور تعزیر ہے۔ اور طلاق تو ضرورت کی بنیاد پر مشروع ہے اگر شوہر درج ذیل مراحل پر چلے اور وہ مناسب اور معقول طریقے سے صبر تحمل سے زندگی گذارے پھر وعظ ونصیحت سونا ترک کرنا زدوکوب پھر منصف کو بھیجنا۔ اگر طلاق ہو جائے تو پھر ازدواجی تعلق بحال ہوسکتا ہے اگر دوران عدت رجوع کیا جاسکتا ہے یا عدت ختم ہونے کے بعد جدید نکاح کے ذریعے اور یہ پہلی طلاق اور دوسری طلاق کے بعد دو مرتبہ ہے۔ یہ دو مرتبہ حساب رجوع کے بعد مکرر نہیں ظروف کی مقدار اور امور کی محاکمت اور نتائج وآثار کو سمجھنا یہ عام طور پر ہوتا ہے۔ زوجین میں سے ہر ایک نادم ہوسکتا ہے اور معاملات ترک کر سکتے ہیں اور اخلاق سے ان کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

اور ازدواجی زندگی کے سائے میں جس طرح زندگی گذاری جاسکتی ہے اس طرح انفراد اور مجرد رہ کر زندگی نہیں گذاری جاسکتی اور اپنے اہل وعیال پر بھروسہ عادۃً نفقہ خدمت وغیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہ چیز انفرادی زندگی میں طعن وتشنیع کا نشانہ بنتی ہے اگر وہ عورت عمدہ اخلاق کی مالک ہوتی تو اسے کیوں طلاق دی جاتی اور اسی سے رجوع کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مرد کو طلاق کا اختیار دینے کی وجہ.....طلاق دینے کا اختیار شوہر کو دیا گیا ہے نہ کہ بیوی کو حالانکہ وہ اس کی شریک حیات اور ازدواجی تعلق کی حفاظت کرنے والی ہے کیونکہ اس کو جلدی ختم کرنے کے خطرہ کے پیش نظر عورت کو اختیار نہیں دیا گیا، اس لیے کہ مرد نے مہر ادا کیا ہے اور بیوی پر اخراجات کر رہا ہے اور گھریلو معاملات میں بھی اور جو کچھ یہ کرتا ہے امور کے انجام کے اعتبار سے اکثر ہے اور غصہ اور طیش سے دور ہے کہ اس سے کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے لہٰذا مرد زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے طلاق کا اختیار دیا جائے بجائے عورت کے دو وجہوں سے پہلی وجہ مرد سے عورت زیادہ اثر قبول کرتی ہے اگر اسے طلاق کا مالک بنا دیا جاتا تو کبھی کبھار وہ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات میں طلاق دے ڈالتی جن کی وجہ سے رشتہ ازدواج ختم نہیں کرنا چاہیے تھا۔

دوسری وجہ.....طلاق کی وجہ سے کچھ مالی امور لاحق ہوتے ہیں۔ مثلاً مہر کی ادائیگی عدت کا نفقہ جوڑا وغیرہ یہ ایسی اشیاء مالیہ ہیں کہ مرد ہی انہیں وقوع طلاق پر برداشت کرتا ہے پس خیر اور مصلحت اس میں ہے کہ اس کو طلاق کا اختیار دیا جائے جو ازدواجی تعلق کا زیادہ حریص اور متمنی ہے رہ گئی عورت تو اسے کوئی مالی ضرر نہیں ہوتا طلاق سے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا بوجھ آتا ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ عورت نے ازدواجی تعلق اسی وجہ سے قبول کیا ہے کہ طلاق مرد کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی وہ طاقت رکھتی تھی کہ اسے اپنے اختیار میں لے لے اگر مرد ابتداء عقد کے وقت راضی ہو اور عورت کو اگر ازدواجی زندگی کی وجہ سے کوئی نقصان ہو شوہر کی طرف سے تو وہ بدل خلع دے کر یا قاضی سے نکاح فسخ وختم بھی کرواسکتی ہے کسی مرض بد معاملگی ضرر، غائب ہونے گرفتار ہونے یا خرچہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ قاضی سے فسخ کرواسکتی ہے۔ البتہ معاصرانہ دشمنی کی وجہ سے قاضی کو طلاق کا اختیار دینے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ شریعت کے اقتضاء کے منافی ومتصادم ہے نیز مرد یہ سمجھتا ہے کہ دیانۃً حق اس کا ہے جب وہ طلاق دے گا تو قاضی کے حکم کے انتظار کے بغیر ہی حرمت پیدا ہو جائے گی اور یہ عورت کی ذات کے لیے مصلحت آمیز نہیں اس لیے کہ طلاق کبھی کبھی ایسے اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا اعلان کرنے میں خیر نہیں ہوتی اب اگر قاضی کو طلاق کا اختیار دے دیا گیا تو ازدواجی تعلقات کے وہ امور واسرار شائع ہو جائیں گے اور اس کے اسباب قاضی کے رجسٹروں میں لکھے جائیں گے اور بسا اوقات ان اسباب کا ثبوت مشکل ہوتا ہے طبعی نفرت اور اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے۔

طلاق کا رکن.....حنفیہ کے ہاں طلاق کا رکن وہ لفظ ہے جو لغوی اعتبار سے طلاق کے معنی پر دلالت کرے اور وہ چھوڑنا ہے اور صریح لفظ میں قید نکاح کو ختم کرنا اور کنایہ میں تعلق توڑنا وغیرہ یا شرعاً حلت کو زائل کرنا یا جو لفظ کے قائم مقام ہو مثلاً اشارہ وغیرہ۔ حنفیہ کے علاوہ ائمہ کے ہاں [1] طلاق کے کئی ارکان ہیں یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ لفظ رکن الطلاق میں رکن مفرد مضاف ہے اور عام ہے لہٰذا اس

[1].....البدائع: ۹۸/۳

سے کئی چیزوں کی خبر دینا درست ہے پس کہا جاتا ہے اس کے ارکان چار ہیں اور جمہور کے ہاں رکن کا مطلب یہ ہے کہ جس سے ماہیت بنتی ہو اگر چہ وہ اس میں داخل نہ بھی ہو۔اور مالکیہ کے ہاں طلاق کے چار ارکان ہیں اہلیت طلاق یعنی شوہر یا اس کا نائب یا اگر بچہ ہے تو اس کا ولی واقع کرے مقصد وارادہ یعنی صریح لفظ یا کنایہ سے اس کا تلفظ اگر چہ وہ عصمت کی حلت کا ارادہ نہ بھی کرے کیونکہ مذاق کرنے والے کی طلاق درست ہے۔

محل یعنی مملوکہ عصمت اور صریح وکنایہ لفظ اور ابن جزی نے ❶ تین ارکان شمار کئے ہیں: مطلق طلاق دینے والا، مطلقہ طلاق یافتہ عورت صیغہ لفظ اور جو اس کے معنی میں ہو۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں طلاق کے ارکان پانچ ہیں مطلق صیغہ محل ولایت اور قصد وارادہ جو فقہی بار بار الفاظ طلاق دہراتا ہے اس کی طلاق نہیں ہوتی۔اسی طرح نقل کرنے والا اور یاد رہے کہ مالکیہ نے ولایت کو اہلیت میں داخل کیا ہوا ہے۔شوافع اور حنابلہ نے ایک رکن کا اضافہ کیا ہے مالکیہ پر یعنی محل کا۔

طلاق کا حکم......حنفیہ کا صحیح مذہب ❷ یہ ہے کہ طلاق واقع کرنا مباح ہے کیونکہ آیات مبارکہ مطلق ہیں مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ......الطلاق: ۲/۲۳۶

توان کی عدت کے شروع میں طلاق دے دو۔

لاجناح عليكم إن طلقتم النساء

اگر تم عورتوں کو طلاق دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تھی بغیر کسی شک اور تکبر کے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کرتے تھے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے تو بہت سے نکاح کئے اور طلاقیں دیں رہ گئی حدیث کہ حلال اور جائز چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے اس میں حلال سے مراد وہ چیز جس کا کرنا لازم نہ ہو لہٰذا یہ مباح مندوب واجب اور مکروہ سب کو شامل ہے علامہ ابن عابدین نے فرمایا: طلاق کا مبغوض ہونا حلال ہونے کے منافی نہیں کیونکہ اس معنی کے اعتبار سے حلال مکروہ کو بھی شامل ہے اور وہ مبغوض ہے۔اور کمال بن ھام صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ طلاق میں اصح یہ ہے کہ نہ دی جائے سوائے کسی ضرورت یعنی شک یا کبر کی وجہ سے ابن عابدین نے اس رائے کو راجح قرار دیا ہے اور حاجت وضرورت کبر اور ظن فاحش کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے۔جمہور کے ہاں (مالکیہ شوافع حنابلہ) ❸ طلاق اس اعتبار سے کہ وہ جائز ہے لیکن اولی یہ ہے کہ اس کا ارتکاب نہ کیا جائے کیونکہ اس سے الفت اور صحبت کو قطع کیا جاتا ہے کسی عارض کی وجہ سے اور اس کی وجہ سے چار حکم جاری ہوتے ہیں حرمت کراہت وجوب اور ندب اصل یہ ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے پس طلاق اس وقت حرام ہوگی۔جب یہ گمان ہو کہ طلاق کی وجہ سے وہ حرام یعنی زنا میں مبتلا ہوگا یا کسی اور سے شادی کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور اسی طلاق طلاق بدعی بھی حرام ہے جو حیض نفاس یا اس طہر میں دی جائے جس میں وطی کی ہے اور مکروہ اس وقت ہوگی جب اسے ازدواجی تعلق کی رغبت ہو اور اس سے نسل کی بھی امید ہے اور اس کی زوجیت اس کی واجب عبادت میں خلل پیدا نہیں کر رہی اور جدائی کے بعد زنا کا خوف بھی نہیں تو طلاق بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔حدیث سابق کی وجہ سے یعنی:

ابغض الحلال الى الله تعالىٰ الطلاق

اور واجب اس وقت ہوئی جب اسے ازدواجی تعلق باقی رکھنے سے حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو کہ نفقہ وغیرہ نہیں دے سکے گا۔اور ایلاء

❶......الشرح الكبير ۲/۳۶۵ الشرح الصغير ۲/۵۷۹ القوانين الفقهيه ص ۲۲۷ غاية المنتهى: ۳/۱۱۲۔ ❷الدر المختار حاشية ابن عابدين ۲/۵۷۱-۵۷۲ فتح القدير ۳/۲۱-۲۲ ❸الشرح الكبير ۲/۳۶۱ الشرح الصغير: ۲/۵۳۳ المهذب: ۲/۷۸ كشاف القناع ۵/۲۶۱ المغني: ۷/۹۷۔

کرنے والے کی طلاق واجب ہے جب وہ چار ماہ میں ہمبستری نہ کرے۔ اور مندوب ومستحب اس وقت ہوگی جب عورت بدزبان ہو اور اس کے باقی رکھنے سے حرام میں پڑ جانے کا خوف ہو اور اسی طرح مستحب ہے جب عورت حقوق اللہ واجبہ میں تفریط کرے مثلاً نماز وغیرہ میں اور اسکوان حقوق کو پورا کرنے میں سختی فائدہ نہ دیتی ہو اسی طرح جب عورت کی مخالفت ہو اور نقصان کا اندیشہ ہو تو بھی طلاق مستحب ہے یا جب وہ پاکدامن نہ ہو لہٰذا اسے پاس رکھنا مناسب نہیں اس لیے کہ اس میں اس کے دین کا نقصان ہے اور اس کا بستر اور بچہ محفوظ نہیں رہ سکتا، اسی طرح جب بغض وغیرہ کی وجہ سے عورت کو نقصان ہو رہا ہو تو بھی طلاق مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ ایک طلاق دی جائے کیونکہ اس کی تلافی ممکن ہے اور اگر تین طلاقیں دینے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ وہ تین مختلف طہروں میں طلاق دے تاکہ خلاف سے نکلا جاسکے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے ہاں انہیں جمع کرنا جائز نہیں نیز اس طرح ندامت سے بھی بچ جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ بدعی طلاق یا تو حرام ہے یا مکروہ اور طلاق سنی یا واجب ہے یا مندوب یا خلاف اولی۔ بدعی اور سنی کا بیان آگے آرہا ہے۔

لزوم طلاق......طلاق قسم کی طرح ہے کہ جب اس کے ارکان اور شرائط پائے جائیں تو طلاق دینے والے کی بیوی کو طلاق لازم ہوجائے گی اور واقع کرنے سے کوئی رجوع نہیں اور یہ شمار ہوگی جب اس نے طلاق دی پھر دوسری مرتبہ نکاح کرلیا پھر طلاق دی پھر نکاح کرلیا تو اس طرح تین طلاقیں ہوجائیں گی۔ ❶

دوسری بحث: شرائط:

طلاق مقدار محل اور صیغے......حنفیہ کے علاوہ ائمہ کے ہاں ارکان طلاق کے ہر رکن کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

رکن اول مطلق کی شرائط......بالاتفاق یہ شرط ہے کہ شوہر مکلّف یعنی عاقل بالغ ہو اور مالکیہ کے ہاں مسلمان بھی ہو اور حنابلہ کے ہاں ❷ طلاق کی سمجھ بوجھ بھی رکھتا ہو پس شوہر کے علاوہ کسی کی طلاق درست نہیں اور نہ ہی سمجھدار اور ناسمجھ بچے کی البتہ حنابلہ نے سمجھدار بچے کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ وہ دس سال سے بھی چھوٹا ہو لیکن اسے یہ معلوم ہو کہ اس سے اس کی بیوی بائنہ ہوجائے گی اور طلاق کی وجہ سے اس پر حرام ہوجائے گی اور سمجھدار بچے کا طلاق کے لیے وکیل بنانا بھی درست ہے اس لیے کہ جس کے لیے بذات خود کوئی فعل انجام دینا صحیح ہو تو اس کا وکیل بنانا بھی صحیح ہے اور فقہاء کے ہاں یہ درست نہیں کہ بچے یا مجنون کا ولی بغیر عوض طلاق دے دے کیونکہ طلاق تو ضرر ہے۔

مجنون اور مدہوش کی طلاق: مجنون اور مدہوش کی طلاق درست نہیں اور وہ ایسا شخص ہے جو ایسی باتیں کرنے لگے جو عقل وفہم کی سلامتی میں نہیں کی جاسکتیں اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کررہا ہے۔ یا کسی مرض خوف غم یا غصہ کی وجہ سے اس کی عقل دانش غیر متوازن اور مغلوب ہوجائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: زبردستی کی طلاق کا اعتبار نہیں ❸ اغلاق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کی عقل ودانش کو مغلوب کردے جنون سخت غصہ یا سخت غم کی وجہ سے۔

عاقل بالغ ہونے کی شرط کی دلیل حدیث ہے کہ ہر طلاق درست اور نافذ ہے سوائے بچے اور مجنون کی طلاق کے ❹ نیز حدیث میں ہے تین آدمی شریعت میں مرفوع القلم ہیں (یعنی ان کی کسی قول وفعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا) ایک وہ جو نیند کی حالت میں بیدار ہونے سے پہلے دوسرے نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے تیسرے مجنون جب تک درست نہ ہوجائے ❺ نیز اس لیے بھی

---

❶......القوانین الفقهية ص: ۲۱۹ ❷فتح القدير: ۳/ ۲۱، ۳۸، ۴۰، البدائع: ۳/ ۹۹ الشرح الكبير: ۲/ ۳۶۵ بداية المجتهد ۲/ ۸۱-۸۳ الشرح الصغير: ۲/ ۵۲۶، ۵۴۲ المهذب ۲/ ۷۷ مغني المحتاج: ۳/ ۲۷۹ كشاف القناع: ۵/ ۲۶۲، ۲۶۵ المغني: ۷/ ۱۱۳-۱۲۴۔ ❸نيل الاوطار: ۶/ ۲۳۵ نصب الراية ۳/ ۲۲۳ ❹قال عند الزيلعي: حديث غريب واخرج الترمذي عن ابي هريرة كل طلاق جائز الاطلاق المعتوه المغلوب على عقله وفيه ضعف (نصب الراية ۳/ ۲۲۱-۲۲۲ ❺الجامع الصغير: ۲/ ۲۴

کہ طلاق ایک ایسا تصرف ہے جو کامل دانش مندی اور عقلمندی کا محتاج ہے اور یہ چیزیں بچے اور مجنوں میں نہیں پائی جاتیں نیز طلاق ایک نقصان دینے والا تصرف ہے لہٰذا بچہ اگر چہ سمجھدار بھی ہو یا وہ ولی کو اجازت بھی دے تب بھی اس کا مالک نہیں۔

لیکن حنابلہ سمجھدار بچے کی طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں اگر چہ وہ دس سال سے کم ہی کا کیوں نہ ہو ایک سابقہ حدیث **ان الطلاق لمن اخذ بالساق** کی وجہ سے دوسرے حدیث ہر طلاق درست نافذ ہے سوئے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل وفہم مغلوب ہوگئی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے بچوں سے نکاح کو چھپاؤ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ طلاق نہ دے دیں نیز اس لیے بھی کہ یہ عاقل کی طلاق ہے جو محل طلاق کے ساتھ ہے لہٰذا بالغ کی طلاق کی طرح واقع ہوگی۔

غصہ کی حالت میں طلاق...... مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اتنا زیادہ ہو کہ وہ اس درجہ میں پہنچ جائے کہ اسے معلوم نہیں ہو رہا وہ کیا کہہ رہا ہے یا کیا کر رہا ہے تو اس حالت میں طلاق واقع نہ ہوگی یا اس حالت میں پہنچ جائے اور ایسی باتیں کرنے لگے جو عقل وفہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا ہو لیکن یہ (دونوں) حالتیں شاذ ونادر ہی ہوتی ہیں۔ لیکن (عام غصہ) جس میں وہ آدمی اپنی باتوں کا شعور رکھتا ہے اس میں طلاق واقع ہوگی اور عام طور پر یہی غصہ ہوتا ہے ہر طلاق میں جو آدمی سے صادر ہوتا ہے نیز اس لیے بھی کہ غصہ کی حالت میں آدمی مکلّف ہوتا ہے چاہے اس سے کفر صادر ہو یا کسی کو قتل کر دے یا کسی کا مال لے لے یا طلاق دے دے۔

شوہر کے علاوہ کا طلاق دینا: شوہر کے بجائے کسی دوسرے آدمی کی طلاق کا اعتبار نہیں اور نہ ہی وہ صحیح ہے کیونکہ حدیث میں ہے نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور مالک ہونے سے پہلے عتاق نہیں۔ [1]

نشہ کی حالت میں طلاق...... اگر کسی نے کوئی حلال چیز استعمال کی اور اس سے اس کو نشہ پیدا ہو گیا جو بکواس اور خلط کلام تک پہنچ گیا اور اسے اپنی باتوں کا شعور نہ رہا یا کسی نے زبردستی کوئی نشہ آور چیز کسی کو پلا دی اور اس حالت میں اس نے طلاق دی تو تمام آئمہ کے ہاں بالاتفاق طلاق نہیں ہوگی اور حنابلہ کے ہاں اگر کسی نے بھنگ وغیرہ بغیر ضرورت کے استعمال کی اور پھر نشہ کی حالت میں طلاق دی تو طلاق نہ ہوگی البتہ اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ اور اگر کسی نے حرام نشہ آور چیز استعمال کی یعنی شراب جان بوجھ کر اور پھر طلاق دی تو اس کی طلاق بالاتفاق ائمہ اربعہ کے ہاں واقع ہوگی اور یہ اسے گناہ کے ارتکاب سے روکنے کی غرض سے بطور سزا ہے نیز اس نے بغیر ضرورت کے اپنے اختیار سے استعمال کی ہے اور حنفیہ میں سے امام زفر طحاوی اور امام احمد سے ایک روایت اور شوافع میں سے مزنی اور عثمان وعمر بن عبدالعزیز کے ہاں نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نہ تو اسے عقل ہوتی ہے نہ ہی اس کا مقصد وارادہ ہوتا ہے یہ زائل العقل ہے مجنون کی طرح اور سونے والے کی طرح ہے اور مکرہ کی طرح ہے ارادہ نہ ہونے میں لہٰذا اس کی بات لغو جائے گی اور نشہ کی سزا چونکہ حد موجود ہے لہٰذا ایک اور سزا اس کے ساتھ نہ ملائی جائے گی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے مجنون اور نشہ والے کی طلاق نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

نشہ والے اور زبردستی کیے گئے کی طلاق جائز نہیں...... حضرت علی کا ارشاد ہے: ہر ایک کی طلاق درست ہے سوائے معتوہ کی طلاق کے [2] شام اور مصر کے قانون میں اس آخری رائے کو لیا گیا ہے قانون نمبر (۲۵) سنہ ۱۹۲۹ مصر کے قانون میں ہے کہ نشہ والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور شام کے قانون ۸۹ میں درج ذیل شقیں ہیں:

۱...... نشہ والے مدہوش اور زبردستی کیے ہوئے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

۲...... مدہوش وہ ہے جو غصہ وغیرہ کی وجہ سے تمیز کھو جائے اور اسے اپنی باتوں کا شعور نہ رہے۔

غیر مسلم کی طلاق...... جمہور کے ہاں مسلمان کی طرح غیر مسلم کی بھی طلاق واقع ہوتی ہے اس لیے کہ حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ

---

[1] رواہ ابن ماجہ (نیل الاوطار : ۶/ ۲۴۰)۔ [2] ذکرہ البخاری فی صحیحہ (نیل الاوطار ۶/ ۲۳۵)

کے ہاں وہ فروعی مسائل شرعیہ کے مکلف ہیں اور مالکیہ کے ہاں کافر کی طلاق درست نہیں اور طلاق دینے والے کے لیے اسلام شرط قرار دیتے ہیں۔

مرتد کی طلاق...... دخول کے بعد اگر مرتد طلاق دے تو وہ موقوف ہے اگر عدت کے اندر اندر اسلام لے آئے تو اس کا وقوع ہو جائے گا اور اگر وہ عدت کے اندر اسلام نہ لایا اور عدت گذر گئی یا دخول سے پہلے ہی مرتد ہو گیا تو اس کی طلاق باطل ہے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے اس کا نکاح پہلے ہی سے فسخ ہو گیا ہے۔

بے وقوف کی طلاق......اگر بے وقوف بالغ ہے تو بالاتفاق ائمہ اربعہ کے اس کی طلاق نافذ ہے اگر چہ ولی کی اجازت کے بغیر ہی دی ہو اس لیے محجور سے مالی تصرفات روکے جاتے ہیں اور طلاق اور اس کا اثر تصرفات مالیہ میں سے نہیں اور رشد و سمجھداری وقوع طلاق کے لیے شرط نہیں۔ اور سفیہ بے وقوف وہ ہوتا ہے جو اپنے مال میں عقل سلیم کے خلاف ضعیف عقل سے تصرف کرے عطاء کے ہاں ولی کی اجازت پر بے وقوف کی طلاق موقوف ہے۔

زبردستی کی طلاق...... جمہور کے ہاں جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں طلاق مکرہ) کہتے ہیں کا اعتبار نہیں اس لیے کہ اس شخص نے طلاق کا ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ اپنے سے تنگی کو دور کیا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا نسیان اور جس پر ان سے زبردستی کی گئی ہے اس کو معاف کر دیا ہے (1) اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے زبردستی کی طلاق کا اعتبار نہیں (2) اور اغلاق کا معنی زبردستی ہے یہی راجح مذہب ہے دلیل کی قوت کی وجہ سے۔ حنفیہ کے ہاں زبردستی والی طلاق بھی نافذ ہے کیونکہ اس نے طلاق واقع کرنے کا قصد وارادہ کیا ہے اگر چہ اس سے پیدا شدہ اثر پر وہ راضی نہیں جیسے ہنسی مذاق میں طلاق ہوتی ہے اس لیے کہ اس کی طلاق واقع ہوتی ہے حدیث میں ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے نکاح طلاق رجعت۔ (3)

طلاق کا مالک...... سابقہ ابحاث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طلاق کا مالک صرف شوہر ہی ہے جبکہ وہ عاقل بالغ ہو اور بیوی طلاق کی مالک نہیں ہوتی الا یہ کہ شوہر اس کو وکیل بنا دے یا طلاق اس کے سپرد کر دے اور قاضی بھی طلاق کا مالک نہیں سوائے ضروری حالات کے۔

یہ بات یاد رہے کہ مصری قانون میں اہلیت طلاق کو ۲۱ سال میں اور شامی قانون میں ۱۸ سال میں داخل کیا گیا ہے اس بناء پر طلاق کی اہلیت کا قانون اس مقرر سن تک ہوگا الا یہ کہ اگر اس سے کم عمر کو جو بالغ ہو وقوع طلاق کر چکے تو اس کا مقدمہ سن سکتا ہے۔ شامی قانون کی تصریح (۸۵) میں یہ ہے۔

۱...... آدمی طلاق کی کامل اہلیت ۱۸ سال کی عمر میں رکھ سکتا ہے۔

۲......اور اگر قاضی کوئی مصلحت دیکھے تو اٹھارہ سال سے کم عمر بالغ کو طلاق کا حکم دے سکتا ہے یا اس کی واقع کی ہوئی طلاق کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

رکن ثانی قصد کی شرائط...... بالاتفاق طلاق میں قصد وارادہ شرط ہے (4) اور وہ طلاق کے تلفظ کا ارادہ ہے اگر چہ اس نے اس کی نیت

---

(1)...... حدیث حسن رواہ ابن ماجه والبیهقی وغیر هما عن ابن عباس (2) رواہ ابوداؤد (3) رواہ الخمسة (احمد واصحاب السنن) الا النسائی وقال الترمذی حدیث حسن غریب۔ فائدہ: ملحوظ رہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ ہی منفرد نہیں سلف میں سعید بن المسیب ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مذہب بھی شروح حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے اور اغلاق والی حدیث کی توجیہ کی طرح کرتے ہیں (4) فتح القدیر ۳/ ۳۹ الدر المختار ۲/ ۵۸۴ الشرح الصغیر: ۲/ ۵۴۳ القوانین الفقهية ص: ۲۳۰ المغنی: ۷/ ۱۳۵۔

نہ بھی کی ہو یعنی لفظ طلاق سے اس کے معنی کا ارادہ بایں طور کے لفظ طلاق سے معنی موضوع کے غیر کا قصد اور اس رکن میں تحقیق مراد ہی شرط ہے لہٰذا اس فقہی کی طلاق نہیں ہوگی جو بار بار تکرار کرتا ہے اور اپنے طلاق کی حکایت کرنے والا یا غیر کی طلاق کی حکایت کرنے والے کی طلاق نہیں ہوگی اس لیے کہ اس نے اس کے معنی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس کا ارادہ تعلیم حکایت ہے اور اسی طرح اس انجان کی بھی طلاق نہیں ہوگی جسے لفظ طلاق کی تلقین کی گئی ہو معنی سمجھائے بغیر اسی طرح اگر سونے والے کی زبان پر طلاق جاری ہو جائے یا کسی کی عقل زائل ہو جائے کسی ایسے ذریعہ سے جس میں نافرمانی نہیں تو ان کی طلاق لغو ہوگی اگر چہ یہ افاقہ یا بیداری کے بعد کہے کہ میں نے اسے نافذ کر دیا یا واقع کر دیا پھر بھی لغو ہے کیونکہ سابقہ حدیث میں ہے تین آدمی مرفوع القلم ہیں اور ان میں سے ایک وہ ہے جو نیند کی حالت میں ہو بیدار ہونے سے پہلے نیز قصد بھی نہیں پایا گیا اور حنابلہ کے ہاں جھگڑے اور غصہ کی حالت میں طلاق کی نیت شرط نہیں۔

ہنسی مذاق میں طلاق: مذاق کرنے والا وہ ہوتا ہے جو لفظ کا تو ارادہ کرے لیکن معنی کا ارادہ نہ کرے اور لاعب وہ ہے جو کسی بھی چیز کا ارادہ نہ کرے ❶ مثلاً بیوی کھیل کود اور ہنسی مذاق کے موقع پر کہے مجھے طلاق دے دو تو مرد اسے ہنسی مذاق کی حالت میں کہے میں تجھے طلاق دے دی اور اسی کی مثل ہے وہ عورت جو کسی مرد کو طلاق کا کہے اور وہ پردہ وغیرہ یا اندھیرا ہونے کی وجہ سے سمجھے میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے اور وہ اسے طلاق دے دے تو ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ ان سب کی طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ ہنسی مذاق والوں نے اپنے قصد واختیار سے لفظ طلاق استعمال کیا ہے اگر چہ وہ اس کے اثر وقوع طلاق پر راضی نہ ہو اور اس کی رضامندی نہ ہونا وقوع طلاق میں اس گمان سے کہ طلاق واقع نہ ہوگی اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس کا گمان غلط ہے اور اس کی دلیل جیسا حنابلہ وغیرہ نے ذکر کی ہے وہ سابقہ حدیث ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے نکاح طلاق اور رجعت ایک روایت میں عتاق اور ایک روایت میں ہے یمین قسم اور علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کوئی مذاق نہیں طلاق عتاق اور نکاح نیز اس لیے بھی کہ مذاق کرنے والے نے سبب اختیار کیا ہے یعنی لفظ طلاق اور احکام کی ترتیب ان کے اسباب پر یہ شارع کی طرف سے ہے نہ کے عاقد کی طرف سے۔

سبقت لسانی یا خطا کی وجہ سے طلاق...... جو شخص طلاق کے علاوہ کوئی بات کرنا چاہتا تھا اس کی زبان پھسل گئی اور اس سے طلاق کا تلفظ ہو گیا بغیر قصد وارادہ کے مثلاً وہ کہنا چاہتا تھا انت طالبہ طاہرہ اور غلطی سے کہہ دیا انت طالق اس کا حکم یہ ہے کہ شوافع کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوگی قصد نہ ہونے کی وجہ سے اور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں فتویٰ اور دیانت کے اعتبار سے یعنی اس کے اور اللہ کے درمیان تو طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ قضاء واقع ہو جائے گی لیکن مالکیہ کے ہاں قضاء تب ہی ہوگی جب کہ سبقت لسانی گواہوں سے ثابت نہ ہو ورنہ فتویٰ اور قضاء کے اعتبار سے نہ ہوگی۔

مذاق کرنے والے اور خطا کہنے والے کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ مذاق کرنے والا لفظ کا ارادہ کرتا ہے لہٰذا وہ دینی احکام کے ساتھ مذاق کی وجہ سے سزا کا مستحق ہے اور رہ گیا غلطی سے کہنے والا تو اس کا تو بالکل ارادہ ہے ہی نہیں لہٰذا وہ سزا کا مستحق نہیں کہ اس کے لیے وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائے۔❷

رکن ثالث محل طلاق کی شرائط...... محل طلاق عورت ہے جس پر طلاق واقع ہوتی ہے جبکہ نکاح صحیح کے ساتھ زوجیت باقی ہو اگر چہ

---

❶......لعب اور ہزل جیسا کہ شوافع نے واضح کیا فقہاء کی اصطلاح میں متغایر ہیں البتہ لغوی اعتبار سے مترادف ہیں۔ ❷ فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں (نکاح طلاق اور رجعت) اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل میں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ان کے بارے میں جو کچھ بھی آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہنسی مذاق کا نہیں ہے لہٰذا جو ایسا کرے گا سزا پائے گا۔

دخول سے پہلے ہی یا طلاق رجعی کی عدت کے دوران ہی ہو اس لیے کہ طلاق رجعی سے عدت گذرنے کے بغیر زوجیت کا تعلق ختم نہیں ہوتا اگر عورت بائن کبریٰ ہو تو پھر دوران عدت اور کوئی طلاق اس کے ساتھ ملحق نہیں ہوسکتی کیونکہ شوہر نے طلاق کے حق سے استفادہ کرلیا ہے اس لیے کہ تین طلاقوں سے زائد کا وہ مالک ہی نہیں لہٰذا اب مزید طلاق دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اور اگر عورت طلاق بائن کی عدت گذار رہی ہو لیکن تین سے کم والی بنیونت کی تو جمہور کے ہاں اس صورت میں بھی اسے کوئی اور طلاق نہیں دی جاسکتی کیونکہ بائن ہونے کی وجہ سے رابطہ زوجیت ختم ہو گیا لہٰذا وہ محل طلاق ہی نہیں رہی البتہ حنفیہ کے ہاں دوران عدت ایک اور طلاق پڑسکتی ہے کیونکہ زوجیت کے بعض احکام مثلاً وجوب نفقہ سکنی اور کسی اور شخص سے نکاح حرام ہونا عدت وغیرہ باقی ہیں لہٰذا محل طلاق باقی ہے کیونکہ حکماً وہ اس کی بیوی ہے اور اس سلسلہ میں حنفیہ کی عبارت یہ ہے۔ طلاق صریح صریح کو ملحق ہوسکتی ہے اور بائن بشرطیکہ عدت ہو ملحق ہوسکتی ہے اور بائن صریح کو ملحق ہوسکتی ہے۔ اور اگر نکاح فاسد ہو یا عوت کی کامل عدت ختم ہوگئی ہو تو اس پر کوئی اور طلاق نہیں پڑسکتی۔ حتیٰ کہ اگر اس نے معلق کی ہو تو بھی نہیں پڑے گی۔ مثلاً کہا جب تیری عدت ختم ہوگی تو طلاق ہے تو اس سے طلاق واقعنہ ہوگی۔

شام کے قانون (م۸۶) کی محل طلاق کے متعلق تصریح یہ ہے محل طلاق وہ عورت ہے جس کا نکاح صحیح ہو یا وہ طلاق رجعی کی عدت گذار رہی ہو ان دونوں کے علاوہ طلاق صحیح نہیں اگرچہ معلق ہی کیوں نہ ہو اور جب عورت کو دخول سے پہلے یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہوجائے تو اس پر کوئی عدت نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا الاحزاب: ۳۳/۴۹

(مومنو) جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔ تو یہ طلاق بائن ہوگی۔

اور حنفیہ کے ہاں ❶ اس کے ساتھ دو طلاق ملحق نہیں ہوگی اگر کسی نے اپنی بیوی سے جس سے ہمبستری نہیں کی اور نہ ہی خلوت صحیحہ ہوئی۔ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق تو صرف ایک ہی طلاق ہوگی اس لیے کہ پہلی ہی طلاق سے وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہوگئی اور اجنبی ہوگئی لہٰذا اور کوئی طلاق ملحق نہیں ہوگی یہی شوافع کی بھی رائے ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں اگر اس نے یہ الفاظ غیر مدخول بھا کو کہے تو ہر حال میں ایک ہی طلاق ہوں گی کیونکہ وہ پہلی ہی سے بائنہ ہوگئی لہٰذا بعد والی طلاق واقع نہ ہوگی۔ ❷

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں...... ان الفاظ سے تین طلاق ہوں گی کیونکہ یہ متفرق نہیں اس لیے کہ واؤ جمع کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں ترتیب نہیں پس مرد نے اکٹھی تین واقع کی ہیں پس سب واقع ہوں گی جیسے **انت طالق ثلاثا** تجھے تین طلاقیں یا ایک طلاق کے ساتھ دو طلاقیں کی صورت میں الا یہ کہ دوسری اور تیسری سے تاکید کا ارادہ کرے مالکیہ کے ہاں قضا قسم کے ساتھ تصدیق ہوگی اور دیانتاً بغیر قسم کے۔ ❸

طلاق کی اضافت عورت کے بعض اجزاء کی طرف...... اگر مرد طلاق کی نسبت بیوی کی طرف کرے بایں طور پر کہے تو طلاق والی ہے یا میں تجھے طلاق دیتا ہوں تو بالاتفاق طلاق واقع ہوگی۔ اور اسی طرح فی الجملہ طلاق واقع ہوگی جب طلاق کی نسبت عورت کے بعض اجزاء کی طرف کرے درج ذیل تفصیل کے ساتھ حنفیہ کے ہاں ❹ طلاق واقع ہوجائے گی جب مرد طلاق کی اضافت اور نسبت ایسے اعضاء کی طرف کرے جن سے پوری عورت یا اس کی ذات مراد ہوتی ہو جیسے گردن گلہ روح، بدن جسم اور تمام اطراف (اور وہ دونوں ہاتھ دونوں پاؤں)

---

❶..... الدر المختار: ۲/ ۶۲۴۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۹۷ ❸ المغنی: ۷/ ۲۳۳ القوانین الفقھیة ص: ۲۲۹ ❹ الدر المختار ۲/ ۵۹۸ فتح القدیر: ۳/ ۵۲

فرج چہرہ سر سرین یا ایک ایسے جزو کی طرف کرے جو عورت میں عام ہو مثلاً نصف ثلث عشر کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے اور طلاق واقع نہیں ہوگی اگر اس کی اضافت بضع کی طرف کرے یا دبر کی طرف اس لیے کہ ان دونوں سے پوری عورت مراد نہیں ہوتی برخلاف سرین اور فرج کے کیونکہ ان سے پوری عورت کی تعبیر ہوتی ہے اگر اس نے ہاتھ کی طرف اضافت کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی الا یہ کہ مجاز کی نیت سے یعنی بعض کا اطلاق کل پر کرے لیکن اگر وہ مشہور ہو تو پھر مجاز کی نیت کی ضروری نہیں اور ہاتھ کی طرح پاؤں، بال، ناک، پنڈلی، ران، پیٹھ، پیٹ، زبان، کان، منہ، سینہ، ٹھوڑی، دانت، تھوک، پسینہ، پستان اور خون اس لیے کہ ان کے ساتھ پوری عورت مراد نہیں ہوتی پس طلاق واقع نہیں ہوگی اگر کہا تیرے ہاتھ کو طلاق تیرے پاؤں کو طلاق وغیرہ اور اگر طلاق کی نسبت طلاق شدہ جزو کی طرف کی تو طلاق واقع ہوگی جیسے حصہ ربع نصف اور اگرچہ ہزارواں حصہ ہو بایں طور پر کہ کہے ہزار طلاق کے جزو کو طلاق کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے۔

مالکیہ کا مذہب ❶ اگر طلاق کو عورت کے نصف یا سدس، ثلث کی طرف منسوب کیا یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کی طرف تو نافذ ہو گی اگر کہا نصف طلاق ربع طلاق تو پوری طلاق ہوگی یہ حنفیہ کی طرح ہیں البتہ مالکیہ میں اختلاف ہے اس صورت میں جب عورت کے بالوں کلام روح زندگی وغیرہ کی طرف طلاق کی نسبت کرے راجح یہ ہے کہ طلاق لازم ہوگی اگر عورت کے محاسن کو شمار کرے مثلاً تیرے بالوں کو یا کلام کو یا تھوک کو طلاق اور جو چیزیں محاسن میں شمار نہ ہوں آنسو، پیچش وغیرہ۔ شوافع کے ہاں ❷ طلاق واقع ہوگی اگر عورت کے کسی جزو کو طلاق دی مثلاً تیرا ہاتھ یا پاؤں طلاق یا اس طرح کے دوسرے متصل اعضاء اگرچہ مجاز کی نیت نہ بھی ہو برخلاف حنفیہ کے یا یہ کہا تیرا چوتھائی یا تیرا بعض یا تیرا جزو یا تیرے بال یا تیرے ناخن طلاق وغیرہ اور صحیح مذہب کے مطابق تیرے خون کو طلاق۔ اس لیے کہ طلاق کے ابعاض واجزاء نہیں ہوتے اور طلاق واقع نہ ہوگی اگر اس کی اضافت فضلہ کی طرف کرے جیسے تھوک، پسینہ یا پیشاب وغیرہ۔ اسی طرح اگر منی یا دودھ کی طرف طلاق کی اضافت کی تو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ خلقی طور پر یہ اس کے ساتھ ملے ہوئے نہیں ہیں۔ اگر کسی نے دائیں ہاتھ کٹی عورت سے کہا تیرا دائیاں طلاق تو طلاق نہیں ہوگی اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جس سے باقی جسم میں طلاق سرایت کرے۔ اگر کہے تجھے بعض طلاق ہے تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ طلاق کے اجزا نہیں ہوتے شوافع نے اس شخص کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا ہے جو عورت کو خطاب کے ساتھ مفعول حذف کردے بایں طور کہے میں نے طلاق یا مبتدا حذف کردے یا صرف ندا حذف کردے اور یا طالق نہ کہے تو طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❸ طلاق ہو جائے گی اگر عورت کے کسی جز کی طرف طلاق کو منسوب کرے مثلاً ہاتھ کو خون کو انگلی کو یا تیرے سر کو طلاق کیونکہ ایسے جزو کی طرف اضافت کی ہے جو نکاح کے بعد مباح ہے۔ لہٰذا یہ عام جزو کے مشابہ ہو گیا جیسے نصف ثلث (البتہ اگر کسی ایسی عورت سے کہا جس کی انگلیاں اور ہاتھ نہیں کہ تیرے انگلیوں اور ہاتھ تو طلاق نہ ہوگی۔

اور طلاق نہ ہوگی اگر کہا تیرے بالوں کو ناخنوں کو دانتوں کو دودھ کو یا منی کو طلاق کیونکہ یہ اجزاء سلامتی کے ساتھ اس سے منفصل ہوتے ہیں لہٰذا ان کی طرف نسبت سے طلاق نہ ہوگی جیسے حمل کی طرف اضافت سے یہ شوافع کے مخالف ہیں۔ دودھ اور منی کے علاوہ چیزوں میں۔ اسی طرح طلاق نہ ہوگی اگر کہا تیرا سیاہ یا سفید کو طلاق اس لیے کہ یہ عارضی چیزیں ہیں اور اسی طرح طلاق نہ ہوگی اگر کہا تیرے تھوک کو یا آنسو کو یا پسینہ کو طلاق کیونکہ مذکورہ چیزیں اس کا جز نہیں اسی طرح اگر کہا تیری روح کو طلاق تو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ روح جز نہیں اور نہ ہی اس چیز سے کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سواد اور بیاض کے مشابہ ہے اسی طرح اگر کہا تیرے حمل کو طلاق کیونکہ یہ جزو عرض ہے سواد بیاض کی طرح۔ اگر کہا: تیری زندگی کو طلاق تو طلاق ہوگی اس لیے کہ زندگی کے بغیر اس کی بقاء نہیں لہٰذا یہ تیرے سر کو طلاق کہنے کے مشابہ ہو گیا اور طلاق شدہ جزو

❶.....القوانین الفقهیة ص ۲۲۸ الشرح الصغیر: ۲/۵۷۲ ❷ مغنی المحتاج ۳/۲۸۰ المهذب ۲/۸۰۔ ❸ کشاف القناع ۵/۲۹۸ والمغنی ۷/۲۴۲

طلاق کی طرح ہے اگر کہا تجھے نصف طلاق یا ثلث وغیرہ تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ کہ: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ طلاق کا جز و پوری طلاق ہے البتہ ان کا اختلاف ہے عورت کے اجزاء کی طرف نسبت کرنے میں جمہور حنفیہ کے ہاں ایسے اجزاء کی وجہ سے طلاق نہ ہوگی جن سے پوری عورت کو تعبیر نہ کیا جاتا ہو جیسے ہاتھ پاؤں انگلی دبر اور زفر مالک شافعی اور احمد کے ہاں ہوگی۔

طلاق کی اضافت مرد کی طرف......حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں (۱) جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے طلاق ہوں تو اس سے کچھ بھی نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس سے طلاق کی بھی نیت کرے اور اگر کہا کہ میں تجھ سے بائن ہوں یا میں تم پر حرام ہوں اور طلاق کی نیت بھی کی تو حنفیہ کے ہاں اور ایک قول میں حنابلہ کے ہاں اس کو طلاق ہوگی اس لیے کہ طلاق تو قید کے ازالہ کے لیے ہوتی ہے اور قید تو عورت میں ہے نہ کہ مرد میں لہٰذا پہلی صورت میں طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس نے طلاق کی نسبت غیر محل کی طرف کی ہے لہٰذا وہ لغو ہے اور رہ گیا بائن ہونا تو یہ جوڑ زائل کرنے کے لیے ہے اور تحریم حلت زائل کرنے کے لیے ہے اور یہ زوجین میں مشترک ہیں لہٰذا ان دونوں کی اضافت زوجین کی طرف کرنا درست ہے اور طلاق کی اضافت صرف عورت کی طرف کرنا ہی درست ہے۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں (۲) اگر کسی شخص نے کہا میں تجھ سے طلاق ہوں اگر اس نے عورت کی طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ عورت مقید ہے اور شوہر اس کے لیے قید ہے اور حلت قید کی طرف مضاف ہوتی ہے جیسا کہ مقید کی طرف بھی اس کی نسبت ہوتی ہے پس کہا جاتا ہے فلاں نے مقید کو کھولا اور اس سے قید ختم ہوگئی لیکن اگر طلاق کی نیت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ لفظ صریح طور پر غیر محل میں استعمال ہوا ہے لہٰذا کنایہ کی طرح اس میں بھی وقوع طلاق کا ارادہ و نیت شرط ہے۔ اسی طرح اگر کہا میں تجھ سے بائن ہوں اس میں بھی تمام کنایات کی طرح نیت طلاق شرط ہے اسی بناء پر اس رائے کے مطابق شوہر کی طرف منسوب طلاق واقع ہوگی نیت کے ساتھ چاہے طلاق کے لفظ سے ہو یا ابانہ کے لفظ سے۔

رکن رابع محل طلاق پر ولایت کی شرائط شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جیسا کہ معلوم ہوا محل طلاق بیوی ہے اور یہ رکن جس کا شوافع نے تذکرہ کیا ہے رکن سابق محل طلاق کی فرع ہے اور اس کا مقصد اجنبیہ کی طلاق کا حکم بیان کرنا ہے اس لیے کہ شادی سے پہلے طلاق شادی کے بعد اس کے وقوع میں اختلاف ہے جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے ظاہر ہے لہٰذا اس کا موضوع ہے **تعلیق طلاق علی الملك**۔

طلاق کو نکاح پر معلق کرنا......اس سلسلہ میں فقہاء کی تین رائے ہیں:

حنفیہ کے ہاں (۳) جب کوئی شخص طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کرے تو وہ نکاح کے فوراً بعد واقع ہوگی مثلاً وہ اپنی ہونے والی بیوی سے کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے اس لیے کہ یہ طلاق شرط پر معلق ہے لہٰذا اس کی صحت کے لیے حالت طلاق میں ملکیت ہونا شرط نہیں بلکہ ملکیت کا ہونا شرط کے پائے جانے کے وقت کافی ہے اور شرط کے وقت ملکیت یقینی ہے اور جب ملکیت یقینی ہے تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ معلق بالشرط وجود شرط کے وقت ملفوظ کی طرح ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے حالت نکاح میں طلاق کو شرط کی طرف منسوب کر دے اور وہ شرط کے بعد واقع ہوگی مثلاً اپنی بیوی سے کہے: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اس لیے کہ فی الحال ملک قائم ہے لہٰذا شرط کے وقت تک اس کا باقی رہنا ظاہر ہے اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ شی اپنی پہلی حالت پر باقی رہتی ہے اور یہی استصحاب حال ہے۔ رہ گئی وہ حدیث نکاح سے پہلے طلاق نہیں (۵) جسے شافعی نے روایت کیا ہے تو یہ فی الحال نافذ ہونے کی نفی پر محمول ہے نہ کہ طلاق معلق کی نفی پر اس بناء پر عورت کی طرف طلاق کی اضافت درست نہیں الا یہ کہ حلف اٹھانے والا مالک ہو یا ملک کی

(۱).....فتح القدیر: ۳/۷۰ المغنی ۷/۱۳۳ الدر المختار ۲/۶۱۳۔ (۲) القوانین الفقهیة ص ۲۲۸ المهذب: ۲/۸۰ (۳) مغنی المحتاج: ۳/۲۹۲ (۴) فتح القدیر: ۳/۱۲۷۔ ۱۳۱ (۵) رواه ابن ماجة والترمذی وصححه عن المسور بن مخرمة بلفظ لاطلاق قبل النكاح ولا عتق قبل ملك (نصب الراية ۳/۲۳۰)

طرف اسے منسوب کرے اگر کسی نے اجنبی عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق پھر اس سے شادی کر لی اور وہ گھر میں داخل ہو گی تو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ حلف اٹھانے۔

والا مالک نہیں اور نہ ہی اس نے طلاق کو ملک یا سبب ملک شادی کی طرف منسوب کیا جبکہ ان میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ حنفیہ کے ہاں شادی کی شرط کے ساتھ طلاق معلق ہوگی چاہے تمام عورتوں کو شامل رکھے یا خاص کرے مالکیہ کے ہاں ❶ اگر طلاق دینے والے نے تمام عورتوں کو شامل کیا تو لازم نہیں اگر خاص کیا تو لازم ہوگی پس جس نے کہا فلاں خاندان یا فلاں فلاں شہر کی ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے یا کہے فلاں وقت میں تو ان صورتوں میں یہ شخص جب بھی ان عوتوں سے نکاح کرے گا تو امام مالک کے ہاں ان سب کو طلاق ہو جائے گی اگر کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو اسے طلاق ہے تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا تو اسے طلاق نہ ہوگی اس عموم اور تخصیص میں فرق کی وجہ استحسان ہے جو مصلحت پر مبنی ہے، اس لیے کہ جب اس نے عموم کیا تو ہم نے اس پر عموم لازم کر دیا تو اب حلال نکاح کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں لہٰذا یہ اس کے لیے حرج ہے لہٰذا یہ معصیت کی نذر کے قبیل سے ہے لیکن جب خاص کر لے تو پھر معاملہ اس طرح نہ ہوگا اور طلاق کی شرط صرف ملکیت کا ہونا ہے اور طلاق پر ملکیت پہلے ہونا شرط نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ اجنبی عورت کو طلاق دینا مثلاً تجھے طلاق ہے یا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے یا نکاح کے ساتھ طلاق کو معلق کرنا مثلاً اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق یا نکاح کے علاوہ کسی چیز سے معلق کرنا مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق یہ سب لغو ہیں اور قسم کے ابطال کا حکم لگایا جائے گا لہٰذا جس سے نکاح کرے گا اسے طلاق نہ ہوگی رہ گئی اجنبی عورت کو طلاق فی الحال دینا تو وہ بالا تفاق واقع نہیں ہوتی۔ اور معلق علی النکاح میں کیونکہ محل طلاق پر ولایت نہیں اس لیے واقع نہیں ہوگی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلاق صرف نکاح کے بعد ہوتی ہے اسی بناء پر طلاق کا تعلق اجنبی عورت سے سرے سے نہیں ہے چاہے طلاق میں عموم کرے یا خصوص یہی علی، معاذ، جابر بن عبداللہ، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول ہے میرے ہاں یہی راجح ہے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اور ترمذی کے حسن قرار دینے کے بعد بعض لوگوں کا اس کو مطعون قرار دینے کا کوئی اعتبار نہیں پس اسی بناء پر اگر کسی شخص نے اپنی بیوی اور اجنبی عورت سے کہا تم دونوں میں سے ایک کو طلاق ہے یا اس کی بیوی کا نام بھی زینب تھا اور پڑوسن کا نام بھی زینب اس نے کہا زینب کو طلاق ہے اور کہا کہ میں نے اجنبی کا ارادہ کیا تھا تو اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور دونوں صورتوں میں اس کی بیوی کو طلاق ہوگی کیونکہ غیر کو طلاق ممکن نہیں۔

اجمالی دلائل ❸..... حنفیہ درج ذیل استدلال کرتے ہیں۔

(۱)..... اظہار کو ملکیت کے ساتھ معلق کرنے کی صحت پر سب کا اجماع ہے اور طلاق بھی اسی کی طرح ہے کیونکہ ان کے درمیان فرق کا کوئی قائل نہیں۔

(۲)..... تابعین کے بعض آثار میں ابن ابی شیبہ نے سالم اور قاسم بن محمد اور نخعی، زہری، مکحول شامی وغیرہ سے حدیث نقل کی ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے تو جس طرح اس نے کیا اسی طرح ہوگا۔ ❹ تعلیق طلاق تعلیق عتق وکالت اور ابراء کی طرح لازم ہے لہٰذا اس کی صحت کے لیے فی الحال ملک کا ہونا ضروری نہیں۔

مالکیہ نے استدلال کیا ہے استحسان اور مصلحت سے کہ جب اس نے عموم کیا تو ہم اس عموم کو اگر لازم کر دیں تو پھر اسے نکاح حلال کا راستہ نہیں ملے گا اور یہ تنگی اور حرج ہے لہٰذا معصیت کی نذر کی طرح ہے اور شریعت میں معروف ہے جب تنگی ہو تو معاملے میں وسعت آجاتی

❶..... بداية المجتهد ۲/۸۳ ❷ مغني المحتاج: ۳/۲۹۲ المغني ۷/۱۳۵ ❸ فتح القدير ۳/۴۴ البدائع: ۳/۱۰۲ بداية المجتهد ۲/۷۳ المغني: ۷/۱۲۱ ❹ حاشية ابن عابدين ۲/۵۹۰۔۵۹۴، ۶۳۵۔۶۳۷۔

ہے اور جب اس نے تخصیص کر دی تو اب اسے غیر مخصوص سے نکاح کا راستہ ہے لہٰذا اس کے کلام کو لغو کرنے کا کوئی موجب نہیں۔

شوافع اور حنابلہ نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں۔ حدیث نکاح سے پہلے طلاق نہیں جو کہ مختلف طرق سے مروی ہے اور ترمذی نے اس کے بارے میں کہا حدیث حسن ابن عباس تک یہ خبر پہنچی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر نکاح سے پہلے طلاق دے دی تو یہ جائز ہے تو ابن عباس نے فرمایا: اس میں انہوں نے غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ مؤمنات سے نکاح کرو پھر انہیں طلاق دو یہ نہیں فرمایا جب تم مؤمنات کو طلاق دو پھر نکاح کرو۔

عقلی دلیل یہ کہ تعلیق طلاق ہے اور طلاق قید ختم کرنا اور ملکیت زائل و باطل کرنے کا نام ہے اور اجنبیہ میں نہ ہی قید ہے اور نہ ہی ملکیت کہ اس کا کھولنا اور باطل کرنا درست ہو لہٰذا یہ لغو ہے رہ گئی یہ بات کہ تعلیق طلاق ہے تو وہ اس طرح کہ شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ اس کے علاوہ اور کوئی کلام نہ پایا جائے اگر تعلیق طلاق نہ ہو تو پھر شرط کے وقت طلاق واقع نہیں ہونی چاہیے۔ پھر یہ کہ یہ تعلیق تصرف کا انشاء ہے محل میں ایسے حال میں کہ اسے ولایت اس پر حاصل نہیں لہٰذا لغو ہے۔ جیسے بچے کا معلق کرنا اور بالغ کی تعلیق اجنبیہ کی طلاق کے ساتھ بغیر ملک کے اور میں اس رائے کو ترجیح دے چکا ہوں حدیث کی وجہ سے۔

رکن خامس صیغہ الفاظ طلاق کی شرائط..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ رشتہ ازدواج طلاق سے ختم ہو جاتا ہے چاہے عربی الفاظ سے دے یا دوسری زبانوں میں اور چاہے زبان سے دے یا لکھ کر یا اشارہ سے [1] الفاظ پھر صریح ہیں یا کنایہ صریح طلاق: وہ الفاظ جن سے مراد ظاہر ہوتی ہو اور عرف میں ان کا استعمال طلاق کے لیے ہوتا ہو۔ جیسے وہ الفاظ جو لفظ طلاق سے مشتق ہیں مثلاً تجھے طلاق ہے تو طلاق والی ہے میں نے تجھے طلاق دی اور میرے اوپر طلاق ہے وغیرہ اور انہی میں سے ہے تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تجھے حرام کر دیا محرمۃ اگرچہ یہ الفاظ ہیں تو کنایہ لیکن لوگوں کے درمیان یہ طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں لہٰذا یہ الفاظ صریحہ میں سے ہو گئے یہ حنفیہ کا مذہب ہے اور حنابلہ کے ہاں صریح طلاق صرف لفظ طلاق اور اس سے مشتق الفاظ ہیں اس کے علاوہ نہیں رہ گئے لفظ فراق اور سرح تو یہ کنایہ ہیں۔ مالکیہ کے ہاں طلاق کو ظاہر کرنے والے کنایہ الفاظ بھی صریح کے حکم میں ہیں اور وہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کے بارے میں عادت یہ ہے کہ شرع میں ان سے طلاق ہوتی ہے یا لغت میں جیسے لفظ تسریح فراق وغیرہ یا شوہر کا قول أنت بائن یا بتۃ بتلۃ یا جوان کے مشابہ ہیں۔ شوافع اور ظاہریہ کے ہاں صریح طلاق کے تین لفظ ہیں طلاق فراق اور تسریح، کیونکہ قرآن کریم میں یہ آئے ہیں فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ..... البقرۃ: ۲/۲۲۹

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ..... البقرۃ: ۲/۲۳۱

اور فرمایا:

وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ ..... النساء: ۴/۱۳۰

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ..... الاحزاب: ۳۳/۲۸

اور اگر کوئی لفظ طلاق کے لیے مشہور ہو جائے مثلاً حلال یا اللہ کا حلال میرے اوپر حرام ہے تو اصح یہ ہے جیسا کہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ کنایہ ہے لیکن آدمی کا یہ کہنا (علی حرام) یہ طلاق صریح کے قبیل سے ہے جیسا کہ ابن حجر نے فتویٰ دیا ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں اگر کہا علی الحرام یا مجھے حرام لازم ہے وغیرہ تو یہ لغو ہے اس میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ یہ تو مباح چیز کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ بیوی کی تحریم

---

[1] ..... مقارنۃ المذاهب للأستاذين شلتوت والسايس: ص: ۱۰۴۔ ۱۰۸

کی نیت پائی جائے یا کوئی قرینہ اس ارادہ پر پایا جائے تو یہ ظہار ہے کیونکہ اس کا احتمال ہے۔رہ گیا لفظ طلاق مثلاً **اطلقتك** یا **انت مطلقه** تو یہ مذاہب اربعہ میں بالاتفاق صریح طلاق نہیں بلکہ کنایہ ہے نسبت کا محتاج ہے اس لیے کہ اس کے بارے میں شرعی عرف بھی نہیں اور نہ ہی استعمال ہے لہٰذا کنایات کے مشابہ ہے مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ طلاق کے وقوع کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔

ایسا لفظ استعمال کرنا جس میں لغوی یا عرفی اعتبار سے طلاق کا معنی پایا جاتا ہو یا لکھ کر دے سمجھ میں آنے والا اشارہ ہو۔طلاق دینے والا اس کا معنی سمجھتا ہو اگرچہ عجمی زبان ہی میں جب کسی عجمی نے صریح طلاق استعمال کی تو اس سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کنایہ استعمال کرے تو نیت کا محتاج ہوگا اگر کسی شخص کو طلاق کا صیغہ تلقین کیا گیا جسے وہ جانتا نہیں تھا اس نے اس کا تلفظ کیا جبکہ وہ اس کا معنی نہیں جانتا تو اس پر کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔طلاق کی اضافت بیوی کی طرف کرنا بایں طور کہ وہ طرق تعین میں سے ایک طریقے سے متعین کرے جیسے وصف یا اس کا نام یا اشارہ یا ضمیر مثلاً کہے **امراتی طالق** میری بیوی کو طلاق ہے یا فلاں کو طلاق ہے یا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے اسے طلاق ہے یا تجھے طلاق ہے یا کہے وہ طلاق ہے اس سے بات چیت کرنے کے دوران یا عرف اس کی طرف اسناد کرے میرے اوپر طلاق ہے یا وہ حرام ہے اگر میں ایسا ایسا کروں یا اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے طلاق لازم ہے یہاں معنوی اعتبار سے طلاق عورت کی طرف مضاف ہے اگرچہ لفظ میں اس کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ برخلاف حنابلہ کے عدد طلاق اور لفظ طلاق میں مشکوک نہ ہو اور طلاق صریح ہو جائے گی اگرچہ الفاظ غلط ہی ہوں جیسے طلاغ تلاغ طلاک تلاک یا حروف ھجاء مثلاً ط ال ق کہے۔

صریح طلاق کا حکم......صریح لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اس میں نیت اور دلالت حال کی کوئی ضرورت نہیں اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا۔

طلاق کنایہ......ہر وہ لفظ جو طلاق اور غیر طلاق پر مشتمل ہوتا ہے اور لوگوں میں ارادہ طلاق پر وہ معروف نہیں ہوتا مثلاً کسی شخص کا اپنی بیوی کو کہنا اپنے اہل وعیال سے جا ملو چلی جاؤ نکل جاؤ تو بائن ہے تو بتہ ہے تو خالی ہے تو بری ہے عدت گذارو اپنے رحم کو صاف کرو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تیری رسی تیرے کندھے پر ہے یعنی تیرا راستہ خالی ہے جیسے اونٹ صحراء میں خالی ہوتا ہے اور اس کی رسی اس کے کندھے پر ہوتی ہے اس طرح کے اور الفاظ جو طلاق کے لیے وضع نہیں کیے گئے بلکہ ان کے قرینہ یا دلالت حال یعنی مذاکرہ طلاق اور غصہ کی وجہ سے طلاق مفہوم ہوتی ہے شوافع اور حنابلہ کے اصل مذہب کے مطابق کنایہ میں سے یہ بھی ہے انت علی حرام یعنی تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تجھے حرام قرار دے دیا ہے اگر اس نے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو ہو جائیں گے اور اگر دونوں کی نیت کی تو اسے اختیار ہوگا اور جو اس نے اختیار کیا وہ ثابت ہوگا لیکن جیسے ابن حجر نے فتوی دیا ہے کہ عرف اور عادت میں علی حرام کا لفظ صریح طلاق میں سے ہے اور مالکیہ نے کنایہ کو ان الفاظ میں منحصر کیا ہے جن سے کنایہ کا احتمال ہے مثلاً اپنے اہل سے جا ملو چلی جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ اور جو ان کے مشابہ ہیں اور جو ظاہری کنایہ نہیں انہیں صریح کا حکم ہے جیسا کہ ہم لفظ تسریح اور فراق انت بائن بتہ بتلہ وغیرہ میں بیان کر آئے ہیں۔

طلاق کنایہ کا حکم......حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں کنایہ سے طلاق صرف نیت کی صورت میں اور دلالت حال کی صورت میں قضاء واقع ہوتی ہے مثلاً غصہ کی حالت میں طلاق دینا یا مذاکرہ طلاق کی حالت میں اور حنفیہ نے کنایات سے قضا طلاق واقع ہونے کی تفصیل بیان کی ہے انہوں نے فرمایا کہ حالت رضاء میں جبکہ نہ تو مذاکرہ طلاق اور نہ ہی طلب طلاق ہو تو پھر کسی بھی کنائی لفظ سے وقوع طلاق کا حکم نہیں لگایا جائے گا ہاں اگر نیت ہو تو پھر حکم ہوگا اور حالت رضا مذاکرہ طلاق اور مطالبہ طلاق کی صورت میں درج ذیل الفاظ سے بغیر نیت کے بھی طلاق ہو جائے گی۔اعتدی (عدت گذارو) بائن بتہ خلیہ اور بریہ کے الفاظ سے اور ان الفاظ میں نیت کی صورت میں ہوگی دھبی چلی جاؤ اخرجی نکل جاؤ قومی کھڑی ہو جاؤ اغربی دور ہو جاؤ تقنی اوڑھنی اوڑھو اور غصہ کی حالت میں اعتدی کے لفظ سے بغیر نیت کے طلاق ہو جائے گی ور

ان مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ میں نیت کی ضرورت ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں...... کنایات سے نیت ہی کی صورت میں طلاق ہوگی دلالت حال کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا اگر نیت ہوگی تو طلاق بھی لازم ہوگی اگر اس نے کہا میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گا اگر اس نے حلف اٹھالیا کہ ان الفاظ سے اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اگر وہ حلف اٹھانے سے رک گیا تو اس پر طلاق کا حکم لگایا جائے گا۔ اور شوافع نے کنایہ میں نیت کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ سارے لفظ کے ساتھ نیت ملی ہوئی ہو اگر پہلے حصہ کے ساتھ نیت ہو اور آخری حصہ کے ساتھ نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ ❶ نے کنایات کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ ظاہری کنایات۔ اور یہ الفاظ ہیں جو طلاق اور ازدواجی تعلق ختم ہونے میں استعمال ہوتے ہوں مثلاً انت بتۃ (تجھے قطعی طلاق ہے) تیری رسی تیرے کندھے پر ہے اور ان دونوں سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں چاہے مدخول بھا ہو یا نہ اور ان الفاظ کے لیے صریح طلاق کا حکم ہے خفی کنایات: وہ الفاظ جو طلاق میں استعمال نہیں ہوتے مثلاً اعتدی اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے ہاں اگر مدخول بھا کے لیے زیادہ کی نیت کرے اور اس سے صرف نیت ہی کے ساتھ طلاق ہوتی ہے اور ظاہری کنایات میں سے وہ الفاظ جن سے تین طلاقیں ہوتی ہے مدخول بھا کو اگر تین سے کم کی نیت نہ کرے وہ الفاظ درج ذیل ہیں:

بائنة ميتة خلية برية وهبتك لأهلك انت حرام خليت سهلك وجهى من وجه حرام ياعلى وجهك حرام

اگر شوہر نے کہا تجھے طلاق ہے یا تو طلاق ہے یا تجھے خاص طلاق ہے تو حنیفہ مالکیہ اور حنابلہ ❷ کے ہاں ان الفاظ سے اگر کوئی نیت نہ کرے تو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی اور یہ ان کے ہاں صریح الفاظ میں سے ہیں اس لیے کہ اس نے مصدر کے ساتھ تصریح کی ہے اور مصدر قلیل وکثیر سب پر بولا جاتا ہے تو اس لفظ سے اس کی نیت کی جس کا وہ احتمال رکھتا ہے اور شوافع کے ہاں ❸ اصح یہ ہے کہ انت طلاق یا اطلاق الفاظ صریح میں سے نہیں بلکہ یہ دونوں کنایات میں سے ہیں اس لیے کہ مصدر توسعا میں استعمال ہوتا ہے۔

صریح وکنایہ کے علاوہ الفاظ...... مالکیہ ❹ نے صریح اور کنایہ کے علاوہ ان الفاظ کا ذکر کیا ہے جو طلاق پر دلالت نہیں کرتے جیسے اسقنی ماء یا جو اس کے مشابہ ہیں اگر ان سے طلاق کا ارادہ کیا تو مشہور قول کے مطابق طلاق لازم ہوگی اگر ارادہ نہ کیا تو لازم نہ ہوگی۔

غائب کو لکھ کر طلاق دینا...... درج ذیل تفصیل کے ساتھ فقہاء کا اتفاق ہے کہ لکھ کر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حنفیہ کی عبارت ❺ لکھائی ظاہر ہوگی یا ظاہر نہ ہوگی اور ظاہری لکھائی وہ جس کا اثر باقی رہے جیسے کاغذ دیوار اور زمین پر لکھنا اور غیر ظاہر لکھائی جس کا اثر باقی نہ رہے جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا اور ہر وہ چیز جس کا سمجھنا اور قرات وپڑھنا ممکن نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے طلاق نہیں ہوتی اگر چہ نیت بھی کرے اور کتابت ظاہرہ کی دو قسمیں ہیں ایک مرسومہ اور وہ وہ ہے جس کے شروع میں عنوان ہو اور اس میں بیوی کا نام لکھا ہوا ہو اور اس کی طرف وہ خط کی طرح بھیجا گیا ہو جیسے شوہر اپنی بیوی کی طرف یہ کہتے ہوئے لکھے میری فلاں بیوی کی طرف اور امابعد تجھے طلاق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر صریح لفظ کے ساتھ لکھا کو صریح طلاق ہے اگر چہ کچھ نیت نہ بھی کی ہو۔ اور کتابت غیر مرسومہ وہ ہے جس میں بیوی کا عنوان بھی نہ ہو اور اس کا نام بھی نہ ہو اور عام خطوط کی طرح نہ ہو مثلاً کوئی شخص ایک ورق پر لکھے میری فلاں بیوی کو طلاق اس کا حکم کنایہ کا ہے اگر چہ لفظ صریح ہی کیوں نہ ہو اس سے صرف نیت کے ساتھ طلاق واقع ہوگی۔

---

❶......الشرح الصغير ۲/ ۵۵۹۔ ۵۶۷ منارا لسبيل: ۲/ ۲۱۷۔ ❷الدر المختار: ۲/ ۵۹۴ اللباب ۳/ ۴۱ المغنى: ۷/ ۲۳۷ الشرح الصغير ۲/ ۵۵۹ ❸ مغنى المحتاج: ۳/ ۲۸۰ ❹القوانين الفقهية ص: ۲۲۹ ❺الدر لمختار وردالمحتار: ۲/ ۵۸۹

قاصد کے ذریعہ طلاق......یعنی قاصد بھیج کر طلاق دینا اس طرح کہ شوہر بیوی کی طلاق کو کسی انسان کے ہاتھ بھیجے وہ قاصد جا کر اسے خط پہنچائے تو اس کا حکم صریح طلاق کی طرح ہے کہ عورت پر طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ قاصد بھیجنے والے کے کلام کو نقل کرے گا اور اس کا کلام گویا بھیجنے والے کا کلام ہے۔ ❶

مالکیہ کی عبارت ❷ جس شخص نے طلاق کے عزم سے طلاق لکھی اگر وہ اس میں متردد نہ ہو تو وہ لازم ہو جائے گی اگر اس نے طلاق کے عزم سے طلاق لکھی یا اس کی کوئی نیت نہ تھی تو صرف طلاق لکھتے ہی طلاق لازم ہو جائے گی اور اگر لکھتے وقت طلاق کا عزم نہ ہو بلکہ وہ متردد ہو یا اس میں مشورہ چاہتا ہو تو طلاق اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک اس کے ہاتھ سے وہ خط نکل نہ جائے اور اسے دے دے جس کے ذریعے پہنچانا چاہتا ہے تو وہ اس عورت یا اس کے ولی کے پاس پہنچ جائے اگر طلاق کے عزم کے ساتھ اس کے ہاتھ سے خط نکل گیا تو صرف نکلتے ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ نہ بھی پہنچے اور اگر خط کسی کو دیا لیکن طلاق کا عزم نہ تھا اور وہ خط اس تک نہ پہنچا تو راجح یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگی۔ اور صرف قاصد کے ذریعہ بھیجنے سے ہی طلاق لازم ہو جائے گی اگر چہ عورت تک نہ بھی پہنچے جب اس نے قاصد سے کہا کہ اسے خبر دو کہ میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو طلاق لازم ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ان کے ہاں لکھی ہوئی طلاق میں نیت کا اعتبار ہے۔ شوافع کے ہاں ❸ مالکیہ ہی کی طرح حکم ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کو صریح الفاظ سے طلاق لکھے اور نیت نہ کرے تو یہ لغو ہے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ کتابت وقوع طلاق کا بھی احتمال رکھتی ہے اور خط رائٹنگ کے امتحان کا بھی لہٰذا صرف لکھنے سے واقع نہ ہوگی لیکن اگر طلاق کی نیت کر لی تو اظہر یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی اور خط کے ذریعہ صرف غائب کو طلاق ہوگی۔ اگر کسی شخص نے خط میں اپنی بیوی کو طلاق صریح یا کنایہ الفاظ میں لکھی اور طلاق کی نیت بھی کر لی لیکن وقوع طلاق کو خط پہنچنے کے ساتھ معلق کر لیا مثلاً لکھا: جب تجھے میرا یہ خط پہنچے تو تجھے طلاق ہے تو جب اسے خط پہنچے گا تو اسے طلاق ہوگی شرط کی رعایت رکھتے ہوئے لیکن اگر اس کے پاس پہنچے سے پہلے کچھ یا سارا مٹ گیا تو طلاق نہیں ہوگی جیسا کہ ضائع کر دینے سے نہیں ہوتی اور اگر شوہر نے لکھا جب تو میرا خط پڑھے تو تجھے طلاق اور اس نے پڑھا تو اس کا پڑھنا اسے طلاق دے دے گا کیونکہ معلق کا وجود پایا گیا لیکن اگر اس کے سامنے کسی نے پڑھا تو اصح یہ ہے کہ طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس نے خود نہیں پڑھا باوجود یہ کر پڑھ سکتی تھی لیکن اگر وہ پڑھی لکھی نہیں اس کے سامنے پڑھا گیا تو اسے طلاق ہوگی اس لیے کہ آدمی کے حق میں قرات خط میں جو کچھ موجود ہے اس کی اطلاع پر محمول ہے اور وہ اطلاع پائی گئی برخلاف پڑھی لکھی کے۔

حنابلہ کے ہاں: ❹ بھی شوافع اور مالکیہ کی طرح حکم ہے کہ جب کوئی آدمی طلاق لکھے اگر اس نے نیت کر لی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ کتابت حروف ہیں ان سے طلاق سمجھ میں آتی ہے جب اس میں طلاق لایا تو اس سے اس کی مراد سمجھ میں آئے گی اور اس کی نیت کی تو جیسے لفظ سے طلاق ہوتی ہے اسی طرح اس سے بھی ہوگی نیز کتابت بھی کاتب کے قائم مقام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کی تبلیغ کا حکم تھا تو بعض کے حق میں بات سے یہ مقصود حاصل ہوا اور بعض کے حق میں خط بھیج کر اطراف کے بادشاہوں کی طرف نیز قاضی کا خط دین اور حقوق ثابت کرنے میں لفظ کے قائم مقام ہے۔ لیکن اگر اس نے بغیر نیت کے طلاق لکھی تو کہا گیا ہے واقع ہو جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ نیت کے بغیر واقع نہیں ہوگی یہی ظاہر ہے اگر ایسی چیز سے لکھا جو واضح نہیں مثلاً اپنی انگلی سے تکیہ یا ہوا میں لکھے تو امام احمد کے ظاہر کلام کے مطابق واقع نہیں ہوگی اور ان کی رائے تمام شرائط اور وصول خط میں شوافع کی طرح ہے سوائے اس کے طلاق کا ذکر مٹانے یا طلاق کو خط پہنچنے کے ساتھ معلق کرنے میں اور قرأت کے ساتھ معلق کرنے میں۔

خلاصہ......جمہور کے ہاں خط کے ذریعہ نیت کے ساتھ طلاق واقع ہوتی ہے اور حنفیہ کے ہاں واضح لکھی ہوئی طلاق صریح کی طرح

---

❶......البدائع: ۱۲۶/۳۔ ❷القوانین الفقهية ص: ۲۳۰ الشرح الصغير ۵۶۸/۲ ❸المهذب: ۸۳/۲ مغنى المحتاج: ۲۸۴/۳
❹المغنى: ۲۳۹/۷ وما بعدها۔

ہے اور غیر واضح کنایہ کی طرح ہے نیت کی محتاج ہے اور پانی ہوا وغیرہ پر لکھنے سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی اور جو شخص دل میں طلاق دے تو وہ واقع نہیں ہوتی لیکن اگر اس کا تلفظ کیا یا اس سے زبان کو حرکت دی تو اگر چہ سنے نہ بھی پھر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اشارہ سے طلاق: تمام فقہاء کا اتفاق ہے ❶ اس بات پر کے جو شخص گویائی سے عاجز ہو جیسے گونگا وغیرہ تو ہاتھ یا سر کے سمجھ آنے والے اشارہ سے طلاق واقع ہوجائے گی حاجت کے دفعہ کرنے کے لیے پس جب گونگے نے اشارہ سے طلاق دی تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔ لیکن حنفیہ کے ہاں اگر گونگا اچھی طرح لکھ سکتا ہے تو اس کا اشارہ جائز نہیں۔ رہ گیا بولنے والا جو کلام پر قادر ہو تو جمہور کے ہاں اشارہ سے اس کی طلاق صحیح نہیں جیسا کہ اشارہ سے اس کا نکاح صحیح نہیں لہٰذا صرف گونگے کی طلاق اشارہ سے ہوگی اور مالکیہ کے ہاں کلام پر قادر کا اشارہ کنایہ کی طرح ہے اس میں نیت کی ضرورت ہے اگر نیت کی تو طلاق درست ہے اشارہ سے بھی۔

شام کے قانون میں طلاق کے صیغے: دفعہ نمبر (۸۷/۱) میں اس قانون کی تصریح درج ذیل ہے طلاق تلفظ اور کتابت سے واقع ہوجائے گی اور ان سے عاجز کی معلوم اشارہ سے اور اس کا معنی یہ ہے کہ طلاق بھی اس اسلوب سے واقع ہوتی ہے، جس سے نکاح منعقد ہوتا ہے۔ صریح الفاظ جو لغت نے وضع کئے ہوتے ہیں یا عرفاً وہ طلاق پر دلالت کرر ہے ہیں ان سے طلاق واقع ہوگی۔ لکھنے سے بھی واقع ہوگی بایں طور کہ بیوی کو خط لکھے اور اس میں وقوع طلاق کی خبر دے۔ گونگے اور اٹک اٹک کر بات کرنے والے کی طلاق واضح اشارہ سے واقع ہوجائے گی جبکہ وہ لکھنے سے عاجز ہو شام کے قانون میں حنفیہ کی رائے کو لیا گیا ہے کہ طلاق ایسے صریح لفظ سے ہوگی جو لغوی اعتبار سے طلاق پر دلالت کرے جیسے ''انت طالق'' یا عرفاً جیسے ''انت علی حرام'' اور کنائی الفاظ سے نیت کے ساتھ اور اس کی تشریح دفعہ ۹۴ میں اس طرح ہے صریح الفاظ سے جن کا عرف ہو بغیر نیت کے طلاق ہوگی اور کنائی الفاظ جو طلاق اور غیر طلاق دونوں کو متحمل ہیں نیت سے ہی ہوگی۔

طلاق کی تعداد..... طلاق کی مقدار و تعداد ❷ ایک دو اور تین طلاقیں ہیں اگر طلاق مطلقاً یعنی صرف صیغہ سے وارد کرے بایں طور پر آدمی کہے ''طلقتك'' میں نے تجھے طلاق دی یا تجھے طلاق ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی صیغہ کے مقتضی پر عمل کرتے ہوئے یہ حنفیہ کے ہاں ہے اور جمہور کے ہاں جس کی اس نے نیت کی وہ واقع ہوجائے گی لیکن اگر اس نے اپنے کلام سے کوئی عدد متعین کر دیا مثلاً ایک یا دو یا عدد کی تصریح کردی جو طلاق کے ساتھ ملا ہوا ہو تو جس کی اس نے نیت کی وہ واقع ہوئی یا جس کی اس نے عدد سے تصریح کردی اگر عورت عدد پورا ہونے سے پہلے مرگئی تو حنفیہ کے ہاں طلاق لغو ہوجائے گی اس لیے کہ اس کا وقوع عدد سے ہے اور اگر شوہر مر گیا یا اس کے منہ پر کسی نے عدد ذکر کرنے سے پہلے ہاتھ رکھ دیا تو ایک طلاق واقع ہوگی صیغہ پر عمل کرتے ہوئے اس لیے کہ طلاق کا وقوع اس کے لفظ سے ہے نہ کہ قصد سے شوافع بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ اگر عورت طلاق کا لفظ مکمل ہونے سے پہلے مرگئی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور تین طلاقیں بالاتفاق نافذ ہیں۔ چاہے مرد عورت کو ایک کے بعد ایک دے یا تینوں کو ایک کلمہ میں جمع کر کے کہے تجھے تین طلاقیں ہیں جمہور کے ہاں برخلاف ظاہر یہ کے۔ اور اس میں حنفیہ کے ہاں عورتوں کے اعتبار سے طلاق کی تعداد کا اعتبار ہے آزاد عورت کی تین طلاقیں ہیں اور باندی کی دو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: باندی کی دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں ❸ اور جمہور کے ہاں اعتبار مرد کا ہے غلام کو دو طلاقیں دینے کا اختیار ہے اور آزاد کو تین دار قطنی میں مرفوع روایت ہے غلام کی دو طلاقیں ہیں اور یہ روایت عثمان اور زید بن ثابت سے مروی ہے اور صحابہ میں سے ان کا کوئی مخالف نہیں (کمارویٰ الشافعی) شادی اور طلاق کے سلسلہ میں اسلام حق اور عتدال کو تھامنے کا نام ہے اور جاہلیت کی خطاء کی تصحیح اور جاہلیت میں

---

❶..... الدر المختار ۵۸۴/۲ القوانین الفقهية: ۲۳۰ الشرح الصغير ۵۶۸/۲ مغني المحتاج: ۲۸۴/۳ المهذب: ۸۳/۲ المغني: ۲۳۸/۷ ❷ الدرلمختار ۵۸۸/۲ القوانين الفقهية: ۲۲۶ مغنی المحتاج: ۲۹۴/۳ المغنی ۲۲۹/۷ غاية المنتهى: ۱۲۷/۳۔ ❸ رواه ابو داؤد والترمذی والدار قطنی عن عائشة رضی الله عنها مرفوعاً وقال الترمذی حديث غريب والعمل عليه عند اهل العلم من اصحاب الرسول وغيرهم

چار طرح کے نکاح ہوا کرتے تھے ❶ ایک تو وہی مشہور نکاح ہے کہ خطبہ کے بعد ہو اور دوسرا نکاح استبضاع یعنی زوجہ کا جماع طلب کرنا کسی دوسرے آدمی سے شوہر کی طلب پر اور تیسرا ایک گروہ سے شادی کرنا جو دس سے کم ہو پھر عورت بچے کو اس کا قرار دیتی تھی جس سے اسے صحبت ہوتی تھی اور نکاح بغایا پھر قیافہ شناسی ❷ کے ذریعہ کسی ایک سے بچے کا الحاق کیا جاتا تھا رہ گئی طلاق جاہلیت میں کسی عدد سے مقید نہ تھی حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں مرد اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاقیں دیتا پھر اس سے رجوع کر لیتا تھا عدت میں اور وہ اس کی بیوی ہی ہوتی تھی اور چاہتا تو سو یا اس سے بھی زیادہ طلاقیں دیتا۔ حتیٰ کہ ایک شخص اپنے بیوی کہتا اللہ کی قسم! میں تجھے طلاق نہ دوں تو تو مجھ سے بائن ہو جائے اور میں تجھے کبھی بھی ٹھکانہ نہ دوں گا کہتی یہ کس طرح تو وہ کہتا میں تجھے طلاق دیتا ہوں جب تیری موت قریب آئے گی تو تجھ سے رجوع کر لوں گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کے پاس اس کا ذکر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ ❸ البقرۃ ۲/۲۲۹

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق کی تعداد اور عدد تین ہیں اور شوہر کے لیے پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق رکھا گیا ہے اور اسی کے ذریعہ اسلام نے عورت کو اس نقصان سے بچایا جو اسے لاحق تھا اور مرد کی مصلحت کی بھی رعایت رکھی کہ شوہر کے حق میں تین طلاقیں دینے کا اختیار دیا اور شریعت نے اس بات پر ابھارا ہے کہ زوجین کے درمیان ازدواجی تعلق برقرار رہے بطور رجوع کیونکہ اس کے ذریعہ افراط وتفریط کا تدارک ہو سکتا ہے کہ آدمی کبھی سخت غصہ میں طلاق دے دیتا ہے پھر نادم ہوتا ہے یا کسی وجہ سے طلاق دیتا ہے پھر وہ وجہ ختم ہو جاتی ہے اور کبھی عورت کی بری معاشرت کی وجہ سے دیتا ہے پھر جدائی سے اسے تکلیف ہوتی ہے اور کبھی اس کی اولاد ہوتی ہے ان کے دیکھنے سے محروم ہو جاتی ہے یا ان کی تربیت سے تنگ ہوتی ہے اور حلالہ شرط ہے یعنی دوسرے آدمی سے نکاح کرنا تاکہ تین طلاقوں کے بعد وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تاکہ اس سے تین طلاقیں دینے سے شوہر باز رہے اور اسے لالچ رہے زوجیت باقی رکھنے کی کیونکہ آدمی غیرت اور حمیت کی بنیاد پر اس طرح کے فعل سے باز رہے گا گویا یہ اس کا سدباب کرنے کے لیے حکم ہے گویا کہ یہ ایک ایسی مشکل چیز پر حوالہ ہے جس کا حصول بھی مشکل اور تحقیق بھی مشکل۔

حلالے کے بعد عورت کس کے ساتھ لوٹے گی:

جس نے ایک یا دو طلاقیں دیں پھر اس نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا اس نے ہمبستری بھی کر لی پھر اس نے پہلے شوہر سے نکاح کیا تو مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❹ وہ جو باقی عدد طلاق رہ گئے ہیں ان پر بند کرے گا یعنی وہ باقی طلاق کے ساتھ لوٹے گی لیکن اگر اس نے تین طلاقیں دی تھیں پھر اس نے غیر سے نکاح کیا تو عدد طلاق نئے سرے سے شروع ہوگا جس طرح نکاح جدید میں ہوتا ہے وہ عورت اس کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی اس لیے کہ دوسرا نکاح تین سے کم طلاقوں کو ختم نہیں کرتا اور تین کو ختم کر دیتا ہے اس لیے کہ تین سے کم طلاقوں میں دوسرے کا وطی کرنا حلال ہونے کے محتاج نہیں لہٰذا طلاق کا حکم تبدیل نہیں ہوگا نیز تین پوری ہونے سے پہلے یہ شادی ہوئی ہے لہٰذا یہ اس کے مشابہ ہے کہ دوسرے کے وطی کرنے سے پہلے رجوع کر لینا یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے ہے اس لیے کہ ثبوت سے پہلے حرمت کی انتہاء نہیں ہو سکتی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ❺ دوسرا نکاح مطلقاً طلاق کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا وہ دوبارہ تین طلاقوں کے ساتھ شوہر اول کی طرف لوٹے گی چاہے ان کی شادی دو طلاقوں یا تین طلاقوں کے بعد ہوئی ہو اس لیے کہ دوسرے شوہر کی ہمبستری حلت کو ثابت کرتی ہے لہٰذا حلت ثابت ہوگئی جس طرح تین طلاقوں کی اس میں وسعت ہے اسی طرح دو طلاقوں کی بھی ہے لہٰذا تین سے کم کو ختم کرنا اولیٰ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شوہر کو محلل کا نام دیا ہے اور یہ مثبت حل ہے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت

---

❶ ......رواہ البخاری وابوداؤد (نیل الاوطار: ۶/۱۵۸) ❷ القافۃ: جمع قائف ھو الذی یعرف شبہ الولد بالوالد بالاشار لخفیہ ❸ تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۱۔ ❹ القوانین الفقھیۃ ص: ۲۲۶ مغنی المحتاج: ۳/۲۹۳ المغنی: ۷/۲۶۱ ❺ فتح القدیر: ۳/۱۷۸

ہو حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر۔ ❶

ا۔ بعض الفاظ میں عدد طلاق...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے لفظ کے بغیر محض نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور طلاق دینے والے سے صادر ہونے والے الفاظ بہت قسم کے ہیں ان میں عدد طلاق کی تحدید یا تو نیت سے ہوگی یا صیغہ سے یا ان الفاظ سے صراحۃ ملے ہوئے عدد سے اور اس نمونہ سے طلاق کا عدد معلوم ہو جائے گا سابقہ بیان میں ❷ مطلق لفظ: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ان الفاظ سے مخاطب کرے تجھے طلاق ہے یا تو بائن ہے یا تو بتہ ہے تو شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❸ جس کی اس نے نیت کی وہ واقع ہوگی اگر دو کی نیت یا تین کی نیت کی تو وہ واقع ہوں گی روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو بتہ طلاق دی اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی رکانہ نے کہا میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بخدا تو نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا؟ تو رکانہ نے عرض کی: بخدا میں نے صرف ایک کی نیت کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی ان کے حوالے کی یعنی رجوع کا حکم دیا پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیسری ❹ اور حنفیہ کے ہاں ❺ جب عدد ذکر نہ ہو تو پھر طلاق صیغہ کی وجہ سے واقع ہوگی اور آدمی کا کہنا انت طالق البتہ یہ کنایات میں سے ہے اس سے بائن طلاق ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے شدت کی صفت اور قوت کے ساتھ اس کو متصف کیا ہے۔ جس سے بینونت کا فائدہ ہوتا ہے۔

۲۔ مقصود کو اشارہ سے متعین کرنا...... اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھے اس طرح طلاقیں ہیں اور ہاتھ کی تین انگلیوں سے اشارہ کیا تو شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❻ تین واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ ھٰذا کے ساتھ اشارہ انگلیوں کا عدد کے بیان میں نیت کی طرح ہے اور اگر اس نے کہا میں نے بند انگلیاں مراد لی ہیں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اس لیے کہ جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اس کا اس میں احتمال ہے اور اگر اس نے کہا تجھے طلاق ہے اور ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا لیکن (ھکذا) نہ کہا اور پھر کہتا ہے میری مراد ایک تھی عدد کا میں نے ارادہ نہیں کیا تو وہ ایک ہی طلاق ہے یعنی اس کی بات مانی جائے گی اور حنفیہ کے ہاں بھی ❼ اسی طرح اشارہ سے تین واقع ہو جاتی ہیں اس لیے کہ ان کے ہاں تین طلاقیں جب صراحت یا اشارہ عدد کے ساتھ ملی ہوئی ہوں یا ایسی صفت سے موصوف ہوں جس سے بینونت ہو جاتی یا جو بینونت پر دلالت کرے تو تین ہی واقع ہوتی ہیں ❽ دو میں ایک: شوافع نے نیت کے مبدا پر عمل کرتے ہوئے فرمایا: ❾ اگر آدمی نے کہا:

انت طالق واحدة فی اثنتین

تجھے دو میں ایک طلاق ہے اگر اس نے دو کے ساتھ ایک طلاق کی بھی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ فی مع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ...... الفجر: ۸۹/ ۲۹۔۳۰

فی عبادی مع عبادی کے معنی میں ہے لہٰذا اگر اس کی نیت نہ ہوئی تو اب اگر وہ حساب نہیں جانتا اور نہ ہی اس نے حساب کے مقتضی کے مطابق نیت کی تو اس کے اس قول انت طالق سے ایک طلاق ہوگی فی اثنتین سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا اس لیے کہ وہ اس کے مقتضی کو نہیں جانتا

---

❶ روی من حدیث ابن مسعود عند الترمذی والنسائی حدیث علی عند ابی داؤد وابن ماجه حدیث عقبه بن عامر عند ابن ماجه وحدیث ابی هریرة عند احمد والبزاز کلها "بلفظ لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المحلل والمحلل له" الاحدیث عقبة فهو بلفظ لعن الله المحلل والمحلل له (نصب الرایة: ۳/ ۲۳۸۔ ۲۴۰ ❷ المهذب: ۲/ ۸۴ غایة المنتهی ۳/ ۱۲۷ الشرح الصغیر: ۲/ ۵۶۰ ❸ رواه الشافعی وابوداؤد والترمذی وقال ابوداؤد هذا حدیث حسن صحیح وصححه ایضا ابن حبان والحاکم نیل الاوطار ۶/ ۲۲۶) ❹ الدر المختار ۲/ ۶۱۷، ۶۲۲ ❺ المهذب ۲/ ۸۴ ❻ غایة المنتهی ۳/ ۱۲۸۔ ❼ ردالمحتار ۲/ ۵۹۲، ۶۱۵ ❽ المهذب: ۲/ ۸۴۔ ❾ الدر المختار: ۲/ ۶۰۳

لہٰذا اس کا حکم اس کو لازم نہیں ہوگا جیسے عجمی اگر عربی الفاظ میں طلاق دے اور اس کا معنی نہ جانتا ہو لیکن اگر اس نے حساب کے مقتضی کے مطابق نیت کی نہ جاننے کے باوجود تو صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف ایک ہی طلاق ہوگی اس لیے کہ جب وہ اس کے مقتضی کو نہیں جانتا تو اس کا حکم بھی لازم نہیں ہوگا جیسے عجمی عربی میں طلاق دے اور اسے جانتا ہو اور کہے کہ میں نے عربی مقتضی کا ارادہ کیا ہے اگر وہ حساب کو جانتا ہے اب اگر اس نے حساب کے موجب کی نیت کی تو دو طلاقیں ہوں گی اس لیے کہ حساب کا موجب دو طلاقیں ہیں اور اگر اس کی نیت نہ ہوئی تو منصوص یہ ہے کہ ایک طلاق ہوگی کیونکہ یہ لفظ لوگوں میں متعارف نہیں اس میں یہ بھی احتمال ہے دو واقع شدہ طلاقوں میں سے ایک ہو یا پھر باقی دو میں سے ایک ہو لہٰذا شک سے طلاق واقع کرنا جائز نہیں حنفیہ کا مذہب ❶ واحدة فی اثنتین سے اگر اس نے نیت نہ کی ہو یا ضرب کا ارادہ رکھتا ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ ضرب سے اجزاء زیادہ ہوتے ہیں نہ کے افراد لیکن اگر اس نے ایک اور دو دونوں کی نیت کی تو مدخول بھا کو تین ہو جائیں گی اور غیر مدخول بھا کو ایک۔

۳۔ایک طلاق والی بلکہ دو طلاق......شوافع کی رائے ❷ اگر اس نے کہا تجھے ایک طلاق ہے بلکہ دو طلاقیں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دو طلاقیں واقع ہوں جیسا کہ وہ اقرار کرے اس کا مجھ پر ایک درھم ہے بلکہ دو تو دو درھم لازم ہوتے ہیں دوسری یہ کہ تین واقع ہوں اس لیے طلاق میں ایقاع پایا جاتا ہے لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ایک طلاق کو دو مرتبہ واقع کرے لہٰذا نئی طلاق پر محمول کیا جائے گا۔

۴۔طلاق کو تین کے لفظ کے ساتھ لانا اور اس کا تکرار......تمام مذاہب کے فقہاء اور ظاہریہ کے ہاں بالاتفاق مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی آدمی نے غیر مدخول بہا سے کہا تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ تمام بیوی کے ساتھ ہیں تو ساری واقع ہو جائیں گی جیسا کہ یہی مدخول بھا کو کہنے سے ہوتی ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق اور درمیان میں سکتہ کیا ❸ تو تین واقع ہو جائیں گی چاہے تاکید کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیونکہ یہ ارادہ خلاف ظاہر ہے اگر اس نے کہا اس نے تاکید کا ارادہ کیا تھا تو دیانۃ اس کی تصدیق کی جائے گی قضاء نہیں اور اگر بغیر فصل وسکتہ کے دے اگر پہلی طلاق کی تاکید آخری سے کرنے کا ارادہ کرے تو ایک ہی واقع ہوگی اس لیے کہ لغوی اور شرعی اعتبار سے کلام میں تاکید پیدا کرنا معروف ہے اور اگر نئے کلام کا ارادہ کرے یا مطلق چھوڑے کوئی ارادہ نہ کرے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی ظاہر لفظ پر عمل کرتے ہوئے اس طرح اگر تین طلاقیں دیں بایں طور کر تجھے طلاق پھر طلاق پھر طلاق یا واؤ اور فاء کے ذریعہ عطف کیا تو تین ہی واقع ہوں گی۔

۵۔زیادہ عورتوں کو طلاق......اگر کسی نے اپنی چار بیویوں سے کہا میں تم سب پر یا تمہارے درمیان ایک طلاق واقع کرتا ہوں تو حنفیہ اور شوافع کے ہاں ❹ ان میں سے ہر ایک کو ایک طلاق ہوگی اور سرایت سے مکمل ہوں گی اسی طرح اگر کہا تمہارے درمیان دو طلاقیں یا تین اور چار طلاقیں ان میں سے ہر ایک پر ایک طلاق ہوگی الا یہ کہ ان میں سے ہر ایک پر تقسیم کا ارادہ کرے بایں طور کہے میرا ارادہ یہ تھا کہ ہر ایک کو دو طلاقیں ہوں تو پھر ہر ایک پر دو طلاقیں ہوں گی اور اگر اس نے کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی اس لیے کہ وہ اپنے لیے ایسی بات کا اقرار کر رہا ہے جس میں سختی ہے اور الفاظ بھی اس کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور اگر کہا تمہارے درمیان پانچ طلاقیں ہیں تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی اسی طرح آٹھ طلاقوں تک اگر آٹھ پر بھی اضافہ کیا بایں طور سے کہ تم پر نو طلاقیں ہیں تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر کہا تمہارے درمیان نصف طلاق واقع کرتا ہوں اور ثلث طلاق اور سدس طلاق تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں

---

❶......المرجع السابق: ❷ المهذب: ۸۴/۲ اللباب: ۴۹/۳ الدرالمختار: ۶۳۲/۲ القوانین الفقهية ص: ۲۲۹، مغنی المحتاج: ۲۹۷/۳ المغنی: ۲۳۳/۷ المحلی: ۲۱۳/۱۰ مسألة: ۱۹۵۱، ۱۹۵۲۔ ❸ المراد بالفصل ان یسكت فوق سكتة النفس ❹ الدرالمختار: ۶۳۰/۲ المهذب: ۸۵/۲

گی اس لیے کہ جب اس نے عطف کیا تو واجب ہوگیا کہ اس کے تمام اجزاء ان پر تقسیم ہو کر مکمل ہوں اور اگر کسی شخص نے اپنی بیویوں سے کہا تم میں سے ایک کو طلاق ہے یا اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق ہے تو ایک طلاق ہوگی اور بالاتفاق وہ ان میں سے ایک کو متعین کرنے کا پابند ہے۔ ❶

۶۔ دنیا بھر کی یا سخت طلاق...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❷ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تجھے دنیا بھر کی طلاق یا تجھے لمبی طلاق تو ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ مذکورہ اشیاء عدد کا تقاضا نہیں کرتی لہٰذا مذکورہ الفاظ سے ایک طلاق ہوگی اور اگر کہا تجھے سخت اور غلیظ طلاق ہے تو بھی ایک واقع ہوگی اس لیے کہ اس پر طلاق سخت اور غلیظ ہوتی ہے جلدی کی وجہ سے یا عورت کی محبت کی وجہ سے لہٰذا زیادہ شک کی وجہ سے نہیں ہوں گی اور حنفیہ کے ہاں ایک طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر کہا تجھے پوری طلاق ہے یا اکثر طلاق ہے تو تین واقع ہوں گی اس لیے کہ یہ کل اور اکثر طلاق ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے اور اگر کہا تجھے اہل سنت، شیعہ، یہودی اور نصرانی مذہب کے مطابق طلاق ہے یا سارے مذاہب کے مطابق طلاق ہے یا تجھے طلاق ہے نہ تجھے کوئی عالم واپس کرسکتا ہے نہ قاضی تو بالاتفاق تمام ائمہ کے ہاں اسے ایک طلاق رجعی ہوگی۔ ❸

۷۔ ایک طلاق سے پہلے طلاق یا بعد میں طلاق...... شوافع کے ہاں ❹ اگر شوہر نے کہا ایک طلاق ایک طلاق سے پہلے یا ایک طلاق کے بعد طلاق یا طلاق کے بعد طلاق یا طلاق سے پہلے طلاق تو مدخول بہا کو دو طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخول بہا کو ایک اس لیے کہ اس کا مدخول بہا میں تقاضا ہے کہ دو طلاقیں ہوں ایک فی الحال اور دوسری اس کے پیچھے اور غیر مدخول بہا چونکہ پہلی سے ہی بائنہ ہوگئی لہٰذا دوسری کے وقت محل ہی باقی نہیں رہا۔ اگر کہا ایک طلاق میں ایک طلاق اور ارادہ کیا معا دو کا تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اُدْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ (الاعراف ۷/۳۸) اور اگر ظرف اور حساب کا ارادہ کیا یا مطلق چھوڑ دیا تو ایک طلاق واقع ہوگی ان صورتوں میں کیونکہ ظرف اور حساب کا مقتضی ایک ہی ہے اور اگر کہا تجھے نصف طلاق ہے تو ہر حال میں ایک واقع ہوگی چاہے معیت کا ارادہ کرے یا ظرف و حساب کا یا کسی کا بھی ارادہ نہ کرنے کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوتے اور اگر کہا تجھے ایک طلاق میں دو طلاقیں ہیں اور فی سے معیت کا ارادہ کیا تو تین واقع ہو جائیں گی اور اگر ظرف کا ارادہ کیا تو ایک ہوگی اور اگر حساب کا ارداہ کیا تو دو ہوں گی اور اگر حساب نہیں جانتا تو ایک۔ اور حنابلہ ❺ درج ذیل اقوال میں شوافع کے ساتھ متفق ہیں۔ تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق وغیرہ میں کہ مدخول بہا کو دو طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخول بہا کو ایک اور اگر کہا تجھے ایک طلاق کے بعد ایک طلاق اور کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے تو دیانۃ اس کی تصدیق کی جائے گی آیا قضاء بھی تصدیق کی جائے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر اسے دوسرے نکاح میں طلاق پائی گئی یا پہلے شوہر سے طلاق ملی تھی تو تصدیق کی جائے گی لیکن اگر نہ پائی گئی تو اس کا قول قبول نہ ہوگا کیونکہ جو وہ کہہ رہا ہے اس کا احتمال نہیں۔

حنفیہ نے ❻ بھی شوافع کی موافقت کی ہے اس قول میں کہ تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق یا کہا ایک کے بعد ایک یا ایک کے ساتھ ایک تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اس لیے کہ پہلی مثال میں جس کا تلفظ کیا ہے دوسری کی جگہ ہے اس لیے کہ ایک طلاق واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ سابقہ ایک طلاق بھی ہے لہٰذا دونوں اکٹھی واقع ہوں گی اس لیے کہ ماضی میں واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے اور دوسری مثال میں فی الحال اس نے ایک طلاق واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ یہ سابقہ ایک طلاق کے بعد ہے اور آخری دو حالتوں میں مع مقارنت کے لیے ہے گویا اس نے دونوں کو ملا دیا ہے لہٰذا دونوں واقع ہوں گے لیکن اگر کہا تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق ہے تو ایک ہی واقع ہوگی اس لیے کہ جس کا پہلے تلفظ کیا ہے وہی پہلے واقع ہوگی لہٰذا پہلی واقع ہوگی اور کچھ نہیں اس لیے کہ اس نے ایک واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ دوسری سے پہلے ایک

❶...... المغنی: ۶/۳۴۰ ❷ غایۃ المنتہی: ۳/۱۲۹ المہذب ۲/۸۵ ❸ الدرالمختار ۲/۶۱۸، ۶۳۱، ۶۳۳ ❹ مغنی المحتاج: ۳/۲۹۷ المہذب: ۲/۸۶۔ ❺ المغنی: ۷/۲۳۱ وما بعدها ❻ اللباب مع الکتاب: ۳/۴۹ الدر لمختار: ۲/۶۲۸

واقع ہوگی اور وہ اس سے بائن ہوگئی دوسری لغو ہوگی اسی طرح اگر کہا ایک کے بعد ایک تو بھی ایک واقع ہوگی اس لیے کہ جس کا تلفظ پہلے ہوا وہ واقع بھی پہلے ہوگی لہٰذا پہلی واقع ہوگی نہ کے دوسری اس لیے کہ اس نے ایک واقع کی ہے اور خبر دی ہے کہ دوسری عنقریب واقع ہوگی اور اگر شوہر نے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق اور ایک طلاق یافو احدۃ کہا اور وہ گھر میں داخل ہوگئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ شرط جب مقدم ہو تو دخول سے معلق طلاق فی الحال واقع کرنے کی طرح ہے لیکن اگر شرط کو مؤخر کردے تو دو واقع ہوں گی اس لیے کہ جب شرط کو مؤخر ذکر کیا بغیر صدر کلام کے تو وہ صدر کلام پر موقوف ہو جاتی ہے لہٰذا ساری اکٹھی واقع ہوں گی لیکن اگر شرط کو مقدم رکھا تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ اس کا تعلق ہے شرط کے ساتھ ہے اور جب اس نے کہا تجھے مکہ میں طلاق ہے تو اسے ہر شہر میں فی الحال طلاق ہو جائے گی اسی طرح اگر کہا تجھے گھر میں طلاق ہے تو فی الحال طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ طلاق کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہوسکتی جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی لیکن اگر اس سے اس نے مکہ آنا مراد لیا تو دیانۃ تصدیق ہوگی قضاء نہیں اس لیے کہ یہ نیت پوشیدہ ہے اور خلاف ظاہر ہے۔

۸۔ غیر معین طلاق...... حنفیہ کے ہاں ❶ اگر کسی نے کہا میری بیوی کو طلاق ہے اور اس کی دو یا تین بیویاں تھی تو ان میں سے ایک کو طلاق ہوگی اور اسے متعین کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر کہا دنیا کی عورتوں کو طلاق تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی لیکن اگر کہا محلے یا گھر کی عورتوں کو طلاق تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر کہا میری عورتوں کو طلاق اور اس کی کوئی نیت نہ تھی تو اس کی تمام بیویاں طلاق ہو جائیں گی بغیر کسی اختلاف کے کیونکہ اس کے الفاظ عام ہیں اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے طلاق دے دو اور خاوند نے کہا میں نے کردیا یعنی طلاق دے دی تو اسے ایک طلاق ہوگی، اور اگر عورت نے کہا اور دو اس نے کہا کردیا تو دوسری طلاق ہو جائے گی اور اگر عورت نے کہا مجھے طلاق دو مجھے طلاق دو تو ایک ہی واقع ہوگی اگر اس نے تین کی نیت نہ کی لیکن اگر عورت نے واؤ کے ساتھ عطف کیا تو تین واقع ہوں گی کیونکہ یہ تکرار کا قرینہ ہے لہٰذا جواب اس کے مطابق ہوگا۔ اگر عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو طلاق دے دی شوہر نے اجازت دے دی تو اسے طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ وہ عورت پر انشاء طلاق کا مالک ہے لہٰذا اجازت کا بدرجہ اولیٰ مالک ہے کیونکہ یہ اس سے کم تر ہے اس طرح اگر عورت نے کہا میں نے اپنے آپ کو بائنہ کردیا شوہر نے اجازت دے دی تو اسے طلاق ہو جائے گی اگر شوہر نے نیت کی ہو اگر تین کی کی تو تین ہو جائیں گی اگر عورت نے کہا تجھ سے اپنے نفس کو میں نے اختیار کیا شوہر نے کہا میں نے اجازت دی اور طلاق کی نیت کی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا اس لیے کہ عورت کا قول اخترت طلاق کے لیے وضع نہیں کیا گیا نہ صریح نہ کنایہ۔

۹۔ کنائی الفاظ میں طلاق کی تعداد مالکیہ کے ہاں...... مالکیہ کے ہاں کنایات کی دو قسمیں ہیں کنایات ظاہری کنایات محتملہ ❷ کنایات خفیہ اور محتملہ وہ یہ کہ آدمی کا اپنی بیوی کو کہنا الحقی اپنے اہل سے مل جاؤ، چل جاؤ ابعدی عنی مجھ سے دور ہو جاؤ اور ان کے مشابہ الفاظ ان سے طلاق نہیں ہوگی ہاں اگر نیت کی تو ہوگی اگر اس نے کہا میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کی بات مانی جائے گی۔

کنایات ظاہرہ...... وہ الفاظ جن کے ذریعہ شرعاً ولغۃً بطور عادت ومعمول کے طلاق دی جاتی ہے جیسے تسریح فراق وغیرہ الفاظ اور انت بائن بتۃ بتلۃ وغیرہ ان کا حکم صریح طلاق کا حکم ہے اور ان کی سات قسمیں ہیں: پہلی قسم: وہ الفاظ جن سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے الا یہ کہ مدخول بھا کے لیے زیادہ کی نیت کرے اور وہ اعتدی کا لفظ ہے رہ گئی غیر مدخول بھا تو اس پر عدت نہیں پس اگر اسے کہا اعتدی عدت گذارو تو یہ اس کے لیے کنایات خفیہ کے حکم میں ہے نیت کے بغیر اسے طلاق نہ ہوگی۔

---

❶...... الدر المختار ۲/ ۶۲۹۔ ۶۳۳ وما بعدھا المغنی ۷/ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ❷ القوانین الفقھیۃ ص : ۲۲۹ الشرح الصغیر : ۲/ ۵۶۰، ۵۶۵۔

دوسری قسم......وہ الفاظ جن سے مطلقاً ہر حال میں تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور وہ بتة اور حبلک علی غاربک کے الفاظ ہیں۔

تیسری قسم......وہ الفاظ جن سے مدخول بھا کو تین طلاقیں ہوں گی اور غیر مدخول بھا کو اگر زیادہ کی نیت نہ کی تو ایک طلاق ہوگی اور اگر تین کی کی تو تین اور وہ انت طالق واحدہ بائنة تجھے ایک بائنہ طلاق ہے۔

چوتھی قسم......وہ الفاظ جن سے مدخول بھا اور غیر مدخول بہا دونوں کو تین طلاقیں ہوں گی اگر ان سے کم کی نیت نہ کی تو اور وہ تجھے تیرے گھر والوں کو ہبہ کر دیا یا تجھے واپس کر دیا یا تیرے اوپر مجھے کوئی عصمت نہیں تو مجھ پر حرام ہے تو آزاد ہے اپنے اھل کے لیے تو مردار ہے یا تو خون کی طرح ہے یا خنزیر کے گوشت کی طرح ہے یا تو بری ہے یا تو خالص ہے یا تو بائن ہے یا میں تجھ سے بائن ہوں وغیرہ الفاظ اگر ان سے کم کی تو جو نیت کی وہ لازم ہوگی اور حلف دیا جائے گا اگر نکاح کا ارادہ کیا کہ میں نے صرف کم ہی کی نیت کی تھی لیکن اگر اس نے نکاح کا ارادہ نہ کیا تو حلف نہیں ہوگا۔

پانچویں قسم......وہ الفاظ جن سے مطلقا تین ہوتی ہیں جبکہ کم کی نیت نہ ہو اور وہ خلیت سبیلک میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا کے الفاظ ہیں۔

چھٹی قسم......وہ الفاظ جن سے مدخول بھا کو تین طلاقیں ہوتی ہیں او غیر مدخول بھا میں نیت کا اعتبار ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: میرا چہرہ تیرے چہرے پر حرام ہے میرا چہرہ تیرے چہرے سے حرام ہے سے اوپر میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور اسی کے مثل ہے میرے اور تیرے درمیان کوئی نکاح نہیں یا میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں یا میرے لئے تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں صرف مدخول بھا میں ان الفاظ سے تین طلاقیں ہوں گی ہاں! اگر یہ کلام عتاب کے طور پر ہو تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔

ساتویں قسم......وہ الفاظ جن سے مطلق ایک واقع ہوتی ہے چاہے مدخول بھا ہو یا نہ ہو ہاں اگر زیادہ کی نیت کرے تو زیادہ ہوں گی اور وہ یہ ہیں فارقتک میں نے تجھے جدا کیا اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے مدخول بھا کو ان تمام الفاظ واقسام میں جب تک قرائن ودلائل طلاق کے ارادہ نہ ہونے پر دلالت نہ کریں تو شوہر کی نفی طلاق کی تصدیق کی جائے گی جبکہ قرینہ تمام کنایات کی نفی پر دلالت کرتا ہو خلاصہ یہ کہ لفظ اعتدی اور فارقتک سے ایک طلاق واقع ہوگی اور باقی کنایات سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

۱۰۔ استثناء کے ساتھ طلاق......ائمہ اربعہ کا مذہب [1] یہ ہے کہ جب طلاق دینے والا اپنی زبان سے استثناء کرے تو یہ درست ہے اور جو اس نے استثناء کیا وہ واقع نہ ہوگی جب آدمی نے اپنی بیوی کو کہا۔ تجھے تین طلاق ہیں۔ سوائے ایک کے تو دو طلاقیں ہوں گی اور جب کہا تجھے تین طلاقیں ہیں سوائے دو کے تو ایک طلاق ہوگی اور جب کہا تجھے طلاق بتہ ہے سوائے دو کے سوائے ایک کے تو دو لازم ہوں گی۔ اس لیے کہ بتہ تین طلاقیں ہیں اور اثبات سے استثناء نفی ہوتی ہے اور نفی سے استثناء اثبات اس نے بتہ طلاق سے پہلے دو کو نکال دیا پھر دو سے ایک کو تو وہ پہلی ایک کے ساتھ مل کر دو ہو گئیں فقہاء نے استثناء کے صحیح ہونے کے لیے کلام کے اتصال کو شرط قرار دیا ہے یعنی لفظ مستثنیٰ منہ سے عرف ملا ہوا ہو کہ اسے ایک کلام شمار کیا جاتا ہو اور تھوڑا سا فصل نقصان نہیں پہنچاتا جیسے سانس لیا یا کھانسی کی وغیرہ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ مستثنیٰ منہ کو گھیر نہ لے اگر کہے تجھے تین طلاق ہیں سوائے تین کے تو یہ استثناء درست نہیں اور بغیر کسی اختلاف کے تین طلاقیں ہوں گی اس لیے کہ استثناء نام ہے باقی کے تکلم کا اور اس کا معنی ہے اس نے مستثنیٰ منہ کا تکلم کیا۔

---

[1] الأحوال الشخصية للأستاذ زكي الدين شعبان ص: ۳۷۸۔

شوافع اور حنابلہ نے شرط لگائی ہے مستثنیٰ منہ سے فراغت سے پہلے ہی استثناء کی نیت کرلے اس لیے کہ یمین تمام کی تمام معتبر ہوتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ استثناء کو سنے جبکہ اس کی قوت سامعہ معتدل ہو صرف دل سے نیت کافی نہیں جب تک سنے نہ اس بناء پر استثناء کی تین حالتیں ہیں۔

(الف)..... زیادہ سے کم کا استثناء بالاتفاق درست ہے مثلاً کہے **انت طالق ثلاثًا الاّ واحدة** تو دو واقع ہوں گی اور جس نے کہا تجھے چار طلاقیں ہیں سوائے دو کے تو دو لازم ہوں گی۔

(ب)..... پورے عدد کا ہی استثناء کر دینا جیسے انت طالق ثلاثًا الاثلاثا انت طالق اثنتین الااثنتین تو پہلی صورت میں تین واقع ہوں گی اور دوسری میں دو اسی طرح اگر کہا انت طالق ثلاثا الاطلقة وطلقة وطلقة تو تین ہی واقع ہوں گی کیونکہ یہ کل کا کل سے استثناء ہے اور انت طالق ثلاثا الااثنين وواحدة تو ایک واقع ہوگی اور جس سے استغراق حاصل ہو رہا ہو وہ لغو ہے اور اگر کہا انت طالق ثلاثاً **نصف طلقة** تو تین واقع ہوں گی۔

(ج)..... کم سے زیادہ کا استثناء مثلاً کہے **انت طالق** ثلاثا الا اثنتين تو جمہور کے ہاں استثناء درست ہے اور ایک طلاق واقع ہوگی اور احمد کے ہاں یہ استثناء درست نہیں کیونکہ دو تین کا اکثر ہے اور استثناء میں سے استثناء درست ہے مثلاً **انت طالق** ثلاثا الااثنتين **الا واحدة** تو اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ استثناء اصل میں ملفوظ کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ لفظ ہے اور موجب لفظ کے تابع ہوگا۔

تیسری بحث: طلاق واقع کرنے کی شرعی قیود..... شریعت نے طلاق کو کچھ قیود کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ بے اعتدالی سے باز رہیں اور ازدواجی تعلق کی حفاظت کی خاطر اس لیے کہ یہ تعلق بڑا ہی مقدس ہے اور باقی تمام عقود سے مختلف بھی اور طلاق کا عورت کی زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے وہ جوہر جس کی وہ مالک ہے اس سے ضائع ہو جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بغیر شادی کے ساری زندگی گزار دیتی ہے اور اس میں بہت سارے مفاسد ہیں اور فساد و شر کی تعریض ہے۔ [1]

اگر یہ قیود پوری پائی گئی تو طلاق شریعت کے موافق ہوگی اور اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا اور اگر ایک شرط بھی نہ ہوئی تو پھر طلاق واقع کرنا گناہ کا سبب اور ناراضی رب ہوگی۔ اور قیود تین ہیں:

۱..... طلاق کسی ضرورت مفیدہ کی وجہ سے ہو۔

۲..... ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو۔

۳..... طلاق تین طہروں پر تقسیم کر کے دی جائے ایک سے زیادہ نہ ہوں میں ان قیود سے متعلق بحث کروں گا اور ان کی مخالفت کا جو اثر ہے فقہاء کے نزدیک اسے بیان کروں گا۔

پہلی قید: طلاق شرعی اور عرفی طور پر کسی مفید ضرورت کی بنا پر ہو..... حنفیہ کے اصل مذہب [2] کے مطابق جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ طلاق میں اصل اباحت ہے کیونکہ اس سلسلہ میں جو آیات قرآنیہ نازل ہوئی ہیں وہ مطلق ہیں مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً البقرة۲/۲۳۶

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ..... فتح القدير: ۳/۱۴۷ اللباب: ۳/۵۳ بداية المجتهد: ۲/۸۰ الشرح الصغير: ۲/۵۷۶ مغنى المحتاج: ۳/۳۰۰ المهذب: ۲/۸۶، كشف القناع: ۵/۳۰۵۔۳۰۹ المغنى: ۷/۱۲۰۔۱۲۴۰۔ [2] الدر المختار: ۲/۵۷۱ فتح القدير: ۳/۲۱، ۲۲

فطلقوھن لعدتھن.....الطلاق ۶۵/۱

توان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی طلاق دی ہے اگر طلاق ممنوع ہوتی تو یہ حضرات اس کا اقدام نہ فرماتے۔ ان دلائل پر اعتراض کئے گئے ہیں کہ پہلی آیت میں دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق کی اباحت کا تذکرہ ہے اور دوسری آیت میں شرعی طور پر طلاق دینے کے وقت کا ذکر ہے کہ وہ عدت شروع ہونے کا وقت ہے اور حضرت حفصہ کی طلاق اور بعض صحابہ کی طلاق کی بارے میں یہ ثابت نہیں کہ وہ بغیر کسی حاجت وضرورت اور سبب کے دی گئی ہو ظاہر یہی ہے کہ کسی ضرورت کی بناء پر دی گئی اس لیے کہ بغیر کسی ضرورت کے طلاق دینا ازدواجی تعلق کی ناشکری ہے اور بیوی اور اس کے اہل وعیال واولاد کو تکلیف پہنچانا ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں ان میں کمال بن ہمام اور ابن عابدین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ ❶ طلاق میں اصل منع ہے اور خلاف اولیٰ ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ کسی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے طلاق ہو جیسے بیوی کا برا سلوک یا اس کا کسی ایک کو تکلیف پہنچانا کیونکہ اس کی وجہ سے الفت ومحبت ختم ہوتی ہے اور اجتماع کی سنت کو ڈھانا ہے اور فساد کے پیش کرنا ہے فرمان باری تعالیٰ:

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا.....النساء: ۴/۳۴

اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذاء دینے کا کوئی بہانا مت ڈھونڈو اور حدیث سابق کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے ❷ اس میں دلیل ہے کہ عورت کا طلاق کا مطالبہ بغیر کسی وجہ سے حرام ہے سخت گناہ ہے اس لیے کہ جو جنت کی خوشبو نہ پائے تو وہ جنت میں ہمیشہ داخل نہیں ہو سکتا اور گناہ کے لیے اتنا سخت ہونا کافی ہے کہ آدمی اس حد تک پہنچ جائے یہ اشارہ ہے اس کے ممنوع اور سخت ہونے پر شوکانی نے اسی طرح کہا ❸ یہی راجح ہے کیونکہ مقاصد شریعت کے ساتھ موافق ہے اور متعدد طلاق کے نقصانات کے ازالہ کے لیے ابن عابدین نے فرمایا:

طلاق میں اصل حظر وامتناع ہے بایں معنی کہ یہ ممنوع ہے سوائے اس کے کہ کسی عارض کی وجہ سے جائز ہے اور اباحت خلاصی پانے کی ضرورت کی بناء پر ہے اگر طلاق بغیر کسی سبب کی وجہ سے ہو اور خلاصی کی ضرورت نہ ہو تو یہ احمقانہ اور سفیہانہ فعل ہے اور صرف کفران نعمت ہے اور عورت کو اور اس کے اہل واولاد کو تکلیف دینا۔ جب ضرورت مبیحہ پائی گئی اور وہ عام ہے چاہے تکبر ہو یا شک تو طلاق مباح ہے اور اسی پر محمول ہے وہ طلاق جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دی۔

اس قید کی مخالفت کا اثر...... جب طلاق کسی سبب وضرورت کے بغیر دی جائے تو وہ بالاتفاق واقع ہو جاتی ہے لیکن طلاق دینے والا گناہگار ہوگا اس لیے کہ کبھی تو ضرورت تقدیری ہوتی ہے اور کبھی نفسی اور خفیہ ہوتی ہے قضاء جس کا اثبات نہیں ہو سکتا اور کبھی ضرورت ایسی ہوتی ہے کہ اس کا چھپانا واجب ہوتا ہے عورت کی ساکھ بحال رکھنے کی خاطر اس کی تشہیر نہیں کی جاتی اس وجہ سے اصح یہ ہے کہ مرد پر کسی مالی عوض کا حکم نہیں دیا جائے گا مطلقہ کے لیے کیونکہ طلاق مشکل وپریشانی کی وجہ سے دی گئی ہے اور اس کے لیے شریعت نے جو مہر کی ادائیگی رکھی ہے وہ کافی ہے اور عدت کا نفقہ اور متعہ (جوڑا) جو طلاق سے پیدا شدہ ضرر کا عوض ہے۔

---

❶ ... الدسوقی ۲/۳۶۱ المهذب: ۲/۷۸ كشف القناع: ۵/۲۶۱ المغنی: ۷/۹۷. ❷ وفی حديث آخر رواه الطبرانی عن ابی موسى الا تطلقوا النساء الا من ريبة فان الله لا يحب الذواقين ولا الذوقات لكنه ضعيف ❸ نيل الاوطار: ۶/۲۲۱

دوسری قید: طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو...... یہ قید بھی تمام فقہاء کے ہاں متفقہ ہے (۱) اگر شوہر نے حیض یا نفاس یا ایسے طہر کی حالت میں طلاق دی جس میں جماع کرلیا تھا تو جمہور کے ہاں شرعاً یہ طلاق حرام ہے اور حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی اور طلاق بدعی کا نام دیا گیا ہے اور مالکیہ کے ہاں حیض اور نفاس میں طلاق حرام ہے اور ان کے علاوہ میں مکروہ اس قید کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کہو اس سے رجوع کرے یا پھر اسے طہر اور حمل کی حالت میں طلاق دے (۲) اور انہی سے ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر نے اپنی ایک بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اس کا تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ بہت غصہ ہوئے پھر فرمایا اسے چاہیے کہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے طہر کی حالت تک پھر حیض آئے پھر طہر اگر اسے ظاہر ہو کہ طلاق ہی دینی ہے، ہو تو اس سے جماع سے پہلے اسے طلاق دے دے یہ عدت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

اور ایک روایت کے الفاظ میں ہے کہ یہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کے لیے حکم دیا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طلاق اس طہر میں جائز ہے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ اور قرآنی آیت کے ساتھ متفق ہے:

یاایھا النبی اذاطلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن......طلاق ۶۵/ ۱

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت پر عدت طویل نہیں ہوگی جبکہ حیض کی حالت میں یا اس کی حالت میں جس میں جماع کیا ہو عدت لمبی ہو جاتی ہے جس کا عورت کو نقصان ہے کیونکہ جس حیض میں طلاق ہوتی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، اور حیض کی حالت نفرت کی حالت ہے اور طہر میں ایک مرتبہ جماع سے بھی رغبت ختم ہو جاتی ہے اس سے ظاہر ہو گیا طلاق بدعی وہ ہے جو اس عورت کو دی جائے جس سے صحبت ہو چکی ہو اور اسے حیض بھی آتا ہو رہ گئی وہ عورت جس سے شوہر نے ہمبستری نہیں کی یا وہ حاملہ ہے یا اسے حیض نہیں آتا دہ طلاق بدعی اور شرعاً قبیح نہ ہو گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلاق کی چار صورتیں ہیں ان میں سے دو صورتیں حلال میں اور دو حرام دو جو حلال ہیں وہ یہ کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو یا جب حمل واضح ہو تو اس حالت میں طلاق دے اور جو دو حرام صورتیں ہیں وہ یہ کہ حالت حیض میں طلاق دے یا طلاق دے جماع کے بعد اور معلوم نہ ہو کہ رحم میں کوئی بچہ ہے یا نہ۔

اس قید کی مخالفت کا اثر...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ حالت حیض اور حالت طہر جس میں جماع کیا ہو میں طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جسے طلاق دی تھی حالت حیض میں اور رجوع جب ہی ہوتا ہے جب طلاق واقع ہوتی ہو اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے ایک طلاق دی تھی اور اسے طلاق میں شمار کیا گیا تھا۔ شیعہ امامیہ اصحاب ظواہر ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ہاں حالت حیض، حالت نفاس یا جس طہر میں جماع کیا گیا ہو طلاق دینا حرام ہے اور یہ بدعی طلاق نافذ نہیں ہوتی درج ذیل دلائل کی بنیاد پر (۳) مسند احمد ابوداؤد اور نسائی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی عبداللہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس لوٹا دیا اور اسے کچھ نہ سمجھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کی تصریح ابن قیم وغیرہ نے کی ہے۔

اس دلیل میں ان سے مناقشہ کیا گیا ہے کہ یہ معلول ہے کیونکہ ابوزبیر کی سارے حفاظ حدیث سے مخالفت ہے اس میں اور ابن عبدالبر نے فرمایا **ولم یرھاشیا** کے الفاظ منکر ہیں ابوزبیر کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیے اور جب اس کی مثل میں مخالفت ہو تو وہ حجت نہیں بن سکتی

---

(۱)......فتح القدیر ۲۸/۳۔ ۳۴ الشرح الصغیر: ۵۳۷/۲ مغنی المحتاج: ۳۰۷/۳ المغنی: ۹۸/۷۔ ۱۰۳۔ (۲) رواہ الجماعۃ الاالبخاری عن ابن عمرؓ (نیل الاوطار ۲۲۱/۶) (۳) رواہ دارقطنی (المرجع السابق ۲۲/۵۰)

اور اس صورت میں کب حجت بن سکتی ہے جب زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت ہو اور اگر صحیح قرار بھی دیا جائے تو میرے نزدیک اس کا معنی ہوگا کہ آپ نے اسے درست شی نہیں سمجھا کیونکہ سنت کے مطابق نہ تھی۔ اور خطابی نے فرمایا: یہ بھی احتمال ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے اسے ایسی چیز نہیں سمجھا کہ جس کے ساتھ رجوع حرام ہو یا اسے سنت میں جائز چیز نہیں سمجھا۔ ❶ حدیث میں ہے جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے ❷ اب حالت حیض میں طلاق دینا شارع کے حکم کے مخالف ہے لہٰذا یہ مردود ہوگی اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اس دلیل میں بھی مناقشہ کیا گیا ہے مردود وہ چیز ہوتی ہے جو کسی رکن شرط وغیرہ میں مخالفت ہو رہ گئی عدت لمبی ہونے کے اعتبار سے مخالفت یا طلاق کی حاجت کا نہ ہونا تو یہ دونوں چیزیں طلاق کے لیے رکن یا شرط نہیں۔ لہٰذا اس کی وجہ سے رد اور طلاق واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا

۳...... یہ طلاق شرعاً ممنوع ہے اس کی اجازت نہیں لہٰذا شوہر کی ملکیت میں یہ نہیں جیسے طلاق کا وکیل مؤکل کے حکم کی مخالفت کرے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور جو چیز ذاتی اعتبار سے یا جزو کے اعتبار سے یا کسی ایسے وصف لازم کے اعتبار سے ممنوع ہو اور فساد کا تقاضا کرے تو وہ فاسد ہے اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق سے منع کیا گیا ہے وہ نفس طلاق کی طرف راجع نہیں اور نہ ہی اس کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف بلکہ وہ تو ممنوع سے ہٹ کر ایک خارجی امر کی طرف راجح ہے اور وہ طلاق کی حاجت کا نہ ہونا ہے یا وہ عورت کو تکلیف میں ڈالنے کا معاملہ ہے عدت لمبی ہونے سے جب کسی خارجی چیز کی نفی ہو تو اس کے فساد پر دلالت نہیں کرتی جب واقع ہو جیسے اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت اور وکیل پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ طلاق کا وکیل تو سفیر محض ہے اور مؤکل کی طرف سے تعبیر کرنے والا ہے لہٰذا وہ سپرد شدہ چیز کے علاوہ کا مالک نہیں رہ گیا شوہر وہ تو کسی کا نائب بن کر طلاق نہیں دے رہا بلکہ وہ خود طلاق واقع کرنے والا ہے۔

۴...... طلاق واقع نہ ہونے کی اس رائے کے لیے قرآن کریم میں بھی ترجیحات ہیں ان میں سے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فطلقوهن لعدتهن...... الطلاق ۶۵/ ۱

جب عورت کو حالت حیض یا جماع والے طہر میں طلاق ہوتی تو اسے اس عدت میں طلاق نہ ہوتی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے عورت کو طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے۔ اور اصل میں یہ چیز موجود ہے کہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کی ضد سے منع کیا جاتا ہے فرمان باری تعالیٰ الطلاق مرتان (البقرہ ۲/ ۲۲۹) اور اس سے مراد اجازت شدہ طلاق ہے لہٰذا غیر اجازت شدہ طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس ترکیب میں حصر کا فائدہ ہے کہ مسند الیہ کو مرتان الف جنسی کے ساتھ لایا گیا ہے نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فامساك بمعروف او تسريح باحسان

اور اس تسریح سے بری کوئی چیز نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے میں کہتا ہوں یہ ارشاد قرآنیہ افضل کی طرف مشیر ہیں اور ان میں طلاق واقع نہ ہونے پر کوئی دلالت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے طلاق واقع ہوتی ہے میرے مطابق جمہور کی رائے ارجح ہے کیونکہ فریق ثانی کے دلائل ضعیف ہیں اور جمہور کا اتفاق ہے کہ حالت حیض یا جماع والے طہر میں طلاق دینے والے شوہر کو رجوع کا حکم دیا جائے اور پھر رجوع مالکیہ کے ہاں واجب ہے اور حنفیہ کے ہاں بھی اصح یہی ہے اور مالکیہ کے ہاں اگر شوہر رجوع سے گریز کرے تو حاکم اس کو جبراً رجوع کروائے گرفتار کرے قید رکھے اور مارے رجوع کرنے تک اگر وہ رجوع نہ کرے تو حاکم اس سے رجوع کروائے اور حنفیہ کے ہاں حاکم کو رجوع کروانا درست نہیں بلکہ حاکم صرف شوہر کو سزا دے سکتا ہے اگر وہ رجوع نہ کرے باوجود سزا کے کیونکہ ہر گناہ جس کے لیے حد اور کفارہ نہیں ان میں تعزیر واجب ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں رجوع مستحب ہے واجب نہیں اس لیے کہ شوہر رجوع کے ذریعہ طلاق کے معنی کو زائل کرتا ہے اور

---

❶ ...... نیل الاوطار: ۶/ ۲۲۶۔ المحلی: ۱۰/ ۱۹۷۔ ❷ رواہ مسلم واحمد عن عائشه وهوا لصحيح شامل لكل اواله: مخالفة عليه امر رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

طلاق تو رجوع سے نہیں ختم ہوتی لہٰذا رجوع واجب نہیں۔

تیسری قید کہ طلاق متفرق دے ایک سے زیادہ نہ دے.....فقہاء کا اتفاق ہے (۱) کہ طلاق سنت جو مشروع ہے وہ ہے جو ترتیب کے ساتھ ایک ایک کر کے واقع کی جائے نہ کہ ایک ہی دفعہ تین طلاقیں فرمان باری تعالیٰ ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (البقرۃ:۲/۲۲۹) یعنی مباح طلاق وہ ہے جو ایک کے بعد ایک ہو جب کسی شخص نے ایک ہی کلمہ میں تین طلاقوں کو جمع کر دیا یا ایک طہر میں مختلف الفاظ سے تو یہ طلاق بدعی ہے اور ممنوع ہے حنفیہ مالکیہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ہاں اور شوافع وحنابلہ کے ہاں حرام یا مکروہ نہیں اور ابوثور اور داؤد ظاہری کے ہاں بھی یہی حکم ہے البتہ یہ شخص اختیار افضلیت کو ترک کرنے والا ہے پہلی رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں ایک صحابی کھڑے ہوئے عرض کی اے اللہ کے رسول کیا میں اسے قتل نہ کر دوں (۲) نیز اس کی تائید سابقہ اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جمہور فقہاء کے ہاں طلاق میں اصل حظر ہے البتہ حاجت وضرورت کے موقع پر اسے مباح قرار دیا گیا ہے طبیعتوں کے مختلف، اخلاق کے جدا ہونے وغیرہ کی وجہ سے اور ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے اور ندامت کی وجہ سے بیوی سے دوبارہ رجوع ممکن ہوتا ہے۔ اور غالب بھی یہی ہے۔

اس قید کی مخالفت کا اثر.....جب آدمی اپنی بیوی کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور قاضی جو مناسب سمجھے اسے سزا دے لیکن ائمہ اربعہ کے ہاں طلاقیں تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کے سلسلہ میں فقہاء کے اقوال.....تین طلاقیں ایک کلمہ کے ساتھ بیک وقت دینے کے سلسلہ میں فقہاء کی تین رائے ہیں۔ (۳)

پہلی رائے.....جمہور کا قول ہے ان میں ائمہ اربعہ اور اصحاب ظواہر ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں اور یہی رائے اکثر صحابہ سے منقول ہے ان میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور عبادلہ اربعہ ابن عمر، ابن عمر وابن عمر وابن عباس، ابن عباس اور ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور اکثر تابعین کی بھی یہی رائے ہے لیکن ایک سے زیادہ طلاقیں دینا سنت نہیں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں کیونکہ سنت طلاق یہ ہے کہ ایک طلاق دے اور چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔

دوسری رائے.....شیعہ امامیہ کی ہے کہ اس سے کچھ واقع نہیں ہوتا۔

تیسری رائے.....زیدیہ بعض ظاہریہ ابن اسحاق ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور لفظ کی اس میں کوئی تاثیر نہیں۔ مصر اور شام کے قانون میں اس رائے کو لیا گیا ہے اور شام کے قانون کی تصریح یہ ہے (م ۹۱) شوہر بیوی کو تین طلاقیں دینے کا مالک ہے (م ۹۲) جو طلاق عدد کے ساتھ ہو یا اس میں اشارہ ہو تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ ریاض کے افتاء کی مجلس نے اس قول کو اختیار نہیں کیا بلکہ تین طلاقیں واقع ہونے والے قول کو لیا ہے۔ (۴)

ان اقوال کے دلائل.....امامیہ کے دلائل جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان الفاظ سے کچھ بھی واقع نہیں ہوتا وہ انہیں دلائل سے

---

(۱) ... فتح القدیر ۳/۳۵ بدایۃ المجتھد۲/ ۶۰ المھذب ۲/۷۸ مغنی المحتاج۳/ ۳۱۱ المغنی:۷/ ۱۰۴۔ (۲) قال ابن کثیر اسنادہ جید وقال الحافظ ابن حجر فی بلوغ المرام رواتہ موثوقون (نیل الاوطار ۶/ ۲۲۷) (۳) المرجع السابقۃ المختصر النافع ص ۲۲۲ المحلی ۱۰/ ۲۰۴ مسألۃ ۱۹۴۹ اعلام الموقعین ۳/ ۴۱ ۵۲ (۴) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ المجلد الاول العدد الثالثہ ۱۳۹۷ھ ص ۱۶۵ مابعدھا۔

استدلال کرتے ہیں جو حیض کی حالت میں طلاق دینے کے متعلق ہیں کیونکہ دونوں ممنوع ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فامساك بمعروف اوتسريح باحسان

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ تین طلاقیں اس حالت ہی میں دینا درست ہیں جب شوہر کے لیے اسے روکنا صحیح ہو۔ اور جب روکنا رجوع کے بغیر درست نہیں تو تیسری اس کے بغیر درست نہ ہوگی جب تیسری میں یہ لازم ہے تو دوسری میں بھی یہی لازم ہوگا۔ زیدیہ ابن تیمیہ اور ابن القیم جو ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

الطلاق مرتان.....البقرہ: ۲/۲۲۹

یہاں تک جو تیسری طلاق کے متعلق فان طلقها فلا تحل من بعد حتّٰی تنکح زوجا غیره (البقرہ: ۲/۲۳۰) یعنی طلاق مشروع ہے متفرق طور پر ایک کے بعد ایک کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرتان فرمایا ہے نہ کہ طلقتان۔ اور بیک وقت ہی تمام طلاقیں دینا مشروع نہیں پس جب تین طلاق کو ایک لفظ کے ساتھ جمع کر دے تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی لہٰذا تین کے لفظ سے طلاق شدہ ایک لفظ سے طلاق شدہ ہے نہ کہ تین سے۔ ان پر اشکال کیا گیا ہے کہ اس آیت میں تو مشروع اور مباح طلاق کا حکم ہے اور اس میں اس بات پہ کوئی دلالت نہیں کہ جب متفرق طلاق نہ دی جائے تو وہ واقع ہوگی یا نہ پس اب سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور سنت سے واضح ہوتا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور سنت میں جو آیا ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول اگر میں تین طلاقیں دے دیتا کیا میرے لیے حلال تھا میں اس سے رجوع کرتا فرمایا نہیں وہ تم سے بائنہ ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔ (1)

۲.....ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں طلاق ثلاث ایک تھی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی کرنے لگ گئے ہیں جس میں ان کے لیے نرمی تھی اگر ہم انہیں اسی حالت پر چھوڑیں تو وہ بھی اسی پر رہیں گے (2) اس میں واضح دلالت ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں اور وہ منسوخ بھی نہیں ہوا لہٰذا انہیں مصلحت اور شرعی سیاست کی بنیاد پر عمر رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا: اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب لفظ طلاق تین دفعہ مکرر لائے اور کہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تو اس صورت میں اگر تاکید کا ارادہ کرے تو ایک ہی لازم ہوتی ہے اور تین واقع ہوں گی اگر تکرار سے تین واقع کرنے کا ارادہ ہو پس لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سچائی سلامتی اور عمدہ اور افضل کے اختیار کرنے والے تھے نہ تو ان میں کمینہ پن تھا نہ ہی دھوکہ دہی اور تاکید کے ارادہ میں سچ فرماتے تھے جب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایسے امور دیکھے جو ظاہر ہوئے تھے اور حالات تبدیل ہو چکے تھے اور ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے کا رواج ہو چکا تھا کہ جن میں کوئی تاویل کارگر نہ تھی تو آپ نے تین لازم قرار دے دیں تکرار کی صورت میں جب غالب ارادہ تین ہی کا ہوتا تھا اور اس کی طرف آپ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا کہ لوگ ایک ایسے معاملہ میں جلد باری کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے نرمی تھی۔ پھر یہ حکم تو قضاء ہے اور دیانت کے اعتبار سے ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے اعتبار سے معاملہ کیا جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گذرے زمانے کے ساتھ کوئی مخالفت نہیں کیونکہ انہوں نے رجوع فرمایا عرف اور لوگوں کے حالات کے تبدیل ہونے پر حکم کے تبدیل ہونے کے لیے۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس حدیث میں بہت سے اشکال ہیں۔

---

(1) رواه الدرا قطني عن الحسن عن ابن عمر لكن في اسناده ضعف (نيل الاوطار ۲۲۷/۶۔۲۲۸) (2) رواه احمد ومسلم عن طاوس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (نيل الاوطار ۲۳۰/۶)

۳۔حدیث ہے ابن عباس عن رکانۃ ......کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں تو اس پر انہیں بہت پریشانی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کس طرح طلاق دی ہے تو انہوں نے عرض کی ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک ہی ہے اپنی بیوی سے رجوع کرلو۔ ❶

اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے لیکن اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس سند سے اس طرح کے احکام میں استدلال کیا گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوی کے مخالف ہے وہ تو تین طلاق ہی کا فتوی دیا کرتے تھے لیکن اس کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ روایت معتبر ہے نہ کہ فتویٰ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوداؤد نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ رکانہ نے طلاق بتۃ دی تھی جیسا کہ پہلے گذرا اور ممکن ہے راوی نے بتۃ کو تین پر محمول کیا ہو اور اس میں ظاہر کی مخالفت ہے اور حدیث نص ہے نزاع کے وقت۔

جمہور کے دلائل تین واقع ہونے پر......ائمہ اربعہ اور ان کی موافقت کرنے والوں نے تین طلاقیں واقع ہونے پر قرآن سنت اجماع اور قیاس سے استدلال کیا ہے ❶ قرآن سے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ البقرہ:۲/۲۲۹

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی واقع ہوسکتی ہیں باوجودیکہ ممنوع ہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ الطَّلَاقُ مَرَّتَان (البقرۃ:۲/۲۲۹) متفرق طلاقیں دینے کی حکمت پر تنبیہ ہے تاکہ رجوع ممکن ہو لیکن جب آدمی حکمت کی مخالفت کرے اور دو اکٹھی دے دے تو ان کا واقع ہونا صحیح ہے کیونکہ ان میں کوئی تفریق نہیں پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ ؕ البقرہ:۲/۲۳۰

یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دو کے بعد تیسری سے وہ حرام ہو جائے گی لیکن اس میں ایک طہر یا کئی طہروں میں واقع کرنے کے بارے میں کوئی فرق نہیں قرآن کریم سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ......الطلاق ۶۵/۱

وَتِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ الطلاق:۶۵/۱

طلاق مشروع وہی ہے جس کے بعد عدت ہو اور عدت میں تین واقع کرنے کی صورت میں یہ منتفی ہے اور اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ عدت کے بغیر بھی طلاق واقع کی جاسکتی ہے اس لیے کہ اگر واقع نہ ہوتی ہو تو پھر غیر عدت میں طلاق واقع کرنے سے وہ ظالم نہیں ہونا چاہیے حالانکہ وہ ظالم ہے اور جو شخص عدت میں طلاق نہ دے مثلاً تین طلاقیں دے دے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوگا نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ......البقرہ ۲/۲۴۱

اور ان کے علاوہ طلاق کی آیات بھی ہیں یہ آیات ظاہری اور واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک دو یا تین طلاقیں واقع کرنے میں کوئی فرق نہیں۔اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ عمومی آیات ہیں ان کی تخصیص کی گئی ہے اور ان مطلق کی تقید ہے ان دلائل سے جو ایک سے زیادہ واقع کرنے سے منع پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔سنت......میں سے ایک تو سہل بن سعد کی روایت ہے صحیحین میں عویمر عجلانی کے لعان کے قصہ میں کہ جب فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے اگر میں اسے روک سکتا۔

---

❶......اخرجه احمد و ابویعلی و صححه (نیل الاوطار ۶/۲۳۲)

اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دیں اور اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار مروی نہیں۔اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آپ نے اس لیے انکار ونکیر نہیں فرمائی کہ اب وہ محل ہی نہ رہی تھی۔

اور ایک روایت محمود بن لبید کی ہے نسائی میں اور اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے علاوہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے غصہ ہوتے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ایک لفظ کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تین ہی ہوتی ہیں اگر چہ وہ گناہ گار ضرور ہوا ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لیے کہ محمود بن لبید کا سماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اگر چہ اس کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی ہے لیکن یہ جواب درست نہیں کیونکہ صحابی کی مرسل روایت مقبول ہے اور ایک روایت رکانہ بن عبد یزید کی بھی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو البتہ طلاق دی اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی اور انہوں نے عرض کی بخدا میں نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا تم نے ایک کی نیت کی تھی تو رکانہ نے عرض کی بخدا میں نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا[1] یہ تمام دلائل سے زیادہ صریح اور واضح دلیل ہے اس بات پر کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں حضرت رکانہ کے قول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلف لینے کی وجہ سے اور آپ نے البتہ کے لفظ سے صرف ایک مراد ہے یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر آپ تین کا ارادہ کرتے تو وہ واقع ہو جاتیں اس میں بھی مناقشہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث کے جمیع طرق کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ منذری نے ذکر کیا اسی طرح امام بخاری نے بھی اس کی تضعیف کی ہے اور یہ کہ رکانہ طلاق بتہ دی تھی نہ کہ تین۔

اور ایک روایت وہ ہے جسے عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں عبادۃ بن صامت کی روایت سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میرے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان کے سامنے تذکرہ کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے دادا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے تین تو واقع ہو گئیں اور نو سو ستانویں عدوان اور ظلم ہے۔اگر اللہ چاہیں تو اسے عذاب دیں اور چاہیں تو معاف فرما دیں۔اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس کا راوی ضعیف ہے نیز عبادہ بن صامتؓ کے والد نے اسلام نہیں پایا ان کے دادا کیسے اسلام میں پہنچ گئے۔

۳۔اجماع.....سلف کا اجماع ہے ایک لفظ سے تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہونے پر اور اس پر اجماع نقل کرنے والوں میں سے ابوبکر رازی علامہ باجی ابن العربی اور ابن رجب حنبلی سرفہرست ہیں: اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ اجماع ثابت نہیں ابوداؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ تین کو ایک قرار دیتے تھے اور یہ کہ طاوس اور عطار فرماتے ہیں اگر دخول سے پہلے کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک شمار ہوتی ہے۔

۴.....آثار بہت سارے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ وہ تین کو تین ہی شمار کرتے اور واقع کرتے تھے ان میں سے ایک اثر وہ ہے جسے ابوداؤد نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ میں ابن عباس کے پاس تھا ایک آدمی آیا کہنے لگا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں ابن عباسؓ خاموش ہو گئے میں نے گمان کیا آپ اسے بیوی سے رجوع کا کہیں گے۔

پھر فرمانے لگے تم لوگ حماقت پر سوار ہوتے ہو وہ کہنے لگے اے ابن عباسؓ! اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا.....الطلاق: ۶۵/ ۲

جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرے تو اللہ اس کے لیے راستہ نکال لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا تم نے تو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار نہیں کیا میں تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تجھ سے تیری بیوی جدا ہو گئی۔

---

[1].....رواہ الشافعی وابوداؤد والترمذی وابن حبان والحاکم۔

ایک اثر یہ ہے امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی ابن مسعود کے پاس آیا۔ کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں تو انہوں نے پوچھا تجھے کیا کہا گیا تھا کہنے لگا مجھے کہا ہے کہ بیوی بائنہ ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا جو وہ کہتے ہیں ایسا ہی ہے۔ ایک اثر یہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں تخریج کی ہے کہ ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو آپ نے فرمایا تین نے تو اسے تجھ پر حرام کر دیا اور ستانوے ظلم ہے۔ اسی طرح روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں تو آپ نے فرمایا تین سے وہ تجھ سے بائن ہوگئی اس طرح کے کئی واقعات باقی صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کے ادوار میں بھی ثابت ہیں۔

۵.....قیاس ابن قدامہ نے کہا: ❶ نکاح چونکہ ایک ملکیت ہے اسے متفرق طور پر زائل کرنا درست ہے اور اکٹھے زائل کرنا بھی درست ہے جیسے ساری املاک میں ہوتا ہے ابن قیم نے مناقشہ کیا ہے کہ طلاق دینے والا جب متفرق کو جمع کرتا ہے تو وہ اللہ کی حدود سے تعدی کر رہا ہے۔ قرطبی نے فرمایا: ❷ جمہور کی دلیل لزوم کے اعتبار سے ظاہر ہے وہ یہ کہ تین طلاق حلال طلاق دینے والے پر اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اور لغوی اور شرعی اعتبار سے اجتماعی اور متفرق میں کوئی فرق نہیں اور ان سے مناقشہ کیا گیا ہے کہ جو شخص کہے میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں تین مرتبہ تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوتی ہے لہٰذا طلاق دینے والا بھی اس کے مثل ہونا چاہے اس پر رد کیا گیا کہ صیغے مختلف ہیں اس لیے کہ طلاق کی تعداد تین اور حلف میں کوئی تعداد نہیں۔

میرے ہاں بھی جمہور کی رائے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں ہاں اگر کوئی حاکم کسی ضعیف رائے کو ترجیح دے دے تو وہی قوی حکم ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی قانون بن جائے جیسا کہ بعض عربی ممالک میں اسے ایک طلاق قرار دیا گیا ہے تو اس پر اعتماد سے کوئی چیز مانع نہیں اور افتاء سے بھی لوگوں پر آسانی کرتے ہوئے اور زوجیت کے تعلق کو بچاتے ہوئے اور اولاد کی مصلحت کی حمایت کے لیے خاص کر جس وقت میں ہم چل رہے ہیں اس میں احتیاط اور ورع کم ہے اور لوگ اس صیغہ کو عام طور پر استعمال کر رہے ہیں اور غالباً اس سے ان کا مقصد تہدید اور زجر ہوتا ہوگا اور وہ جانتے ہیں کہ فقہ میں ہر چیز کامل موجود ہے اور بیوی سے رجوع بھی۔ ❸

چوتھی بحث: طلاق کا وکیل بنانا یا اسے عورت کے سپرد کرنا...... یہ بحث طلاق کی دونوں قسموں صریح اور کنایہ کو شامل ہے اس لیے کہ طلاق کو بیوی یا کسی اور کے سپرد کرنا یا تو صریح ہوگا مثلاً مرد کہے طلقی نفسك کہ اپنے آپ کو طلاق دے دو یا کنایہ ہوگا مثلاً اپنے آپ کو اختیار کرلو یا تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے ❹ آدمی جس طرح خود طلاق دینے کا مجاز ہے اسی طرح وہ اس کا وکیل اور نائب بنانے کا بھی مجاز ہے اور عورت کو طلاق کا اختیار دینا بالاجماع جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ رہنے اور جدا ہونے کا اختیار دیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

الاحزاب: ۲۸/۳۳

اگر ان کے اختیار کرنے کا تفریق پر کوئی اثر نہ ہوتا تو ان کو اختیار دینے کا کوئی معنی نہیں۔

مذاہب میں طلاق کی نیابت..... فقہاء مذاہب کی شوہر کے کسی غیر کو طلاق کا نائب بنانے میں درج ذیل اصطلاحات ہیں۔

---

❶..... المغنی: ۷/۱۰۵ ❷ فتح الباری: ۹/۳۶۵۔ ❸ یہ ساری باتیں حضرت کی اپنی رائے سے تعلق رکھتی ہیں جب وہ بندہ خود اس رشتہ کو باہوش وحواس بچانا نہیں چاہتا تو کیا اسے مزید سہارا دیا جائے جبکہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ تین ہی ہوتی ہیں تو اب ان کے ہاں تو یہ حرام میں مبتلا ہونے والا ہے اور مزید جری ہوگا لہٰذا یہ رائے قابل اعتماد نہیں ہم مقلد ہیں ہمیں اپنے ائمہ ہی کی آراء کو لینا ہوگا نہ تو بہت سارے مسائل میں احتیاط نہیں جیسے سود کیا اس کی اجازت دی جائے۔ ❹ الدر المختار ورد المحتار: ۲/۶۵۳ البدائع: ۳/۱۱۳، ۱۱۸۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔

حنفیہ کا مذہب......شوہر کی اجازت سے کسی دوسرے کا طلاق دینا یا تو تفویض ہے یا وکالت یا قاصد۔

وکیل......شوہر کا بیوی کے علاوہ کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل و نائب بنانا مثلاً کہے میں تجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بناتا ہوں جب وکیل نے وکالت کو قبول کرلیا پھر اس کی بیوی سے کہا تجھے طلاق تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

تفویض واختیار......طلاق کے معاملہ کو بیوی کے اختیار میں دینا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے یا طلاق کو کسی اجنبی کی مشیت پر معلق کرنا بایں طور کہے کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے۔ قاصد بھیجنے والے کے کلام کو نقل کرنا بایں طور کہ شوہر کسی کو کہے فلاں عورت کے پاس جاؤ اور اسے کہو تمہارا شوہر کہتا ہے تم اپنے آپ کو اختیار کرلو یا شوہر اپنی بیوی کی طلاق کسی آدمی کے ذریعے بھیجے اور قاصد اس کے پاس جائے اور پیغام پہنچائے تو اس پر طلاق واقع ہوجائے گی اور قاصد صرف سفیر تعبیر کرنے والا اور مرسل کے کلام کا ناقل ہے اور بس تفویض واختیار کے الفاظ تین ہیں امر بید تخییر مشئیت ان میں سے ہر ایک لفظ عورت کو طلاق کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور اسے اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے نفس کو اختیار کرے یا شوہر کو اختیار کرے۔

امر بالید......یہ کہ شوہر بیوی سے کہے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو طلاق کے بارے میں معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا کیونکہ شوہر نے طلاق کا معاملہ اس کے اختیار میں دے دیا ہے اور وہ اس کا اھل بھی ہے اور محل بھی اس کے قابل ہے پس معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ شوہر کا طلاق کی نیت کرنا کیونکہ یہ کنایات طلاق میں سے ہے لہٰذا نیت طلاق کے بغیر درست نہیں دوسری یہ کہ عورت کو علم ہو کہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے لہٰذا جب تک وہ اس بارے میں سن نہ لے یا اسے خبر نہ پہنچے تو معاملہ اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا اس لیے کہ اس اختیار کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے لیے طلاق اور رشتہ ازواج باقی رکھنے کا اختیار ثابت ہو۔

تخییر......شوہر اپنی بیوی سے کہے اختاری اپنے آپ کو اختیار کرلو۔ یہ تخییر صرف دو چیزوں میں امر بالید سے مختلف ہے ایک یہ کہ امر بالید میں اگر شوہر تین طلاقوں کی نیت کرلے تو یہ درست ہے اور تخییر میں اگر کرے تو درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ تخییر کی صورت میں کسی ایک جانب سے نفس کا ذکر ضروری ہے چاہے شوہر کے کلام میں ہو یا عورت کے کلام میں بایں طور شوہر عورت سے کہے اپنے نفس کو اختیار کرلو جواب میں عورت کہے میں نے اختیار کرلیا یا شوہر بیوی سے کہے اختیار کرلو اور عورت جواب میں کہے میں نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا یا طلاق کا ذکر ہو عورت یا مرد کے کلام میں بایں طور کے اختیار کرلو اور عورت کہے میں نے طلاق کو اختیار کرلیا یا ایسے الفاظ ذکر کرے جو طلاق پر دلالت کرتے ہیں اور وہ شوہر کی طرف سے تخییر کے الفاظ کا تکرار ہے بایں طور کہے: اختاری اختاری یا اختیار مصدر کا ذکر ہو شوہر یا بیوی کے کلام میں شوہر کے اختیار کرلو اختیار کرنا اور عورت کہے میں نے اختیا کرلیا۔

مشیت......یہ کہ آدمی کہے اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے یہ بھی ''اختاری'' کی طرح ہے کیونکہ ان دنوں میں سے ہر ایک طلاق کی تملیک ہے اور یہ کہ یہاں طلاق رجعی ہوتی ہے اور اختاری میں بائن اس لیے کہ یہاں تفویض صریح کی ہے اور اختاری میں کنایۃ ہے۔ رہ گیا طلاق نفس کے الفاظ تو یہ حنفیہ کے ہاں تملیک ہیں چاہے مشیت وارادہ کے ساتھ مقید کرے یا نہ اور اس کا اثر مجلس تک مقصور رہے گا جیسے اگر تو چاہے تو تجھے طلاق کا ہے۔

مالکیہ کا مذہب: [1] یہ ہے کہ تفویض اور نائب بنانا طلاق کے سلسلہ میں تین قسم پر ہے توکیل تخییر اور تملیک، توکیل یہ کہ شوہر انشاء طلاق کا حق غیر کو دے چاہے وہ بیوی ہو یا کوئی اور طلاق واقع کرنے سے روکنے کا حق باقی رکھتے ہوئے جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا وکیل بنائے تو

---

[1] ......القوانین الفقهیة ص: ۲۳۳ الشرح الصغیر: ۲/۵۹۳،۶۰۳ المقدمات المهدات ۱/۵۸۷۔

سے اختیار ہے کہ وہ جس کی وکیل بنائی گئی ہے وہ کر گزرے۔ چاہے ایک طلاق یا زیادہ طلاقیں دے دے اور شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اسے اس وکالت سے معزول کردے جب تک کہ موکل وہ کام کرنہ گزرے الا یہ کہ وکالت کے ساتھ عورت کا حق متعلق ہو اور یہ توکیل تملیک اور تخییر کے برخلاف ہے ان میں معزول کرنے کا اختیار نہیں اس لیے کہ ان میں جس چیز کا وہ مالک تھا اس نے اس کا کسی اور کو مالک بنادیا اور وکالت میں صرف نائب بنانا ہے۔ تملیک یہ کو شوہر عورت کو اپنے نفس کا مالک بنادے بایں طور کہے میں تیرا معاملہ یا تیری طلاق تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ اور اسے اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ اس سے اسے معزول کردے اور عورت کو اختیار ہے کہ اس کے اختیار میں ایک یا زیادہ طلاقیں ہیں وہ اپنے کو دے دے اور عورت کا قبول تملیک بالقول یا بالفعل سے ظاہر ہوگا قولاً تو یہ کہ وہ الفاظ کے ساتھ طلاق واقع کرے اور فعلاً یہ کہ وہ ایسا کام کرے جو جدائی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً اپنے اثاثہ جات وغیرہ منتقل کرنا۔

تملیک اور تخییر مجلس کے ساتھ مقید نہیں اور ان میں شوہر بیوی کو روک نہیں سکتا۔ تخییر یہ کہ عوت کو یہ اختیار دیا جائے کہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا جدائی اور فرق بایں طور کہے مجھ سے تمہیں اختیار ہے۔ یا تم اپنے نفس کو اختیار کرلو تو عورت کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے جس کو پسند کرے اختیار کرے اگر اس نے فراق اختیار کیا تو اسے تین طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر عورت ایک یا دو طلاقیں اختیار کرلے تو وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ الا یہ کہ شوہر اسے ایک یا دو طلاقوں کا اختیار دے اور وہ انہیں واقع کرلے لیکن شوہر کو معزول کرنے کا اختیار نہیں اور ان تینوں قسم کی تفویض کا اختیار بیوی کی علاوہ بھی کسی کو ان شرائط پر دینا جائز ہے جبکہ وہ اس شہر میں حاضر ہو یا ایک دو دن کی مسافت پر ہو ورنہ تفویض زوجہ کی طرف منتقل ہو جائے گی اگر شوہر نے ایک سے زیادہ کا اختیار دیا تو جب تک اکٹھے طلاق نہ دیں تو طلاق نہ ہوگی۔

تملیک اور تخییر میں فرق...... تملیک کی صورت میں عورت کو فیصلہ اور طلاق نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے سوائے اس کے کہ شوہر انکار کردے کہ میں نے تو صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس پر اسے حلف دیا جائے گا اور تخییر میں مدخول بھا کو تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں کیونکہ اس نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے یا اس سے علیحدہ ہو جائے اگر کم کو اختیار کیا تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔ اور غیر مدخول بھا تو مملکہ ہے وہ اپنے آپ کو تین سے کم طلاقیں بھی دے سکتی ہے کیونکہ اس سے بائن ہو جائے گی۔

شوافع کا مذہب: (۱) مذہب جدید میں تفویض طلاق تملیک ہے اس کے واقع ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ فی الفور اپنے آپ کو طلاق دے دے اور جب عورت اپنے نفس کی مالک ہوگئی تو اس سے رجوع نہیں ہو سکتا اور تفویض یا تو صریح ہوگی جیسے اپنے نفس کو طلاق دے دو اور کنایۃً مثلاً اپنے نصف کو بائن کرلو، اختیار ہے اور نیت کرلو عورت کہے میں نے طلاق لے لی تو طلاق واقع ہو جائے کیونکہ طلاق کی تفویض کی گئی ہے اور اس نے دونوں حالتوں میں ایسا کرلیا اگر شوہر نے بیوی سے کہا اپنے آپ کو طلاق دے دو اور تین کی نیت کی عورت نے کہا میں نے طلاق دے دی اور نیت کی اور اسے شوہر کی نیت کا علم تھا یا اسے اس کی نیت کا اندازہ تھا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ لفظ عدد کا احتمال رکھتا ہے اگر دونوں نے کوئی نیت نہ کی تو اصح یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی کیونکہ صریح طلاق عدد میں کنایہ ہوتی ہے۔

اگر کہا کہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دو اور عورت نے ایک طلاق اپنے نفس کو دی یا اس کا عکس کیا اس نے ایک کا کہا تھا اور عورت نے تین دے دیں تو طلاق میں ثلث ہوگا یعنی ایک واقع ہوگی۔

حنابلہ کی رائے: (۲) جس کی طلاق صحیح ہوگی اس کی وکالت بھی صحیح ہے اگر شوہر نے عورت کو طلاق کا وکیل بنایا تو اس کی وکالت درست ہے اور اس کی طلاق اس کے اپنے نفس کے لیے ہوگی کیونکہ اسے غیر کو طلاق دینے کا وکیل بنانا بھی درست ہے لہٰذا اپنے نفس کو طلاق دینا بھی درست ہے۔ اور وکیل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جب چاہے طلاق دے سوائے اس کے کہ موکل اگر اس کے لیے کوئی حد مقرر کردے مثلاً ایک

(۱)..... مغنی المحتاج: ۲۸۵/۳۔ ۲۸۷ المھذب ۸۰/۲۔ (۲) کشاف القناع ۲۶۸/۵ المغنی ۲۱۲/۷۔

دن وغیرہ کی تو پھر وہ اس حد اور وقت کے گذرنے کے بعد طلاق کا مالک نہیں ہوگا نیز وکیل ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دے ہاں اگر موکل اسے ایک سے زیادہ کی اجازت دے دے تو پھر وہ زائدہ دے سکتا ہے اگر اسے تین طلاقوں کا وکیل بنایا وکیل نے ایک طلاق دی تو وہ واقع ہوگی اور اگر اس نے ایک کا وکیل بنایا اور وکیل نے تین دے دیں تو صرف ایک واقع ہوگی کیونکہ اجازت صرف ایک کی ہے۔اور اگر مؤکل نے وکیل کو اختیار دے دیا کہ تین میں سے جتنی چاہو دے دو تو وکیل دو اور اس سے کم کا مالک ہوگا کیونکہ لفظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ من تبعیض کے لیے ہے یہی حکم ہے اگر اس نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور اسے کہا تین میں سے جتنی چاہو اختیار کرلو تو عورت کو دو سے زیادہ اختیار کرنے کا اختیار نہیں۔اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا اپنے کو طلاق دے دو تو اسے وکیل کی طرح طلاق کا اختیار ہے۔اور اگر کہا اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے یا اس طرح کے شرط کے الفاظ استعمال کئے تو اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک وہ چاہے گی نہیں اور زبان سے اپنے چاہنے کو بولے گی کہ میں نے چاہا اس لیے کہ دل کی بات جب تک زبان سے تعبیر نہ کی جائے معلوم نہیں ہوتی لہٰذا حکم معلق رہے کا اگر عورت نے دل سے تو چاہا مگر بولی نہیں طلاق واقع نہیں ہوگی۔یہی حکم ہے جب طلاق کو کسی غیر کی مشیت پر معلق کرے پس جب زبان سے مشیت پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی چاہے فی الفور ہو یا بعد میں اور یہ شوافع کے برخلاف ہے جو کہ فی الحال مشیت کے اعلان کو شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ طلاق کی تملیک ہے لہٰذا فی الفور ہی ہوگی جیسے اختیار میں کما تقدم۔اور حنابلہ نے ان کا رد بایں طور کیا ہے کہ یہ تو طلاق کے لیے شرط پر تعلیق ہے لہٰذا تمام تعلیقات کی طرح تراضی کے ساتھ ہوگی اور یہ کہ یہ ملک معلق کا ازالہ ہے مشیت پر لہٰذا عتق کی طرح تراضی سے ہوگا۔اور یہ اختیاری کے الفاظ سے مختلف ہے کیونکہ یہ شرط نہیں بلکہ یہ تخییر ہے لہٰذا مجلس کے ساتھ مقید ہوگی جیسا کہ خیار مجلس میں ہے۔

وکیل طلاق کا حکم......حنفیہ نے اس بات کو کہ طلاق کا وکیل مؤکل کی رائے پر عمل کرنے کا پابند ہے اسی طرح برقرار رکھا ہے جب وہ تجاوز کرے گا تو اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا الا یہ کہ مؤکل اجازت دے دے اور وکیل کو اختیار ہے جب چاہے طلاق دے دے جبکہ موکل نے کسی زمانے کے ساتھ اسے مقید نہ کیا ہو اور مؤکل کو یہ اختیار ہے جب چاہے وکیل کو معزول کر دے لیکن طلاق کا وکیل صرف سفیر اور معبر ہے مؤکل کی طرف سے جیسے نکاح کا وکیل کہ اس سے طلاق کے حقوق سے کسی بھی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔جیسے مہر مؤخر کا دینا متعہ یا عورت کا نفقہ اس کا مطالبہ صرف شوہر سے ہوگا مالکیہ کے ہاں [1] جب بیوی کا حق اس وکالت کے ساتھ معلق ہوگیا تو مؤکل طلاق کے وکیل کو معزول نہیں کر سکتا جیسا کہ وہ بیوی سے کہے اگر میں تمہارے اوپر نکاح کروں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے پس اب اسے معزول کرنے کا حق نہیں کیونکہ عورت کا حق وکالت کے ساتھ معلق ہے کیونکہ ضرر کا ختم کرنا وکالت کے ساتھ معلق ہے اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔

بیوی یا کسی دوسرے کو طلاق تفویض کرنے کے حکم کی صفت......حنفیہ کے ہاں [2] شوہر کی جانب سے تفویض لازم ہے وہ اس سے رجوع کا مالک نہیں اور نہ ہی عورت کو منع کر سکتا ہے اس اختیار کے استعمال سے اور نہ اسے فسخ کر سکتا ہے اس لیے کہ اس نے اسے طلاق کی مالکہ بنا دیا ہے اور جو کسی دوسرے کو کسی چیز کا مالک بنا دے تو اس کی ولایت اس کی ملکیت سے زائل ہو جاتی ہے لہٰذا رجوع منع اور فسخ کے ذریعے وہ اسے باطل کرنے کا مالک نہیں رہتا نیز تفویض تو طلاق کو معلق کرنا ہے شوہر کی جانب سے بیوی یا کسی دوسرے کی مشیت پر اور تعلیق قسم ہے اور یمین کے صادر ہونے کے بعد ان میں رجوع ممکن نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہوا۔رہ گئی عورت کی جانب سے تفویض تو وہ عورت کے حق میں لازم نہیں وہ صراحۃ یا دلالۃ اسے رد کرنے کی مالک ہے اس لیے کہ معاملہ عورت کے ہاتھ میں دینا اختیار ہے چاہے کہ وہ خود اسے اختیار کرے یا شوہر کو اختیار دے اور تخییر لازم کے منافی ہے۔

لیکن عورت صرف ایک مرتبہ ہی اختیار کر سکتی ہے اس لیے کہ مرد کا قول تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا الا یہ کہ اس

[1] ..... الشرح الصغیر : ۲/ ۵۹۵ [2] البدائع : ۳/ ۱۱۳ ـ ۱۱۶ فتح القدیر : ۳/ ۱۱۵

کے ساتھ ایسی چیز ملائی جائے جو تکرار کا تقاضا کرے۔ مثلاً یوں کہے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو جب چاہے لہٰذا اس صورت میں معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اسے اختیار ہوگا کہ وہ ہر مجلس میں اپنے آپ کو ایک طلاق دے دے یہاں تک کہ وہ تین کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اس لیے کہ کلما کا لفظ افعال کے تکرار کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا مشیت کے تکرار کے وقت تملیک کے تکرار کا تقاضا کرے گا الا یہ کہ وہ ہر مجلس میں صرف ایک طلاق دینے کی مالک ہوگی اس لیے کہ شوہر کا طلاق تفویض کرنا ہر مجلس میں ایک مرتبہ کے حصر کا مقتضی ہے۔

تفویض کا زمانہ عورت کی نسبت سے..... حنفیہ کے ہاں ❶ یا تو تفویض مطلق ہوگی کسی متعین زمانے کے ساتھ خاص نہ ہوگی مثلاً اختاری نفسک او طلقی نفسک یا کسی زمانے کے ساتھ مقید ہوگی مثلاً اختاری نفسک او امرک بیدک مدة شهر یا تمام زمانوں کے ساتھ تکرار ہوگا مثلاً طلقی نفسک متی شئت۔

الف: خیار مخیّرۃ..... اگر تفویض مطلق ہو تو طلاق کا حق یہ ہے کہ جس مجلس میں عورت کو علم ہوا اسی میں اسے طلاق کا اختیار ہوگا اور جب تک مجلس باقی ہے اختیار بھی باقی ہے اور چونکہ معاملہ کو عورت کے ہاتھ میں دینا تملیک طلاق ہے اور تملیک کا جواب بھی مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اگر مجلس تبدیل ہوگئی یا ایسی بات ظاہر ہوئی جو تفویض کے مقتضی کے خلاف ہے تو عورت کا حق ساقط ہو جائے گا شوافع اور حنابلہ حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں اس مسئلہ میں اس لیے کہ صحابہ کرام نے مخیّرہ کو اختیار دیا جب تک وہ مجلس میں باقی رہے کھڑے ہونے اور بیٹھنے سے یا گھر میں بیٹھنے یا کشتی میں چلتے چلتے سوار ہونے سے مجلس تبدیل نہیں ہوتی البتہ سواری پر سوار ہو کر چلنا مجلس کو تبدیل کر دیتا ہے اس لیے کہ سوار کشتی کو روکنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور جانور کو روکنے کی استطاعت ہے اگر جانور چل گیا تو خیار باطل ہو جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں ❷ عورت کے لیے ہمیشہ خیار ثابت ہے جب تک شوہر کو معلوم ہوا اس نے اختیار ساقط کر دیا ہے مثلاً شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے کر لیکن اگر عورت نے کوئی جواب نہ دیا تو شوہر معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تاکہ وہ عورت کو طلاق واقع کرنے یا تملیک ساقط کرنے کا حکم کرے اگر عورت انکار کرے تو قاضی اس کے اختیار کو ساقط کرے اور عورت کو مہلت نہ دے اگرچہ شوہر راضی ہی کیوں نہ ہو مہلت دینے پر کیونکہ یہ حقوق اللہ میں سے ہے اور اس میں مشکوک عصمت کو بقا مل رہی ہے۔

ب: **اگر تفویض کسی معین زمانے کے ساتھ مقید ہو**..... مثلاً ایک دن مہینہ یا سال تو طلاق کا حق ثابت ہوگا مفوض الیہ کے لیے اس خاص وقت کی انتہاء تک اس لیے کہ اس نے اس وقت میں معاملہ عورت کے سپرد کیا ہے لہٰذا جب تک وقت باقی اختیار بھی باقی اگر عورت نے مقررہ وقت میں ایک مرتبہ ایک اختیار استعمال کر لیا تو اسے دوبارہ اختیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ لفظ وقت کے اندر تحدید کا تقاضا کرتا ہے اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اگر تفویض کو مستقبل میں کسی وقت کی طرف منسوب کیا بایں طور کیا امرک بیدک غدا اور أس شهر كذا تو جب تک وہ خاص وقت نہ آ جائے اس وقت تک عورت کو اختیار نہ ہوگا اگر تفویض کو کسی شرط پر معلق کیا بایں طور کہ جب فلاں آیا تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو اس کے آنے سے پہلے معاملہ اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا اگر وہ آ گیا تو معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا جب عورت کو معلوم ہوا اور اس مجلس میں جس میں وہ آیا ہے اس میں اس لیے کہ معلق بالشرط ایسے ہے جیسے شرط کے وقت فی الفور گویا وہ آنے کے وقت کہنے والا ہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور عورت مالک ہوگی طلاق کی اس مجلس میں جس میں اسے آنے کا علم ہوا اگر اسے آنے کا علم ہوا یہاں تک کے وہ خاص وقت ختم ہوگیا پھر اسے معلوم ہوا تو اسے اس تفویض کا کبھی بھی اختیار نہ ہوگا کیونکہ یہ مدت کے ساتھ مقید ہے اور وہ مدت ختم ہوگئی لہٰذا اس کا زمانہ گذر جانے کی وجہ سے اختیار نہیں ہوگا۔

ج: **اگر تفویض تکرار کا تقاضا کرتی ہو**..... مثلاً یوں کہے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب بھی تو چاہے یا اپنے آپ کو جب

---

❶..... المرجع السابق۔ ❷ الشرح الصغير: ۲/۵۹۵ وما بعدها القوانين الفقهية ص: ۲۳۳

چاہے طلاق دے دے تو عورت کو اختیار ہے کہ جس وقت بھی چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے چاہے تخییر کی مجلس میں یا بعد میں لیکن اذا اور متی کے الفاظ سے صرف ایک مرتبہ اسے اختیار حاصل ہے جب اس نے اپنے آپ کو ایک مرتبہ طلاق دے دی تو اس کی تفویض ختم ہو جائے گی اس لیے کہ اذا اور متی تکرار کا فائدہ نہیں دیتے لیکن اگر اس نے کہا کلما تو پھر اسے اختیار ہے کہ اپنے اپ کو ایک سے زیادہ مرتبہ یعنی تین تک طلاقیں دے سکتی ہے اس لیے کہ کلما تکرار کا تقاضا کرتا ہے افعال میں تو مشیت کے تکرار کے ساتھ تفویض میں بھی تکرار ہوگا۔

الفاظ تفویض سے واقع ہونے والی طلاق کا عدد......حنفیہ کے ہاں ❶ عورت طلقی نفسک یا کلما شئت کے الفاظ کے ساتھ بیک وقت تین طلاقیں واقع کرنے کی مالک نہیں اس لیے کہ شوہر نے صریح الفاظ سے تفویض کی ہے اور کلما کا لفظ تکرار افعال کا تقاضا کرتا ہے اور وہ مشیت ہے اور تین طلاقیں بیک وقت واقع کرنے میں تکرار نہیں پایا جاتا لہٰذا کلما کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے ہاں تین طلاقیں دینے سے کچھ بھی واقع نہیں ہوگا اور صاحبین کے ہاں ایک طلاق ہوگی۔ اگر شوہر نے بیوی سے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور تین کی نیت کی اور عورت نے بھی اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں تو تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی اس لیے کہ شوہر نے مطلقاً معاملہ اس کے ہاتھ میں دیا ہے یہ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے اگر تین کی نیت کی تو گویا اس نے مطلق امر جس کا محتمل ہے اس کی نیت کی لہٰذا نیت درست ہے اور اگر دو کی نیت کی تو تمام ائمہ حنفیہ کے ہاں دو ہی طلاق ہوگی سوائے امام زفر کے۔ رہ گئی واقع شدہ طلاق کی نوعیت تو اگر طلاق کی تفویض صریح ہو تو طلاق رجعی ہوگی اور اگر کہا طلقی نفسک عورت نے کہا طلقت نفسی تو طلاق رجعی واقع ہوگی اسی طرح اگر کہا ایک طلاق کے بارے میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے: یا ایک طلاق اختیار کر و تو اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ صریح طلاق کی تفویض کی ہے اور جو طلاق بینونت کے لیے ہو جب اس کے ساتھ صریح معدد ہے تو وہ رجعی ہوتی ہے۔ اگر تفویض لفظ اختیار کے ساتھ ہو یا امر بالید کے ساتھ ہو تو بائنہ ہوگی اگر عورت سے کہا اختاری یا امرک بیدک اور طلاق کی نیت کی تین کی نیت نہ کی اور عورت کہے میں اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا اپنے نفس کو طلاق دے دی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ عورت کا اختیار طلاق بائن ہی سے مکمل ہوگا وہ صرف بائن طلاق کی مالک ہے اور طلاق رجعی میں شوہر عورت کی رضا کے بغیر بھی رجوع کا مالک ہے۔ مالکیہ کے ہاں ❷ جیسا کہ پہلے گذرا تفویض سے واقع ہونے والی طلاق جبکہ تفویض تخییر کے لیے ہو تو تین طلاقیں ہیں۔ لیکن اگر تفویض تملیک کے لیے ہو تو واقع ہونے والی طلاق وہ تین ہیں لیکن وہ ایک اور دو کا بھی احتمال رکھتی ہے فرق یہ ہے کہ تخییر کی حالت یہ تقاضا کرتی ہے کہ شوہر کو جب عورت اختیار کر لے تو بیوی پر کوئی راستہ نہیں اور یہ صورت صرف تین واقع ہونے کے ساتھ ہی متحقق ہو سکتی ہے اور تملیک کی حالت میں اسے اس کا مالک بنایا جس کا وہ خود مالک ہے تو عورت جب ایک یا دو یا تین واقع کرے تو وہ لفظ کے مقتضی پر عمل کرنے والی ہے اسی فرق کو دیکھتے ہوئے مالکیہ نے کہا اگر تفویض تخییر ہو تو شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ بیوی کی تین طلاقیں واقع کرنے پر اس سے جھگڑے اور اگر تملیک ہو تو شوہر بیوی سے جھگڑ سکتا ہے اور یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے ایک کا ارادہ کیا تھا جبکہ عورت نے تین دی ہیں اور شوہر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔

تفویض کی ابتداء......حنفیہ کے ہاں عقد نکاح کے وقت یا رشتہ ازدواج کے بعد تفویض درست ہے اور وہ تفویض جو عقد کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ ایجاب بیوی یا اس کے وکیل کی طرف سے ہو اور کہے خاوند کو میں نے تیرے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یا میں جب چاہوں اور شوہر تفویض کو قبول کرے اگر شوہر نے پہلے ایجاب کیا اور عورت سے کہا میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا تو جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے اور عورت نے اس ایجاب کو قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہے اور تفویض درست نہیں اس لیے کہ شوہر نے اس حالت میں عورت کو اپنے نفس کی طلاق کا مالک بنایا ہے عقد

❶......البدائع: ۳/ ۱۱۷، ۱۱۸ فتح القدیر ۳/ ۱۱۴ اللباب: ۳/ ۵۱ الدر المختار: ۲/ ۶۲۰ ❷ الشرح الصغیر ۲/ ۵۹۷۔

نکاح مکمل ہونے سے پہلے اور شوہر عقد نکاح مکمل ہونے سے پہلے طلاق کا مالک نہیں اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی چیز کا مالک بنا دے حالانکہ وہ خود اس کا مالک نہیں۔ اور جب عورت کے ایجاب اور مرد کے قبول سے تفویض صحیح ہوگی عقد کے وقت۔ اور یہ تفویض کی متعین زمانہ کے ساتھ مقید نہیں مثلاً عورت اس طرح کہے میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اس شرط پر کہ پھر طلاق میرے قبضہ میں ہے اور شوہر کہے میں نے قبول کیا تو عورت انشاء عقد کی مجلس میں طلاق کی مالک ہے جب مجلس عقد ختم ہوگئی تو پھر اس کے بعد عورت کو طلاق کا حق نہیں ہوگا۔

تفویض کے ساتھ مرد کو طلاق کا حق......حنفیہ کے ہاں باوجود اس کے کہ تفویض تملیک ہے تو یہ وکالت کے مشابہ ہے تو عورت کو تفویض طلاق کے باوجود شوہر کو طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہے جیسا کہ وکالت میں مؤکل کو تصرف کا حق حاصل ہے۔

تفویض اور توکیل میں فرق......حنفیہ کے ہاں اگرچہ توکیل اور تفویض میں شوہر کا طلاق واقع کرنے کا حق ختم نہیں ہوتا اس کے باوجود وہ توکیل اور تفویض میں فرق کرتے ہیں ❶ تفویض کر دینے کے بعد شوہر اس سے رجوع کا مالک نہیں رہتا جبکہ وکالت میں مؤکل رجوع کا مالک ہوتا ہے جب تک کہ وکیل نے اسے نافذ نہ کیا ہو ❷ مفوض الیہ تفویض میں اپنے اختیار اور مشیت سے عمل کرتا ہے کیونکہ شوہر نے اسے اس حق کا مالک بنایا ہوتا ہے اور وکالت میں وکیل غیر کی مشیت وارادہ پر عمل کرتا ہے اس لیے کہ توکیل میں مؤکل کا اسے مثل اور نائب شمار کیا جاتا ہے نہ کے حق کا مالک تفویض شوہر کے مجنون ہونے سے باطل نہیں ہوتی کیونکہ یہ تعلیق کے معنی میں ہے اور وکالت شوہر کے جنون سے باطل ہو جاتی ہے کیونکہ جنون اسے اہلیت سے نکال دیتا ہے اور مؤکل یا وکیل کا اہلیت سے نکل جانا وکالت کو باطل کر دیتا ہے۔

پانچویں بحث: طلاق کی قسمیں اور ہر قسم کا حکم......طلاق مختلف اعتبارات سے مختلف قسموں کی ہوتی ہے صیغہ کے اعتبار سے اس کی تقسیم صریح اور کنایہ کی طرف ہوتی ہے جس کا بیان ہوگیا اور رجوع اور عدم رجوع کے اعتبار سے صریح اور کنایہ دونوں رجعی اور بائن کی طرف تقسیم ہوتی ہیں اور سنت کی موافقت اور مخالفت کے اعتبار سے سنی اور بدعی کی طرف تقسیم ہوتی ہے اور زمانہ کے اعتبار سے منجز اور معجل معلق اور مضاف الی المستقبل کی طرف تقسیم ہوتی ہے اور اس مطلب کے ساتھ مریض کی طلاق اور مرض الموت کا حکم بھی ملحق ہے۔

سنت اور بدعت کے اعتبار سے طلاق کی تقسیم......طلاق سنت کے ساتھ موافقت اور اس کی مخالفت یعنی بدعت کے اعتبار سے سنی اور بدعی کی طرف تقسیم ہوتی ہے سنت وہ ہے جس کی شارع نے اجازت دی ہو اور بدعت وہ ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو اور بدعت کی اصل یہ ہے کہ کسی چیز کے مکمل ہونے کے باوجود اس میں اضافہ کرنا اس تقسیم کی اصل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ الطلاق: ۶۵/۱

ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پاک ہوں جماع نہ کیا ہو۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا اسے حکم دو کہ رجوع کرلے پھر طہر تک روکے رکھے پھر اسے حیض آئے پھر طہر پھر چاہے تو اسے طلاق دے دے لیکن جماع سے پہلے پاکی کی حالت میں۔ اس تقسیم پر فقہاء کے اتفاق کے باوجود سنی اور بدعی طلاق کی تحدید وتعین اور بدعی کے حکم کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کے ہاں: ❸ تقسیم ثلاثی ہے یعنی طلاق کی تین قسمیں ہیں طلاق احسن طلاق حسن اور طلاق بدعی طلاق احسن: یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو ایک طلاق دے دے اور اسے چھوڑ دے حتی کہ اس کی عدت گذر جائے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین اس چیز کو پسند کرتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دیں یہاں تک کہ عدت گذر جائے۔ اور یہ ان کے ہاں افضل تھا اس سے کہ شوہر ہر

---

❶......العناية بهامش فتح القدير: ۳/ ۱۰۰ ❷ ردالمحتار: ۲/ ۶۵۳۔ ❸ البدائع: ۳/ ۹۱۔ ۹۶ الكتاب ۳/ ۳۷۔ ۴۰ فتح القدير: ۳/ ۲۲۔ ۳۷ الدر المختار ۲/ ۵۷۴۔ ۵۷۸۔

طہر میں ایک طلاق دے کر تین پوری کرے نیز اس لیے کہ اس میں ندامت بھی نہیں کیونکہ اس کا تدارک ممکن ہے اور اس میں عورت کو بھی کم تکلیف ہے۔

طلاق حسن......وہ طلاق سنت ہے کہ جس عورت سے صحبت کر چکا ہو اسے تین طہروں میں تین طلاقیں دے دے ہر طہر میں ایک طلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے ابن عمر کی سابقہ حدیث کی وجہ سے۔

طلاق بدعی......یہ کہ تین طلاقیں یا دو طلاقیں ایک ہی لفظ کے ساتھ دے دے یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے دے کیونکہ طلاق میں اصل ممنوعیت ہے کیونکہ طلاق کی وجہ سے رشتہ از دواج منقطع ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دینی اور دنیاوی مصالح متعلق ہیں اور طلاق کی اباحت تو جان چھوڑانے کے لیے ہے ضرورت وحاجت کے وقت اور تین کو جمع کرنے میں کوئی حاجت نہیں یا ایک طہر میں دینے کوئی حاجت نہیں نیز حاجت وضرورت ایک دینے سے پوری ہو جاتی ہے اور مکمل چھٹکارہ تین طہروں میں متفرق دینے سے حاصل ہو جاتا ہے اور زیادتی اسراف ہے لہٰذا بدعت ہے جب ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہوگی اور بیوی اس سے جدا ہو جائے گی اور شوہر گناہ گار اور نافرمان ہوگا اور یہ طلاق مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ممنوع قرار دینا دنیاوی اور دینی مصالح کا خوف ہوتا ہے طلاق کے علاوہ میں بھی مثلاً بیع بوقت اذان جمعہ صحیح ہے البتہ مکروہ ہے۔ اسی طرح غصب شدہ زمین میں نماز پڑھنا صحیح ہے لیکن مکروہ ہے اسی طرح ایک سے زیادہ طلاقیں واقع کرنا بھی مکروہ ہے اس لیے اس کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے حیض اور نفاس میں دی گئی طلاق میں عورت سے رجوع واجب ہے معصیت ختم کرنے اور سابقہ حکم کی وجہ سے کہ اسے حکم دو کہ رجوع کر لے جب پاک ہوگئی تو چاہو طلاق دے دو چاہو روکے رکھو۔

طلاق سنت یا تو وقت کے اعتبار سے ہے یا عدد کے اعتبار سے اور عددی اعتبار سے سنت میں مدخول بھا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں اور وقت کے عتبار سے سنت صرف مدخول بہا کے لیے ثابت ہے اور وہ یہ کہ ایسے طہر میں اسے طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور غیر مدخول بھا کو چاہے طہر میں دے یا حیض میں دونوں برابر ہیں اور اگر عورت ایسی ہو جسے چھوٹی ہونے یا بڑی ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اور شوہر طلاق سنت کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے ایک طلاق دے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو اسے دوسری طلاق دے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو تیسری طلاق دے۔

تین طلاقیں تین مہینوں میں ہو جائیں گی کیونکہ ان عورتوں کے حق میں مہینہ حیض کے قائم مقام ہے اگر اسلامی مہینے کے شروع میں طلاق دی تو مہینے کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوگا اور اگر درمیان ماہ طلاق دی تو پھر دنوں کے اعتبار سے مہینے کا حساب ہوگا جیسا کہ عدت میں مقرر ہے۔ اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اس لیے کہ اس صورت میں عدت میں اشتباہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کی عدت وضع حمل کے ساتھ یقینی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور حاملہ کے لیے بھی تین طلاقیں سنت ہیں اس عورت کی طرح جسکو حیض نہیں آتا۔ اسے بھی تین مہینوں میں ہوں گی اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں دونوں طلاقوں میں ایک ماہ کا فصل کرے گا اس لیے کہ اباحت ضرورت کی وجہ سے ہے اور مہینہ ضرورت کی دلیل ہے جیسے آئیسہ اور صغیرہ کے حق میں۔

سنت اور بدعت طلاق کے الفاظ......طلاق سنت کے الفاظ وہ ہیں جن میں قولی طور پر سنت کی تصریح ہو مثلاً انت طالق للسنة اگر کسی آدمی نے اپنی مدخول بھا جسے حیض آتا ہو عورت سے کہا انت طالق ثلاثا او ثنتین للسنة تو ہر طہر میں اسے ایک طلاق واقع ہوگی اور پہلی اس طہر میں واقع ہوگی جس میں جماع نہ کیا ہو لیکن اگر عورت غیر مدخول بھا ہے یا اسے حیض نہیں آتا تو اسے فی الحال ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر غیر مدخول بھا کو طلاق بائن ہو جائے گی بغیر عدت کے اس لیے کہ یہ طلاق قبل الدخول ہے اور کوئی طلاق واقع نہ ہوگی جب تک شادی نہ کرے اور جسے حیض نہیں آتا ہے دوسری طلاق مہینہ گذرنے کے بعد واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے یہ نیت کی کہ اسے فی الحال

تین طلاقیں ہوں یا ہر مہینے کے شروع میں تو اس کی یہ نیت صحیح ہے کیونکہ کلام میں اس کا احتمال ہے اور طلاق بدعت کے الفاظ یہ ہیں کہ مرد کہے انت طالق للبدعة یا ظلم کی طلاق یا معصیت کی طلاق یا شیطان کی طلاق اگر تین کی نیت کی تو تین ہی ہوں گی اس لیے کہ اس نے اس کی نیت کی جس کا کلام متحمل ہے تو نیت درست ہے۔

مالکیہ کے ہاں ❶ طلاق سنی وہ ہے جس میں یہ چار شرائط پورے طور پر پائی جائیں وہ یہ کہ عورت حیض اور نفاس سے طلاق کے وقت پاک ہو اور یہ کہ شوہر نے اس طہر میں اس سے ہمبستری نہ کی ہو اور یہ کہ صرف ایک طلاق دے اور یہ کہ عدت کے گذرنے تک شوہر اور طلاق نہ دے اگر اور طلاق دے دی تو طلاق بدعت ہوگی۔ کیونکہ طلاق میں اصل حظر ہے پہلی دو شرطیں متفق علیہ ہیں اور تیسری شرط میں شوافع کا اختلاف ہے ان کے ہاں تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز ہے اور چوتھی میں حنفیہ کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے ہاں مدخول بھا کو تین طہروں میں تین طلاقیں دینا جائز ہے اور طلاق بدعت وہ ہے جس میں ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے یا ساری نہ پائی جائیں اور طلاق بدعی یا تو حرام ہے یا مکروہ۔ حالت حیض اور نفاس میں طلاق حرام ہے اور حیض اور نفاس کے علاوہ حالتوں میں مکروہ ہے اگر اس نے تین طلاقیں دے دیں یا ایسے طہر میں دے دی جس میں جماع کیا تھا تو حیض وغیرہ میں طلاق واقع ہو جائے گی اگر عورت حیض یا نفاس کی حالت میں طلاق کا مطالبہ کرے تو شوہر کو طلاق دینے سے روکا جائے گا۔ جس شخص نے حالت حیض میں بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس سے رجوع کرے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے دوسرا حیض آئے پھر اس سے پاک ہو جب دوسرا طہر داخل ہو تو پھر چاہے تو اسے روکے رکھے اور چاہے تو طلاق دے دے۔ اگر شوہر رجوع سے انکار کرے تو اسے اور بالاتفاق رجوع پر مجبور نہ کیا جائے گا جبکہ اس نے ایسے طہر میں طلاق دی ہو جس میں جماع کیا ہوا ہے یا حیض کے بعد اور غسل سے پہلے اور عورت اس کی تصدیق کرتی ہو۔ اور حاملہ کو حالت حیض میں طلاق دینا جائز ہے اگر اسے حیض آتا ہو کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے لہٰذا اس میں تطویل نہیں۔ اور غیر مدخول بھا کو حیض کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے کیونکہ اس کی عدت ہی نہیں۔

جیل کی دھمکی دی جائے اگر انکار کرے تو اسے جیل بھیج دیا جائے اگر پھر بھی انکار کرے تو اسے مارنے کی دھمکی دی جائے اگر پھر بھی انکار کرے تو اسے مارا جائے یہ سب کام ایک ہی مجلس میں کیے جائیں اگر پھر بھی انکار کرے تو حاکم قولی طور پر اسے رجوع کروائے۔

شوافع کی رائے ❷ طلاق یا تو سنی ہوگی یا بدعی یا نہ سنی نہ بدعی یہ تیسری قسم چھوٹی بچی کی طلاق آئیسہ اور مختلفہ اور اس کی جس کا حمل شوہر سے ظاہر ہو گیا ہو اور غیر مدخول بھا کی طلاق ان صورتوں میں نہ سنت ہے نہ بدعت کیونکہ عدت نہیں پائی جاتی۔

رہ گئی طلاق سنی وہ شرعاً مستحب ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد بیوی کو ایک طلاق دے اور اگر تین دینے کا ارادہ رکھے تو ہر طہر میں ایک طلاق آئے تاکہ خلاف سے نکل جائے لیکن اگر ایک ہی طہر میں تین طلاقیں جمع کر دے تو یہ بھی جائز ہے حرام نہیں کیونکہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کیا تو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا ہو کہ یہ لعان سے بائنہ ہو گئی ہے ❸ اگر تین طلاقیں دینا حرام ہوتیں تو آپ اسے اس سے منع کرتے کیونکہ آپ کو اور موجود حضرات کو اس کا علم تھا اور اس لیے بھی کہ فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اس کے شوہر نے انہیں طلاق البتہ دے دی ہے اور امام شافعی نے فرمایا واللہ اعلم تین طلاقیں تو ہمیں یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہو اور یہ فعل بہت سے صحابہ نے کیا اور بہت ساروں نے اس کا فتویٰ دیا۔ لیکن سنت یہ ہے کہ ایک قرء میں ایک طلاق پر اقتصار کرے اور مہینوں والی کو ایک ماہ میں تاکہ رجوع ممکن ہو یا تجدید نکاح اگر وہ نادم ہو جائے اگر اس نے ایک طلاق پر اقتصار نہ کیا تو طلاق کو ایام پر تفریق کرے اور حاملہ پر طلاق کو ایک تو

❶.....القوانين الفقهية ص : ۲۲۵ الشرح الصغير ۲/۵۳۷، ۵۴۱۔ ❷المهذب ۲/۷۹، ۸۹ مغني المحتاج: ۳/۳۰۷۔ ۳۱۲
❸متفق عليه۔

فی الحال دے دے اور دوسری نفاس کے بعد اور تیسری حیض سے پاک ہونے کے بعد اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ثلاثا یا کہا انت طالق ثلاثا للسنة اور تین کی تفسیر دونوں صورتوں میں قروء پر تفریق وتقسیم کی کی تو صحیح اور منصوص قول کے مطابق اس کی یہ تفسیر قبول نہیں کی جائے گی البتہ دیانۃ اس کی یہ بات معتبر ہے حاصل یہ ہے کہ تین طلاقیں حنابلہ اور شوافع کے ہاں سنّت ہیں مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں بدعی اور حرام ہیں۔

رہ گئی طلاق بدعت......تو وہ دو ہیں ایک یہ کہ مدخول بھا کو حالت حیض میں طلاق دینا بغیر حمل کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ الطلاق ۶۵ /۱

یعنی اس وقت طلاق دو جب ان کی عدت شروع ہو رہی ہو اور حیض کا زمانہ عدت میں شمار نہیں ہوگا۔اور نفاس حیض کی طرح ہے اور اس کی تائید ابن عمر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

دوسری یہ کہ اس عورت کو طلاق جسے حمل ہو اور ظاہر نہ ہوا ہو اور اس طہر میں طلاق دے جس میں اس سے جماع کیا ہوا ہو اس لیے کہ اگر اس طہر میں جماع کیا اور حمل ظاہر نہیں ہوا تو اس سے مامون نہیں کہ وہ حاملہ ہو تو اسے ندامت ہو گی بیوی کی جدائی کی بچے کے ساتھ۔

نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ اس وطی کی وجہ سے حمل ہو گا تا کہ اس کی عدت حمل کے ساتھ ہو یا حمل نہیں کہ عدت قروء کے ساتھ ہو اور مالکیہ اور حنفیہ کے برخلاف ان کے ہاں طلاق بدعت میں رجوع مسنون ہے اور پھر چاہے تو طہر کے بعد طلاق دے دے۔اگر کسی نے حائضہ عورت سے کہا تجھے طلاق بدعت ہے تو فی الحال طلاق واقع ہو گی اور اگر اسے کہا تجھے طلاق سنت ہے تو جب حیض یا نفاس سے پاک ہو گی اس وقت طلاق واقع ہو گی تا کہ طہر میں شروع ہو اور غسل پر موقوف نہیں کیونکہ صفت اس سے پہلے بھی پائی گئی۔اگر اسے کہا جو طہر میں ہو اور اس نے جماع نہ کیا ہو اور عورت مدخول بھا ہو کہ تجھے طلاق سنت ہے تو فی الحال طلاق واقع ہو گی کیونکہ صفت پائی جا رہی ہے۔اگر اس طہر میں جماع کیا ہوا تھا اور حمل ظاہر نہیں ہوا تو حیض کے بعد جب پاک ہو گی اس وقت طلاق واقع ہو گی کیونکہ اب وہ عدت میں شروع ہو گئی ہے اگر کہا جو طہر میں ہو تجھے طلاق بدعت ہے تو اگر اس طہر میں جماع کیا ہوا ہے یا اس سے پہلے حیض میں جماع کیا ہوا اور حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ بدعت کی صفت پائی جا رہی ہے اگر مذکورہ طرح پر جماع نہ کیا ہوا ہو تو پھر جب اسے حیض آئے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔اور اگر کہا تجھے طلاق حسنہ ہے یا احسن طلاق ہے یا اجمل طلاق ہے وغیرہ تو گویا اس نے اس طرح کہا انت طالق للسنة اگر حیض میں ہوئی تو طہر تک طلاق واقع نہ ہو گی یا ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو تو فی الحال طلاق واقع ہو گی اگر جماع اس میں کیا ہو تو پھر حیض کے بعد طہر میں واقع ہو گی۔اگر طلاق کے ساتھ کوئی مذموم صفت ذکر کی جیسے تجھے قبیح طلاق ہے یا اقبح طلاق ہے یا اقطع طلاق ہے یا اشر افحش وغیرہ تو یہ اس طرح کہنے کے مرادف ہے کہ تجھے طلاق بدعت ہے۔اگر ایسے طہر میں میں ہوئی جس میں جماع کیا ہے یا حیض میں ہوئی تو فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ورنہ حیض کے وقت اگر اس نے طلاق سنت کی نیت کی اور زمانہ بدعت میں تو اس کی دیانۃ تصدیق کی جائے گی اور قضاء اس کی بات معتبر نہ ہو گی۔اگر کہا تجھے تین طلاقیں ہیں اور ہر قروء میں ایک طلاق اگر وہ پاک ہوئی تو اسے ایک طلاق ہو جائے گی، اس لیے کہ باقی طہر قرءٌ ہے اگر حائضہ ہے تو طہر تک طلاق نہیں ہو گی پھر ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر تیسری قسم میں سے ہوئی نہ سنت نہ بدعت تو اگر حاملہ ہوئی تو فی الحال اسے ایک طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ حمل قرء ہے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر حمل کے ساتھ اسے حیض بھی آتا ہو تو اسے طلاق نہ ہو گی ان طہروں میں کیونکہ وہ اقراء نہیں ہیں اگر اس نے رجوع کر لیا وضع حمل سے پہلے اور وہ نفاس میں پاک ہو گئی تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اگر حیض آیا اور پاک ہوئی تو تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔اور اگر عورت غیر مدخول بھا ہے تو اس پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ بائنہ ہو جائے گی اگر چھوٹی ہے اور مدخول بھا ہے تو اسے بھی ایک طلاق فوراً ہو جائے گی اگر اس نے رجوع نہ کیا اور تین ماہ گذر گئے تو وہ بائنہ ہو

جائے گی اگر اس نے رجوع کرلیا تو رجوع کے بعد طہر میں طلاق نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ وہی طہر ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

حنابلہ نے ❶ شوافع کی موافقت کی ہے ان کی اس رائے میں کہ طلاق سنی اور بدعی اس کے الفاظ اور حکم میں اور حیض کی مطلقہ سے رجوع مستحب ہونے میں اور اسے طہر تک روکنے کے واجب ہونے پھر حیض کے بعد طہر اور اس کے بعد حیض پھر طہر تک روکنے کے مستحب ہونے میں اتفاق کیا ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث عمر میں حکم فرمایا تھا۔

طلاق کی تقسیم رجعی اور بائن...... رجوع ممکن ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے طلاق صریح اور کنایہ میں سے ہر ایک رجعی اور بائن کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

طلاق رجعی...... وہ ہے جس میں شوہر مطلقہ کو زوجیت میں بغیر عقد جدید کے لاسکتا ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہو اگرچہ راضی نہ بھی ہو۔ اور یہ رجوع طلاق اول اور ثانی جو بائن نہ ہو کے بعد اور عدت ختم ہونے سے پہلے ہوتا ہے جب عدت ختم ہوگئی تو طلاق رجعی بائن بن جاتی ہے پھر شوہر مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے کا مالک نہیں سوائے عقد جدید کے۔

طلاق بائن...... کی دو قسمیں ہیں ایک بینونت صغری اور بینونت کبری۔ بینونت صغری: وہ طلاق ہے جس میں آدمی اپنی مطلقہ بیوی کو واپس صرف عقد جدید اور مہر جدید کے ساتھ ہی کرسکتا ہے۔ اور یہ وہ طلاق ہے جو قبل الدخول ہوئی ہو یا مال پر طلاق ہوئی ہو یا حنفیہ کے ہاں کنایۃً یا قاضی جو تفریق کرتا ہے نان نفقہ نہ دینے یا ایلاء کی وجہ سے ہونے والی تفریق۔

بینونت کبریٰ...... وہ طلاق جس میں شوہر مطلقہ کو اپنی زوجیت میں واپس نہیں لاسکتا سوائے اس کے کہ حلالہ شرعیہ یعنی وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس سے حقیقتاً ہمبستری کرے پھر اسے طلاق دے دے یا وہ مر جائے اور اس کی عدت بھی گذر جائے پھر وہ شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے۔ اور یہ تین طلاقوں کی بعد ہی ہوتا ہے کہ شوہر اسے واپس نہیں لاسکتا۔

طلاق رجعی اور بائن کا ضابطہ: طلاق رجعی اور طلاق بائن کے حالات کی تحدید و تعیین میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں حنفیہ کی رائے ❷ یہ طلاق رجعی ہوتی ہے سوائے قبل الدخول مال پر طلاق اور الفاظ کنایہ کے ساتھ طلاق جو شدت قوت بینونت اور حرمت کی خبر اور تین طلاقیں وغیرہ یہ سب رجعی نہیں۔ اس ضابطہ کے مطابق طلاق رجعی درج ذیل صورتوں میں ہوتی ہے۔

۱۔ طلاق صریح دخول حقیقی کے بعد ایسے لفظ کے ساتھ جس میں طلاق کا مادہ یا تطلیق کا مادہ ہو جو عوض کے ساتھ نہ ہو اور نہ ہی تین طلاقیں اور نہ ہی شدت قوت بینونت وغیرہ سے موصوف ہو پس جس نے کہا تجھے طلاق یا مطلقہ یا طلقتک ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور ان سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت کرے تو اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر اس نے کہا تجھے طلاق یا تجھے طلاق ہے خاص یا انت طالق طلاقاً اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو تو ایک طلاق رجعی ہی ہوگی اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی اگر کہا تجھے مذاہب اربعہ کے مطابق طلاق یا تجھے ایسی طلاق جسے نہ کوئی عالم اور نہ کوئی قاضی رد کرسکے تو اس سے بھی طلاق رجعی ہوگی۔ اور الفاظ طلاق میں سے جو صریح کے حکم میں ہیں یہ ہیں:

علی الطلاق علی الحرام یا الطلاق یلزمنی الحرام یلزمنی

تو ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی بغیر نیت کے بھی عرف کی وجہ سے۔ اسی سے میں حرام خالص وغیرہ کے الفاظ بھی صریح کی قسم کے ہیں ❷ وہ طلاق کنایہ جس میں شدت اور بینونت کے معنی نہ پائے جاتے ہوں اور دخول کی بعد کی ہو مثلاً اعتدی استبرئی رحمك انت واحدۃ ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جبکہ شوہر طلاق کی نیت کرے ❸ وہ طلاق جو قاضی نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے

---

❶ المغنی ۷/۹۸۔۱۱۳ کشاف القناع ۵/۲۶۹، ۲۷۶۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ۲/۵۹۲۔۶۱۷۔۶۲۱۔۶۳۵۔ ❸ اللباب ۳/۴۱۔۴۲۔ ❹ البدائع ۳/۱۰۹۔۱۱۲۔

واقع کرے یا وہ طلاق جو ایلاء کی وجہ سے واقع ہو پہلی رجعی ہوگی کیونکہ شوہر کی قدرت انفاق پر متوقع ہے ہر وقت اور دوسری بھی رجعی ہے کیونکہ شوہر ازدواجی تعلق دوبارہ رکھ سکتا ہے۔

اس بارے میں دلیل یہ کہ اصل عام ہے کہ طلاق رجعی ہو اس بارے میں دو آیتیں ہیں:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ البقرۃ:۲/۲۲۹

طلاق رجعی ہے دو بار تک اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور آیت:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۗ البقرۃ:۲/۲۲۸

اور طلاق والی عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک......اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا۔ ہر دونوں آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب تک عورت عدت میں ہو تو رجوع ممکن ہے الا یہ کہ کوئی دلیل استثناء پر دلالت کرے اور وہ تین طلاقیں ہیں اور طلاق قبل الدخول اور مال پر طلاق اور بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے طلاق اور ایسے لفظ سے طلاق جو شدت اور انفصال تام پر دلالت کرے۔

اور درج ذیل صورتوں میں طلاق بائن ہوگی:

پہلی صورت: بینونت صغری......دخول حقیقی سے پہلے طلاق یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق پہلی طلاق بائن ہے اس لیے کہ اس میں عدت واجب نہیں اور نہ ہی اس میں رجوع ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ ......الاحزاب ۳۳/۴۹

اے ایمان والو جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ سو ان پر تم کو حق نہیں: عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کرواؤ۔ جب عدت واجب نہیں تو رجوع بھی ممکن نہیں اس لیے کہ رجوع عدت ہی میں ہو سکتا ہے۔ پس یہ طلاق بائن ہے رجعی نہیں۔ اور خلوت صحیحہ کے بعد جس میں اتصال جنسی نہ ہوا ہو تو بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے اگرچہ عدت اس میں واجب ہوتی ہے اس لیے کہ وجوب عدت احتیاط ہے ثبوت نسب کے لیے اور رجوع کے حکم میں احتیاط نہیں بلکہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رجوع صحیح نہ ہو۔

۲......وہ طلاق کنایہ جس میں شدت قوت اور بینونت پائی جاتی ہو یعنی کہ ہر وہ طلاق کنایہ جب اس میں طلاق کی نیت ہو سوائے ان تین الفاظ کے جو پہلے مذکور ہوئے (اعتدی استبرئی رحمک انت واحدہ) تو یہ ایک طلاق بائنہ ہوگی اگرچہ دو کی نیت کی ہو اس لیے کہ لفظ کی دلالت دو کے عدد پر نہیں پس ایک ثابت ہوگی جو ادنی ہے اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی، اس لیے کہ بینونت کی دو قسمیں ہوں گی مغلظہ اور وہ تین طلاقیں ہیں اور مخففہ اور وہ ایک ہے ان میں سے جس کی بھی نیت کرے تو واقع ہوگی لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اور یہ الفاظ مثلاً انت طالق صـعـة شديدة ياقوية طويلة عريضة اس لیے کہ طول اور عرض سے شدت اور قوت مراد ہوتی ہے۔ مثلاً انت بائن بتة قطعی بتلة قطع کرنا خلية چھوڑنا برية بری الذمہ ہونا حرة آزاد ہونا حبلک علی غاربک تیری رسی تیرے کندھے پر ہے الحق باھلک اپنے اہل سے مل جاؤ سرحتک وفارقتک تجھے چھوڑ دیا تقنعی اوڑھنی اوڑھ لو تخمری استتری پوشیدہ ہو جاؤ اعزبی واغربی شادی نہ کرو دور ہو جاؤ۔ ابتغی الازواج شوہر تلاش کرو وغیرہ الفاظ اور یہ الفاظ انت خالصة انت حرام علی الحرام یہ صریح طلاق میں سے ہیں عرفاً اور ان سے طلاق رجعی ہوگی۔

۳.....مال پر طلاق اور یہ اس وقت ہے جب شوہر بیوی سے خلع کرے یا مال پر طلاق دے اس لیے کہ خلع عوض کے ساتھ مال پر طلاق ہے اور طلاق بائن ہے اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ عورت اس کے امر کی مالک بن جائے اور شوہر رجوع سے رک جائے اور اس کا ہدف صرف طلاق بائن سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ طلاق جو قاضی واقع کرتا ہے نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے یا ایلاء کی وجہ سے اور یا شوہر میں کسی عیب کی وجہ سے یا وزجین میں ناچاقی کی وجہ سے یا شوہر کے غائب اور لاپتہ ہونے کی وجہ سے ضرر سے اس لیے کہ بیوی کا فیصلہ کی طرف مجبور ہونا صرف ضرر رفع کرنے اور رشتہ ازواج ختم کرنے سے ہوتا ہے اور یہ مقصود صرف طلاق بائن سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری صورت بینونت کبری...... یہ کہ طلاقیں تین ہوں چاہے متفرق طور پر تین طلاقیں مکمل کرے بایں طور کہ ہر مرتبہ شوہر بیوی کو ایک طلاق دے یا لفظا واشارۃ تینوں اکٹھی دے دے مثلاً انت طالق ثلاثا تجھے تین طلاقیں ہیں یا کہے تجھے طلاق اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین کا اشارے کرے چاہے ایک ہی مجلس میں یا مختلف مجالس میں بایں طور کہے تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق تو تین ہی طلاقیں واقع ہوں گی اگر باقی دو سے تاکید کا ارادہ کرے تو پھر ایک ہی ہوگی۔

اور اشارہ کو عبارت کا حکم ہے اگر ایک انگلی سے اشارہ کیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی اگر دو سے کیا تو دو ہوں گی اگر تین کا اشارہ کیا تو تین ہوں گی اس لیے کہ اشارہ اس کے ساتھ متعلق ہوا۔

مالکیہ کی رائے: (۱) طلاق بائن چار مواقع میں ہوتی ہے اور وہ ایک تو غیر مدخول بھا کو طلاق دینا دوسری طلاق خلع تیسری تین طلاقیں اور چوتھی مبارات وہ ہے جس کا لوگ کسی کو مالک بناتے ہیں اور ایک بائنہ قرار دیتے ہیں بغیر خلع کے پہلی تین متفق علیہ ہیں اور رجعی جو ان مواضع کے علاوہ ہیں وہ طلاق ہے۔ شوافع کی رائے (۲) یہ مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں سوائے مباراۃ کے وہ کہتے ہیں ہر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے الا یہ کہ میں طلاق قبل الدخول ہو یا مال پر ہو جیسے خلع یا مکمل تین ہوں یا تین کے عدد کے ساتھ ہوں۔ مذکورہ بالا وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کے ہاں کنایات شدیدہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے مثلاً انت بائن وغیرہ سے جب کوئی نیت نہ کرے، اور مالکیہ کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں کنائے ظاہرہ سے مثلاً انت بتة سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور کنایہ خفیہ میں جو اس نے نیت کی وہ ہوگی مثلاً اذھبی وغیرہ میں اور مالکیہ کے ہاں ان الفاظ سے مدخول بھا کو تین ہوتی ہیں اور شوافع کے ہاں مطلقا جو نیت کرے وہ ہوتی ہے۔

قانون کا موقف......مصر اور شام کے قانون میں جمہور کی رائے کو لیا ہے طلاق رجعی اور بائن کے سلسلہ میں چنانچہ دفعہ ۹۴ شام کے قانون میں درج ذیل تصریح ہے ہر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے سوائے ان کے جو تین کو مکمل کردیں اور طلاق قبل الدخول اور بدل پر طلاق اور اس قانون میں جس میں بائن کی تصریح ہے اور جس کے بائن ہونے کی اس قانون میں تصریح ہے وہ یہ ہیں قاضی کا فیصلہ عیب یا علت کی وجہ سے یا زوجین میں ناچاقی وغیرہ کی وجہ سے۔ اور یہ کہنا کہ یہ طلاق رجعی ہے یہ حنفی مذہب کے مخالف ہے کیونکہ کنایہ طلاق ان کے ہاں بائن ہے سوائے تین الفاظ کے اور شام کے قانون کی دفعہ ۹۳ میں تصریح ہے کہ کنایہ طلاق میں مدار نیت ہے کہ الفاظ صریحہ سے عرفی طور پر طلاق واقع ہوگی نیت کی ضرورت نہیں اور کنائی الفاظ سے جن میں طلاق کا احتمال ہے نیت سے طلاق ہوگی اور یہ مالکیہ اور شوافع کی رائے پر عمل ہے جو طلاق کنایہ کو نیت سے واقع کرتے ہیں نہ دلالت حال سے برخلاف حنفیہ، حنابلہ کے جو نیت قرائن اور دلالت حال سے واقع کرتے ہیں یہی مصری قانون میں معمول بہ ہے دفعہ نمبر ۴ قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۹ میں درج ذیل تصریح ہے کنایات طلاق وہ ہیں جو طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور غیر کا بھی ان سے صرف نیت سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں اور پانچویں دفعہ میں یہ تصریح ہے ہر طلاق رجعی ہے سوائے اس کے جو تین کو مکمل کردے اور طلاق قبل الدخول مال پر طلاق اور اس قانون میں جس کے بائن ہونے کی تصریح ہے وہ بائن ہے قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۹ اور

---

(۱)......القوانين الفقهية ص ۲۲۶ الشرح الصغير: ۲/ ۵۲۶، ۵۶۔ (۲) مغنی المحتاج: ۳/ ۲۹۴ المغنی ۷/ ۱۲۷۔

۱۹۲۹ کے قانون میں جو بائن کی تصریح ہے وہ یہ کہ تفریق جو قاضی کرئے یا زوجین کے درمیان ناچاقی ہو شوہر کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے یا اسے طویل مدت تک گرفتار رکھنے کی وجہ سے۔اور ۱۹۲۰ کی قانون میں بائن طلاق کی تصریح یہ ہے کہ قاضی کا تفریق کرنا آدمی کے عیوب کی وجہ سے مثلاً جنون جذام مرض وغیرہ جو حنیفہ کے ہاں راجح ہیں اور عنین مجبوب اور خصی ہو وغیرہ پر قانون فقہ سے متعلق ہے لیکن مصری اور شامی دونوں قانون عدد کے ساتھ تین طلاقیں دینے میں مذاہب اربعہ کے مخالف ہیں مذاہب اربعہ میں تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں اور اس قانون میں ایک۔مصر کے ۱۹۲۹ کے قانون میں تیسری دفعہ میں تصریح ہے اور قانون شامی میں دفعہ نمبر ۹۲ میں کہ وہ طلاق جو عدد کے ساتھ ہو لفظاً یا اشارۃ اس سے ایک ہی ہوتی ہے۔

طلاق رجعی اور بائن کا حکم......طلاق رجعی اور بائن چند احکام میں مشترک میں جو یہ ہیں مطلقہ کی عدت کا نفقہ واجب ہے اور طلاق دینے والے سے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے اور دوسرا شوہر اگر مطلقہ اس سے نکاح کرے پہلی طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے۔چاہے طلاقیں تین ہوں یا کم امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں اور باقی فقہاء کے ہاں تین کو تو دوسرا شوہر ختم کر دیتا ہے لیکن کم کو ختم نہیں کر سکتا وہ عورت پہلے کے نکاح میں نئے ازدواجی تعلق کے ساتھ لوٹے گی اور وہ اس میں تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور طلاق رجعی چند احکام میں بائن سے مختلف ہے۔ ❶

طلاق رجعی کا حکم......فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلاق رجعی کے کچھ آثار ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱......طلاق کی تعداد کم ہو جاتی ہے اس طلاق کی وجہ سے شوہر جب تعدد طلاق کا مالک تھا وہ کم ہو جاتی ہیں اگر شوہر بیوی کو طلاق رجعی دے تو اس کے پاس دو طلاقیں اور باقی رہ جاتی ہیں اور اگر ایک اور دے دے تو پھر اس کے پاس ایک طلاق رہ جاتی ہے۔

۲......عدت ختم ہونے پر ازدواجی تعلق ختم ہو جاتا ہے اگر شوہر طلاق رجعی دے دے اور عدت گذر جائے وہ رجوع نہ کرے تو عدت کے ختم ہونے پر وہ بائن ہو جاتی ہے اور اس موقع پر مہر مؤجل دینا پڑتا ہے۔

۳......عدت میں رجوع کا ممکن ہونا طلاق دینے والا باتفاق قول سے مطلقہ بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اسی طرح حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں دوران عدت فعل سے بھی رجوع کر سکتا ہے جب عدت ختم ہوگئی تو وہ اس سے جدا ہوگئی اب وہ رجوع کا مالک نہیں رہا سوائے عورت کی اجازت کے اس کی اجازت سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

۴......رجوع والی عورت سے مرد کی طلاق ظہار ایلاء لعان ملحق ہوتے ہیں اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے بالاتفاق اگر شوہر اس سے خلع کرے تو حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں خلع صحیح ہے کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے اس کی طلاق درست ہے لہٰذا خلع بھی درست ہے جیسا کہ طلاق سے پہلے درست ہوتا ہے اور خلع کا مقصد تحریم نہیں بلکہ شوہر کی مضرت اور تکلیف سے خلاصی پانا ہے اور اس کے نکاح سے جو سبب ہے اس کا اور نکاح باقی رہتا ہے اور رجوع سے مامون نہیں۔اور امام شافعی کے ہاں اظہر یہ ہے کہ رجوع والی عورت سے عدت کے دوران خلع صحیح ہے کیونکہ وہ بیوی کے حکم میں ہے کئی احکام میں۔ ❷

۵...... شوافع اور مالکیہ کے ہاں عورت سے استمتاع حرام ہے جبکہ اسے طلاق رجعی دی گئی ہو وطی کرنا دیکھنا اگر چہ بغیر شہوت ہی کے کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کی جدائی بائن کی طرح ہے۔اس لیے بھی کہ نکاح استمتاع کو مباح قرار دیتا ہے اور طلاق حرام کرتی ہے، کیونکہ یہ اس کی ضد ہے لیکن اگر شوہر نے وطی کر لی تو اس پر کوئی حد نہیں اور نہ ہی کوئی تعزیر ہے یہ میرے ہاں حق ہے۔حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں طلاق رجعی میں وطی حرام نہیں لہٰذا رجعیہ سے استمتاع جائز ہے اگر چہ وطی ہی سے کیوں نہ ہو اور اس پر کوئی حد نہیں کیونکہ مباح ہے البتہ خلوت مکروہ تنزیہی ہے۔

---

❶...... الدر المختار ۲:۶۴۵ القوانين الفقهية ۲۲۶ المغنی:۷/۲۷۹ غاية المنتهى ۳/۱۸۰ شرح الصغير:۲/۲۰۶۔ ❷المغنی المحتاج:۳/۲۹۵۔

اس حوالے سے حنفیہ کی عبارات یہ ہیں طلاق رجعی نہ تو ملکیت کو زائل کرتی ہے اور نہ ہی حلت استمتاع کو جب تک کہ عورت عدت میں ہو اور ملک کا مطلب یہ ہے کہ استمتاع حلال ہے اور تمام ازدواجی حقوق بھی اور حل سے مقصد یہ ہے کہ مطلقہ طلاق دینے والے کے لیے حلال ہے اور اس پر اسباب تحریم میں سے کسی سبب سے حرام نہیں۔

طلاق بائن کا حکم:

پہلی صورت: بینونت صغریٰ......درج ذیل صورتوں میں طلاق بائن صغری کا اثر بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے۔

۱......ملک کا زائل ہونا نہ کہ حلت کا، استمتاع مطلقاً حرام ہے اور خلوت بھی طلاق کے بعد اور عورت سے رجوع کا حق نہیں رہتا سوائے عقد جدید کے البتہ حل باقی ہے چاہے عدت میں ہو یا عدت کے بعد عقد جدید سے۔

۲......طلاق رجعی کی طرح اس سے بھی طلاق کی تعداد کم ہوتی ہے۔

۳......مہر مؤجل ادا کرنا پڑتا ہے دو اجلوں میں سے ایک پر موت یا طلاق۔

۴......زوجین میں اس کی وجہ سے وراثت جاری نہیں ہوتی جبکہ ایک دوران عدت مر جائے تو دوسرا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ طلاق بائن ہوتے ہی زوجیت کو ختم کر دیتی ہے الّا یہ کہ طلاق مرض موت میں دی ہوئی ہو اور قرینہ موجود ہو کہ شوہر بیوی کو میراث سے محروم کرنا چاہتا ہے پس اس صورت میں جمہور کے ہاں سوائے شافعیہ کے اگر شوہر عدت میں مر گیا تو وہ وارث ہوگی اور مالکیہ کے ہاں عدت کے بعد بھی مرے تو وارث ہوگی یہ طلاق فرار ہے۔

۵......دوران عدت حنفیہ کے ہاں طلاق بائن کو طلاق صریح ملحق ہو سکتی ہے اور بائن بھی صریح کو لاحق ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ عدت میں ہو الّا یہ کہ دوسری طلاق لفظ کنایہ سے ہو جو بینونت اولیٰ کی خبر دیتا ہے۔

دوسری قسم بینونت کبری یہ ملکیت اور حلت دونوں کو اکٹھے زائل اور ختم کرتی ہے۔

اور زوجیت کے اثرات میں سے صرف عدت اور اس کے توابع باقی رہتے ہیں اور اس کے ذریعہ مہر مؤجل فی الفور ادا کرنا پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے الا یہ کہ طلاق فرار ہو شافعیہ کے علاوہ کے ہاں اور اس طلاق کے ذریعہ بیوی شوہر پر مؤقت طور پر حرام ہو جاتی ہے اور اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس سے حقیقت میں ہمبستری بھی کر لے پھر اسے طلاق دے دے یا مر جائے اور اس کی عدت بھی گذر جائے بینونت کبریٰ صغریٰ کی طرح ہے سوائے دو چیزوں کے:

۱......یہ کہ بینونت کبری میں بالاتفاق عورت طلاق کا محمل نہیں رہتی۔

۲......یہ کہ بینونت کبری میں عورت کے لیے ممکن نہیں کہ وہ پہلے شوہر کے لیے بغیر حلالے کے حلال ہو۔

شام کے قانون میں طلاق رجعی اور بائن کا حکم......دفعہ نمبر ۱۱۸ میں طلاق رجعی کے حکم اور عدت کے ختم پر اس کے بائن ہو جانے کی تصریح اس طرح ہے:

۱......طلاق رجعی سے زوجیت زائل نہیں ہوتی اور شوہر کو مطلقہ سے دوران عدت رجوع کا حق حاصل ہے چاہے قول سے کرے یا بالفعل کرے اور یہ حق ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

۲... طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے سے رجوع ختم ہو جائے گا اور عورت بائنہ ہو جائے گی۔ اور اسی قانون میں دفعہ ۱۱۹ میں طلاق بائن

کے آثار کی بھی تصریح ہے: طلاق بائن جوتین طلاقوں سے کم ہو وہ فی الحال زوجیت کو زائل کر دیتی ہے البتہ عقد نکاح کی تجدید کی جاسکتی ہے اور دفعہ ۱۲۰ میں بینونت کبریٰ کے حکم کی تصریح ہے کہ وہ طلاق جوتین طلاقوں کو مکمل کر دے فی الحال زوجیت کو ختم کر دیتی ہے اور تجدید نکاح بھی نہیں ہوسکتا جب تک دفعہ ۳۶ میں ذکر کردہ شرائط نہ پائی جائیں اور دفعہ نمبر ۳۶ کی تصریح یہ ہے:

۱...... شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کرے الا یہ کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے وہ دخول حقیقی کرے پھر اس کی عدت گزرے۔

۲...... دوسرے شخص سے مطلقہ کا نکاح کرنا پہلے شوہر کی طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے اگر چہ وہ تین سے کم ہی ہوں اگر دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آئی تو وہ تین نئی طلاقوں کا مالک ہوگا۔

طلاق کی تقسیم منجز معلق اور مستقبل کی طرف مضاف...... طلاق کے صیغہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا تعلق اضافت اور عدم تعلق پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں منجز معلق اور مضاف۔ ❶

پہلی قسم: طلاق منجز یا معجّل...... وہ طلاق ہے جو فی الحال دی جائے جیسے شوہر بیوی سے کہے تجھے طلاق ہے یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھے طلاق دے دی اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فوراً واقع ہو جائے گی اور طلاق کے آثار اس پر مرتب ہوں گی صرف الفاظ ادا کرتے ہی جبکہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل بھی ہو اور بیوی محل طلاق بھی ہو۔

دوسری قسم: طلاق مضاف...... وہ طلاق جسے مستقبل میں کسی چیز کے حصول کی طرف مضاف کیا ہو جیسے شوہر کہے تجھے کل طلاق ہے یا فلان مہینے کے شروع میں یا فلاں سال کے شروع میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس وقت کے پہلے جزو میں طلاق واقع ہو جائے گی جس کی طرف اسے مضاف کیا ہے۔ اگر عورت اس وقت محل ہو وقوع طلاق کی اور مرد طلاق واقع کرنے کا اہل ہو کیونکہ اس نے بعد کے وقت میں طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے نہ کہ فی الحال۔ پس اس کا یہ کہنا تجھے کل طلاق ہے تو کل کے پہلے جزو میں طلاق واقع ہوگی جو کہ طلوع فجر کا وقت ہے۔ اور اس کا کہنا تجھے رات کو طلاق ہے تو جب دن گذر گیا طلاق ہو جائے گی تو غروب شخص کے وقت طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ اسی سے دن کا گذرنا متحقق ہوگا اگر کہا دن کے وقت تو اسی وقت کے مثل دوسرے دن طلاق واقع ہوگی اگر بیوی سے کہا تجھے فلاں مہینے میں طلاق ہے مثلاً رمضان میں تو اس مہینے کی پہلی رات کے پہلے جزو میں طلاق ہوگی اور وہ اس مہینے سے پہلے مہینے کے آخری دن کے سورج غروب ہونے کے وقت طلاق ہوگی۔

اگر کہا تجھے گذشتہ کل طلاق ہے یا تجھے نکاح سے پہلے طلاق ہے اور اس نے فی الحال طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا تو حنفیہ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں فی الحال طلاق واقع ہوگی اور گذشتہ کل کی طرف نسبت لغو ہوگی کیونکہ ماضی میں انشاء فی الحال ہوتی ہے اور امام احمد کا ظاہری کلام یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی اگر نیت نہ ہو اور اگر اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ پہلے طلاق دے چکا یا پہلے سے طلاق پائی گئی یا نہ پائی گئی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا تجھے طلاق ہے میرے پیدا ہونے سے پہلے یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے یا میں نے تجھے طلاق دی تھی جب میں بچہ تھا یا سویا ہوا تھا یا مجنون تھا تو یہ لغو ہے کیونکہ اس کا حاصل طلاق کا انکار ہے یہی رائے ہے حنفیہ شوافع اور حنابلہ کی کہ اگر کہا تجھے میرے مرنے سے دو ماہ یا زیادہ پہلے طلاق ہے اور وہ دو ماہ گذرنے سے پہلے مر گیا تو طلاق نہ ہوگی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ماضی میں طلاق

---

❶...... فتح القدير: ۲۲/۳، ۲۱، ۱۴۳ البدائع: ۱۵۷/۳ الدر المختار: ۶۰۶/۲ اللباب: ۴۶/۳ القوانين الفقهية ۲۳۱ الشرح الصغير ۵۷۶/۲ مغنى المحتاج: ۳۰۲/۵۳ المهذب ۹۶.۸۶/۲ غاية المنتهى ۱۴۷/۳ المغنى: ۱۶۴/۷ كشف القناع: ۳۳۳/۵ بداية المجتهد ۷۸/۲ المحلى: ۲۶۴/۱۰ مسالة: ۱۹۷۳۔

واقع نہیں ہوتی اور اگر دو ماہ گذر گئے پھر ان کے بعد فوراً ہی مر گیا تو طلاق ہو جائے گی اول مدت کی طرف نسبت کرتے ہوئے نہ کے موت کے وقت اور طلاق کا فائدہ یہ ہے کہ عورت کے لیے میراث نہ ہو اس لیے کہ عدت دو ماہ میں پوری ہو گئی تین حیضوں کے ساتھ حنفیہ اور ان کی موافقت کرنے والوں کے ہاں۔ اگر کہا تجھے میری موت سے پہلے طلاق ہے اور کچھ نہ کہا تو فی الحال طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ اپنی موت سے پہلے جو طلاق کا عقد کرے اور طلاق کا محل بھی ہو تو شروع میں طلاق واقع ہو گی۔ اور اگر اپنی بیوی سے کہا زید کے ایک مہینے سے پہلے آنے پر تجھے طلاق ہے اگر وہ مہینے کے بعد آیا تو طلاق واقع ہو گی یہ مہینے سے پہلے کی طرف نسبت ہوتے ہوئے شوافع اور حنابلہ کے ہاں واقع ہو گی اس لیے کہ اس کا قول عقد کے بعد طلاق واقع ہونے پر دال ہے اس لیے کہ اس نے طلاق واقع کی ہے وقت میں ایسی صفت پر کہ اس وقت میں وہ صفت حاصل ہے جیسے کہے تجھے رمضان آنے سے ایک مہینہ پہلے طلاق ہے یا تیری موت سے ایک ماہ پہلے۔ امام زفر کے علاوہ حنفیہ کے ہاں طلاق زید کے آنے پر ہو گی کیونکہ مہینہ اس نے شرط رکھا ہے وقوع طلاق کے لیے لہٰذا طلاق شرط سے پہلے نہیں ہو سکتی۔

تیسری قسم: طلاق معلق......وہ طلاق ہے جس کا حصول مستقبل میں کسی امر کے حصول پر مرتب ہو ادوات شرط کے ساتھ تعلیق مثلاً **ان اذا متی لو** وغیرہ الفاظ سے جیسے آدمی اپنی بیوی سے کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے یا جب تو نے اپنے شہر کی طرف سفر کیا تو تجھے طلاق ہے اگر تو میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے جب تو فلاں سے بات کرے گی تو تجھے طلاق ہے۔ اس تعلیق کو مجازاً یمین کہتے ہیں اس لیے کہ تعلیق حقیقت میں وہ شرط اور جزاء ہے پس یمین کا اس پر اطلاق مجازاً ہے کیونکہ اس میں سببیت کا معنی ہے نیز یہ حلف کے ساتھ معنی مشہور میں شریک ہے یعنی ابھارنے روکنے اور صبر کی تائید کے معنی میں پھر تعلیق یا تو لفظی ہوتی ہے اور وہ وہ ہے جس میں حروف شرط صراحتاً مذکور ہوں مثلاً ان اذا (اگر جب) یا معنوی ہوتی ہے اور وہ ہے جس میں حروف شرط صراحتاً مذکور نہ ہوں بلکہ معنوی اعتبار سے موجود ہوں جیسے شوہر کا کہنا: **علی الطلاق لافعلن کذا** میں فلاں کام کروں تو میرے اوپر طلاق ہے یا میں فلاں کام نہیں کروں گا، طلاق مجھے لازم ہے میں فلاں کام نہیں کروں گا۔ عرف کے اعتبار سے اس کا مقصد طلاق لازم ہونا ہے اگر محلوف علیہ حاصل ہو یا حاصل نہ ہو۔

معلق علیہ شرط کی قسمیں......وہ شرط جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے یا تو وہ امر اختیاری ہو گا جس کا کرنا یا اس سے رکنا ممکن ہو گا یا پھر وہ امر غیر اختیاری ہو گا اگر شرط اختیاری ہو اس کا ہونا یا نہ ہونا ممکن ہو پھر یا تو وہ شوہر کے افعال میں سے کوئی فعل ہو گا۔ مثلاً میں اگر فلان کے گھر گیا یا میں نے فلان سے بات کی تو میری بیوی کو طلاق یا میں نے کل فلان کا حق ادا نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق پہلی مثال میں تعلیق گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ہے اور دوسری مثال میں تعلیق دین ادا کرنے سے متعلق ہے۔

یا وہ بیوی کے افعال میں سے کوئی فعل ہو گا مثلاً اگر تو نے سفر کیا یا تو فلان کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اور اس کے فعل کہ اگر تو چاہے تو تجھے طلاق۔ اس وقت تک طلاق نہ ہو گی جب تک وہ سفر نہ کرے یا گھر میں داخل ہو یا چاہے۔ یا وہ زوجین کے علاوہ کسی اور کا فعل ہو گا مثلاً اگر تیرے بھائی نے سفر کیا تو تجھے طلاق اور اگر شرط غیر اختیاری ہو انسان کے اختیار میں نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی تعلیق کی طرح ہے اور طلوع شمس فلان کی موت یا مہینے کے داخل ہونے اور فلانہ کے بچہ جننے وغیرہ کی طرح ہے۔

تعلیق کی شرطیں......صحت تعلیق کے لیے درج ذیل شرائط ہیں یہ کہ شرط معلق علیہ کی طلاق معدوم ہو اور علی خطر الوجوہ ہو یعنی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے وہ کام نہ ہو اگر وہ موجود ہو تو طلاق منجز ہو گی مثلاً اگر تو گذشتہ کل نکلی تو تجھے طلاق ہے اور وہ نکل چکی تھی تو اسے فی الحال طلاق ہو جائے گی اور اگر معلق علیہ شرط عادت کے اعتبار سے محال ہو جیسے اڑنا اور آسمان کی طرف چڑھنا مثلاً اگر تو آسمان پر چڑھی تو تجھے طلاق، اور اسی قسم میں داخل ہے اللہ کی مشیت کی تعلیق بایں طور کہے اگر اللہ نے چاہا تو تجھے طلاق ہے تو حنفیہ کے ہاں طلاق واقع نہ ہو گی اس لیے کہ تعلیق درست نہیں اور یمین لغو ہے اور حنفیہ کی موافقت کی ہے باقی مذاہب والوں نے عادۃً محال ہونے کی تعلیق میں۔ اور اسی طرح حنفیہ کی موافقت

کی ہے مالکیہ شوافع اور ظاہریہ نے اللہ کی مشیت کی تعلیق میں بھی اگر تعلیق کا ارادہ کرے تو طلاق نہ ہوگی اور حنابلہ کے ہاں طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ جس پر اطلاع ممکن نہ ہو وہ منجز کی طرح ہے فی الحال واقع ہوگی اور تعلیق کا حکم ساقط ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی سے کہے: انت طالق ان شاء اللّٰہ تو اسے طلاق ہوگی ابن عمرؓ اور ابوسعیدؓ نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گروہ ہیں ہم ہر چیز میں استثناء کو جائز سمجھتے ہیں سوائے طلاق کے اور عتاق کے اور شوافع نے ذکر کیا ہے اگر اس نے کہا۔

یا طالق ان شاء اللہ اصح قول کے مطابق اس سے طلاق واقع ہوگی صورت ندا کو دیکھتے ہوئے جو اس حالت میں حصول طلاق کی طرف مشعر، ہے حاصل یہ ہے کہ یہ تعلیق نہیں برخلاف انت طالق ان شاء اللہ کے کہ اس سے تعلیق کا ارادہ کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

میرے ہاں حنابلہ کے علاوہ باقی ائمہ کی رائے اصح ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جو یمین پر حلف اٹھائے اور کہے ان شاء اللہ تو اس پر حنث نہیں۔

۱.....اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے جس نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ان شاء اللہ یا اپنے غلام سے کہا انت حر ان شاء اللہ یا کہا میرے اوپر بیت اللہ کی طرف پیدل چلنا ہے ان شاء اللہ تو اس پر کچھ بھی نہیں۔ ❶

۲.....معلق علیہ اس حال میں حاصل ہو کہ عورت وقوع طلاق کا محل بھی ہو بایں طور کہ وہ بالفعل زوجیت کے محل میں ہو یا حکماً یعنی عدت کے دوران ہو باتفاق الفقہاء یا حنفیہ کے ہاں بنیونت کبریٰ کی عدت میں ہو برخلاف باقی مذاہب کے اگر آدمی نے کسی اجنبی عورت کو کہا جب فلاں سے بات کرے تو تجھے طلاق اس نے اس سے بات کر لی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اسی طرح طلاق واقع نہ ہوگی اگر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا پھر فلان سے بات کی اس لیے کہ تعلیق کے وقت وہ طلاق کا محل نہ تھی۔ اگر اس نے طلاق رجعی والی مطلقہ بیوی کو دوران عدت کہا اگر تو نے فلان سے بات کی تو تجھے طلاق اور اس نے عدت میں بات کر لی تو تمام فقہاء کے ہاں طلاق واقع ہوگی اور حنفیہ کے ہاں طلاق بائن صغریٰ کی مدت میں بھی ہوئی تو طلاق ہوگی البتہ باقی مذاہب کے ہاں اس صورت میں طلاق نہ ہوگی اور معلق علیہ کے پائے جانے کے وقت شوہر کا طلاق واقع کرنے کا اہل ہونا شرط نہیں اگر اس نے طالق معلق دی پھر مجنون یا معتوہ ہو گیا اور معلق علیہ (شرط) پائی گئی تو طلاق واقع ہوگی اس لیے کہ یہ الفاظ ان کے اہل سے تمام شروط کے پائے جانے کے وقت نکلے ہیں لہٰذا ان کا اثر بھی مرتب ہوگا۔

طلاق معلق یا طلاق کی یمین کا حکم......یمین طلاق یا طلاق معلق کے بارے میں فقہاء کے اقوال ہیں: ❷ مثلاً اپنی بیوی کی طلاق کو مستقبل میں کسی کام پر معلق کرے اور معلق علیہ (شرط) پائی جائے مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے یا مثلاً تو نے زید سے بات کی یا فلاں سفر سے آ گیا تو تجھے طلاق ہے آج کل کے عرف میں کہتے ہیں اگر تو اپنے اہل کے گھر گئی تو میرے اوپر طلاق ہے یا تو نے سفر کیا یا تو نے بچی جنی یا میرے اوپر طلاق ہے اگر میں دوسری شادی نہ کروں وغیرہ۔

۱.....آئمہ اربعہ کے ہاں جب شرط پائی جائے تو طلاق معلق واقع ہوگی چاہے وہ زوجین میں سے کسی کا فعل ہو یا کوئی سماوی چیز ہو اور چاہے تعلیق قسمی ہو یعنی کسی فعل پر ابھارنے یا ترک کرنے یا خبر کی تاکید کے لیے ہو یا وہ شرطی ہو یعنی اس جزاء کا حصول مقصود ہو جب شرط پائی جائے۔

۲.....ظاہریہ اور شیعہ امامیہ (جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں) کے ہاں طلاق معلق جب شرط پائی جائے تو بالکل واقع نہیں ہوتی چاہے بطور قسم ہو یا بطور قسم نہ ہو ❸ ابن تیمیہ اور ابن القیم کے ہاں تفصیل ہے کہ اگر تعلیق قسمی ہے یا بطور یمین ہے اور شرط پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی البتہ

❶.....رواه اصحاب السنن الاربعة وقال الترمذی حدیث حسن (نصب الراية ۳/۲۳۴) ❷اخرجه ابن عدی وهو معلول باسحاق الكعبی (نصب الراية ۳/۲۳۵) ❸فتح القدير: ۴/۶۷ القوانين الفقهية: ۲۳۱ مغنی المحتاج: ۳/۳۱۴ المغنی: ۷/۱۷۸ المحلی: ۱۰/۲۵۸،

ابن تیمیہ کے ہاں قسم کا کفارہ ادا کرے گا اور ابن قیم کے ہاں کوئی کفارہ نہیں اور اگر تعلیق شرطی ہو یمین نہ ہو تو پھر شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق واقع ہوگی۔

دلائل:

پہلے قول کے دلائل......ائمہ اربعہ کتاب اللہ سنت رسول اور معقول سے استدلال کرتے ہیں۔

۱.....کتاب اللہ میں سے ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جو طلاق کی مشروعیت اور یہ معاملہ زوج کے سپرد ہونے پر دال ہیں:

الطلاق مرتان (البقرۃ:۲/۲۲۹) اس آیت میں معلق اور منجز میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور کسی چیز کے ساتھ واقع ہونے کو مقید نہیں کیا گیا اور مطلق کے ساتھ معاملہ اطلاق کا ہی کیا جاتا ہے۔ پس شوہر کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے طلاق واقع کرے منجز مضاف معلق بطور یمین یا شرط۔

۲.....سنت سے استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق ہیں سے بھی ہے اور بہت سارے واقعات ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں پیش آئے ان میں سے ایک روایت وہ ہے جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکلنے پر طلاق البتہ دے رکھی تھی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر عورت گھر سے نکلی تو شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اگر نہ نکلی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا اگر میں نے فلاں فلاں کام کیے تو وہ طلاق ہے پھر اس نے وہ کام کر دیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک ہی طلاق ہے اور شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب ان کی بیوی نے ان سے جمعہ کے بارے میں اس وقت کا سوال بار بار کیا کہ جس ساعت میں اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اگر تو نے دوبارہ سوال کیا تو تجھے طلاق ان احادیث میں ایک روایت وہ ہے جسے ابن عبد البر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ فرماتی ہیں ہر قسم اگر چہ وہ بہت بڑی ہو اس میں کفارہ ہے سوائے عتق اور طلاق کے۔ اور ایک روایت جسے بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے ایک سال تک طلاق ہے تو ابن عباسؓ نے فرمایا ایک سال تک یہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ یہ اثر تعلیق شرطی کا ہے اور پہلی تمام صورتیں تعلیق قسمی کے قبیل سے ہیں۔ اور حسن بصریؒ سے روایت ہے جس نے کہا اپنی بیوی سے تجھے طلاق اگر میں اپنے غلام کو نہ ماروں اور غلام بھاگ جائے تو فرمایا کہ اس عوت سے فائدہ اٹھائے اور وارث ہوں گے یہاں تک کہ وہ کرے جس کا اس نے کہا اگر غلام مر گیا اس سے پہلے کہ وہ کہی ہوئی بات پر عمل کرے تو پھر اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اور بیہقی نے ابو زناد سے اور انہوں نے اہل مدینہ کے فقہاء سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں جس بھی شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو گھر سے رات تک نکلی تو تجھے طلاق اور عورت اس کے علم کے بغیر رات سے پہلے نکل گئی تو اسے طلاق ہو جائے گی یہ تمام آثار طلاق معلق کے واقع ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ جب شرط پائی جائے تو طلاق واقع ہوگی معقول کبھی ضرورت ہوتی ہے طلاق معلق کی جیسے کہ ضرورت منجز طلاق کی ہوتی ہے عورت پر زجر کرنے کے لیے اگر عورت نے مخالفت کی گویا وہ اپنے نفس پر جنایت کرنے والی ہے اور طلاق قسمی دین مؤجل اور عتق مؤجل پر قیاس کی گئی ہے۔

دوسرے قول کے دلائل......ظاہر اور امامیہ نے اپنی بات پر استدلال کیا کہ تعلیق طلاق یمین ہے اور غیر اللہ کی قسم جائز نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے جو شخص حلف اٹھانا چاہتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کرے پھر کہتے ہیں طلاق صرف وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور قسم بھی صرف وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے دیا اور یمین طلاق کو اللہ تعالیٰ نے یمین قرار نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ الطلاق:۶۵/۱

نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں طلاق معلق کا واقع ہونا۔

اس دلیل کا رد کیا گیا ہے کہ طلاق معلق کو یمین تو مجازاً کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ اس کا بھی وہی فائدہ ہوتا ہے جو قسم کا ہوتا ہے اور وہ کسی فعل کے کرنے پر ابھارنا یا اس سے روکنا یا صبر کی تاکید وغیرہ لہٰذا حدیث مذکور طلاق معلق کو شامل نہیں اور پھر سنت میں تو طلاق معلق کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح یہ حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں جو ابن حزم اور ابن القیم نے علی اور شریح سے روایت کی ہے کہ یہ فرماتے ہیں طلاق کی قسم کوئی چیز نہیں اس کا بھی رد کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ سے حالت میں اور شریح سے معلق کے نہ پائے جانے کی صورت میں مروی ہے۔ اور طاوس سے جو مروی ہے وہ مؤول ہے کہ سنت میں ایسی کوئی چیز نہیں نہ کہ اس معنی میں کے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ہر وہ طلاق واقع نہیں ہوتی جس وقت اسے شرط یا صفت سے مقید کر دیا گیا ہو اس کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ طلاق معلق تلفظ کے وقت واقع نہیں ہوتی بلکہ شرط پائے جانے کے وقت واقع ہوتی۔ اور طلاق کو نکاح پر قیاس کرتے ہیں جیسے تعلیق نکاح درست نہیں اسی طرح تعلیق طلاق بھی درست نہیں۔ اسے بھی رد کیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ تعلیق نکاح مقصود کے منافی ہے اور طلاق مقصود کے منافی نہیں۔

تیسرے قول کے دلائل......ابن تیمیہ اور ابن القیم نے اپنی تفصیلی رائے پر استدلال کیا:

۱......طلاق معلق قسمی سے جب کسی کام کرنے پر ابھارنا یا منع کرنا یا خبر کی تاکید ہوتی ہے تو یہ یمین اور قسم کے معنی میں ہوتی ہے تو پھر یہ یمین کے احکام کے تحت داخل ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ التحریم:۶۶/۲

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ المائدہ:۵/۸۹

اگر یہ یمین شرعی نہیں تو لغو اور بیکار ہے ان دونوں پر دکیا گیا ہے کہ طلاق معلق کو نہ شرعاً یمین کہا جاتا ہے۔ نہ لغوی اعتبار سے بلکہ وہ تو بطور مجاز قسم ہے قسم شرعی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کہ یہ بھی فعل پر ابھارنے منع کرنے یا غیر کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یمین حقیقی کا حکم نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے نام یا صفات کے ساتھ حلف ہے بلکہ اس کے لیے ایک دوسرا حکم ہے کہ طلاق شرط کے پائے جانے کے وقت واقع ہو جاتی ہے۔

۲......اس لیے بھی کہ حضرت عائشہ، حفصہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین نے لیلیٰ بنت عجماء کے لیے فتویٰ دیا کے وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے جب اس نے عتق کا حلف اٹھایا تھا اور کہا تھا۔ ہر میرا مملوک آزاد ہے اور میرا سارا مال ہدیہ ہے اور وہ یہودیہ اور نصرانیہ ہے اگر اس کا غلام ابو رافع اپنی بیوی کو طلاق نہ دے یا ان میں تفریق نہ ہو پس طلاق کا حلف اس کے مثل ہے بلکہ ان سے اولیٰ ہے ان دونوں کی اس دلیل کو بھی رد کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام سے مروی احادیث وآثار تعلیق کو شمار کرنے میں اس سے اقوی ہیں اس لیے کہ ان کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۳......اس لیے بھی کہ بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ طلاق اور عتق غرض وضرورت کی وجہ سے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو یعنی طلاق تب واقع ہوتی ہے جب غرض واقع کرنے کی ہو نہ کہ وہ جس کا واقع کرنا مکروہ ہو جیسے حلف۔ اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ وطر کا معنی وہ نہیں جو تم نے بیان کیا بلکہ اس کا معنی ہے کہ مرد کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو بغیر ضرورت کے طلاق دے میری رائے میں پہلے قول دلائل کے اعتبار سے اصح ہے لیکن یہ بات یادر ہے کہ نوجوان غائب طلاق کی قسم تو ڈرانے کے لیے استعمال کرتے ہیں نہ

کہ واقع کرنے کی غرض سے اور یہ بات مجھے قول ثالث کی طرف مائل کرتی ہے خاص کر کہ مصر کے قانون میں اسے لیا گیا ہے دفعہ ۲۵ سن ۱۹۲۹ء اور شام میں بھی، مصری قانون دفعہ نمبر ۲ میں اور شامی قانون دفعہ نمبر ۹۰ میں تصریح ہے اور انہوں نے ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے کو لیا ہے کہ طلاق منجز کے علاوہ طلاق واقع نہیں ہوتی جب کہ اس سے ارادہ نہ ہو سوائے کسی کام کے کرنے یا ابھارنے یا اس سے باز رہنے کے لیے یا اسے صرف قسم کی طرح تاکید خبر کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔

مرض الموت والے مریض کی طلاق کا حکم...... میں یہاں مرض الموت والے مریض کی طلاق وغیرہ کا بیان کروں گا اور اس کی بیوی کے لیے ثبوت میراث کی شرائط اور مرض موت کے بعض فرعی احکام سے بحث کروں گا۔ ❶

مریض موت سے مقصد...... ہر وہ آدمی جس پر ہلاکت غالب ہو مرض کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اسے مرض الموت کا حکم لاگو ہے اور اس کی طلاق کو طلاق فرار کا نام دیا گیا ہے کیونکہ بیوی کی میراث سے وہ بھاگنا چاہتا ہے۔ اس کے ارادہ کو عورت کی عدت مکمل ہونے تک اس پر حنفیہ کے ہاں رد کیا جائے گا اور مالکیہ کے ہاں عدت کے ختم کے بعد بھی اور حنابلہ کے ہاں جب تک وہ شادی نہ کر لے۔

جیسا کہ حنفیہ نے فرمایا کہ مریض موت وہ ہے جسے مرض نے اتنا عاجز کر دیا ہو کہ عادت کے اعتبار سے گھر کے بھی کام وہ نہ کر سکتا ہو جیسے عالم اور فقہی کا مسجد آنے سے عاجز آ جانا اور تاجر کا اپنی دکان پر آنے سے عاجز آ جانا۔ اور عورت مریضہ وہ ہے جو گھر کے اندر کے کام کرنے سے عاجز آ جائے جیسے کھانا پکانا وغیرہ اور یہ مرض سال کے اندر تک جاری ہے اور اس کے بعد موت آ جائے پس مرض الموت سے مراد وہ مرض ہے جس میں دو چیزیں پائی جائیں۔ پہلی چیز عادی اعتبار سے اس میں غالب ہلاکت ہو دوسرا کہ اس کے بعد موت واقع ہو جائے اسی کے ساتھ ملحق ہیں وہ بھی جنہیں موت کی سزا سنائی گئی ہو اور جو کشتی میں غرق ہو رہا ہو۔

اس کا حکم...... اس کے لیے کئی احکام ہیں ان میں سے ایک یہ کہ اس کے لیے تبرع اور احسان کرنا درست نہیں سوائے ثلث مال کے اور انہی میں سے ہے اس کی طلاق کا نافذ ہونا اور دوران عدت ہی ان کے انتقال کی صورت میں اس کی بیوی کا وارث ہونا اس کی طلاق کے حکم کی تفصیل درج ذیل ہے: تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مریض آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق تندرست آدمی کی طرح نافذ ہے اگر اسی مرض میں مر گیا تو اگر طلاق رجعی کی عدت میں عورت ہے تو وہ وارث ہوگی جیسا کہ تندرستی کی حالت میں اس صورت میں وارث ہوتی ہے اس لیے کہ رجعیہ عورت کو شوہر کی طلاق ظہار اور ایلاء ملحق ہوتے ہیں اور وہ اسے اس کی رضا مندی کے بغیر بھی رجوع کر کے رکھ سکتا ہے۔ جس میں نہ ولی نہ گواہ اور نہ مہر کی ضرورت۔ لیکن اگر اس تندرستی کی حالت میں طلاق بائن یا رجعی دے دی اور عدت ختم ہونے پر وہ اس سے بائنہ ہوگئی تو بالاجماع ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اس بات پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ آدمی نے جب مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی پھر وہ عورت مر گئی اگرچہ دوران عدت ہی مرے لیکن شوہر وارث نہیں ہوگا۔

البتہ اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ شوہر مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دے اور پھر شوہر دوران عدت مر جائے تو کیا بیوی وارث ہوگی یا نہ یہی بات یہاں محل بحث ہے اور یہی طلاق فرار کا حکم ہے۔

جمہور (حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور امامیہ) کے ہاں عورت وارث ہوگی اور امام شافعی کے قول جدید کے مطابق وارث نہ ہوگی اور ظاہریہ کے ہاں مریض کی طلاق تندرست کی طلاق کی طرح ہے اس میں کوئی فرق نہیں اگر شوہر مر گیا یا بیوی مر گئی تو تین طلاقوں کے بعد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ ہی طلاق رجعی میں عدت کے بعد۔

---

❶ ......فتح القدیر: ۳/ ۱۵۰ الدر المختار: ۲/ ۷۱۵۔۷۲۳ اللباب: ۳/ ۵۲ القوانین الفقهیة: ص ۲۲۸ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۹۴ المغنی ۶/ ۳۲۹ المختصر النافع فی فقه الامامیه ۲۲۳ المحلی ۱۰/ ۲۲۶ مساله: ۱۹۷۶۔

دلائل......امام شافعی نے استدلال کیا کہ طلاق بائن کی عدت گذرانے والی بیوی اپنے شوہر کی وارث نہیں ہوگی جس نے طلاق دی ہے کیونکہ طلاق بائن کی وجہ سے زوجیت کے آثار منقطع ہوگئے اور سبب زائل ہونے کے بعد میراث ثابت نہیں ہوتی برخلاف طلاق رجعی کی عدت والی مطلقہ وہ تو بالاتفاق وارث ہوگی کیونکہ زوجیت کے آثار باقی ہیں۔

جمہور نے ایک اثر اور ایک معقول سے استدلال کیا ہے......اثر تو یہ کہ عثمان (ذوالنورین) رضی اللہ عنہ نے تماضر بنت اصبغ الکلبیہ کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وارث قرار دیا جب کہ انہوں نے مرض میں انہیں (بتہ) بائنہ طلاق دی تھی اور یہ سب کام صحابہ کے سامنے ہوا اور کسی نے نکیر نہیں کی گویا یہ ان کا اجماع ہے۔اور عقلی دلیل یہ ہے کہ عورت کو طلاق دینا اس کے لیے ضرر محض ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اسے میراث سے محروم کررہا ہے لہٰذا اسے اس کے ارادہ کے خلاف سزا دی جائے گی جیسا کہ اپنے مورث کو قتل کرکرنے والے قاتل کے ارادہ کو اس کے خلاف کیا جاتا ہے لہٰذا عورت وارث ہوگی اس وقت زوجیت کی وجہ سے اس سے ضرر ونقصان کو دور کرنے کے لیے۔

وراثت کا وقت......وراثت کے وقت میں جمہور کا اختلاف ہے حنفیہ کے ہاں: شوہر اس حالت میں مرے کہ بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وہ وارث ہوسکتی ہے کیونکہ بعض احکام زوجیت باقی ہیں لہٰذا وراثت کا حق بھی باقی ہے اگر عورت کی عدت ختم ہونے کے بعد مرے۔پھر عورت کے لیے میراث نہیں کیونکہ اب ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں یہ اجنبیہ کی طرح ہوگئی اور دوران عدت امکانی صورت ہے وراثت کی کہ بعض احکام زوجیت باقی ہیں اور عدت کے ختم ہونے کے بعد امکان باقی نہیں یعنی سابقہ زوجیت کے آثار ختم ہیں مالکیہ کے ہاں وہ وارث ہوگی اگرچہ اس کی عدت ختم ہوگئی ہو اور اس نے دوسری شادی بھی کرلی ہو۔روایت ہے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہ ان کے والد نے ان کی والدہ کو حالت مرض میں طلاق دی اور مرگئے اور عدت ختم ہونے کے بعد وارث ہوئی نیز اس لیے بھی کہ میراث سے بھاگنا اس کے وارث ہونے کا سبب ہے اور یہ سبب عدت کے گذرنے سے ختم نہیں ہوتا امامیہ کے ہاں اور امام احمد کے ہاں مشہور یہ ہے کہ عدت میں اور عدت کے بعد جب تک اس نے شادی نہ کی ہو وارث ہوگی کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے نیز کیونکہ یہ مطلقہ شوہر کی وارث ہے لہٰذا اس شوہر کے سوا کسی کی وارث نہ ہوگی۔جیسا کہ تمام بیویوں میں ہوتا ہے اگر شادی کے بعد اسے وارث قرار دیا جائے تو پھر بعض حالتوں میں اسے دو شوہروں سے وراثت ملے گی اور عورت شرعاً دو کی بیوی نہیں ہوسکتی اور وارث ہونا نکاح کے حکم کی وجہ سے ہے لہٰذا دوسرے نکاح کے ساتھ اس کا جمع ہونا جائز نہیں نیز اس نے ایسا کام کیا اپنے اختیار سے جو پہلے شوہر کے نکاح کے منافی ہے لہٰذا یہ فسخ نکاح اول کے مشابہ ہے۔

میراث ثابت ہونے کی شرطیں......طلاق فرار میں عورت کے لیے ثبوت میراث کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱.....شوہر اس بیماری سے درست نہ ہوا اور کچھ مدت کے بعد مر جائے۔

۲..... بیماری ایسی خوفناک ہو کہ اس پر پابندی لگادی گئی ہو۔

۳.....طلاق بائن حقیقی ہمبستری کے بعد ہوئی ہو اگر طلاق دخول سے پہلے ہوگئی ہو اگرچہ خلوت صحیحہ ہوگئی ہو تو پھر شوہر کو فار نہیں شمار کیا جائے گا اور بیوی میراث کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اس طلاق سے عدت واجب نہیں ہوتی اور عدت کا واجب ہونا حنفیہ اور ان کے موافقین کے ہاں احتیاط کے پیش نظر ہے نسب کی محافظت کے لیے اور میراث حق مالی ہے احتیاط سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔

۴..... طلاق بیوی کی رضامندی کے بغیر ہوئی ہو یعنی شوہر کی طرف سے ہو نہ کہ بیوی کی چاہت اور اس کی وجہ سے اگر بیوی کی رضامندی سے طلاق ہوئی تو اس کے لیے میراث ثابت نہ ہوگی اور نہ ہی شوہر فار شمار ہوگا اسی بنا پر اگر طلاق تملیک یا تخییر کی وجہ سے ہو بایں طور کہ شوہر بیوی سے کہے اختیار یا خلع کرلے اور اس کے بدلے میں اسے مال دے دے اسی طرح قاضی کے فیصلہ سے تفریق ہوگی یا

شوہر میں کسی عیب کی وجہ سے پھر عورت عدت میں ہو اور وہ مر جائے تو عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ میراث کے حق کو باطل کرنے میں اس کی رضا پائی گئی۔

۵.....طلاق کے وقت بیوی شوہر سے میراث پانے کی اہل بھی ہو اور یہ اہلیت موت تک برابر رہے۔ اگر طلاق کے وقت وہ میراث کی اہل نہیں بایں طور پر وہ کتابیہ تھی اور شوہر مسلمان تو اس کے لیے میراث ثابت نہ ہوگی کیونکہ صفت فرار متحقق نہیں اور اگر طلاق کے وقت مسلمان تھی پھر موت سے پہلے اس اہلیت سے نکل گئی اور مرتد ہوگئی تو بھی وارث نہ ہوگی اس لیے کہ ارتداد کی وجہ سے میراث سے اس کا حق ساقط ہو گیا اور جمہور کے ہاں اسلام لانے کے بعد اسے یہ حق نہیں ملے گا کیونکہ ساقط لوٹتا نہیں اور مالکیہ کے ہاں امام فرماتے ہیں: اگر ارتداد کے بعد وہ دوبارہ مسلمان ہوگئی پھر اس کی عدت میں شوہر مرا تو وہ وارث ہوگی کیونکہ مرض کے دوران مطلقہ ہے لہٰذا یہ مرتد نہ ہونے کے مشابہ ہوگئی۔

مریضہ عورت کی طرف سے مرض الموت میں فرقت...... اگر فرقت اور جدائی عورت کی جانب سے ہو اور وہ حالت مرض الموت میں ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں ہلاکت یقینی ہو تو اسے شوہر کی میراث سے فارۃ قرار دیا جائے گا لہٰذا اس کے مقصود کی نقیض والا معاملہ کیا جائے گا اور شوہر وارث ہوگا اگر وہ عدت میں مرگئی تو عورت اس سے وارث نہ ہوگی اگر وہ اس کی عدت میں مر گیا اگر بیوی نے جدائی سے شوہر کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا ارادہ اسی پر رد کر دیا جائے گا اور شوہر کے لیے میراث ثابت ہوگی بایں طور کہ عورت کو خیار فسخ حاصل ہو یا وہ مرض الموت میں اپنے فعل کا ارتکاب کر لے شوہر کے اصول یا فروع کے ساتھ جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے میراث سے بھاگنے والی شمار کیا جائے گا اگر عدت ختم ہونے سے پہلے مرگئی تو اس کا شوہر اس کا وارث ہوگا اس لیے کہ جدائی عورت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں حرمت مصاہرت واجب کرنا اس طرح کہ بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے وطی وغیرہ کرے جس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اسی مرض میں اس کا باپ مر جائے تو وہ وراث ہوگا اور عورت اگر مرگئی تو وارث نہ ہوگی۔

اگر اس نے حرام میں اس کی اطاعت کی تو وہ وارث نہ ہوگی کیونکہ وہ اس میں شریک ہے، جس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا یہ خلع کے مشابہ ہے یہی حکم ہے اس صورت کا جب مریض وطی کر لے ایسی عورت سے کہ اس کی وطی سے اس کا نکاح فسخ ہوتا ہو جیسے بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے کیونکہ اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی اور وہ اگر اسی مرض میں مر گیا تو اس کی وارث ہوگی اور شوہر اس کا وارث نہ ہوگا چاہے موطوہ سے اکراھا کیا ہو یا مطاوعۃ کیونکہ اس کی اطاعت میں بیوی کے فعل کا دخل نہیں کہ اس کی میراث ساقط ہو۔ اور شوافع کے ہاں وطی حرام سے فسخ نکاح نہیں ہوتا۔ اگر مریضہ کوئی ایسا کام کر دے جب سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے جیسے اپنے شوہر کی چھوٹی بیوی کو دودھ پلانا یا اپنے چھوٹے شوہر کو دودھ پلانا یا مرتد ہو جائے اور اسی مرض میں مر جائے تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں شوہر اس کا وارث ہوگا اور شافعی کے ہاں نہیں ہوگا طلاق دینے والے مریض کا دوسری شادی کرنا: جب مریض نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر دوسرا نکاح کر لیا اور مطلقہ کی عدت ہی میں اس مرض سے مر گیا تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وہ دونوں وارث ہوں گی مالک کے ہاں میراث ساری کی ساری مطلقہ کی ہے کیونکہ ان کے ہاں مریض کا نکاح ہی صحیح نہیں۔

چھٹی بحث......طلاق یا اثبات طلاق میں شک:

طلاق میں شک......شک لغوی اعتبار سے یقین کی ضد ہے اور اصطلاحی معنی برابر طور پر تردد اور یہاں مطلق تردد مراد ہے چاہے دونوں احتمالوں میں برابر ہو یا کوئی احتمال مرجح ہو اور اس کا حکم تمام فقہاء کے اتفاق سے [1] یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور شوہر کی

[1].....البدائع ۱۲۶/۳ القوانین الفقہیۃ ۲۳۰ المھذب: ۱۰۰/۲ مغنی المحتاج: ۳۰۳/۳ کشف القناع ۳۸۱/۵ المغنی: ۲۴۷/۸۔

جانب سے طلاق میں شک نہ ہونا یہ وقوع طلاق کے حکم کی شرط ہے، اگر اسے شک ہو اس میں تو وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اس کی بیوی معزول نہ ہوگی جیسے طلاق میں شک ہو کہ طلاق دی یا نہ دی تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح یقین سے ثابت ہے اور اس کے زائل ہونے کے بارے میں شک ہے لہٰذا شک کے ساتھ اس کے ختم ہونے کا فیصلہ نہ دیا جائے گا جیسے مفقود کی زندگی جب ثابت شدہ ہے اس کے زائل ہونے میں شک واقع ہو گیا تو شک سے اس کے ختم ہونے کا فیصلہ نہ دیا جائے گا حاصل یہ کہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے شک سے ختم نہ ہوگا۔ اور جیسے طلاق کی صفت میں شک ہو کہ طلاق رجعی دی ہے یا بائن تو رجعی کا فیصلہ دیا جائے گا کیونکہ طلاقوں میں اضعف ہے لہٰذا یہی یقینی ہے اور جیسے شک ہو عدد طلاق میں تو یقینی پر بناء ہوگی اور وہ کم ہے جیسے تین طلاقوں میں شک ہو تو جمہور کے ہاں سوائے مالکیہ کے ایک طلاق کے واقع ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا جب تک یقین حاصل نہ ہو جائے اس لیے کہ جس قدر یقینی سے زیادہ ہے وہ طلاق مشکوک ہے وہ لازم نہ ہو گی جیسا کہ اصل طلاق میں شک ہو اور باقی رہیں گے تین سے کم کی صورت میں طلاق دینے والے کے احکام مثلاً رجوع کا مباح ہونا اور جب رجوع کرے تو نفقہ واجب ہوگا اور حقوق زوجیت بھی۔

مالکیہ کے ہاں: جب طلاق یقینی ہو اور عدد میں شک ہو تو جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ اس کے لیے حلال نہیں کیونکہ تین طلاقوں کا احتمال ہے۔ اگر اس نے طلاق کا حلف اٹھایا پھر اسے شک ہو گیا کہ حانث ہوا یا نہ تو مالکیہ کے ہاں فراق کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس شرط کے پائے جانے میں شک ہو گیا جس پر طلاق کو معلق کیا ہے مثلاً اگر میں فلاں کام کروں تو تجھے طلاق یا اگر میں آج فلاں کام نہ کروں تو تجھے طلاق اور دن گذر گیا اور اس کام کے کرنے میں شک ہو گیا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ نکاح یقین سے ثابت ہے لہٰذا شک سے زائل نہ ہوگا۔

اور جس نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو بذاتہ طلاق دی پھر بھول گیا یا اس پر اس کی ذات اس سے پوشیدہ ہوگئی مثلاً اندھیرے میں یا پردہ کے پیچھے طلاق دی تو شوافع کے ہاں اس کی تعین میں رجوع کیا جائے گا اور متعین کرنے سے پہلے اس کے لیے ایک بھی حلال نہ ہوگی اور وطی کرنا نہ بیان ہے نہ تعین اگر دونوں عورتیں مرگئی یا ایک مرگئی تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا تعین کے لئے وراثت کے بیان میں اگر مرگیا تو اظہر یہ ہے کہ اس کے وارث کے بیان کو قبول کیا جائے گا نہ کے اس کی تعین کو اور حنابلہ کے ہاں ان میں سے ایک کی تعین قرعہ سے کی جائے گی۔ اگر اس نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کی تعین کی اور کسی متعین کی نیت نہ کی تو شوافع کے ہاں اس کی تعین لازمی ہے اور حنابلہ کے ہاں قرعہ سے مطلقہ کو نکالا جائے گا برخلاف اس کے جس کی طرف اکثر علماء گئے ہیں عمل کرتے ہوئے حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی روایت پر نیز اس لیے بھی کہ ازالہ ملک تغلیب اور سرایت پر مبنی ہے لہٰذا عتق کی طرح قرعہ ہوگا نیز حق ایک غیر متعین کا ہے لہٰذا قرعہ سے اس کی تعین واجب ہے جیسے مرض میں غلام آزاد کرنے میں یا عورتوں میں سے ایک کے ساتھ سفر کرنے میں یا منسیہ کی طرح اور کسی ایک عورت کو بغیر قرعہ کے متعین کرنے کا وہ مالک نہیں اور قرعہ کے بعد باقی عورتوں سے وطی کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا نکاح باقی ہے اور اگر طلاق بائن ہے تو پھر قرعہ سے پہلے ان میں سے کسی ایک سے بھی وطی کرنا جائز نہیں کیونکہ احتمال ہے وہی ہو جس کا قرعہ نکلے اگر طلاق رجعی ہے تو سب سے وطی جائز ہے اور اسے رجوع بھی حاصل ہو جائے گا۔

اور اگر کہا اگر پرندہ کوا ہے تو تجھے طلاق پھر شک ہو گیا کہ کوا ہے یا نہ تو وقوع طلاق کا حکم نہ دیں گے اگر کسی اور شخص نے کہا اگر یہ پرندہ کوا نہ ہوا تو میری بیوی کو طلاق اور پرندہ کی حالت سے لاعلم رہا تو بھی طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کوا نہ ہو اصل نکاح کا باقی رہنا ہے تعلیق طلاق اس کے حکم کو تبدیل نہیں کرتی حنابلہ نے کہا جس نے پرندے کے بارے میں کہا: اگر یہ پرندہ کوا ہے تو فلاں کو طلاق یا اگر یہ کوا نہیں تو فلانہ کو طلاق پھر یہ معلوم نہیں کونسی بیوی تھی تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا اس لیے کہ مطلقہ کی پہچان متعین طور پر ممکن نہیں وہ دنوں برابر میں اور قرعہ شرعی طریقہ ہے مجہول کو نکالنے کا۔

ورع یہ ہے کہ طلاق لازم کی جائے لیکن یہ بات یاد رہے شوافع اور حنابلہ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ورع یہ ہے کہ حالت شک میں

طلاق لازم کی جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جوشبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کی (۱) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور جو شک میں نہ ڈالے اسے لے لو (۲) جسے طلاق میں شک ہو وہ رجوع کرلے اگر اسے رجوع ہو ورنہ نکاح کی تجدید کرے اگر اسے رغبت ہو یا پھر اسے فوراً طلاق دے دے تاکہ کسی دوسرے کے لیے وہ یقینی طور پر حلال ہو جائے اور جسے شک ہو عدد طلاق میں کہ تین دی یا دو تو وہ اس سے نکاح نہ کرے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور اگر شک ہو آیا تین طلاقیں دی یا کچھ بھی نہیں دی تو اسے تین طلاقیں دے دے تاکہ دوسرے کے لیے یقینی طور پر حلال ہو جائے۔

یقینی چیز پر عمل کے دلائل......شک چھوڑنے اور یقینی چیز پر عمل کرنے کے لیے اصل عبداللہ ابن زید کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جسے خیال ہوا کہ دوران نماز کوئی ناقض وضو چیز پائی گئی) تو آپ نے فرمایا اس وقت تک نہ پلٹے جب تک تو آواز یا بو نہ آجائے (۳) تو آپ نے یقین پر بناء کرنے کا حکم دیا اور شک کو چھوڑ دیا نیز اس سے بھی شک تعیین پر آ گیا لہٰذا سے چھوڑنا واجب ہے جیسے باوضو شخص کو حدث لاحق ہونے میں شک ہو یا بے وضو کو وضو کا شک۔

اسی بناء پر فقہاء نے ماسبق کو برقرار رکھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اصل طلاق میں شک واقع ہو جائے تو اس کے واقع ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے گا کیونکہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے اگر مقدار طلاق یا تعداد طلاق میں شک ہو تو جمہور کے ہاں سوائے مالکیہ کے کم کا حکم دیا جائے گا کیونکہ وہ یقینی ہے اور زیادہ میں شک ہے اور اگر شک وصف طلاق میں ہوا ہو کہ طلاق رجعی دی ہے یا بائن تو رجعی کا حکم دیا جائے گا کیونکہ وہ اضعف الطلاقین ہے لہٰذا یہی متعین ہے۔

اثبات طلاق......جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دی ہے اور شوہر انکار کر رہا ہو تو مالکیہ کے ہاں (۴) کہ اگر عورت دو عادل گواہ لے آئی تو طلاق نافذ ہوئی اور اگر ایک گواہ لائی تو شوہر کو حلف دیا جائے گا وہ بری ہو جائے گا اگر وہ حلف نہ کرے تو اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ اقرار کرے یا حلف۔ اور اگر وہ کوئی گواہ نہ لا سکی تو شوہر پر کچھ بھی نہیں البتہ اپنی طاقت کے بقدر وہ شوہر کو اپنے نفس سے روکے۔ اور اگر اس نے طلاق کا حلف اٹھایا اور عورت نے دعویٰ کیا کہ حانث ہو گیا ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

اور حنابلہ نے (۵) ذکر کیا ہے جب عورت دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ اصل یہ ہے کہ نکاح باقی رہے اور طلاق نہ ہو ورنہ وہ عورت گواہ پیش کرے اور اس میں صرف عادل گواہ معتبر ہوں گے کیونکہ طلاق مال نہیں اور نہ ہی اس سے مال مقصود ہے اور اس پر مرد مطلع ہوتے ہیں جیسے حدود اور قصاص میں۔ اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوئے تو مرد کو حلف دیا جائے گا صحیح قول کے مطابق کیونکہ حدیث میں ہے قسم منکر پر ہے۔

طلاق کی بحث سے ملحق رجوع اور حلالہ:

رجعت......پہلی بات رجعت کی تعریف مشروعیت حکم، رکن اقسام، اور احکام رجعیہ۔ (۶)

رجعت کی تعریف...... لغوی اعتبار سے ایک مرتبہ رجوع کرنا اور اصطلاحی اعتبار سے حنفیہ کے ہاں جب تک عورت عدت میں ہو تو اس کے دوران ہی رشتہ ازدواج کو برقرار رکھنا اور طلاق رجعی جیسا کہ پہلے گذر چکا مدخول بھا کو تین سے کم طلاقیں بغیر مال کے دینا جو کہ صریح

(۱) رواه البخاری ومسلم عن النعمان بن بشيرؓ (۲) رواه الترمذی وصححه (۳) متفق عليه۔ (۴) القوانين الفقهية ۲۳۱۔ (۵) المغنی ۲۵۹/۷۔ (۶) الدر المختار ۲/۷۲۷-۷۳۸ فتح القدير: ۳/۱۶۰ اللباب ۳/۵۳ القوانين الفقهية ۲۳۴ الشرح الصغير ۲/۶۰۴: ۶۱۴ الشرح الكبير: ۲/۴۱۵ مغنی المحتاج: ۳/۳۳۵ المهذب: ۲/۱۰۲ كشف القناع: ۵/۳۹۲-۳۹۵ المغنی ۷/۲۷۳ وما بعدها ۲۷۹۔

الفاظ طلاق سے ہو اور تین کا عدد ساتھ ملا ہوا نہ ہو یا بعض مخصوص کنایہ الفاظ سے (وہ اعتدیٰ استبرئی رحمک اور انت واحدۃ ہیں) اور یہ رجعت طلاق رجعی کے بعد بقاء زوجیت پر دلالت کرتی ہے اور یہ اسی کو برقرار رکھنا ہے اور کوئی نیا عقد نہیں کرنا اور نہ ہی سابقہ رستہ کا اعادہ ہے اس کے زائل ہونے کے بعد اور یہ تعریف طلاق رجعی کے ساتھ بعض احکام زوجیت کے باقی ہونے میں متفق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ......البقرہ: ۲/۲۲۸

اور ان کے شوہر انہیں واپس لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے شوہر قرار دیا ہے اور یہ ان کے درمیان زوجیت کے باقی رہنے کی مقتضی ہے۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور نے تعریف یوں کی ہے کہ مطلقہ کو جسے بائن طلاق نہ ہوگئی ہو عدت میں بغیر کسی عقد کے رشتہ ازدواج میں لوٹانا یعنی یہ رشتہ ازدواج طلاق رجعی سے ختم ہوگیا اور رجعت اسے ختم ہونے کے بعد دوبارہ لوٹاتی ہے یہ میرے ہاں راجح ہے یہ مقتضی طلاق سے متفق ہے کہ عورت کا لغوی اور عرفی اعتبار سے حرام ہونا۔

مشروعیت رجعت......رجعت مشروع ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ......البقرہ: ۲/۲۲۸

یعنی عدت کے دوران شوہر ان کے زیادہ حقدار ہیں انہیں لوٹانے کے ان ارادوا اصلاحاً۔

اگر وہ ان کی اصلاح چاہیں یعنی رجعت جیسا کہ امام شافعی اور دوسرے علماء نے فرمایا: اور فرمان تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ ......البقرہ: ۲/۲۲۹

طلاق رجعی دو مرتبہ ہے پھر یا تو معروف طریقے سے روکنا ہے یا عمدہ طریقے سے چھوڑنا ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ......البقرہ: ۲/۲۳۱

اور انہیں روکو معروف طریقے سے رد اور امساک کی تفسیر رجعت سے کی گئی ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے پاس جبرائیل آئے مجھے کہا حفصہ سے رجوع کرلو کیونکہ وہ روزہ رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہیں اور جنت میں آپ کی بیوی ہیں [1] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر کو فرمانا (عبداللہ) سے کہو اس سے رجوع کرلے جیسا کہ پہلے گذرا۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ اگر آدمی تین سے کم طلاقیں دے دے تو وہ عدت میں اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی شخص اپنی مدخول بھا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے دے تو اسے اجازت ہے کہ وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرلے چاہے عورت اس سے راضی ہو یا نہ کیونکہ حنفیہ کے ہاں اس کی زوجیت باقی ہے کیونکہ اس سے ظہار ایلاء، لعان وراثت اور ایک اور طلاق دینا جائز ہے عدت کے اندر بالاجماع۔

حکمت رجعت......رجعت کی حکمت یہ ہے کہ طلاق دینے پر وہ نادم ہوگیا اور بیوی کو واپس لے لے گا اور اختلاف کا جو سبب ہے اس کی اصلاح کروائے گا قریب کی جدائی میں جو کہ عدت ہے پس عدت گویا شوہر کو موقع فراہم کرتی ہے کہ بیوی کے معاملہ میں وہ غور کرلے اور دیکھ لے کہ خیر اور مصلحت سے زوجیت کی زندگی لوٹ آئے لہٰذا وہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلے یا پھر خیر طلاق ہی میں ہے تو اسے چھوڑ دے تاکہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور وہ اس سے جدا ہو جائے۔

رجعت کا رکن حنفیہ کے ہاں صیغہ یا فعل ہے صرف اور جمہور کے ہاں اس کے تین ارکان ہیں مرتجع زوجہ اور صیغہ فقط شوافع کے ہاں اور وطی حنابلہ کے ہاں اور فعل اور نیت مالکیہ کے ہاں۔

---

[1] ..... رواہ ابو داؤد وغیرہ باسناد حسن۔

قسمیں......رجعت کی دو قسمیں ہیں ایک طلاق رجعی سے رجعت دوسری طلاق بائن سے رجعت طلاق رجعی کی رجعت تو بالاتفاق قول سے ہو سکتی ہے اور بالفعل بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وطی وغیرہ کے ذریعے عورت سے فائدہ اٹھائے اور طلاق رجعی کے رجوع میں نہ تو نئے مہر کی ضرورت ہے نہ ولی کی نہ ہی یہ عورت کی اجازت پر موقوف ہے۔ جب عدت ختم ہوگئی تو اس کی رجعت بھی طلاق بائن کی رجعت کی طرح ہو جاتی ہے اور اس میں انہی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے جن کا نئے عقد نکاح میں محتاج ہوتا مثلاً عورت کی اجازت مہر مقرر کرنا اور ولی کا عقد کرنا جمہور کے ہاں جو کہ ولی کے وجود کو شرط قرار دیتے ہیں برخلاف حنفیہ کے اور بالاتفاق طلاق بائن والی عورت سے عقد جدید کرنا جائز ہے چاہے عدت میں ہو یا عدت کے بعد۔

عورت رجعیہ کے احکام......وہ عورت جس سے رجوع ہوا ہے اس رجوع کی وجہ سے رشتہ ازدواج میں واپس آجاتی ہے اپنے تمام حقوق کے ساتھ اور اس کے لیے بیویوں کا حکم ہے اور چند اشیاء میں یہ ان کی مخالف ہے جو درج ذیل ہیں شوافع اور مالکیہ کے ہاں عورت سے استمتاع حرام ہے لہٰذا رجعیہ عورت سے رجوع سے قبل ہمبستری اور دیکھنا وغیرہ اگر چہ بلاشہوت ہی ہو حرام ہے اس لیے کہ بائن کی طرح یہ جدا ہے نیز اس لیے بھی کہ نکاح استمتاع کو مباح قرار دیتا ہے اور طلاق اسے حرام کر دیتی ہے کیونکہ یہ اس کی ضد ہے یہی حق ہے ورنہ تو طلاق کا کوئی اثر تحریم میں نہیں رہے گا۔ اگر شوہر نے رجعیہ عورت سے ہمبستری کر لی تو اس پر کوئی حد نہیں اگر چہ حرمت کو جانتا بھی ہو کیونکہ اس کی اباحت میں علماء کا اختلاف ہے اور تعزیر بھی نہیں ہاں اگر وہ حرام ہونے کو جانتا ہو تو پھر تعزیر ہے کیونکہ اس نے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے برخلاف اس کی حلت کے معتقد کے اور جو اس کی تحریم سے جاہل ہے اسے عذر کی وجہ سے اور اسی کی مثل عورت بھی ہے کہ وطی اور استحقاق تعزیر اور سارے فائدوں میں۔ اور شوافع کے ہاں اگر عورت سے ہمبستری کر لی اور رجوع نہ کیا تو مہر مثل واجب ہے اور اسی طرح اگر مذہب کے مطابق رجوع کیا۔ مالکیہ کی رائے باوجود اس کے کہ ان کے ہاں مشہور قول کے مطابق رجعیہ سے وطی حرام ہے لیکن پھر بھی نہ مہر ہے نہ حد ہے اس وطی میں جو رجوع کی نیت سے خالی ہو کیونکہ جب تک وہ عدت میں ہے تو اس کی بیوی ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب یہ ہے کہ رجعیہ عورت سے استمتاع حرام نہیں شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا مباح ہے اور حنابلہ کے ہاں عورت کے ساتھ خلوت اور سفر کرنا مباح ہے اور عورت شوہر کے لیے زیبائش و آرائش کرے اور خوب مزین ہو کر رہے کیونکہ وہ بیویوں کے حکم میں ہے جیسے طلاق سے پہلے تھی اور ان کے ہاں باری بھی اس میں نہیں اور اس استمتاع کے مباح ہونے کی وجہ اس آیت میں اس کے شوہر کو بعل قرار دیا گیا ہے۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ......البقرۃ: ۲/ ۲۲۸

اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اسے طلاق دے۔ اور حنفیہ نے رجعیہ عورت کے لیے باری بھی ثابت کی ہے اگر اس کا مقصد رجوع کرنا ہو لیکن اگر ارادہ رجوع کا نہ ہو تو اس کے لیے کوئی باری نہیں لیکن شوہر کا اطلاع دیئے بغیر اس کے پاس جانا مکروہ ہے کہ وہ ڈر نہ جائے اگر چہ رجوع کا ارادہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر رجوع کا ارادہ نہ ہو تو پھر عورت کے ساتھ خلوت مکروہ تنزیہی ہے ورنہ مکروہ نہیں اور رجعیہ عورت بیوی کی طرح ہے نفقہ کسوہ اور رہائش کے اعتبار سے اور ایلاء ظہار، طلاق، لعان اور وراثت کے اعتبار سے بھی مرض موت اور حج کا احرام یا عمرہ کا مطلقہ رجعیہ سے رجوع کرنے سے مانع نہیں البتہ بائن سے رجوع کرنے سے مانع ہیں جیسا کہ جمہور کے ہاں حنفیہ کے علاوہ نکاح کرنے سے مانع ہیں کہ جمہور دوران احرام نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

دوسری بات: رجوع کا حق کس کو ہے اور اسقاط قبول نہ کرنے کا حق......جب تک مطلقہ عورت عدت میں ہے تو رجوع کا حق مرد کو ہے چاہے عورت رجوع سے راضی ہو یا نہ ہو کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ......البقرۃ ۲/ ۲۲۸

اور رجوع کرنے والے مرد کے لیے اس حق کو شریعت نے ثابت کیا ہے نہ تو یہ اسقاط قبول کرتا ہے اور نہ ہی تنازل اگر شوہر نے کہا میں نے تجھے طلاق دی اور مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں یا رجوع کا اپنا حق میں ساقط کرتا ہوں تو بھی شوہر کا حق رجوع ساقط نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ساقط کرنا اللہ تعالیٰ کے مشروع کیے ہوئے حکم کو تبدیل کرنا ہے اور کوئی بھی اس کا مالک نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مشروع کئے ہوئے حق کو تبدیل کر دے اور اللہ تعالیٰ نے حق رجعت کو طلاق رجعی پر مرتب فرمایا ہے آیت میں ا ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾...... البقرۃ: ۲/۲۲۹

تیسری بات: صحت رجوع کی شرائط...... رجعت میں درج ذیل شرائط ہیں: ❶

رجوع کرنے والے کی شرط یہ ہے کہ وہ نکاح کی بذات خود اہلیت رکھتا ہو۔ شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بالغ عاقل مختار ہو اور مرتد نہ ہو کیونکہ رجوع نئے نکاح کی طرح ہے پس ارتداد کی حالت میں بچپن جنون اور نشہ کی حالت میں اور مکرہ وغیرہ کا رجوع درست نہیں جیسا کہ ان حالتوں میں نکاح درست نہیں نیز اس لیے بھی کہ بچے کی طلاق یا تو لازم نہیں یا واقع نہیں ہوتی اور حنفیہ نے بچے کو رجوع کی اجازت دی ہے کیونکہ اس کا نکاح صحیح ہے ولی کو اجازت پر موقوف ہے حنابلہ اور شوافع نے مجنون کے ولی کی رجعت کی اجازت دی ہے کیونکہ یہ مجنون کا حق ہے اور عدت ختم ہونے کے ساتھ اس کے ختم ہونے کا خطرہ ہے حنفیہ نے مجنون مکرہ اور معتوہ کو رجوع کی اجازت دی ہے۔ اور بالاتفاق رجوع کرنے والی کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ حج یا عمرہ کے احرام میں نہ ہو اور نہ ہی مریض نہ ہو اس لیے کہ احرام باندھنے والا اور مریض ان میں نکاح کی اہلیت ہے صرف اتنی بات ہے کہ ان پر ایسی چیز طاری ہوئی ہے جو صحت کے لیے مانع ہے پانچ کے لیے رجوع جائز ہے لیکن نکاح جائز نہیں اور وہ محرم مریض بے وقوف مفلس اور غلام ہے۔

کس چیز سے رجعت حاصل ہوگی اس کی شرط...... شوافع کے ہاں بولنے والی کو صرف بات سے رجوع حاصل ہوگا چاہے صریح کہے یا کنایۃ صریح تو اس طرح کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا میں نے تجھے لوٹایا میں نے تجھے روکا اور ان کے معنی میں جو بھی الفاظ ہیں ہر قسم کی بولی اور لغت میں چاہے عربی جانتا ہو یا نہ اور چاہے رجوع کی اضافت اپنی طرف کرے یا نکاح کی طرف اور ظاہری طور پر رجوع کرنا ضروری ہے مثلاً کہے میں نے فلانہ سے رجوع کیا یا مضمر کہے راجعتک یا اس کی طرف اشارہ کرے میں نے اس سے رجوع کیا۔

اور کنایہ کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا اور کنایہ میں اپنی طرف یا نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے۔ اور فعل کے اعتبار سے مثلاً ہمبستری وغیرہ تو اس سے ان کے ہاں رجوع نہیں ہوتا کیونکہ یہ حرام ہے اور حرام کے ساتھ رجوع صحیح نہیں اگر شوہر نے رجعیہ بیوی سے وطی کر لی تو وہ نئے سرے سے اقرار کا شمار کرے گی وقت وطی سے۔

جمہور کے ہاں رجوع قول فعل سے حاصل ہو جاتا ہے اور فعل میں سے خلوت بھی ہے قول حنفیہ کے ہاں یا تو صریح ہوگا اگرچہ نیت نہ بھی ہو اور وہ وہ لفظ ہے جو رجوع کے علاوہ کسی معنی کا احتمال نہ رکھتا ہو مثلاً میں نے اپنی بیوی سے رجوع یا تجھ سے رجوع کیا یا تجھے لوٹایا یا تجھے روکا یا پھر کنایہ ہوگا نیت کے ساتھ یا دلالت حال کے ساتھ اور کنایہ وہ الفاظ میں جو رجوع اور خبر رجوع دونوں کا احتمال رکھتے ہوں مثلاً تو میری بیوی ہے یا تو اس وقت میرے ہاں ایسی ہی ہے جیسے پہلے بھی تھی صریح میں نیت کی ضرورت نہیں اور کنایہ الفاظ نیت یا دلالت حال کے محتاج ہوتے ہیں اور دور تک کے الفاظ میں اپنی طرف یا اپنے نکاح کی طرف اضافت شرط ہے۔ اور فعل سے رجوع کراہت تنزیہی کے ساتھ درست ہے اور وہ ہر وہ فعل ہے جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے شہوت کے ساتھ چھونا وطی کرنا اگرچہ دبر ہی میں کیوں نہ ہو باوجود یہ کہ دبر

---

❶..... البدائع ۳/۱۸۳۔۱۸۶ الدرالمختار: ۲/۷۲۸۔۷۳۲ الشرح الصغیر: ۲/۶۰۵۔۶۰۸ الشرح الکبیر: ۲/۶۱۵۔۶۱۸ القوانین الفقهية ص: ۲۳۴ مغنی المحتاج: ۳/۷۱،۳۳۵۔۳۳۷ المهذب: ۲/۱۰۲ المغنی: ۷/۲۷۴ ۲۸۰۔۲۸۵،۲۹۰۔ کشف القناع: ۵/۳۹۳۔۳۹۴

میں حرام ہے اور کسی بھی جگہ کا شہوت کے ساتھ بوسہ لینا اگرچہ وہ سویا ہوا ہو زبردستی ہو مجنون ہو معتوہ ہو اور چاہے طلاق دینے والے نے رجعت کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیونکہ اس فعل کا ہونا بیوی کے روکنے پر صراحۃً دلالت کرتا ہے نیز حنفیہ کے ہاں زوجیت باقی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے والے کو بعل (شوہر) قرار دیا ہے۔ اور بیوی کی طرف سے مذکورہ افعال میں سے کسی فعل کے ہونے سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اگر شوہر اس کی تصدیق کر دے مثلاً شہوت کے ساتھ بوسہ لینا اور وہ وارث ہوگی اس کے مرنے کے بعد اگر شہوت تھی لیکن اگر شوہر نے انکار کر دیا تو رجعت ثابت نہیں ہوتی مالکیہ کے ہاں رجعت قول فعل اور نیت سے ہو جاتی ہے پھر قول یا تو صریح ہے جیسے رجعت وغیرہ یا صریح نہیں ہوگا مَسَکْتُهَا وغیرہ اور فعل وطی وغیرہ ہے۔ اور نیت دل کی بات ہے کہ اپنے دل میں کہے میں نے رجوع کر لیا لیکن اگر صرف یہ خیال دل میں آئے کہ رجوع کرلوں تو پھر بالاتفاق رجعت نہیں ہوگی۔

اور قول کے ساتھ رجوع کی نیت بھی ضروری ہے یا فعل کے ساتھ بھی برخلاف حنفیہ کے ''کما تقدم'' کیونکہ شوہر کا تصرف قوی دلالت کا محتاج ہے کہ مطلقہ کو واپس لوٹانے کی اس میں رغبت ہے اور یہ نیت ہی سے ہو سکتا ہے اور صریح قول سے مذاق میں بھی رجوع ہو جاتا ہے کیونکہ رجوع میں مذاق بھی سنجیدگی ہے لیکن یہ رجعت مذاق والی ظاہری طور پر رجعت ہے کیونکہ نیت نہیں حاکم اس پر لازم کرے گا نفقہ اور تمام حقوق، اس سے استمتاع حلال نہیں جب تک رجعت کی نیت نہ ہو اور وہ رجوع جس میں نیت نہ ہو اس میں نہ مہر ہے اور نہ ہمبستری کی وجہ سے حد ہے اگرچہ وطی حرام ہے کیونکہ وہ بیوی کے حکم میں ہے عدت کے دوران اور حنابلہ کے ہاں اور اوزاعی کے ہاں رجوع صریح قول سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وطی سے بھی چاہے رجوع کی نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ طلاق زوال ملک کا سبب ہے اور مالک کی جانب سے وطی اس کے زائل ہونے کو روکتی ہے جیسے بائع کا اپنی مبیعہ باندی سے وطی کرنا خیار کی مدت میں اور عورت کے بوسہ لینے سے یا شہوت کے ساتھ چھونے سے یا اپنی فرج کو سامنے کرنے سے اور شوہر کا اس کی طرف شہوت سے دیکھنے سے اور خلوت سے بات چیت سے رجوع نہیں ہوتا کیونکہ مذکورہ تمام چیزیں استمتاع نہیں یعنی وطی کے معنی میں نہیں اس لیے کہ وطی تو ظاہری طور پر رجوع پر دلالت کرتی ہے برخلاف مذکورہ اشیاء کے یہی حنابلہ کے ہاں راجح ہے اور اسی طرح طلاق کے انکار سے بھی رجوع نہیں ہوتا کیونکہ یہ رجوع پر دلالت نہیں کرتا اور کنائی الفاظ سے بھی رجوع نہیں ہوتا اس لیے کہ رجعت کا مقصود فرج کا مباح کرنا ہے لہٰذا یہ کنایہ سے حلال نہیں اور بعض حنابلہ کے ہاں خلوت رجوع ثابت کرنے میں وطی کی طرح ہے کیونکہ خلوت کا حکم ان کے ہاں وطی کا حکم ہے تمام معاملات میں خلاصہ یہ کہ قول صریح سے بالاتفاق رجوع ثابت ہوتا ہے اور حنابلہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں کنایہ سے نیت کے ساتھ اور مالکیہ قول اور فعل میں نیت کو شرط قرار دیتے ہیں اور شوافع کے علاوہ باقیوں کے ہاں وطی سے بھی رجوع ہوتا ہے اور حنابلہ کے ہاں کنایہ سے نہیں ہوتا اور شوافع کے ہاں کسی بھی فعل سے رجوع نہیں ہوتا اور میرے ہاں مالکیہ کا قول راجح ہے توسط اور دلیل کے قوی ہونے کی وجہ سے۔

محل رجعت طلاق اور عدت کی شرائط...... رجعت میں یہ شرط ہے کہ عورت مدخول بھا ہو نہ کے صرف خلوت ہوئی ہو نیز نکاح صحیح کے بعد طلاق رجعی والی مطلقہ ہو اس لیے کہ نکاح فاسد فسخ کیا جائے گا چاہے بعد الدخول ہو یا قبل الدخول نیز فسخ شدہ نکاح میں رجعت نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق سے جوڑا ہے لہٰذا اسی کے ساتھ خاص ہوگی نیز طلاق بائن تو زوجیت کو فی الحال واقع ہوتے ہی ختم کر دیتی ہے پھر مطلقہ عورت اپنے معاملہ کی مالک ہوتی ہے نیز طلاق بلاعوض ہو اس لیے کہ مطلقہ بعوض اپنے نفس کی مالک ہوتی ہے اور مطلقہ ایسی ہو کہ جس کی طلاق کی تعداد پوری نہ ہوگئی ہو اس لیے کہا اگر عدد طلاق پورا ہو گیا یعنی تین طلاقیں تو پھر شوہر کا اس پر کوئی حق نہیں اور یہ کہ وہ حلت کے قابل ہو رجوع کرنے والے کے لیے مرتدہ نہ ہو پس مرتدہ سے رجوع صحیح نہیں کیونکہ حلال نہیں اسی طرح اس کافرہ سے بھی رجوع صحیح نہیں جو اسلام لے آئی اور اس کا شوہر بدستور کافر ہو حلت نہ ہونے کی وجہ سے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ عدت میں ہو پس عدت ختم ہونے کے

بعد رجوع صحیح نہیں کیونکہ جب عدت ختم ہوگئی تو طلاق بائن ہوگئی رجوع منع ہوگیا۔

رجعت کا زمانہ...... رجعت منجز ہونا شرط ہے اسے مستقبل کی کسی شرط سے معلق کرنا صحیح نہیں مثلاً میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں اگر تو چاہے اور عورت کہے میں چاہتی ہوں یا یہ کہے میں تجھ سے رجوع کروں گا جب تیرا والد آئے یا میں تجھ سے رجوع کروں گا اگر میرے والد سفر سے واپس آئے اسی طرح مستقبل کے زمانہ کی طرف اضافت بھی درست نہیں مثلاً میں تجھ سے کل رجوع کروں گا یا آنے والے ماہ کے شروع میں اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں رجعت عقد نکاح کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ اس کو برقرار رکھنا ہے اس میں تنجیز شرط ہے جیسے عقد نکاح میں اور اس لیے بھی کہ جمہور کے ہاں یہ فرج مقصود کو مباح قرار دینا ہے لہٰذا اسے کسی شرط پر معلق کرنا درست نہیں نکاح کی طرح۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ کسی وقت کے ساتھ مؤقت نہ ہو جب شوہر نے بیوی سے کہا میں نے ایک ماہ کے لیے تجھ سے رجوع کیا تو یہ رجوع نہیں ہوگا البتہ ماضی کے کسی معاملہ کے ساتھ رجوع کو معلق کرنا درست ہے اگر میں نے فلاں کام کیا تھا تو پھر میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں اور وہ کام باقاعدہ ہو چکا تھا یا کسی ایسے معاملہ پر معلق کرنا جو فی الحال متحقق موجود ہو مثلاً اگر میرا والد راضی ہے تو میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں اور اس کا والد مجلس میں موجود ہو اور کہے میں راضی ہوں ان دو صورتوں میں تعلیق اس لیے جائز ہی کہ تنجیز ہے بصورت تعلیق۔ خلاصہ یہ کہ رجعت میں درج ذیل شرائط ہیں:

۱...... مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں رجوع کرنے والے کی اہلیت یعنی بلوغ اور عقل۔

۲...... طلاق رجعی ہو نہ بائن اور نہ ہی عوض کے ساتھ ہو۔

۳...... رجعت عدت میں کی ہو عدت گذرنے کے بعد نہیں ہوتی۔

۴...... عورت متعین ہو جسے طلاق دی گئی ہے مبہم نہ ہو اور مدخول بہا ہو نکاح صحیح ہو اور حلت کے قابل ہو لہٰذا غیر مدخول بہا سے رجوع صحیح نہیں اور نہ ہی جس کا نکاح فسخ ہوا اس سے اور نہ ہی مرتدہ سے۔

۵...... رجوع فی الفور ہو کسی وقت کے ساتھ مؤقت نہ ہو نہ کسی شرط پر معلق ہو اور نہ ہی مستقبل کی طرف مضاف ہو۔

جو چیزیں رجوع میں شرط ہیں:

۱۔ عورت کی رضامندی...... بالاتفاق رجوع میں عورت کی رضامندی شرط نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ...... البقرة: ۲/ ۲۲۸

اس آیت میں رجوع کا حق مردوں کو دیا ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ...... البقرة: ۲/ ۲۳۱

یہاں بھی مردوں کو امر کا مخاطب قرار دیا ہے اور عورتوں کے لیے کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ نیز اس لیے بھی کہ رجوع عورت کو زوجیت میں روکنے کا نام ہے لہٰذا رجوع میں عورتوں کی رضا کا اعتبار نہیں جیسے وہ عورت جو مکمل طور پر عصمت میں ہو۔ اسی طرح رجوع میں نہ ولی کی شرط ہے نہ مہر کی اس لیے کہ رجعیہ بیوی کے حکم میں ہے اور رجوع اس کو روکنا ہے اور اس کی زوجیت کو باقی رکھنا ہے۔

۲۔ عورت کو رجوع کا بتانا...... اسی طرح عورت کو رجوع کی اطلاع دینا بھی شرط نہیں لہٰذا رجوع صحیح ہے اگر یہ عورت کو معلوم نہ بھی ہو اس لیے کہ رجوع مرد کا خاص حق ہے یہ عورت کی رضا پر موقوف نہیں جیسے طلاق البتہ عورت کو اس کی اطلاع دینا مستحب ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ غیر نکاح نہیں کر سکتا عدت ختم ہونے کے بعد حتی کہ زوجین کے ساتھ منازعت نہیں ہو سکتی جبکہ شوہر گواہوں سے رجوع ثابت کردے اگر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا اور پہلے شوہر نے گواہوں سے رجوع ثابت کر دیا تو رجوع صحیح ہے۔ اور دوسرا نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

۳۔ رجوع پر گواہ بنانا...... جمہور (حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے) ہاں صحت رجوع کے لیے گواہ بنانا شرط نہیں البتہ احتیاط کے

طور پر گواہ بنانا مستحب ہیں تا کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی انکار نہ کر دے اور اس کے حصول کے شک کو دور کرنے کے لیے اور ازدواجی تعلق دوبارہ قائم کرنے میں تہمت سے بچنے کے لیے پس شوہر گواہوں سے کہے اس پر گواہ رہو کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اور اسے اپنے نکاح میں لے لیا یا میں نے اس بیوی سے رجوع کر لیا جسے میں نے طلاق دی ہوئی تھی لیکن اگر رجوع پر گواہ نہ بنائے تو بھی رجوع صحیح ہے۔

اور ظاہر یہ کے ہاں رجوع پر گواہ بنانا واجب ہے ورنہ رجوع صحیح نہ ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اور اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ (اس پر) اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے نیز نکاح میں گواہ بالاتفاق شرط ہیں لہٰذا اسے باقی رکھنے میں بھی شرط ہونے چاہیں۔

جمہور نے اس آیت میں امر کو ندب واستحباب پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (الطلاق: ۶۵/ ۲) کے بعد واقع ہے اور علماء کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ طلاق پر گواہ بنانا واجب نہیں لہذا رجوع بھی اس کے مثل ہے نیز نصوص قرآنیہ مطلق ہیں۔ مثلاً فَاَمْسِكُوْهُنَّ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۱) اور وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (البقرۃ ۲/ ۲۲۸) نیز روایت ہے کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع پر گواہ بنانے کا حکم نہیں فرمایا اگر گواہ بنانے شرط ہوتے تو آپ ان کو حکم دیتے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی کہ پھر اس نے اس سے ہمبستری کر لی نہ ہی طلاق پر گواہ بنائے اور نہ رجوع پر تو انہوں نے فرمایا طلاق بھی غیر مسنون طریقے پر دی اور رجوع بھی غیر مسنون طریقے پر کیا اپنی طلاق پر بھی گواہ بناؤ اور رجوع پر بھی اور آئندہ ایسا نہ کرنا [1] نیز اس میں بھی کہ رجوع شوہر کا حق ہے یہ عورت کی مرضی پر موقوف نہیں لہٰذا باقی حقوق کی طرح یہ بھی گواہ کا محتاج نہیں نیز اس لیے بھی کہ ابتداء نکاح میں شہادت شرط ہے عظیم ہونے کی وجہ سے لہٰذا اس کی باقی رکھنے کے لیے شرط نہیں اور رجوع کرنا رشتہ ازدواج کو باقی رکھنا ہے لہٰذا گواہ بنانا اس کی صحت کے لیے شرط نہیں۔

چوتھی بات: رجوع میں زوجین کا اختلاف...... جب میاں بیوی دوران عدت رجوع پر متفق ہوں تو اس پر رجوع کا اثر ثابت اور مرتب ہوگا لیکن اگر زوجین میں اختلاف ہو جائے پھر یہ اختلاف یا تو رجوع ہونے میں ہوگا یا پھر اس کے صحیح ہونے میں ہوگا۔

۱..... اگر رجوع کے حصول میں زوجین کا اختلاف ہو جائے بایں طور کہ شوہر دعویٰ کرے میں نے رجوع کر لیا ہے اور عورت انکاری ہو اب اگر یہ اختلاف عدت ختم ہونے سے پہلے ہو تو بالاتفاق شوہر کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ رجوع کا مالک ہے تو اس کا اصرار اس سلسلہ میں قبول کیا جائے گا جیسا کہ طلاق کے سلسلہ میں شوہر کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر عدت ختم ہونے کے بعد اختلاف ہوا تو پھر اگر شوہر اپنے دعویٰ کو گواہوں سے ثابت کر دے یا عورت اس کی تصدیق کر دے تو رجوع ثابت ہے۔ لیکن اگر شوہر گواہوں سے ثابت نہ کر سکے اور عورت اس کی تکذیب کر دے تو پھر عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اکثر کی رائے میں اور حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول یہی صاحبین کا ہے اگر عورت قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو صاحبین کے ہاں اسے قید کیا جائے گا تا کہ اقرار کر لے یا حلف اٹھائے اس لیے کہ ان کے ہاں قسم سے انکار حق کا اقرار ہے اور رجوع کا اقرار ان کے ہاں درست ہے اور امام صاحب کے ہاں اس پر قسم نہیں اور عورت کا قول قبول ہوگا کیونکہ اصل رجوع کا نہ ہونا ہے اور فرقت کا ہونا ہے۔

اگر دونوں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے ہمبستری کے سلسلہ میں شوہر کہے میں نے ہمبستری کی ہے اور عورت انکار کرے تو بھی عورت کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ اس لیے کہ اصل وطی نہ ہونا ہے اور جدائی واقع ہونا ہے اور عورت منکر ہے لہٰذا قسم منکر پر ہوتی ہے۔

---

[1] رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ولم یقل ولا تعد (نیل الاوطار ۶/ ۲۵۳)

۲.....اور زوجین میں صحت رجوع کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے شوہر کہے میں نے تجھ سے عدت میں رجوع کیا تھا لہٰذا رجوع صحیح ہو گیا اور بیوی کہے رجوع باطل ہے کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد تو نے رجوع کیا تھا یا جواب دیتے ہوئے کہے میری عدت ختم ہوگئی تھی اور عدت طہروں کے ساتھ تھی تو عورت کا قول معتبر ہوگا اگر یہ اس میں ممکن ہو۔ اگر طلاق اور رجوع کے درمیان کی مدت عدت ختم ہونے کے لیے کافی تھی تو عورت کا قول قسم کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے ہاں معتبر ہے۔ اس لیے کہ حیض کے ساتھ عدت کا ختم ہونا صرف عورت ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اگر گذری ہوئی مدت عدت ختم ہونے کے لیے کافی نہ ہو بایں طور کہ شرعی طور پر جو کم سے کم مدت ہے عدت کے ختم ہونے کی اس سے بھی کم ہو تو پھر عورت کا قول معتبر نہیں اور رجوع صحیح ہے کیونکہ عورت کے دعویٰ کے جھٹلانے کا قرینہ ظاہر ہو گیا۔

حنفیہ کے ہاں حیض سے عدت کی کم سے کم مدت: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ساٹھ دن ہیں اس لیے کہ زیادہ سے زیادہ حیض کے دس دن ہیں اور حیض تین ہیں جو تیس (۳۰) دن بنتے ہیں ان کے درمیان دو طہر آتے ہیں وہ بھی تیس (۳۰) دن ہیں اس لیے کہ دو حیضوں کے درمیان کم سے کم طہر کے پندرہ (۱۵) دن ہیں۔ پس ان کا مجموعہ ساٹھ (۶۰) دن ہوئے اور عورتوں کے درمیان راجح اور غالب یہی ہے۔

حنابلہ کے ہاں عدت کی کم سے کم مدت انتیس (۲۹) دن اور ایک لحمہ ہے یہ اس طرح کے وہ عورت کو طلاق دے طہر کے آخر میں پھر اس کے بعد عورت ایک دن اور ایک رات حیض میں رہے پھر تیرہ (۱۳) دن عورت پاک رہے پھر ایک دن اور ایک رات اسے حیض آئے پھر تیرہ (۱۳) دن وہ پاک رہے پھر ایک دن اور ایک رات اسے حیض آئے پھر ایک لحمہ وہ پاک رہے تاکہ اس سے حیض کا ختم ہونا معلوم ہو سکے۔

اور مالکیہ کے ہاں عدت ختم ہونے کی کم سے کم مدت طہروں کے ساتھ ہے جو تیس (۳۰) دن ہیں بایں طور کہ شوہر بیوی کو مہینے کی پہلی رات میں طلاق دے پاک ہونے کی حالت میں پھر اسے حیض آ جائے اور یہ حیض فجر سے پہلے ختم ہو جائے اس لیے کہ ان کے ہاں حیض کی کم مقدار ایک دن یا آدھا دن ہے بشرطیکہ عورتیں اسے حیض قرار دیں پھر وہ عورت پندرہ (۱۵) دن پاک رہے پھر سولہویں رات کو عورت کو حیض آئے پھر فجر سے پہلے ختم ہو جائے پھر اسے اس مہینے کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد حیض ائے تو اب یہ تین طہر پاک رہی ایک وہ طہر جس میں اسے طلاق دی گئی پھر مہینے کے نصف اول کا طہر پھر تیسرا مہینے کے نصف ثانی کا طہر تو اب کل تیس (۳۰) دن بنتے ہیں مہینے کے۔

اور شوافع کے ہاں عدت ختم ہونے کی کم سے کم مدت ۳۲ دن اور دو لمحے ہیں اور اس سے کم کسی حال میں بھی قبول نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں اس سے کم کا تصور ہی نہیں بایں طور کہ وہ طلاق دے اور طہر کا ایک لمحہ باقی ہو اور یہی ان کے ہاں قرء ہے پھر ایک دن اور ایک رات اسے حیض آئے یہ ان کے ہاں حیض کی کم سے کم مدت ہے پھر پندرہ دن وہ پاک رہے اور یہ اقل مدت ہے طہر کی اور یہ دوسرا اقراء ہے پھر ایک دن اور ایک رات حیض آئے پھر پندرہ دن پاک رہے اور یہ تیسرا اقرء ہے پھر اسے حیض آ جائے اور یہ حیض عدت میں سے نہیں بلکہ عدت کے ختم ہونے کے یقین کے لیے ہے۔ او یہ کل ۳۲ دن اور دو لمحے بنے۔

غسل کی مدت.....حنفیہ کے ہاں اگر عورت آخری حیض سے دس دن پورے کر کے پاک ہوئی ہو تو اگر چہ غسل نہ بھی کرے تب بھی رجعت کا وقت ختم ہو گیا کیونکہ حیض دن سے زیادہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر حیض دن دن سے کم میں بند ہو تو غسل جب تک نہیں کیا رجوع کا وقت ختم نہیں ہوگا کیونکہ خون کا دوبارہ آنے کا احتمال ہے یا اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے تو نماز اس کے ذمہ میں دین ہوگی یا وہ عذر کی بناء پر تیمّم کرے اور پھر وقت کے اندر نماز پڑھ لے اگر چہ نفل ہی کیوں نہ ہوں یہ شیخین کے ہاں استحسانا ہے اور اکثر حنابلہ کے ہاں اتنا وقت ہونا ضروری ہے کہ حیض کے ختم ہونے کے بعد اس میں غسل ممکن ہو عدت ختم ہونے کے لیے قولی طور پر۔ یہ پہلی قسم تھی جس میں عورت ماہواری کے ذریعہ عدت ختم ہونے کا دعویٰ کرے۔

دوسری قسم: کہ عورت عدت کے ختم ہونے کا وضع حمل کے ساتھ دعویٰ کرے..... جب مطلقہ عورت دعویٰ کرے کہ اس کی

عدت وضع حمل کے ساتھ ختم ہوگئی ہے تو چھ ماہ سے کم کی صورت میں اس کا قول قبول نہ ہوگا۔

یعنی عقد نکاح ہونے کے بعد ہمبستری ممکن ہونے کے وقت سے طلاق تک کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔

تیسری قسم: کہ عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت کے خاتمہ کا دعویٰ کرے...... جب عورت چھوٹی ہو اور اسے ماہواری نہ آتی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اگر وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت کے ختم ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سلسلہ میں اس کی بات معتبر نہ ہوگی بلکہ شوہر کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ طلاق کے وقت کے بارے میں اسی کے قول پر اعتماد ہے لہٰذا اسی کا قول معتبر ہوگا سوائے اس صورت کے جب وہ عدت کے ختم ہونے کا اس لیے دعویٰ کرے تا کہ نفقہ اس سے ساقط ہو جائے تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہے کیونکہ شوہر اس کا دعویٰ کر رہا ہے جس سے نفقہ ختم ہو اور نفقہ میں اصل وجوب ہے لہٰذا اس کا قول گواہوں کے بغیر معتبر نہیں۔[1]

شام کے قانون میں رجوع......شامی قانون میں حنفی مذہب کو لیا گیا ہے کہ طلاق رجعی سے زوجیت زائل نہیں ہوتی اور یہ کہ قول اور فعل سے رجوع جائز ہے اور عدت طلاق کے ختم ہونے پر رجوع ختم دفعہ نمبر ۱۱۸ میں درج ذیل تصریح ہے:

۱......طلاق رجعی سے زوجیت ختم نہیں ہوتی اور شوہر کو اختیار ہے کہ وہ دوران عدت بیوی سے رجوع کرے قول سے یا فعل سے اور یہ حق ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

۲......طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

حلالہ یا حلت کے لیے نکاح......ہم نے بیان کر دیا ہے کہ تین طلاقیں ملکیت بھی ختم کر دیتی ہیں حلت بھی ایک خاص وقت تک پس عورت حرام ہو جاتی ایک خاص وقت تک اور پہلے شوہر کا اس کے ساتھ نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ البقرۃ:۲/۲۳۰

اگر (شوہر نے تیسری) طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ اور چاہے یہ تین طلاقیں الگ الگ دی ہوں یا ایک ہی لفظ سے دی ہوں یہ حرمت بالا تفاق فقہاء کے ہاں دوسرے شوہر سے مؤبد طبعی طور پر نکاح کرنے سے ختم ہو جاتی ہے کہ اس کا ارادہ اس کے ساتھ ہمیشہ کا نکاح کرنے کا ہو اور یہی مقصود ہے۔ قرآن کریم سے اور اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱۔ پہلی شرط: کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے......فرمان باری تعالیٰ ہے:

حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ البقرۃ:۲/۲۳۰

یہاں پر حلت کی نفی ہے دوسرے شوہر کے نکاح تک پس اس عورت سے کسی نے وطی کر لی زنا کے طور پر یا شبہ کے ساتھ تو وہ حلال نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اس کا شوہر نہیں۔

دوسری شرط: کہ دوسرا نکاح صحیح ہو......اگر نکاح فاسد ہو اور اس نے دخول بھی کر لیا تو بھی عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح فاسد حقیقت کے اعتبار سے نکاح نہیں کیونکہ آیت میں نکاح کو مطلق رکھا گیا ہے جو نکاح صحیح کا تقاضا کرتا ہے۔

تیسری شرط......کہ دوسرے شوہر نے اس سے باقاعدہ فرج میں ہمبستری کی ہو اگر اس نے فرج کے علاوہ وطی کی تو بھی پہلے شوہر کے

---

[1]...... البدائع:۳/۱۸۷۔۱۸۹ اللباب:۳/۵۸ بدایة المجتهد:۲/۸۶ المهذب ۲/۴۶ مغنی المحتاج:۳/۱۸۲ المغنی:۶/۶۴۵ المحلی:۱۰/۲۲۰ مسالة ۱۹۵۵۔

لیے حلال نہ ہوگی اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلت کو معلق کیا ہے دونوں کے مزہ چکھنے پر رفاعۃ القرظی کی بیوی کو آپ نے فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟ نہیں تو اس وقت تک واپس نہیں جاسکتی جب تک کہ تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے اور وہ تیرا ذائقہ نہ چکھ لے ❶ اور یہ چیز صرف فرج میں وطی کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ حشفہ فرج میں چھپ جائے کیونکہ وطی کے احکام اس کے ساتھ متعلق ہیں اور یہ بھی انتشار کی شرط کے ساتھ ہے کیونکہ حکم مزہ چکھنے کے ساتھ متعلق ہے اور وہ انتشار کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس شرط کے ساتھ کہ شوہر ثانی کے لیے جماع کرنا ممکن ہو نہ کہ وہ بچہ ہو جو جماع نہیں کرسکتا۔

اور وطی کی شرط یہ ہے کہ دونوں کے ختان مل جائیں اگر چہ انزال نہ بھی ہو۔ یہ جمہور علماء کی رائے ہے اور حسن بصریؒ کی رائے یہ ہے کہ انزال کی ساتھ وطی ہوگی تو حلال ہوگی۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس وطی سے حد لگتی ہے، روزہ فاسد ہوتا ہے، حج فاسد ہوتا ہے، مطلقہ حلال ہوتی ہے اور بیوی محصنہ ہوتی ہے اور مہر واجب ہوتا ہو وہ دونوں کی شرم گاہوں کا مل جانا ہے۔

امام ابوحنیفہ شافعی ثوری، اور امام اوزاعی کے ہاں عورت سے وطی کرنا حلال کر دیتا ہے اگر چہ وہ وطی ناجائز وقت میں بھی ہوئی ہو۔ مثلاً حیض یا نفاس کی حالت میں اور چاہے وطی کرنے والا عاقل بالغ ہو یا بلوغت کے قریب بچہ ہو ❷ یا مجنون ہو اس لیے کہ اس بچے اور مجنون کی وطی کے ساتھ احکام نکاح مہر اور حرمت وغیرہ بالغ کی وطی کی طرح متعلق ہوتے ہیں اسی طرح وہ چھوٹی بچی کہ اس کی مثل بچیوں سے جماع ہوسکتا ہو اور اسے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں اس کے ساتھ شوہر ثانی نے دخول کیا تو وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی کیونکہ فرمان باری تعالیٰ مطلق ہے نیز اس لیے بھی کہ اس بچی سے وطی کرنے سے وطی کے احکام یعنی مہر اور حرمت متعلق ہوتے ہیں گویا بالغہ سے وطی کی طرح اس سے وطی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ نے ایک چوتھی شرط بھی لگائی ہے کہ وطی حلال بھی ہو اور وطی کرنے والا مالکیہ کے ہاں بالغ بھی ہو اور حنابلہ کے ہاں کہ وہ بارہ سال کا ہو اس لیے کہ ناجائز وطی حرام ہے حقوق اللہ کی وجہ سے لہٰذا اس سے حلت حاصل نہ ہوگی جیسے مرتدہ سے وطی اور بلوغ سے کم یا بارہ سال سے کم سے مجامعت ممکن نہیں۔ پس مطلقہ حلال نہیں ہوگی الا یہ کہ مباح وطی ہو اور عقد صحیح میں ہو روزہ و رحج اور حیض اور اعتکاف میں نہ ہو اور مالک اور ابن القاسم کے ہاں ذمیہ ذمی کی وطی سے مسلمان کے لیے حلال نہ ہوگی اور امام احمد نے تصریح کی ہے کہ اگر بیوی ذمی ہو اور اس سے ذمی شوہر وطی کرے تو وہ مسلمان طلاق دینے والے کے لیے حلال ہے اس لیے کہ یہ نکاح صحیح تام والے شوہر کی وطی ہے لہٰذا مسلمان کی وطی کے مشابہ ہوگئی یہی شوافع اور مالکیہ کی بھی رائے ہے اور حنابلہ نے بھی حنفیہ کی طرح مطلقہ ثلاثہ کو مجنون کی وطی سے بھی حلال قرار دیا ہے کیونکہ ظاہر آیت کا تقاضا یہی ہے۔ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۰) نیز یہ مباح وطی ہے شوہر کی جانب سے نکاح صحیح تام میں لہٰذا عاقل کی وطی کے مشابہ ہوگئی۔

حلالہ کی شرط سے نکاح..... فقہاء کا اتفاق ❸ ہے کہ تین طلاق والی سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ عقد میں صریح طور پر کہ زوج ثانی اسے پہلے کے لیے حلال کر دے یہ جائز نہیں جمہور کے ہاں حرام ہے اور حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ابن مسعود کے ارشاد کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کروانے والے اور حلالہ کرنے والے پر لعنت کی ہے۔ ❹

نیز آپ کے اس ارشاد کی وجہ سے کیا میں تمہیں عاریت پر لیے گئے بیل کی خبر نہ دوں؟ تو صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے حلالہ کروانے والے اور کرنے پر لعنت کی ہے ❺ نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت

---

❶ ..... رواہ الجماعۃ عن عائشۃ (نیل الاوطار: ۶/ ۲۵۳) ❷ صبی مراھق وہ بچہ ہے جس کے آلہ میں حرکت ہو شہوت آئے بعض حنیفہ نے دس سال عمر مقرر کی ❸ المراجع السابقہ: ❹ رواہ احمدؒ النسائی والترمذی وصححہ عن ابن مسعودؓ ورواہ الخمسۃ الا النسائی عن علی (نیل الاوطار: ۶/ ۱۳۸) ❺ رواہ ابن ماجہ عن عقبہ بن عامر والمرجع السابق۔

کرتی ہے لہٰذا شرعی نکاح کا اطلاق ممنوع نکاح پر نہیں ہوسکتا اور نکاح محلل یہ ہے کہ آدمی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ جب وہ اس سے ہمبستری کرے گا تو ان کے درمیان کوئی نکاح نہیں ہوگا اور اس لیے شادی کرے تا کہ وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے۔ یہ نکاح جمہور کے ہاں فاسد ہے (یعنی مالکیہ، شوافع، حنابلہ، ظاہریہ اور امام ابو یوسف کے ہاں) سابقہ کی وجہ سے نیز اس لیے بھی کہ حلال کرنے کی شرط کے ساتھ نکاح نکاح مؤقت کے معنی میں ہے اور نکاح میں وقت کی شرط سے وہ فاسد ہو جاتا ہے اور نکاح فاسد سے حلالہ نہیں ہوسکتا یہ ایک مدت تک کے لیے نکاح ہے یا اسمیں ایسی شرط ہے جو اس کے باقی رہنے کے لیے مانع ہے لہٰذا یہ نکاح متعہ کے مشابہ ہے مہذب میں فرمایا: یہ نکاح ایسا ہے کہ اس کا ختم ہونا مشروط ہے نہ کے اس کی انتہاء لہٰذا نکاح متعہ کے مشابہ ہے نیز عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ بخدا اگر کوئی بھی حلالہ کروانے والا یا کرنے والا لایا جائے تو میں ان دونوں کو رجم کروں گا۔ ❶

امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے ہاں یہ نکاح صحیح ہے لیکن مکروہ تحریمی ہے اگر شوہر ثانی نے وطی کر لی تو وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی اس کے بعد کہ وہ اسے طلاق دے دے اور وہ عدت گذارے اس لیے کہ تحلیل کی شرط فاسد ہے اور نکاح شرائط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط لغو ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ آیت حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ مطلق ہے اس میں تحلیل کی شرط ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہاں اتنی بات ہے کہ یہ ہے مکروہ تحریمی اس لیے کہ یہ شرط نکاح کے مقصود کے منافی ہے اور وہ سکون توالد وتناسل اور عفت حاصل کرنا اور یہ چیزیں بقاء اور دائمی زوجیت پر موقوف ہیں۔ اور امام محمد فرماتے ہیں دوسرا نکاح صحیح ہے لیکن مطلقہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی کیونکہ نکاح مؤ مؤبد عقد ہے پس حلال کرنے کی شرط جلدی کرنا ہے اس میں جسے اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہوا ہے حل کی غرض سے شرط باطل اور نکاح صحیح باقی لیکن اس سے غرض حاصل نہ ہوگی جیسے کہ وہ شخص جو اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم ہوتا ہے اور یہی قول شوافع کا ہے اس صورت میں جب کسی نے کسی عورت سے شادی کی اس شرط پر کہ جب اس سے وطی کرے گا اسے طلاق دے دے گا اور امامیہ (کافروں) نے محلل کے نکاح کی اجازت دی ہے مطلقاً وطی کی شرط کے ساتھ اور شوہر بالغ ہو اور عقد صحیح ہوگا ہمیشہ کے لیے۔

حلال کرنے کی نیت سے نکاح بغیر شرط کے...... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❷ نکاح حلالہ کی غرض سے بغیر شرط کے بھی باطل ہے بایں طور کہ عقد کرنے والے پہلے سے مشاورت کرلیں پھر اس ارادہ سے عقد نکاح کریں بایں طور کہ شوہر عقد میں اس کی نیت کرے یا حلالہ کی نیت کرے بغیر شرط کے تو عقد باطل ہے اس سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی حرام کے ذرائع کو بند کرنے پر عمل کرتے ہوئے اور حدیث سابق لعن اللّٰہ المحلل والمحلل بہ پر عمل کرتے ہوئے۔ حنفیہ، شافعیہ اور ظاہریہ کے ہاں ❸ حلال کے ارادہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جبکہ عقد میں شرط نہ رکھی ہو اور دوسرے شوہر کی وطی سے عورت پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی اس لیے کہ معاملات میں صرف نیت معتبر نہیں ہے لہٰذا نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ صحت عقد کی شرائط پائی گئیں اور وہ پہلے کے لیے حلال ہے جیسا کہ وہ وقت کی نیت کریں اور تمام فاسد معانی کی اور میں پہلی رائے کو ترجیح دیتا ہوں دلائل کی قوت کی وجہ سے نیز یہ فعل سفاحی کے مشابہ ہے دلیل یہ ہے کہ حاکم اور طبرانی نے اوسط میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور اس کے بھائی نے اس سے بغیر رغبت کے نکاح کر لیا تا کہ وہ اس کے بھائی کے لیے حلال ہو جائے تو کیا وہ پہلے کے لیے حلال ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں الا یہ کہ رغبت سے نکاح ہوا ہو اسے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ میں سفاح شمار کرتے تھے ❹ لیکن ابن حزم نے اسے حلال کی شرط والے نکاح سے خاص کیا۔ ❺

❶......رواہ الاثرم عن قبیصۃ بن جابر ❷بدایۃ المجتہد ۲/۸۷ المغنی: ۶/۶۴۶ وما بعدھا ❸البدائع ۳/۱۸۷ مغنی المحتاج:۳/۱۸۳ المحلی: ۱۰/۲۲۰۔ ❹نیل الاوطار ۶/۱۳۹۔ ❺المحلی: ۱۰/۲۲۳ ومابعدھا

زوج کا زوج اول کی طلاق کو معدوم کرنا......اس موضوع پر کلام پہلے ہو چکا اور یہاں میں ایک دوسری تفصیل کے ساتھ اس کا اعادہ کررہا ہوں۔ ❶

(الف)......فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے جب اس کا شوہر رجوع کرلے اور بائنہ عورت جسے بینونت صغری ہوئی ہو سے اس کا شوہر عقد جدید کرے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے سے پہلے تو وہ عورت اس کے پاس باقی تین طلاقوں میں سے جو بچی ہیں ان کے ساتھ واپس لوٹے گی یعنی ایک یا دو کے ساتھ۔

(ب)......اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ تین طلاقوں کے بعد نکاح ثانی پہلے شوہر کی طلاقوں کو ختم کردیتا ہے کیونکہ وہ جدید حلت کو ثابت کرنے والا ہے اور دلیل حلت تین طلاقوں سے زائل ہوگئی۔

(ج)......اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ زوج ثانی تین سے کم طلاقوں کو بھی ختم کردیتا ہے یا نہ اس میں دو رائے ہیں مالکیہ شوافع حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد اور زفر کے ہاں تین سے کم کو ختم نہیں کرتا یعنی اگر مطلقہ سے تین طلاقوں سے پہلے شوہر اول کے علاوہ کوئی نکاح کرے پھر شوہر اول اس سے نکاح جدید کرے تو وہ تین میں سے جو باقی ہیں ان کے ساتھ واپس آئے گی جیسا کہ کبار صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی عمر علی، معاذ عمران بن حصین اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے نیز اس لیے بھی کہ شوہر ثانی کی وطی حلال کرنے کی محتاج نہیں شوہر اول کے لیے لہٰذا طلاق کا حکم تبدیل نہ ہوگا نیز یہ تین طلاقیں دینے سے پہلے نکاح ہے اور یہ مشابہ ہے اس کے کہ دوسرے کی وطی سے پہلے اگر رجوع کرے۔

شیخین (امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف) کے ہاں تین سے کم کو بھی ختم کردیتا ہے وہ عورت شوہر کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی اس لیے کہ جب وہ تین کو ختم کردیتا ہے تو تین سے کم تو زیادہ اس کے لائق ہیں کہ وہ ختم ہوجائیں، اس لیے کہ شوہر ثانی کی وطی حلت کو ثابت کرتی ہے پس تین طلاقوں کے لیے جب حلت ہے تو اس کے کم کے لیے تو بدرجہ اولی حلت ہے۔

دوسری فصل......خلع

اس میں پانچ بحثیں ہیں:

پہلی بحث: خلع کا معنی مشروعیت، الفاظ، حکم، وقت اور ارکان:

خلع کا معنی......لغوی اعتبار سے خلع اتارنے اور ازالہ کرنے کو کہتے ہیں اور عرفی اعتبار سے زوجیت ختم کرنے کو کہتے ہیں اور فقہی اعتبار سے ہر مذہب میں اس کے لیے تعریفیں ہیں، حنفیہ کے ہاں ❷ ملک نکاح کو لفظ خلع یا اس معنی کے الفاظ سے ختم کرنا جو کہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے پس ملک نکاح کے لفظ سے نکاح فاسد کا خلع اور بینونت کے بعد اور ردّت کے بعد کا خلع نکل گیا کیونکہ یہ لغو ہے اور عورت کے قبول کرنے پر موقوف کے الفاظ سے وہ صورت نکل گئی جب کہے میں نے تجھ سے خلع کیا اور مال ذکر نہ کرے اور اس سے طلاق کی نیت ہو اس لیے کہ یہ بائن طلاق ہوگی حق کو ساقط نہ کرے گی کیونکہ یہ عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں اور قبول کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ خلع بدل کے ساتھ ہے اور جب وہ بدل مالی کے ساتھ ہو تو اس کا قبول کرنا لازم ہے اور لفظ خلع سے مال پر طلاق نکل گئی تعریف سے کیونکہ یہ بھی حقوق کو ساقط نہیں کرتی اور اس کے ہم معنی الفاظ کے لفظ میں لفظ مبارات لفظ بیع شراء داخل ہوں گے کیونکہ یہ حقوق کو ساقط کرنے والے ہیں اور مہر بھی ان میں سے ہے خلاصہ یہ کہ: یہ تعریف خلع کے ساتھ خاص ہے جو حقوق کو ساقط کرنے والا ہو اور معمول کے مطابق اس مال کے مقابلہ میں ہو

---

❶......فتح القدیر: ۱۷۸/۳ بدایۃ المجتہد: ۸۷/۲ وما بعدھا الدر المختار ۷۴۶/۲ القوانین الفقہیۃ ص ۲۲۶ مغنی المحتاج: ۲۹۳/۳ المہذب: ۱۰۵/۲ المغنی: ۲۶۱/۷۔ ❷ الدر المختار ۷۶۶/۲ فتح القدیر: ۱۹۹/۳ اللباب: ۶۴/۳

جس سے عورت فدیہ دے کر جان چھڑاتی ہے اگر خلع کرلیا تو طلاق بائن ہوجائے گی اور عورت پر مال دینا لازم ہوگا مالکیہ کے ہاں ❶ خلع عوض کے ساتھ طلاق دینا ہے زوجہ کی طرف سے ہو یا غیر کی طرف سے یعنی ولی یا کسی اور کی طرف سے یا وہ لفظ خلع کے ساتھ ہو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خلع کی دو قسمیں ہیں پہلی: جو غالب ہے وہ یہ کہ جو عوض کے مثل ہو دوسری جو لفظ خلع سے واقع ہوا گرچہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ بھی ہو بایں طور بیوی سے کہے میں نے تجھ سے خلع کیا یا تو خلع والی ہے بالفاظ دیگر: عورت یا کوئی اور شوہر کو مال دے تا کہ وہ اسے طلاق دے یا عورت کا جو حق مہر ہے اسے ساقط کردے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی یعنی خلع مالکیہ کے ہاں بعوض جدائی اور بغیر عوض جدائی کو شامل ہے۔

شوافع کے ہاں ❷ خلع لفظ طلاق یا لفظ خلع کے ساتھ عوض کے بدلے زوجین میں تفریق ہونا جیسے مرد کا بیوی کو کہنا میں نے تجھے طلاق دی یا تجھ سے خلع کیا اتنے مال پر اور عورت قبول کرلے۔ یہ تعریف مناسب ہے خلع کے مقصود کے ساتھ متفق ہونے اور لوگوں کے مفہوم اور مصر اور شام میں نافذ قانون کے اعتبار سے۔

حنابلہ کے ہاں ❸ خلع شوہر کا بیوی سے جدائی اختیار کرنا کسی عوض کے بدلے میں کہ وہ اس سے لے یا اس کے غیر سے مخصوص الفاظ کے ساتھ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ شوہر سے اس طرح خلاصی پانا کہ اسے رجوع کا حق باقی نہ رہے سوائے عورت کی رضامندی کے اور ان کے ہاں عوض کے بغیر بھی خلع درست ہے اور شوہر کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا جیسا کہ مالکیہ کے ہاں ہے اور حنابلہ کے ہاں راجح یہی کہ عوض خلع کا رکن ہے لہٰذا اس کا چھوڑ دینا صحیح نہیں جیسے بیع میں ثمن اگر بغیر عوض خلع کیا تو خلع نہ ہوگا اور نہ طلاق ہوگی الا یہ کہ طلاق کا لفظ استعمال کرے طلاق کی نیت سے تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔

خلع کی مشروعیت...... خلع جائز ہے اور اکثر علماء کے ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ❹ کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے کہ ان کے درمیان ناچاقی اختلاف اور زوجین میں موافقت نہیں ہوسکتی اور عورت مرد سے بغض کرتی ہے اور اس کے ساتھ زندگی گذارنا اس کے لیے ناپسند ہوتا ہے جسمانی اور خلقی اسباب کی وجہ سے یا اخلاقی اور دینی اعتبار سے یا بڑھاپے اور ضعف کی وجہ وغیرہ سے اور اسے خوف ہوتا ہے کہ وہ خاوند کی اطاعت میں حقوق اللہ پورے نہیں کرسکے گی تو اسلام نے عورت کے لیے ایک خاص طلاق خاص طور پر مشروع کی ہے اس کا حرج دور کرنے کے لیے اور اس سے ضرر اٹھانے کے لیے کہ وہ اپنے مال میں سے کوئی چیز خرچ کرکے اپنے آپ کو آزاد کرے اور عوض کے طور پر شوہر کو کچھ دے جو اس نے نکاح کے لیے خرچ کیا اور جمہور علماء نے فدیہ لینا خاص کیا اس صورت کے ساتھ کہ جب عورت کی جانب سے نافرمانی ہو عورت کے ساتھ زندگی گذارنا ناممکن ہو۔

کتاب اللہ اور سنت خلع کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں قرآن کریم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ...... البقرۃ: ۲/۲۲۹

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جائے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ النساء: ۴/۴

پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا۔

اور ارشاد ہے:

---

❶ ...... الشرح الصغير: ۲/ ۵۱۷ القوانين الفقهية ۲۳۲ ❷ مغنى المحتاج: ۳/ ۲۶۲ ❸ كشف القناع: ۵/ ۲۳۷ المغنى: ۷/ ۶۷.

❹ بداية المجتهد ۲/ ۶۶ الدر المختار: ۲/ ۷۸۷ مغنى المحتاج: ۳/ ۲۶۲ المغنى: ۷/ ۵۱

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا النساء:۱۲۸

تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح۔

اور سنت میں سے ایک تو حدیث ابن عباس ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی اے اللہ کے رسول میں ان کے بارے میں نہ اخلاقی عیب کا کہتی ہوں نہ دینی لیکن میں اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اسے اس کا باغ واپس دینا چاہتی ہے؟ تو عرض کی جی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باغ قبول کرو اور اسے ایک طلاق دے دو ❶ اب یہ برے اخلاق یا دینی نقصان پر جدائی نہ چاہتی تھیں بلکہ انہیں خاوند کی ناشکری و ناقدری ناپسند تھی اور انہیں جوان سے بغض ہو گیا تھا اس کی تلافی چاہتی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اصلاح وہدایت کے طور پر حکم فرمایا نہ وجوبی طور پر کہ جو باغ انہیں مہر میں ملا ہے وہ واپس کر دیں۔ یہ سب سے پہلا خلع ہے جو اسلام میں ہوا اور اس میں معاوضہ کا معنی ہے۔

ابوبکر بن عبداللہ المزنی جمہور سے الگ ہوئے اور کہا شوہر کے لیے حلال نہیں کہ وہ بیوی سے کچھ لے یہ گمان کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرۃ: ۲/۲۲۸) منسوخ ہے اس آیت سے وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (النساء ۴/۲۰) لیکن جمہور کے ہاں اس کا معنی یہ ہے کہ عورت کی رضامندی کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں لیکن اگر وہ رضامندی سے دے تو پھر جائز ہے۔

الفاظ خلع ..... حنفیہ کے ہاں ❷ خلع کے لیے پانچ الفاظ ہیں، خلع، مباراۃ، طلاق، مفارقت، بیع و شراء مثلاً مرد کہے:

خالعتك بكذا يا باراتك ، يافارقتك يا طلقي نفسك على الف يابعت نفسك ياطلاقك على كذا

میں نے تجھ سے اتنے مال کے بدلے خلع کیا یا میں نے تجھ سے جدائی اختیار کی یا میں نے تجھے خیر باد کہہ دیا، یا تو اپنے نفس کو ایک ہزار پر طلاق دے دے یا میں نے تجھے فروخت کر دیا یا تیری طلاق اتنے مال پر ہے اور عورت قبول کرلے۔

مالکیہ کے ہاں ❸ خلع کے چار لفظ ہیں خلع مباراۃ صلح فدیہ یا مفاداۃ اور ان میں سے ہر ایک کا معنی ایک ہی ہے وہ عورت کا مال خرچ کرنا طلاق کے عوض میں۔ الا یہ کہ خلع کا نام خاص اس تمام مال کے ساتھ ہے جو شوہر نے اسے دیا ہے اور صلح بعض کے ساتھ اور فدیہ اکثر کے ساتھ اور مبارات اسقاط کے لیے ہے اس کے حق کو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❹ خلع طلاق کے صریح اور کنایہ الفاظ سے درست ہے نیت کے ساتھ اور غیر عربی الفاظ کے ساتھ اور کنایہ میں ہے بعت بضعک اور عورت کہے اشتریت اور صریح الفاظ شوافع کے ہاں لفظ خلع اور مفاداۃ ہیں اور حنابلہ کے ہاں خلع مفاداۃ اور فسخ کے الفاظ ہیں اور شوافع کے ہاں کنایہ الفاظ لفظ فسخ کی طرح کے الفاظ اور تمام کنایات طلاق ہیں اور حنابلہ کے ہاں کنایہ الفاظ مباراۃ وغیرہ ہیں۔

خلع کا حکم شرعی ..... حنابلہ کے ہاں مرد کے لیے مسنون یہ ہے کہ اگر عورت خلع کا مطالبہ کرے تو اسے قبول کرے ❺ ایک ثابت بن قیس کی بیوی کے واقعہ کی وجہ سے ہاں اگر شوہر کو بیوی سے زیادہ محبت ہو تو عورت کو صبر کرنا اور خلع نہ لینا مستحب ہے اور اگر حالات درست ہیں تو پھر عورت کا خلع طلب کرنا مکروہ ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے ❻ نیز اس لیے کہ یہ عبث اور فضول ہے لہٰذا مکروہ ہے لیکن کراہت کے باوجود خلع ہو جائے گا سابقہ آیت فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ (النساء: ۴/۴) کی وجہ سے۔ اور حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر نشوز (نفرت اور ظلم) شوہر کی

---

❶ ..... رواه البخاري والنسائي وابن ماجه (نيل الاوطار ۶/۲۴۶) ❷ الدر المختار: ۲/۷۶۷۔ ❸ بداية المجتهد ۲/۶۶ ❹ مغني المحتاج: ۳/۲۶۲ المغني: ۷/۵۷ غاية المنتهى: ۳/۱۰۳ ❺ كشف القناع: ۵/۳۷ ❻ الخمسة الاالنسائي

طرف سے ہوتو اس کے لیے مکروہ ہے بیوی سے کچھ عوض لینا اس لیے کہ اس نے اسے تبدیل کر کے وحشت میں ڈال دیا ہے لہٰذا اس کی وحشت میں مال لے کر مزید اضافہ کرنا درست نہیں اور اگر نافرمانی بیوی کی طرف سے ہو تو بھی شوہر کے لیے مکروہ ہے کہ جو مہر دیا ہے اس سے زیادہ لینا لیکن اگر اس سے زیادہ لے لیا تو قضاء جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افتدت به (البقرة ۲/۲۲۹) مطلق ہے۔

حنابلہ نے ❶ ذکر کیا ہے کہ اگر عورت کو خلع پر مجبور کیا جائے اور اسے کچھ بھی نان نفقہ نہ دے اسے مارے اور اس پر تنگی کرے یا اس کے حقوق قسم (باری) وغیرہ سے اسے روکے اور اس صورت میں کیا گیا خلع باطل ہے اور جو عوض ہے وہ مردود ہے اور زوجیت برقرار ہے جیسا کہ عورت کے حقوق میں سے کوئی چیز ظلماً کم کرے تاکہ عورت فدیہ دے کر اپنا آپ چھوڑا لے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ......النساء: ۴/ ۱۹

اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا ہوا۔ نیز اس لیے بھی کہ جو کچھ خرچ کرنے پر اسے مجبور کیا گیا ہے وہ بغیر حق کے لینا ہے لہٰذا وہ اس سے کچھ بھی لینے کا مستحق نہیں ممنوع ہونے کی وجہ سے اور نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے اور یہ لفظ طلاق سے مستثنیٰ ہے یا اس کی نیت سے تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت خاوند سے بائنہ نہ ہوگی کیونکہ عوض فاسد ہے شوافع بھی اسی طرح کہتے ہیں ❷ وہ خلع جائز ہے جس میں عوت سے ضرر دور کرنا ہو لیکن ہے مکروہ کہ اس کے ذریعے نکاح جو مطلوب شرعی ہے اسے ختم کیا جارہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سے مبغوض ترین چیز طلاق ہے اور یہ صرف دو صورتوں میں سے ہے۔

پہلی حالت......دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے نکاح میں فرض کیا ہے۔

دوسری حالت......اس نے تین طلاقوں کا حلف اٹھالیا ہو اور اس کا کرنا ضروری ہو مثلاً کھانا پینا، قضاء حاجت تو وہ اس سے خلع کرلے پھر جس کام کا حلف اٹھایا ہوا ہے وہ کرے پھر اس سے نکاح کرے تو اب قسم ختم ہوجانے کی وجہ سے حانث نہ ہوگا اس لیے کہ وہ صرف پہلی مرتبہ فعل کو شامل ہے اور وہ حاصل ہوگیا اور مالکیہ کے ہاں خلع دونوں طرف سے برابر طور پر جائز ہے اور ایک قول ہے کہ مکروہ ہے اور یہ ابن القصار کا قول ہے اور انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ خلع عورت کی مرضی سے ہو اور فراق زوج میں محبت بغیر کسی صبر و اکراہ اور نقصان کے ہو اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی گئی تو طلاق نافذ ہوگی خلع نافذ نہ ہوگا ❸ ایک گروہ نے مطلقاً خلع سے منع کیا ہے اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں خلع جائز نہیں ہاں اگر عورت زنا کرتی ہو تو جائز ہے اور داؤد ظاہری نے کہا جائز نہیں ہاں اگر حدود اللہ قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو جائز ہے۔

کیا خلع میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے......خلع میں حاکم کی ضرورت نہیں جیسا کہ حنابلہ نے واضح کیا ❹ اور یہی باقی فقہاء کی رائے بھی ہے حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ سے نیز اس لیے بھی کہ یہ معاوضہ ہے لہٰذا قاضی کا محتاج نہیں جیسے بیع وشراء نیز اس وجہ سے بھی کہ دونوں رضامندی سے عقد ختم کررہے ہیں لہٰذا اقالہ کے مشابہ ہوگیا۔

خلع کا وقت......حیض اور اس طہر میں جس میں جماع کیا ہو خلع کرنے سے کوئی حرج نہیں ❺ اس لیے کہ دوران حیض طلاق اس وجہ سے ممنوع ہے کہ عورت کی عدت لمبی ہوسکتی ہے لہٰذا اس ضرر کو دور کرنے کے لیے ممنوع ہے اور خلع تو اس ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے لیے ہے جو سوء معاشرت اور اس کے ساتھ ناپسندیدگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طول عدت سے بڑا نقصان ہے لہٰذا اعلیٰ کو ادنیٰ کے ذریعہ دور کرنا جائز ہے اور عورت اس سے راضی بھی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع والی عورت سے اس کی حالت کے بارے میں

---

❶......كشف القناع: ۵/۲۳۸ المغني: ۷/۵۳۔ ❷مغني المحتاج: ۳/۲۶۲ ❸القوانين الفقهية ۲۳۲ بداية المجتهد: ۲/۶۸ ❹المغني: ۷/۵۲ ❺المرجع السابق: المهذب: ۲/۷۱

سوال نہیں فرمایا۔

ارکان خلع......حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں خلع کے ارکان پانچ ہیں ❶ قابل، موجب، عوض معوض اور صیغہ قابل عوض لازم کرنے والا، موجب: شوہر یا اس کا ولی اور وکیل عوض: وہ چیز جس پر خلع ہو رہا ہے معوض عورت کا استمتاع حاصل کرنا (فرج) صیغہ مثلاً میں نے خلع کیا وغیرہ۔

خلع کی حقیقت اور اس کے معنی کے متحقق ہونے کو یہ ارکان متضمن ہیں لہٰذا ان پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ❷

پہلی چیز......کہ ایجاب شوہر یا اس کے ولی اور وکیل کی طرف سے ہوا گر وہ بچہ یا بے قوف ہو۔

دوسری چیز......ملک استمتاع قائم ہوتا کہ اس کو ختم کیا جاسکے اور یہ حقیقۃ زوجیت قائم رہنے سے ہے یا حکماً جیسے مطلقہ رجعیہ کا عدت میں ہونا اگر زوجیت حقیقۃ یا حکما موجود نہ ہوتو خلع نہیں ہوگا۔ پس نکاح فاسد میں خلع نہیں اس لیے کہ فاسد ملک متعہ کا فائدہ نہیں دیتا اور نہ ہی طلاق بائن کے بعد خلع ہے یا طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے کے بعد۔

تیسری چیز......بدل اور عوض عورت وغیرہ کی جانب سے ہو اور ہر وہ چیز جو مہر بن سکتی ہو۔ مال میں سے یا ایسی منفعت جو مال سے قائم ہوتی ہو سوائے اس کے کہ بدل خلع کی ادنیٰ حد کوئی نہیں برخلاف مہر کے لہٰذا خلع ہو جائے گا چاہے بدل تھوڑا ہو یا زیادہ اور اکثر علماء کے ہاں ❸ مستحب یہ ہے کہ مرد اس مہر سے زیادہ نہ لے جو اس نے عورت کو دیا ہے اور بدل کی تصریح کرنا لازم نہیں جیسا کہ عقد نکاح میں مہر کا ذکر لازم نہیں پس بدل اپنی ذات کے اعتبار سے مہر کی طرح ہے اور حنفیہ اور شوافع کے ہاں ہر حال میں خلع کے ساتھ لازم ہے جب شوہر نے کہا **خالعتک** یا عورت سے کہا مجھ سے خلع کرو اور عورت نے کہا میں نے خلع کیا اور ان میں سے کسی نے بھی بدل ذکر نہ کیا تو خلع صحیح ہے اور عوض لازم ہوگا مالکیہ اور ایک روایت میں حنابلہ کے ہاں خلع بغیر عوض ہوگا اور حنابلہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ عوض خلع کا رکن ہے اگر بغیر عوض کے خلع کیا تو خلع نہ ہوگا اور نہ طلاق ہوگی الا یہ کہ طلاق کے لفظ سے ہو تو پھر طلاق رجعی ہوگی۔ اگر مرد یا عورت نے لفظ خلع استعمال کیا اور خلع بعوض کا ارادہ نہ کیا بلکہ صرف طلاق کا ارادہ کیا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت پر اس میں مال واجب نہ ہوگا۔

چوتھی چیز......صیغہ! وہ لفظ خلع یا جو اس کے ہم معنی الفاظ ہیں جو مذکور ہوئے ابراء مباراۃ فداء افتداء اور چاہے وہ صریح ہو یا کنایہ۔ پس متعین چیز کا ہونا ضروری ہے اور شوہر کے الفاظ صرف مال دینے سے خلع نہ ہوگا اس لیے کہ خلع شرعی کے آثار میں جو طلاق علی المال سے مختلف ہیں نیز یہ فرج میں تصرف ہے عوض کے ساتھ لہٰذا الفاظ کے بغیر درست نہیں جیسے نکاح اور طلاق۔

پانچویں چیز......بیوی کا قبول کرنا، اس لیے کہ عورت کی جانب سے خلع معاوضہ ہے اور ہر معاوضہ میں عوض دینے والے کا قبول لازم ہے اور قبول کا تحقق مجلس ایجاب یا مجلس علم میں لازم ہے۔ اگر بیوی مجلس سے خلع کے الفاظ سن کر اٹھ گئی یا خط و کتابت کے ذریعہ معلوم ہونے کے بعد تو اس کے بعد اس کا قبول کرنا صحیح نہیں۔ اور ایجاب وقبول کا موافق ہونا شرط ہے اگر شوہر نے کہا: میں نے تجھے ایک ہزار پر طلاق دی۔ عورت نے کہا آٹھ سو پر یا شوہر نے کیا تجھے تین طلاقیں ایک ہزار میں دیں اور عورت نے ایک طلاق قبول کی ہزار کے ثلث میں تو خلع نہ ہوگا اسے لغو شمار کیا جائے گا اور اسی طرح شوافع کے ہاں ❹ لغو شمار ہوگا اگر شوہر نے کہا میں نے تجھے ہزار کے عوض طلاق دی اور عورت نے کہا دو ہزار کے عوض قبول ہے اس لیے کہ ان کے ہاں ایجاب وقبول میں مکمل مطابقت اور توافق شرط ہے۔ یہ تو ہوا لیکن حنفیہ کے ہاں رکن خلع ایجاب

---

❶......حاشیۃ الصاوی: ۲/ ۵۷ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۳ المغنی: ۷/ ۶۷ ❷ الاحوال الشخصیۃ للاستاذ الشیخ عبدالرحمن تاج: ۳۴۴۔ ❸ المغنی: المکان السابق ❹ مغنی المحتاج: ۳/ ۲۶۹۔

وقبول ہے اس لیے کہ یہ طلاق کا عقد ہے عوض کے ساتھ لہٰذا قبول کرنے کے بغیر نہ تو فرقت ہوگی اور نہ ہی شوہر عوض کا مستحق ہوگا۔ ❶

دوسری بحث: صفت خلع اور اس کے اثرات:

شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❷ خلع معاوضہ ہے عوض پر قبضہ کرنا اس کی صحت کے لیے ضروری نہیں۔ اگر شوہر کی جانب سے مکمل ہوا اور عورت مرگئی یا وہ مفلس ہوگئی تو عوض اس کے ترکہ سے لیا جائے گا اور خلع میں عوض کو عیب کی وجہ سے رد کرنا بھی جائز ہے اس لیے کہ مطلق عقد عیب سے سلامتی کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا بیع اور مہر کی طرح اس میں بھی عیب کی وجہ سے رد کرنا ثابت ہے اور خلع معاوضہ کے لفظ کے ساتھ منجز بھی صحیح ہے کیونکہ اس میں معاوضہ کا معنی ہے اور شرط پر معلق کرنا بھی درست ہے کیونکہ اس میں طلاق کا مفہوم بھی ہے اور عقد کے ذریعے عوض کا مالک ہوگا اور قبضہ سے ضامن ہوگا البتہ حنابلہ نے ضمان میں تفصیل کی ہے، کہ خلع کا عوض بیع اور مہر کے عوض کی طرح ہے اگر وزنی یا کیلی ہو تو شوہر کے ضمان میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کا مالک ہے اور اگر ان دونوں چیزوں کے علاوہ کچھ ہو تو پھر صرف خلع ہی ہے اس کے ضمان میں داخل ہوجائے گا اور اس کا اس میں تصرف صحیح ہے۔ اور شوافع کے ہاں خلع معاوضہ ہے اور اس میں تعلیق کی بو ہے کیونکہ اس میں طلاق کا وقوع بیوی کی طرف سے مال دینے پر موقوف ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ❸ خلع عورت کی جانب سے قبول سے پہلے شوہر کی جانب سے قسم ہے لہٰذا اس سے رجوع صحیح نہیں کیونکہ اس نے طلاق کو مال قبول کرنے پر معلق کیا ہے اور تعلیق اصطلاحی اعتبار سے یمین ہے اور بیوی کی طرف سے معاوضہ بالمال ہے اس لیے کہ اس نے مال کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اپنے نفس کی خلاصی اور شوہر سے آزاد ہونے کے لیے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ معاوضہ محض نہیں بلکہ اس میں تبرعات کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے کہ عوض کا بدل شرعاً مال نہیں ہوتا بلکہ یہ عورت کا اپنے نفس کا فدیہ ہے لہٰذا خلع محض معاوضہ نہیں اور صاحبین کے ہاں زوجین کی طرف سے خلع یمین ہے۔ شوہر کی جانب سے خلع کو یمین قرار دینے پر درج ذیل آثار مرتب ہوں گے۔

۱.....عورت کے قبول کرنے سے پہلے شوہر کا رجوع خلع سے صحیح نہیں۔

۲.....شوہر کا ایجاب مجلس پر مقصور نہیں اگر وہ مجلس سے اٹھ گیا بیوی کے قبول کرنے سے پہلے تو اس کا اٹھنا اس ایجاب کو باطل نہ کرے گا۔

۳.....شوہر کے لیے معلوم مدت کا خیار شرط کے طور پر رکھنا درست نہیں کیونکہ وہ خلع سے رجوع کا مالک نہیں کیونکہ اس کی جانب سے یمین ہے اگر اس نے خیار شرط رکھا تو شرط باطل ہوگی لیکن خلع باطل نہ ہوگا۔

۴.....شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کو شرط پر معلق کرے یا اسے مستقبل کے زمانہ کی طرف منسوب کرے مثلاً جب فلاں آیا تو میں تجھ سے اتنے پر خلع کروں گا یا کل میں تجھ سے اتنے پر خلع کروں گا یا آنے والے مہینہ کے شروع پر اور قبول زوجہ تحقق شرط اور حلول وقت ہوگا اور حنابلہ کے ہاں ❹ خلع کو کسی شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں اور مالکیہ اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ خلع کو معلق کرنا جائز ہے۔ مثلاً کہے جب تو مجھے مال دے گی تو تجھے طلاق۔

اور عورت کی جانب سے خلع معاوضہ ہے اور تبرعات کے مشابہ ہے اس پر درج ذیل آثار مرتب ہوتے ہیں۔

۱.....اگر خلع کی ابتداء بیوی کی جانب سے ہو تو شوہر کے قبول کرنے سے پہلے بیوی کا خلع سے رجوع کرنا جائز ہے۔

۲.....اگر عورت مجلس میں حاضر ہے تو قبول کرنا مجلس ہی پر منحصر ہے اور اگر مجلس میں موجود نہیں تو جس مجلس میں علم ہوا اسی میں قبول

---

❶.....البدائع: ۱۴۵/۳۔ ❷الشرح الصغیر: ۵۱۸/۲ مغنی المحتاج: ۲۶۹/۳ المہذب: ۷۲/۲۔۷۳ المغنی: ۵۸/۷،۶۶۔

❸الدر المختار: ۷۶۸/۲ البدائع: ۱۴۵/۳۔ ❹کشف القناع: ۲۴۳/۵

کرنے کا انحصار ہے جیسے بیع میں۔ اور عورت کا مجلس میں حاضر ہونا شرط نہیں بلکہ ایجاب مجلس کے بعد تک بھی موقوف رہے گا برخلاف عقدِ نکاح کے۔ اگر وہ موجود نہیں تھی اسے خبر پہنچی تو وہ اسی مجلس علم میں قبول کرے کیونکہ اس کی جانب سے خلع معاوضہ ہے۔

۳.....عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے لیے خیار شرط معلوم مدت کے لیے رکھے کہ اس مدت میں اسے خلع قبول یا رد کرنے کا حق حاصل ہو جبکہ خلع کی ابتداء عورت کرے اور شوہر سے کہے میں تجھ سے ایک ہزار پر خلع کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے تین دن کا اختیار ہوگا جب شوہر نے قبول کرلیا تو شرط درست اور صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو قبول کرے ورنہ رد کرے کیونکہ خلع اس کی جانب سے معاوضہ ہے اور معاوضوں میں خیار شرط صحیح اور درست ہے۔

صاحبین اور حنابلہ کے ہاں ❶ عورت کے لیے خیار شرط صحیح نہیں اس لیے کہ حنابلہ کے ہاں لفظ خلع کے لفظ ہی سے جدائی ہو جاتی ہے اور جو چیز واقع ہو جائے اسے ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور صاحبین کے ہاں چونکہ خلع میاں بیوی دونوں کی جانب سے یمین ہے اور عورت کی جانب سے معاوضہ نہیں لہٰذا جب شرط رکھی تو خلع صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل اس لیے کہ خلع عوض فاسد سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا شرط فاسد سے بھی فاسد نہ ہوگا نکاح کی طرح۔

۴.....بیوی کے لیے خلع کو معلق کرنا یا مستقبل کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس کی طرف سے خلع معاوضہ اور تملیک ہے اور تملیکات نہ تو تعلیق قبول کرتی ہیں اور نہ اضافت۔

۵.....اگر بیوی تبرع کی اہل ہے تو پھر بدل خلع اس پر لازم ہے مثلاً وہ عاقلہ اور سمجھدار ہو ورنہ نہیں کیونکہ خلع کو جب بیوی کی جانب سے معاوضہ شمار کیا جاتا ہے تو اس میں تبرعات کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

شامی قانون میں مالکیہ اور شوافع کی رائے کو لیا گیا ہے اس قانون میں زوجین میں سے ہر ایک کو اجازت دی گئی ہے دوسرے کے قبول سے پہلے خلع سے رجوع کرنے کی دفعہ نمبر (۹۶) میں تصریح ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ وہ خلع میں دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے رجوع کرے۔

تیسری بحث: خلع کی شرائط.....خلع میں درج ذیل شرائط ہیں: ❷

شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو۔ بایں طور کہ وہ بالغ ہو عاقل ہو جمہور کے ہاں اور حنابلہ نے اجازت دی ہے کہ سمجھدار عقلمند ہو پس ہر وہ جس کی طلاق صحیح نہیں اس کا خلع بھی صحیح نہیں جیسے بچہ مجنون، معتوہ، اور وہ جس کی عقل میں بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے فتور آ گیا ہو۔

بیوقوف کا خلع.....ہر مکلف (عاقل بالغ) کی طلاق صحیح ہے چاہے وہ رشید (سمجھدار) ❸ ہو یا بیوقوف آزاد ہو یا غلام، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کی طلاق درست ہے خلع بھی صحیح ہوگا نیز اس لیے بھی کہ جب یہ بغیر عوض طلاق دینے کے مالک ہیں تو عوض کے ساتھ تو بدرجہ اولی مالک ہیں اور خلع شوہر یا اس کے وکیل کے علاوہ کا صحیح نہیں۔

ولی کا خلع.....غیر مکلف کا خلع حاکم ولی کی طرف سے درست ہے۔ جیسے بچہ کا، مجنون کا جبکہ خلع میں مصلحت ہو اور امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے ہاں باپ کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کی بیوی اور مجنون کی بیوی کا خلع کریں یا طلاق دیں۔ اسی طرح جس

---

❶.....المرجع السابق: المغنی: ۶۰/۷ ❷البدائع: ۱۴۷/۳، ۱۴۹ الدر المختار: ۷۷۲/۲، ۷۷۴، ۷۸۲، ۷۸۵ فتح القدیر: ۲۰۵/۳، ۲۰۸، ۲۱۸، اللباب: ۶۵/۳ الشرح الصغیر ۵۱۹/۲، ۵۲۴، ۵۲۶، ۵۳۰ بدایۃ المجتہد: ۶۷/۲، ۶۹ القوانین الفقہیۃ ص ۲۳۲ مغنی المحتاج: ۲۶۳/۳، ۲۶۷ غایۃ المنتہی: ۱۰۳/۳، ۱۰۵ کشف القناع ۲۳۸/۵ المغنی: ۵۲/۷ الشرح الکبیر: ۳۴۸/۲ المہذب ۷۱/۲، ۷۴ ❸الرشد عند الحنفیۃ کون الشخص مصلحا فی مالہ ولو کان فاسقا والحجر بالسفہ یفتقر عندابی یوسف إلی القضاء کالحجر بالدین.

کے لیے چھوٹے اور مجنون کی طرف سے طلاق جائز نہیں اس کے لیے جائز نہیں کہ ان پر خلع کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الطلاق لمن أخذ بالساق

اور خلع بھی طلاق کے معنی میں ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں والد اپنے چھوٹے بچے اور بچی کا خلع کرسکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں والد بچے کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے اور بچی کا نکاح کرواسکتا ہے۔

مریض کا خلع......مرض الموت والے مریض کا خلع صحیح ہے اس لیے کہ اگر وہ بغیر عوض کے طلاق دے تو صحیح ہے اور عوض کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ صحیح ہے نیز اس کے ورثاء خلع کی وجہ سے کسی چیز سے بھی محروم نہیں رہتے مالکیہ نے اس کی یہ تعبیر کی ہے خوفناک مرض والے مریض کا نافذ ہے اس بات کی طرف اشارہ کہ اس میں وارث کو نکالنے کا گناہ نہیں اور اس کو کرنا حرام نہیں مشہور قول کے مطابق اگر شوہر اس مرض میں مر گیا تو خلع یافتہ عورت وارث ہو باقی طلاق یافتہ عورتوں کی طرح حتیٰ کہ اگر اس کی عدت ختم ہوگئی اور اس نے کسی اور سے شادی بھی کرلی لیکن اگر عورت مرجائے شوہر سے پہلے تو شوہر عورت کا وارث نہ ہوگا اگرچہ عورت خلع کے وقت مریضہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ شوہر اس کو ساقط کرنے والا ہے جس کا وہ مستحق تھا۔

خلع کا وکیل بنانا......زوجین میں سے ہر ایک کے لیے درست ہے کہ وہ خلع کا کسی کو وکیل بنادیں اور ہر وہ جس کا خود خلع کرنا صحیح ہے اسے وکیل بنانا بھی صحیح ہے چاہے آزاد ہو یا غلام چاہے مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر بیوقوفی کی وجہ سے مجبور ہو یا عقلمند کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ خلع کریں تو صحیح ہے کہ یہ وکیل بنے یا موکل اس لیے کہ بیع کی طرح خلع بھی عقد معاوضہ ہے۔ اگر وکیل نے جس کے مؤکل نے اسے پابند کیا تھا اس میں کمی کردی۔ مثلاً اسے کہا تھا کہ میں تجھے وکیل بناتا ہوں کہ تو دس پر خلع کرے اور اس نے پانچ پر خلع کیا یا وکیل نے خلع مثلی سے کم کردیا جبکہ مؤکل نے تعین نہ کی تھی تو مؤکل پر یہ خلع لازم نہیں۔ اور جب عورت نے وکیل بنایا خلع کا اور اسے کسی چیز کا مثلاً بتادیا یا مطلق رکھا اور وکیل متعین نے زیادہ پر کرلیا یا مطلق کی صورت میں خلع مثلی پر تو وکیل پر زیادہ دینا لازم ہے اور بدل کے ساتھ خلع کرنے والے وکیل سے مطالبہ نہ ہوگا ہاں اگر شوہر نے اسے ضامن بنایا ہو تو پھر ہوگا اور پھر وہ عورت سے لے گا۔

فضولی کا خلع......حنفیہ اور حنابلہ نے فضولی کے خلع کی اجازت دی ہے جب فضولی شوہر کو خلع کا مخاطب بنائے اب اگر بدل کو اپنی طرف منسوب کرے اس طور پر جس سے ضمان کا فائدہ ہو مثلاً میں عورت سے خلع کرتا ہوں ایک ہزار پر جو میرے ذمہ میں یا میں ضامن ہوں یا یہ ہزار میرے ذمہ ہیں اور اس نے ایسا کردیا تو صحیح ہے اور بدل اسی کے ذمہ ہے اگر بدل کا کوئی مستحق نکل آیا تو فضولی پر اس کی قیمت دینا واجب ہے اور اس صورت میں خلع عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا اگر فضولی نے بدل کی ضمانت نہ دی اور کلام کو مطلق چھوڑا اور کہا مجھ پر ہزار ہیں اگر عورت نے قبول کرلیا تو اس پر سپرد کرنا لازم ہے اگر عاجز آگئی تو اس کی قیمت اور اگر فضولی نے بدل کسی غیر کی طرف منسوب کیا مثلاً فلاں کا گھوڑا تو پھر فلاں کے قول کا اعتبار ہوگا۔

۲۔عورت خلع کا محل ہو......اور اس کے قابل ہو جس پر نکاح صحیح کا عقد کیا جاسکتا ہو چاہے مدخول بھا ہو یا نہ اگرچہ وہ مطلقہ رجعیہ ہو اور عدت میں ہو اور وہ ہو جس کا تبرع صحیح ہو یا مال میں تصرف اس کا مطلق ہو کہ مکلفہ (عاقلہ بالغہ) ہو اور اس پر کوئی پابندی نہ ہو اور پابندی اور حجر کے پانچ سبب ہیں غلامی بے وقوفی مرض، بچپنہ اور جنون باندی کا خلع درست نہیں الا یہ کہ اس کا آقا اجازت دے دے اور نہ ہی بے وقوف عورت کا بالاتفاق اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں نہ ہی مریضہ کا کیونکہ مال میں اس کا تصرف صحیح نہیں اور نہ ہی بچی کا نہ مجنونہ کا کیونکہ کے ان میں

قبول کرنے کی اہلیت نہیں اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر اپنے شوہر سے عوض کے بدلے خلع کر لیا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے باندی پر آزاد ہونے تک کچھ بھی لازم نہیں اور اسی طرح شوافع کے ہاں آزاد ہونے کے بعد ہی عوض کا مطالبہ کرے گا لیکن شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا اور اگر خلع آقا کی اجازت سے ہو تو عوض آقا کے ذمہ ہوگا جیسا کہ وہ اپنے غلام کو استدانہ کی اجازت دے والد اور دوسرے اولیاء کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی چھوٹی بچی کا خلع یا مجنونہ اور بے وقوفہ کا خلع ان کے مال سے کرے اور نہ ہی مال پر طلاق دے سکتے ہیں یہ تو صرف اس مال میں تصرف کے مالک ہیں حفاظت اور تصرف کے اعتبار سے اور اس خلع میں مصلحت نہیں بلکہ اس میں تو اس کے واجب حق کا اسقاط ہے۔

اسی بنا پر اگر کسی پر پابندی ہو بے وقوفی بچپنہ اور جنون کی وجہ سے تو ان کا خلع نہ خود درست ہے نہ ولی کے لیے اور نہ ان کی اجازت سے کیونکہ خلع مال میں تصرف ہے اور یہ اس کے اہل نہیں اور ولی کو تبرعات کی اجازت نہیں اور پھر خلع تبرع کی طرح ہے اگر مجور علیہ شوہر نے ایسے الفاظ سے خلع کیا جن سے طلاق ہوتی ہے تو وہ طلاق رجعی ہوگی اور عوض کا مستحق نہ ہوگا۔

حنفیہ نے فرمایا ہے کہ مریضہ عورت کا خلع درست ہے اگر اس نے بیماری کی حالت میں خلع کیا تو وہ ثلث میں سے ہوگا اس لیے کہ مال قبول کرنے میں وہ تبرع کرنے والی ہے لہٰذا ثلث سے حساب لگایا جائے گا اگر وہ عدت میں مرگئی تو شوہر کے لیے بدل خلع اور میراث میں سے جو کم ہو وہ ہے۔ مالکیہ کے ہاں مرض موت والی مریضہ سے خلع حرام ہے اسی طرح اس کا خود خلع کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ شوہر پر خلع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ حرام پر اعانت ہے البتہ اس کی طلاق نافذ ہوگی، اگر شوہر صحیح ہے تو ان کے درمیان وارثت نہ ہوگی اگر وہ عدت میں مرگئی لیکن اگر شوہر مریض ہو اور عورت سے خلع کرے اور وہ اسی بیماری میں مرجائے تو عورت وارث ہوگی اگر چہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور وہ کسی اور سے نکاح بھی کرے لیکن اگر عورت مرگئی اس سے پہلے اور وہ مرض ہی میں ہو تو وہ وارث نہ ہوگا حتی کہ وہ خلع کی حالت میں مریضہ ہو تو بھی وارث نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنا حق خود ساقط کیا ہے جس کا وہ مستحق تھا۔

شوافع کے ہاں: اگر عورت نے مرض موت میں خلع کیا اور مرگئی اگر مہر مثل سے زیادہ عوض نہ رکھا تھا تو پھر اصل مال سے اس کا اعتبار ہوگا یعنی سارے ترکہ سے اگر مہر مثل سے زیادہ رکھا تو پھر زیادتی کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اور جسے مفلس قرار دے کر پابندی لگائی گئی ہو اس عورت کا خلع بالاتفاق صحیح ہے اور اس کا عوض کے لیے مال خرچ کرنا صحیح ہے اس لیے کہ اس کی ذمہ داری ہے اس کا تصرف درست ہے اور اس پر عوض کا رجوع کیا جائے گا جب اس کو ادائیگی کی وسعت ہوئی اور اس سے پابندی اٹھا دی جائے گی اور پابندی کی حالت میں شوہر کو مطالبہ کا اختیار نہیں جیسا کہ وہ کوئی چیز اپنے ذمہ سے کچھ فروخت کرے۔

۳۔ بدل خلع ایسی چیز ہو جو مہر بن سکتی ہو...... اور یہ حنفیہ کے ہاں: مال منقول ہو اور خلع کے وقت موجود ہو باقی معلوم ہو یا مجہول، یا ایسی منفعت ہو جس کی مال سے قیمت لگائی جاسکے کسی مسلمان عورت کا خلع شراب خنزیر مردار اور خون پر درست نہیں اور عوض باطل ہو جائے گا اور شوہر کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا اور یہ جدائی طلاق بائن ہوگی اس لیے کہ جب عوض باطل ہو گیا تو لفظ خلع باقی رہ گیا اور یہ کنایہ ہے اور کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے لیکن اگر طلاق مال پر ہو اور عوض باطل ہو جائے تو طلاق رجعی ہوتی ہے کیونکہ لفظ طلاق باقی رہ گیا اور وہ صریح ہے اور صریح طلاق رجعی ہوتی ہے۔ اور جمہور کے ہاں بدل ہر وہ چیز بن سکتی ہے جس کا مالک ہونا درست ہو چاہے عین مال ہو یا دین ہو یا منفعت ہو شراب خنزیر اور ان کے مشابہ چیزوں سے بچتے ہوئے اگر عورت سے کسی حرام چیز پر خلع کیا جیسے شراب خنزیر غصب شدہ چیز چوری شدہ چیز تو مرد کے لیے ان میں سے عورت پر کچھ بھی نہیں اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں حنفیہ کی طرح عورت بائنہ ہو جائے گی اور یہ بغیر عوض خلع کی طرح ہوگا اس لیے کہ وہ بغیر عوض اسقاط پر راضی ہے لہٰذا کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا اور شوافع نے فرمایا: اگر شوہر مجہول یا حرام چیز پر خلع کرے تو اس

سے عورت مہر مثل کے ساتھ بائنہ ہوگی اس لیے کہ یہی عوض کے فاسد ہونے کے وقت مراد ہے لیکن اگر اس نے ایسی چیز پر خلع کیا جو مال نہیں مثلاً خون پر تو طلاق رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ اسے کسی چیز کا طمع نہیں اور کفار کا خلع عوض کے ساتھ بغیر مال کے تو وہ صحیح ہے جیسا کہ ان کے نکاحوں میں ہوتا ہے۔

معدوم یا مجہول چیز پر خلع......شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں اگر خلع کا عوض غرر پر مشتمل ہے۔ یا معدوم ہو اس کے وجود کا انتظار ہو جیسے حیوان کے پیٹ میں بچہ کہ عورت اس کی مالک ہے یا عوض مجہول ہو جیسے دو گھوڑوں میں سے ایک یا عرض معلوم نہ ہو یا کوئی جانور ہو یا پھل ہو تیار نہ ہو یا بھگوڑا اغلام ہو یا بدکا ہوا اونٹ ہو یا مجہول مدت کی طرف مضاف ہو برخلاف مہر نکاح کے تو یہ خلع درست ہے پس ہر وہ چیز جو خلع میں عوض بن سکتی ہے اس کا نکاح میں عوض ہونا ضروری نہیں اس لیے کہ خلع توسع اور تسامح پر مبنی ہوتا ہے لہٰذا جہالت برداشت کرے گا اور نکاح اسے برداشت نہیں کرتا اور خلع ان چیزوں پر صحیح ہوتا ہے جن کا مہر بننا صحیح نہیں۔ حنفیہ نے عوض خلع میں جہالت کے جواز پر اگرچہ وہ جہالت فاحشہ ہو درج ذیل تفریعات بیان کی ہیں۔

(الف)......اگر بیوی نے شوہر سے کہا (میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر مجھ سے خلع کرو) اور اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا اور شوہر نے اس سے خلع کر لیا تو عورت کے ذمہ مرد پر کچھ نہ ہوگا کیونکہ اس نے مال کا نام لے کر دھوکا نہیں دیا۔

(ب)......اگر بیوی نے شوہر سے کہا (میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس پر مجھ سے خلع کرو) اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور شوہر نے خلع کر لیا تو تو بیوی اسے مہر واپس کرے گی اس لیے کہ عورت نے مال کا نام لیا ہے اور شوہر عوض کے بغیر خلع پر راضی نہیں اور جہالت کی وجہ سے اس پر اور کچھ واجب کرنا یا مہر مثل واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ بضع (فرج) کے ملک سے خارج ہوتے وقت خلع وغیرہ کی صورت میں مہر مثل غیر متقوم ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور عقد نکاح میں ملک میں داخل ہونے وقت بضع متقوم ہے لہٰذا متعین ہو گیا واجب کرنا اس چیز کا جس سے شوہر بضع کا مالک ہو ضرر دفع کرنے کے لیے۔

(ج)......اگر بیوی نے شوہر سے کہا (میرے ہاتھ میں جو درھم ہیں ان پر مجھ سے خلع کرو اور عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ اور شوہر نے خلع کر لیا تو عورت کے ذمہ تین درھم ہیں اس لیے کہ اس نے دراھم جمع ذکر کیا ہے اور جمع کی کم سے کم مقدار تین ہے اس میں حنابلہ نے بھی [1] ان کی موافقت کی ہے۔

(د)......بیوی نے اگر کہا (مجھے تین طلاقیں ایک ہزار میں دو) اس نے ایک طلاق دی تو عورت پر ہزار کا تیسرا حصہ ہے اس لیے کہ حرف باء عوض کا مصاحب ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے پس جب عورت نے تین طلاقیں ایک ہزار میں مانگی تو اس نے ہر طلاق ہزار کے ثلث کے بدلے میں مانگی اور طلاق بائن ہے کیونکہ مال واجب ہے اور اگر عورت نے کہا (مجھے تین طلاقیں ایک ہزار پر دو) اور شوہر نے ایک دی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عورت پر کچھ بھی واجب نہیں اور طلاق رجعی واقع ہوگی اس لیے کہ علی کا لفظ شرط کے لیے آتا ہے اور مشروط شرط کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہوتا برخلاف باء کے وہ عوض کے لیے ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں صحیح ہے صاحبین اور شوافع کے ہاں [2] اس پر ہزار کا ثلث ہے اور طلاق بائن واقع ہوگی اس لیے کہ معاوضات میں علی کا لفظ باء کی طرح ہوتا ہے۔ اگر شوہر نے بیوی سے کہا (اپنے آپ کو ایک ہزار میں یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دو) اس نے اپنے کو ایک طلاق دی تو عورت پر کچھ بھی واقع نہ ہوگا اس لیے کہ شوہر تو صرف ایک ہزار ملنے پر جدائی پر راضی ہے اور یہ پہلی حالت کے برخلاف ہے۔ البتہ شوافع کہتے ہیں عوض خلع میں ثمن والی شرائط شرط ہیں، کہ متمول ہو معلوم ہو سپرد کرنے پر قدرت ہو، اگر مجہول پر خلع کیا یا معلوم شراب پر کہ جن کا مالک نہیں ہو سکتا تو بیوی مہر مثل کے ساتھ بائنہ ہوگی کیونکہ فساد عقد کے وقت یہی مراد ہوتا ہے۔

---

[1]......المغنی: ۷/۶۱ [2] المہذب: ۲/۷۵

بعض مذاہب میں خلع کی مجمل شرائط...... مالکیہ کے ہاں ❶ خلع تین شرائط کے بغیر جائز نہیں۔

پہلی شرط......مرد کو دیا جانے والی چیز ایسی ہو کہ اس کا مالک بھی بن سکے اور اسے فروخت بھی کر سکے شراب خنزیر وغیرہ سے بچنے کے لیے البتہ مجہول اور غرر کے ساتھ جائز ہے۔

دوسری شرط......ناجائز چیزوں کی طرف نہ لے کر جائے جیسے ادھار پر خلع، یا دین تک تاخیر، یا تعجیل کی بنیاد پر کم کرنا اور متعین چیز کا مثل دینا اس لیے کہ عین میں اجل اس کا حق ہے جس پر وہ ہے۔

تیسری شرط......خلع عورت کے اختیار اور رضامندی سے ہو اس پر کوئی جبر واکراہ نہ ہو اور نہ اس کا کوئی نقصان ہو اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی گئی تو طلاق ہو جائے گی خلع نہ ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں ❷ خلع کی نو (۹) شرطیں ہیں:

(۱)......عوض دینا۔

(۲)......جس کا تبرع صحیح ہو اور شوہر کی طلاق صحیح ہو۔

(۳)......مذاق نہ کر رہے ہوں۔

(۴)......اگر عورت مال دے دے تو پھر اسے نہ روکنا۔

(۵)......صریح یا کنایہ صیغے کے ساتھ واقع کرنا اور اولیٰ یہ ہے کہ خلعت فسخت اور فادیت دوسرے بار أتک، ابرأتک ابنتک

(۶)......طلاق کی نیت نہ ہو۔

(۷)......تنجیز۔

(۸)......پوری بیوی پر واقع کرنا

(۹)......کوئی حیلہ نہ کرنا خلع حرام ہو جاتا ہے اگر طلاق کی یمین یا تعلیق کو ساقط کرنے کے لیے ہو اور خلع صحیح نہ ہو۔

شامی قانون میں خلع کی شرائط......دفعہ (۹۵) میں تصریح ہے کہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو۔

اور عورت طلاق کی محل ہو:

۱......خلع کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ شوہر طلاق واقع کرنے کا اہل ہو اور بیوی طلاق کا محل ہو۔

۲......وہ عورت جو سن رشد کو نہ پہنچی ہو جب اس سے خلع کیا جائے تو بدل خلع لازم نہیں الا یہ کہ ولی مال اس کی موافقت کرے یہ دوسرا فقرہ مالکی مذہب کا ہے۔

اور دفعہ نمبر ۹۶ میں خلع کی صفت بیان ہے مالکی اور شافعی مذہب کو لیتے ہوئے کہ خلع معاوضہ ہے اور طرفین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ دوران خلع دوسرے کے قبول سے پہلے اپنے ایجاب سے رجوع کرلے۔

اور دفعہ نمبر ۹۷ میں بدل خلع کے بارے میں تصریح ہے: اور وہ ہر وہ چیز جس کا مہر بننا صحیح ہو بالاتفاق ہر وہ چیز جسے شرعاً لازم کرنا صحیح ہو تو اس کا بدل خلع بننا بھی صحیح ہے۔

اور دفعہ ۱۰۰ میں بغیر عوض کے خلع کی حالت پر تصریح ہے مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق: جب دونوں خلع میں بدل کی نفی

❶......القوانین الفقهية ص ۲۳۲ الشرح الصغير: ۵۲۴/۲ ❷ غاية المنتهى ۱۰۳/۳۔۱۱۰۔

کریں تو خلع طلاق محض کے حکم میں ہوگا اور اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

چوتھی بحث: بدل خلع لینے کا حکم، بعض منافع اور حقوق کے مقابلہ میں خلع، خلع اور مال پر طلاق میں فرق:

بدل خلع کے سلسلہ میں تین چیزوں کے بارے میں بحث ہوگی، بدل خلع لینے کا حکم منافع اور حقوق کے مقابلہ میں خلع اور خلع اور مال پر طلاق میں فرق۔

بدل خلع لینے کا حکم...... فقہاء نے بدل خلع اور بدل طلاق لینے کی مشروعیت کے سلسلہ میں درج ذیل تفصیل سے بحث کی ہے ❶ اگر بیوی شوہر کو ناپسند کرتی ہو قبیح منظر بری معاشرت وغیرہ سے اور اسے خوف ہو کہ شوہر کا حق ادا نہیں کر سکے گی تو شوہر کے لیے جائز ہے اس سے خلع کرے اور اس سے اس کے بدلہ میں عوض لے لے لیکن حنفیہ کے ہاں جو کچھ اسے دیا ہوا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے ثابت بن قیس کی بیوی کے واقعہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اسے اس کا باغ واپس کرنا چاہتی ہے؟ تو اس نے عرض کی جی ہاں اور زیادہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ تو نہیں ❷ یہی قول عطاء طاؤس زہری اور عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ جمہور نے اجازت دی ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز ہے جبکہ نافرمانی عورت کی طرف سے ہو البتہ یہ مستحب نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ البقرۃ۲/۲۲۹

اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو ہاں اگر زن وشوہر کو خوف ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گناہ کی نفی کی ہے شوہر کے طلاق کے بدلے میں عوض لینے میں چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور حدیث میں جو زیادہ لینے کی مما ہے وہ خلاف اولی پر محمول ہے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں اگر عورت اپنے شوہر سے خلع کرے اپنی میراث یا بال باندھنے کے جوڑے سے تو یہ جائز ہے ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں میں نے اپنے شوہر سے بال باندھنے کے جوڑے کم پر خلع کیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اسے جائز قرار دیا۔

ا...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے آپ کی مخالفت نہیں فرمائی یہ واقعہ مشہور ہوا اور اس پر نکیر نہیں ہوئی پس یہ اجماع ہے اور علی رضی اللہ عنہ کا ان سے اختلاف صحیح ثابت نہیں۔

۲...... اگر کشیدگی اور اعراض شوہر کی جانب سے ہو تو تمام علماء کے ہاں بالاتفاق کچھ لینا مکروہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰ النساء:۴/۲۰

اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لوگے۔

اور اس کی مثال یہ ہے کہ شوہر بیوی کو مجبور کرے تا کہ وہ خلع طلب کرے اور اس پر عرصہ حیات تنگ کر دے اور اس کے ساتھ برے

---

❶...... البدائع۳/۱۵۰ فتح القدیر: ۳/۲۰۳ القوانین الفقهیة:۲۳۲ المهذب:۲/۷۰ المغنی: ۷/۵۲-۵۵ بدایة المجتهد: ۲/۶۸

❷رواه ابو داؤد مرسلا عن عطاء واخرجه الدارقطنی عن ابی الزبیر وفی روایة ابن ماجه عن ابن ماجه فامر رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یاخذ منها حدیقة ولا یزداد(نصب الرایة ۳/۲۴۴ نیل الاوطار ۶/۲۴۶)

اخلاق سے پیش آئے تا کہ وہ طلاق لینے پر مجبور ہو جائے تو حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں شوہر کے لیے کچھ لینا حرام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ...... البقرة: ۲/ ۲۳۱

اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیے کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ ...... النساء: ۴/ ۱۹

اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہےاس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ یہ آیات بغیر ضرورت کے خلع کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ یہ نقصان پہنچانا اور ظلم کرنا ہے۔ مالکیہ کے ہاں بھی یہی حکم ہے کہ اضرار کی حالت میں شوہر کا بیوی سے کچھ لینا حرام ہے اور اگر وہ کچھ لے لے تو اس کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر نا اتفاقی و نا چاقی دونوں جانب سے ہو اور دونوں کو حقوق زوجیت میں کمی کوتاہی کا خوف ہو تو خلع بھی جائز ہے اور اس کا عوض لینا بھی بالاتفاق جائز ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ...... البقرة: ۲/ ۲۲۹

ہاں اگر شوہر و زن کو خوف ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔

بعض منافع اور حقوق کے بدلے میں خلع ...... بدل خلع نقود میں سے ہو تو بھی صحیح ہے یا ایسے منافع سے ہو جن کی مال سے قیمت لگ سکتی ہے جیسے گھر کی رہائش زمین کی معلوم مدت تک زراعت یا بچے کو دودھ پلانا یا اس بچے کی پرورش کرنا یا اس پر خرچ کرنا یا حقوق میں سے ہو جیسے نفقہ عدت ساقط کر دینا وغیرہ۔

رضاع (بچے کو دودھ پلانے) پر خلع ...... بچے کو مدت رضاع میں دودھ پلانے پر خلع کرنا صحیح ہے۔

کیونکہ دودھ پلانے پر معاوضہ لینا خلع کے بغیر بھی صحیح ہے تو خلع میں بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔ حنابلہ کے ہاں [1] مدت مقرر کیے بغیر بھی بچے کو دودھ پلانے پر خلع کرنا صحیح ہے اور دو سالوں میں سے جو عرصہ باقی ہوگا وہ مراد ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ کی مدت دو سال مقرر فرمائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ...... البقرة: ۲/ ۲۳۳

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہے [2] اگر دودھ پلانے والی مر گئی یا اس کا دودھ ختم اور خشک ہو گیا تو اس کے ذمہ باقی مدت کی اجرت مثل ہے اور حنابلہ کے ہاں اگر بچہ مر جائے تو بھی یہی حکم ہے اور بچے کے تلف ہونے کی وجہ سے اتفاق فسخ ہو جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اتفاق فسخ نہ ہوگا بلکہ عورت کو اس بچے کی جگہ بچہ دیا جائے گا جسے وہ دودھ پلائے اس لیے کہ بچہ استیفاء کے لیے ہے نہ کہ معقود علیہ ہے۔

پرورش یا بچے کی کفالت پر خلع: اسی طرح خلع صحیح ہے اگر عورت معلوم مدت تک بچے کی پرورش کرے بلا اجرت کے اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ جب تک رضاعت کی مدت اور کھانے کی مقدار اور جنس اور سالن اور اس کی جنس ذکر نہ کی جائے تو خلع پر اتفاق صحیح نہیں اور بلع معلوم اور صفت منضبط دینا ضروری ہے جیسے مسلم فیہ میں ہوتا ہے [3] اس اختلاف کی بنیاد اجیر کو اجارہ پر رکھنا کھانے اور کپڑے کے اعتبار سے اس مسئلہ پر ہے شوافع اجرت کی تعین کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] ...... المغنی: ۷/ ۶۴ [2] رواہ ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ عن جابر و تتمۃ والایتم بعد احتلام (نیل الاوطار ۶/ ۳۱۵)

[3] المغنی: ۷/ ۶۵

مزدور رکھنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس کی اجرت واضح نہ کر دی جائے ❶ اور جمہور کے ہاں اجرت متعین کرنا واجب نہیں عرف اور مسلمانوں کے استحسان کی وجہ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو آٹھ یا دس سال کے لیے اجرت پر رکھا اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور کھانے کے لیے ❷ اگر عورت نے بچے کو چھوڑ دیا اور بھاگ گئی یا بچہ مر گیا یا عورت مرگئی تو باقی مدت کی اجرت مثل اس پر واجب ہے۔

بچے کو بالغ ہونے تک پاس رکھنے پر خلع......اگر عورت نے بچے کو بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھنے پر شوہر سے خلع کیا تو حنفیہ کے ہاں خلع درست ہے اور شرط صحیح نہیں اس لیے کہ پرورش کی مدت ختم ہونے کے بعد بیٹے پر حق والد کا ہے نہ کہ والدہ کا ہاں اگر بچی کو بلوغ تک اپنے پاس رکھنے پر خلع کیا تو خلع بھی درست اور شرط بھی صحیح ہے دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ بچہ پرورش کے بعد والد کا محتاج ہوتا ہے۔ اور والد اس کی تربیت پر والدہ سے زیادہ قادر ہوتا ہے اور بچی والدہ کی محتاج ہوتی ہے اپنی تعلیم وتربیت میں اور والدہ اس پر زیادہ قدرت رکھتی ہے بنسبت والد کے۔

اور مالکیہ نے بچے کو بلوغ تک والدہ کے پاس چھوڑنے کی اجازت دی ہے اس لیے کہ یہ پرورش کی مدت ان کے ہاں بلوغ تک ہے اور لڑکی کی نکاح اور رخصتی تک ہے۔

پرورش کے حق کو ساقط کرنے پر خلع:

پرورش کے حق کو ساقط کرنے پر خلع حنفیہ کے ہاں صحیح ہے اور والدہ کا حق پرورش ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ یہ بچے کا حق ہے والدہ اس سے دستبردار ہونے کی مالک نہیں اور مالکیہ نے خلع کے ذریعہ حق پرورش کو دو شرطوں کے ساقط کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ حق والد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

پہلی شرط......والدہ کی جدائی سے بچے کو کوئی نقصان نہیں۔

دوسری شرط......والد بچے کی پرورش پر قادر ہو، لیکن مالکیہ کے ہاں مفتی بہ ہے کہ پرورش کا حق والدہ کے ساقط کرنے سے والد کی طرف منتقل نہیں ہوتا البتہ والدہ کے بعد جسے پرورش کا حق ہے اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ❸

بچے کے نفقہ پر خلع......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ❹ اگر شوہر نے بیوی سے اس طور پر خلع کیا کہ بیوی اس کے چھوٹے بچے پر معلوم مدت تک خرچ کرے گی تو خلع درست اور صحیح ہے اور عورت پر اس مدت تک خرچ کرنا لازم ہوگا اگر عورت نے انکار کر دیا یا وہ مرگئی یا بچہ مدت ختم ہونے سے پہلے مر گیا تو عورت پر باقی مدت کا نفقہ مثل واجب ہوگا۔ اور اس کی موت کی صورت میں اس کے ترکہ سے لیا جائے گا۔ اور اگر عورت تنگدست ہو جائے تو شوہر اس پر خرچ کرے گا اگر مالدار ہوگئی تو پھر اس سے نفقہ لے لے گا لیکن مالکیہ کے ہاں اگر عورت نے اس بات پر خلع کیا کہ حمل کی مدت کا اپنا نفقہ وہ خود برداشت کرے گی تو اصح قول کے مطابق وہ ساقط نہ ہوگا۔

عدت کے نفقہ سے دستبردار ہونے پر خلع......اگر عورت شوہر سے عدت کا نفقہ لینے سے دستبردار ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں خلع کرلے اور شوہر اسے بری کر دی ❺ تو خلع صحیح ہے اگرچہ ساقط مجہول ہے۔ اسی طرح عدت کی مدت میں رہائش کے حق کو ساقط کرنے کے بدلے میں خلع کرنا صحیح ہے لیکن اس کا حق سکنی ساقط نہ ہوگا اس لیے کہ عدت والی عورت کو شوہر کے گھر میں عدت گذارنا شرعاً واجب ہے

❶......رواہ احمد نیل الاوطار: ۵/۲۹۲ ❷ رواہ احمد وابن ماجہ عن عتبہ بن الندر (نیل الاوطار: ۵/۲۹۲) ❸ الدسوقی شرح الکبیر: ۲/۳۴۹ الشوح الصغیر: ۲/۵۲۲ ❹ الشرح الصغیر: ۲/۵۲۱ ❺ المرجع السابق۔

بیوی اسے ساقط کرنے کی مالک نہیں اور نہ ہی عورت اسے معاف کرسکتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ الطلاق:۶۵/ ۱

(نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں۔ ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) لیکن اگر عورت اس کا التزام کرے کہ اپنے مال سے گھر کی اجرت دے دے تو پھر شوہر کے لیے صحیح ہے کہ وہ اس اجرت کو معاف کردے۔

منافع اور حقوق پر خلع کے بارے میں شام کے قانون کا مؤقف...... دفعہ نمبر ۱۰۲ میں تصریح ہے کہ شوہر رضاعت کی اجرت کو معاف کردے جیسا کہ فقہاء کا مؤقف میں نے بیان کیا جب خلع میں یہ شرط ہو کہ شوہر بچے کی رضاعت کی اجرت کو معاف کرے گا یا عورت کے پاس معلوم مدت تک بچہ روکنے کی شرط رکھی اور عورت ہی اس پر نفقہ وخرچہ کرے پھر وہ عورت دوسری شادی کرلے یا بچہ کو چھوڑ دے یا وہ مرجائے یا بچہ مرجائے تو شوہر باقی مدت کا نفقہ یا بچہ کے دودھ کی اجرت لے گا خلع کے وقت والدہ تنگ دست تھی یا اس کے بعد مفلس ہوگئی تو والد پر جبر کیا جائے گا بچے پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں اور یہ اس کی طرف سے والدہ پر دین ہوگا۔

اور دفعہ نمبر (۱۰۳) پر تصریح ہے کہ خلع سے پرورش کا حق ساقط نہیں ہوتا حنفی مذہب پر عمل کرتے ہوتے اگر شوہر نے پرورش کی مدت بچے کو اپنے پاس رکھنے کی شرط لگائی خلع میں تو خلع صحیح ہے اور یہ شرط باطل اور عورت کو شرعی طور پر بچہ لینے کا حق ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو والدہ پر خرچ کرنا لازم ہے۔

اور دفعہ نمبر (۱۰۱) میں تصریح ہے تو عدت کا نفقہ ساقط نہیں ہوسکتا ہے الا یہ کہ خلع میں بالکل تصریح کردی جائے تو اور دفعہ ۱۰۴ میں تصریح ہے کہ بچے کہ نفقہ اور والد کے دین میں مقاصہ جاری نہ ہوگا۔'' بچہ جس نفقہ کا مستحق ہے اور وہ والد کے ذمہ ہے اس میں اور عورت کے ذمہ جو والد کا دین ہے ان میں مقاصہ جاری نہ ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں خلع اور مال پر طلاق میں فرق...... خلع اور مال پر طلاق اگرچہ دونوں عقد نکاح کو زائل کردیتے ہیں اور اس کے باوجود کہ ان میں سے ہر ایک طلاق بعوض ہے لیکن تین وجہوں سے یہ مختلف ہیں۔ ❶

پہلی وجہ...... اگر خلع کسی ایسے عوض کے بدلے میں ہو جو شرعاً باطل ہے مثلاً ایسی چیز پر خلع ہو جو مال نہیں جیسے مسلمان عورت کا شراب خنزیر اور مردار پر خلع کرنا تو شوہر کے لیے کچھ بھی نہ ہوگا اور طلاق بائن واقع ہوگی لیکن مال پر طلاق میں اگر عوض باطل ہو بایں طور کے ایسی چیز کو مقرر کریں جو مال متقوم نہیں تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ خلع حنفیہ کے ہاں کنایات میں سے ہے اور کنایات سے بائنہ فرقت ہوتی ہے اور طلاق جو مال پر ہے وہ صریح لیکن اگر عوض شرعاً صحیح ہو تو بائن واقع ہوتی ہے اور جب عوض صحیح نہ ہو تو گویا اس طرح ہے کہ عوض تھا ہی نہیں تو صریح طلاق باقی رہی گئی۔ لہٰذا رجعی ہوگی اور اس صورت میں لفظ خلع اور طلاق خالص عمل کریں گے اور لفظ خلع طلاق سے کنایہ ہے اور لفظ طلاق صریح الفاظ میں سے ہے اس سے طلاق رجعی ہوگئی۔

دوسری وجہ...... ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: خلع کے ذریعہ وہ تمام حقوق جو زوجین کے ازدواجی تعلق کی بناء پر ایک دوسرے پر تھے ساقط ہوجاتے ہیں جیسے مہر اور دوران نکاح جو خرچہ ہوا لیکن عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ خلع سے پہلے وہ واجب نہ تھا لہٰذا خلع کے ذریعے اسے ساقط کرنے کا تصور نہیں۔ اور مال پر طلاق سے زوجین کے حقوق میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا اس صورت میں صرف متفق علیہ مال واجب ہوتا ہے۔

❶...... البدائع: ۳/ ۱۵۱ فتح القدیر: ۳/ ۲۰۴ الکشاب مع اللباب: ۳/ ۶۵ الفتاویٰ الھندیۃ ۱/ ۴۵۰

تیسری وجہ فرق......خلع طلاق بائن ہے یا فسخ نکاح اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور کے ہاں یہ طلاق بائن ہے اور اس کو عدد طلاق میں شمار کیا جائے گا البتہ حنابلہ کے ہاں معتمد یہ ہے کہ خلع فسخ بائن ہے اس سے عدد طلاق میں کمی نہ آئے گی اگر چہ خلع کی نیت نہ بھی کرے [1] اور مال پر طلاق میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ وہ طلاق بائن ہے اس سے عدد طلاق میں کمی آتی ہے۔

پانچویں بحث......خلع کے آثار واحکام:

خلع پر درج ذیل آثار مرتب ہوتے ہیں۔ [2]

ا......اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کے ہاں اگر چہ بغیر عوض یا بغیر نیت بھی کرے تو طلاق بائن ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرۃ:۲/۲۲۹) اور فداء تب ہی ہوگا جب عورت مرد کے اختیار اور اثر سے نکل جائے اگر طلاق بائن نہ قرار دی جائے تو پھر مرد رجوع کا مالک ہوگا اور عورت اس کے اقتدار واختیار میں ہوگی اور مقصد عورت سے ضرر کا ازالہ ہے اگر رجوع کی اجازت دے دی جائے تو پھر ضرر ونقصان لوٹ آئے گا اور امام احمد سے ایک دوسری روایت مروی ہے جو ان کے مذہب میں راجح ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے یہی ابن عباس طاؤس عکرمۃ اسحاق اور ابوثور کی رائے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (البقرۃ:۲/۲۲۹)

پھر فرمایا:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ......البقرۃ:۲/۲۲۹

پھر ارشاد فرمایا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرۃ:۲/۲۳۰)

اللہ رب العزت نے پہلے دو طلاقوں کا ذکر فرمایا پھر خلع کا پھر اس کے بعد ایک طلاق کا اگر خلع بھی طلاق ہو تو طلاقیں چار ہو جائیں گی بایں طور کہ وہ طلاق جس کے بعد بیوی شوہر کے لیے حلال نہیں رہی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے تو وہ چوتھی طلاق ہوگی۔ نیز یہ ایسی جدائی ہے جو صریح طلاق سے اور طلاق کی نیت سے خالی ہے لہٰذا فسخ نکاح ہے جس طرح سارے فسخ ہو کراتے ہیں۔لیکن حنابلہ کے ہاں معتمد یہ تفصیل ہے کہ اگر خلع لفظ خلع یا مفادات یا ان کی طرح کے الفاظ سے ہو یا کنایات طلاق سے ہو اور اس سے طلاق کی نیت بھی ہو تو خلع طلاق بائن ہے۔اور اگر خلع اپنے صیغہ سے واقع ہوا ہو تو پھر خلع فسخ ہے اس سے عدد طلاق میں کمی نہیں آئے گی اور ان الفاظ سے طلاق کی نیت بھی نہ کی ہو بایں طور کہ لفظ خلع فسخ یا مفادات کے الفاظ سے واقع کرے اور طلاق کی نیت نہ کرے تو فسخ ہوگا اور اس کے ذریعہ تعداد طلاق میں کمی نہ ہوگی۔مبارات یہ کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے میں تجھے تیرے نکاح سے ایک ہزار پر بری کرتا ہوں اور عورت قبول کرلے یہ کنایہ الفاظ میں سے ہے اگر نیت کی ہو تو حنابلہ کے ہاں اس سے خلع وقع ہو جائے گا اور حنفیہ کے ہاں یہ الفاظ بھی خلع کی طرح ہیں ان سے بلا نیت بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بھی دی اور اسے اپنے پاس سے مال بھی دیا تو یہ خلع نہیں بلکہ مالکیہ کے ہاں یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ یہ اس کی طرح ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دے اور سامان (متعہ) بھی دے۔

۲۔خلع قاضی کے فیصلہ پر موقوف نہیں......جیسا کہ ہر اس طلاق کا حکم ہے جو شوہر کی جانب سے ہوتی ہے۔

---

[1] ......المعتمد فی فقه الامام احمد ۲/۲۴۸۔ [2] البدائع:۳/۱۴۴ فتح القدیر:۳/۲۱۵ اور المختار:۲/۷۷۸ اللباب: ۳/۶۲ الشرح الصغیر:۲/۵۱۸ بدایۃ المجتھد:۲/۶۹ مغنی المحتاج:۳/۲۶۸ المهذب:۲/۷۲ المغنی: ۷/۵۶ غایۃ المنتهی ۳/۱۰ کشف القناع:۵/۲۴۱۔

۳۔ خلع شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا...... جب شوہر خلع کرے اس شرط پر کہ بچہ اس کے پاس رہے گا پرورش کی مدت ختم ہونے سے پہلے یا بیوی شوہر سے اس شرط پر خلع کرے کہ وہ اپنے بچے کو پرورش کی مدت ختم ہونے کے بعد بھی اس کے پاس چھوڑے گا یا عورت کو بچے کی پرورش کا حق ہوگا اگر چہ وہ بچے کے محرم رشتہ داروں میں شادی نہ بھی کرے بلکہ غیر محرم میں کرے تو مذکورہ تمام صورتوں میں شرط باطل ہے اور خلع صحیح اور نافذ ہے۔

۴۔ بدل خلع جس پر اتفاق ہوا ہے وہ بیوی پر ادا کرنا لازم ہے...... چاہے وہ مہر ہو یا اس کا کچھ حصہ یا مہر کے علاوہ کوئی چیز ہو کیونکہ شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہے بدل لینے پر اور عورت اس پر راضی ہے تو تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق عورت کے ذمہ وہ لازم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں خلع سے تمام حقوق اور دیون ساقط ہوتے ہیں: جو زوجین کے ایک دوسرے کے ذمہ ہیں اور جو رشتہ ازدواج سے متعلق ہیں جس پر خلع واقع ہوا جیسے مہر اور گزشتہ ختم شدہ نفقات اس لیے کہ خلع کا مقصد خصومت اور زوجین کے درمیان لڑائی جھگڑے کو ختم کرنا۔

اور رہ گئے وہ دیون جو میاں بیوی کے ایک دوسرے پر ہیں اور رشتہ ازدواج سے متعلق نہیں جیسے قرض و دیعة رھن مبیع کے ثمن وغیرہ تو بالاتفاق وہ ساقط نہیں ہوتے اسی طرح عدت کا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ صراحت سے عقد خلع میں انہیں ساقط کریں کیونکہ وہ خلع کے بعد واجب ہوتا ہے۔

۵...... جمہور کے ہاں اور امام احمد کے ہاں خلع سے حقوق میں سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوتا ہاں اگر ساقط کرنے کی تصریح کریں تو پھر چاہے لفظ خلع کے ساتھ ہو یا مباراۃ کے ساتھ اور یہ مال پر طلاق کی طرح ہے۔ اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور صرف بدل واجب ہوتا ہے اس لیے کہ حقوق ساقط نہیں ہوتے مگر صرف اسی صورت میں جب ان کے ساقط کرنے پر کوئی دلالت کرے اور خلع میں حقوق ثابتہ کے ساقط ہونے پر کوئی دلالت نہیں اس لیے کہ یہ بیوی کی جانب سے معافی ہے اور معاوضات کا اس کے علاوہ میں کوئی اثر نہیں ہوتا جس پر طرفین راضی ہیں یہی راجح ہے اور عدل کے ساتھ متفق ہے اس لیے کہ حق تو صرف صراحۃً یا دلالۃً اسقاط سے ساقط ہوتا ہے۔

۶۔ کیا خلع والی عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے؟...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خلع والی عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے چاہے فوراً دے یا بعد میں اور جمہور کے ہاں نہیں دی جاسکتی البتہ امام مالک کے ہاں اگر کلام متصل ہو تو دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں اور امام شافعیؒ اور احمد کے ہاں نہیں دی جاسکتی اگر چہ کلام متصل ہی کیوں نہ ہو۔ مختلعہ عورت کو طلاق کسی حال میں بھی نہیں دی جاسکتی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ جب تک خلع والی عورت عدت میں ہو اسے طلاق دی جاسکتی ہے۔ اور جمہور نے ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ خلع والی عورت کو طلاق ملحق نہیں ہوسکتی اور یہ کہ وہ شوہر کے لیے نکاح جدید کے علاوہ حلال نہیں اس کو طلاق ملحق نہ ہوگی جیسے دنوں ہے پہلے والی مطلقہ کو یا جس کی عدت ختم ہوگئی ہو اور دونوں رائیوں میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عدت امام ابوحنیفہ کے ہاں احکام نکاح میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عدت گذارنے والی کی بہن سے نکاح دوران عدت جائز نہیں لہٰذا خلع کے بعد اسے طلاق بھی جاسکتی ہے اور جمہور کے ہاں عدت احکام طلاق میں سے ہے لہٰذا طلاق نہیں دی جاسکتی۔

۷۔ دوران عدت خلع والی عورت سے رجوع نہیں اکثر علماء کے ہاں...... چاہے خلع فسخ ہو یا طلاق فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرۃ: ۲۔ ۲۲۹) اور رہائی تب ہی ہوگی جب وہ شوہر کے قبضہ اور اس کے اختیار سے نکل جائے اگر اسے رجوع کی اجازت ہو تو وہ اس کے اختیار میں ہے اور مقصد عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے اگر رجوع جائز ہو تو پھر ضرر لوٹ آئے گا۔

زہری اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ وہ دونوں کہتے ہیں کہ شوہر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو عوض رکھ لے اور اسے رجوع کا حق نہیں اور چاہے تو عوض واپس کردے اور رجوع کا اسے حق ہو۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ خلع یافتہ عورت سے مرد دوران عدت اس کی رضامندی

سے نکاح کرے اور بعض متاخرین کے ہاں دوران عدت نہ تو شوہر نکاح کرسکتا ہے اور نہ کوئی اور۔

۸۔ **خلع یا اس کے عوض میں اختلاف**...... جب بیوی خلع کا دعویٰ کرے اور شوہر انکار کرے اور شوہر کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر کی تصدیق قسم کے ساتھ ہوگی اس لیے کہ اصل نکاح کا باقی رہنا اور خلع نہ ہونا ہے اور شوافع کے ہاں گواہ دو آدمی کی گواہی ہے اور اگر شوہر کہے میں نے تجھے ایک ہزار میں طلاق دی ہے اور عورت کہے نہیں بلکہ مفت دی ہے یا تو نے طلاق نہیں دی تو عورت بائنہ ہوجائے گی اور شوہر کے لیے کوئی عوض نہیں ہوگا اگر عورت نفی پر حلف اٹھائے اور رہ گئی بینونت تو وہ شوہر کے اقرار کی وجہ سے ہے۔ اور عوض کا نہ ہونا اس لیے کہ اصل بری الذمہ ہونا ہے لیکن عورت کے لیے دوران عدت نفقہ سکنی اور کسوۃ ہے اگر زوجین عوض کی جنس میں اختلاف کریں آیا درھم تھے یا دینار یا اس کی صفت میں کہ صحیح تھے یا ٹوٹے ہوئے یا عوض کی مقدار میں اختلاف ہو کہ شوہر کہے ایک ہزار عورت کہے پانچ سو یا عدد طلاق میں اختلاف ہو عورت کہے ایک ہزار کے بدلے میں نے تین طلاقیں مانگی تھیں اور شوہر کہے ایک طلاق ہزار کے بدلے مانگی تھی اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہوں تو امام مالکؒ کے ہاں اگر گواہ نہ ہوں تو عورت کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مدعی علیہا ہے اور شوہر مدعی ہے اور یہ حنفی مذہب کے موافق ہیں فائدہ شرعیہ پر عمل کرتے ہوئے گواہ مدعی کے کے ذمہ میں اور قسم منکر کے ذمہ امام شافعی کے ہاں دونوں حلف اٹھائیں گے جیسے بیع میں ہوتا ہے پھر بیوی کے لیے مہر مثل ہوگا کیونکہ اختلاف کے وقت یہی مراد ہوتا ہے اس لیے کہ ان دونوں کا اختلاف بیع کرنے والوں کے اختلاف کی طرح ہے۔

قانون میں خلع کے آثار......شام کے قانون میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کو لیا ہے کہ خلع زوجین کے تمام حقوق کو ساقط کر دیتا ہے یعنی مہر نفقہ زوجیت وغیرہ حتیٰ کہ اگر زوجین بدل پر متفق نہ بھی ہوں اور یہ حکم ان دو دفعوں میں ہے دفعہ ۹۸۔ جب خلع مہر کے علاوہ مال پر ہو تو اس کا ادا کرنا لازم ہے اور خلع کرنے والے دونوں بری ذمہ ہوجائیں گے تمام حقوق سے یعنی مہر اور نفقہ زوجیت وغیرہ سے۔ دفعہ نمبر ۹۹۔ اگر خلع کے وقت وہ کچھ بھی مقرر نہ کریں تو دونوں ایک دوسرے کے حقوق سے بری ہیں مہر اور نفقہ وغیرہ سے۔

تیسری فصل: قاضی کا زوجین کی ایک دوسرے سے علیحدگی کا فیصلہ کرنا...... یہ فصل دس مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث......نفقہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق کرنا۔

دوسری بحث......کسی عیب یا جنسی خلل کی وجہ سے فیصلہ کرنا۔

تیسری بحث......نقصان بری معاشرت یا زوجین کی ناچاقی کی وجہ سے تفریق کرنا۔

چوتھی بحث......ظلم وتشدد کی وجہ سے طلاق۔

پانچویں بحث......غائب رہنے کی وجہ سے طلاق۔

چھٹی بحث......قید کی وجہ سے طلاق۔

ساتویں بحث......ایلاء کی وجہ سے تفریق۔

آٹھویں بحث......لعان کی وجہ سے جدائی۔

نویں بحث......ظہار کی وجہ سے تفریق۔

دسویں بحث......ارتداد یا زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے کی وجہ سے تفریق۔

اور یاد رہے کہ فیصلہ اور تفریق طلاق سے مختلف ہے کیونکہ طلاق تو شوہر کے ارادہ اور اختیار سے ہوتی ہے اور تفریق قاضی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتی ہے عورت کا رابطہ زوجیت شوہر سے جبراً ختم کرانا کہ جب اختیاری وسائل طلاق اور خلع میں وہ کامیاب نہ ہو اور مصر اور شام میں تفریق کی چار حالتوں کے احکام مالکی اور حنبلی مذہب سے لیے ہیں تفریق قاضی کبھی تو طلاق ہوتی ہے جیسے خرچہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق ایلاء خلل و بیماری زوجین کی ناچاقی غیب ہونے قید ہونے یا ظلم وتشدد کرنے کی وجہ سے تفریق اور کبھی عقد کو فسخ کرنے کے لیے تفریق ہوتی ہے جیسے ارتداد یا ایک کے اسلام لانے کی وجہ سے تفریق۔

طلاق اور فسخ میں حنفیہ کے ہاں فرق......طلاق ازدواجی تعلق کو ختم کرنا اور سابقہ حقوق کو ثابت کرنا مہر وغیرہ کو اور تین طلاقوں کو جن کا شوہر مالک ہے شمار کرنا اور یہ کام صرف عقد صحیح میں ہوسکتا ہے اور فسخ عقد کو اصل اور جڑ سے ختم کرنا یا اس کے دوام کو روکنا اور اسے عدد طلاق میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ عام طور پر عقد فاسد یا غیر لازم میں ہوتا ہے۔ اور امام مالکؒ کے ہاں فسخ اور طلاق کے فرق میں دو قول ہیں۔

۱۔ **پہلا قول**......وہ نکاح مذاہب میں مختلف فیہ ہو اور اختلاف بھی مشہور ہو جیسے عورت کا خود شادی کرنا حج اور عمرہ کے احرام کے دوران نکاح کرنے وغیرہ کی صورت کی فرقت طلاق ہے فسخ نہیں۔

۲۔ **دوسرا قول**......اس میں اس سبب کا اعتبار ہے جو تفریق کا موجب بنا اگر وہ سبب شریعت کی جانب سے ہے اس میں زوجین کی رغبت نہیں تو وہ فسخ ہے جیسے رضاع سے حرام ہونے والی سے نکاح یا عدت میں نکاح اور اگر سبب زوجین کی رغبت ہو جیسے عیب کی وجہ سے رد تو طلاق ہے۔

پہلی بحث: نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق......مصر اور شام کے قانون میں زوجین کے درمیان فیصلہ کے متعلق جمہور کے مذہب کے مطابق عمل کیا ہے مصر کے قانون میں دفعہ ۴ قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۰ میں تصریح ہے کہ میاں بیوی میں تفریق کردی جائے جب میاں اپنی بیوی پر خرچہ نہ کرے جبکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے ضرورت کی بناء پر چاہے عورت پر خرچہ نہ کرنا شوہر کے تنگدست ہونے کی وجہ سے ہو یا ہٹ دھرمی اور ظلم کی بناء پر ہو قاضی عورت کو طلاق دے گا اور شوہر شہر میں حاضر ہونا چاہیے غائب نہ ہونا چاہے جبکہ وہ خود طلاق نہ دے رہا ہو اور نہ ہی شوہر کے پاس ظاہری طور پر مال ہو جس میں نفقہ لازم کیا جائے اور شام کے قانون میں خرچ نہ دینے کی وجہ سے تفریق کے احکام کی درج ذیل تصریح ہے۔ دفعہ ۱۱۰ اگر موجود اور حاضر شوہر بیوی پر نفقہ سے روکے تو بیوی کے لیے طلاق طلب کرنا جائز ہے اور شوہر کے پاس ظاہری طور پر مال بھی نہ ہو اور نہ ہی نفقہ کرنے سے عاجز آنا اس کا ثابت ہو[1] اگر اس کا عجز ثابت ہو جائے یا شوہر غائب ہو تو قاضی شوہر کو مہلت دے مناسب جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہو اگر پھر بھی وہ خرچہ نہ دے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے۔ (م ۱۱۱) خرچ نہ کرنے کی بناء پر قاضی کی تفریق طلاق رجعی ہوگی اور شوہر کے لیے اجازت ہے کہ اگر اس کی مالداری ثابت ہو جائے اور خرچ کرنے پر وہ تیار ہو تو وہ اس سے رجوع کرلے ان دونوں قانونوں کے مطابق عدم انفاق کی صورت میں طلاق رجعی ہوگی جبکہ دخول کے بعد تفریق ہو عدم انفاق کی نسبت سے ان قوانین میں واقع احکام کا خلاصہ درجہ ہے۔

(الف)......اگر شوہر کے پاس ظاہری مال ہو تو اسے نفقہ فراہم کرنے کا پابند بنایا جائے گا تفریق کی ضرورت نہیں۔

(ب)......اگر شوہر کے پاس ظاہری مال نہ ہو اور وہ موجود بھی ہو اور اس کا عجز انفاق کا ثابت نہ ہوا ہو اور وہ نہ خرچ کرنے پر مصر ہو تو قاضی فوراً ان کے درمیان تفریق کروادے اور اگر خرچ کرنے کا عجز ثابت ہو جائے تو شام کے قانون کے مطابق اسے تین ماہ تک مہلت دے اور مصر کے قانون کے مطابق ایک ماہ مہلت دے پھر اگر مدت ختم ہوگئی اور وہ نان نفقہ نہیں دے رہا تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق

[1]......بدایۃ المجتہد: ۲/ ۴۷۔

کردے۔اور اگر شوہر غائب ہو اور ظاہری طور پر اس کے پاس مال بھی نہ ہو تو اسے عذر پیش کرنے کی تین ماہ تک مہلت دی جائے اگر مدت ختم ہوجائے اور پھر بھی وہ نان نفقہ بیوی کو نہیں دے رہا تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے یہ احکام فقہ مالکی سے ماخوذ ہیں۔

فقہاء کی آراء عدم انفاق کی صورت میں تفریق کے سلسلہ میں.....فقہاء کی دو رائے ہیں ایک حنفیہ کی اور دوسری جمہور کی۔[1]

پہلی رائے: حنفیہ کے ہاں.....حنفی مذہب میں نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے تفریق کرنا جائز نہیں اس لیے کہ شوہر یا تو تنگدست ہوگا یا مالدار اگر وہ تنگدست ہے تو عدم انفاق اس کی طرف سے ظلم نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۠ الطلاق ۶۵/۷

صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔ پس جب وہ ظالم نہیں تو ہم اس پر طلاق واقع کر کے ظلم نہیں کریں گے اور اگر وہ خوشحال ہے تو خرچ نہ کر کے وہ ظالم بنا لیکن اس کے ظلم کو دور کرنے کا ذریعہ صرف تفریق ہی نہیں بلکہ اور طریقے بھی ہیں جیسے اس کے مال کو زبردستی فروخت کر کے اس کی بیوی پر خرچ کرنا اسے قید کر لینا تاکہ وہ خرچ کرنے پر آجائے اور کبھی جواب دیا گیا ہے کہ کبھی کبھی تفریق ہی متیقن ہوتی ہے عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے۔ اور ان کی رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی بھی ایسی روایت نہیں جس سے پتہ چلتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار ہونے کے باوجود (خرچ نہ کرنے والوں میں تفریق کی ہو اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ فسخ اس صورت میں عورت کا حق ہے۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ خرچ نہ کرنے کی صورت میں تفریق عورت کی طلب پر ہوتی ہے اور صحابیات نے تفریق طلب ہی نہیں کی۔

دوسری رائے: جمہور کے ہاں.....ائمہ ثلاثہ نے خرچ نہ کرنے کی وجہ سے تفریق کی اجازت دی ہے۔

۱.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ البقرة:۲/۲۳۱

اور اس نیت سے انہیں نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیے کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو تو عورت کو بغیر نان نفقہ کے روکنا ان پر زیادتی ہے اور اشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ البقرة:۲/۲۲۹

پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور خرچہ نہ دینا بھلائی کے ساتھ نکاح میں رکھنا نہیں۔

۲.....ابوزناد فرماتے ہیں میں نے سعید بن المسیبؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس کے پاس بیوی پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو کیا ان میں تفریق کردی جائے تو انہوں نے فرمایا ہاں میں نے پوچھا سنت ہے تو کہنے لگے سنت ہے اور سعید کا قول سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

۳.....عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے کمانڈوں کو ان مجاہدین فوجیوں کے بارے میں حکم لکھا جو اپنی بیویوں سے غائب تھے کہ انہیں حکم دو یا تو

---

[1].....الدر المختار ۲/۹۰۳ الشرح: الصغير: ۲/۷۴۵ وما بعد ما مغني المحتاج: ۳/۴۴۲-۴۴۶ المغني: ۷/۵۷۳-۵۷۷ بداية المجتهد: ۲/۵۱ القوانين الفقهية: ۲۱۵ الدر سوقي معي الشرح الكبير: ۲/۵۱۸۔

ان پر خرچ کریں یا انہیں طلاق دے دیں اگر طلاق دیں تو گذشتہ عرصہ کا خرچہ بھیجیں (اس میں ان کی دلیل نہیں کیونکہ یہ خود طلاق دینا ہے نہ کہ جبراً تفریق)۔

۴.....خرچہ نہ دینا عورت پر سخت تکلیف ہے اتصال جنسی سے عاجز ہونے کی وجہ سے لہٰذا عورت کو تفریق طلب کرنے کا حق ہے اعسار اور خرچ نہ کرنے کی وجہ سے میرے ہاں جمہور کی رائے راجح ہے ان کے دلائل کے قوی ہونے کی وجہ سے اور عورت سے ضرر و تکلیف دور کرنے کی وجہ سے کیونکہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرار۔

تفریق کی نوعیت.....خرچہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے تفریق کی نوعیت مالکیہ کے ہاں طلاق رجعی ہے اگر عدت کے دوران شوہر مالدار ہو جائے تو اسے بیوی سے رجوع کا حق ہے کیونکہ یہ تفریق ہے اس واجب حق سے روکنے کی وجہ سے جو اس پر واجب ہے یہ مشابہ ہے ایلاء والے کی تفریق کے ساتھ اور طلاق سے رکنے کی صورت کے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں نفقہ کی وجہ سے تفریق سوائے حاکم کے حکم کے جائز نہیں کیونکہ یہ فسخ ہے اس میں اختلاف ہے لہٰذا حاکم کی ضرورت ہے جیسے عنین ہونے کی وجہ سے فسخ اور حاکم کے لیے بھی تفریق جائز نہیں الا یہ کہ عورت طلب کرے کیونکہ یہ تفریق اس کے حق کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کی طلب کے بغیر جائز نہیں جب حاکم نے ان کے درمیان تفریق دی تو یہ فسخ ہے شوہر کے لیے رجوع نہیں۔

دوسری بحث: عیوب اور علل کی وجہ سے تفریق:

پہلی بات: عیوب کی اقسام.....عیوب جو دخول سے مانع ہیں یا مانع نہیں اس اعتبار سے دو قسم پر ہیں:

۱.....جنسی عیب جو دخول سے مانع ہیں مجبوب ہونا عنین ہونا، خصی ہونا مرد کا اور بانجھ ہونا اور رتقاء ہونا۔

۲.....وہ عیب جو دخول سے مانع نہیں لیکن ایسے امراض میں جن سے نفرت کی جاتی ہے اس طور پر کہ شوہر کے ساتھ رہنا صرف نقصان کے ساتھ ہی ہو جیسے جذام جنون برص سیل اور زھری۔ کے یہاں عیوب تین قسموں پر تقسیم ہوتے ہیں:

۱.....وہ جو مرد کے ساتھ خاص ہیں اور فرج کی بیماریاں ہیں مجبوب (مقطوع الذکر ہونا) عنین (جماع سے عاجز ہونا) خصی ہونا اعتراض مرد کی وہ حالت جس کی وجہ سے عورت سے ہمبستری پر قادر نہ ہو کسی مرض یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے۔

۲.....وہ عیب جو عورت ساتھ خاص ہیں اور فرج کی بیماری ہیں۔ اور رتق (یعنی عورت کی شرمگاہ کا بند ہونا پیدائشی طور پر اور ذکر کے لیے اس میں کوئی راہ نہ ہو) قرن (ہڈی یا غدہ کا ہونا جو دخول ذکر سے مانع ہو) عفل (ورم کی وجہ سے عورت کی فرج کا تنگ ہونا جو لذت حاصل ہونے سے مانع ہے) فرج کی بدبو سبیلین کا ملا ہوا ہونا اور انخراق یعنی منی اور پیشاب کے مخرج کا پھٹن یہ وطی کی لذت اور فائدہ سے مانع ہے۔

۳.....وہ عیوب جو مرد اور عورت دونوں میں مشترک ہیں جنون، جذام برص، پیشاب پاخانہ کا چلنا، بواسیر اور انہی عیوب میں سے ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کا خصی ہونا اور رہ گیا خنثیٰ مشکل تو اس کا نکاح صحیح نہیں ان عیوب میں سے بعض وہ ہیں جن سے تکلیف کے متعدی ہونے کا خوف ہے اور بعض نفرت و کمی کا باعث ہیں اور بعض وہ ہیں جن کی وجہ سے نجاست پھیلتی ہے۔

دوسری بات: قانون میں عیوب کی وجہ سے ہونے والی تفریق:

مصری قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۰ مواد (۹،۱۰،۱۱) میں اس بات کی تصریح ہے کہ شوہر کے عیوب کی وجہ سے تفریق جائز ہے اور وہ مجبوب عنین اور خنثی ہونا یہ تین عیوب ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے تفریق کرنا متفق علیہ ہے۔ اور جنون جذام برص وغیرہ (یعنی ہر وہ عیب جو مستحکم ہو اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو یا خاصے زمانہ کے بعد ممکن ہو) چاہے شوہر کو وہ عیب عقد نکاح سے پہلے ہوں اور عورت کو معلوم نہ ہو یا عقد

کے بعد پیدا ہوئے ہوں اور عورت راضی نہ ہو، عیب کی وجہ سے ہونے والی تفریق طلاق بائن ہے ان عیوب کے بارے میں ماہرین سے پوچھا جائے گا جن کی وجہ سے وہ فسخ طلب کر رہی ہے شام کے قانون میں جنسی عیوب کی وجہ سے تفریق میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی رائے کو لیا ہے اور نفرت اور نقصان کی وجہ سے عیب میں نہیں اور یہ درج ذیل ہیں (م ۱۰۵) بیوی کو اپنے اور شوہر کے درمیان تفریق طلب کرنا درج ذیل دو حالتوں میں جائز ہے۔

۱..... جب مرد میں دخول سے مانع کوئی ایک عیب ہو جبکہ عورت ان عیوب سے بچی ہوئی ہو۔

۲..... جب شوہر مجنون ہو گیا ہو عقد کے بعد (م ۱۰۶)۔

(۱)..... اگر عورت کو عقد سے پہلے ان عیوب کا علم ہو یا عقد کے بعد وہ اس سے راضی ہو تو تفریق کا حق اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

(۲)..... البتہ عنین ہونے کی وجہ سے تفریق کا حق کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتا (م ۱۰۷) جب مادہ نمبر ۱۰۵ میں مذکورہ بیماریاں ختم ہونے کے قابل نہ ہوں تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کردے گا فی الحال اور اگر ان کا ختم ہونا ممکن ہو تو پھر مناسب مدت تک مہلت دے اور یہ ایک سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے اگر بیماری ختم نہ ہوئی تو ان کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے (م ۱۰۸) بیماری کی وجہ سے تفریق طلاق بائن ہوگی۔

تیسری بات: عیب کی وجہ سے تفریق کے بارے میں فقہاء کی آراء..... عیب کی وجہ سے تفریق کے جواز میں فقہاء کی دو رائے ہیں ایک ظاہریہ کی رائے اور دوسری اکثر علماء کی رائے۔ ظاہریہ کے ہاں [1] کسی بھی عیب کی وجہ سے تفریق کرنا جائز نہیں چاہے شوہر میں ہو یا بیوی میں لیکن اگر بیوی طلاق چاہے تو کوئی چیز اس سے مانع نہیں اور عیب کی وجہ سے فسخ کرنے کی دلیل نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں نہ صحابہ کا اس بارے میں کوئی اثر ہے نہ قیاس اور نہ معقول۔ اکثر علماء [2] عیب کی وجہ سے تفریق کی اجازت دیتے ہیں لیکن ان کا دو چیزوں میں اختلاف ہے کیا زوجین میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے یا صرف بیوی کو؟ اور وہ کون سے عیب ہیں جن کی وجہ سے تفریق طلب کرنے کا عورت کو حق حاصل ہے۔

پہلی چیز: تفریق کا حق میاں بیوی دونوں کو حاصل ہے یا صرف بیوی کو..... حنفیہ کے ہاں عیب کی وجہ سے تفریق کا حق صرف بیوی کو حاصل ہے شوہر کو حاصل نہیں کیونکہ شوہر کو نقصان ختم کرنا طلاق کے ذریعہ ممکن ہے اور بیوی کے لیے ضرر دفع کرنا ممکن نہیں الا یہ کہ تفریق طلب کرنے کا حق اسے دیا جائے کیونکہ عورت طلاق کی مالک نہیں اور ائمہ ثلاثہ نے زوجین میں سے ہر ایک کو عیب کی وجہ سے تفریق کا حق دیا ہے اس لیے کہ دونوں ان عیوب کی وجہ نقصان اٹھاتے ہیں اور طلاق کی طرف مجبور ہونا یہ تو سارے مہر کو لازم کرتا ہے دخول کے بعد اور قبل الدخول نصف کو اور عیب کی وجہ سے سے تفریق میں قبل الدخول مرد نصف مہر کو معاف کرتا ہے اور دخول کے بعد بالاتفاق عورت کو مقرر شدہ ملتا ہے لیکن مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں شوہر بیوی کے ولی سے مہر واپس لے گا کیونکہ ولی نے عیب چھپا کر تدلیس کی ہے البتہ اس کے لیے سکنیٰ اور نفقہ نہیں۔

دوسری چیز: وہ عیوب جن کی وجہ سے تفریق جائز ہے..... ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ دو عیبوں کی وجہ سے تفریق جائز ہے اور وہ مجبوب اور عنین اور باقی عیبوں کے بارے میں چار رائے ہیں۔

---

[1]..... المحلی: ۱۹/۲/۷ مسالۃ: ۱۸۹۹ [2] فتح القدیر ۲۶۲/۳ مختصر الطحاوی: ص ۱۸۲ البحرا لرائق: ۱۳۵/۳ اللباب: ۲۶-۲/۳، القوانین الفقہیۃ ۲۱۴ بدایۃ المجتہد ۵۰/۲ الشرح الصغیر: ۴۶۷/۲ مغنی المحتاج: ۲۰۲/۳ کشف القناع: ۱۱۵/۵ المغنی: ۶۵۰/۶-۶۵۷، ۶۶۷-۶۷۸۔

پہلی رائے: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے.....کہ صرف تین عیوب (مجبوب: عنین خصی) میں فسخ ہے اگر یہ مرد میں ہوں اس لیے کہ یہ ایسے عیب ہیں کہ جو زائل نہیں ہو سکتے ہیں اور ان کا نقصان دائمی ہے اور ان عیوب کے ہوتے ہوئے ازدواج کے مقصود اصلی متحقق نہیں ہوتا، توالد وتناسل اور گناہوں سے بچنا، لہٰذا تفریق ضروری ہے رہ گئے دوسرے عیوب یعنی جنون جذام برص رتق قرن وغیرہ ان کی وجہ سے فسخ نہیں ہوگا اگر یہ بیوی میں ہوں یا شوہر میں ہوں اور نہ ہی کسی دوسرے کو اختیار ہے یہی حنفیہ کے ہاں صحیح ہے اور امام محمد کے ہاں: اگر یہ عیوب شوہر میں ہوں تو بیوی کو خیار اور فسخ کا حق حاصل ہے لیکن اگر بیوی میں ہوں تو شوہر کو خیار نہیں اسی پر متفق ہیں حنفیہ کے شوہر کو بیوی کے عیوب کی وجہ سے فسخ کا اختیار نہیں۔

دوسری رائے: مالکیہ اور شوافع کی رائے.....زوجین میں سے ہر ایک کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے جب کہ دوسرے میں جنسی عیوب پائے جائیں یا نفرت والے مثلاً جنون جذام اور برص وغیرہ۔ اور شوافع کے ہاں عیب سات ہیں: مجبوب ہونا، عنین ہونا، جنون، جذام، برص، رتق اور قرن اور یہ بھی ممکن ہی کہ زوجین میں صرف پانچ۔

عیب ہوں، پہلے دو مرد میں آخری دو عورت میں درمیان والے تین دونوں میں مشترک طور پر اور بدبو صنان اور استحاضہ بہنے والے زخم اندھا پن اپاہج کند ذہن ہونا، خصی ہونا، سبیلین کا ملا ہوا ہونا وغیرہ عیوب میں فسخ نہیں یہ ایسے امور ہیں جو مقصود نکاح کو فوت نہیں کرتے اور مالکیہ کے ہاں تیرہ (۱۳) عیب میں چار تو مرد عورت کے درمیان مشترک ہیں جنون جذام برص اور عذیطہ (یعنی جماع کے وقت پیشاب یا پاخانہ کا نکلنا، عورت کو عذیوطہ اور مرد کو عذیوط کہتے ہیں۔ اور چار مرد کے ساتھ خاص ہیں خصی ہونا مجبوب ہونا عنین ہونا اور اعتراض (یعنی جماع کے قابل نہ ہونا کسی مرض کی وجہ سے) اور پانچ عورت کے ساتھ خاص ہیں رتق قرن بدبو غدود اور افضاء اور عیوب میں داخل نہیں قرع اور سواد اندھا پن اور کانا لنگڑا ہونا اپاہج ہونا اور نہ ہی اس طرح کے۔

تیسری امام احمدؒ کی رائے.....جنسی عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا جائے گا یا نفرت دلانے والے عیوب کی وجہ سے یا سل اور سیلان کا مرض اور اس طرح کے مرض جو پہچان والوں کی طرف سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہاں عیب آٹھ ہیں تین میں دونوں شریک ہیں جذام جنون اور برص اور دو کے ساتھ مرد خاص ہے مجبوب اور عنین ہونا اور تین عورت کے ساتھ خاص ہیں رتق قرن اور عفل اور قاضی ابویعلی نے قرن اور عفل کو ایک شمار کیا ہے پس عیب سات ہوتے اور ابو خطاب کے ہاں اسی پر ان کی تخریج ہے جنہیں بواسیر یا ناسور ہوا ہو اور فرج کے وہ زخم جو رس رہے ہیں اس لیے کہ ان سے نفرت ہوتی ہے اور ان کی نجاست متعدی ہے اور حنابلہ نے اسے ترجیح دی ہے کہ مرد کے لیے خیار ہے عورت کی فرج کے بہتے زخم بواسیر اور ناسور وغیرہ میں اور گنجا ہونا، اندھا ہونا، لنگڑا ہونا، ہاتھ پاؤں کا کٹا ہونا، یہ ایسے عیب نہیں جن کی وجہ سے فسخ جائز ہو اس لیے کہ یہ استمتاع سے مانع نہیں اور نہ ہی ان کے متعدی ہونے کا خطرہ ہے۔

چوتھی رائے زہری شریح ابوثور.....کی رائے اسے ابن القیم نے اختیار کیا ہے [1] ہر وہ عیب جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو نفرت ہو اس میں تفریق طلب کرنا جائز ہے چاہے وہ عیب مستحکم ہو یا مستحکم نہ ہو جیسے بانجھ ہونا، گونگا ہونا، لنگڑا ہو، نا ہاتھ پاؤں کا کٹا ہونا اس لیے کہ عقد تمام عیوب سے سلامتی پر تمام ہوا تھا جب سلامتی نہ رہی تو خیار ثابت ہو گیا نیز اس وجہ سے بھی کہ ابوعبیدہ نے سلمان بن یسار سے روایت کی ہے کہ ابن سندر نے ایک عورت سے شادی کی اور وہ خصی تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا عورت کو اطلاع دی تھی تو اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اسے بتاؤ پھر اسے اختیار دے دو۔ میرے ہاں حنابلہ کی رائے راجح ہے کہ عیوب کی تحدید نہیں کی گئی اور انہوں نے فسخ کے جواز کو مقصور کیا ہے ان عیوب پر جن کے ساتھ ازدواجی تعلق کے مقاصد مکمل طور پر پورے نہیں اور یہی عقد نکاح کے مقتضا کے ساتھ

---

[1] ..... زاد المعاد ۴/۳۰ وما بعدھا۔

متفق ہے۔

عیب کی وجہ سے تفریق کی قیود.....فقہاء کا اتفاق ہے کہ عیب کی وجہ سے تفریق قاضی کے حکم کی محتاج ہے اور جس کی مصلحت ہے اس کے دعویٰ کی۔ اس لیے کہ عیب کی وجہ سے تفریق ایک اجتہادی چیز ہے اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

تو یہ قاضی کے فیصلہ کی محتاج ہے تا کہ اختلاف ختم ہو سکے۔ نیز زوجین عیب کے پائے جانے یا نہ پائے جانے میں بھی اختلاف کر سکتے ہیں نیز آیا اس عیب کی وجہ سے تفریق جائز ہے یا نہ اور قاضی کا حکم اختلاف کی جڑ کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے اور اس میں عیب کے منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا عیب کے نہ ہونے میں کیونکہ یہ اصل ہے جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ شوہر مجبوب ہے تو قاضی فوراً تفریق کر دے اور مہلت نہ دے کیونکہ مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں رہ گیا عنین اور خصی انہیں حاکم خصومت کے دن یعنی دعویٰ کے دن سے ایک سال تک مہلت دے حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں کیونکہ ممکن ہے دوران سال شوہر کو جماع پر قدرت ہو جائے اور ایک سال کی مدت حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں سال کی ابتداء فیصلہ کے وقت سے ہوگی حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے جیسے شافعی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اگر درمیان سال شوہر نے جماع کا دعویٰ کیا تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اگر عورت ثیبہ ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر شوہر کی گواہی دے رہا ہے کیونکہ اصل عیوب سے سلامتی ہے تو ظاہر جس کی گواہی دے اسی کا قول معتبر ہوگا اگر شوہر نے حلف اٹھا لیا تو عورت کا دعویٰ خارج کر دیا جائے اگر حلف سے رکا تو قاضی عورت کو اختیار دے اس کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے میں اگر عورت نے تفریق چاہی تو وہ ان میں تفریق کر دے گا۔ اور اگر عورت باکرہ تھی تو عورتیں اسے دیکھیں گی اور اس میں ایک عورت کا قول معتبر ہے اور حنفیہ کے ہاں دو عورتوں کا دیکھنا معتبر ہے اگر وہ عورتیں کہیں یہ باکرہ ہے تو پھر مہلت سال کے اختتام تک باقی رہے گی کیونکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہوگیا اگر عورتیں گواہی نہ دیں تو پھر عورت کا قول معتبر ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں اگر شوہر سال کی مدت میں وطی کا دعویٰ کرے تو شوہر کی تصدیق کی جائے گی قسم کے ساتھ اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو پھر بیوی کو حلف دیا جائے گا کہ شوہر نے وطی نہیں کی اگر عورت چاہے تو سال پورا ہونے سے پہلے ان میں تفریق کر دی جائے اگر عیب مجبوب عنین اور خصی کے علاوہ کوئی ہو تو پھر مالکیہ کے ہاں اگر بیماری ایسی ہو کہ علاج کے ذریعہ اس کے زائل اور ختم ہونے کی امید نہ ہو تو قاضی زوجین کے درمیان فی الحال تفریق کر دے اور اگر علاج سے اس کا خاتمہ ممکن ہو تو اگر عیب مشترک ہو عورت اور مرد کے درمیان مثلاً جذام جنون اور برص تو قاضی ایک سال کی مدت مقرر کرے اور اگر عیب عورت کے مخصوص عیوب میں سے ہو تو پھر تفریق کو اختیار کے ساتھ مؤجل کرے اور اگر عورت دعویٰ کرے کہ وہ عیب اس سے ختم ہو گیا ہے تو اس کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ اور شوافع کے ہاں عنین ہونا حاکم کے پاس شوہر کے اقرار سے ثابت ہوگا یا گواہوں کے ذریعہ جو شوہر کے اقرار پر ہوں یا پھر عورت کی قسم سے جو شوہر کے انکار کے بعد جب عنین ہونا ثابت ہو گیا تو قاضی مرد کے لیے ایک سال مقرر کرے عورت کے طلب کرنے پر جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیونکہ یہ حق عورت کا ہے جب سال گذر گیا تو عورت قاضی کے پاس جائے اگر شوہر کہے وطی کی ہے تو اسے حلف دیا جائے گا اگر اس نے قسم سے انکار کر دیا تو عورت کو حلف دیا جائے گا اور عورت نے حلف کر لیا یا شوہر نے اس کا خود اقرار کر دیا تو فسخ کے ذریعہ اقالہ کر دیا جائے گا جیسا کہ عیب دار مبیع میں ہوتا ہے۔

عیب کی وجہ سے تفریق کی شرائط.....فقہاء نے دو شرطیں رکھی ہیں ثبوت حق کے لیے تفریق عیب کی صورت میں طلب کرنے کے لیے۔ ایک یہ کہ تفریق طلب کرنے والا عیب کو نہ جانتا ہو عقد کے وقت یا عقد سے پہلے اگر عقد کے وقت اسے معلوم تھا اور عقد نکاح کر لیا تو اس کے لیے تفریق طلب کرنا درست نہیں اس لیے کہ عیب معلوم ہونے کے باوجود عقد قبول کرنا عیب سے راضی رہنا ہے۔

عقد کے بعد عیب کی اطلاع ملنے پر عیب پر راضی نہ رہنا اگر تفریق طلب کرنے والا عیب سے جاہل تھا پھر عقد مکمل ہونے کے بعد اسے

معلوم ہوا اور وہ اس پر راضی ہو گیا تو بھی طلب تفریق کا حق ساقط ہو جائے گا اگر عیب پر راضی نہ ہوا تو شوافع کے ہاں خیار عیب فی الفور ثابت ہے اور حنابلہ کے ہاں تراخی کے ساتھ اس وقت تک خیار ساقط نہ ہوگا جب تک اس کی جانب سے رضامندی پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے چاہے صراحۃً ہو جیسے کہے رضیت میں راضی ہوں یا دلالۃً جیسے شوہر کا استمتاع حاصل کرنا اور بیوی کا قدرت دینا اس لیے کہ یہ خیار تفریق طلب کرنے والے کے لیے ہے موجود ضرر کو ختم کرنے کے لیے لہٰذا یہ تراخی کے ساتھ ہوگا جیسے خیار قصاص اور مبیع میں خیار عیب جب عیب تفریق سے پہلے زائل ہو جائے تو تفریق نہ کی جائے گی کیونکہ اس کا سبب زائل ہو گیا ہے جیسے مبیع کا عیب زائل ہو جائے اور شام کے قانون میں تین شرائط اور رکھی گئی ہیں۔

حنفی مذہب کے مطابق :ا...... کہ بیوی تفریق طلب کرے ورنہ تفریق نہ کی جائے گی۔

۲...... بیوی جنسی بیماریوں سے خالی ہو جیسے رتق اور قرن۔

۳...... شوہر صحیح ہو اگر مریض ہے تو اس کی صحت یابی تک انتظار کیا جائے گا پھر عنین اور خصی ہونے کی صورت میں ایک سال کی مہلت ہوگی۔

شادی کے بعد عیب پیدا ہونا...... اگر عیب قدیم ہو عقد نکاح سے پہلے موجود ہو تو ائمہ اربعہ میں شرائط سابقہ کے ساتھ تفریق کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں لیکن اگر عیب زوجین میں سے کسی ایک میں پیدا ہو تو تفریق کے جواز میں اختلاف ہے حنفیہ کے ہاں جب مرد مجنون ہو جائے یا عنین ہو جائے شادی کے بعد جب کہ پہلے وہ عورت سے ہمبستری کر چکا تھا اگرچہ ایک مرتبہ ہی کی ہو تو عورت کو فسخ کے مطالبہ کا حق نہیں کیونکہ قضاء ایک مرتبہ سے اس کا حق ساقط ہو گیا اور اس سے زیادہ کی وہ دیانۃً مستحق ہے قضاءً نہیں مالکیہ نے شوہر اور بیوی کے عیبوں میں فرق کیا ہے کہ اگر عیب بیوی میں پیدا ہو تو شوہر کو طلب تفریق کا اس عیب کی وجہ سے اختیار نہیں اس لیے کہ یہ مصیبت ہے جو اس پر نازل ہو گئی ہے اور عیب ہے جو عقد لازم ہونے کے بعد معقود علیہ میں پیدا ہوا ہے یہ مبیع میں پیدا شدہ عیب کے مشابہ ہے اور اگر پیدا شدہ عیب شوہر میں ہو تو اگر عیب جنون جذام اور مرض ہو تو عورت کو تفریق طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ ان کی ایذاء سخت ہے اور ان پر صبر نہیں ہو سکتا البتہ جنسی عیوب مجبوب عنین اور خصی ہونے میں عورت کو تفریق طلب کرنے کا حق نہیں شوافع اور حنابلہ نے شادی کے بعد پیدا ہونے والے عیوب میں تفریق کے جواز کو مطلقاً رکھا ہے جیسے شادی سے پہلے عیوب میں اور ضرر ہونے کی وجہ سے نیز عورت کے لیے تفریق کے بغیر چارہ کار نہیں برخلاف مرد کے لیکن شوافع نے عنین ہونے کو مستثنیٰ کیا ہے دخول کے بعد اس لیے کہ عورت کے لیے فسخ طلب کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح کا مقصود حاصل ہو چکا اور وہ اپنا حق ایک مرتبہ وصول کر چکی۔

عیب کی وجہ سے ہونے والی تفریق کی نوعیت...... اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں یہ فرقت طلاق بائن ہے اس سے عدد طلاق کم ہوتا ہے اس لیے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوتا ہے گویا شوہر نے بذات خود طلاق دی نیز یہ جدائی نکاح صحیح کے بعد ہوگی ہے اور مالکیہ کے ہاں نکاح صحیح کے بعد ہونے والی تفریق طلاق ہے نہ کہ فسخ طلاق بائن اس لیے قرار دی جاری ہے کہ عورت سے ضرر اور نقصان ختم کرنا ہے اگر شوہر کے لیے عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع جائز قرار دیا جائے نقصان دوبارہ لوٹ آئے گا۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں عیب کی وجہ سے ہونے والی تفریق فسخ ہے طلاق نہیں اور فسخ عدد طلاق کو کم نہیں کرتا، اور شوہر کو نکاح جدید کے ساتھ بیوی کو واپس لانے کی اجازت ہے ولی دو عادل گواہوں اور مہر کے ساتھ کیونکہ یہ تفریق بیوی کی طرف سے ہے اور یا تو اس کے تفریق طلب کرنے کی وجہ سے یا کسی عیب کی وجہ سے اور تفریق جب بیوی کی جانب سے ہو تو وہ فسخ ہے طلاق نہیں۔

عیب کی وجہ سے تفریق کا مہر پر اثر...... ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ حنفیہ صرف جنسی عیوب کی وجہ سے تفریق جائز قرار دیتے ہیں اگر

وہ مرد میں ہوں اب اگر تفریق ہمبستری اور خلوت سے پہلے ہو تو بیوی کے لیے نصف مہر ہوگا کیونکہ تفریق شوہر کی وجہ سے ہے اور اگر تفریق ہمبستری اور خلوت کے بعد ہو تو عورت پر عدت واجب ہوگی جبکہ شوہر اقرار کرے کہ میں اسے کے پاس نہیں پہنچا اور اگر دخول کرالیا یا خلوت صحیحہ ہوگئی تو سارا مہر واجب ہوگا اس لیے کہ عنین کی خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہوتی ہے لیکن اگر اس کے بعد اس نے اس سے شادی کی یا عورت نے کی اور اسے معلوم تھا کہ یہ عنین ہے تو عورت کے لیے خیار نہیں اسی طرح اگر شوہر عنین ہو اور بیوی رتقاء تو اسے خیار نہیں جیسا کہ شرائط تفریق میں گذرا۔

مالکیہ کے ہاں اگر تفریق دخول سے پہلے ہو اگرچہ لفظ طلاق ہی سے ہوئی ہو تو عورت کے لیے مہر میں سے کچھ نہیں اس لیے کہ اگر عیب مرد میں ہے تو اس نے فرقت اختیار کر لی اس سے پہلے کہ وہ اپنا نفع حاصل کرتا اور وہ عورت گویا حق مہر ساقط ہونے پر راضی ہے اور اگر عیب عورت میں ہے تو یہ تو مرد کو دھوکا دینا ہوا اور اگر تفریق دخول کے بعد ہو تو عورت پورے مقرر شدہ مہر کی مستحق ہے اگر عیب شوہر میں ہو اس لیے کہ وہ عقد کو تدلیس کرنے والا ہے اور پھر اس سے دخول بھی کر لیا اور عورت کے ساتھ دخول پورے مہر کو واجب کرتا ہے اگر عورت میں عیب ہے تو دخول کی وجہ سے پورے مہر کی مستحق ہے، لیکن شوہر مہر کا رجوع عورت کے ولی یعنی والد بھائی یا بیٹے پر کرے گا کیونکہ عیب چھپا کر اس نے لیس کی اور قریبی پر حالات مخفی نہیں ہوتے اور عیب بھی ظاہری ہو جیسے جذام اور برص لیکن اگر ولی بعید ہو جیسے چچا اور قاضی یا پھر عیب پوشیدہ ہو تو شوہر بیوی پر رجوع کرے گا ولی پر نہیں کیونکہ دھوکا صرف عورت کی جانب سے ہے۔

شوافع کے ہاں دخول سے پہلے عیب کی وجہ سے فسخ مہر کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر دخول کے بعد ہو اور عیب عقد کے وقت ہو یا عقد اور وطی کے درمیان پیدا ہوا اور ہمبستری کرنے والے کو معلوم نہ ہو تو اصح قول کے مطابق عورت کے لیے مہر مثل ہے اور اگر عیب عقد اور ہمبستری کے بعد پیدا ہوا ہو تو اصح قول کے مطابق عورت کے لیے مقرر مہر سارا ہے اور شوہر مہر کا رجوع کسی پر بھی نہیں کرے گا، جدید مذھب کے مطابق [1] وہ عیب جو عقد کے وقت تھا۔ کیونکہ اس نے بضع کی منفعت کو عقد کے ساتھ وصول کر لیا اور رہ گیا وہ عیب جو عقد کے بعد پیدا ہوا تو یقینی طور پر اس میں رجوع نہیں کرے گا۔

حنابلہ کے ہاں، اگر دخول سے پہلے فسخ ہوا تو عورت کے لیے شوہر پر کوئی مہر نہیں چاہے عورت کی جانب سے فسخ ہوا ہو یا مرد کی جانب سے جیسا کہ شوافع اور دوسرے آئمہ کے ہاں ہے۔ اگر دخول کے بعد فسخ ہوا اور عیب کا معلوم نہ تھا تو عورت کے لیے مقرر شدہ مہر ہے کیونکہ عقد کی وجہ سے واجب ہوا اور دخول سے استقرار ہو گیا پھر وہ رجوع کرے گا مہر کا اس پر جس نے اسے دھوکے میں رکھا ولی وکیل وغیرہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے جس بھی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہ مجنون تھی یا جذام والی یا برص والی تو عورت کے لیے اس کا مہر ہے اور شوہر کو تاوان اس کا ولی دے گا نیز اس لیے بھی کہ ولی نے نکاح میں اسے دھوکا دیا ہے ایسی چیز سے جس سے خیار ثابت ہوتا ہے لہٰذا مہر اسی پر ہوگا جیسا کہ باندی کے آزاد ہونے کا دھوکا دے۔

اس بحث سے ملحق: خیار غرور اور وصف مرغوب کے فوت ہونے کا خیار...... جب شوہر کو بیوی کی کسی صفت کا دھوکا دیا جائے۔ مثلاً وہ باکرہ ہے یا مسلمان ہے یا آزاد ہے یا عمدہ نسب والی ہے وغیرہ اور اس کے خلاف ظاہر ہوا، تو آیا شوہر کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے؟ اور اسے خیار غرور یا وصف مرغوب کے فوت ہونے کا خیار کہتے ہیں: اس میں فقہاء کا اختلاف ہے [2] اور غالب اس میں خیار کا ثبوت ہے اور جمہور کی رائے ہے حنفیہ کے علاوہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے میں مرغوب صفت کو شرط رکھا اور ہوا اس کے خلاف تو مرد کو تفریق کرنے کا اختیار نہیں اگر اس کے لیے مہر مقرر کر دیا گیا تھا مہر مثل سے زیادہ اس شرط کی وجہ سے مثلاً عورت کے

[1] ......وهو رأى ابى حنيفه رحمه الله ايضا۔ [2] المهذب: ۲/ ۷۰ غاية المنتهى: ۳/ ۹۹۔ ۱۰۰۔

باکرہ ہونے کوشرط قرار دیا تھا اور یہ شرط نہ پائی گئی تو شوہر پر مہر مثل سے زیادہ لازم نہیں ابن ھمام نے فتح القدیر میں فرمایا: اگر نکاح میں کسی وصف مرغوب کوشرط رکھا جیسے باکرہ ہونا خوبصورت ہونا بلند قامت وخوش نما ہونا کم عمر ہونا اب وہ ثیبہ نکلی بوڑھی کھوسٹ منہ سے لعاب نکل رہا ہے ناک بڑی ہے بے عقل ہے تو نکاح فسخ کرنے میں شوہر کو کوئی اختیار نہیں۔ اور مالکیہ نے ان کی مخالفت کی ہے کہ جب عاقد شوہر سے کہے تیری یہ بیوی مسلمان ہے اور وہ کتابیہ نکلی یا یہ آزاد ہے اور وہ باندی نکلی یا یہ باکرہ ہے اور وہ ثیبہ تھی یا زوجین نے کسی وصف مرغوب کوشرط جیسے کم عمر ہونا خوبصورتی وغیرہ اور اس کے خلاف نکلا اور نکاح ہوگیا تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ چاہے اسے رکھے یا چھوڑے۔ شوافع نے تفصیل کی ہے اور فرمایا: اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کرلیا اور عقد میں بیوی کے اسلام کوشرط رکھا یا زوجین میں سے ایک میں نسب کی شرط رکھی یا آزادی وغیرہ کو ایسی صفات کہ جن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے بکارت جوانی یا اس کے برخلاف صفات یا وہ جو صفات کمال کے درمیان میں جیسے لمبا ہونا سفید ہونا گندم گوں ہونا پھر ان صفات کے خلاف ظاہر ہوا تو اظہر یہ ہے کہ نکاح صحیح ہے اس لیے کہ شرط میں خلاف ورزی بیع کو فاسد نہیں کرتی باوجود یکہ اس میں شرائط فاسدہ کا اثر ہوتا ہے لہٰذا نکاح کا فاسد نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ہے اگر موصوف ان شرائط پر پورا اترا تو اسے کوئی خیار نہیں لیکن اگر اس کے برخلاف ظاہر ہو تو جس نے شرط رکھی اسی کو اختیار ہوگا خلاف ورزی کی وجہ سے۔

اگر مرد نے گمان کیا اور شرط کوئی نہ رکھی کہ مثلاً عورت مسلمان ہے اور وہ کتابیہ نکلی یا آزاد ہے اور باندی نکلی اور یہ اس کے لیے حلال ہے تو ان صورتوں میں اسے کوئی اختیار نہیں اس لیے کہ گمان کی وجہ سے خیار ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس نے خود کوتاہی کی ہے بحث اور شرط نہ رکھ کر اسی طرح اگر عورت نے ولی کو یہ گمان کرتے ہوئے نکاح کی اجازت دی کہ وہ اس کا کفو ہے اور اس کا فسق ظاہر ہوا یا اس کے نسب کی کمینگی یا پیشے کی برائی ظاہر ہوئی تو نہ عورت کو خیار حاصل ہے نہ اس کے ولی کو کیونکہ غلطی ان دونوں کی جانب سے ہے کہ انہوں نے اسے شرط کیوں نہ رکھا لیکن اگر شوہر عیب دار ظاہر ہوا یا غلام ہوا اور آزاد تھی تو عورت کو اختیار ہے۔

حنابلہ نے ایک اور تفصیل کی ہے۔ اگر مرد نے عورت کو دھوکا دیا جس کی وجہ سے کفو میں خلل آتا ہے جیسے آزادی اور ادنیٰ نسب تو عورت کو اختیار ہے فسخ کرے یا باقی رکھے اگر عورت نے باقی رکھنا پسند کیا تو اس کے اولیاء کو اعتراض کا حق ہے کفو نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس وصف کا کفاءت میں اعتبار نہ ہو۔ جیسے فقیہی ہونا، خوبصورت ہونا وغیرہ تو عورت کو خیار نہیں کیونکہ ان چیزوں کا کفاءت میں اعتبار نہیں لہٰذا اس شرط کا کوئی اثر نہیں۔ اگر شوہر نے یہ شرط رکھی کہ عورت مسلمان ہو اور وہ کافر نکلی تو شوہر کو اختیار ہے کیونکہ یہ نقص ہے اور نقصان ہے جو اولاد تک متعدی ہوتا ہے اور اگر مرد نے شرط رکھی کہ باکرہ ہو اور وہ ثیبہ نکلی تو امام احمدؒ کے کلام میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اسے خیار حاصل نہیں اور دوسرا یہ کہ اسے اختیار حاصل ہے کیونکہ مقصود وصف کوشرط رکھا ہے۔ اور اگر کسی عورت سے اس گمان کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ آزاد یا مسلمان ہے اور وہ اس کے خلاف نکلی تو بھی شوہر کو اختیار حاصل ہے۔

تیسری بحث: ناچاقی کی وجہ سے یا نقصان اور بری معاشرت کی وجہ تفریق:

ضرر اور شقاق (ناچاقی) کا مقصد......وہ نزاع اور لڑائی جو بزرگی میں طعن کی وجہ سے ہو اور ضرر شوہر کا بیوی کو قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا جیسے گالی گلوچ وغیرہ اور ظاہری مارنا یا کسی ایسی فعل پر آمادہ کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور عورت سے اعراض کرنا اور اس سے دوری اختیار کرنا بغیر کسی مباح سبب کے۔ ناچاقی کی وجہ سے ہونے والی تفریق میں۔

فقہاء کی رائے......حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں [1] ناچاقی اور ضرر کی وجہ سے تفریق کرنا جائز نہیں چاہے وہ کتنی سخت ہی کیوں نہ ہو

[1] ......بدایة المجتهد: ۲/ ۹۷ وما بعدها

اس لیے کہ ضرر دور کرنا طلاق کے بغیر بھی ممکن ہے کہ معاملہ قاضی اور حاکم کے پاس لے جایا جائے اور مرد کو تادیب کروائی جائے تا کہ وہ عورت کو تنگ کرنے سے باز آ جائے۔ مالکیہ کے ہاں ❶ ناچاقی وغیرہ کی وجہ سے تفریق کرنا جائز ہے جھگڑا ختم کرنے کے لیے تا کہ ازدواجی زندگی جہنم نہ بن جائے اور مصیبت نہ بن جائے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے لاضرر ولاضرار اس بنا پر عورت معاملہ کو قاضی کے پاس لے جائے اگر اس نے اپنے ضرر اور دعویٰ کو ثابت کر دیا تو قاضی اسے اس سے طلاق دلوائے اگر عورت دعویٰ ثابت کرنے سے عاجز آ جائے تو دعویٰ ختم کر دیا جائے اگر اس نے دوبارہ دعویٰ کیا تو قاضی دو حکم بھیجے ایک عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے تا کہ وہ ان میں صلح کروا دیں یا عوض لے کر تفریق کروا دیں یا بغیر عوض کے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا .....النساء: ۴/ ۵

اور فقہاء کا اس میں اتفاق ہے کہ جب دونوں حکم اختلاف کریں تو ان کا قول نافذ نہ ہوگا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان کا قول صلح اور زوجین کے اتفاق کرانے میں نافذ ہوگا اگرچہ زوجین نے انہیں وکیل نہ بھی بنایا ہو۔ اگر حکمین زوجین کے درمیان تفریق پر متفق ہو جائیں تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جمہور کے ہاں حکم شوہر کی وکالت سے ایسا کرے دونوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دیں شوہر کی وکالت دینے کے بغیر کیونکہ اصل یہ ہے کہ طلاق شوہر یا جسے شوہر نے وکیل بنایا ہو اس کے علاوہ کسی کے اختیار نہیں کیونکہ طلاق دینا شوہر کے ذمہ ہے اور مال خرچ کرنا عورت کے لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

مالکیہ کے ہاں: دونوں حکموں کا قول تفریق یا اجتماع میں زوجین کی وکالت اور اجازت کے بغیر بھی نافذ ہوگا دلیل وہ روایت ہے جسے امام مالکؒ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حکمین کے بارے میں فرمایا: ان دونوں کے ذمہ ہے زوجین میں تفریق کرانا اور ان کو جمع کرنا امام مالکؒ فیصلہ کرنے والوں کو حاکم سے تشبیہ دیتے ہیں اور حاکم جب ضرر دیکھے تو اپنی رائے میں وہ آزاد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے ارشاد میں انہیں حکم کا نام دیا ہے لہٰذا زوجین کی رضامندی کا اعتبار نہیں۔

حکمین (فیصلہ کرانے والوں کے لیے شرائط...... حکمین کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ دونوں مرد ہوں عادل ہوں اور اس چیز سے باخبر ہوں جو ان سے طلب کی جا رہی ہے اور مستحب یہ ہے کہ وہ زوجین کے خاندان سے ہوں ایک عورت کے خاندان سے اور ایک مرد کے خاندان سے آیت قرآنیہ کی وجہ سے۔ اگر دونوں ان کے خاندان کے نہ ہوں تو قاضی دو اجنبی حکمین کو بھیجے اور اس میں بھی مستحسن یہ ہے کہ وہ زوجین کے پڑوسیوں میں سے ہوں جن کو زوجین کی حالت کی خبر ہو اور ان دونوں میں اصلاح کرنے کی قدرت بھی ہو۔

ناچاقی کی وجہ سے کی جانے والی تفریق کی نوعیت...... قاضی جو ناچاقی کی وجہ سے طلاق واقع کرے وہ طلاق بائن ہے کیونکہ ضرر صرف اسی سے ختم ہو سکتا ہے اس لیے کہ اگر طلاق رجعی ہو تو پھر دوران عدت شوہر رجوع کر سکے گا جس کی وجہ سے ضرر واپس لوٹ آئے گا۔

قانون کا مؤقف...... مصر اور شام کے قانون میں مالکی مذہب کو لیا ہے اور یہ دونوں قانون ناچاقی وغیرہ کی وجہ سے تفریق کی اجازت دیتے ہیں۔ مصری قانون نمبر ۲۵ سن ۱۹۲۹ دفعہ (۶۔۱۱) میں اور شامی قانون دفعہ (۱۱۲۔۱۱۵) میں ناچاقی کی وجہ سے ہونے والی تفریق کی تصریح ہے اور یہ احکام دونوں قانونوں میں متفق ہیں الا یہ کہ مصری قانون میں بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے تفریق کا حکم نہیں اور شامی قانون میں مالکی مذہب کے مطابق زوجین میں سے کسی ایک کے ضرر کی وجہ سے تفریق کو لیا گیا ہے۔ اور شامی قانون ۱۹۷۵ (دفعہ: ۱۱۲/ ۳) میں انہوں

❶ ......الشرح الکبیر والدسوقی ۲/ ۲۸۱، ۲۸۵ القوانین الفقھیۃ: ۲۱۵ مغنی المحتاج ۲/ ۲۰۷ المغنی: ۶/ ۵۲۴۔۵۲۷ بدایۃ المجتھد: ۲/ ۵۰۔

نے عدول کیا ہے کہ فی الحال تفریق کا حکم نہ کیا جائے بلکہ قاضی محاکمہ کو اتنی مدت تک جو ایک ماہ سے کم نہ ہو مؤخر کرے جب ضرر ثابت نہ ہو تو انہیں مصالحت پر آمادہ کرے۔ میں شام کے قانون کی دفعات کو مختصر طور پر ذکر کروں گا۔

جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے پر نقصان کا دعویٰ کرے تو اس کے لیے قاضی سے تفریق طلب کرنا جائز ہے (۱۱۲/۱) اور جب ضرر ثابت ہو جائے اور قاضی ان کے درمیان صلح واصلاح سے عاجز آ جائے تو ان کے درمیان تفریق کر دے اور یہ طلاق بائن ہوگی (۱۱۲/۲) اگر ضرر ثابت نہ ہو تو قاضی اتنی مدت مہلت دے جو ایک ماہ سے کم نہ ہو اگر مدعی پھر بھی شکایت پر اصرار کرے تو قاضی زوجین کے خاندان میں سے دو حکم بھیجے ورنہ جن میں قاضی ان کے درمیان اصلاح کرنے کی قدرت پائے انہیں بھیجے اور انہیں حلف دے کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے (۱۱۲/۳) اور حکمین پر لازم ہے کہ وہ زوجین میں پائی جانے والی ناچاقی کے اسباب تلاش کریں پھر انہیں قاضی کی نگرانی میں ایک جگہ جمع کریں (۱۱۳/۱) اور فیصلہ میں کسی ایک فریق کا حاضر نہ ہونا باوجود اطلاع کے مؤثر نہ ہوگا (۱۱۳/۲) اور حکمین پہلے زوجین کے درمیان اصلاح کے سلسلہ میں کوشش کریں اگر اس سے عاجز آ گئے اور تکلیف یا اکثر تکلیف شوہر کی طرف سے ہو تو طلاق بائن کے ذریعہ تفریق کر دی جائے (۱۱۴/۱) اور اگر نافرمانی بیوی کی طرف سے ہو یا دونوں کے درمیان مشترک ہو تو پھر تمام مہر یا کچھ مہر پر تفریق کر دی جائے (۱۱۴/۲) اور حکمین کو اختیار ہے کہ وہ زوجین میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی ناچاقی نہ ہونے کی وجہ سے تفریق کر دیں اس طور پر کہ شوہر بیوی کے بعض حقوق سے بری ذمہ ہو جبکہ عورت بھی اس پر راضی ہو اور ناچاقی دونوں میں مستحکم ہو (۱۱۴/۳) اگر حکمین آپس میں اختلاف کریں تو قاضی ان کے علاوہ ایک اور کو حکم مقرر کر کے ان کے ساتھ ملائے وہ ثالث ہو اور ترجیح دینے والا ہو۔ اور اسے قسم دے جیسا کہ پہلے دو حکمین کو عدل وانصاف سے فیصلہ کرنے پر قسم دی تھی (۱۱۴/۴) اور حکمین تفریق کے مالک نہیں وہ اپنے فیصلہ کو قاضی کے پاس لے جائیں گے اگر اس میں کوئی علت نہیں اور معاملہ قاضی کے سپرد کیا جائے گا فیصلہ کا کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ دے یا ان کے فیصلہ کو کالعدم قرار دے اور ایک مرتبہ پھر دو نئے حکم مقرر کرے۔ (۱۱۵)

یاد رہے کہ حکمین کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اولا ان کے درمیانِ اصلاح کرائیں پھر قاضی کے ہاں تفریق کا فیصلہ لے کر جائیں طلاق کے معاملہ میں احتیاط کی وجہ سے لیکن مالکی مذہب میں جو ہے وہ یہ کہ حکمین خود طلاق واقع کریں کیونکہ قاضی کی جانب سے کامل تفویض ہے جب قاضی نے حکمین کی صلاحیت کو فیصلہ کرنے کا مقید کیا جیسا کہ قانون میں ہے تو پھر اس معاملہ میں مالکیہ کی مخالفت بھی نہیں۔

چوتھی بحث: ظلم کی وجہ سے طلاق..... تعسف اپنے حق کو استعمال کرنے میں غلطی کرنا جو کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے شام کے قانون میں (دفعہ ۱۱۶۔۱۱۷) میں ظلم کی دو حالتیں ذکر کی ہیں طلاق کے استعمال کے لیے اور مرض الموت میں طلاق دینا یعنی طلاق فار اور بغیر کسی معقول سبب کے طلاق دینا۔ ❶

پہلی بات: مرض الموت کی طلاق..... یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ جب شوہر بیوی کو مرض الموت میں طلاق بائن دے یا جو مرض الموت کے حکم میں صورتیں ہیں جیسے کشتی کے غرق ہوتے وقت وغیرہ تو بالاتفاق فقہاء کے ہاں طلاق نافذ ہو جاتی ہے اور شوافع کے ہاں عورت وارث نہیں ہوگی اگرچہ شوہر میراث سے فرار اختیار کرنا چاہتا ہو اور دوران عدت مر بھی جائے کیونکہ طلاق بائن تو ازدواجی تعلق کو ختم کر دیتی ہے۔ شام اور مصر کے قانون میں شوافع کے علاوہ جمہور کے قول کو لیا گیا ہے کہ عورت وارث ہوتی ہے اگر شوہر دوران عدت مر جائے اور حنابلہ کے ہاں اگر عدت کے بعد بھی مر جائے تو بھی عورت وارث ہوگی اگر شادی نہ کی ہو اور مالکیہ کے ہاں شادی بھی کر لی ہو تب بھی وارث ہوگی۔

شامی قانون کی تصریح دفعہ ۱۱۶ اس طرح ہے جو شخص مرض الموت میں یا ایسی حالت میں جس میں ہلاکت غالب ہو اپنی بیوی کی رضامندی

---

❶..... طلاق التعسف وان وقع بارادة الزوج لا بالتفريق القضائى فللقاضى دور الاشراف والرقابه والتحقق من كونه تعسفا.

کے بغیر کوئی ایسا سبب اختیار کرے جس سے بیوی بائنہ ہو جاتی ہے اور شوہر اسی مرض اور اسی حالت میں مر جائے اور عورت عدت میں ہو تو عورت وارث ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ اس کی وارثت کی اہلیت بائنہ ہونے سے موت تک اسی طرح ہو۔ طلاق کے باوجود وارث ہونے کا سبب یہ ہے کہ شوہر نے مقصود کی نقیض والا معاملہ کیا ہے کیونکہ اس نے بیوی کے میراث کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا اس کا ارادہ اسی پر لوٹے گا جب تک عدت باقی ہو کیونکہ زوجین کے آثار باقی ہیں اگر قرائن اس پر دلالت کریں کہ اس نے میراث سے محروم کرنے کا اردہ نہیں کیا بایں طور کہ طلاق عورت کی طلب کی وجہ سے ہو یا خلع ہوا ہو تو طلاق بائن کی عدت میں وارث نہ ہوگی اور طلاق رجعی کی عدت میں وارث ہوگی اور طلاق فرار میں عورت کے میراث پانے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ طلاق کے وقت سے شوہر کی وفات تک وارثت کی مستحق ہو اگر وہ طلاق کے وقت میراث کی مستحق نہ تھی مثلاً کتابیہ تھی یا شوہر کی وفات کے وقت وارثت کی مستحق نہ تھی مثلاً طلاق کے وقت مسلمان تھی پھر وفات کے وقت مرتد ہوگئی تو وارث نہ ہوگی۔

دوسری بات: معقول سبب کے بغیر طلاق......شام کے قانون دفعہ ۱۱۷ میں درج ذیل تصریح ہے۔ جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور قاضی کو معلوم ہو کہ شوہر نے بغیر کسی معقول سبب کے طلاق دینے میں ظلم کیا ہے اور اس طلاق کی وجہ سے بیوی کو تنگی ہوگی تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کے لیے اس کے طلاق دینے والے کے اوپر اس کی حالت اور ظلم کے بقدر عوض لگائے جو تین سال کے نفقہ سے زیادہ نہ ہو اور عدت کے نفقہ سے اوپر ہو اور قاضی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ سارا عوض اکٹھا دلوا دے یا ماہانہ مقرر کرے مقتضی حال کے مطابق اس تعدیل کو ۱۹۷۵ میں دو چیزوں سے متضمن کیا ہے پہلی یہ ہے کہ عورت کو فقیر ہونے سے مقید نہیں کیا گیا اور تین سال کے عوض کو گذرے ہوئے سالوں کا بدل قرار دیا ہے اس جدید حکم کا اسناد وہ شرعی سیاست کے مبدا پر عمل ہے جو عورت پر ظلم کو منع کرتی ہے اور اس کے فاقہ کا عوض دلاتی ہے۔ اور کچھ یہ حکم اس متعہ (سامان) کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے جو مطلقہ عورت کو دیا جاتا ہے جسے بعض فقہاء نے واجب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے پسند کیا ہے اور قرآن کریم نے اس کی ترغیب دی ہے اور اسے معروف قرار دیا ہے لہٰذا اس کی مقدار قاضی کے سپرد ہے کہ عرف کے مطابق مقرر کرے۔

پانچویں بحث: غائب رہنے کی وجہ سے تفریق:

پہلی بات: فقہاء کی آراء...... جب شوہر اپنی بیوی سے غائب ہو جائے اور اس کی وجہ سے بیوی کا نقصان ہو اور وہ اپنے اوپر فتنہ کا خوف رکھتی ہو تو اس صورت میں تفریق کے متعلق فقہاء کی دو رائے ہیں حنفیہ اور شوافع کے ہاں ❶ اگر شوہر غائب ہو جائے اور بہت عرصہ گذر جائے تو بیوی کو تفریق طلب کرنے کا حق نہیں کیونکہ تفریق کے حق میں کوئی دلیل شرعی قائم نہیں اور سبب تفریق متحقق نہیں ہوا اگر اس کی جگہ معلوم ہو تو حاکم اس شہر کے حاکم کے پاس بھیجے اور وہ اس پر نفقہ لازم کرے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❷ اگر خاصہ عرصہ گذر جائے تو پھر تفریق جائز ہے اور زوجہ کو اس کی وجہ سے ضرر ہو اگر چہ شوہر بیوی کے لیے مال چھوڑ کر جائے جو وہ عدم موجودگی میں خرچ کرے کیونکہ بیوی کو اس کے نہ ہونے سے بہت نقصان ہوتا ہے اور ضرر کو بقدر ممکن دفع کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاضرر ولا ضرار۔ نیز عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے بارے میں جو اپنی بیویوں سے غائب ہوگئے تھے لکھا کہ انہیں نفقہ یا انہیں طلاق دے دو۔ لیکن ان میں غائب ہونے کی نوعیت اس کی مدت اور فی الحال تفریق کرنے اور تفریق کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ مالکیہ کے ہاں: غائب ہونے کی نوعیت میں کوئی بھی فرق نہیں چاہے کسی عذر کی وجہ سے غائب ہوا ہو مثلاً علم حاصل کرنے یا تجارت کے لیے یا بغیر عذر کے غائب ہوا اور انہوں نے غائب رہنے کی

❶......الدر المختار ۹۰۳/۲ مغنی المحتاج:۴۴۲/۳ ❷القوانین الفقهية ۲۱۶ الشرح الصغير: ۷۴۶/۲ کشف القناع:۱۲۴/۵ المغنی: ۵۸۸/۷۔

مدت اور حد ایک سال اور اس سے زیادہ مقرر کی ہے اور ایک قول تین سال کا ہے اگر شوہر کے رہنے کی جگہ مجہول ہو تو قاضی بیوی کی طلب پر فوراً تفریق کر دے اور اسے حاضر ہونے یا طلاق دینے یا نفقہ بھیجنے کا کہے اس کے لیے مدت مقرر کرے اگر شوہر کی جگہ معلوم ہو۔ اور طلاق بائن ہوگی اس لیے کہ ہر وہ تفریق جو قاضی واقع کرے وہ طلاق بائن ہے سوائے ایلاء اور نفقہ نہ دینے کی تفریق کے۔

حنابلہ کے ہاں: غائب ہونے کی وجہ سے تفریق جائز ہے ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے غائب ہو تو پھر نہیں اور غائب رہنے کی مدت چھ ماہ یا اور کچھ زیادہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غزوات میں وقت مقرر کرنے کی وجہ سے۔ اور جب عورت اپنے مدعی کو ثابت کر دے تو قاضی اسی وقت تفریق کر دے اور یہ تفریق فسخ ہے طلاق نہیں عدد طلاق کم نہیں ہوگا کیونکہ یہ بیوی کی طرف سے فرقت ہے اور یہ فسخ ہی ہوتی ہے اور یہ تفریق صرف قاضی کے حکم سے ہوگی وراس کے لیے بھی عورت کی طلب کے علاوہ تفریق جائز نہیں کیونکہ یہ اس کا حق ہے لہٰذا بغیر طلب کے جائز نہیں۔

دوسری بات قانون کا مؤقف..... مصری قانون سن ۱۹۲۹ (دفعہ ۱۲، ۱۳) میں تصریح ہے کہ غائب ہونے کی وجہ سے تفریق جائز ہے ایک سال یا زیادہ کی صورت میں بغیر کسی قابل قبول عذر کی وجہ سے عورت کے ڈرانے کے باوجود کہ اسے طلاق دے دی جائے گی اگر وہ حاضر نہ ہو یا وہ اس کے پاس آ جائے یا اسے طلاق دے دے اور یہ تفریق طلاق بائن ہوگی مالکی مذہب اختیار کرتے ہوئے۔ اور شام کے قانون میں غائب رہنے کی وجہ سے تفریق کے جواز کی تصریح دفعہ (۱۰۹) میں کی گئی ہے۔

۱..... جب شوہر بغیر کسی مقبول عذر کی وجہ سے غائب ہو یا اس کے لیے تین سال سے زیادہ مدت کے لیے قید کرنے کا حکم ہو تو اس کی بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ غائب ہونے یا قید ہونے کے ایک سال بعد قاضی سے تفریق طلب کرے اگرچہ اس کے پاس مال ہو جو وہ خرچ کرے۔

۲..... اور یہ تفریق طلاق رجعی ہے جب غائب واپس آ گیا یا قیدی چھوڑ دیا گیا اور عورت عدت میں ہو تو شوہر کے لیے رجوع کا حق ہے یہ تصریح اس پر دلالت کرتی ہے کہ تفریق کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

۱..... غائب ہونے کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا ہو۔

۲..... اس کا غائب رہنا کسی مقبول عذر کی وجہ سے نہ ہو اگر کسی مقبول عذر کی وجہ سے ہو تو عورت کے لیے تفریق طلب کرنا جائز نہیں جیسے جہاد میں یا طالب علمی کے لیے غائب رہنا۔

اور بیوی کی طلب پر تفریق فی الحال ہوگی اگر شوہر کے رہنے کی جگہ معلوم نہ ہو لیکن اگر اس کی جگہ معلوم ہو تو قاضی اس سے بیوی کے پاس حاضر ہونے کا حکم کرے گا اور اس کے لیے متعین مدت مقرر کرے گا اگر اس نے ایسا نہ کیا تو قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا اور یہ تفریق طلاق رجعی ہے اور یہ قانون مالکی مذہب کے خلاف ہے کہ ان کے ہاں طلاق بائن ہے اور حنبلی مذہب کے بھی خلاف ہے کہ ان کے ہاں فسخ ہے۔

چھٹی بحث: قید ہونے کی وجہ سے تفریق..... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں شوہر کے گرفتار اور قید ہونے کی وجہ سے تفریق جائز نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ اور جیل میں قید ہونا وغیرہ حنابلہ کے ہاں عذر کی وجہ سے غائب ہونا نہیں۔ مالکیہ کے ہاں[1] تفریق طلب کرنا جائز ہے جب سال یا اس سے زیادہ غائب رہے چاہے عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے کما تقدم اگر قید ہونے کی مدت سال ہو تو بیوی کے لیے تفریق طلب کرنا جائز ہے اور قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا شوہر کو خط لکھنے یا اس کے انتظار کے بغیر

---

[1]..... الشرح الکبیر للدردیر: ۲/ ۵۱۹

ہی اور یہ تفریق طلاق بائن ہوگی۔اور مصری قانون ۱۹۲۹ (دفعہ ۱۴) میں تصریح ہے کہ عورت کے لیے ایک سال گذرنے کے بعد تفریق طلب کرنا جائز ہے جبکہ شوہر کے حق میں تین سال یا اس سے زیادہ کی مدت سزا مقرر ہو اور طلاق بائن واقع ہوگی جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے اور شامی قانون میں اس تفریق اور غائب ہونے کی تفریق کو برابر رکھا گیا ہے۔

ساتویں بحث: ایلاء کے ذریعہ تفریق......شام کے قانون میں ایلاء ظہار اور لعان کے سلسلہ میں کوئی بحث موجود نہیں۔

پہلی بات: ایلاء کی تاریخ معنی اور الفاظ......ایلاء کا لغوی معنی حلف اور قسم اٹھانا۔ایلاء اور ظہار جاہلیت میں طلاق ہوا کرتے تھے۔اور عرب بیوی کو تکلیف دینے کے لیے اسے استعمال کرتے تھے۔اس طور پر کہ ایک سال یا اس سے زیادہ کی مدت عورت سے دور رہنے کی قسم کرتے تھے پھر مدت کے اختتام پر دوبارہ حلف کر لیتے تھے پھر شریعت نے آکر اس کے حکم کو تبدیل کر دیا اور اسے قسم قرار دیا اور یہ زیادہ سے زیادہ چار ماہ کے بعد ختم ہوجاتی ہے۔اگر اس نے رجوع کیا تو وہ اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا اور اگر اس نے حلف میں اللہ تعالیٰ یا اس کی صفات سے کچھ ذکر کیا تو اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ❶ جاہلیت والوں کا ایلاء ایک سال دو سال یا اس سے زیادہ ہوا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چار ماہ مقرر فرمائے۔پس جس کے ایلاء کے چار ماہ سے کم دن ہوں تو وہ ایلاء نہیں ہے شریعت نے اسے طلاق قرار دیا اس کی مدت مقرر کی،ایلاء کے سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۲۶
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۲۷ البقرۃ: ۲/ ۲۲۶۔۲۲۷

جو لوگ قسم کھالیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے انکے لیے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور اگر ٹھہرالیا چھوڑ دینے کو تو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔اس آیت میں ایلاء کو من سے متعدی کیا ہے اور اصل یہ ہے کہ علی سے متعدی ہو اس لیے کہ یولون کا لفظ چھوڑنے دور رہنے کے معنی کو متضمن ہے گویا کہا گیا کہ وہ عورتوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہوئے ایلاء کرتے ہیں اور فئی کا معنی رجوع ہے لغوی اعتبار سے اور فقہی اعتبار سے بالاتفاق اس سے ہمبستری مراد ہے۔اور جمہور کے ہاں ایلاء حرام ہے ایذاء کی وجہ سے نیز یہ ترک واجب کی قسم ہے اور حنفیہ کے ہاں مکروہ تحریمی ہے۔

شرعی طور پر ایلاء......اللہ تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ قسم اٹھایا یا نذر ماننا یا طلاق معلق کرنا مخصوص مدت تک بیوی کے قریب جانے کو چھوڑنے کی۔یہ تعریف حنفیہ کے ہاں ہے ❷ بچے اور مجنون کا ایلاء درست نہیں اور ان کے ہاں کافر کا ایلاء درست ہے کیونکہ وہ طلاق کا اہل ہے اور مالکیہ نے ایلاء کی تعریف یوں کی ❸ کسی مسلمان شوہر مکلّف کا قسم اٹھانا اپنی بیوی سے ہمبستری ترک کرنے کی چار ماہ سے زیادہ اور وہ عورت مرضعہ نہ ہو اور شوہر کا وطی کرنا ممکن ہو چاہے حلف اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہو یا نام کے ساتھ طلاق کے ساتھ ہو یا مکہ کی طرف چل کر جانے کا وغیرہ تعریف سے واضح ہوگیا کہ مالکیہ کے ہاں ایلا خاص ہے مسلمان شوہر کے ساتھ نہ کہ کافر کی اور مکلّف سے عاقل بالغ مراد ہے نہ کہ بچہ اور مجنون اور وطی ممکن ہونے سے اگر چہ نشہ میں ہو نہ کہ مجبوب اور خصی اور شیخ فانی ان کی ایلاء معتبر نہیں جیسا کہ دودھ پلانے والی سے ایلاء نہیں ہوتا کیونکہ اس سے وطی چھوڑنا بچے کی اصلاح کے لیے ہے اور نہ ہی چار ماہ سے کم ایلاء ہے۔اور شوافع نے تعریف کی ہے ❹ ایسے شوہر کا حلف اٹھانا جس کی طلاق صحیح ہو اپنی بیوی سے ہمبستری چھوڑنے کی مطلقاً یا چار ماہ سے زیادہ کی اور مذہب جدید کے مطابق چاہے حلف اللہ کے نام سے ہو یا صفات سے یا طلاق کی یمین سے مثلاً جیسے اگر میں نے تجھ سے ہمبستری کی تو تیری سوکن کو طلاق ہے یہ یمین

❶...البدائع: ۳/ ۱۷۱ ومابعدھا۔ ❷ الدرالمختار: ۲/ ۷۴۹ اللباب ۳/ ۵۹ البداء: ۳/ ۱۶۱۔ ❸ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۱۹ القوانین الفقہیۃ: ۲۴۱ ❹ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۴۳ المہذب: ۲/ ۱۰۵

ہے اس سے حانث ہونے کی وجہ سے حق لازم ہوتا ہے۔

لہٰذا اس سے ایلاء درست ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم یا نذر ہو مثلاً اگر میں تجھ سے ہمبستری کروں تو میرے ذمہ اللہ کے لیے نماز روزہ یا حج ہے اور یہ مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں۔ بچے اور مجنون کا ایلاء درست نہیں اور مکرہ کا کیونکہ ان کی طلاق درست نہیں اور اسی طرح عنین اور مجبوب کا ایلاء بھی درست نہیں اگر چہ ان کی طلاق تو صحیح ہے لیکن ان کا ایلاء درست نہیں کیونکہ اس سے تکلیف کا ارادہ متحقق نہیں ہوتا جماع سے رکنے کی وجہ سے۔

اور حنابلہ نے ❶ تعریف کی ہے۔ جس شوہر کا جماع ممکن ہے اس کا حلف اٹھانا اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے ساتھ اپنی بیوی جس سے جماع ممکن ہے پر ترک وطی کا۔ اگر چہ حلف دخول سے پہلے ہو اور مطلقاً یا چار ماہ سے زیادہ کا اور اس کی نیت بھی کرے عنین اور مجبوب کا ایلاء درست نہیں کیونکہ ان کے لیے جماع کرنا ممکن نہیں اور اسی طرح طلاق اور نذر کے حلف سے بھی ایلاء درست نہیں اور رتقاء وغیرہ عورتوں سے بھی ایلاء درست نہیں۔ اور اس بناء پر شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی حنفیہ کی طرح کافر کا ایلاء درست ہے۔

ایلاء کے الفاظ...... ایلاء یا تو صریح الفاظ سے ہوگا یا ایسے کنائی الفاظ سے جو جماع سے رکنے پر دلالت کرتے ہوں ❷ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ایلاء کے صریح الفاظ: شوہر کا بیوی کو یہ کہنا: بخدا: میں تیرے قریب نہیں آ ؤں گا یا میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا یا میں تجھ سے ہمبستری نہیں کروں گا یا میں تجھ سے غسل جنابت نہیں کروں گا اور اس طرح کے وہ سارے الفاظ جن سے قسم منعقد ہوتی ہے یا اس کا کہنا بخدا میں چار ماہ تک تیرے قریب نہ آ ؤں گا حتیٰ کہ اگر کلام حائضہ عورت سے متوجہ ہو کر کرے کیونکہ مدت متعین کر دی ہے یا جمہور کے ہاں اس کا کہنا اگر میں تیرے قریب آ ؤں تو مجھ پر حج ہے یا اس طرح کا کوئی کام ذکر کرے جس کا کرنا مشکل ہے رہ گیا وہ کام جس کا کرنا مشکل نہیں مثلاً میرے اوپر دو رکعت نماز ہے تو حنفیہ کے ہاں یہ ایلاء نہیں کیونکہ اس میں مشقت نہیں برخلاف اس کے کہ کہے میں سو رکعت پڑھوں گا اس صورت میں وہ ایلاء کرنے والا ہے یا اس کا کہنا اگر میں تیرے قریب آیا تو تجھے طلاق اس بناء پر حنفیہ کے ہاں صریح دو لفظ ہیں ایک لفظ جماع اور جو اس کے معنی میں ہیں اور ان سے ان کی تعبیر ہوتی ہے ❸ اور جو الفاظ صریح کے قائم مقام ہیں وہ تین ہیں قربان، مباضعہ اور وطی۔ شوافع کے ہاں ایلاء کے صریح الفاظ ترک وطی پر حلف یا جماع پر یا باکرہ کے بکارت پر۔ وغیرہ۔ اور حنابلہ کے ہاں صریح تین الفاظ ہیں وہ بخدا میں تیرے پاس نہیں آ ؤں گا یا دخول نہیں کروں گا یا میں اپنے ذکر کو تیری فرج میں غائب نہیں کروں گا اور میں تیری بکارت نہیں ختم کروں گا یہ باکرہ کے ساتھ خاص ہے اور ان کے ہاں حکم اور قضاء کے اعتبار سے دس الفاظ ہیں اور ان میں ان کی تصدیق کی جائے گی دیانۃً؟ جو ان کے اور اللہ کے درمیان ہے اور وہ میں تجھ سے وطی نہیں کروں گا تجھ سے جماع نہیں کروں گا تجھ تک نہیں پہنچوں گا تجھ سے مباشرت نہیں کروں گا تجھے نہیں چھوؤں گا تیرے قریب نہیں آ ؤں گا تیرے پاس نہیں آ ؤں گا۔ تجھ سے مباضعہ نہیں کروں گا تجھ سے باعلہ نہیں کروں گا تجھ سے غسل نہیں کروں گا یہ الفاظ قضاء صریح ہیں اور عرفی طور پر وطی میں استعمال ہوتے ہیں اور شوافع کے ہاں جدید مذہب کے مطابق الفاظ ملامسہ مباضعہ مباشرہ اتیان عشیان قربان افضاء مس دخول وغیرہ کنایہ ہیں اور وطی کی نیت کے محتاج ہیں اس لیے کہ ان کے لیے وطی کے علاوہ بھی حقائق ہیں اور وطی کے الفاظ کی طرح یہ اس میں مشہور نہیں اور ایلاء کا اصل حکم ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ البقرۃ: ۲/۲۲۶۔۲۲۷

---

❶...... كشف القناع ۵/۴۰۶ ❷ الدر المختار: ۲/۷۵۲۔۷۶۰ البدائع ۳/۱۶۲ اللباب: ۳/۶۲،۶۳ الشرح الصغير: ۲/۶۲۰۔۶۲۳ الشرح الكبير: ۲/۴۲۸ مغني المحتاج: ۳/۳۴۵ المغني: ۷/۳۱۵ كشف القناع: ۵/۴۰۸۔ ❸ الاحياء في الدين اى في بيان احكام الدين للناس فيما يصدر عنهم عادة۔

جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لیے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور کنایہ الفاظ یہ ہیں۔ وہ الفاظ جو نیت کے محتاج ہوتے ہیں حنفیہ کے ہاں درج ذیل الفاظ سے قسم اٹھائے۔ مثلاً میں تجھے نہیں چھوؤں گا تیرے پاس نہیں آؤں گا تجھے نہیں چھپاؤں گا تیرے بستر کے پاس نہیں آؤں گا تیرے پاس داخل نہیں ہوں گا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے اور حرمت کی نیت کی تو ایلاء ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہ کی تو بھی اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے اور اگر جھوٹ کی نیت کی تو قضاء ایلاء ہے کیونکہ حلال کو حرام قرار دینا یمین ہے اور دیانۃ یہ باطل ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں وہ الفاظ کنا جن میں بغیر نیت کے ایلاء نہیں ہوتا وہ ہیں جو سابقہ صریح الفاظ کے علاوہ ہیں۔ جیسے شوہر کا کہنا بخدا میرا اور تیرا سر کوئی چیز جمع نہیں کرے گی میں تیرے بستر کے قریب نہ آؤں گا میں تیرے پاس ٹھکانہ نہ پکڑوں گا میرے غائب رہنا تجھ سے کافی لمبا ہوگا میری جلد تیری جلد کو نہیں چھوئے گی وغیرہ۔ اگر ان الفاظ سے اس نے جماع کا ارادہ کیا اور اس کا اعتراف کیا تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔

کیونکہ یہ الفاظ جماع کے لیے ظاہری طور پر نہیں جیسے کہ پہلے الفاظ ظاہر تھے اور نص بھی ان کے استعمال میں وارد نہیں الا یہ کہ ان الفاظ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم ان میں کی جماع کی نیت اور مدت دونوں کی محتاج ہے اور وہ ''لاسوأنك'' مجھے ضرور بضرور ضرور تکلیف پہنچاؤں گا تجھے ضرور بضرور غصہ دلاؤں گا۔ میرا غائب رہنا تجھ سے طویل ہوگا تو جب تک ترک جماع کی نیت اور مدت جو چار ماہ سے زیادہ کی نیت نہ کرے تو مولی (ایلاء کرنے والا) نہیں ہوگا۔ اور باقی الفاظ میں صرف ترک جماع کی نیت ہی سے مولی ہوگا۔

ایلاء کی زبان...... ایلاء ہر زبان میں درست ہے چاہے عربی ہو یا عجمی [1] اور چاہے مولی اچھی طرح عربی جانتا ہو یا نہ عجمی کا عربی میں ایلاء درست ہے اور عربی کا عجمی زبان میں ایلاء درست ہے بشرطیکہ یہ معنی سمجھتے ہوں جیسا کہ طلاق میں اس لیے کہ قسم عربی کے بغیر بھی منعقد ہوتی ہے اور اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اور مولی وہ ہے جو حلف اٹھاتا ہے اپنی بیوی سے ہمبستری چھوڑنے پر اور وہ اس سے قسم کے ساتھ رکتا ہے۔

دوسری بات: ایلاء کے ارکان وشرائط:

حنفیہ کے ہاں ایلاء کا رکن...... اپنی بیوی کے پاس جانے سے ایک مدت تک رکنے کی قسم اٹھانا اگر چہ وہ ذمی عورت ہو اور وہ ان الفاظ سے ہو جن سے ایلاء منعقد ہوتا ہے اور وہ الفاظ صریح ہوں یا کنایہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ایلاء کی شرائط ہیں اور ایلاء باقی قسموں کی طرح حالت رضا اور غصہ دونوں میں منعقد ہوتا ہے اور جمہور کے ہاں ایلاء کے چار ارکان ہیں۔ حالف محلوف بہ محلوف علیہ اور مدت۔ [2]

ا۔ حالف...... مولی ہے اور مالکیہ کے ہاں وہ مسلمان عاقل بالغ شوہر ہے جس کا جماع کرنا ممکن ہو آزاد ہو یا غلام صحیح ہو یا مریض ذمی کا ایلاء صحیح نہیں۔ اور حنفیہ کے ہاں ہر وہ شخص جس کی طلاق صحیح ہو اور وہ عاقل بالغ نکاح کا مالک ہو اسے اپنی ملک کی طرف منسوب کرنے والا یا وہ جس کے لیے اپنی بیوی سے قربت حاصل کرنا ممکن نہ ہو الا یہ کہ کوئی مشقت والی چیز اس کے لازم ہو جائے پس بچے اور مجنون کا ایلاء درست نہیں کیونکہ یہ دونوں طلاق کے اہل نہیں اور ذمی کا ایلاء درست ہے کیونکہ کافر طلاق کا اہل ہے اور غلام کا ایلاء بھی صحیح ہے جس کا مال سے تعلق نہ ہو مثلاً اگر میں تیرے قریب آؤں تو میرے ذمہ روزے حج یا عمرہ ہے یا میری بیوی کو طلاق ہے یا بخدا میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اگر وہ حانث ہو گیا تو اس پر روزہ کے ذریعہ کفارہ لازم ہے اور وہ ایلاء جو مال سے متعلق ہے یہ کہ اگر میں تیرے قریب آؤں تو میرے ذمہ غلام آزاد کرنا ہے یا

---

[1] ...... المغنی: ۷/۳۱۷ مغنی المحتاج: ۳/۳۴۳۔ [2] القوانین الفقهیة ۲۴۱ مغنی المحتاج: ۳/۳۴۳ المهذب ۲/۱۰۵ الشرح الکبیر: ۲/۴۲۶ المغنی: ۷/۲۹۸ کشف القناع ۵/۴۰۶ غایة المنتهی: ۳/۱۸۸ الدر المختار: ۲/۷۵۰ البدائع: ۳/۱۷۱

میں اتنا صدقہ کروں گا تو یہ غلام کا ایلاء درست نہیں کیونکہ وہ مال کا اھل نہیں اسی طرح اگر کسی نے اجنبی عورت سے کہا یا جس کو تین طلاقیں دے دی ہوں یا جو اس سے بائن ہے کہ بخدا میں تیرے قریب نہیں آؤں گا تو یہ ایلاء درست نہیں کیونکہ یہ نکاح کا مالک نہیں لیکن اگر یہ اس نے ملکیت کی طرف منسوب کیا اور اجنبی عورت سے کہا یا بائنہ سے کہا اگر میں نے تجھ سے شادی کی تو بخدا تیرے قریب نہیں آؤں گا تو یہ ایلاء کرنے والا ہے۔اور شوافع کے ہاں مولی: ہر وہ شوہر ہے جس کی طلاق صحیح ہو یا وہ شوہر جو بالغ ہو عاقل ہو اور وطی پر قادر ہو پس بچے مجنون مکرہ مجبوب اور شل کا ایلاء درست نہیں اور اسی طرح رتقاء اور قرناء عورت سے بھی ایلاء درست نہیں اس لیے کہ اس سے ایلاء کا ارادہ اور ایذاء متحقق نہیں کیونکہ فی نفسہ یہ ممتنع ہے اور مریض قیدی آزاد غلام مسلمان کافر خصی نشئی کا ایلاء درست ہے کیونکہ ان کی طلاق صحیح ہے۔اور حنابلہ کے ہاں حلف اٹھانے والا مولی ہر وہ شوہر جو جماع کر سکتا ہو وہ اللہ تعالیٰ یا اس کی صف کے ساتھ حلف اٹھائے اپنی بیوی سے وطی نہ کرنے کی چار ماہ تک پس وطی سے عاجز کا ایلاء درست نہیں جیسے عنین شل مجبوب اور نہ ہی اس کی نذر اور طلاق وغیرہ کے ساتھ درست ہے، اسی طرح رتقاء وغیرہ عورتوں سے ایلاء درست نہیں اور نہ ہی سمجھدار بچے مجنون اور بے ہوش کا ایلاء درست ہے اور نہ کافر غلام غصہ والے نشہ والے اور اس مریض کا ایلاء جس کی شفاء کی امید ہو اور اس شخص کا جس نے بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو کا ایلاء درست ہے اس سے ثابت ہوا جمہور کے ہاں کافر کا ایلاء جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں ناجائز۔

۲۔ محلوف بہ......وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات میں بالاتفاق اور اسی طرح جمہور کے ہاں سوائے حنابلہ کے ہر وہ قسم جس سے اس کا حکم لازم آتا ہو جیسے طلاق عتاق اور نماز روزہ اور حج وغیرہ کی نذر اور حنابلہ نے محلوف بہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے ساتھ خاص کیا ہے نہ کہ طلاق اور نذر وغیرہ۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے جس نے بغیر یمین کے وطی چھوڑ دی تو اگر اس سے اسے تکلیف دینے کا ارادہ ہو تو اسے بھی ایلاء کا حکم لازم ہوگا اس کے لیے بھی چار ماہ کی مدت حد مقرر ہے پھر اس کے لیے ایلاء کا حکم مقرر ہوگا کیونکہ یہ اس سے وطی ترک کرنے والا ہے اسے تکلیف دینے کے ارادہ سے لہٰذا یہ بھی مولی کے مشابہ ہو گیا۔اور اسی طرح جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور ظہار کا کفارہ ادا نہ کیا تو اس کے لیے ایلاء کی مدت مقرر کی (جاتی ہے) لہٰذا یہ مولی کے مشابہ ہے اور اس کے لیے ایلاء کا حکم ثابت ہوگا کیونکہ اس نے اس سے ضرر دینے کا ارادہ کیا ہے۔

۳۔ محلوف علیہ......وہ جماع ہے ہر وہ لفظ جو اس کا تقاضا کرتا ہو مثلاً میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا اور تجھ سے غسل نہیں کروں گا اور میں تیرے قریب نہیں آؤں گا اور اس کے مشابہ صریح اور کنایہ الفاظ گزشتہ۔

۴۔ مدت......حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں یہ کہ شوہر حلف اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ وطی نہ کرے گا اور حنفیہ کے ہاں: کم سے کم مدت چار ماہ ہیں اور اس سے زیادہ اگر اس نے تین ماہ کا حلف اٹھایا یا چار ماہ کا تو جمہور کے ہاں مولی نہیں اور چار ماہ کی صورت میں حنفیہ کے ہاں وہ مولی ہے اور چار ماہ سے کم مدت میں مولی نہیں اور ان کے اختلاف کا سبب فئ کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور وہ عورت سے رجوع کرنا ہے کیا وہ چار ماہ سے پہلے رجوع کریگا یا مدت ختم ہونے کے بعد حنفیہ کے ہاں رجوع مدت گزرنے سے پہلے ہوگا لہٰذا ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور جمہور کے ہاں رجوع چار ماہ گذرنے کے بعد ہوگا تو ایلاء کی مدت چار ماہ سے بڑھ جائے گی۔

ایلاء کی شرائط...... حنفیہ کے ہاں: ➊ ایلاء کی درج ذیل شرائط ہیں:

۱۔ عورت کا محل ہونا یعنی بیوی ہونا اگرچہ حکماً ہی ہو جیسے طلاق رجعی کی عدت گذارنے والی ایلاء کے وقت اگر عورت تین طلاقوں کی جہت سے بائنہ ہو یا لفظ بائن سے بائن ہو تو اس سے ایلاء درست نہیں۔

➊ الدالمختار ۲۰۵/۲ البدائع ۱۷۳/۳

۲..... شوہر طلاق کا اہل ہونا پس ذمی کا ایلا ، درست ہے ان چیزوں کے علاوہ جو قربت محض ہیں جیسے روزہ حج وغیرہ اور ذمی کے ایلاء کے درست ہونے کا فائدہ اگر چہ اس پر حانث ہونے سے کفارہ لازم نہیں آتا لیکن اگر اس مدت میں اس کے پاس نہ گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳..... کسی مکان کے ساتھ مقید نہ کرے کیونکہ دوسری جگہ عورت کے قریب جانا ممکن ہے۔

۴..... بیوی کے ساتھ کسی غیر اجنبی جمع نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بغیر کسی شئی کے لازم آئے اپنی بیوی کے ساتھ قربت ممکن ہے۔

۵..... رکنا صرف اس سے جماع سے ہو۔

۶..... مدت مقررہ چار ماہ میں بیوی سے جماع نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کے عزم کو اس کے وقوع کے ساتھ مشروط کیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ البقرۃ:۲/ ۲۲۷

اگر طلاق کا ارادہ کرلیا تو اللہ بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے اس میں لفظ ان شرط ہے اور عزم الطلاق سے مراد دوران مدت رجوع نہ کرنا ہے، اور ان کی دلیل کہ مدت چارہ ماہ ہے یہ ہے کہ رجوع چار ماہ کی مدت میں ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اس کے بعد۔

حنابلہ اور دوسرے مذاہب اربعہ نے ایلاء کے لیے درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں ❶ شوہر اللہ جل جلالہ کے نام نامی سے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت سے قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چارہ ماہ سے زیادہ ہمبستری نہ کرے گا یا مالکیہ شوافع اور حنفیہ کے ہاں طلاق عتاق کے ساتھ یا مال کے صدقہ یا حج کی نذر کے ساتھ یا ظہار کے ساتھ ہمبستری نہ کرنے کا حلف اٹھالے۔جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: ہر وہ قسم جو جماع سے مانع ہو وہ ایلاء ہے کیونکہ یہ بھی قسم ہے جو عورت سے جماع کرنے سے مانع ہے لہٰذا یہ بھی ایلاء ہے حلف باللہ کی طرح نیز طلاق اور عتاق کو ہمبستری پر معلق کرنا حلف ہے لہٰذا یہ مولی ہے کیونکہ قسم کے ذریعہ ممانعت جماع متحقق ہے یعنی شرط اور جزاء کا ذکر کرنا اور حنابلہ کے ہاں مشہور روایت کے مطابق طلاق عتاق کے ساتھ حلف ایلا نہیں کیونکہ مطلق ایلا ، وہ قسم ہی ہے دلیل ابیؓ اور ابن عباسؓ کی قرأت ہے: لِلَّذِيْنَ يُقْسِمُوْنَ يُؤْلُوْنَ کی جگہ پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے يُؤْلُوْنَ کی تفسیر يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ سے کی ہے اور شرط سے معلق کرنا قسم نہیں لہٰذا ایلاء بھی نہیں اور اسے مجازاً قسم کیا جاتا ہے کیونکہ قسم کے مشہور معنی میں یہ شریک ہے اور وہ معنی کسی فعل پر ابھارنا یا اس سے باز رکھنا یا خبر کی تاکید ہے اور جب کلام مطلق ہو تو اسے حقیقت پر محمول کرتے ہیں نہ کہ مجاز پر اور اگر شوہر نے کہا: اگر میں تجھ سے ہمبستری کروں تو اللہ کے لیے مجھ پر روزے یا حج یا عمرہ ہے تو جمہور کے ہاں یہ ایلاء ہے اور حنیفہ نے مشقت والے فعل سے مقید کیا ہے نہ کہ دو رکعت نماز سے اس میں مولی نہ ہوگا مشقت نہ ہونے کی وجہ سے البتہ سو رکعت کا التزام اسے مولی بنا دیتا ہے۔

۱..... اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں بھی ایلا نہیں جب وہ ہمبستری ترک کرنے پر قسم اٹھائے نذر یا مال کے صدقہ کرنے یا حج یا ظہار کی یا مباح کو حرام کرنے کی تو شوہر مولی نہ ہوگا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں اٹھائی لہٰذا کعبہ کی قسم اٹھانے کے مشابہ ہو گیا۔

۲..... یہ کہ چار ماہ سے زیادہ ہمبستری نہ کرنے کی قسم اٹھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حلف اٹھانے والے کے لیے چار ماہ کا انتظار رکھا ہے جب اس نے چار ماہ ایا اس سے کم کا حلف اٹھایا تو تربص وانتظار کا کوئی معنی نہیں کیونکہ ایلا ، کی مدت اس سے پہلے ختم ہو جائے گی یا اس کے ختم ہوتے ہی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مدت سے کم میں وہ مولی نہیں نیز چار ماہ سے کم میں وطی چھوڑنے پر ضرر متحقق نہیں ہوتا دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کتنا عرصہ عورت شوہر سے صبر کر سکتی ہے؟ تو کہا گیا دو ماہ اور تیسرے میں صبر کم ہے اور چوتھے میں صبر نافذ ہو جاتا ہے جب اس کا صبر نافذ ہوگا تو وہ مطالبہ کرے گی لہٰذا اس پر زیادہ ہونا ضروری ہے اور ایک لمحہ بھی زیادہ ہونا کافی ہے ❷ یہ کہ شوہر

❶ الشرح الصغیر ۲/ ۲۲۵،۱۰۹، القوانین الفقہیہ ۲۳، المہذب ۲/ ۱۰۵، ❷ المغنی ۷/ ۲۹۸، کشف القناع ۵/ ۴۰۲، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۰۰، اللباب ۳/ ۶۱، الشرح الصغیر ۲/ ۲۵۷، البدائع ۳/ ۱۷۱

فرج میں وطی نہ کرنے کا حلف اٹھائے اگر اس نے بغیر قسم کے وطی چھوڑ دی اور نقصان دینے کا ارادہ نہ ہو تو ظاہر آیت کے مطابق وہ مولی نہیں لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ (البقرۃ:۲/۲۲۶) اگر شوہر نے کہا میں تجھ سے دبر میں وطی نہیں کروں گا تو بھی مولی نہیں کیونکہ واجب وطی کو وہ چھوڑ نہیں رہا اور اس کے ترک کی وجہ سے عورت کو کوئی ضرر نہیں اور بلاشبہ یہ وطی حرام ہے اور اس نے اپنی قسم سے تاکیداً اپنے آپ کو اس سے روکا ہے۔ ❶ محلوف علیہ اس کی بیوی ہو فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ البقرۃ:۲/۲۲۶

نیز اس لیے بھی کہ بیوی کی علاوہ سے اسے وطی کا حق حاصل نہیں لہٰذا اس سے مولی نہ ہوگی جیسے اجنبیہ اگر اس نے اجنبیہ سے وطی ترک کرنے کا حلف اٹھایا پھر اس سے نکاح کر لیا تو مولی نہ ہوگا اس لیے کہ جب قسم نکاح سے پہلے ہو اور اس کا قصد ضرر نہ ہو تو بغیر قسم کے ممتنع کے مشابہ ہے اور بالاتفاق طلاق رجعی والی عورت سے عدت میں ایلاء درست ہے کیونکہ یہ بیوی کے حکم میں ہے اسے طلاق ہو سکتی ہے اور مطلقہ بائنہ سے صحیح نہیں کیونکہ زوجیت ختم ہوگئی اور ہر قسم کی بیوی سے ایلاء صحیح ہے چاہے مسلمان ہو یا ذمیہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ عام ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ

نیز ان میں سے ہر ایک بیوی ہے۔ لہٰذا ان سے ایلاء آزاد مسلمان عورت کی طرح درست ہے اسی طرح دخول سے پہلے اور بعد ایلاء درست ہے عموم آیت کی وجہ سے کیونکہ معنی پایا جا رہا ہے کیونکہ وہ رکنے والا ہے اپنی بیوی سے جماع کرنے سے قسم کے ساتھ لہٰذا یہ دخول کے بعد کے مشابہ ہے۔ اسی طرح مجنونہ اور صغیرہ سے بھی ایلاء درست ہے مگر بچپنے اور جنون کی صورت میں اس سے رجوع کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ دنوں اس کی اہل نہیں۔

رتقاء اور قرناء عورت سے ایلاء درست نہیں کیونکہ وطی دائمی طور پر متعذر ہے لہٰذا اس کے ترک پر یمین منعقد نہ ہوگی جیسا کہ قسم اٹھائے وہ آسمان کی طرف نہیں چڑھے گا۔

رہ گیا حالف تو اس کی شرائط ہم پہلے پہچان چکے ہیں کہ وہ شوہر ہو عاقل بالغ ہو ہمبستری پر قادر ہو مالکیہ کے ہاں مسلمان ہو پس شوہر کے علاوہ کا ایلاء درست نہیں اور نہ ہی بچے اور مجنون کا ایلاء ہے اس لیے کہ ان سے قلم مرفوع ہے اور یہ مکلّف نہیں اور نہ ہی مجبوب اور شل کا ایلاء ہے کیونکہ یہ وطی سے عاجز ہیں اور قسم سے پہلے ہی ان سے ہمبستری نہ ہو سکی تھی لہٰذا عورت کو قسم کی وجہ سے کوئی ضرر نہیں ہوا اور حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مسلمان کافر، آزاد غلام، تندرست خصی، مریض قیدی اور نشی کا ایلاء درست ہے کیونکہ یہ وطی پر قادر ہیں لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا رکنا صحیح ہے آیت ایلاء کے عموم کی وجہ سے اور مالکیہ کے ہاں کافر کا ایلاء درست نہیں کیونکہ وہ قسم کے کفارہ کا اہل نہیں نیز وہ آیت میں موجود رحمت اور مغفرت کا اہل نہیں لہٰذا ہمبستری کرنے سے کافر کو نہ رحمت حاصل ہوتی ہے نہ مغفرت اور ایلاء رضا مندی اور غصہ دونوں حالتوں میں درست ہے ایلاء میں یہ شرط نہیں کہ غصہ کی حالت میں ہو اور نہ ہی تکلیف دینے کا قصد شرط ہے کیونکہ آیت ایلاء عام ہے نیز ایلاء بھی طلاق ظہار اور باقی ساری قسموں کی طرح ہے۔ چاہے غصہ میں ہوں یا رضا مندی میں نیز قسم کے کفارہ کا حکم غصہ وغیرہ میں برابر ہے لہٰذا ایلاء میں بھی اسی طرح ہوگا۔

تیسری بات: ایلاء کا حکم......ایلاء کی قسم کا حنفیہ کے ہاں اخروی اور دنیاوی حکم ہے ❷ اخروی حکم تو یہ کہ اسے گناہ ہوگا اگر اس نے بیوی سے ہمبستری نہ کی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

❶......مغنی: المحتاج:۳/۳۴۴۔ ❷البدائع:۳/۱۷۵۔۱۷۷ الدر المختار:۲/۷۳۸، ۷۵۰ اللباب:۳/۱۰

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ البقرۃ:۲/۲۲۶

پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے نیز اس لیے بھی کہ ان کے ہاں ایلاء مکروہ تحریمی ہے۔

دنیاوی حکم......تو ایلاء سے دو حکم دنیاوی متعلق ہیں ایک حانث ہونے کا حکم اور ایک پورا کرنے کا حکم۔

حانث ہونے کا حکم......یہ کہ اس میں کفارہ لازم ہے یا معلق جزاء اگر ہے اگر قسم سے حانث ہو گیا اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر وطی کر لی تو قسم میں حانث ہو جائے گا کیونکہ محلوف فعل اس نے کر دیا اور حانث ہونے کا حکم محلوف علیہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوگا اگر حلف اللہ کے نام یا صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ اٹھایا مثلاً بخدا میں تیرے قریب نہ آؤں گا تو اس پر کفارہ قسم واجب ہوگا تمام قسموں کی طرح اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ایک دن میں یا انہیں کپڑے پہنچانے ہیں یا غلام آزاد کرنا ہے اس شخص کے لیے جو مالدار ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی چیز نہ پائے کہ تنگدست ہو اس پر تین دن کے لگاتار روزے واجب ہیں جب اس پر کفارہ لازم ہو گیا تو ایلاء ساقط ہو گیا اور اگر حلف شرط اور جزاء کے ساتھ ہو مثلاً میں تیرے قریب ہوا تو مجھ پر حج ہے یا تجھے طلاق ہے اگر حانث ہوا تو معلق جزاء اس پر لازم ہوگی۔

پورا کرنے کا حکم......محلوف علیہ بیوی سے وطی نہ کرے اور اس کے قریب نہ ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ قاضی کے پاس دعویٰ لے جانے کے بغیر ہی مدت گذرنے پر اگر اس نے اس دوران ہمبستری نہ کی تو یہ طلاق اس کے ظلم کا بدلہ ہے اور یہ رحمت ہے اور اس کی مصلحت یعنی اس سے خلاصی کی طرف دیکھتے ہوئے تا کہ وہ کسی اور شوہر سے اپنا حق وصول کرے اور اس پر ان کی دلیل کے یہ طلاق بائن ہے تو یہ عمل ہے صحابہ کرام کی ایک جماعت کی رائے پر اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ عبادلہ ثلاثہ (ابن مسعود ابن عباس اور ابن عمر) زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں ان کے ہاں جب چار ماہ گذر جائیں تو طلاق بائن ہوتی ہے نیز عورت سے ظلم ہٹانا طلاق بائن کے بغیر نہیں ہو سکتا تا کہ وہ اس سے آزاد ہو اور دوسرے سے شادی کر سکے۔

اور حنفیہ کے ہاں اس طلاق کی مقدار امام زفر رحمہ اللہ کے علاوہ یہ ہے کہ مدت کے تابع ہے نہ کہ قسم کے پس مدت کے متحد ہونے کی وجہ سے ایک ہوگی اور مدت کے متعدد ہونے کی وجہ سے متعدد ہوگی اسی بناء پر جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا بخدا میں تیرے قریب نہیں آؤں گا یا بخدا میں چار ماہ تیرے قریب نہ آؤں گا۔ اگر حلف صرف ایلاء کی مدت پر ہو کہ صرف چار ماہ تو قسم ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ یہ وقت کے ساتھ مؤقت ہے لہٰذا وقت کے ختم ہوتے ہی ختم ہو جائے گی اگر ہمیشہ کے لیے حلف اٹھایا تو قسم بینونت کے بعد بھی باقی رہے گی کیونکہ حانث نہیں ہوا اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کیا تو ایلاء بھی لوٹ آئے گا اس لیے کہ ملکیت کا زائل ہونا قسم کے بعد قسم کو باطل نہیں کرتا۔ اگر اس نے اس سے وطی کی تو اپنی قسم میں حانث ہوگا اور اسے کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ وہ حانث ہونے سے مرتفع ہو گیا اور اگر اس نے وطی نہ کی تو چار ماہ گذرنے پر ایک اور طلاق ہو جائے گی اس لیے کہ شادی کی وجہ سے اس کا حق ثابت ہو گیا لہٰذا ظلم متحق ہو گیا اور اس ایلاء کی ابتداء نکاح کے وقت سے ہوگی اگر پھر اس سے تیسری مرتبہ نکاح کر لیا تو پھر تیسری دفعہ ایلاء چارہ ماہ گذرنے پر واپس آ جائے گا اور ایک اور طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق اس ملک میں باقی ہے محل کے باقی ہونے کی وجہ سے اور اس ملک کی طلاق زائل ہو گئی محل کے زائل ہونے سے لیکن قسم پھر بھی باقی ہے حانث نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس نے وطی کر لی تو قسم کا کفارہ ادا کرے کیونکہ حانث ہو گیا۔ اور جمہور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایلاء کے اعتبار کا سبب قسم ہے اور وہ مدت کے دوران عورت سے جماع کے حق سے رکنا ہے اور رکنا مدت کے متحد ہونے کی وجہ سے متحد ہے۔ پس ظلم اور طلاق متحد ہیں اور مدت کے متعدد ہونے سے ظلم بھی متعدد ہوگا لہٰذا طلاق بھی متعدد ہوگی اور کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کی وجہ سے ہے اور توہین متحد یا متعدد ہوتی ہے اتحاد اسم یا تعدد اسم کی وجہ سے۔

فیئ حنفیہ کے ہاں ❶ دوقسم کی ہے فعلی اور قولی: فعلی تو یہ کہ عورت کی فرج میں جماع کرے اگر فرج کے علاوہ میں جماع کیا یا شہوت سے بوسہ دیا یا شہوت سے چھو لیا یا اس کی فرج کی طرف شہوت سے دیکھا تو یہ فیئ نہیں اس لیے کہ اس کا حق فرج میں جماع ہے لہٰذا روکنے کی وجہ سے ظالم ہے اس کا ظلم صرف اسی سے ختم ہوگا۔

قوی رجوع یہ کہ اپنی بیوی سے کہے میں تجھ سے مل گیا یا میں نے تجھ سے رجوع کیا یا ان کے مشابہ کوئی الفاظ سے اور اس قولی رجوع کے لیے تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط...... ایک یہ کہ جماع کرنے سے وہ عاجز ہو لہٰذا جماع پر قدرت ہونے کے باوجود قولی رجوع درست نہیں کیونکہ قول جماع کا بدل ہے جیسے تیمم وضو کے ساتھ۔ پھر اس عاجز آنے کی دو صورتیں ہیں۔ حقیقی اور حکمی۔ حقیقی یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک ایسا بیمار ہو کہ اس بیماری کے ساتھ ہمبستری متعذر ہو یا عورت چھوٹی ہے اس کے مثل سے جماع نہ ہوسکتا ہو، یا عورت رتقاء ہو یا شوہر مجبوب ہو یا ان کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ وہ مدت ایلاء میں اسے طے نہ کرسکتا ہو یا عورت نافرمان ہو اور ایسے مکان میں چھپی ہوئی ہو جسے وہ نہ جانتا ہو یا شوہر قید میں ہو اور عورت سے دخول کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور حکمی اور شرعی یہ کہ شوہر ایلاء کے وقت محرم ہو اس کے اور حج کے درمیان چار ماہ کا وقت ہو۔

دوسری شرط...... جماع سے عاجز ہونا مدت ایلاء تک دائمی ہو اگر دوران مدت جماع پر قادر ہوگیا تو قولی رجوع باطل ہو جائے گا اور رجوع جماع کی طرف منتقل ہو جائے گا اسی طرح اگر مدت میں بیماری سے تندرست ہوگیا تو قولی رجوع باطل ہو جائے گا اور رجوع جماع کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہونے سے پہلے اصل پر قادر ہو جائے گا خلیفہ باطل ہو جاتا ہے جیسے تیمم جب وہ پانی کے استعمال پر دوران نماز قادر ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

تیسری شرط...... قولی طور پر رجوع کی صورت میں نکاح کی ملکیت قائم ہو اور وہ یہ کہ عورت رجوع کے وقت اس کی بیوی ہو بائنہ نہ ہو اگر اس سے بائنہ ہے اور وہ قولی طور پر اس سے رجوع کرے تو یہ رجوع نہ ہوگا اور ایلاء باقی رہے گا اور یہ جماع کے ساتھ رجوع کے برخلاف ہے اس لیے کہ وہ ملکیت زائل ہونے کے بعد اور بنونت ثابت ہونے کے بعد بھی صحیح ہے ایلاء باقی نہ رہے گا باطل ہو جائے گا کیونکہ وطی کر کے وہ حانث ہوگیا قسم پوری ہوگئی اور ایلاء باطل ہوگیا۔ رجوع کی دونوں قسم کی شرط: یہ ہے کہ رجوع چار ماہ گذرنے سے پہلے ہوا ہو اگر اس نے مدت کے اندر رجوع کیا تو قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اگر اس نے رجوع نہ کیا اور چار ماہ گذر گئے تو ایک طلاق کے ساتھ وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی۔ ❷

رجوع میں اختلاف...... مدت باقی ہونے کے باوجود اگر میاں بیوی کا رجوع میں اختلاف ہو جائے بایں طور کہ شوہر رجوع کا دعویٰ کرے اور عورت انکار کرے تو شوہر کا قول معتبر ہے اس لیے کہ مدت باقی ہے اور اس دوران شوہر رجوع کا مالک ہے اور اس نے ایسے وقت میں رجوع کا دعویٰ کیا ہے جس میں وہ انشاء کا مالک ہے لہٰذا ظاہر اس کا گواہ ہے تو قول اسی کا معتبر ہوگا اور اگر ان میں مدت گذرنے کے بعد اختلاف ہو جائے تو عورت کا قول معتبر ہے اس لیے کہ شوہر ایسے وقت میں رجوع کا دعویٰ کر دیا ہے جس میں رجوع نہیں کرسکتا لہٰذا ظاہر اس کے خلاف عورت کا شاہد ہے لہٰذا عورت کا قول معتبر ہوگا۔ ❸

حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں رجوع کا حکم ❹ ...... اس سلسلہ میں دو چیزوں پر کلام ہوگا پہلی بات: قاضی کے بغیر مہلت کی مدت:

---

❶ البدائع ۳/۱۷۳ وما بعدها ❷ الكتاب مع اللباب ۳/۶۰ ❸ البدائع ۳/۱۷۳ ❹ القوانين الفقهية ص ۲۰۱ بداية المجتهد ۲/۹۹ الشرح الصغير ۲/۶۲۹، ۶۳۱ مغني المحتاج ۳/۳۴۹، ۳۵۱ المهذب ۲/۱۰۹

المغنی: ۷/۸/۳۱۔۳۳۷

جب شوہر اپنی بیوی سے ایلاء کرے اور وہ چار ماہ سے پہلے وطی کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ اشار باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ ......البقرۃ ۲/۲۲۶

اور مدت کی ابتداء قسم کے وقت سے ہے کیونکہ یہی نص اور اجماع سے ثابت ہے کسی تحدید کی محتاج نہیں اگر اس نے وطی کر لی تو اس نے عورت کا حق پورا کر دیا مدت ختم ہونے سے پہلے اور ایلاء سے نکل گیا اور اگر مدت کے بعد عورت کے مطالبہ سے پہلے یا بعد وطی کی تو بھی ایلاء سے نکل جائے گا اس لیے کہ اس نے وہ کر دیا جس کا اس نے حلف اٹھایا تھا۔ اگر وہ وطی نہ کرے تو عورت اگر چاہے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو اس وقت قاضی شوہر کو وطی کے ذریعہ رجوع کا حکم کرے اگر وہ انکار کرے تو قاضی طلاق دے اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ یعنی جمہور کے ہاں مولی پر طلاق رجعی واقع ہوتی ہے چاہے خود واقع کرے یا حاکم واقع کرے۔

اس لیے کہ یہ مدخول بھا عورت کو طلاق ہے بغیر عوض کے اور عدد کے استیفاء کی وجہ سے تو طلاق رجعی ہوگی جیسے ایلاء کے بغیر طلاق، برخلاف عنین ہونے کی وجہ سے فرقت کہ کیونکہ وہ عیب کی وجہ سے فسخ ہے نیز اس لیے بھی کہ اصل یہ ہے کہ ہر وہ طلاق جو شرعی طور پر واقع ہو اسے رجعی پر محمول کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بائن ہونے پر کوئی دلیل ہو اور حنفیہ کے ہاں یہ طلاق بائن ہے کیونکہ تفریق ضرر ختم کرنے کے لیے ہے لہٰذا بائن طلاق ہوگی، اور فئی معروف جماع ہے یا وطی ہے بالاتفاق علماء کے اور اگر عورت ثیبہ ہو تو ادنیٰ وطی حشفہ کا فرج میں چھپ جانا ہے اور اگر باکرہ ہے تو بکارت کا پھٹ جانا ہے۔ اگر فرج کے علاوہ میں جماع کرے تو رجوع درست نہیں کیونکہ یہ محلوف علیہ نہیں جس اور اس کے اس فعل سے عورت سے ضرر زائل نہیں ہوتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وطی کرنے والا جانتا ہو عمداً اور عاقل بالغ ومختار ہو اگر اس نے بھول کر وطی کی یا اس پر زبردستی کی گئی یا وہ مجنون ہو تو حانث نہ ہوگا اور ایلاء باقی رہے گا اور اگر اس نے عورت سے حرام وطی کی مثلاً اس سے حائضہ ہونے یا نفاس میں ہونے یا احرام کی حالت میں یا فرض روزے کی حالت میں وطی کی تو شوافع اور حنابلہ کے کے ہاں حانث ہو جائے گا اور ایلاء سے نکل جائے گا۔ بلکہ شوافع کے ہاں اگر وطی دبر میں کرے تو بھی۔ مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں وطی حلال کا ہونا شرط ہے حرام وطی کافی نہیں مانع زائل ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ رجوع کا ہوگا اگر حرام سے حانث ہوا تو کفارہ لازم ہوگا اور یمین ایلاء ختم نہ ہوگی۔ جب اس نے رجوع کر لیا تو کفارہ لازم ہوگیا جیسے یمین کا کفارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ......المائدۃ ۵: ۸۹

اور اگر ایلاء طلاق کے ساتھ معلق ہو تو صرف وطی کرنے ہی سے طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ ایسی صفت کے ساتھ متعلق ہے جو پائی گئی اور اگر نذر ہو یا صدقہ روزے نماز حج وغیرہ طاعات ہوں یا مباحات ہوں تو وطی سے ان کا پورا کرنا لازم ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں اختیار ہے چاہے انہیں پورا کرے چاہے قسم کا کفارہ دے دے۔ کیونکہ یہ مجبوری اور غصہ کی نذر ہے۔

دوسری صورت: جماع عاجز ہونے کی صورت میں رجوع

(الف)..... اگر مانع عورت کی طرف سے ہو اور شرعاً وطی منع ہو جیسے حیض ونفاس وغیرہ یا حسی طور پر ہو جیسے ایسی بیماری جس کی ساتھ وطی ممکن نہیں تو شوہر سے رجوع کا مطالبہ نہیں اس لیے کہ وطی عورت کی جانب سے متعذر ہے تو وہ کیسے طلب کر سکتی ہے یا اس کے قائم مقام طلاق کا کیسے مطالبہ کر سکتی ہے اس لیے کہ مطالبہ تو مستحق کا ہوتا ہے اور عورت اس وقت وطی کی مستحق نہیں۔

(ب)..... اگر مانع شوہر کی طرف سے ہو اور مانع طبعی ہو جیسے قید ہونا یا مرض ہو جو وطی سے مانع ہو یا اس سے بیماری بڑھ جانے کا خوف

ہو یا شفاء دیر سے ہو یا مانع شرعی ہو جیسے حج یا عمرہ کا احرام یا اس کی عقل مغلوب ہو جنون یا بے ہوشی کی وجہ سے تو بھی شوہر سے وطی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اس لیے مجنون اور بے ہوش سے خطاب درست نہیں اور نہ ہی اس کا جواب صحیح ہے مطالبہ قدرت ہونے اور عذر زائل ہونے تک مؤخر ہوگا پھر اس وقت مطالبہ ہوگا اسی طرح قیدی مریض اور محرم سے وطی کا مطالبہ نہیں ہوگا معذور ہونے کی وجہ سے بلکہ صرف قولی رجوع کا مطالبہ ہوگا یعنی وطی کا وعدہ جب مانع زائل ہو جائے یا پھر طلاق کا مطالبہ ہوگا اگر وہ رجوع نہ کرے، بایں طور کہے کہ جب مجھے قدرت ہوگی تو جماع کروں یا تجھے طلاق دوں گا اس لیے کہ اس قول سے عورت کو پہنچنے والی تکلیف ختم ہو جاتی ہے جو زبان سے ہوئی تھی۔لیکن شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر میں کوئی مانع شرعی ہو جیسی احرام اور ظہار اور واجب روزے تو اس سے طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اس سے ممکن ہے اور اس سے جماع کا مطالبہ نہیں ہوگا کیونکہ وطی حرام ہے اور عورت کا اس کو قدرت دینا حرام ہے۔ جب چار ماہ کی مدت ختم ہوگئی اور شوہر وطی سے عاجز ہونے کا دعویٰ کرے حالانکہ وہ ایک مرتبہ پہلے وطی کر چکا تھا تو عنین ہونے کا یہ دعویٰ مسموع نہیں جیسا کہ عورت کا اس کے خلاف دعویٰ مسموع نہیں اس سے جماع یا طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا لیکن اگر اس نے وطی نہ کی ہو اور نہ ہی اس کی حالت معلوم ہو تو اس کا دعویٰ مسموع ہوگا اور اس کا قول قبول ہوگا اس لیے کہ عیوب کی تعیین جن پر کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا لہٰذا شوہر کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا۔اور عورت کو اختیار ہے کہ وہ حاکم سے مطالبہ کرے کہ اس کے لیے عنین کی مہلت مقرر کرے جو ایک سال ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ عذر والوں کی طرح رجوع کرے یعنی وہ وطی کا وعدہ ہے جماع پر قدرت کے وقت اور کہے جب مجھے قدرت ہوئی تو میں اس سے جماع کروں گا۔اس ساری بحث سے ظاہر ہوا کہ جمہور اس رجوع کے سلسلہ میں کہ یہ جماع سے ہو یا جماع سے عاجزی کی صورت میں قول سے ہو حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں۔

زوجین کا ایلاء یا اس کی مدت کے ختم ہونے یا رجوع ہونے میں اختلاف...... جب زوجین میں ایلاء یا اس کی مدت ختم ہونے میں اختلاف ہو بایں طور کہ عورت شوہر پر دعویٰ کرے اور شوہر انکار کرے تو شوہر کا قول معتبر ہے کیونکہ اصل ایلاء کا نہ ہونا اور مدت کا ختم نہ ہونا ہے۔اور اگر رجوع اور جماع میں اختلاف ہو شوہر کہے میں نے جماع کر لیا اور بیوی انکاری ہو اور تھی بھی ثیبہ تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ اصل نکاح کا باقی رہنا ہے اور عورت اسے کے ختم ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے شوہر اصل کے موافق کا دعویٰ کر رہا ہے۔لہٰذا اسی کا قول معتبر ہوگا جیسا کہ عنین ہونے کی صورت میں وہ وطی کا دعویٰ کرے۔اگر شوہر نے قسم سے انکار کر دیا تو بیوی حلف اٹھائے گی کہ اس نے جماع نہیں کیا اور عورت کا حق باقی رہے گا کہ وہ اس سے جماع کرے یا اسے طلاق دے دے اگر عورت بھی حلف نہ اٹھائے تو وہ اس کی بیوی کی حیثیت سے رہے گی۔

اور اگر وہ باکرہ ہے اور جماع میں اختلاف ہو گیا تو ثقہ عورتیں اسے دیکھیں اگر وہ اس کے ثیبہ ہونے کی گواہی دیں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر وہ اس کے باکرہ ہونے کی گواہی دیں تو عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔اس لیے کہ اگر وہ اس سے وطی کرتا تو اس کی بکارت زائل ہو جاتی یہ بھی حنفیہ اور جمہور کے ہاں متفق علیہ ہے۔

ایلاء کی مدت میں طلاق...... اگر مولی نے طلاق دے دی تو ایلاء کا حکم ساقط ہو جائے گا اور قسم باقی رہے گی اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا تو جمہور کے ہاں ایلاء کا حکم واپس آ جائے گا جس وقت وہ اس سے شادی کرے گا اس وقت نئے سرے سے مدت کا حساب ہوگا یعنی مدت ایلاء کو رجوع کے وقت سے شمار کیا جائے گا اگر قسم کی مدت میں سے چار ماہ یا اس سے کم ہوں تو اس پر عمل ہوگا اگر چار ماہ سے زیادہ ہوں تو وہ چار ماہ انتظار کرے گی پھر اس مدت کے ختم ہونے پر اس سے کہا جائے گا یا تو جماع کر یا اس کو طلاق دے دو اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم پھر ایک طلاق دے اور وہ رجعی ہے اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے ہاں اگر طلاق تین سے کم ہو تو ایلاء واپس آ جاتا ہے اگر اس نے طلاق کے عدد کو پورا کر دیا تو ایلاء واپس نہ آئے گا اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں حاکم ایک طلاق کے علاوہ طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ حق اس سے

پورا ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے زیادہ کا وہ مالک نہیں جیسا کہ وہ دین کی ادائیگی میں زیادہ دینے کا حقدار نہیں اس شخص کے دین سے جو ادائیگی سے رکا ہوا ہو اور حنابلہ نے قاضی کو اجازت دی ہے کہ وہ شوہر کی طرف سے تین طلاقیں دے دے اس لیے کہ مولی جب جماع اور طلاق سے رک جائے تو قاضی اس کے قائم مقام ہوتا ہے وہ بھی طلاق کا اسی طرح مالک ہے جس طرح مولی مالک ہوتا ہے معاملہ اس کے سپرد ہے چاہے تو ایک طلاق دے یا دو یا تین اور چاہے تو نکاح فسخ کر دے کیونکہ قاضی ولی کے قائم مقام ہے جیسا کہ اسے طلاق میں وکیل بنایا جائے اور یہ اس کے حق پر زیادتی نہیں کیونکہ عورت کا حق تو تفریق ہے سوائے اس کے کہ وہ متنوع ہے پہلی رائے راجح ہے اس لیے کہ ضرورت ضرورت ہی ہوتی ہے اور عورت کی حاجت ایک طلاق سے متحقق ہو جاتی ہے۔

ایلاء کے بعد عدت...... آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مولی کی بیوی کو عدت جدائی کے بعد گزارنا لازم ہے کیونکہ وہ مطلقہ ہے لہٰذا واجب ہے کہ وہ عدت گذارے جیسے تمام مطلقات گذارتی میں جابر بن زید کا ارشاد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کہ اگر عورت کو چار ماہ میں تین حیض آ گئے تو اس پر عدت لازم نہیں اس لیے کہ عدت تو رحم کو خالی کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے اور اسے اس سے برأت حاصل ہوگئی ہے۔ اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عدت ایک تو مصلحت پر مبنی ہے اور دوسرے تعبدی حکم ہے پس جس نے اس کی مصلحت کا لحاظ رکھا ان کے ہاں عورت پر عدت نہیں اور جنہوں نے تعبدی حکم کی طرف دیکھا انہوں نے عدت واجب کی۔

ایلاء کے حکم میں حنفیہ اور جمہور کے اختلاف کا خلاصہ...... جمہور حنفیہ سے دو چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں ایک یہ کہ جمہور کے ہاں رجوع اور جماع مدت گذرنے سے پہلے بھی صحیح اور مدت گذرنے کے بعد بھی اور حنفیہ کے ہاں صرف مدت گذرنے سے پہلے ہی رجوع اور جماع ہو سکتا ہے اسی بناء پر اگر رجوع مدت گذرنے سے پہلے تو ایلاء ختم ہو گیا اور بالاتفاق قسم کا کفارہ لازم ہو گیا اگر مدت گذرنے کے بعد بھی وہ رجوع نہ کرے تو عورت معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی شوہر کو دو چیزوں میں اختیار دے یا تو وہ رجوع جماع کرے یا پھر طلاق دے اگر اس نے رجوع کر لیا تو درست ورنہ قاضی اس کو طلاق دے دے اور یہ طلاق رجعی ہوگی بائن نہیں اور حنفیہ کے ہاں طلاق بائن ہوگی۔ شام اور مصر میں جمہور کی رائے پر عمل ہے۔ دوسری چیز یہ کہ جمہور کے ہاں صرف مدت گذرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ شوہر کے طلاق دینے یا معاملہ قاضی کے پاس لے جانے سے قاضی طلاق دے گا اور حنفیہ کے ہاں چار ماہ گذرنے پر خود بخود بیوی کو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور اس اختلاف کا سبب اس آیت کی تفسیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ ...... البقرۃ ۲/ ۲۲۶-۲۲۷

حنفیہ کے ہاں معنی یہ ہے کہ اگر وہ ان مہینوں میں رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں اس گناہ کو جو شوہر نے حلف اٹھا کر عورت کو ضرر پہنچایا لیکن اگر ان مہینوں میں وہ رجوع نہ کریں اور اپنی قسم پر برقرار رہیں تو یہ ان کی طرف سے طلاق کا عزم ہے اور طلاق شریعت کے حکم سے واقع ہوگی پس نتیجہ یہ ہوا کہ جب چار ماہ گذر گئے بغیر جماع کے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور جمہور کے ہاں معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایلاء کا حلف کرتے ہیں ان کے لیے چار ماہ انتظار ہے اگر وہ مدت گذرنے کے بعد رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔ شوہر کی جانب سے جو قسم ہوگی اور عورت پر جو ظلم ہوا لیکن اگر مدت گذرنے کے بعد انہوں نے طلاق کا عزم کر لیا تو اللہ تعالیٰ ان کی طلاق کو سننے والا اور ان سے جو خیر یا شر صادر ہوئی اسے جاننے والا ہے اس پر انہیں بدلہ دے گا نتیجہ یہ نکلا مدت کے گذرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ معاملہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا چاہے تو رجوع کر لے چاہے طلاق دے۔

حنفیہ اس ارشاد باری تعالیٰ: وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۷) کو دیکھتے ہیں رجوع چھوڑنے پر اور جمہور اس ارشاد باری تعالیٰ: فَاِنْ فَاۗءُوْ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۶) کو دیکھتے ہیں کہ مدت گذرنے کے بعد۔ اور میرے ہاں جمہور کی رائے راجح ہے اس لیے کہ اگر مدت ختم ہونے کے

بعد طلاق واقع ہو جائے تو پھر یہاں طلاق واقع ہونے کے بعد عزم کی ضرورت نہیں نیز اس لیے بھی کہ شوہر کو مہلت دینا رجوع کے لیے اور غلطی کے ادراک کے لیے یہ بہتر ہے طلاق واقع کرنے اور رشتہ ازدواج کو ختم کرنے سے۔

آٹھویں بحث: لعان کی وجہ سے تفریق......اس میں آٹھ مقاصد ہیں جو درج ذیل ہیں:

لعان کی تعریف اس کا سبب مشروعیت ارکان وشرائط لعان کرنے والوں کے لیے شرائط کیفیت قاضی کو حد کسی ایک کے انکار سے کیا واجب ہوگا، کیا لعان شہادات میں سے ہے یا ایمان میں سے لعان کے آثار، لعان واجب ہونے کے بعد کس سے ساقط ہوتا ہے اور کن سے باطل ہوتا ہے اور تفریق سے پہلے لعان کا حکم۔

پہلا مقصد: لعان کی تعریف اور سبب...... لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے لاعن سے اور لعن سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا ہوتا ہے، یہی نام دیا گیا ہے جو زوجین کے درمیان حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ زوجین میں سے ہر ایک اپنے اوپر پانچوں مرتبہ لعنت کرتا ہے اگر وہ جھوٹا ہو یا یہ کہ مرد اپنے آپ پر لعنت کرتا ہے اور عورت کی جانب تغلیباً مطلق چھوڑا گیا ہے اور اسے لعان کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہی شوہر کا قول ہے اور آیت میں اسی سے ابتداء کی گئی ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ نے ❶ لعان کی یہ تعریف کی ہے کہ ایسی شہادتیں جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں اور شوہر کی جانب سے ان میں لعنت ہو اور بیوی کی جانب سے غضب، یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے اور بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام۔ لیکن نکاح فاسد میں حنابلہ کے ہاں لعان صحیح ہے اور حنیفہ کی ہاں صحیح نہیں عنقریب تفصیل آ رہی ہے۔

مالکیہ نے ❷ یوں تعریف کی ہے کہ مسلمان شوہر کا اپنی بیوی کے زنا پر حلف اٹھانا یا اس کے حمل کی نفی کی قسم اٹھانا اور بیوی کا شوہر کی تکذیب میں چار قسمیں اٹھانا حاکم کے سامنے ان الفاظ میں قسمیں اشهد بالله لرأيتها تزني چاہے نکاح صحیح ہو یا فاسد لہٰذا شوہر کے علاوہ کسی کا حلف اٹھانا صحیح نہیں جیسے اجنبی نہ کافر کا نہ بچے کا نہ مجنون کا اور حلف حاکم کی نگرانی میں ہوگا اور وہ لعان کی جگہ پر حاضر ہوگا اور وہ تفریق کا فیصلہ صادر کرے گا یا جو انکار کرے اسے حد لگائے گا چاہے نکاح زوجین میں صحیح ہو یا فاسد۔

شوافع نے ❸ یہ تعریف کی معلوم الفاظ جو حجت ہیں قذف کی طرف مجبور کے لیے جس نے اپنے فراش کو لت پت کیا اور اس کے ساتھ عار لاحق کیا یا بچے کی نفی کی۔

لعان کا سبب دو چیزیں ہیں ❹ ایک تو یہ کہ شوہر کا بیوی پر ایسی تہمت لگانا اگر وہ کسی اجنبی پر لگاتا تو حد زنا واجب ہوتی۔ اور یہ مالکیہ کے ہاں زنا کے دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کے اس کے بعد اس نے اس سے وطی نہ کی ہو لیکن اگر شوہر نے دیکھنے کے بغیر ہی زنا کا دعویٰ کیا تو اسے حد قذف لگے گی اور ان کے ہاں مشہور یہ ہے کہ پھر لعان جائز نہیں باقی آئمہ کا ان سے اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حمل یا بچے کی نفی کرنا چاہے شبہ کی وطی سے ہو یا نکاح فاسد میں مالکیہ نے حمل کی نفی کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ شوہر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے بیوی سے ہمبستری نہیں کی تاکہ اس سے بچے کا الحاق ہو اور یہ کہ وہ ایک حیض سے استبراء ❺ کا دعویٰ کرے اور وضع حمل سے پہلے ہی اس کا دعویٰ کرے اگر وہ خاموش رہا حتیٰ کہ عورت نے بچہ جنم دیا تو شوہر پر حد ہوگی اور لعان نہ ہوگا۔ رہ گیا قذف اس کی وہی صورت ہے جو حد قذف کے تحت بیان کی گئی کہ یا صریح لفظ سے ہوگا جیسے زنا یا کسی کو کہا اے زانی یا اے زانیہ اور یا اس لفظ سے ہوگا جو صریح کا قائم مقام ہے اور کسی انسان کی معروف

---

❶ الدر المختار ۲: ۸۰۵ اللباب ۳: ۸۴ کشف القناع ۵/۴۵۰۔ ❷ الشرح الصغير: ۲: ۶۵۷ وما بعدها المقدمات الممهدات ۱: ۶۳۳ ❸ مغني المحتاج ۳: ۳۶۷۔ ❹ القوانين الفقهية ۲۴۴ البدائع: ۳: ۲۳۹ المغني ۷: ۳۹۲۔ ❺ رحم کا پاک ہونا اور اس کے کئی اسباب ہیں ان میں سے ایک زنا ہے اور ایک سوء ظن زنا میں عورت تین حیضوں سے پاک ہوتی ہے اور سوء ظن میں اگر وہ حیض کی عمر کی ہے تو ایک حیض سے اگر حاملہ ہے تو وضع حمل سے اگر بچی ہے چھوٹی تو شوافع کے ہاں ایک ماہ سے اور مالکیہ کے ہاں تین ماہ سے اور یہی حکم ہے ان عورتوں کا جن کو حیض نہ آتا ہو۔

مشہور باپ سے نسبت کی نفی کرنا جیسے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں۔ یا شوافع کے ہاں کنایہ الفاظ سے جیسے کسے پہاڑ میں زنا کیا وغیرہ اس لیے کہ پہاڑ میں زنا کرنا اس کی طرف چڑھ کر جانا اگر اس سے قذف کی نیت کی تو قذف ہوگا جبکہ حنفیہ کے ہاں یہ صریح الفاظ میں سے ہیں۔ یا تعریض وارشاہ ہوگا مثلاً حلال بن حلال اور میں تو زانی نہیں شوافع کے ہاں اگر نیت کی تو یہ قذف ہے اور اگر وہ تعریفوں کو سمجھتا رہے تو پھر قذف ہے مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ قذف نہیں۔ اور قذف کا اثبات گواہوں سے ہوگا یا اقرار سے جیسا کہ حد قذف میں بیان ہوگا۔

اور بچے کی نفی وہ اس طرح کے آدمی حاکم کے پاس حاضر ہو اور کہے کہ یہ لڑکا یا یہ حمل میرا نہیں نفی کے وقت اور حمل کی نفی میں فقہاء کا اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب شوہر نے اپنے بچے کی ولادت کے فوراً بعد نفی کر دی یا اس مدت میں نفی کی جس میں مبارک باد قبول کی جاتی ہے اور وہ سات دن ہیں یا جس مدت میں بچے کی ولادت کے لیے سامان خریدا جاتا ہے تو نفی صحیح ہے اور وہ لعان کرے گا کیونکہ نفی کر کے وہ تہمت لگانے والا ہو گیا لیکن اگر اس نے اس کے بعد نفی کی اور بچے کا نسب ثابت ہو گیا تھا کیونکہ دلالۃ اس کا اعتراف ہو گیا اور وہ خاموش رہتا اور مبارک یا رقبول کرتا ہے اور یہاں سکوت رضا تصور ہوتا ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں صحیح ہے۔ صاحبین کے ہاں مدت نفاس کے اندر اندر بچے کی نفی کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ ولادت کا اثر ہے۔

اور مالکیہ نے لعان کی صحت اور بچے کی نفی کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں جیسا کہ پہلے گذرا۔ ❶ شوہر اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس نے عورت سے ہمبستری نہیں یا عورت کا استبراء ایک حیض سے ہو گیا ❷ اور بچے کی نفی پیدائش سے پہلے کرے اگر ایک دن بھی بلا عذر خاموش رہا اور بچہ پیدا ہو گیا تو اسے حد لگائی جائے گی لعان نہ ہوگا۔

اور شوافع ❸ نے حمل کی نفی کی اجازت دی ہے اور اس کے وضع کی انتظار کی بھی حمل تو اس لیے کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ ھلال بن امیہ نے حمل سے لعان کیا اور حمل کی انتظار اس لیے تا کہ یقین سے لعان کرے اور جدید قول کے مطابق نفی کرنا بچے کے نسب کی وہ فی الفور ہونا چاہیے اس لیے کہ یہ موجود ضرر کے دور کرنے کے لیے مشروع ہے لہٰذا عیب کی وجہ سے رد کرنے اور خیار شفعہ کی طرح فی الفور ہونا چاہیے اگر کسی عذر کی وجہ سے نفی سے خاموش رہا مثلاً اسے رات کو خبر پہنچی اور اس نے صحیح ہونے تک اسے مؤخر کیا یا بھوکا تھا کھانا کھایا یا ننگا تھا لباس پہنا تو عذر کی وجہ سے تاخیر کرنا درست ہے۔ اور حنابلہ نے ❹ حنفیہ کی طرف وضع سے پہلے حمل کی نفی کی اجازت نہیں دی وہ نفی نہ کرے حتیٰ کہ وضع کے بعد لعان کرے اور اس میں بچے کی نفی کرے اس لیے کہ حمل یقینی نہیں ہو سکتا ہے کہ پھولی ہوئی ہو یا ہوا ہو اور شوافع کی طرح شرط ہے کہ ولادت کے فوراً بعد نفی کرے جب عورت نے بچہ جنا اور وہ باوجود ممکن ہونے کے خاموش رہا تو اس کا نسب لازم ہو جائے گا اس کے بعد نفی نہیں کر سکتا حاصل یہ کہ فقہاء کی حمل کی نفی کے سلسلہ میں دو آراء ہیں ایک حنفیہ اور حنابلہ کی رائے پر حمل کی نفی کے عدم جواز کے قائل میں کیونکہ احتمال ہے حمل نہ ہو اور دوسری مالکیہ اور شوافع کی رائے وہ جواز کے قائل ہیں اور ھلال بن امیہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے حمل کی نفی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نفی کر دی اور نسب پہلے کے ساتھ ملا دیا اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ وہ حمل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسے دیکھو اگر وہ جنے نیز حمل مظنون ہے ایسی علامات سے جو اس پر دلالت کرتی ہیں نیز حمل کا الحاق بھی درست ہے گویا اس کی نفی ایسے ہے جیسے بچے کی نفی پیدا ہونے کے بعد ابن قدامہ نے فرمایا: یہی قول صحیح ہے کہ یہ ظاہر احادیث کے موافق ہے اور جو احادیث کے مخالف ہے اس کا کوئی بھی اعتبار نہیں۔

لعان کی شرط...... جمہور کے ہاں شوہر کو حمل یا بچے کی ولادت کے علم کے فوراً بعد کرنا چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ولادت کے بعد سے سات دن تک اجازت دی ہے۔

---

❶ ......فتح القدیر ۳/ ۲۶۰ الکتاب مع اللباب: ۳/ ۷۹ ❷ القوانین الفقہیۃ ۲۴۴ الشرح الصغیر ۲/ ۶۶۰۔ ۶۶۳ ❸ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۸۰ المھذب ۲/ ۱۲۲۔ ❹ المغنی: ۷/ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔

دوسرا مقصد: لعان کی مشروعیت.....زوجین کے درمیان لعان مشروع ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائیں کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں (بار) یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے اور پانچویں (دفعہ) یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو (مجھ) پر اللہ کا غضب (نازل ہو)۔ النور ۲۴/۶-۹

اور اس آیت کا شان نزول وہ روایت ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے سوائے مسلم اور نسائی کے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی (خولہ بنت عاصم) کو شریک بن سحماء سے تہمت لگائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہلال سے) فرمایا تو (چار) گواہ لا نہیں تو تیری پیٹھ پر حد قذف پڑے گی اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر ہم میں کوئی شخص اپنی عورت سے کوئی برا کام کرتے دیکھے تو گواہ ڈھونڈتا پھرے (یہ تو بڑا مشکل ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ گواہ لا ورنہ تیری پیٹھ پر حد پڑے گی، ہلال نے کہا قسم اس پروردگار کی جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ضرور کوئی ایسا حکم اتارے گا جس سے میری پیٹھ سزا سے بچائے گا تو یہ آیات نازل ہوئیں ❶ اسلام میں یہ سب سے پہلا لعان ہوا تھا جو ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان ہوا اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ اور ماوردی وغیرہ نے اکثر علماء سے روایت کی ہے کہ ہلال کا قصہ عویمر کے واقع سے پہلے کا ہے۔ ترمذی کے علاوہ باقی جماعت نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر عجلانی سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے بارے میں قرآن اتارا اور فرمایا جاؤ اسے لے کر آؤ تو دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لعان کیا ❷ پر امام نووی کی رائے ہے شرح مسلم میں کہ اس آیت لعان کا سبب نزول حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

قذف کے معاملے میں زوجین کا حکم سے کسی اجنبی پر تہمت لگانے کے حکم سے مختلف ہے اگر کسی نے کسی دوسرے کو تہمت لگائی یا کسی مرد نے کسی عورت کو تہمت لگائی جو اس کی بیوی نہیں اور وہ عورت پاکدامن ہے اور پھر اپنی اس تہمت پر چار گواہ نہ لا سکا تو اسے حد قذف اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اسے اور اس کی طرح کے لوگوں کو اس گناہ سے باز رکھنے کے لیے اور مقذوف سے عار دور کرنے کے لیے۔ لیکن اگر شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اس کے بچے کی نسب کی نفی کرے اور چار گواہ بھی اپنے دعویٰ پر نہ لا سکے تو اس کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی بلکہ اس کے حق میں لعان مشروع کیا گیا ہے۔

آیات لعان کے شان نزول میں تمام روایات تین چیزوں پر متفق ہیں۔ ❸

پہلی چیز.....یہ کہ لعان کی آیات محصن اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں۔

دوسری چیز.....آیات لعان کے نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام پاکدامن اجنبی عورتوں کی تہمت اور بیوی پر تہمت کے حکم کو ایک ہی سمجھتے تھے۔

تیسری چیز.....آیات لعان شوہر پر تخفیف کے لیے نازل ہوئی ہیں اور اسے مشکل سے نکلنے کا راستہ بیان کرتی ہیں اور لعان کی

❶.....رواہ الجماعۃ الا مسلم والنسائی (نیل الاوطار: ۶/۲۷۲) ❷نیل الاوطار: ۶/۲۶۸۔ ❸مذاکرۃ آیات الاحکام بالازھر الشریف: ۳/۱۳۵

مشروعیت کا مقتضی یہ ہے کہ متعین جھوٹے پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہ ظالم پر لعنت کرنا جائز ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ هود:۱۱/۱۸

سنو خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

تیسرا مقصد: لعان کے ارکان وشرائط اور لعان کرنے والوں کے لیے شرائط......حنفیہ کے ہاں ❶ لعان کا رکن ایک ہی چیز ہے وہ لفظ ہے یعنی قسموں اور لعنت کے ساتھ مؤکد شہادت زوجین کی طرف سے۔ جمہور کے ہاں ❷ لعان کے ارکان چار ہیں۔

۱......لعان کرنے والا مرد

۲......لعان کرنے والی عورت

۳......لعان کا سبب

۴......لعان کے الفاظ

لعان کی شرائط......لعان کی شرائط کی دو قسمیں ہیں ایک وجوب لعان کی شرائط اور دوسری لعان جاری کرنے کی صحت کی شرائط۔

پہلی بات: وجوب لعان کی شرائط......حنیفہ کے ہاں ❸ تین ہیں:

۱......بیوی کے ساتھ زوجیت کا قیام اگر چہ وہ مدخول بھانہ بھی ہو۔ اسی طرح اگر چہ وہ طلاق رجعی کی عدت میں ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ النور:۲۴/۶

اور جو لوگ اپنی عورتوں (بیویوں) پر بدکاری کی تہمت لگائیں لہٰذا میاں بیوی کے علاوہ کے درمیان لعان نہیں یا کسی اجنبی عورت کو تہمت لگانے پر بھی لعان نہیں اگر کسی نے اجنبی عورت پر تہمت لگائی پھر اس سے نکاح کر لیا تب بھی اس پر حد قذف جاری ہوگی اور لعان نہ ہوگا کیونکہ اجنبی ہونے کی حالت میں حد واجب ہوتی ہے اسی طرح اگر بیوی مرگئی تو بھی اس کی تہمت میں لعان نہیں کیونکہ مرنے کی وجہ سے وہ بیوی نہ رہی نیز اس کی جانب سے لعان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بائنہ عورت کی تہمت پر بھی لعان نہیں اور اس کے شوہر کو اجنبی کی طرح حد لگے گی یہ شرط متفق علیہ ہے اس لیے کہ جمہور کے ہاں اس سے لعان درست ہے اور اسی وجہ سے جمہور کے ہاں زوجین کے علاوہ میں بھی دو حالتوں میں لعان درست ہے ایک بائنہ سے بچے کی نفی میں اور نکاح فاسد یا شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی عورت سے اور اگر شوہر وطی کے بعد مرتد ہوگیا پھر اس نے تہمت کی پھر عدت کے اندر ہی اسلام قبول کر لیا تو لعان ہوگا اگر پہلے اس سے لعان کیا پھر عدت میں مسلمان ہوگیا تو بھی اس کا لعان درست ہے کیونکہ نکاح کے اندر اس کا وقوع ہوا ہے ❹ نکاح صحیح ہو فاسد نہ ہو، لہٰذا نکاح فاسد کی منکوحہ سے لعان نہیں کیونکہ وہ اجنبیہ ہے اس کی باقی ائمہ نے مخالفت کی ہے انہوں نے نکاح فاسد والی بیوی سے بھی لعان کی اجازت دی ہے ثبوت نسب کی وجہ سے جیسے بغیر ولی کے نکاح یا گواہوں کے بغیر نکاح پھر اسے تہمت لگائی لیکن ان میں لعان کے جواز کی اجازت اس حالت میں تب ہی ہے کہ ان کا بچہ ہو شوہر اس کی نفی کرنا چاہتا ہو، گر ان کے درمیان بچہ نہ ہو تو پھر شوہر کو حد لگائی جائے گی اور ان میں لعان نہ ہوگا شوہر مسلمان پر گواہی دینے کا اھل ہو بایں طور کہ طرفین میاں بیوی ہوں آزاد عاقل، بالغ مسلمان بات چیت کرنے والے ہوں اور قذف کی بناء پر انہیں پہلے حد نہ لگی ہوگی ہو پس کافروں کے درمیان لعان نہیں اور نہ ہی جب ان میں سے ایک غلام ہو یا بچہ یا مجنون یا محدود فی القذف ہو یا کافر گونگا وغیرہ ہوں البتہ اندھوں اور فاسقوں

❶......الدر المختار: ۸۰۶/۲ ❷القوانین الفقهية ۲۴۳ ❸الدر المختار مع الرد: ۸۰۵/۲ لبدائع: ۲۴۱/۳ فتح القدير: ۲۵۹/۳ اللباب: ۷۵/۳، ۷۸۔ ❹الشرح الصغير: ۶۵۸/۲ مغنی المحتاج: ۳۷۸/۳ غاية المنتهى ۲۰۱/۳

کے درمیان لعان درست ہے کیونکہ یہ دونوں ادائِ شہادت کے اہل ہیں البتہ ان کی شہادت فسق کی وجہ سے قبول نہیں کی جاتی اور اندھا چونکہ تمیز پر قادر نہیں اس لیے حاصل یہ کہ حنفیہ کے ہاں شوہر کا شہادت کے اہل ہونا شرط ہے اس لیے کہ لعان کے الفاظ شہادت ہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ بیوی ایسی ہو جس کی وجہ سے اس کو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جا سکے اس لیے کہ لعان اجنبیہ عورت کو تہمت لگانے والے کی حد کا بدل ہے جمہور کے ہاں یہ دو شرطیں نہیں۔

لیکن مالکیہ نے ❶ شوہر کے لیے اسلام کی شرط لگائی ہے نہ کہ بیوی کے لیے ذمیہ تھی عورت بھی لعان کرے گی کیونکہ اس نے اپنے عار کو دور کرنا ہے۔ اور ان کے ہاں لعان کرنے والوں کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں بالغ اور عاقل ہوں چاہے آزاد ہوں یا غلام عادل ہوں یا فاسق اور عصمت اور پاکدامنی کی صورت میں بالاتفاق لعان ہوگا اور طلاق بائن اور رجعی کی عدت میں بھی برخلاف حنفیہ کے اور عدت کے بعد بھی حمل کی نفی کی مدت میں مدت حمل کے دوران تک اور نکاح صحیح یا فاسد دونوں میں لعان ہوگا۔

شوافع اور حنابلہ نے ❷ لعان کرنے والوں کے لیے اسلام کو شرط قرار نہیں دیا اور کہتے ہیں ہر اس شوہر کا لعان صحیح ہے جس کی طلاق صحیح ہو کہ دونوں مکلّف ہوں یعنی عاقل بالغ ہوں چاہے مسلمان ہوں یا کافر عادل ہوں یا فاسق حد قذف لگ چکی ہو یا نہ اسی طرح آزاد غلام سمجھدار بے وقوف نشہ والے بولنے والے گونگے وغیرہ سب کا لعان درست ہے اور طلاق رجعی والی عورت اور بچے کی نفی کی صورت میں بائنہ مطلقہ بھی اور حنابلہ کے ہاں بھی اس طرح ہے۔ اسی طرح نکاح فاسد یا شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی عورت سے بھی لعان درست ہے جب بعد میں اس پر تہمت لگائے اور نفی نسب میں بھی لعان ہوگا کما تقدم۔

اور بالاتفاق بچے و مجنون کا لعان درست نہیں اگر زوجین میں سے کوئی ایک مکلّف نہیں تو ان کے درمیان لعان نہ ہوگا اس لیے کہ لعان سے تو جدائی حاصل ہوتی ہے اور غیر مکلّف سے یہ درست نہیں جیسے طلاق اور قسم وغیرہ۔ اور زوجین کے علاوہ میں لعان نہیں اگر کوئی شخص اجنبی عورت پاکدامن پر تہمت لگائے تو اسے حد قذف لگے گی لعان نہ ہوگا۔ اور بالاتفاق اس میں کوئی فرق نہیں کہ بیوی سے ہمبستری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ...... النور: ۲۴/۶

اگر وہ غیر مدخول بھا ہے تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا کیونکہ یہ شوہر کی جانب سے تفریق ہے اور حنابلہ کے ہاں گونگا اور زبان کی لکنت والے کا لعان ہوگا اور گونگی کا لعان حنابلہ کے ہاں ہوگا کیونکہ وہ اپنے مطالبہ کو نہیں جانتی اور اس بات میں اتفاق ہے کہ وہ گونگا اور گونگی جن کا کوئی معلوم اشارہ نہ ہو اور وہ لکھ نہ سکتے ہوں تو ان میں لعان نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں لعان کرنے والوں میں درج ذیل شرائط رکھی ہیں۔ اسلام قوت گویائی، آزادی عدالت اور نکاح حقیقتاً قائم ہو یا حکماً جیسے طلاق رجعی میں نہ کہ بائن میں جمہور نے ان کی شرائط میں مخالفت کی ہے البتہ مالکیہ کے ہاں شوہر کا مسلمان ہونا شرط ہے اور مکلّف ہونے میں سب متفق ہیں یعنی بالغ و عاقل ہونے میں اور جمہور کے ہاں گونگے کا لعان درست ہے۔

حنابلہ اور شوافع نے ❸ لعان کے لیے تین شرطیں لگائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ زوجین کے درمیان لعان ہو اگر چہ دخول سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ عورت پر زنا کی تہمت اگر چہ دبر ہی میں کیوں نہ ہو مثلاً تو نے زنا کیا یا اے زانیہ میں نے تجھے زنا کرتے ہوئے دیکھا اور یہ شرط متفق علیہ ہے جیسا کہ پہلے گذرا اور شوہر کو بیوی پر تہمت لگانے کی اجازت ہے اگر زنا کا پتہ ہو یا اسے پکا گمان ہو جیسے اس کا زنا عام ہو جائے۔

---

❶ القوانين الفقهية. ۲۴۳ بداية المجتهد ۲/ ۱۱۷ ❷ مغنى المحتاج ۳/ ۳۸۱، المهذب ۲/ ۱۲۴ المغنى ۷/ ۳۹۴، ۴۰۳.

❸ غاية المنتهى: ۳/ ۲۰۱، ۲۰۲ مغنى المحتاج ۳/ ۳۶۷، ۳۷۳ المهذب ۲/ ۱۱۹ كشف القناع ۵/ ۴۵۶، ۴۶۳

۳..... عورت اسے جھٹلائے اور یہ لعان ختم ہونے تک جاری رہے۔ اگر عورت نے اس کی ایک مرتبہ بھی تصدیق کر دی یا عورت نے حد یا تعزیر معاف کر دی یا خاموش رہی یا عورت کا زنا اس کے علاوہ چار گواہوں سے ثابت ہو گیا تو لعان نہ ہوگا اور نسب ثابت ہوگا۔

لعان کی زبان...... حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں لعان عربی اور عجمی تمام زبانوں میں درست ہے اس لیے کہ لعان قسم یا شہادت ہے اور یہ تمام زبانوں میں برابر ہیں اور عجمی لعان کرنے والا شہادت لعنت اور غضب کے ترجمہ کی رعایت رکھے ❶ اور حنابلہ کے ہاں ❷ اگر زوجین عربی جانتے ہوں تو ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ عربی کے بغیر کسی زبان میں لعان کریں کیونکہ قرآن میں لعان عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

دوسری بات: لعان کے جاری ہونے کی صحت کی شرائط:

حنابلہ اجراء لعان کے لیے چھ شرطیں ذکر کی ہیں بعض متفقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے اور وہ درج ذیل ہیں: ❸

۱..... لعان قاضی یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہو اور یہ شرط متفقہ ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے پاس لائے اور آپ نے ان کے درمیان لعان کروایا نیز اس لیے بھی کہ یہ قسم ہے دعویٰ میں لہٰذا حاکم کے حکم کے بغیر درست نہیں جیسے تمام دعوؤں میں قسم کا حال ہے اور یہ معاملہ کو زوجین میں سے کسی ایک کے حاکم تک پہنچانے سے ہوگا اگر زوجین حاکم کے بغیر ہی آپس میں لعان کرانے پر راضی ہو جائیں تو یہ درست نہیں کیونکہ لعان میں سختی اور تاکید ہے لہٰذا حد کی طرح حاکم کے بغیر جائز نہیں۔

۲ ..... لعان قاضی کی طلب کے بعد ہو بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک لعان کے لیے آئے قاضی یہ معاملہ چھوڑنے کے بعد اگر انہوں نے قاضی سے پہلے جلدی کی تو لعان درست نہیں جیسے قاضی کے حلف دینے سے پہلے کوئی حلف اٹھالے یہ شرط بھی اتفاقی اور متفقہ ہے۔

۳..... لعان کے پانچ لفظوں کو مکمل طور پر ادا کرنا اگر ان میں سے کوئی لفظ بھی کم کر دیا تو لعان درست نہیں اور یہ بھی متفق علیہ شرط ہے۔

۴..... زوجین میں سے ہر ایک لعان کو اس صورت میں کرے جس طرح قرآن نے تحدید کی ہے لفظ کو معنی میں تبدیل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے مثلاً اس لفظ انی من الصادقین کی جگہ لقد زنت کہے یا انه لمن الکاذبین کی جگہ لقد کذب کہے حنابلہ کے ہاں ظاہراً یہ ہے کہ تبدیلی جائز ہے کیونکہ معنی ایک ہی ہے رہ گیا لفظ اشھد کو یمین کے الفاظ سے بدلنا مثلاً احلف (میں حلف اٹھاتا ہوں) اقسم (میں قسم کھاتا ہوں) لفاظ سے تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس کا اعتبار نہیں اس لیے کہ شہادت کا لفظ جہاں معتبر ہے وہاں اس کے قائم مقام کوئی لفظ نہیں ہو سکتا جیسے حقوق کے سلسلہ میں شہادت میں نیز لعان میں چونکہ سختی ہے اور شہادت کے لفظ کا اعتبار سختی میں بلیغ ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم دوسرے لفظ سے کھائے جو اشھد کے قائم مقام ہو تو یہ جائز نہیں اور ظاہر یہی ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

۵ ..... الفاظ لعان میں ترتیب ہو اور مرد عورت سے پہلے حلف اٹھائے پھر عورت حلف اٹھائے اگر لعنت کے الفاظ کو باقی چار الفاظ سے مقدم کر دیا یا عورت نے مرد سے پہلے لعان کیا تو اس کا اعتبار نہیں اور یہ بھی متفق شرط ہے اس لیے کہ لعان حنیفہ کے ہاں شہادت ہے اور عورت کی شہادت کی وجہ سے شوہر کی شہادت کی قدح مقصود ہے لہٰذا شوہر کی شہادت سے پہلے اس کی شہادت درست نہیں۔

۶ ..... اگر دونوں حاضر ہوں تو ہر ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرنا اور غائب ہو تو پھر اس کا نام لینا اور اس کی طرف نسبت کرنا یہ بھی فقہاء کے درمیان متفقہ ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں زوجین کا اکٹھے حاضر ہونا شرط نہیں اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے غائب ہو تو بھی جائز ہے مثلاً شوہر مسجد کے اندر لعان کرے اور عورت مسجد کے دروازے پر، داخل ہونا ممکن نہ ہو لیکن مالکیہ کے ہاں لعان کے وقت ایک جماعت کا حاضر

---

❶ مغنی المحتاج ۳: ۳۷۶ المہذب ۲: ۱۲۲ ❷ المغنی ۷: ۴۳۱ ❸ المغنی ۷: ۴۳۰، ۴۳۱ المہذب ۲: ۱۲۵، ۱۲۶ مغنی المحتاج ۳: ۳۷۶، ۳۸۱ الشرح الصغیر ۲: ۶۵۱، ۶۵۳، ۶۶۵ رد المحتار ۲: ۸۰۷ وما بعدها البدائع ۳: ۲۴۷۔

ہونا شرط رکھا ہے اور کم سے کم وہ چار عادل مرد ہوں شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ لعان مسلمان کی جماعت کے سامنے ہو کیونکہ ابن عباس و ابن عمر اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم لعان کے وقت حاضر تھے یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں کی خاصی تعداد وہاں حاضر تھی کیونکہ بچے مردوں کے تابع ہو کر مجالس میں حاضر ہوتے ہیں نیز اس لیے بھی کہ لعان میں سختی ہے لہٰذا اس میں روک تھام کے لیے مبالغہ کی ضرورت ہے اور لعان ایک کثیر تعداد لوگوں میں کرنا روک تھام کے لیے ابلغ ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ چار سے کم نہ ہوں اس لیے کہ زنا کے گواہ جن کے لیے لعان مشروع ہے وہ بھی چار ہیں۔

مالکیہ نے صحت لعان کے لیے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھنے کے بعد اس سے بالکل وطی نہ کی ہو یا غیر کے حمل کے علم ہونے کے بعد یا وضع ہونے کے بعد اگر مذکورہ صورتوں میں اس نے وطی کر لی تو لعان ممنوع ہو جائے گا اور اس کا اجرا نہ ہوگا۔ اسی طرح لفظ اشھد بھی چار مرتبہ کہنا شرط ہے چاہے عورت کہے یا مرد اور پانچویں مرتبہ شوہر کی جانب سے لعنت اور عورت کی جانب سے غضب کے لفظ کا ہونا جیسا کہ قرآنی آیت میں لعان کی قسموں میں وارد ہے۔ اور شوہر لعان کرے اپنی بیوی سے اگر اس نے اسے یقیناً زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور دیکھنا بصیرت کے ساتھ ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے اور اندھا حس، ٹٹولنے یا یقینی خبر پر اعتبار کرے اگرچہ عورت کی جانب سے خبر ہو۔

بچے کی نفی کی شرائط..... حنفیہ نے ❶ بچے کی نفی اور نسب نہ ملانے کے لیے چھ شرائط ذکر کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱..... قاضی کا زوجین کے درمیان تفریق کا حکم کیونکہ تفریق سے پہلے نکاح قائم ہے لہٰذا نفی واجب نہیں۔

۲..... امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں بچے کی نفی ولادت کے فوراً بعد یا سات دن کے اندر اندر ہو جو مبارک بادی کے دن ہوتے ہیں اگر اس کے بعد نفی کرے گا تو یہ نفی صحیح نہیں ہوگی اور صاحبین کے ہاں بچے کی نفی کی اکثر مدت نفاس یعنی چالیس دن ہیں۔ اور جمہور کے ہاں فی الفور نفی ضروری ہے اگر بلا عذر تاخیر کی تو نفی صحیح نہ ہوگی۔

۳..... پہلے سے بچے کا اقرار نہ ہو چاہے دلالۃ یا ضمناً ہی کیوں نہ ہو جیسے بغیر رد و انکار کے مبارک باد قبول کرنا۔

۴..... بچہ تفریق کے وقت زندہ ہو۔

۵..... اس تفریق کے بعد عورت اسی بطن سے اور بچہ نہ جنے اگر عورت نے ایک بچہ جنا پھر اس نے اس کی نفی کر دی اور حاکم نے ان کے درمیان لعان کرایا اور تفریق کر دی اور بچہ ماں کے ذمہ لگا دیا یا بچہ تفریق کی وجہ سے والدہ کے ذمہ لگ گیا پھر دوسرے دن اس نے ایک اور بچہ جنا تو دونوں بچے شوہر کے ذمہ ہوں گے کیونکہ دوسرے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو گیا جو لعان کو شامل نہیں اس لیے کہ لعان کا حکم تفریق سے باطل ہو گیا لہٰذا دوسرے بچے کا نسب ثابت ہوگا پھر پہلے بچے کا نسب بھی ثابت ہوگا۔

۶..... شرعی طور پر بچے کے ثبوت کا فیصلہ نہ ہوگا ہو مثلاً عورت نے بچہ جنا اور والد بچے پر گرا اور بچہ مر گیا اور والد کی عاقلہ پر بچے کی دیت کا فیصلہ ہوا پھر والد نے اس کے نسب کی نفی کر دی تو قاضی ان دونوں کے درمیان لعان کرائے گا لیکن بچے کا نسب ختم نہ کرے گا کیونکہ والد کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ اس بات کا فیصلہ ہے کہ بچہ والد کا ہے لہٰذا اس کے بعد نسب ختم نہ ہوگا۔ اور مالکیہ کے ہاں حمل کی نفی کی دو شرطیں پہلے گذر چکی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے ❷ شوہر یہ دعویٰ کرے کہ عقد نکاح کے بعد اس نے بالکل بیوی سے ہمبستری نہیں کی یا ہمبستری تو کی لیکن اس کا رحم ایک حیض سے پاک ہو چکا تھا اگر اس نے عقد کے بعد بالکل وطی نہ کی یا وطی تو کی لیکن عورت نے بچہ اتنی مدت کے اندر جن دیا کہ اس میں وہ نکاح کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتا تھا۔ یا تو مدت کم ہونے کی وجہ سے جیسے مکمل بچہ ایک دو یا پانچ ماہ کے بعد جن دے ہمبستری کے

---

❶..... البدائع: ۲۴۶/۳ حاشیة ابن عابدین: ۸۱۱/۲ اللباب: ۷۹/۳۔ ❷ الشرح الصغير: ۶۶۰/۲ القوانين: ۲۴۴

بعد اس لیے کہ حمل کی کم سے کم مدت شرعاً چھ ماہ ہے یا مدت لمبی ہونے کی وجہ سے جیسے پانچ سال میں کیونکہ ہمبستری کے بعد مدت حمل زیادہ سے زیادہ چار سال ہے ان دو حالتوں میں شوہر پر اعتماد کیا جائے گا اور معلوم ہوگا کہ بچہ قطعی طور پر شوہر کا نہیں کیونکہ اس نے اس کی نفی کر دی ہے۔ اسی طرح لعان ہوگا اگر اس نے بچے کی نفی کر دی اور وطی کے بعد ایک حیض سے اس کا استبراء کروایا پھر اس نے استبراء کے دن سے چھ ماہ کے بعد بچہ جن دیا تو وہ بھی قطعی طور پر اس کا نہیں بچے کی نفی کرے پیدا ہونے سے پہلے اگر بلا عذر وہ ایک دن بھی خاموش رہا کہ عورت نے بچہ جن دیا تو شوہر کو حد لگائی جائے گی اور لعان نہ ہوگا۔

شوافع کے ہاں ❶ دوران حمل یا ولادت کے بعد فی الفور بچے کی نفی کرنا صحیح ہے اگر اس نے بغیر عذر کے تاخیر کی یا مبارک باد قبول کر لی تو نفی کا حق ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ تاخیر کرنے سے اقرار لازم آتا ہے اگر اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے پیدائش کا علم نہ تھا اب اگر وہ ایسی جگہ پر تھا جو عورت کے قریب ہے جیسے گھر یا محلے میں تو پھر اس کی بات معتبر نہ ہوگی کیونکہ وہ خلاف ظاہر کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن اگر وہ ایسی جگہ پر تھا جہاں سے اس پر وہ مخفی رہ سکتا تھا مثلاً کسی بڑے شہر میں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ جو دعویٰ کر رہا ہے وہ ظاہر ہے ان کے ہاں دو جڑواں بچوں میں سے ایک کی نفی درست نہیں اگر عورت نے دو جڑواں بچے جنے اور شوہر نے ایک کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کیا یا اس نے اس کی نفی بغیر عذر کے کر دی تو دونوں بچے اسی سے ملحق ہوں گے کیونکہ دونوں ایک ہی حمل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ وہ ایک رحم میں دو بچے دو آدمیوں کے پانی سے جمع فرمائیں جب رحم میں منی چلی جاتی ہے تو اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس میں دوسری منی نہیں جا سکتی لہٰذا یہ جائز نہیں کہ ایک بچے کو تو اس سے ملحق کیا جائے اور دوسرے کو نہیں۔ اور شوہر کو لازم ہے اگر اس نے نفی کر دی بچے کی جو اس کی بیوی نے جنا اور شوہر کو معلوم بھی ہے کہ یہ میرا نہیں بایں طور کہ اس نے عورت سے ہمبستری کی اور ہمبستری کے بعد چھ ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا یا چار سال کے بعد جنا لیکن اگر عورت نے ہمبستری کے بعد چھ ماہ کے دوران یا چار سال کے دوران بچہ جنا اور ہمبستری کے بعد حیض سے استبراء نہیں ہوا تھا تو بچے کی نفی کرنا لعان کے ذریعہ حرام ہے عورت کی رعایت کرتے ہوئے ❷ اگر استبراء کے بعد چھ ماہ کے بعد اس نے بچہ جنا یا چھ ماہ سے زیادہ کے بعد جنا سے تو اصح قول کے مطابق لعان کے ذریعہ بچے کی نفی کرنا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ نفی نہ کرے اس لیے کہ حاملہ کو بھی کبھی کبھی خون آتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❸ لعان کے ذریعہ بچے کی نفی کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

۱..... پہلے بچے کا اقرار نہ کیا ہو جڑواں نہ ہوں یا جو اقرار پر دلالت کرتا ہے جیسے دو جڑواں میں سے ایک کی نفی کرے اور دوسرے سے خاموش رہے یہ شرط شوافع کے موافق ہے۔

۲..... ولادت کے بعد بچے کی نفی جلدی کرے اگر اسے مبارک دی گئی اور وہ خاموش رہا یا دعا پر آمین کی یا ممکن ہونے کے باوجود نفی کو مؤخر کیا اس کی موت کی انتظار میں بلا عذر مثلاً بھوک پیاس یا نیند نہ ہونے کے باوجود تو نفی کا حق اس کا ساقط ہو جائے گا۔ اگر شوہر نے کہا مجھے بچے کا پتا نہ تھا اور نفی کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کی مثلاً قید ہونے یا بیماری ہونے یا غائب ہونے یا مال کی حفاظت وغیرہ کرنے کی وجہ سے تو اس کا حق ساقط نہ ہوگا یہ بھی شوافع کے موافق ہے۔

۳..... کہ لعان میں زوجین میں سے ہر ایک بچے کی نفی کا ذکر کریں کیونکہ دونوں ایک چیز پر حلف اٹھا رہے ہیں لہٰذا ان کے حلف کے دوران اس کا ذکر شرط ہے اگر لعان میں بچے کا تذکرہ نہ کیا تو شوہر سے وہ نفی نہ ہوگی اور شوافع کے ہاں لعان میں صرف شوہر کا ہی بچے کا ذکر کرنا کافی

---

❶..... مغنی المحتاج: ۳۷۳-۳۵۳، ۳۸۱، ۳۸۳، المهذب: ۱۲۲/۲، ۱۲۳ ❷ رواه ابو داؤد والنسائی وغيره هما عن ابی هريرة انه صلى الله عليه وسلم قال: ايمار جل جحد ولده وهو ينظر اليه احتجب الله منه يوم القيمة وؤضحه على رؤس الخلائق ❸ المغنی ۴۱۶/۷، ۴۱۷، ۴۳۹ غاية المنتى: ۳۰۴/۳۔

ہے اور عورت کو اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ وہ تو اس کی نفی نہیں کر رہی • اور بچے کا ذکر کرنا یہ علامہ خرقی کے کلام سے ظاہر ہے اور حنابلہ کے ہاں یہی راجح ہے کہ شوہر دوران لعان کہے کہ یہ بچہ میرا بچہ نہیں اور عورت کہے یہ بچہ اس کا بچہ ہے قاضی ابویعلی اور شوافع کے ہاں: شرط یہ ہے کہ شوہر اس طرح کہے: یہ بچہ زنا کا ہے اور مجھ سے نہیں اس لیے کہ کبھی کبھی (لیس ھومنی) سے خلقت اور اخلاق کے اعتبار سے نفی ہوتی ہے لہٰذا اس کا ذکر تاکید کے لیے ضروری ہے۔

۴.....لعان زوجین میں دونوں کی طرف سے ہو اور یہ اکثر علماء کا قول ہے اور شافعی نے فرمایا صرف شوہر کے لعان ہی سے بچے کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے کہ بچے کی نفی شوہر کی قسم اور لعان سے ہوتی ہے نہ کہ عورت کی قسم سے شوہر کی تکذیب پر نیز عورت کی یمین کا نفی نسب میں کوئی معنی نہیں وہ تو اسے ثابت کر رہی ہے اور اس کی بات کو جھٹلا رہی ہے جو اس کی نفی کر رہا ہے اور عورت کا لعان تو حد سے بچنے کے لیے ہے اور جمہور نے ان کا رد کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی نفی دونوں کے لعان کے بعد کی ہے۔

۵. دونوں لعان کے الفاظ کو مکمل طور پر ادا کریں۔

۶. عورت کے لعان سے پہلے شوہر لعان کرے حنیفہ اور مالکیہ کے ہاں اگر اس کے برعکس کیا تو یہ خلاف سنت ہے لیکن تفریق جائز ہے اور بچے کی نفی ہو جائے گی۔

چوتھا: مقصد: لعان کی کیفیت اور اس میں قاضی کا کردار لعان کی کیفیت اور اس کی ماہیت پر فقہاء کا اتفاق ہے ❶ اور وہ کیفیت یہ ہے: جب شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا اس کے بچے کے نسب کی نفی کرے نہ تو شوہر کے پاس گواہ ہوں اور نہ ہی عورت اس کی تصدیق کے لیے تیار ہو اور شوہر پر حد قذف کا مطالبہ کر رہی ہو تو قاضی اسے لعان کا حکم دے بایں طور کہ قاضی شوہر سے ابتداء کرے اور شوہر قاضی کے سامنے چار مرتبہ یہ الفاظ کہے:

اشهد بالله انی لمن الصادقين فيما رميتها به من الزنا اونفی الولد

میں اللہ کے لیے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے عورت پر جو زنا کی تہمت یا بچے کی نفی کی ہے اس میں میں سچا ہوں۔

اگر عورت حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کر کے مقصود کی تحدید کرے اگر حاضر نہ ہو تو اس کا نام لیتے ہوئے کہے پھر پانچویں مرتبہ کہے:

لعنة الله عليه ان كان من الكاذبين فيما رماها به من الزنا اونفی الولد

یعنی مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں اس زنا کی تہمت یا بچے کی نفی میں جھوٹا ہوں اور ان تمام باتوں میں شوہر عورت کی طرف اشارہ کرے۔

پھر چار مرتبہ عورت بھی اسی طرح کہے:

میں اللہ کے لیے گواہی دیتی ہوں کہ شوہر زنا کی تہمت یا بچے کی نفی میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے اگر وہ زنا یا بچے کی نفی میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اور عورت کی جانب میں غضب کو خاص کیا گیا کیونکہ یہ لعنت سے سخت ہے نیز اس لیے بھی کہ عورتیں لعنت کرنے پر جری ہیں اور اپنے کلام میں بہت زیادہ لعنت کو استعمال کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لہٰذا غضب کے لفظ کو اختیار کیا گیا تاکہ عورت تقویٰ اختیار کرے اور آئندہ لعنت کا اقدام نہ کرے نیز اس لیے بھی کہ عورت کا جرم یعنی زنا وہ مرد کے جرم یعنی قذف تہمت سے بڑا ہے۔ باقی لعان میں ابتداء شوہر سے اس لیے ہوتی ہے کہ وہ مدعی ہے اور دعووں میں ابتداء مدعی سے ہوتی ہے اور اس کیفیت کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ

❶ اللباب: ۳/۵۶ ردالمحتار: ۲/۸۱۰ الشرح الصغير: ۲/۶۶۴ القوانين الفقهية ۲۴۴ بداية المجتهد: ۲/۱۱۸ مغنی المحتاج: ۳/۳۷۴ المهذب: ۲/۱۲۶ غاية المنتهی ۳/۱۹۹ المغنی ۷/۴۳۶۔

أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ الْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اورسنت نبوی میں اس کیفیت کی تاکید ثابت ہے کئی احادیث میں ان میں سے ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آپ نے پوچھا اے اللہ کے رسول اس بارے میں کیا حکم ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے پائے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اگر بات کرتا ہے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو بھی یہ بہت مشکل بات ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ النور: ۲۴/۶-۹

اور آپ نے کوئی جواب نہ دیا پھر کچھ عرصہ بعد آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ جس چیز کے بارے میں نے آپ سے پوچھا تھا میں اس میں مبتلا ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے سورت نور کی یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات ان کو پڑھ کر سنائیں اور انہیں نصیحت کی اور یاددہانی کروائی اور انہیں بتایا کہ دنیا کی تکلیف اور عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تو انہوں نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اپنی بیوی پر جھوٹ نہیں بولوں گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اسے بھی نصیحت کی اور بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے تو عورت کہنے لگی بخدا جس ذات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے بے شک میرا شوہر جھوٹ بول رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد سے ابتداء کی اس نے چار مرتبہ گواہی دی کہ میں اللہ کے لیے گواہی دے رہا ہوں کہ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہا مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی طرف متوجہ ہوئے اس نے بھی چار مرتبہ گواہی دی کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچا ہے پھر آپ نے ان میں تفریق کر دی۔ ❶ لعان میں ابتداء کرنا شوہر سے یہ جمہور کی رائے ہے اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اگر عورت سے ابتداء ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے اور علامہ کاسانی نے بدائع میں فرمایا: مناسب یہ ہے کہ اس کا اعادہ کیا جائے کیونکہ لعان عورت کی شہادت ہے اور اس کی شہادت شوہر کی شہادت پر قدح کے لیے ہے لہٰذا اس کی شہادت ہونے کے بعد بھی اس کی درست ہو گی۔

لعان کے مندوبات اور قاضی کا کردار..... درج ذیل چیزیں قاضی کے لیے سنت ہیں:

۱..... لعان سے پہلے دونوں کو وعظ ونصیحت کرے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے آخرت کے عذاب سے ڈرائے جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر اور ان کی بیوی کو عذاب سے ڈرایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اس لیے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کم ہے اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا آل عمران ۳/۷۷

اور ان دونوں سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا تم دونوں کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے کیا تم میں سے کوئی ایک ہے جو توبہ کرے۔

۲..... قاضی اس وقت تک لعان کا فیصلہ نہ کرے جب تک اسے ان دونوں کے نکاح کا ثبوت نہ مل جائے۔ ❷ دونوں میاں بیوی کھڑے ہو کر لعان کریں تا کہ لوگ ان دونوں کو دیکھ لیں اور ان کا معاملہ مشہور ہو جائے مرد اپنے لعان کے وقت کھڑا رہے اور عورت بیٹھی رہے، پھر عورت اپنے لعان کے وقت کھڑی ہو اور مرد بیٹھ جائے اور لعان کرنے والے الفاظ لعان کو دہرائیں اور وہ چار کلمے ہیں۔

۳..... لعان کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو کم سے کم چار عادل مرد ہوں اور مالکیہ نے انہیں واجب قرار دیا ہے ❸ اور لعان کو خوب سخت کرے زمانے اور جگہ کے اعتبار سے یہ مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں بایں طور کہ نماز کے بعد لعان کرے کیونکہ اس میں جھڑک

---

❶ حديث متفق عليه بين احمد والبخاري ومسلم عن سعيد بن جبير عن ابن عمر (نيل الاوطار ۶: ۲۶۷) ❷ القوانين الفقهية ۲۴۴ الشرح الصغير ۲: ۶۶۵ المغني ۷: ۴۳۲ غاية المنتهى ۳: ۲۰۰ كشاف القناع ۵: ۴۵۴ ❸ وروى مسلم انا من مجلس الامام على المنبر الى ان تقتضي الصلاة وصوبه النووي.

اور ہیبت ہے یا نماز عصر کے بعد کیونکہ راجح قول کے مطابق یہ نماز وسطی ہے یا جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد کیونکہ قبولیت کی گھڑی اسی میں ہے جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے نیز عصر کے بعد جھوٹی قسم گناہ کے اعتبار سے بڑی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں فرمائیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور انہی میں ایک وہ آدمی بھی شمار کیا جو عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھائے اور اس کے ذریعہ مسلمان کا مال حاصل کرے [1] اور مسلمان کا لعان مسجد میں ہونا چاہیے کیونکہ یہ سب سے معزز ترین جگہ ہے اور مالکیہ نے واجب کیا نیز اس میں جھوٹی قسم سے روکنے کی تاثیر ہے اور مکہ میں سب سے معزز جگہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کی درمیانی جگہ ہے اور ان دونوں کی درمیان جگہ کو حطیم کہا جاتا ہے اور مدینہ میں منبر کے پاس قبر شریف سے ملی ہوئی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ [2] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو بھی مرد یا عورت میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے تو اس پر جہنم واجب ہے [3] اور بیت المقدس میں لعان مسجد میں صخرہ کے پاس کیونکہ یہ اس کا معزز ترین حصہ ہے۔ نیز یہ انبیاء کرام کا قبلہ بھی ہے اور ابن حبان میں روایت ہے کہ وہ جنت کا حصہ ہے اور ان تین مساجد کے علاوہ باقی مساجد میں لعان جامع مسجد کے منبر کے پاس ہو کیونکہ یہ معظم جگہ ہے اور حائضہ نفاس والی اور متحیرہ مسلمان عورت جامع مسجد کے دروازے پر لعان کرے۔ ذمی اور کتابی بیعہ اور کنیسہ میں لعان کریں۔ اس لیے کہ ان کے عبادت خانے ان کے ہاں ایسے ہیں جیسے ہمارے ہاں مساجد اور مجوسی اپنے آتش کدہ میں لعان کرے کیونکہ وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور مقصد جھوٹ سے روکنا ہے اور قاضی بھی وہاں پر حاضر ہو ان کے اعتقاد کی رعایت کرتے ہوئے اور بت خانہ میں لعان نہ ہوگا کیونکہ بت خانہ کی حرمت نہیں اور ان کے اس بارے میں اعتقادات درست نہیں حنابلہ میں سے قاضی ابویعلی اور حنفیہ کے ہاں کسی جگہ اور زمانے کی وجہ سے لعان میں کوئی سختی نہیں آتی کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مطلق حکم دیا ہے اور کسی زمانے جگہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا: لہٰذا بغیر دلیل کے مقید کرنا جائز نہیں اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت حاضر کرنے کا حکم فرمایا اور زمانے کے ساتھ اسے خاص نہیں فرمایا اگر آپ نے خاص کیا ہوتا تو وہ منقول ہوتا اور اسے چھوڑا نہ جاتا۔

پانچواں مقصد: زوجین میں سے اگر کوئی لعان سے انکار یا رجوع کرے تو کیا واجب ہوتا ہے..... قاضی کی طلب کے بعد کبھی کبھی زوجین میں سے کوئی ایک لعان سے رک جاتا ہے اور کبھی لعان سے رجوع کر لیتا ہے اور اپنی تکذیب کرتا ہے تو اس وقت قاضی کیا کرے؟ زوجین میں سے کسی ایک کا طلب لعان کے بعد لعان سے رک جانا اس کے حکم بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ [4]

(الف).....**حنیفہ** کے ہاں اگر شوہر لعان سے رک جائے تو اسے قید کر دیا جائے یا تو وہ لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے تو اسے حد قذف لگا کی جائے اور اگر عورت لعان سے رک جائے تو اسے قید کیا جائے تا کہ وہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اگر اس نے تصدیق کر دی تو بغیر حد کے اسے چھوڑ دیا جائے گا اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ (النور: ۸/۲۴) حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قید مراد ہے۔

(ب).....جمہور کے ہاں بیوی یا شوہر میں سے جو بھی لعان سے رک جائے یا رجوع کرے تو اسے حد قذف لگے گی کیونکہ لعان حد زنا کا بدل ہے۔

---

[1].....متفق علیہ [2] رواہ النسائی، وصححہ ابن حبان [3] رواہ ابن ماجہ وقال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین

[4] الدر المختار: ۸۰۸/۲ اللباب ۷۵/۳ البدائع: ۲۳۸/۳ بدایۃ المجتہد ۱۱۹/۲ القوانین الفقہیۃ ۲۴۵ مغنی المحتاج: ۳۷۱/۳، ۳۸۲ المہذب: ۱۱۹/۲ المغنی: ۳۹۲/۱۷، ۳۹۷، ۴۰۴ غایۃ المنتہی: ۲۰۲/۳ کشاف القناع ۶۳/۵۔

چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ (النور: ۲۴/۸) یعنی دنیاوی عذاب جو کہ حد ہے لہٰذا بیوی سے صرف لعان ہی کی وجہ سے حد ساقط ہو سکتی ہے، البتہ حنابلہ حنفیہ کے ساتھ ہیں اگر بیوی لعان سے رک جائے تو اسی آیت کی دلالت کی وجہ سے اگر وہ لعان نہیں کرتی تو ضروری ہے کہ اس سے عذاب نہ ٹلے لہٰذا اسے قید کیا جائے گا یا تو چار مرتبہ وہ زنا کا اقرار کرے یا پھر لعان کرے حنیفہ اور جمہور کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ بیوی کے قذف کی صورت میں موجب اصلی کیا ہے آیا لعان ہے یا حد ہے تو حنیفہ کے ہاں واجب اصلی لعان ہے اور یہ واجب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ......النور: ۲۴/۶

یعنی ان میں سے ہر ایک چار شہادتیں دے پس اللہ تعالیٰ نے بیویوں کی تہمت میں لعان کو موجب قرار دیا ہے۔ پس جو حد واجب کررہے ہیں وہ نص کی مخالفت کررہے ہیں۔ لہٰذا حدِ قذف کی آیت بیویوں کی نسبت سے مردوں کے حق میں منسوخ ہے اور بیوی کو تہمت لگانے پر لعان واجب ہے جب شوہر اس سے رکے گا تو اسے قید کیا جائے گا تا کہ وہ لعان کرے جیسے کہ قرض دار (مدیوں) میں دین کی ادائیگی رک جائے تو اسے قید کیا جاتا ہے ادائیگی تک۔ اور جمہور کے ہاں موجب اصلی تو حد قذف ہے اور لعان اسے ساقط کرنے والا ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً ......النور ۲۴/۴

یہ شوہر اور اجنبی دونوں کے لیے عام ہے اور ہر تہمت لگانے والے پر حد واجب ہے چاہے شوہر ہو یا کوئی اور پھر خاوند کے لیے لعان ان چار گواہوں کے قائم مقام ہے جن کی شہادت سے زنا ثابت ہوتا ہے لہٰذا جب وہ اس سے رک گیا تو اس پر موجب اصلی یعنی حد قذف واجب ہے نیز اس لیے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ سے فرمایا تھا یا تو گواہ پیش کرو پھر تمہاری پیٹھ پر حد پڑے گی اور جمہور کی رائے راجح ہے ان کے دلائل کی قوت کی وجہ سے قرآن وسنت سے اسی بناء پر جب شوہر اپنی محصن اور پاکدامن بیوی پر یہ تہمت لگائے تو اس پر حد قذف لگے گی اور اس کے فسق کا حکم ہوگا اور اس کی شہادت رد کردی جائے گی الا یہ کہ وہ گواہ لائے یا لعان کرے اگر وہ چار گواہ نہ لایا یا لعان سے رک گیا تو اس پر یہ سب لازم ہوگا اور کبھی شوہر پر لعان سے رکنے کی وجہ سے صرف تعزیر لگتی ہے جیسے غیر محصنہ بیوی مثلاً کتابیہ باندی مجنونہ اور بچی پر تہمت لگانے کی حالت میں اس پر صرف تعزیر واجب ہے کیونکہ تہمت کی وجہ سے عار لاحق ہوا ہے عورت کو اور ان عورتوں کو حد نہیں لگے گی مذکورہ نقصانات کی وجہ سے اور اس کی وجہ سے شوہر کو فاسق شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی شہادت رد ہوگی کیونکہ انہیں تہمت لگانے سے حد واجب نہیں ہوتی اور شوہر تعزیر سے بچنے کے لیے لعان کرسکتا ہے کیونکہ تہمت کی تعزیز ہے اسی سے قاعدہ بنا کہ ہر وہ جگہ جہاں لعان نہیں ہوسکتا تو وہاں نسب شوہر سے ملحق ہوگا اور قذف کی وجہ سے اس کا موجب حد یا تعزیر واجب ہوگی الا یہ کہ تہمت لگانے والا بچہ یا پاگل ہو تو اس میں ہے نہ تعزیراً اور لعان بھی بالاتفاق نہیں۔

شوہر کا لعان سے رجوع کرنا...... اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کرے تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے [1] کہ اسے حد قذف لگے گی اور بیوی کو قاضی سے حد کے مطالبہ کا حق حاصل ہے چاہے وہ اپنی تکذیب عورت کے لعان سے پہلے کرے یا بعد میں کیونکہ شوہر کے حق میں لعان گواہوں کے قائم مقام ہے پس جب وہ اپنی تکذیب کرے باایں طور کہے کہ میں نے عورت پر جھوٹ بولا ہے تو اس نے عورت کی حرمت وعزت کی توہین کی اور اس پر تہمت کو مکرر ذکر کیا تو اس تہمت سے جو حد واجب ہے اس سے کم حد نہیں لگے گی۔ اگر وہ اب دوبارہ اپنی تکذیب سے رجوع کررہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اس کے زنا کے گواہ موجود ہیں یا لعان سے اپنے اوپر سے حد ساقط کرنا چاہتا ہے تو اس کی یہ

[1]......الدر المختار: ۲/۸۱۲ اللباب ۲/۷۵ بدایۃ المجتہد: ۲/۱۲۰ القوانین ۲۴۵ مغنی المحتاج: ۳/۳۸۰ غایۃ المنتہی: ۳/۲۰۲، ۲۰۴ کشاف القناع: ۵/۴۶۸۔

بات مسموع نہیں ہوگی اس لیے کہ گواہ یا لعان تو اس کی بات کی تحقیق کے لئے ہیں اور وہ اپنی تکذیب کا اقرار کر چکا ہے لہٰذا یہ مسموع نہیں۔

یہ سب احکام اس صورت میں ہیں جبکہ تہمت زدہ عورت پاکدامن ہو لیکن اگر غیر محصنہ ہے تو پھر شوہر پر صرف تعزیر ہوگی۔ اور اگر شوہر نے عورت کے لعان سے پہلے اپنی تکذیب کر دی تو اسے حد قذف لگے گی اور نکاح باقی رہے گا اور اس کی وہ بیوی ہی رہے گی لیکن اگر عورت کے لعان کے بعد اپنی تکذیب کرے تو وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی اور جب بچے کی نفی کرنے والا نفی کے بعد اپنی تکذیب کر دے اور لعان کے بعد تو بچے کا نسب اس کے ساتھ ملحق ہوگا چاہے بچہ زندہ ہو یا مردہ امیر ہو یا غریب اس لیے کہ لعان قسم اور شہادت (گواہی) ہے جب وہ اس کا اقرار کر دے گا جو اس کے مخالف ہے تو اپنے اقرار میں پکڑا جائے گا اور لعان کا حکم ساقط ہو جائے گا پھر نسب میں ممکن حد تک احتیاط ہوتی ہے اور والد اور اولاد کے درمیان توارث تمام ہو جائے گا کیونکہ وارثت نسب کے تابع ہے اور نسب ثابت ہو گیا ہے لہٰذا وراثت اس کے تابع ہوگی۔

چھٹا مقصد: الفاظ لعان شہادات ہیں یا قسمیں...... لعان کرنے والوں کی شرائط کی بحث میں واضح ہو گیا کہ حنفیہ کے ہاں لعان اسی کا جائز ہے جو شہادت کا اہل ہو لہٰذا لعان صرف مسلمان آزاد اور عادل لوگوں کے درمیان ہوگا اور ان میں آزادی عقل بلوغ اسلام اور گویائی اور پہلے سے حد قذف نہ لگی ہوئی ہونا شرط ہے۔ اور جمہور کے ہاں مکلف میاں بیوی کا لعان درست ہے چاہے مسلمان ہوں یا کافر عادل ہوں یا فاسق محدود فی القذف ہوں یا نہ اور گونگے اور محدود فی القذف گونگے اور کافر کے سلسلہ میں منشاء اختلاف یہ ہے کہ آیا الفاظ لعان شہادات میں سے ہیں یا قسموں میں سے تو حنفیہ کے ہاں ❶ لعان ایسی شہادات ہیں جو قسموں سے مؤکد اور لعنت و غضب سے ملی ہوئی ہوں اور شوہر کی جانب سے یہ حد قذف کے قائم مقام ہیں اور بیوی کی جانب سے یہ حد زنا کے قائم مقام ہیں اور حنفیہ کی دلیل لعان والی آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ...... النور ۲۴/ ۶

اللہ رب العزت نے شوہروں کو شہداء قرار دیا اور لعان کو شہادت اس نص قرآنی **فشهادة احدهم** میں اور اس کی تعداد کو بھی شہادت زنا کی تعداد کے برابر رکھا جب لعان شہادت ہے تو اس میں وہی شرائط ہوں گی جو ایک مسلمان پر شہادت کی ہونی چاہیں۔

جمہور کے ہاں ❷ الفاظ لعان کو شہادت کا نام دیا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ قسمیں ہیں اور لعان قسم ہے اگر چہ اسے شہادت کا نام دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے قصہ لعان میں ارشاد ہے اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو میں اس عورت کو اچھی سزا دیتا ❸ نیز اس لیے بھی کہ لعان میں اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا ضروری ہے اور جواب قسم کا تذکرہ بھی اگر یہ شہادت ہوتی تو پھر اس کی ضرورت نہ تھی نیز اس میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں اگر شہادت ہوتی تو عورت کے حق میں نصف ہوتی۔ نیز اس کا چار بار تکرار واجب ہے اور شہادت میں تکرار نہیں ہوتا اور قسمیں مکرر ہوتی ہیں جیسے قسامت کی قسمیں۔ نیز لعان طرفین سے ہوتا ہے اور شہادت تو صرف ایک جانب یعنی مدعی کی جانب سے ہوتی ہے باقی لعان کو جو شہادت کا نام دیا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ لعان کرنے والا اپنی قسم میں کہتا ہے کہ میں اللہ کے لیے گواہی دیتا ہے تو لعان کو شہادت کہہ دیا گیا اگر چہ ہے قسم اور کبھی کبھی قسم کو شہادت سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے اس فرمان باری تعالیٰ میں **اذاجاء ک المنافقون قالوا نشهد** (المنافقون:۶۳/ ۱)

پھر فرمایا: **اتخذو ایمانهم جنة** اوراندھے کے لعان پر اجماع ہے اگر لعان شہادت ہو تو پھر اس کا لعان جائز نہ ہوتا۔ جب لعان قسم ہے تو پھر اس میں وہ شرائط نہیں جو شہادت میں ہوتی ہیں اور اس اختلاف کا ثمرہ گونگے میں نکلتا ہے کہ جمہور کے ہاں گونگا اگر سمجھا سکے تو لعان کرے گا جبکہ حنفیہ کے ہاں گونگا لعان نہیں کر سکتا کیونکہ شہادت کا اہل نہیں۔ میرے ہاں جمہور کی رائے راجح ہے کیونکہ ان کے دلائل سنت اور معقول کے قوی ہیں نیز لعان حاجت اور ضرورت کی وجہ سے مشروع ہے اور حاجت لوگوں کے لیے وسعت پیدا کرتی ہے اگر چہ وہ شہادت

❶ البدائع ۳/ ۲۴۱ وما بعدها اللباب ۳/ ۷۵،۷۸۔ ❷ بداية المجتهد: ۲/ ۱۱۸ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۷۴ المغنی: ۷/ ۳۹۲ ومابعدها ❸ رواه الجماعة الاسلما والنسائی عن ابن عباس (نيل الاوطار ۶/ ۲۷۴)

کے اہل نہ بھی ہوں اور یہی رائے ہے اھل بیت کی بھی۔

ساتواں مطلب......لعان کے احکام وآثار:

قاضی کے سامنے زوجین کے لعان کے درج ذیل آثار ہیں (1) حد قذف کا یا تعزیر کا شوہر سے ساقط ہونا اور بیوی سے حد زنا کا ساقط ہونا اگر شوہر لعان نہ کرے تو حنفیہ کے علاوہ کے ہاں شوہر پر حد قذف واجب ہے جبکہ بیوی پاکدامن ہو اور اگر غیر محصنہ ہے تو تعزیز واجب ہے اور اگر عورت لعان نہ کرے تو اس پر شوافع اور مالکیہ کے ہاں اگر باکرہ ہے تو حد زنا کوڑے اور اگر شادی شدہ ہے تو رجم ہوگا (2) زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے سے لعان کے بعد کسی قسم کا استمتاع وطی وغیرہ حرام ہے اگر چہ قاضی کی تفریق سے پہلے ہی ہو حدیث میں ہے لعان کرنے والے کبھی بھی جمع نہیں ہوسکتے۔ ان دونوں کے درمیان تفریق کا واجب ہونا اور حنفیہ کے ہاں قاضی کے علاوہ یہ تفریق مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ ہلال بن امیہ کے واقع میں ابن عباس کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کروادی۔ (3) اس کا تقاضا یہ ہے کہ تفریق اس سے پہلے نہ ہوا گر تفریق سے پہلے ان میں سے کوئی ایک مرگیا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور اگر شوہر نے طلاق دے دی تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں حاکم کے فیصلہ کے بغیر بھی لعان سے فرقت واقع ہوجائے گی اس لیے کہ تفریق کا سبب لعان ہے جو پایا گیا لہٰذا اس سے تفریق ہوجائے گی قاضی کی تفریق کے بغیر بھی اور عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کی جائے گی اور وہ کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: صرف شوہر کے لعان ہی سے تفریق ہوجائے گی اگر چہ عورت لعان نہ بھی کرے کیونکہ یہ تفریق قول سے ہوتی ہے لہٰذا طلاق کی طرح صرف شوہر کے قول سے تفریق ہوجائے گی۔ ابن قدامہ نے مغنی میں فرمایا: اس قول میں امام شافعی کی موافقت کرنے والے کسی ایک کو بھی ہم نہیں جانتے (4) امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں یہ تفریق طلاق بائن ہے کیونکہ قاضی کی تفریق سے ہوتی ہے جیسے کہ عنین ہونے کی وجہ سے تفریق میں اور قاضی کی جانب سے ہونے والی ہر تفریق طلاق بائن ہے لیکن عورت دوبارہ زوجیت میں نہیں آسکتی سوائے دو حالتوں کے:

(الف)......یہ کہ شوہر اپنی تکذیب کرے اگر چہ دلالۃ ہی ہو جیسے نفی کیا گیا بچہ مرگیا اور شوہر نے اس کے نسب کا دعویٰ کردیا کیونکہ یہ شہادت سے رجوع شمار کیا جاتا ہے اور شہادت سے رجوع کے بعد شہادت کا حکم باقی نہیں رہتا اور پھر حد قذف لگے گی، اور بچے کا اس سے نسب ثابت ہوگا اسی طرح عورت بھی اس کی زوجیت میں آسکتی ہے اگر وہ اس کی تصدیق کردے۔

(ب)......یہ کہ زوجین میں سے کوئی ایک اہلیت شہادت سے نکل جائے اس لیے کہ اس سے سبب تفریق منتفی ہوتا ہے اگر عورت نے زنا کیا یا کسی اور نے اسے تہمت لگائی اور اسے حد لگی تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے کیونکہ عورت کی جانب سے اہلیت لعان ختم ہوگیا جب طلاق بائن ہے تو عورت کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے دوران عدت اور اگر وہ معتدہ ہی رہے تو دو سال تک نسب ثابت ہوگا اگر معتدہ نہیں تو چھ ماہ تک۔

جمہور اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں...... لعان سے ہونے والی تفریق فسخ ہے جیسے رضاعت سے ہونے والی تفریق اور اس سے حرمت مؤبدہ ثابت ہوتی ہے اس کے بعد لعان کرنے والے کبھی بھی زوجیت میں نہیں آسکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

---

(1) البدائع ۴/۲۴۴۔۲۴۸ فتح القدیر: ۳/۲۵۳ الدر المختار: ۲/۸۰۶ اللباب: ۳/۷۷،۷۸ القوانین الفقهية: ۲۴۴ بداية المجتهد: ۲/۱۲۰ الشرح الصغير: ۲/۶۶۸ المقدمات الممهدات ۱/۶۳۷ (2) مغنى المحتاج: ۳/۳۷۶ المهذب: ۲/۱۲۷ المغنی ۷/۴۱۰ غاية المنتهى: ۳/۲۰۳ (3) رواه الدارقطنی عن ابن عباس ورواه ابو داؤد عن سهل بن سعد (نيل الاوطار: ۶/۲۷۱) (4) رواه احمد وابو داؤد (نيل الاوطار: ۶/۲۷۴).

لعان کرنے والے کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے، نیز لعان طلاق نہیں لہٰذا فسخ ہے اور لعان واجب ہوا اور یہی تفریق کا سبب بھی ہے رہ گیا شوہر کا اپنی تکذیب کرنا یا لعان کرنے والوں میں سے کسی ایک کا اہلیت شہادت سے نکل جانا تو یہ سبب تفریق کے وجود کی نفی نہیں کر سکتا بلکہ وہ باقی ہے اور اس کا حکم بھی باقی رہے گا اور شافعی کی رائے ہے کہ تفریق شوہر کے لعان سے ہوتی ہے اگر چہ بیوی لعان نہ بھی کرے اگر وہ جھوٹا ہے یا اپنی تکذیب کرتا ہے تو یہ اس کے لیے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے مفید نہیں اور اس سے ہمیشہ کی حرمت ختم نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ دونوں اس کے حق تھے جو اس نے لعان سے باطل کر دیئے لہٰذا اب ان کے لوٹانے کا وہ مالک نہیں برخلاف حد اور لحوق نسب کے یہ دونوں لوٹ سکتے ہیں کیونکہ یہ اس کے حق کے خلاف ہیں بچے کا نسب شوہر سے ختم ہو جائے گا اور وہ اپنی والدہ سے ملحق ہو جائے گا جبکہ لعان نفی نسب کا ہو تو اور نفی نسب پر وارث نہ ہونا نفقہ لازم نہ ہونا وغیرہ آثار مرتب ہوں گے چاہے والدین کا ہر اولاد پر نفقہ ہو یا بیٹوں کا والدین پر۔

اور بعض احکام بچے کی نسبت سے ہوں گے اور وہ شہادت کا جائز نہ ہونا ہے بچے کے لیے اس کے اصل کا لعان کرنے والے کا یا اصل کا فرع کے لیے اور جس نے اس بچے کو قتل کر دیا اس پر قصاص نہ ہونا اور کسی غیر سے اس کا نسب ملحق کرنا جائز نہ ہونا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ شخص اپنی تکذیب کرے تو پھر نسب اس کی طرف منتقل ہوگا اور حرمت کا باقی رہنا لہٰذا جائز نہیں کہ وہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس بچے سے کرے کیونکہ احتمال ہے اس کا بیٹا ہو۔

آٹھواں مقصد: لعان واجب ہونے کے بعد کن چیزوں سے ساقط ہوتا ہے اور کن چیزوں سے تفریق سے پہلے لعان کا حکم باطل ہوتا ہے:

پہلی بات..... کن چیزوں سے لعان واجب ہونے کے بعد ساقط ہوتا ہے حنفیہ کے ہاں [1] درج ذیل چیزوں سے لعان ساقط ہوتا ہے:

۱..... لعان کی اہلیت کا نہ ہونا یا ہر وہ چیز جو اصل سے ہی لعان کو ممنوع قرار دیتی ہے ہر وہ چیز جو وجوب لعان کے لیے مانع ہے جب وہ لعان واجب ہونے کے بعد پیش آ جائے تو لعان ساقط ہو جاتا ہے مثلاً جنون ارتداد، گونگا ہونا یا کسی اور آدمی نے تہمت لگائی اور حد قذف لگی یا عورت نے حرام وطی کی جیسے زنا اور وطی بالشبہ ان حالات میں حد واجب نہیں ہوتی اور جب واجب ہو تو ان عوارض کے پیش آنے سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ لعان کی اہلیت ہی منتفی ہوگئی کیونکہ لعان شہادت ہے اور صفت شہادت کا باقی رہنا ضروری ہے حکم کے صادر ہونے تک۔

۲..... طلاق بائنہ ہونا، یا فسخ یا موت واقع ہونا جب مرد نے تہمت لگانے کے بعد عورت کو طلاق دے دی یا نکاح کسی وجہ سے فسخ ہو گیا یا زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا تو لعان اور حد ساقط ہو جائے گی لعان تو اس لیے کہ زوجیت ختم ہوگئی جبکہ نکاح کا باقی ہونا لعان کے جاری کرنے کے لیے شرط ہے اور حد اس لیے کہ قذف سے لعان واجب ہوتا ہے لہٰذا حد واجب نہ ہوگی جب لعان ہی نہیں۔ لیکن اگر شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو لعان ساقط نہ ہوگا کیونکہ طلاق رجعی زوجیت کو باطل نہیں کرتی۔

۳..... تہمت کے گواہ کا مر جانا یا غائب ہو جانا۔

۴..... شوہر کا اپنی تکذیب کرنا یا عورت کا شوہر کی قذف میں تصدیق کرنا۔ اس لیے کہ اگر شوہر نے اپنی تکذیب کر دی تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اس کا کرنا متعذر رہے اس لیے کہ یہ محال ہے کہ اسے کہا جائے تو یہ گواہی دے کہ میں سچا ہوں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے میں جھوٹا ہوں اور اس پر حد قذف واجب ہوگی کیونکہ قذف صحیح ہے اور اگر عورت نے شوہر کی تصدیق کر دی قذف میں تو بھی لعان ساقط ہو جائے گا کیونکہ اب

---

[1] البدائع: ۳/۲۴۳ و مابعد ھا الدر المختار: ۲/۸۰۹۔

لعان کرنا متعذر رہے کیونکہ وہ اپنی تکذیب کررہی ہے انکار میں لیکن عورت پر حد نہیں اس لیے کہ اگر لعان واجب بھی ہو جاتا تب بھی اس پر زنا ثابت نہیں لہٰذا اس کی عفت لعان سے زائل نہ ہوگی تو یہاں تو بدرجہ اولیٰ حد زنا نہ ہوگی کیونکہ لعان ساقط ہو گیا۔

حنابلہ نے تین حالتیں ❶ لعان ساقط ہونے کی ذکر کی ہیں:

۱.....اہلیت کے عوارض میں سے کسی عارض کا پیش آ جانا جیسے جنون زنا اور عورت کا گونگی ہو جانا۔

۲.....**عورت کا شوہر کی تصدیق کرنا یا اسے معاف کردینا یا خاموش رہنا اور ان دو حالتوں کے شرط ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اس کی تکذیب کرے اور لعان کے ختم تک وہ تکذیب رہے۔**

۳.....لعان سے پہلے یا لعان کے مکمل ہونے سے پہلے شوہر کا مرجانا جب شوہر نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی پھر لعان سے پہلے یا مکمل ہونے سے پہلے مرگیا تو لعان ساقط ہوجائے گا اور اسی طرح ان کے ہاں اگر شوہر اپنے لعان کو مکمل کرنے کے بعد اور عورت کے لعان سے پہلے بھی مرگیا تو لعان ساقط ہوجائے گا۔ اور امام شافعی کے ہاں شوہر کے لعان سے بیوی بائنہ ہوجائے گی اگرچہ بیوی لعان نہ بھی کرے یا وہ جھوٹا ہو اور میراث ساقط ہوجائے گی اور بچے کی نفی ہوجائے گی اور عورت پر حد لازم ہوگی الا یہ کہ وہ لعان کرے۔

دوسری بات..... لعان کے پائے جانے کے بعد اور تفریق سے پہلے کیا چیزیں لعان کے حکم کو باطل کرتی ہیں حنفیہ کے ہاں ❷ ہر وہ چیز جو لعان کو واجب ہونے کے بعد ساقط کرتی ہے تو اس سے لعان کا حکم اثر پائے جانے کے بعد باطل کردیتی ہے تفریق سے پہلے مثلاً جنون زوجین میں سے کسی ایک یا دونوں کا لعان کے بعد تفریق سے پہلے مجنون ہوجانا یا گونگا ہونا یا مرتد ہونا کسی ایک کو حد قذف لگنا یا عوت کا وطی حرام میں مبتلا ہونا ان میں سے کسی ایک کا اپنی تکذیب کرنا اور حاکم کا ان کے درمیان تفریق نہ کرنا اور وہ دونوں نکاح پر باقی رہیں گے یہ اس لیے کہ ان کے ہاں اصل یہ ہے کہ زوجین کا دوران لعان اہلیت باقی رہنا شرط ہے لعان کے حکم کے باقی رہنے کے لیے، اس لیے کہ لعان ان کے ہاں شہادت ہے اور گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صفت شہادت پر قاضی کے فیصلہ صادر کرنے تک باقی رہے اگر ان عوارض سے شہادت کی صفت زائل ہوگئی تو قاضی کے لیے تفریق کرنا جائز نہیں۔

نویں بحث: ظہار کی وجہ سے تفریق:

اس بحث میں پانچ مقاصد ہیں۔ پہلا مقصد: ظہار کی تعریف شرعی حکم اور اس کے احوال فی الفور اضافت یا تعلیق کے ساتھ یا موقت، دوسرا ظہار کا رکن اور شرائط تیسرا ظہار کا اثر اور وہ چیز جو ظہار کرنے والے پر حرام ہے، چوتھا ظہار کا کفارہ، پانچواں ظہار کے حکم کا ختم ہونا۔

پہلا مقصد: ظہار کی تعریف حکم شرعی اور حالات..... ظہار ایلاء کے مشابہ ہے اس بات میں کہ دونوں قسم ہیں اور وطی سے مانع ہیں اور کفارہ سے اس کی ممنوعیت ختم ہوجاتی ہے اور یہ جمہور کی رائے کے مطابق لعان کے بھی مشابہ ہے کہ قسم ہے نہ کہ شہادت اولی تو یہ تھا کہ اسے ایلاء کے بعد ذکر کیا جاتا جیسا کہ ہمارے فقہاء نے کیا لیکن میں نے اسے لعان سے مؤخر کیا کیونکہ لعان قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے اور یہی فصل کا عنوان تھا اور ظہار میں محض شوہر کے کفارہ ادا نہ کرنے ہی سے تفریق ہوجاتی ہے۔ ظہار لغوی اعتبار سے مصدر ہے اور ظہر سے ماخوذ ہے اور مشتق ہے آدمی کے اس قول سے جب وہ اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہوئے کہے تو مجھ پر میری ماں کی بیٹھ کی طرح ہے اور جاہلیت میں یہ طلاق تھی اور کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی کو ناپسند کرتا اور اس کے علاوہ سے شادی نہ کرنا چاہتا تو اس سے ایلاء اور ظہار کرتا اب وہ عورت نہ شوہر والی رہتی اور نہ ہی شوہر سے چھٹکارا کہ کسی اور سے نکاح کرے تو شریعت نے اس کے حکم کو تبدیل کردیا کہ بیوی حرام ہوگی اگر

❶ .....غاية المنتهى ۲۰۲/۳ كشاف القناع: ۴۵۱/۵ المغني: ۴۰۶/۷ ❷ البدائع: ۲۴۸/۳ وما بعدها الدر المختار: ۸۱۲/۲۔

لوٹ آیا اور اس پر کفارہ لازم کر دیا اور شرعاً ظہار یہ کہ مرد اپنی بیوی کو تشبیہ دے کسی ایسی عورت سے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے یا اس کے کسی ایسے جزو سے جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے حرام ہے جیسے پیٹھ، پیٹ اور رانیں، مثلاً اسے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ یا میری بہن کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور مذاہب کے فقہاء کی تعریف قریب قریب ہیں اور وہ درج ذیل ہیں حنفیہ نے یہ تعریف کی ہے۔ ❶

کسی مسلمان کا اپنی بیوی کو یا اس کے ان اعضاء کو جن سے اسے تعبیر کیا جاتا ہے یا اس کے کسی مشاع جزو کو اپنے اوپر حرام عورت سے تشبیہ دینا ان کے ہاں ذمی کا ظہار نہیں اور یہ ظہار کتابیہ چھوٹی اور مجنونہ سب بیویوں کو شامل ہے اور بیوی کو تشبیہ دینا ممکن ہے یا جن اعضاء سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے سر، گردن، یا عورت کے مشاع جزو کو جیسے تیرا نصف وغیرہ کو تشبیہ دینا اور مشبہ بہ یا تو قریبی حرام جملہ ہوگا جیسے، تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا ایسا عضو ہوگا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے نسبی طور پر یا مصاہرت یا رضاعت کی وجہ سے جیسے پیٹھ وغیرہ اور اس قسم کو ظہار کا نام خصوصی طور پر اس لیے دیا گیا کہ عام طور پر وہ ظہر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دی جو وقتی طور پر اس پر حرام ہے تو ظہار نہ ہوگا مثلاً تو مجھ پر تیری بہن یا پھوپھی کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اب بہن اور پھوپھی وغیرہ وقتی طور پر حرام ہیں یا کہا تین طلاق والی کو کیونکہ وہ حرام ہے اس وقت تک جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے یا مجوسیہ سے کیونکہ اس کا اسلام لانا ممکن ہے۔ اسی طرح اگر ایسے جزو سے تشبیہ دی جس کی طرف دیکھنا حرام نہیں جیسے چہرہ یا سر تو ظہار نہ ہوگا اگر اس نے عورتوں کے علاوہ حرام چیزوں سے تشبیہ دی مثلاً شراب یا خنزیر کے ساتھ تو بھی ظہار نہ ہوگا اور اس میں اس کی نیت کی طرف رجوع ہوگا اگر اس سے طلاق کا ارادہ کیا تو طلاق بائن ہوگی اور اگر تحریم کا ارادہ کیا یا کچھ بھی ارادہ نہ کیا تو ایلاء ہوگا اگر اس نے اپنے باپ کی فرج وغیرہ سے تشبیہ دی تو ظہار ہوگا لیکن اگر کہا تو مجھ پر میرے والد یا بیٹے کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ جس سے ظہار کر رہا ہے وہ عورتوں کی جنس سے نہیں اور مالکیہ نے تعریف یوں کی۔ ❷

مسلمان مکلف کا اپنی بیوی یا باندی کو یا اس کے کسی جزو کو اپنے اوپر حرام عورت یا اجنبیہ کی پیٹھ سے تشبیہ دینا اگر چہ تعلیقاً ہو یا مقید ہو وقت سے پس کافر کا ظہار نہیں نہ ہی بچے مجنون اور جس پر زبردستی کی گئی ہو اور بیوی کو تشبیہ دینے سے ظہار متحقق ہوگا مثلاً تو میری ماں ہے یا اس کے کسی جزو سے ہاتھ پاؤں وغیرہ سے تشبیہ دے اور اس بات سے کہ تو مجھ پر میری نفاس والی بیوی یا حج کا حرام باندھی ہوئی بیوی کی پیٹھ کی طرح سے ظہار نہ ہوگا کیونکہ اس کی حرمت اصلی نہیں یا قسم کے وقت وہ اس پر حرام ہو جیسے اجنبی عورت کی پیٹھ اور اسی سے حنفیہ اور مالکیہ اس پر متفق ہیں کہ کافر کا ظہار صحیح نہیں اور اجنبی عورت کی پیٹھ سے تشبیہ دینے میں ان کا اختلاف ہے۔ حنیفہ کے ہاں ظہار نہیں کیونکہ حرمت مؤقت ہے اور مالکیہ کے ہاں ظہار کی نیت سے یمین ہے کیونکہ فی الحال تحریم اصلی ہے۔ اور وہ ظہار جو شرط سے معلق ہو جیسے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اگر میں نے تجھ سے شادی کی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے لیکن اگر کسی اور واقعہ سے معلق کیا مثلاً اگر رمضان آیا تو تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا فلاں اجنبی عورت کی طرح ہے یا اگر کل سورج طلاع ہوا تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ فی الحال ظہار ہوگا اور اسے عورت سے روک دیا جائے گا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اگر ظہار کو کسی وقت سے مقید کیا مثلاً آج یا اس ماہ میں تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح تو یہ مؤبد ظہار ہوگا اور کفارہ کے بغیر حلال نہیں۔

شوافع نے یوں تعریف کی ❸ ایسی بیوی جو بائنہ نہ ہو اس کو ایسی مؤنث سے تشبیہ دینا جو ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اور بچے مجنون بے ہوش اور مکرہ کا ظہار صحیح نہیں ہے اور ذمی کا صحیح ہے کیونکہ آیت ظہار عام ہے اور غیر حرام عورت سے تشبیہ دینے سے ظہار صحیح نہیں، اگر بیوی کو مطلقہ یا اجنبیہ سے تشبیہ دی یا بیوی کی بہن سے یا اپنے والد سے یا لعان والی سے یا مجوسیہ اور مرتدہ سے تو اس کا یہ کلام لغو ہے اس لیے کہ پہلی تین تو ہمیشہ کی حرمت میں ماں کی طرح نہیں اور باپ اور دوسرے مرد بیٹا غلام وغیرہ محل استمتاع نہیں رہ گئی آخری تین اگر چہ ان کی حرمت

---

❶ الدر المختار ۲ ۹۰، فتح القدیر ۳/۲۲۵ اللباب: ۳/۶۷ البدائع: ۳/۲۳۳ ❷ الشرح الصغیر: ۲/۶۳۴ المقدمات الممہدات ۱ ۵۹۹ ❸ مغنی المحتاج ۳ ۳۵۲

ہمیشہ کے لیے ہے لیکن ان کی حرمت محرم ہونے کی وجہ سے نہیں اور حنفیہ کے ہاں یہ بھی محرم سے تشبیہ دینے کی طرح ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ شوہر کا یہ کہنا ہاتھ، پیٹ، سینہ کی طرح یہ ظہار ہے اور اسی طرح آنکھوں کا بھی حکم ہے اگر ظہار کا ارادہ کرے لیکن اگر کرامت اور بزرگی کا ارادہ کرے تو ظہار شمار نہیں ہوگا اور اسی طرح اس کا کہنا تیرا سر پیٹھ یا ہاتھ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں تو نہ ظہار ہے اور انہی کی مثل پاؤں، جلد، بدن بال وغیرہ بھی ہیں۔

اور حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے ❶ شوہر اپنی بیوی یا اس کے عضو کو ایسی عورت کی پیٹھ سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے جیسے ماں، نسبی اور رضاعی بہن وغیرہ سے کسی ایسی عورت کی پیٹھ سے تشبیہ جو اس پر وقتی طور پر حرام ہے جیسی بیوی کی بہن خالہ، پھوپھی وغیرہ یا کسی مرد سے تشبیہ دے باپ یا زید سے یا اس کے کسی عضو سے مثلاً پیٹھ سر وغیرہ اگرچہ عربی الفاظ میں نہ بھی کہے یا اس کی حلت کا اعتقاد رکھتا ہو مثلاً مجوسی کی ماں یا بہن کہ وہ اپنی ماں یا بہن سے کہے تو مجھ پر میری بہن کی پیٹھ کی طرح ہے حالانکہ وہ اپنی بہن کی حلت کا معتقد ہے اس کے اس اعتقاد کا اثر نہ ہوگا اور وہ ظہار کرنے والا ہوگا۔ یہ شوافع کی طرح کافر کے ظہار کے قائل ہیں لیکن وقتی حرام عورتوں سے تشبیہ میں یہ ان کے مخالف ہیں اور ان سے جن سے استمتاع حلال نہیں اور مالکیہ کی طرح اجنبیہ سے ظہار کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حکم شرعی......ظہار حرام ہے ❷ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ......المجادلۃ ۵۸ / ۲

یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بیوی حرمت میں ماں کی طرح نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ...المجادلۃ ۵۸ / ۲

وہ ان کی مائیں نہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما جعل ازواجكم اللائی تظاهرون منهن امهاتكم ...الاحزاب: ۳۳ / ۴

اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچ مچ کی مائیں نہیں بنایا۔

ظہار کے احوال......منجز فی الفور ظہار بالاتفاق صحیح ہے جیسے شوہر کا یہ کہنا تو مجھ پر ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور ظہار اکثر فقہاء کے ہاں ❸ بیوی کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ شوہر کی طرف سے ہوتا ہے اگر عورت نے اپنے شوہر سے ظہار کیا تو حنفیہ کے ہاں اس کا ظہار لغو ہے نہ تو عورت پر حرمت ہے اور نہ ہی کفارہ اور اسی طرح باقی مذاہب والوں کے ہاں بھی ہے کہ ظہار نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ المجادلۃ ۵۸ ۲

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو ظہار کے ساتھ خاص کیا ہے۔ نیز یہ ایک ایسی بات ہے جو بیوی پر حرمت کو واجب کرتی اور شوہر اسے ختم کرنے کا مالک بھی ہے لہذا طلاق کی طرح مرد اس کے ساتھ خاص ہے نیز عورت سے استمتاع کا حلال ہونا مرد کا حق ہے عورت اسے زائل کرنے کی مالک نہیں باقی حقوق کی طرح لیکن امام احمد نے ایک روایت کے مطابق جو ان کے ہاں اجح ہے عورت پر کفارہ ظہار کو واجب کیا ہے کیونکہ یہ عورت بھی ایک نامعقول اور جھوٹی بات لائی ہے اور ایک ان سے یہ ہے کہ عورت پر تین کا

---

❶ کشاف القناع ۵/ ۴۲۵ ❷ المہذب ۲/ ۱۱۱ المغنی ۷/ ۳۳۷ البدائع: ۳/ ۲۲۹ (۳) الدر المختار: ۲/ ۷۹۰ المغنی ۷/ ۳۸۴ بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۰۶

کفارہ ہے ابن قدامہ نے فرمایا یہ امام احمد کے مذہب کے اصول کے مشابہ ہے کہ ظہار نہیں اور صرف نامعقول اور جھوٹی بات سے ظہار کا کفارہ واجب نہیں ہوتا باقی جھوٹوں کی طرح اور تیسری روایت کے مطابق عورت پر کفارہ بھی نہیں اور یہی باقی ائمہ کا قول ہے کیونکہ نامعقول اور جھوٹی بات ہے ظہار نہیں لہٰذا کفارہ واجب نہیں گالی اور قذف کی طرح۔

معلق ظہار...... حنفیہ نے ❶ اجازت دی ہے۔ظہار کی نیت ملک یا سبب ملک کی طرف کرنے کی پہلے کی مثال: اجنبیہ سے کہے اگر تو میری بیوی بن گئی تو تو مجھ پر میری ماں کی بیٹھ کی طرح ہے۔ اور دوسرے کی مثال اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور وقت کی طرف نسبت کرنے کی بھی اجازت دی ہے مثلاً فلاں مہینے کے شروع میں تو مجھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے قیام ملک کی وجہ سے اور اس کا معلق کرنا دوران زوجیت اگر تو گھر میں داخل ہوئی یا تو نے فلاں سے بات کی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے کیونکہ یمین کے وقت ملک موجود ہے لیکن ظہار کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے معلق کرنا اسے باطل کر دیتا ہے حنابلہ بھی ظہار کی تعلیق کی اجازت دیتے ہیں ❷ چاہے زوجیت میں ہو یا اجنبیہ سے چاہے متعین بیوی ہو یا تمام بیویوں کو کہے چاہے مطلقاً کہے یا نکاح پر معلق کرے اور کہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں وہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ جس عورت سے ظہار کیا ہے جب اس سے نکاح کرے گا تو جب تک کفارہ ادا نہ کر دے اس سے ہمبستری نہیں کر سکتا اسی طرح ظہار کو شرط سے معلق کرنے کی بھی اجازت دیتے ہیں مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اگر زید نے چاہا تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو جب وہ گھر میں داخل ہوگی یا زید نے چاہا تو ظہار ہوگا ورنہ نہیں۔

اور ان کی دلیل وہ روایت ہے امام احمد نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کہا اگر میں نے فلاں سے شادی کی تو وہ مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ پھر اس نے اس شادی کی تو آپ نے فرمایا اس پر ظہار کا کفارہ ہے نیز اس لیے بھی کہ یہ یمین کفارہ والی ہے لہٰذا اس کا نکاح سے پہلے انعقاد صحیح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم۔ اور یہ پہلے واضح ہو گیا ہے کہ مالکیہ کے ہاں ❸ ظہار کی تعلیق جائز ہے مثلاً اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تو مجھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا اس نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو وہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور شوافع نے بھی ❹ ظہار کی تعلیق کی اجازت دی ہے شرط وغیرہ کے ساتھ کیونکہ اس سے طلاق اور کفارہ کی طرح حرمت متعلق ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی تعلیق جائز ہے اور ظہار کی تعلیق مثلاً جب زید آیا یا جب سورج طلوع ہوا تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے جب شرط پائی گئی تو وہ مظاہر ہوگا کیونکہ معلق علیہ پایا گیا اور اس کی مثالوں میں سے یہ کہ کہے اگر میں اپنی دوسری بیوی سے ظہار کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور وہ دونوں اس کی عصمت میں ہوں اور اس نے دوسری سے ظہار کیا تو دونوں سے ظہار ہوگا تنجیز اور تعلیق کے موجب پر عمل کرتے ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کا ظہار کو شرط وغیرہ پر معلق کرنے کے جواز پر اتفاق ہے اور شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں کسی متعین عورت کی شادی سے ظہار کو معلق کرنا بھی جائز ہے اور اسی طرح حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اگر کہا تمام عورتیں مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہیں کیونکہ اس نے ملکیت کی شرط پر عقد کیا ہے لہٰذا ملک والی کے مشابہ ہو گیا اور مؤمن اپنی شرطوں پر پورا اترنے والے ہیں اور شوافع کے ہاں ظہار کو ملک نکاح پر معلق کرنا جائز نہیں عمرو بن شعیب کی حدیث کی وجہ سے جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے طلاق نہیں سوائے مملوکہ کے عتق نہیں سوائے مملوک کے اور بیع نہیں سوائے مملوک کے اور نذر پوری نہیں ہو سکتی سوا ان میں سے جن کا مالک ہے اور ظہار طلاق کے مشابہ ہے۔

---

❶.....الدالمختار: ۵۷۹/۲ البدائع: ۲۳۲/۳ ❷ المغنی: ۳۵۰/۷، ۳۵۴۔ ❸ الشرح الصغیر: ۶۳۵/۲ ھدایۃ المجتھد: ۱۰۷/۲

❹ مغنی المحتاج: ۳۵۴/۳

مؤقت ظہار...... مذاہب اربعہ کے فقہاء نے ذکر فرمایا ہے ❶ مؤقت ظہار بھی صحیح ہے۔ مثلاً کہے ایک ماہ یا ایک دن تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا جب تک رمضان کا مہینا گذر جائے لیکن مالکیہ اور ایک قول شوافع کے ہاں ہمیشہ کا صحیح ہوگا کفارہ کے بغیر ختم نہیں ہو سکتا یعنی وقت مقرر کرنا ساقط ہو جائے گا اور ظہار ہوگا کیونکہ یہ لفظ بیوی کو حرام کرتا ہے اگر وہ اس کے لیے وقت مقرر کرے تو وقت مقرر نہیں ہوگا جیسے طلاق حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب وقت گذر گیا تو ظہار ختم ہو جائے گا اور عورت بغیر کفارہ کے حلال ہو جائے گی اگر دوران مدت اس سے ہمبستری کی تو کفارہ لازم ہوگا سلمہ بن صخر کی روایت کی وجہ سے کہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا رمضان کا مہینے گذرنے تک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ مہینے کے دوران میں نے جماع کیا ہے تو آپ نے کفارہ کا حکم فرمایا: ❷ نیز اس نے اپنے آپ کو عورت سے روکا ہے قسم کے ساتھ تو اس پر کفارہ ہوگا لہٰذا مؤقت بھی صحیح ہے اور ظہار طلاق سے مختلف ہے کہ ظہار سے ملک زائل ہو جاتی ہے اور حرمت واقع ہوتی ہے جو کفارہ سے ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اسے وقت سے مؤقت کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں حنفیہ کی عبارت یہ ہے اگر ظہار کو وقت کے ساتھ مقید کر دیا تو وقت گزرنے پر ظہار ساقط ہو جائے گا لیکن اگر وقت کے اندر اندر عورت کے قریب جانا چاہتا ہے تو کفارہ کے بغیر جائز نہیں۔

دوسرا مقصد: ظہار کا رکن اور شرائط...... حنفیہ کے ہاں ❸ وہ لفظ ہے جو ظہار پر دلالت کرے اور اس میں اصل شوہر کا بیوی کو کہنا تو مجھ پر ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور اسی کے ساتھ ماں کے پیٹ اور فرج والی صورتیں ملحق ہیں۔ اور جمہور کے ہاں ❹ ظہار کے لیے چار رکن ہیں، مظاہر، مظاہر منہا لفظ یا صغیہ اور مشبہ بہ مظاہر شوہر ہے اور مظاہر منہا بیوی ہے مسلمان ہو یا کتابیہ لفظ اور صیغہ وہ الفاظ جو شوہر سے صادر ہوں صریح الفاظ میں سے یا کنایہ میں سے اور صریح وہ ہیں جن میں پیٹھ کا ذکر ہو اور کنایہ وہ ہیں جن میں پیٹھ کا ذکر نہ ہو اور کنایہ الفاظ میں دیانت تصدیق ہوگی اگر طلاق کا ارادہ کرے نہ کہ صریح میں اور کنایہ میں جو چاہے ارادہ کر سکتا ہے اور مشبہ بہ وہ ہیں جس سے ہمیشہ کے لیے ہمبستری حرام ہے اور وہ ماں ہے اور اسی کے ساتھ نسبی رضاعی اور مصاہرت کے رشتے ملحق ہیں۔

مظاہر (ظہار کرنے والے) کی شرطیں...... حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مظاہر ہر وہ شوہر ہے جو مسلمان ہو عاقل بالغ ہو ذمی کا ظہار لازم نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مظاہر ہر وہ شوہر ہے جس کی طلاق صحیح ہے وہ بالغ اور عاقل ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر آزاد ہو یا غلام البتہ نشہ والے کا ظہار صحیح ہے جیسا کہ اس کی طلاق بالاتفاق صحیح ہے اور جمہور کے ہاں مکرہ کا ظہار صحیح نہیں ❺ مظاہر کی شرائط یہ ہیں:

ا...... یہ کہ عاقل ہو لہٰذا مجنون بچے معتوہ، مدہوش بے ہوش اور سونے والے کا ظہار صحیح نہیں جیسا کہ ان کی طلاق صحیح نہیں کیونکہ کہ اس پر تحریم مرتب ہوتی ہے اور یہ تحریم کے اہل نہیں۔

۲...... بالغ ہو لہٰذا بچے کا ظہار صحیح نہیں اگر چہ وہ سمجھدار ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ظہار تو صرف نقصان دہ تصرف ہے بچہ اس کا مالک نہیں جیسے وہ طلاق دینے کا مالک نہیں۔

۳...... حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مسلمان ہونا ان کے ہاں ذمی کا ظہار صحیح نہیں اس لیے کہ ظہار کا حکم وقتی طور پر تحریم ہے جو کفارہ ادا کرنے سے زائل ہو جاتی ہے اور کافر کفارہ کا اہل نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے لہٰذا وہ ظہار کا اھل بھی نہیں۔ اور شوافع اور حنابلہ کی رائے میں مسلمان ہونا شرط نہیں کیونکہ آیت ظہار عام ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ...... المجادلۃ ۵۸/۳

---

❶...... الدر المختار: ۲/۷۹۳ البدائع: ۳/۲۳۵ الشرح الصغیر: ۲/۶۳۶ المہذب: ۲/۱۱۳ المغنی: ۷/۳۴۹۔ ❷ رواہ احمد وابوداؤد (نیل الاوطار: ۶/۲۵۸) ❸ البدائع: ۳/۲۲۹ ❹ القوانین الفقھیة: ۲۴۲ الشرح الکبیر: ۲/۴۴۰ المقدمات الممہدات: ۱/۵۹۹ المغنی: ۷/۳۳۸۔ ❺ البدائع: ۳/۲۳۰ القوانین الفقھیة: ۲۴۲ الشرح الصغیر: ۲/ ۶۳ مغنی المحتاج: ۳/۳۵۳ المغنی: ۷/۳۳۸ المہذب ۲/۱۱۸

مسلمان اور کافر کے درمیان تفریق کے بغیر نیز کافر شریعت کے فروعی مسائل کا مخاطب ہے اور کفارہ کا بھی اہل ہے روزہ کے علاوہ کھانا کھلانے اور غلام آزاد کرنے کی صورت میں نیز وہ طلاق کا بھی اہل ہے لہٰذا ظہار کا بھی اہل ہوگا اگر ظہار کرنے والا کافر ہو تو وہ آزاد کر کے یا کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرے اس لیے کہ مذکورہ چیزیں اس کے لیے کفارہ کے علاوہ بھی جائز ہیں لہٰذا کفارہ میں بھی جائز ہیں اور روزہ کے ذریعہ کفارہ ادا نہ کرے کیونکہ اس کے روزے صحیح نہیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلے فریق کے ہاں مظاہر کے لیے دو شرطیں ہیں اسلام اور مکلّف ہونا اور فریق ثانی کے ہاں ایک ہی شرط ہے مکلّف ہونے کی رہ گیا اختیار تو یہ جمہور کے ہاں شرط ہے اور مکلّف ہونے کی شرط میں داخل ہے لہٰذا مکرہ کا ظہار صحیح نہیں اور اختیار حنفیہ کے ہاں شرط نہیں لہٰذا مکرہ کا ظہار صحیح ہے اور مخطی کا بھی جیسا کہ ان دونوں کی طلاق صحیح ہے۔

مظاہر منہا کی شرطیں......وہ ظہار کرنے والے کی بیوی ہے چاہے مسلمان ہو یا کتابیہ بڑی ہو یا چھوٹی اور اس کی درج ذیل شرائط ہیں ❶ یہ کہ وہ اس کی بیوی ہو یعنی ملک نکاح کی وجہ سے اس کی ملکیت میں ہو لہٰذا اجنبیہ سے ظہار صحیح نہیں کیونکہ اس کا مالک نہیں فرمان باری تعالیٰ ہے من نسائھم یعنی اپنی بیویوں سے البتہ جمہور کے ہاں ملک سے معلق ظہار درست ہے کسی عورت سے اس طرح کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو وہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

عورت کا ظہار......اکثر علماء کے ہاں عورت مرد سے ظہار نہیں کر سکتی کیونکہ طلاق کے مشابہ ہے عورت کا ظہار لغو ہے اس میں کفارہ نہیں لیکن امام احمد اصح روایت کے مطابق انہوں نے اس پر ظہار کا کفارہ واجب کیا ہے کیونکہ اس عورت نے ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہی ہے اور ایک روایت میں قسم کا کفارہ ہے اور یہ ان کے مذہب کے زیادہ مطابق ہے۔

خاصی عورتوں سے ظہار......اگر شوہر نے ایک ہی لفظ سے چار بیویوں کو کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو ان سب سے ظہار کرنے والا ہوگا اور اس پر حنفیہ اور شوافع کے جدید مذہب کے مطابق ہر عورت کی طرف سے کفارہ ہے اس لیے کہ ظہار پایا گیا اور وطی کا عزم بھی ہر ایک عورت کے حق میں لہٰذا اس پر ہر ایک کی طرف سے کفارہ واجب ہے جیسا کہ انفرادی طور واجب ہوتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس پر صرف ایک ہی کفارہ ہے حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے نیز ظہار ایک ایسا کلمہ ہے جس کی مخالفت سے کفارہ واجب ہوتا ہے جب ایک گروہ کے لیے پایا گیا تو اس پر ایک ہی کفارہ ہوگا جس طرح زیادہ قسموں میں ہوتا ہے۔

ہر اعتبار سے نکاح موجود ہو لہٰذا بیوی سے ظہار صحیح ہے اگر چہ وہ طلاق رجعی کی عدت میں ہی ہو اور تین طلاق والی سے ظہار صحیح نہیں نہ ہی بائنہ اور خلع والی سے اگر چہ یہ عدت ہی میں کیوں نہ ہوں برخلاف طلاق کے اس لیے کہ حنفیہ کے ہاں بائنہ اور خلع والی کو صریح طلاق لاحق ہو سکتی ہے اور ظہار تحریم ہے اور حرمت خلع اور بائنہ ہونے سے ثابت ہے اور حرام کو حرام کرنا محال ہے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا عبث ہے۔

حنفیہ کے ہاں ظہار بیوی کے بدن کی طرف مضاف ہو یا اس کے ایسے عضو کی طرف جس سے پوری عورت کو تعبیر ہوتی ہو یا اس کا کوئی مشاع جزو ہو اگر اس نے اس کی طرف نسبت کی مثلاً کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا ایسے عضو کی طرف نسبت کی جس سے تمام عورت کی تعبیر ہوتی ہے مثلاً تیرا سر، چہرہ یا گردن یا فرج مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا مشاع جزو مثلاً تیرا ثلث ربعہ یا نصف وغیرہ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو ظہار کرنے والا ہوگا لیکن اگر کہا تیرا ہاتھ یا پاؤں انگلیاں تو مظاہر نہیں اور باقی مذاہب کے آئمہ کے ہاں مظاہر ہوگا کیونکہ یہ بھی ایسا عضو ہے جس سے لذت حاصل کرنا حرام ہے لہٰذا یہ بھی پیٹھ کی طرح ہے۔

مشبہ بہ کی شرائط......مشبہ بہ ماں ہے اور اسی کے ساتھ ملحق ہیں وہ محرم عورتیں جن سے زندگی میں کبھی بھی نکاح حلال نہیں نسبی رضائی

---

❶......البدائع:۲۳۲/۳ فتح القدير:۲۳۲/۳ اللباب:۶۹/۳ الدر المختار:۲/۱۷۹ بداية المجتهد:۱۰۷/۲ القوانين الفقهية ۲۴۲ الشرح الصغير:۶۳۷/۲ المهذب:۱۱۳/۲ مغنى المحتاج:۳۵۴/۳ المغنى:۳۳۹/۷۔

یا مصاہرت کے اور مشبہ بہ کی تحدید کے سلسلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں وسعت و تنگی کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں ❶ مشبہ بہ کے لیے درج ذیل شرائط ہوں:

۱.....عورت ایسی ہونی چاہیے جس سے زندگی میں کبھی بھی نکاح حلال نہ ہو چاہے یہ حرمت نسب کے اعتبار سے ہو جیسے ماں بیٹی، بہن پھوپھی خالہ وغیرہ یا رضاعت کے اعتبار سے ہو یا مصاہرت کے اعتبار سے ہو جیسے والد کی بیوی یا بیٹے کی بیوی، ساس۔

۲.....عضو ایسا ہو کہ اس کی طرف دیکھنا حلال نہ ہو جیسے پیٹھ پیٹ ران فرج وغیرہ اگر شوہر نے بیوی کو اپنی ماں کے سر یا چہرہ سے تشبیہ دی یا اس کے ہاتھ اور پاؤں سے تو ظہار کرنے والا نہ ہو گا اس لیے کہ یہ اعضا ایسے ہیں کہ ان کی طرف دیکھنا حلال ہے۔

۳.....وہ عورت ہو اور عورتوں کی جنس سے ہو اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میرے باپ یا بیٹے کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ ظہار صحیح نہیں اس لیے کہ شریعت میں تو مظاہرت تب ہو گا جب مظاہر بہ عورت ہو اور اسی بناء پر ظہار صحیح نہیں جب شوہر اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس پر فی الحال حرام ہے جبکہ دوسرے کسی وقت میں اس کے لیے حلال ہو جیسے بیوی کی بہن یا کسی شوہر والی عورت سے یا مجوسیہ سے اور مرتدہ سے اس لیے کہ اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں مالکیہ کے ہاں ❷ مشبہ بہ ہر وہ انسان جس سے وطی کرنا اصلی طور پر حرام ہو چاہے مذکر ہو یا مؤنث یا انسان کے علاوہ ہو جیسے جانور پس ظہار صحیح ہے اپنی بیوی یا اس کے جزو کو اگر چہ حکماً ہی جزو ہو جیسے بال تھوک وغیرہ کو اپنی ماں سے تشبیہ دینا اور اس سے ملحقہ وہ تمام جو نسبی رضاعی مہر کے طور پر حرام ہیں اور اصالتہ کے لفظ سے وہ نکل گئے جن سے کسی عارض کی وجہ سے وطی حرام ہو جیسے حیض نفاس وغیرہ پس اس کا ظہار منعقد نہ ہو گا اگر وہ اپنی دو میں سے ایک بیوی کو کہے تو مجھ پر میری نفاس والی یا نفاس والی بیوی کی پیٹھ کی طرح یا حج کا احرام باندھی ہوئی یا طلاق رجعی دی ہوئی طرح ہے۔ اور اسی طرح یہ ظہار بھی درست ہے کہ بیوی کو محرم کے کسی ایسے جزو سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے تو مجھ پر میری ماں کے ہاتھ خالہ کے ہاتھ کی طرح ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں ظہار درست ہے جب وہ اپنی بیوی کو کسی اجنبیہ سے تشبیہ دے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں۔

شوافع کے ہاں ❸ مشبہ بہ فقط وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے وطی حرام ہے چاہے نسبی ہوں یا رضاعی یا مصاہرت کی وجہ سے سوائے مظاہر کی مرضعہ اور بیٹے کی بیوی کیونکہ یہ دونوں ایک وقت میں اس کے لیے حلال ہیں لہٰذا اس کا احتمال ہے۔ اور ظہار کے صحیح ہونے کے لیے سب سے وسیع مذہب مشبہ بہ کے بارے میں حنابلہ کا ہے اس لیے کہ وہ تمام ان اقسام کو شامل ہے چاہے پورے مشبہ بہ سے تشبیہ دے یا اس کے کسی عضو جیسے ہاتھ، چہرہ اور کان وغیرہ ❹ عورتوں میں ہمیشہ حرام ہونے والی نسبی رضاعی اور مصاہرت جیسے مائیں، دادیاں، پھوپھیاں، خالائیں، بہنیں اور یہ متفق علیہ ہے۔ رضاعی مائیں، رضاعی بہن بیٹوں اور والدین کی بیویاں اور بیویوں کی مائیں اور ربیبہ عورتیں ❺ ہر وہ عورت جو وقتی طور پر حرام ہے جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی، اجنبیہ اس لیے کہ اس نے اپنی بیوی کو حرام سے تشبیہ دی ہے لہٰذا یہ ماں سے تشبیہ دینے کے مشابہ ہے ❻ تمام حرام مردوں جانوروں اور فوت شدہ لوگوں سے پس اگر اپنی بیوی کو والد کی پیٹھ یا کسی اور کی پیٹھ سے تشبیہ دے تو ظہار صحیح ہے یا کہے تو مجھ پر جانور کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو مجھ پر مردار اور خون کی طرح ہے جابر بن زید کی روایت پر عمل کرتے ہوئے ان کی مذکورہ فہرست میں اکثر علماء نے مخالفت کی ہے لہٰذا مذکورہ چیزوں سے تشبیہ دینا ظہار نہیں اس لیے کہ یہ ایسی چیزوں سے تشبیہ دینا ہے جو محل استمتاع نہیں جیسے کہے تو مجھ پر زید کی ماں کی طرح ہے اس کے باوجود شوہر کے لیے مکروہ ہے کہ وہ بیوی کو کسی ذی رحم محرم سے یاد کرے مثلاً اے بہن یا اے ماں وغیرہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے۔

---

❶..... البدائع: ۲۳۳/۳، ۲۳۴۔ ❷ الدسوقی: ۴۳۹/۲ ❸ بدایة المجتهد: ۱۰۴/۲ ❹ القوانین الفقهیة: ۲۴۴۔ ❺ مغنی: المحتاج: ۳۵۳/۳ ❻ المغنی: ۳۴۰/۷ کشاف القناع ۴۲۵/۵

صیغہ کی شرائط...... وہ صیغہ جس سے ظہار منعقد ہوتا ہے یا تو صریح لفظ ہو کہ اس میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی یا کنایہ ہوگا کہ نیت کی طرف محتاج ہوگا الفاظ صریحہ اور کنایہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں ❶ وہ الفاظ ہیں جن سے ظہار کے علاوہ کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو مثلاً بیوی سے کہے تو مجھ پر ماں کی پیٹھ یا پیٹ یا ران یا فرج کی طرح ہے یا کسی مشاع جز نصف وغیرہ کو ذکر کرے تو بغیر نیت کے بھی مظاہر ہوگا کیونکہ یہ صریح ہے اور اسی کی مثل ہے تو مجھ پر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ تو ظہار ہوگا کیونکہ صریح ہے اور کنایہ وہ الفاظ جو ظہار کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور غیر کا بھی اور ان میں نیت سے ظہار ہوگا مثلاً تو مجھ پر ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس نے کہا میں نے کرامت مراد لی ہے تو وہی ہوگا جو اس نے کہا اور اگر کہا ظہار مراد لیا ہے تو وہ ظہار ہوگا اور اگر کہا طلاق مراد لی ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اس کی کوئی نیت بھی نہ ہو تو شیخین کے ہاں کچھ بھی نہ ہوگا کیونکہ کرامت مراد لینا متحمل ہے یا یہ کہے تو مجھ پر ماں کی طرح حرام ہے تو جو نیت کرے گا ظہار یا طلاق کی وہی معتبر ہے اور اس میں اس سے کرامت و بزرگی کا ارادہ قبول نہ ہوگا کیونکہ حرام کا لفظ موجود ہے اور اگر کچھ بھی ارادہ نہ کیا تو ادنیٰ یعنی ظہار ثابت ہوگا اصح قول کے مطابق کیونکہ اس لیے ملک نکاح زائل نہیں ہوئی اگر چہ لمبا ہی کیوں نہ ہو مالکیہ کے ہاں ❷ صریح ظہار وہ ہے جس میں ظہار کا ذکر ہو ہمیشہ کی تحریم کے ساتھ یا وہ لفظ جو شرعی وضع کے اعتبار سے ظہار دلالت کرتے اور اس میں غیر کا احتمال نہ ہو ہمیشہ کے لیے حرام عورت کی پیٹھ کا لفظ صریح میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ پیٹھ کا ذکر اور ہمیشہ کے لیے حرام عورت کا ذکر مثلاً تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ یا رضاعی بہن کی پیٹھ یا اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اور صریح ظہار میں اگر طلاق کی نسبت کرے تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ صریح کی تمام اقسام غیر کی طرف نہیں پھرتیں اور اگر ظہار سے طلاق کی نیت کرے تو یہ معتبر نہیں۔ یہ فتویٰ کے اعتبار سے ہے نہ قضاء کے اعتبار سے اور کنایہ ان کے ہاں وہ الفاظ ہیں جن میں ان دونوں میں سے ایک نہ ہو لفظ پیٹھ اور ہمیشہ کی حرمت والی عورت پہلے کی مثال تو میری ماں کی طرح ہے یا تو میری ماں ہے اور دوسرے کی مثال تو مرد کی پیٹھ کی طرح ہے یا میرے باپ بیٹے وغیرہ کی یا اجنبیہ کی طرح ہے مثلاً تو مجھ پر فلاں عورت کی پیٹھ کی طرح ہے نہ ہی تو وہ اس کے لیے حرام ہے اور نہ ہی اس کی بیوی ہے۔ اور کنایہ ہی میں سے ہے کہ بیوی کے کسی جزو کو یا مشبہ بہ کے کسی جزو سے مثلاً ہاتھ سر بال وغیرہ کا ذکر کرے اور ان دونوں قسموں میں ظہار کی نیت کرے اگر ظاہری کنایہ کی دونوں قسموں میں ظہار کی نیت کی اور دونوں لفظ ظہر اور مؤبد کا ساقط کرتا ہے تو ظہار ہو جائے گا اور اگر طلاق کی نیت کی تو بیونت کبریٰ یعنی تین طلاقیں ہو جائیں گی چاہے بیوی مدخول بھا ہو یا غیر مدخول بھا لیکن اگر اس نے کم کی نیت کی غیر مدخول بھا میں تو جس کی نیت کی وہی لازم ہوگا برخلاف مدخول بھا کے کیونکہ اس میں تین طلاقیں ہی ہوں گی اور کم کی نیت قبول نہیں۔

شوافع کے ہاں ❸ صریح وہ الفاظ ہیں جن میں پیٹھ یا کسی ایسے عضو کا ذکر ہو جو بطور کرامت ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً اپنی بیوی سے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اسی طرح تیرا جسم یا تیرا بدن یا تیرا نفس میری ماں کے بدن یا جسم کی طرح ہے کیونکہ اس میں ظہر کا ذکر موجود ہے۔ اور تو مجھ پر ماں کے ہاتھ یا پیٹ یا سینہ وغیرہ کی طرح ہے یہ بھی صریح ہے کیونکہ ایسے اعضاء میں جو بطور بزرگی اور کرامت ذکر نہیں کیے جاتے نیز یہ ایسے اعضاء ہیں جن سے لذت حاصل کرنا حرام ہے لہٰذا یہ بھی پیٹھ کی طرح ہیں اور صریح الفاظ میں سے یہ کہ کسی ایسے جزو کا ذکر کرنا جو مشاع ہو مثلاً نصف ربع وغیرہ یا کسی ایک عضو کا تذکرہ کرنا مثلاً سر، پیٹھ، ہاتھ پاؤں، بدن، جلد اور بال وغیرہ اور کنایہ ایسے عضو کا ذکر کرنا جس میں بزرگی کا احتمال ہو جیسے آنکھ پاؤں کا سر وغیرہ یا تو میری ماں کی طرح ہے یا اس کے روح یا چہرہ کی طرح ہے

---

❶..... فتح القدير: ۳/۲۲۸۔۲۳۱ البدائع: ۳/۲۳۱،۲۳۲ الدرالمختار: ۲/۷۹۲۔۷۹۴ اللباب: ۳/۶۸ وما بعدها۔ ❷القوانين الفقهية: ۲۴۲ الشرح الصغير: ۲/۶۳۷ الشرح الصغير: ۲/۴۴۲ بداية المجتهد: ۲/۱۰۴، المهذاب ۱/۵۹۹ ❸مغنى المحتاج: ۳/۳۵۳ المهذب: ۲/۱۱۲۔

اگر ظہار کا ارادہ کیا تو ظہار ہوگا اور اگر کرامت کا ارادہ کیا یا کسی بھی چیز کا ارادہ نہ کیا تو ظہار نہ ہوگا کیونکہ یہ الفاظ بطور کرامت واعزاز استعمال کئے جاتے ہیں اور طلاق کے لفظ سے ظہار نہیں ہوتا اور نہ ہی ظہار کے لفظ سے طلاق ہوتی ہے اگر آدمی نے کہا تجھے طلاق ہے اور اس میں ظہار کی نیت کرے تو ظہار نہیں ہوگا اور اگر کہا تو مجھے پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے موجب میں صریح ہے لہٰذا نیت سے وہ اپنے موجب سے پھرے گا نہیں اور اگر کہا تجھے طلاق میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور کچھ بھی نیت نہ کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور ظہر امی کا لفظ لغو ہوگا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے ماں کی پیٹھ کی طرح اور کوئی بھی نیت نہ کی تو یہ ظہار ہے کیونکہ اس نے صریح لفظ استعمال کیا ہے اور اسے تحریم کے لفظ سے اور مؤکد کیا ہے اور اگر اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی۔

حنابلہ کے ہاں[1] صریح الفاظ ہیں جو متضمن ہوں پیٹھ یا حرمت کے ذکر کر کو جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا کسی اجنبی عورت کی پیٹھ کی طرح ہے یا تو مجھ پر حرام ہے یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو حرام قرار دیا تو مظاہر ہوگا۔ اگر بیوی کو اس سے تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور کہا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا بہن کی طرح ہے تو یہ بالا جماع ظہار ہوگا، اسی طرح اگر ذی رحم محرم میں سے کسی سے تشبیہ دی جیسے دادی پھوپھی، خالہ، سالی وغیرہ سے تو بھی مذاہب اربعہ اور اکثر علماء کے ہاں ظہار ہے یا رضاعت کی قریبی محرم یا مصاہرت کے قریبی محرم سے تشبیہ دی تو اکثر کی رائے میں یہ ظہار ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں کنایہ کرامت اور عزت کا لفظ استعمال کرنا ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے اگر کہا تو مجھ پر ماں کی طرح ہے اگر اس سے ظہار کا ارادہ کیا تو ظہار ہوگا اور یہ اکثر کی رائے ہے اور اگر اس سے بزرگی اور عزت مراد لی اور عورت بھی بڑے ہونے یا صفات میں اس کے مثل تھی تو ظہار نہ ہوگا اور نیت کے حوالے سے شوہر کی بات معتبر ہوگی اگر اس نے کچھ بھی نیت نہ کی تو ان کے ہاں ظہار نہیں اور یہ امام ابوحنیفہ اور شافعی کے قول کے موافق ہے اس لیے کہ یہ الفاظ بزرگی میں زیادہ استعمال ہوتے ہیں بنسبت حرمت کے۔ لہٰذا نیت کے بغیر ظہار نہ ہوگا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے۔ اگر اس سے ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا یہ بھی امام ابو حنیفہ اور شافعی کے موافق ہے اور اگر کہا تو حرام ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ظہار نہیں ہوگا، اور اگر کہا تو مجھ پر ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے تو یہ ظہار میں صریح ہے اس کے علاوہ کچھ بھی مراد نہیں ہوگا، چاہے طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے یہ بھی متفق علیہ ہے کیونکہ ظہار کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے اور حرام سے اسے واضح کیا ہے اور اگر کہا تجھے طلاق ہے ماں کی پیٹھ کی طرح تو طلاق ہوگی جیسا کہ شوافع نے کہا اور ماں کی پیٹھ کا لفظ ساقط ہو جائے گا کیونکہ پہلے اس نے صریح طلاق لایا ہے اور ظہر امی کو اس کی صفت بنایا ہے اگر اس نے اس سے طلاق کی تاکید کی تو ظہار نہ ہوگا اگر اس سے ظہار کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی اور یہ اجنبیہ کے ظہار کی طرح ہے، اور اگر طلاق رجعی ہو تو ظہار صحیح ہوگا جیسا کہ شوافع نے کہا اور اگر کہا تو مجھ پر حرام ہے اور طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کی تو ظہار ہوگا طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایک ہی لفظ ظہار اور طلاق نہیں ہو سکتا اور اس لفظ سے ظہار مراد لینا اولیٰ ہے لہٰذا اولیٰ مراد ہوگا اور اگر کہا حلال مجھ پر حرام ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے وہ مجھ پر حرام ہے اور اس کی ایک بیوی تھی تو ان تینوں صورتوں میں مظاہر ہوگا کیونکہ اس کے الفاظ عموم کا تقاضا کرتے ہیں لہٰذا یہ عموم عورت کو بھی شامل ہوگا اگر عورت کی تحریم کی تصریح کر دی یا اس کی نیت کی تو یہ تاکید ہوئی۔ لیکن اگر یہ الفاظ کہے: میری ماں کے بالوں کی طرح ہے یا دانتوں اور ناخنوں کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کی ماں کے ثابت اعضاء میں سے نہیں، یا کیا میں مظاہر ہوں یا مجھ پر ظہار ہے یا مجھ پر حرام ہے یا حرام مجھے لازم ہے اور کوئی نیت بھی نہ کی تو ظہار نہ ہوگا کیونکہ تو نہ ظہار میں صریح ہیں اور نہ ہی اس نے ان سے ظہار کی نیت کی اگر ان الفاظ سے اس نے ظہار کی نیت کی یا کوئی قرینہ مل گیا ظہار کے ارادہ پر مثلاً اسے شرط پر معلق کر دے اور کہے اگر میں تجھ سے بات کروں مجھ پر حرام ہے اس میں احتمال ہے کہ ظہار ہو تو جس طرح طلاق کنایہ بغیر نیت کے درست نہیں یہ بھی درست نہیں اور یہ بھی احتمال ہی کہ اس سے ظہار ثابت نہ ہو کیونکہ شریعت میں اس کے لیے صریح لفظ استعمال ہوا ہے مظاہرۃ کا اور یہ اس میں صریح نہیں نیز یہ قسم ہے اس کا موجب کفارہ ہے لہٰذا اس کا حکم بغیر صریح کے ثابت نہ ہوگا۔

---

[1] المغنی: ۷/ ۳۴۰۔ ۳۴۶ کشاف القناع ۵/ ۴۲۶۔ ۴۲۸۔

تیسرا مقصد: ظہار کا اثر اور اس کے احکام اور مظاہر پر کیا حرام ہوتا ہے......ظہار پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں (۱) بالاتفاق کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہمبستری حرام ہے اور اسی طرح شوافع کے علاوہ جمہور کے ہاں جماع کے علاوہ ہر قسم کا استمتاع مثلاً چھونا، بوسہ دینا، چہرہ ہتھیلیوں ہاتھوں کے علاوہ باقی تمام بدن اور محاسن کو لذت کی نگاہ سے دیکھنا اور فرج کے علاوہ مباشرت کرنا حرام ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ......المجادلۃ ۵۸/۳

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ نیز وہ بات جس سے وطی حرام ہے تو اس کی وجہ سے وطی کے مقدمات اور دواعی بھی حرام میں تاکہ اس میں واقع نہ ہو جائے جیسے طلاق اور احرام۔ اور یہ حرمت اس وقت تک رہے گی جب تک وہ ظہار کا کفارہ ادا نہ کردے کیونکہ اس کا ظہار کرنا جنایت ہے اور وہ نامعقول بات اور جھوٹ ہے لہٰذا اسے جنایت کے مناسب حرمت کا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کفارہ سے ختم ہوگی۔ اگر مظاہر نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے ہمبستری کرلی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے اور اس پر صرف وہی کفارہ ہے جو پہلا واجب ہوا ہے اور پھر وہ اس سے استمتاع نہیں کرسکتا جب تک کفارہ ادا نہ کرے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس شخص کے بارے میں جس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلیا اس وقت تک اس کے قریب مت جاؤ جب تک اللہ کی حکم کو پورا نہ کرلو اور ایک روایت میں اس سے علیحدگی اختیار کرو یہاں تک کہ کفارہ ادا کرلو (۲) اور سلمہ بن صخر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرلیا کہ اس کے لیے ایک کفارہ ہے (۳) اور وہ واپسی جس کی وجہ سے کفارہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا ......المجادلۃ ۵۸/۳

یعنی ظہار کرنے والا وطی کا عزم کرے یعنی اس پر کفارہ اس وقت واجب ہے جب وہ ظہار کے بعد جماع کا ارادہ کرے اگر وہ اس بات پر راضی ہو کہ وہ عورت اس پر حرام ہو جائے اور وہ اس سے جماع کا ارادہ بھی نہ ہو تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا ورا سے کفارہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا ضرر دفع کرنے کے لیے اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ ظہار سے صرف جماع حرام ہوتا ہے اس کے مقدمات اور دواعی حرام نہیں حتیٰ کہ مظاہر کفارہ ادا نہ کرے کیونکہ یہ ایک ایسی تحریم ہے جو مال کے ساتھ تحریم سے متعلق ہے۔ لہٰذا تحریم تجاوز نہ کرے گی جیسی حائضہ سے وطی اور عورت کو حق ہے کہ وہ مظاہر سے وطی طلب کرے کیونکہ اس کا حق اس سے متعلق ہے اور عورت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اسے استمتاع سے روکے رکھے جب تک وہ ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے اور قاضی پر لازم ہے کہ اسے کفارہ پر مجبور کرے ضرر دفع کرنے کے لیے اور لازم کرنا قید کرکے اور مار کر ہوسکتا ہے۔ اگر شوہر نے دعویٰ کیا کہ اس نے ظہار کا کفارہ ادا کردیا ہے۔ تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ جھوٹ میں معروف مشہور نہ ہو۔

کیا ظہار طلاق کے بعد واپس آجاتا ہے زوجیت کی طرف......جب شوہر نے اپنی بیوی کو ظہار کے بعد طلاق دی کفارہ ادا کرنے سے پہلے پھر اس سے رجوع کرلیا آیا ظہار واپس آئے گا یا نہ تاکہ اس پر عورت سے جماع کرنا وغیرہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے حرام ہو ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ (۴) اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا ہے مالک کے ہاں اگر تین سے کم طلاقیں دیں پھر عدت میں یا عدت کے بعد رجوع

---

(۱)......البدائع: ۳/۲۳۴ فتح القدیر: ۳/۲۲۶ الدر المختار: ۲/۷۹۲ اللباب: ۳/۶۷ القوانین الفقهية ۲۴۲ بداية المجتهد ۲/۱۰۸ الشرح ۲/۶۴۱ المهذب: ۲/۱۱۴ المغني: ۷/۳۴۷۔ (۲) اخرجه اصحاب السنن اربعة عن ابن عباس نصب الراية ۲۴۶/۳ نيل الاوطار: ۶/۲۷۱ (۳) رواه ابن ماجه والترمذي عن سلمة (نيل الاوطار ۶/۲۶۱) (۴) بداية المجتهد: ۲/۱۰۹ المغني: ۷/۳۵۱ البدائع: ۳/۲۳۵

کرلیا تو اس پر کفارہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ صاحبین امام شافعی اور احمد کے ہاں ظہار ہر صورت میں ہوگا چاہے تین طلاق کے بعد اس سے نکاح کرے یا کم کے بعد یہ مسئلہ اس مسئلہ کے مشابہ ہے کہ جب کوئی طلاق کی قسم اٹھائے پھر اسے طلاق دے دے پھر رجوع کرے آیا اس پر یہ قسم باقی رہے گی یا نہ اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا طلاق زوجیت کے تمام احکام کو ختم کردیتی ہے یا نہ ان میں سے بعض کے ہاں تین طلاقیں تمام احکام زوجیت کو ختم کردیتی ہیں اور تین سے کم نہیں اور بعض کے ہاں طلاق تمام احکام کو ختم نہیں کرتی۔

کیا ظہار میں ایلاء داخل ہوسکتا ہے یا نہ......ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے ❶ اس میں بھی اختلاف نقل کیا ہے اور تین رائے ہیں امام مالک کے علاوہ جمہور کے ہاں ایلاء کا حکم ظہار کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتا چاہے شوہر نقصان دینے والا ہو یا نہ مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: اگر شوہر تکلیف دینے والا ہے تو پھر ظہار میں ایلاء داخل ہوسکتا ہے اور سفیان ثوری کے ہاں ایلاء ظہار میں مطلقاً داخل ہے اور عورت اس سے چار ماہ گذرنے کے بعد بائنہ ہوجائے گی اگرچہ شوہر نقصان نہ دیتا ہو اور اختلاف کا سبب معنی کی رعایت یا ظاہر کا اعتبار ہے جس نے ظاہر کا اعتبار کیا تو ان کے ہاں تداخل نہ ہوگا اور جس نے معنی کا اعتبار کیا وہ کہتے ہیں تداخل ہوگا۔

چوتھا مقصد: ظہار کا کفارہ......کفارہ ظہار کے متعلق درج ذیل مسائل پر بات ہوگی۔

پہلی بات: کفارہ کی مشروعیت......کتاب اللہ اور سنت سے کفارہ مشروع ہے ❷ کتاب اللہ میں تو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ......المجادلۃ ۵۸/۳،۴

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے اس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو غلام نہ پائے تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ساٹھ روزے لگاتار رکھے اور جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اور سنت میں سے ابوداؤد نے اپنی سند سے خولہ بنت مالک بن ثعلبہ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں مجھ سے بحث کرتے رہے اور فرماتے اللہ سے ڈرو وہ آپ کے چچا کا بیٹا ہے تو آپ بہت خوش ہوئے جب قرآن کی یہ آیت ظہار ۳، ۴ نمبر سورہ المجادلۃ کی نازل ہوئیں آپ نے فرمایا وہ ایک غلام آزاد کردے کہنے لگی اس کے پاس غلام نہیں آپ نے فرمایا دو ماہ مسلسل روزے رکھے تو کہنے لگی: اے اللہ کے رسول وہ تو بوڑھے ہیں روزہ نہیں رکھ سکتے آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے کہنے لگی اس کے پاس کچھ بھی نہیں جسے صدقہ کرسکے آپ نے فرمایا ایک عرق (ساٹھ صاع) کھجور لاؤ کہنے لگی اے اللہ رسول میں اس کی مدد کروں گی ایک اور عرق سے آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا چلی جاؤ اور یہ دونوں اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے چچا کے بیٹے سے رجوع کرلو اور عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ❸

دوسری بات: کفّارہ کب واجب ہوگا......اکثر فقہاء کے ہاں کفارہ ظہار اس سے رجوع سے پہلے واجب نہیں ہوتا اگر ظہار کرنے والوں میں سے کوئی ایک مرجائے یا مظاہر اپنی بیوی کو رجوع سے پہلے جدا کردے تو اس پر کفارہ نہیں کیونکہ آیت میں تصریح ہے کفارہ کے وجوب کا تعلق رجوع سے ہے اور بطریق قیاس یہ کہ ظہار قسم کے کفارہ کے مشابہ ہے جیسے کفارہ مخالفت سے لازم ہوتا ہے یا مخالفت کے ارادہ

---

❶ بدایۃ المجتهد ۲/۱۰۹۔ ❷ بدایۃ المجتهد: ۲/۱۰۳ المغنی: ۷/۱۰۹۔ ❸ رواہ ابوداؤد: والاحمد معناہ لکنۃ یم یذکر قدر العرق (نیل الاوطار ۶/۲۶۲)

سے یہی معاملہ ظہار کا ہے اور ظہار کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے لہٰذا حانث ہونے کے بغیر حانث نہ ہوگا جیسے ساری قسموں میں ہوتا ہے اور اس میں حانث ہونا رجوع ہے اور رجوع کی تفسیر میں تین رائے ہیں ❶ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں وطی کا عزم یا ارادہ حنابلہ کی رائے فرج میں وطی کرنا ہے کیونکہ کفارہ کو رجوع کے بعد واجب کیا گیا ہے اور وہ اس سے تعلق کا تقاضا کرتا ہے اور وطی سے پہلے واجب نہیں الا یہ کہ کفارہ ادا کرنا وطی کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے لہٰذا جو وطی کا ارادہ کرے تو اسے حکم دیا جائے گا کہ حلال کرنے کے لیے کفارہ ادا کرو جیسا کہ اسے نکاح کا حکم دیا جائے گا جو حلت چاہتا ہے اور رجوع قولی طور پر جو کہا اس کے فعل کی ضد ہے جیسا کہ ہبہ میں رجوع اور یہاں پر رجوع جس کے چھوڑنے کا حلف اٹھایا یعنی جماع کا کرنا ہے۔ اور شوافع کے ہاں ظہار میں رجوع، ظہار کے بعد اتنی دیر تک روک رکھنا تو اس میں طلاق ہے کیونکہ ظہار بائنہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس اس کا روکنا رجوع ہے کہی ہوئی بات سے نیز ماں سے اسے تشبیہ دینے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بیوی کو نہ روکے اگر اس نے اسے بیوی بنا کر روک لیا تو اس نے رجوع کر لیا اپنی کہی ہوئی بات سے اس لیے کہ بات سے رجوع اس کی مخالفت ہے کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں بات کہی پھر اس سے پھر گیا یعنی اس کی مخالفت کی اور اسے توڑ دیا اور یہ ہبہ سے رجوع کی طرح ہے اور یہ حکم مؤبد ظہار یا مطلق ظہار کا ہے اور غیر اور رجوع والی عورت سے کیونکہ مؤقت ظہار میں دوران مدت وطی کرنے سے وہ رجوع کرنے والا ہوگا نہ کہ روکنے سے اور رجعیہ سے رجوع رجعت سے ہوگا اور ظہار کے اتنی مدت تک روکنا جس سے تفریق کا امکان ہو وہ محل رجوع ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب ظہار کے ساتھ کسی اور سبب سے جدائی نہ ہو جائے اگر ظہار کے ساتھ فرقت و تفریق پائی گئی موت وغیرہ کی وجہ سے یا نکاح فسخ کر دیا گیا یا طلاق بائن سے تفریق ہوگئی یا طلاق رجعی سے ہوئی اور رجوع کیا یا ظہار کرنے کے بعد شوہر مجنون ہوگیا تو نہ رجوع ہے اور نہ ہی ان صورتوں میں کفارہ ہے کیونکہ طلاق اور جنون کی حالت میں جدائی متعذر ہے اور موت کی صورت میں امساک نہیں پایا گیا اور فسخ کی صورت میں وہ منتفی ہوگیا۔

تیسری بات: متعدد ظہار......اگر کسی شخص نے اپنی چار بیویوں سے ظہار کر لیا تو اس پر حنفیہ اور شوافع کے جدید مذہب میں ❷ چار کفارہ ہیں چاہے ان سے مختلف اقوال سے کرے یا ایک ہی لفظ میں کہے اس لیے کہ ظہار اگر چہ ایک کلمہ سے ہو یہ اس کی بیویوں میں سے ہر ایک کو شامل ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک سے ظہار کرنے والا ہوا اور یہ بات کہ ظہار تحریم ہے صرف کفارہ ہی سے ختم ہو سکتا ہے جب تحریم متعدد تو کفارہ بھی متعدد۔

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ❸ جب ایک ہی کلمہ میں ظہار کرے تو اس پر ایک سے زیادہ کفارہ نہیں کیونکہ تحریم کے اعتبار سے ظہار ایلاء کی طرح ہے، اور ایلاء میں صرف ایک کفارہ ہی واجب ہوتا ہے نیز یہ قسم کی طرح ہے اور متعدد چیزوں کی قسم سے حانث ہونے پر صرف ایک کفارہ ہی ہوتا ہے نیز کفارہ گناہ کو مٹاتا ہے اور ایک کفارے سے مراد پوری ہو جاتی ہے لیکن اگر اپنی سب بیویوں سے کئی کلموں میں ظہار کرے تو اس صورت میں ہر ایک کے لیے ایک کفارہ ہوگا کیونکہ ہر عورت کا ظہار الگ ہے نیز یہ متفرق چیزوں پر قسم ہے مکرر لہٰذا ہر ایک کے لیے کفارہ ہوگا جیسے کے پہلے کفارہ ادا کرنے پر ظہار کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ میرے ہاں پہلی رائے راجح ہے یعنی حنفیہ کی کیونکہ ظہار کا محل متعدد ہے لہٰذا کفارہ بھی متعدد ہونا چاہیے۔

رہ گئی وہ صورت کہ ظہار متعدد ہوں تو کفارہ کا کیا ہوگا یعنی اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کرے تو اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے ❹ حنفیہ کے ہاں اگر ایک ہی مجلس میں بار بار ظہار کرے تو اس کا ایک ہی کفارہ ہے اور اگر کئی مجلسوں میں کرے تو اس کے لیے کئی کفارے ہیں جیسے باقی قسموں میں نیز اس لیے بھی کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو بیوی کی حرمت کو واجب کرتی ہے جب اس سے نئے سرے سے کرنے کی نیت کی تو ہر مرتبہ کے ساتھ اس کا حکم متعلق ہوگا۔

---

❶.....البدائع: ۲۳۵/۳ اللباب: ۶۸/۳ ❷ بدایة المجتهد: ۱۰۴/۲ القوانین الفقهية: ۲۴۳ الشرح الصغير ۶۴۳/۲ ❸ مغنی المحتاج: ۳۵۵/۳ المهذب: ۱۱۳/۲ ❹ المغنی: ۳۵۱/۷.

طلاق کی طرح مالکیہ اور حنابلہ کی ظاہر مذہب کے مطابق اور اوزاعی کی رائے...... جب شوہر اپنی بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کرے اور اس کا کفارہ ادا نہ کرے تو اس کا ایک ہی کفارہ ہے کیونکہ بیوی تو پہلی بات ہی سے حرام ہوگئی لہٰذا دوسری بار کہنا اس کی حرمت میں اضافہ نہیں کرسکتا، نیز ظہار ایک ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ کفارہ متعلق ہے جب اسے مکرر ذکر کیا تو ایک ہی کفارہ کافی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم میں اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ جس نے کئی قسمیں اٹھائیں اگر قسم کی تاکید کا ارادہ کرتا ہے تو ایک کفارہ ہوگا اور اگر نئے سر سے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر دو کفارہ ہیں۔

چوتھی بات: کفارہ کی اقسام ان کی ترتیب...... کفارہ کی تین قسمیں ہیں جن پر قرآن وسنت دال ہے ❶ عیوب سے پاک غلام آزاد کرنا چاہے بڑا ہو یا چھوٹا مذکر ہو یا مونث ❷ دو ماہ پے درپے مسلسل روزے رکھنا ❸ ساٹھ مسکینوں کھانا کھلانا ایک دن صبح اور شام حنفیہ کے ہاں اور یہ بالترتیب واجب ہے پہلے غلام آزاد کرنا، اگر غلام نہ ہو بلکہ اس سے عاجز ہو تو پھر روزے اگر روزے بھی نہ رکھ سکے عاجز ہونے کی وجہ سے تو پھر کھانا کھلائے اور جمہور کے ہاں عاجز ہونے کا وقت ادا کا وقت ہے اور حنابلہ کے ہاں حانث ہونے کا وقت ہے۔

غلام آزاد کرنا❹...... یہ سب سے پہلا واجب ہے مظاہر پر جو آزاد کرنے پر قادر ہو اس کے علاوہ اس کے لیے جائز نہیں بالاتفاق کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا ...... المجادلۃ ۵۸/۳

ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے غلام آزاد کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اوس بن صامت کے لیے جب انہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا غلام آزاد کرو میں نے کہا نہیں ہے فرمایا پھر روزے رکھو اور اس طرح آپ کا مسلمہ بن صخر سے کہنا، پس جس کے پاس غلام ہو یا وہ حاجات اصلیہ سے زیادہ مال کا مالک ہو اور اس سے غلام خرید جاسکتا ہو تو اس کی طرف سے کچھ اور جائز نہیں صرف غلام ہی ادا کیا جاسکتا ہے اور فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ عیوب سے پاک غلام ہی آزاد کرنا ہوگا اس لیے کہ غلام کی تملیک کا مقصد اس کے نفس کے منافع حاصل کرنا ہے اور اسے اپنے تصرف میں قدرت دینی ہے اور یہ اس کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتے جس میں واضح ضرر ہو لہٰذا اندھا، اپاہج، ہاتھ کٹا، پاؤں کٹا ادا کرنا کافی نہ ہوگا کیونکہ منفعت کی جنس ہی نہیں پائی جارہی لہٰذا منفعت حکماً ہلاک ہے اس لیے کہ وہ ان اعضا کے تلف ہونے کی وجہ سے کئی سارے کام نہیں کرسکتا سی طرح مجنون بھی کافی نہیں اس لیے کہ اس میں دو چیزیں پائی جارہی ہیں ایک جنس کی منفعت نہیں اور عمل سے ضرر کا حاصل ہونا اور حنفیہ کے ہاں ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا جائز ہے اور دونوں کان یا ناک کٹا اور بہرہ اگر چیخ سن سکتا ہو اندھا خصی، اور مجبوب وغیرہ جائز ہیں کیونکہ ان کی منفعت کی جنس فوت نہیں بلکہ کمال میں مخل ہے اور یہ انتفاع سے مانع نہیں البتہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹا جائز نہیں کیونکہ پکڑنے کی قوت انہی میں ہے اسی طرح ان کے ہاں گونگا اور ایسا بہرا جو چیخ بھی نہ سن سکتا ہو کافی نہیں ہوگا کیونکہ منعفت کی جنس ہی زائل ہے لہٰذا یہ زائل العقل کے مشابہ ہے۔ اور جمہور کے ہاں ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا جائز نہیں اور شوافع ایک ہاتھ کٹے کی اجازت دیتے ہیں نہ کہ پاؤں کٹے کی اور مالکیہ کے ہاں ایک یا زیادہ انگلیاں کٹے ہوئے یا کان کٹے یا اندھے کو آزاد کرنا کافی نہیں البتہ کانا کافی ہے گونگا اور بہرا مجنون اور ایسا مریض جو ہلاکت تک پہنچ چکا ہو کافی نہیں اور شوافع کے ہاں اپاہج مریض ایک پاؤں کٹا یا ہاتھ کی خنصر بنصر انگلیاں کٹا یا ان کے علاوہ دو پورے کٹا یا انگوٹھا کٹا کافی نہیں اور بوڑھا عاجز یا اکثر وقت مجنون رہتا ہو یا ایسی مرض جس کی شفاء کی امید نہ ہو یہ کافی نہیں اور ان

---

❶...... البدائع: ۳/۲۳۴ مغنی المحتاج: ۳/۳۵۸ ❷ بدایۃ المجتھد: ۲/۱۱۲ المغنی: ۷/۳۵۷ ❸ بدایۃ المجتھد: ۲/۱۱۳ المغنی: ۷/۳۸۶۔ ❹ الدر المختار: ۲/۷۹۶ فتح القدیر: ۳/۲۳۳ اللباب: ۳/۷۰ الشرح الصغیر: ۲/۶۴۵ بدایۃ المجتھد: ۲/۱۱۰ القوانین الفقھیۃ مغنی المحتاج: ۳/۳۶۰ المھذب: ۲/۱۱۴ المغنی: ۷/۳۵۹ کشاف القناع//۴۳۸۔

کے ہاں چھوٹا اور لنگڑا، کان بہرہ اور گونگا، ناک کٹا، کان کٹا اور پاؤں کی انگلیاں کٹا کافی ہے اور غصب شدہ غلام کافی نہیں کیونکہ وہ ممنوع تصرف ہے اپاہج مریض کی طرح ہے اور حنابلہ کے ہاں ہاتھ یا پاؤں کٹا شل ہاتھ کا انگوٹھا کٹا یا شہادت کی انگلی کٹا یا درمیانی انگل جائز نہیں کیونکہ ہاتھ کا فائدہ ان کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک ہاتھ کی خنصر اور بنصر کٹا بھی کافی نہیں کیونکہ ہاتھوں کا نفع ان کے کٹنے سے ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر ہر ایک ہاتھ سے ایک ایک کٹی ہو تو پھر جائز ہے کیونکہ ہتھیلیوں کا نفع باقی ہے اور انگوٹھے کے پوروں کا کٹنا پورا ہاتھ کٹنے کی طرح ہے ہاتھ کٹنے کے علاوہ مسائل میں یہ شوافع کی طرح ہیں اور ان کے ہاں کانا جائز ہے اور ناک کٹا اور بہرہ اگر وہ اشارہ سمجھتا ہو جائز ہے اور گونگا اگر اس کا اشارہ سمجھا جا سکتا ہو یا وہ اشارہ سمجھ سکتا ہو تو جائز ہے اور وہ مریض بھی جائز ہے جس کی شفاء کی امید ہو اور جس کی شفاء کی امید نہیں وہ جائز نہیں اور مغصوب کو آزاد کرنا جائز نہیں اس لیے کہ وہ منافع پر قادر نہیں اور ایسا غائب جس کا علم نہ ہو کہاں ہے وہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس کی زندگی کا ہی علم نہیں لہٰذا اس کی آزاد کرنے کی صحت بھی معلوم نہ ہوئی۔ آیا غلام کا مسلمان ہونا شرط ہے تو اس بارے میں دو قول ہیں حنفیہ کے ہاں کفارہ ظہار میں غلام کا ایمان شرط نہیں اور اسی طرح کفارہ قسم میں بھی لہٰذا کافر کو یا مباح الدم کو آزاد کرنا صحیح ہے نص قرآنی کے اطلاق پر عمل کرتے ہوئے فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (المجادلہ: ۵۸/ ۳) غلام آزاد کرنا ہے اور جمہور کے ہاں کفارہ ظہار اور کفارہ قسم میں غلام اور ایمان شرط ہے لہٰذا واجب ہے کہ وہ مسلمان ہو کافر کافی نہیں کیونکہ یہ کفارہ ہے آزاد کرے کے لہٰذا صرف مؤمن ہی جائز ہے جیسے کفارہ قتل میں اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا جبکہ معنی پایا جائے اور اس لیے بھی کہ جب صرف وہ غلام جائز ہے جو عیوب سے پاک ہو ایسے عیب جو واضح طور پر عمل کو نقصان دیں تو ہم نے نص قرانی کو اس قید سے مقید کر دیا پس سلامتی عیوب کی قید سے کفر سے بری ہونا بدرجہ اولیٰ ہے اور اختلاف کا سبب وہ قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا کیونکہ قران میں کفارہ قتل میں غلام کے مسلمان ہونے کو شرط قرار دیا ہے اور کفارہ ظہار میں مطلق ذکر کیا ہے پس جمہور کے ہاں مطلق کو مقید کی طرف پھیرنا واجب ہے اور حنفیہ کے ہاں واجب نہیں بلکہ ہر نص پر علیحدہ طور پر عمل کیا جائے گا اور نص پر ایسی زیادتی اور اضافہ نہ کیا جائے گا جو اس میں سے نہ ہو۔

دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنا..... اہل علم کا اجماع ہے [1] کہ جب مظاہر غلام نہ پائے یا اس کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا عام قیمت وہ مہنگا ملتا ہو اور روزے رکھنے کی اسے طاقت ہو تو اس پر دو ماہ لگاتار روزے رکھنا فرض ہے اگر چہ چاند کے اعتبار سے وہ اٹھاون ہی دن کیوں نہ بنیں ورنہ ساٹھ دن کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ ......المجادلہ ۵۸/ ۴

نیز اوس بن صامت اور سلمہ بن صخر والی حدیث کی وجہ سے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دو ماہ لگاتار روزے رکھ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جب تک اسے غلام مل سکتا ہے تو پھر غلام کا آزاد کرنا اس پر واجب ہے روزہ رکھنا جائز نہیں اگر چہ غلام کا خدمت کے اعتبار سے محتاج ہی کیوں نہ ہو یا وہ اس کی قیمت کا دین ادا کرنے کے لیے محتاج ہو کیونکہ غلام حقیقت کے اعتبار سے پایا گیا شوافع اور حنابلہ نے مخالفت کی ہے کہ اگر وہ اس کی خدمت کا محتاج ہے یا دین ادا کرنے اور نفقہ وغیرہ کا محتاج ہے اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی اثاثہ نہیں تو وہ روزے رکھ سکتا ہے یا غلام مل ہی نہیں رہا کہ اسے خرید سکے اس لیے کہ جس چیز نے انسان کو مستغرق کر دیا ہو تو وہ معلوم کی طرح ہے بدل کی طرف انتقال کی صورت میں جانا جائز ہے جیسے کہ جسے پیاس لگی ہے اس کے لیے تیمم جائز ہے اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں وہ مالداری مراد ہے جس میں آدمی آزاد کر سکے اور وہ ادائیگی اور اخراج کا وقت ہے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور اس کی جنس کے علاوہ سے اس کا بدل دیا جا رہا ہے لہٰذا اس کی ادائیگی کے وقت کی حالت کا اعتبار ہو گا جیسے روزے تیمم اور قیام قعود نماز کے لیے اور حنابلہ کے ہاں وجوب کفارہ کا وقت معتبر ہے۔

---

[1] .....الدر المختار: ۲/ ۸۰۱ اللباب: ۳/ ۷۳ القوانين الفقهية ۲۴۳ الشرح الصغير ۲/ ۶۵۴ بداية المجتهد: ۲/ ۱۱۲ مغنی المحتاج: ۳/ ۳۶۶ المهذب: ۲/ ۱۱۷ المغنی ۷/ ۳۶۶ غاية المنتهى: ۳/ ۱۹۷ كشاف القناع: ۵/ ۴۴۵۔

لگاتار روزے رکھنا......اہل علم کا اجماع ہے کہ روزے لگاتار رکھے جائیں گے نص قرآنی کی وجہ سے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جس نے مہینہ کے بعض حصہ میں روزے رکھے پھر بغیر عذر کے چھوڑ دیئے تو اس پر نئے سرے سے دو ماہ کے روزے رکھنے ہیں کیونکہ قرآن کریم اور سنت میں اس کا حکم وارد ہے اور متابع کا معنی دو مہینوں کے روزوں میں پے در پے رکھنا ہے ان میں افطار نہیں کرے گا اور کفارہ کے علاوہ روزہ نہیں رکھے گا اور جمہور کے ہاں لگاتار رکھنے میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ رکھنا ہی کافی ہے کیونکہ یہ شرط ہے اور عبادت کی شرائط نیت کی محتاج نہیں بلکہ افعال عادت میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور مالکیہ کے ہاں لگاتار رکھنے کی نیت اور کفارہ کی نیت دونوں ضروری ہیں اگر اس نے دو ران ماہ روزے شروع کئے تو اس کے بعد والا مہینہ شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں چاند کے اعتبار سے شمار کرے گا اور حنفیہ کے ہاں اگر مہینے کے شروع میں چاند دیکھ کر روزہ نہ رکھا اور درمیان سے شروع کیا تو وہ ساٹھ دن روزے رکھے گا اور تتابع کی تحقیق کے لیے حنفیہ نے فرمایا ایسے دو ماہ کے روزے رکھے جن کے درمیان رمضان کا مہینہ نہ آتا ہو نہ ہی عید الفطر دن نہ ہی قربانی کا دن اور ایام تشریق آتے ہوں اگر مظاہر نے دو ماہ کے دوران رات کے وقت جان بوجھ کر بیوی سے جماع کر لیا یا دن کو بھول کر تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ہاں نئے سرے سے روزے رکھے کیونکہ روزوں کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہوں اور یہ شرط جماع سے ختم ہو جاتی ہے دوران روزہ لہٰذا استیناف کرے اور کھانا کھلانے میں استیناف نہیں ہوگا اگر اس کے دوران ہمبستری کر لی کیونکہ کھانا کھلانے میں نص مطلق ہے اور من قبل ان یتماسا کی قید غلام آزاد کرنے اور روزوں میں ہے اور حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اگر دو ماہ میں سے ایک روزہ بھی کسی عذر کی وجہ سے سوائے حیض کے جیسے سفر بیماری اور نفاس وغیرہ کی وجہ ضائع کر دے یا بغیر عذر کے تو نئے سرے سے روزے رکھے گا کیونکہ تتابع فوت ہو گیا اور یہ اس پر قادر بھی ہے البتہ حیض سے بچنا ناممکن ہے اور مالکیہ کا مذہب حنفیہ کے قریب ہے کہ اگر لگاتار رکھنا چھوڑ دیا اگر چہ مہینے کے آخر میں ہی تو استیناف واجب ہے اور اسی طرح روزوں کا لگاتار رکھنا ختم ہو جاتا ہے اپنی بیوی سے دن یا رات کو بھول کر یا جان بوجھ کر جماع کرنے سے جیسے اطعام باطل ہو جاتا ہے اگر اس کے دوران اگر چہ ایک حد ہی باقی رہ گیا ہو تو وہ اسے باطل کر دیتا ہے اس میں استیناف کرے یہ حنفیہ کے خلاف ہے۔

اور دوران سفر اگر بغیر ضرورت کے اس نے روزہ توڑ دیا یا دو ماہ کے درمیان میں عید کے دن آ گئے اور اسے معلوم تھا کہ اس کے روزوں میں عید آئے گی تو روزے باطل ہو گئے لیکن اگر اسے عید کے آنے کا علم نہ ہو تو تتابع باطل نہ ہوگا اور عید کے بعد دو روزے رکھ لے اور ان کے ہاں معتمد کی بناء پر مسلمان عید کے دن روزہ نہیں رکھتا اور اسی طرح اگر رمضان کے آنے کا علم نہ ہو تو متابع ختم نہ ہوگا اور مرض کی وجہ سے تتابع ختم نہ ہوگا اور بھول کر روزہ توڑنے سے بھی اور روزہ توڑنے پر مجبور کرنے سے بھی اور غروب شمس کے گمان سے کھانے پینے سے بھی اور رات باقی سمجھ کر سحری کھانے سے بھی اور حیض اور نفاس سے۔ اور شوافع کے ہاں مالکیہ کی طرح ایک دن بھی بلا عذر روزہ توڑنے سے تتابع ختم ہو جاتا ہے یا عذر سے مثلاً وہ مرض جس میں توڑنے کی گنجائش ہو اور حیض اور نفاس سے تتابع ختم نہیں ہوتا اور جنون سے بھی اور حیض اور نفاس کا تصور کفارہ قتل میں آنے سے ہوتا ہے نہ کہ ظہار میں اس لیے عورتوں پر کفارہ ظہار نہیں اور اگر مظاہر نے رات کے وقت جماع کیا کفارہ ادا کرنے سے پہلے تو گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کیا اور جماع سے تتابع باطل نہیں ہوتا اس لیے کہ رمضان کے روزوں پر جماع سے کوئی اثر نہیں ہوا لہٰذا تتابع پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا جیسے رات کو کھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ سب سے آسان مذہب حنابلہ کا مذہب ہے کہ جن کے ہاں اگر دو ماہ کے دوران کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا تو باقی روزوں کو پورا کرے گا اور اگر بغیر عذر کے روزہ افطار کر دیا تو نئے سرے سے رکھے گا بغیر عذر روزہ توڑنے یا جہالت کی وجہ سے روزہ توڑنے پر تتابع ختم ہو جاتا ہے یا وہ تتابع کا وجوب بھول گیا یا اس نے گمان رکھا کہ مہینہ پورا ہو گیا اور اس کے خلاف ظاہر ہوا یا دو ماہ کے دوران نفل روزہ رکھا یا رمضان کا قضاء روزہ رکھا یا نذر اور کسی دوسرے کفارہ کا روزہ رکھا تو تتابع ختم ہو گیا کیونکہ اس نے ایسی چیزوں سے تتابع ختم کیا ہے جن سے بچنا ممکن تھا لہٰذا یہ بغیر عذر روزہ توڑنے کے مشابہ ہو گیا اسی طرح لگاتار رکھنا ختم ہو جائے گا اگر مظاہر نے رات کو یا دن میں جان بوجھ کر یا بھول کر وطی کر لی تو اسے کے پہلے رکھے ہوئے روزے فاسد ہو گے اور نئے سرے

سے دو ماہ کے روزوے رکھے گا لیکن اگر کھانے کھلانے کے دوران اس نے وطی کر لی تو اس پر کھلائے ہوئے کھانے کا اعادہ لازم نہیں جیسا کہ حنفیہ اور شوافع کے ہاں ہے۔

رمضان کے روزوں یا واجب فطر یعنی عید کے دن اور حیض ونفاس اور جنون کے دنوں اور ہلاک کر دینے والے مرض حاملہ اور مرضعہ اگر نفس کے خوف کی وجہ سے روزہ افطار کر دیں یا کسی مباح عذر کی وجہ سے توڑیں جیسے مرض اور سفر وغیرہ مکرہ اور مخطی تو ان سب صورتوں میں تتابع ختم نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مظاہر کا روزے مکمل ہونے سے پہلے دن کو بھول کر اور رات کو جان بوجھ کر اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا تابع کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ روزوں میں شرط یہ ہے کہ وہ ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے جائیں اور خالی ہوں ضرورت سے نص قرآنی کی وجہ سے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس سے تتابع ختم نہیں ہوتا لہٰذا استیناف واجب نہیں عذر کی وجہ سے۔

ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا...... اہل علم کا اجماع ہے [1] کہ مظاہر جب غلام نہ پائے اور روزے رکھنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں وارد ہوا چاہے روزوں سے بڑھاپے کی وجہ سے عاجز ہو یا کسی مرض کی وجہ سے یا جماع کے اشتیاق کی وجہ سے کہ جماع سے صبر نہیں کر سکتا کیونکہ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کا حکم دیا تو ان کی بیوی نے عرض کیا کہ وہ تو بوڑھے ہیں روزے نہیں رکھ سکتے تو آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور جب سلمہ بن صخر کو حکم دیا روزوں کا تو انہوں نے عرض کی کہ روزوں ہی کی وجہ سے تو مجھ سے یہ کام ہوا تو آپ نے فرمایا کھانا کھلاؤ آپ نے کھانے کا حکم دے دیا جب انہوں نے یہ خبر دی کے ان میں شہوت زیادہ ہے جس نے انہیں روزہ رکھنے سے روکے رکھا انہی دونوں واقعات پر قیاس کیا جائے گا جو ان کے مشابہ اور ان کے معنی میں ہیں اور یہ جائز نہیں کہ سفر کی وجہ سے روزے سے منتقل ہو جائے۔ کیونکہ سفر اسے روزہ سے عاجز نہیں کرتا اور سفر کے لیے ایک نہایت ہے اس پر وہ ختم ہو جاتا ہے اور یہ اختیاری افعال میں سے ہے اور وہ مرض جس کی وجہ سے روزہ چھوڑ کر کھانے دینا ہے جمہور کے ہاں وہ ہے جس سے شفاء کی امید نہ ہو اور حنابلہ کے ہاں وہ ہے جس سے شفاء کی امید نہ ہو یا اس کا زائل ہونا ممکن ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ...... المجادلۃ: ۵۸/۴

نیز اسے معلوم نہیں کہ اس کی کوئی انتہاء بھی ہے لہٰذا یہ کثیر شہوت ہونے کے مشابہ ہو گیا۔

کھانا کھلانے سے متعلق: طعام کی مقدار کیفیت جنس اور اس کے مستحقین:

کھانے اور طعام کی مقدار...... تمام کفارات کے لیے طعام کی مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کی تین آراء ہیں جو درج ذیل ہیں حنفیہ کی رائے: ہر ایک مسکین کو دو مد دیئے جائیں یعنی گندم کا نصف صاع کھجور اور جو کا ایک صاع صدقۃ الفطر کی طرح ہے مقدار اور مصرف میں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمہ بن صخر کی روایت میں ایک وسق کھجور کھلاؤ اور ایک روایت میں ہے ایک عرق کھجور کا ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور عرق وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے جیسا کہ ابوداؤ کی روایت میں ہے کہ عرق ساٹھ صاع ہے اور صاع (۲۷۵۱ گرام کا ہوتا ہے) مالکیہ کی رائے: کفارہ ادا کرنے والا ساٹھ مسکینوں کو مالک بنائے ہر ایک کو ایک مد اور دو ثلث دے گندم میں سے اگر ہو اس کے علاوہ جو اور چاول وغیرہ جائز نہیں اگر گندم کے علاوہ بوتے ہیں تو پھر جو اس کے برابر ہو بھوک ختم کرنے میں نہ وزن میں اور صبح شام صرف کھانا کھلا دینا کافی نہیں جب تک اس کی مقدار ایک مد اور دو ثلث نہ ہو جائے۔

---

[1] ...... الدر المختار: ۲/۸۰۱ اللباب: ۳/۷۳ القوانين الفقهية: ۲۴۳ الشرح الصغير: ۲/۶۵۴ بداية المجتهد: ۲/۱۱۲ مغنی المحتاج: ۳/۳۶۶ المهذب: ۲/۱۱۲، المغنی: ۷/۳۶۸ غاية المنتهى: ۳/۱۹۷ كشاف القناع ۵/۴۴۵۔

حنابلہ کی رائے: شوافع تمام کفارات میں طعام کی مقدار اور فدیہ روزہ اور صدقہ فطر میں ہر مسکین کو ایک مد گندم یا نصف صاع کھجور یا جو جیسا کہ ابوداؤد میں اوس بن صامت کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مظاہر کو ۱۵ صاع جو دیئے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے لیکن حدیث ہے مرسل اور مد (۶۷۵ گرام کا ہوتا ہے)

طعام کی کیفیت......اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ ❶

حنفیہ کا مذہب......ان کے ہاں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیزیں لفظ طعام یا طعام سے مشروع کی گئی ہیں ان میں اباحت جائز ہے اور جو چیزیں ایتاء اور اداء کے لفظ سے مشروع کی گئی ہیں ان میں تملیک شرط ہے اسی بناء پر کفارات میں اطعام یا تو تملیک سے ہوگا یا صبح شام اباحت سے یا صبح اباحت اور شام کو قیمت یا اس کے برعکس اس شرط کے ساتھ جو اور مکئی کی روٹی کے ساتھ سالن بھی ہو البتہ گندم کی روٹی کے ساتھ سالن شرط نہیں لہٰذا اباحت اور تملیک کو جمع کرنا جائز ہے اس لیے کہ دو جائز چیزوں کو انفرادی طور پر جمع کرنا چاہے وہ تھوڑا کھائیں یا زیادہ اگر اس سے صرف ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن دیا تو بھی جائز ہے لیکن اگر ایک ہی دن میں دیا تو صرف اسی دن کا ادا ہوگا۔ اور حنفیہ کے ہاں ❷ زکاۃ عشر خراج، صدقہ فطر، نذر اور کفارہ میں قیمت دینا بھی جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے ہاں واجب ہونے کے دن کی قیمت معتبر ہے اور صاحبین کے ہاں ادائیگی کے دن کی قیمت اور جانوروں میں ادائیگی کے دن کی قیمت بالاتفاق معتبر ہے اور اس شہر کی قیمت لگائی جائے گی۔
جس میں مال ہو اور دیہاتوں میں اگر ہو تو قریب ترین شہر کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور قیمت دینے کے جواز کا سبب یہ ہے کہ مقصد حاجت پوری کرنا ہے اور یہ قیمت میں پایا جاتا ہے۔

جمہور کا مذہب......مسکینوں میں سے ہر ایک کو واجب مقدار کا مالک بنانا واجب ہے اور صبح شام مقدار واجب یا اس سے کم زیادہ دینا جائز اور کافی نہیں البتہ مالکیہ کے ہاں اگر مقدار پوری ہو جائے تو صبح شام کھانا دینا بھی جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ سے منقول مسکینوں کو دینا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب سے فرمایا حج کے فدیہ میں کھجور کے تین صاع چھ مسکینوں کو کھلاؤ نیز اس لیے بھی کہ یہ مال ہے فقراء کے لیے سے شرعاً واجب ہے لہٰذا اس کی تملیک زکوٰۃ کی طرح واجب ہے اور فقہاء کے ہاں تعداد بھی شرط ہے آیت ظہار کی وجہ سے اگر تیس مسکینوں کو ساٹھ مسکینوں کا کھانا دے دیا تو یہ جائز نہیں شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر ایک مسکین کو دو کفاروں کے دو مد ایک دن میں دے دیئے تو یہ جائز ہے اس لیے کہ واجب مقدار واجب تعداد کو دی گئی ہے جائز ہے جیسا کہ اس کو دو دن میں دو مد دینا اور حنفیہ کے ہاں شرط ہے کہ دینا مکرر ہو اگر ساٹھ مسکینوں کو دو ظہاروں کے بدلے میں ایک ایک صاع گندم دے دی ایک ہی دفعہ تو یہ ایک ظہار کی طرف سے صحیح ہوگی اور اگر کئی دفعہ دی تو جائز ہے اس لیے کہ دوسری مرتبہ وہ دوسرا مسکین ہے۔ اور جمہور کے ہاں کفارہ میں قیمت ادا نہ ہوگی ان نصوص پر عمل کرتے ہوئے جن میں اطعام کا حکم ہے۔
یہ بات تو معلوم ہے کہ شوافع، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اطعام میں تتابع شرط نہیں اگر کھانا کھلانے کے دوران وطی کر لی تو اعادہ لازم نہیں اس لیے کہ ایسی چیز کے دوران وطی کی ہے جس میں تتابع شرط نہیں لہٰذا استیناف واجب نہیں جیسے کہ مظاہر کے علاوہ کوئی اس سے وطی کرے یا جیسے کفارہ قسم میں وطی اطعام صوم سے مختلف ہے مالکیہ کے ہاں طعام اور صوم برابر ہیں لہٰذا دونوں میں تتابع شرط ہے اگر وطی کر لی تو استیناف واجب ہے۔

طعام کی جنس......مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں اطعام میں وہ تمام چیزیں جائز ہیں جو صدقہ فطر میں دینی جائز ہیں یعنی گندم، جو ان کا آٹا، کھجور، کشمش چاہے مظاہر کی یہ اپنی ہوں یا نہ ہوں اور حنابلہ کی ہاں مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ جائز نہیں لیکن اگر یہ اس شہر میں نہ ہوں تو پھر

❶......رواہ احمد وابوداؤد وغیرہ ❷ الکتاب مع اللباب: ۱/۱۷۴، ۷۳/۳/۳۔

مکئی وغیرہ دینا بھی جائز ہے اور یہ جائز نہیں کہ مسکینوں کو صبح شام کھلا دے یا انہیں قیمت دے دے کیونکہ حدیث میں ان اصناف کے نکالنے کا حکم آیا ہے لہٰذا ان کے علاوہ جائز نہیں۔

شوافع کے ہاں پھلوں اور دانوں میں سے وہ واجب ہیں جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے کیونکہ بدن انہی سے مضبوط ہوتے ہیں اور مظاہر کے شہر کی اجناس واجب ہیں کیونکہ زکوۃ میں اس کا مال معتبر ہے نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ......المائدہ: ۵/۸۹

اوسط کا مطلب درمیانہ اور درمیانہ وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہیں اور وہ اپنے شہر کی اجناس میں مالکیہ نے اطعام میں گندم کو واجب کیا ہے اگر اسے خوراک بناتے ہوں لہٰذا اس کے علاوہ جائز نہیں جو مکئی وغیرہ۔ لیکن اگر وہ گندم کے علاوہ کو خوراک بناتے ہوں تو پھر جو اس کے برابر ہو پیٹ بھرنے کے اعتبار سے نہ کہ وزن کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں جو کچھ صدقۃ الفطر میں واجب ہے وہی کفارہ میں بھی واجب ہے اور وہ گندم کھجور، جو اور ان میں سے ہر ایک کا آٹا وزن کے اعتبار سے یعنی گندم کے آٹے کا نصف صاع اور جو کے آٹے کا صاع اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آٹے میں قیمت کا اعتبار ہے نہ کہ وزن کا اور ان اصناف کے علاوہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

طعام کے مستحقین......جمہور کے ہاں کفارہ کے مستحق وہی ہیں جو زکوۃ کے مستحق ہیں مساکین اور فقراء وغیرہ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ......المجادلۃ ۵۸/۴

کافر کو دینا جائز نہیں بلکہ مسکین کا مسلمان ہونا شرط ہے جیسے زکوۃ میں اور بڑوں چھوٹوں کو دینا جائز ہے اگر چہ وہ کھانا بھی سکتے ہوں حنابلہ کے ہاں اس لیے کہ مسلمان ہے محتاج ہے لہٰذا بڑے کے مشابہ ہے لیکن قبضہ بچے کا ولی کرے گا کیونکہ بچے کی طرف سے قبضہ صحیح نہیں اور حنفیہ کے ہاں کفارہ ظہار کے مستحق وہ لوگ ہیں جو صدقہ کفارہ کے مستحق ہیں لہٰذا اپنے اصول وفروع اور زوجین کا ایک دوسرے کو کھلانا جائز نہیں اور ذمی کو کھلانا بھی جائز ہے حربی کو نہیں اگر چہ وہ امان لے کر ہی رہ رہا ہو۔

پانچویں بات: شرط کفارہ......تمام فقہاء کا اتفاق ہے ❶ کہ کفارہ کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے بایں طور کہ وہ آزاد کرنے کی نیت کرے یا روزہ رکھنے یا کھانا کھلانے کی جو اس پر کفارہ کی وجہ سے واجب ہے یعنی نیت کفارہ کے ساتھ یا اس سے کچھ پہلے ہو اس لیے کہ کفارہ مالی حق ہے زکوۃ کی طرح لہٰذا اس کی تطہیر واجب ہے اور اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے۔

چھٹی بات: کفارہ اداء کرنے سے پہلے وطی کرنا......فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرے تو اس نے رب کی نافرمانی کی اور گناہ گار ہوا اور کفارہ اس کے ذمہ بقایا ہے اور اس کے بعد وہ ساقط نہیں ہوتا نہ موت سے نہ طلاق وغیرہ سے الا یہ کہ مالکیہ کے ہاں تین طلاقوں کے بعد اور اس کی بیوی کی حرمت اس پر باقی رہے گی جب تک کہ کفارہ ادا کر دے لیکن دوران کفارہ وطی کرنے کی تاثیر میں اختلاف ہے مالکیہ نے تمام کفاروں میں بات مطلق رکھی ہے ❷ کہ جس شخص نے ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کر لی چاہے وہ غلام آزاد کر رہا تھا روزے رکھ رہا تھا کھانا کھلا رہا تھا اور چاہے وطی دن کو ہو یا رات کو جان بوجھ کر ہو یا بھول کر اگر چہ کھانا کھلانے کے دوران ہی ہوا اور ایک ہی مد باقی ہو تو بھی وہ اسے باطل کر دیتا ہے اور وہ نئے سرے سے کفارہ شروع کرے گا۔ شوافع کے ہاں ❸ اگر مظاہر روزوں کے دوران رات کو جماع کرلے کفارہ مکمل ہونے سے پہلے تو گناہ گار ہوگا اس لیے کہ اس نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کیا ہے اور روزہ کا تتابع ختم

---

❶......الدر المختار ۲/۹۶۲ الشرح الصغیر: ۲/۶۵۰ مغنی المحتاج: ۳/۳۵۹ المهذب: ۲/۱۱۸ المغنی: ۷/۳۸۷ ❷ الشرح الصغیر: ۲/۶۵۱ القوانین الفقهیة ۲۴۲ ❸ المهذب: ۲/۱۱۷

نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کا جماع فرض روزہ میں اثر نہیں کرتا لہٰذا تابع کو بھی منقطع نہ کرے گا جیسے رات کو کھانا اور اسی طرح اگر دوران طعام ایسا کیا تو گزشتہ باطل نہیں ہوتا، حنفیہ اور حنابلہ نے تفصیل کی ہے ❶ اس معاملہ میں کہ اگر مظاہر اپنی بیوی سے روزہ کے دوران وطی کر لے تو گذشتہ روزے فاسد ہو جائیں گے اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے یعنی دو ماہ کے پھر ابتداء سے رکھنے ہوں گے۔

لیکن اگر کھانا کھلانے کے دوران وطی کر لی تو گذشتہ کا اعادہ لازم نہیں صوم اور اطعام میں فرق کا سبب یہ ہے کہ اطعام کے سلسلہ میں نص قرآنی مطلق ہے اور ہاتھ لگانے کی قید موجود نہیں اور غلام آزاد کرنے روزہ رکھنے میں ہاتھ لگانے کی قید ہے۔

پانچواں مقصد: حکم ظہار کی انتہاء.....ظہار یا تو مؤقت ہوگا یا مطلق اور ہمیشہ کے لیے اور ان کا حکم انتہاء کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ❷

(الف).....اگر ظہار مؤقت ہے مثلاً شوہر بیوی سے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے ایک دن یا ایک ماہ ایک سال تو جمہور کے ہاں وقت ختم ہونے پر ظہار ختم ہو جائے گا بغیر کفارہ ادا کرنے کے اس لیے کہ ظہار وقت کے اعتبار سے قسم کی طرح ہے اور مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے اور برعکس طلاق کے ہے کہ اس کے لیے کوئی چیز حلال نہیں ہوتی اس لیے وہ مؤقت نہیں مالکیہ کے ہاں وقت باطل ہو جاتا ہے اور ظہار ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اور کفارہ کے بغیر ختم نہیں ہوتا طلاق پر قیاس کرتے ہوئے جیسے طلاق کی تحریم وقت کا احتمال نہیں رکھتی اسی طرح ظہار کی تحریم بھی ہے۔

(ب).....اگر ظہار ہمیشہ کے لیے یا مطلق ہو تو ظہار کا حکم ختم یا باطل ہو جاتا ہے۔ زوجین میں سے کسی ایک کے مرنے پر کیونکہ حکم ظہار کا محل زائل ہو گیا اور غیر محل میں کسی چیز کے بقا کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اور جمہور کے ہاں ظہار کا حکم طلاق رجعی یا بائن طلاقوں سے باطل نہیں ہوتا اور ابوحنیفہ کے ہاں ارتداد سے بھی لہٰذا اگر اس نے کسی اور شوہر سے نکاح کیا پھر وہ پہلے کے پاس لوٹ آئی تو اس کے لیے کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی حلال نہیں اسی لیے کہ ظہار حکم یعنی حرمت کے ساتھ واجب ہوا ہے لہٰذا اس پر باقی رہے گا اور وہ حرمت کفارہ کے بغیر ختم نہیں ہوتی اور کفارے کا مطالبہ نہ کرنا تو یہ موت سے مکمل ہوتا ہے یا جمہور کے ہاں ❸ فراق سے اگر مظاہرین میں سے کوئی ایک مر گیا یا شوہر نے بیوی کو رجوع سے پہلے فارغ کر دیا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کی وجہ سے کفارہ واجب کیا ہے ظہار اور رجوع سے لہٰذا ایک سے ظہار ثابت نہ ہوگا نیز ظہار میں کفارہ کفارہ یمین ہے لہٰذا حانث ہونے سے پہلے واجب نہ ہوگا باقی قسموں کی طرح اور اس میں حانث ہونا وطی کا عزم کرنا ہے۔ امام شافعی کے ہاں اگر مظاہر نے بیوی سے ظہار کے بعد اتنا عرصہ روکے رکھی جس میں اسے طلاق دے سکتا تھا اور طلاق نہ دی تو اس پر کفارہ ہے کیونکہ یہی ان کے ہاں رجوع ہے۔

دسویں بحث: مرتد ہونے کی وجہ سے یا زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے کی وجہ سے تفریق

ارتداد کا اثر......جب زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس میں بغیر طلاق کے ہی تفریق ہو جاتی ہے شیخین کے ہاں اور قاضی کی تفریق کی بھی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان کے نکاح فسخ ہو جائے گا اور مالکیہ کے ہاں مشہور قول ہے کہ ارتداد کی وجہ سے ہونے والی تفریق طلاق ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں عدت کے گذرنے تک فسخ نکاح موقوف رہے گا اگر عدت گذرنے سے پہلے پہلے مرتد اسلام میں داخل ہو گیا تو ان کا نکاح باقی ہے اور اگر عدت گذر گئی اور وہ اسلام نہ لایا تو بیوی جائز ہو جائے گی اور جعفریہ کی رائے یہ ہے کہ دخول سے پہلے کسی ایک کا مرتد ہونا فی الحال ہی نکاح کو فسخ کر دیتا ہے اور دخول کے بعد عدت کے خاتمہ تک موقوف ہے۔

۱......اگر شوہر مرتد ہوا اور اپنی بیوی سے ہمبستری کر چکا تھا تو عورت کو پورا مہر ملے گا کیونکہ ہمبستری سے مہر پختہ ہو گیا لیکن اگر دخول نہیں

---

❶......الدر المختار: ۲/ ۸۰۰ المغنی: ۷/ ۳۶۷، ۳۸۳۔ ❷ البدائع: ۳/ ۲۳۵ ❸ المغنی: ۷/ ۳۵۱ وما بعدها۔

ہوا تھا تو عورت کے لیے نصف مہر ہے کیونکہ یہ تفریق شوہر کی طرف سے ہوئی ہے دخول سے پہلے لہٰذا اس سے مہر نصف ہوگا اور اگر عورت مرتد ہوگئی ہے اور یہ ارتداد دخول سے پہلے ہوا تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں کیونکہ اس نے مرتد ہو کر معقود علیہ سے روک دیا یہ ایسے ہی ہوگئی جیسے بائع مبیع کو قبضہ سے پہلے تلف کر دے اور اگر ارتداد دخول کے بعد ہوا تو اس کے لیے کامل مہر ہوگا اس لیے کہ دارالاسلام میں دخول حد یا مہر سے خالی (عقر حکماعقر (مہر) نہیں ہوتا۔

۲.....اگر دونوں اکٹھے مرتد ہو گئے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ پہلے کون ہوا پھر دونوں اکٹھے اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ دونوں استحاناً اپنے سابقہ نکاح پر ہیں کیونکہ دینیوں کا اختلاف نہ ہوا❶ اور یہ جائز نہیں کہ مرتد کسی مسلمان کافرہ یا مرتدہ عورت سے نکاح کرے کیونکہ وہ قتل کا مستحق ہے اور اسی طرح مرتدہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کافر یا مرتد مرد سے نکاح کرے اس لیے کہ یہ حنفیہ کے ہاں قید رہے گی سوچ بچار کے لیے۔❷

اسلام کا اثر .....جب عورت اسلام قبول کرے اور اس کا شوہر کافر ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آیا تو وہ اس کی بیوی ہی ہوئی کیونکہ نکاح کے منافی کوئی چیز پیش نہیں آئی اگر اس نے اسلام سے انکار کر دیا تو قاضی ان میں تفریق کروا دے گا کیونکہ مسلمان عورت کا کافر کے پاس رہنا جائز نہیں اور یہ تفریق طرفین کے ہاں طلاق بائن ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں یہ تفریق ہے بغیر طلاق کے ❸ اگر مجوسیہ کا شوہر اسلام قبول کرے تو عورت پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اسلام لے آئی تو اس کی بیوی ہوگی اگر اسلام سے انکار کر دیا تو قاضی ان میں تفریق کرادے گا اس لیے کہ مجوسی عورت سے نکاح مطلقاً حرام ہے اور یہ تفریق طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ تفریق عورت کی جانب سے ہے اور عورت طلاق کی اہل نہیں اور اگر شوہر اس سے دخول کر چکا تھا تو اس کے لیے مقرر مہر ہے کیونکہ دخول سے وہ مؤکد ہو گیا لہٰذا تفریق کے بعد ساقط نہ ہوگا لیکن اگر دخول نہ کیا تھا تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں کیونکہ تفریق عورت کی جانب سے ہوئی دخول سے پہلے۔❹

۳.....جب عورت دارالحرب میں اسلام قبول کرے تو ان میں تفریق اس وقت تک نہ ہوگی جب تک وہ عدت نہ گذارے اگر حیض والی ہے تو تین حیض اور اگر مہینوں کے حساب سے گزارنے والی ہے تو تین مہینے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور یہ اس کی عدت ہے کیونکہ اس کے شوہر کے اسلام کی امید ہے اور اس پر اسلام پیش کرنا متعذر ہے لہٰذا یہ طلاق رجعی کے درجہ میں ہے لہٰذا جب عدت ختم ہوگئی تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گا ❺ لیکن اگر زوجین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر کے درالحرب سے دالاسلام میں آ جائے تو حنفیہ کے ہاں تفریق واقع ہو جائے گی ❻ کیونکہ حقیقت اور حکم کے اعتبار سے اختلاف دارین ہے اور اختلاف دارین زوجیت کے نظام کے منافی ہے جیسے محرم سے قربت کی وجہ سے شافی ہے۔ جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے انہوں نے اختلاف دارین کی وجہ سے تفریق کا حکم نہیں لگایا اس لیے کہ اختلاف داریں کا اثر ولایت کے انقطاع پر ہے (یعنی اس کے اپنے نفس اور مال سے اس کی ملکیت ختم ہوگئی) نہ کہ فرقت واقع ہونے کی وجہ سے جیسے حربی اور مستامن جو ہمارے دار میں امان لے کر آیا ہو یا مسلمان مستامن جو دارالحرب میں گیا ہو امان لے کر تو اس سے تفریق نہیں ہوتی۔

۴.....جب کتابیہ کا شوہر اسلام قبول کر لے تو وہ اپنے نکاح پر باقی ہیں اس لیے کہ اصل کے اعتبار سے ابتداء ان میں نکاح درست لہٰذا نکاح کا ان میں باقی رہنا بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔

---

❶.....الکتاب مع اللباب: ۲۸/۳ المغنی: ۳۶۹/۶ القوانین الفقھیة ص ۱۹۶ شرح الرسالة ۴۶/۲، ۴۷ ❷الکتاب المرجع السابق فتح القدیر: ۵۰۵/۲ ❸الکتاب مع اللباب ۲۶/۳ فتح القدیر: ۵۰۷/۲ القوانین الفقھیة ص: ۱۹۶ شرح الرسالة ۴۶/۲، ۴۷ ❹اللباب: ۲۶/۳، ❺ اللباب: ۲۷/۳ فتح القدیر: ۵۰۸/۲ وما بعدھا ❻المبسوط: ۵۰/۵ البحر الرائق ۲۱۳/۳،

ہے طلاق کی عدت کے سلسلہ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء (البقرة ۲/۲۲۸) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور وفات کی عدت کے سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ...... البقرة ۲/۲۳۴

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں۔

اور چھوٹی، آئسہ (یعنی جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو) اور حاملہ کی عدت کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...... الطلاق ۶۵/۴

تمہارے عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت مہینے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے بچے کا پیدا ہو جانا ہے۔

اور سنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی عورت کے لئے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے جائز نہیں کہ وہ موت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے الا یہ کہ وہ عورتیں جن کے شوہر فوت ہوں چار ماہ اور دس دن وہ سوگ منائیں۔ (1) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاطمہ بنت قیس کو حکم دینا کہ وہ ابن ام کلثوم کے پاس عدت گذاریں (2) اور رہ گیا اجماع تو پوری امت کا وجوب عدت پر اجماع ہے البتہ اس کی انواع واقسام میں اختلاف ہے۔

کیا مرد پر بھی عدت ہے؟...... اصطلاحی طور پر تو مرد پر عدت نہیں بلکہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تفریق کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر لے جب تک کوئی شرعی مانع موجود نہ ہو جیسے نکاح کرنا ان سے جن کا جمع کرنا اس کے لئے اپنی پہلی بیوی اور اس کے محارم کے ساتھ جائز نہیں جیسے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ، بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی اگر چہ نکاح فاسد ہی ہو اور یا شبہ کا عقد ہی ہو، اور چوتھی عدت کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا، اور تین طلاق والی عورت سے نکاح کرنا حلالہ سے پہلے۔ (3)

غیر مسلمہ عورت کی عدت...... غیر مسلمہ عورت پر عدت کے وجوب کے سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں غیر مسلمہ عورت پر عدت واجب نہیں چاہے وہ ذمیہ ہو یا حربیہ جب تک وہ اپنے دین کی معتقد ہو کہ اس پر عدت نہیں الا یہ کہ عورت کتابیہ ہو اور مسلمان کے نکاح میں ہو تو اس پر تفریق کی وجہ سے عدت واجب ہے۔ شوہر کے حق کی رعایت کرتے ہوئے اس لئے کہ عدت اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہے، اور کتابیہ حقوق العباد کی مخاطب ہیں اس پر عدت واجب ہوگی اور اس پر شوہر اور بچے کے حق کی وجہ سے جبر کیا جائے گا اختلاط نسب سے روکنے کی وجہ سے۔ اگر کوئی شوہر مسلمان ہو کر آجائے اور اپنی بیوی کو دار الحرب میں چھوڑ آئے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر عدت نہیں اس لئے کہ اختلاف دارین کی حالت میں زوجین کا ایک دوسرے پر کوئی حق نہیں نیز اس لئے بھی کہ اسلامی احکام اہل ذمہ پر تو منطبق ہوتے ہیں لیکن حربیوں پر نہیں۔ جمہور اور صاحبین کے ہاں ذمی عورت پر بھی عدت واجب ہے چاہے وہ مسلمان کے نکاح میں ہو یا کافر کیونکہ عدت والی آیت عام ہے۔

عدت کی حکمت...... یا تو یہ کہ رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جائے یا تعبدی طور پر شوہر پر دکھی ہونے کے لئے ہے۔ یا شوہر کو اتنی فرصت دینا

---

(1) ...... رواہ البخاری و مسلم عن ام سلمة وفی لفظ آخر عندھا لایحل لامرأة مسلمة تومن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد فوق ثلاثة ایام الا علی زوجھا اربعة اشھر وعشرًا (نیل الاوطار ۶/۲۹۲) والاحداد منع المعتدة نفسھا الزینة وبدنھا الطلب ومنع الخطاب خطبتھا.
(2) رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی ومسلم بمعناہ عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ (نیل الاوطار ۶/۳۰۲) (3) ردالمحتار ۲/۸۲۳

ہے طلاق کی عدت کے سلسلہ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء (البقرة ۲/۲۲۸) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور وفات کی عدت کے سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ...... البقرة ۲/۲۳۴

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں۔

اور چھوٹی، آئسہ (یعنی جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو) اور حاملہ کی عدت کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...... الطلاق ۶۵/۴

تمہارے عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت مہینے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے بچے کا پیدا ہو جانا ہے۔

اور سنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی عورت کے لئے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے جائز نہیں کہ وہ موت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے الا یہ کہ وہ عورتیں جن کے شوہر فوت ہوں چار ماہ اور دس دن وہ سوگ منائیں۔ (۱) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاطمہ بنت قیس کو حکم دینا کہ وہ ابن ام کلثوم کے پاس عدت گذاریں (۲) اور رہ گیا اجماع تو پوری امت کا وجوب عدت پر اجماع ہے البتہ اس کی انواع واقسام میں اختلاف ہے۔

کیا مرد پر بھی عدت ہے؟...... اصطلاحی طور پر تو مرد پر عدت نہیں بلکہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تفریق کے بعد دوسری عورت سے نکاح کرلے جب تک کوئی شرعی مانع موجود نہ ہو جیسے نکاح کرنا ان سے جن کا جمع کرنا اس کے لئے اپنی پہلی بیوی اور اس کے محارم کے ساتھ جائز نہیں جیسے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ، بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی اگر چہ نکاح فاسد ہی ہوا ور یا شبہ کا عقد ہی ہو، اور چوتھی عدت کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا، اور تین طلاق والی عورت سے نکاح کرنا حلالہ سے پہلے۔ (۳)

غیر مسلمہ عورت کی عدت...... غیر مسلمہ عورت پر عدت کے وجوب کے سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں غیر مسلمہ عورت پر عدت واجب نہیں چاہے وہ ذمیہ ہو یا حربیہ جب تک وہ اپنے دین کی معتقد ہو کہ اس پر عدت نہیں الا یہ کہ عورت کتابیہ ہو اور مسلمان کے نکاح میں ہو تو اس پر تفریق کی وجہ سے عدت واجب ہے۔ شوہر کے حق کی رعایت کرتے ہوئے اس لئے کہ عدت اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہے، اور کتابیہ حقوق العباد کی مخاطب ہیں اس پر عدت واجب ہوگی اور اس پر شوہر اور بچے کے حق کی وجہ سے جبر کیا جائے گا اختلاط نسب سے روکنے کی وجہ سے۔ اگر کوئی شوہر مسلمان ہو کر آجائے اور اپنی بیوی کو دار الحرب میں چھوڑ آئے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر عدت نہیں اس لئے کہ اختلاف دارین کی حالت میں زوجین کا ایک دوسرے پر کوئی حق نہیں نیز اس لئے بھی کہ اسلامی احکام اہل ذمہ پر تو منطبق ہوتے ہیں لیکن حربیوں پر نہیں۔ جمہور اور صاحبین کے ہاں ذمی عورت پر بھی عدت واجب ہے چاہے وہ مسلمان کے نکاح میں ہو یا کافر کیونکہ عدت والی آیت عام ہے۔

عدت کی حکمت...... یا تو یہ کہ رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جائے یا تعبدی طور پر شوہر پر دکھی ہونے کے لئے ہے۔ یا شوہر کو اتنی فرصت دینا

---

(۱)...... رواه البخاری و مسلم عن ام سلمة وفی لفظ آخر عندھا لایحل لامرأة مسلمة تومن بالله والیوم الاخر ان تحد فوق ثلاثة ایام الا علی زوجها اربعة اشهر وعشرًا (نیل الاوطار ۶/۲۹۲) والاحداد منع المعتدة نفسها الزینة وبدهنا الطلب ومنع الخطاب خطبتها.

(۲) رواه احمد و ابوداؤد والنسائی ومسلم بمعناه عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبه (نیل الاوطار ۶/۳۰۲) (۳) ردالمحتار ۲/۸۲۳

ہے طلاق کے بعد کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو واپس کرے اور طلاق بائن اور فساد نکاح کی وجہ سے تفریق میں عدت استبراء رحم سے ہوتی ہے تا کہ حمل کا علم ہو جانے اور نسب مختلط نہ ہو، اگر حمل موجود ہوا تو عدت وضع حمل کے ساتھ ختم ہوگی کیونکہ عدت سے جو ہدف مقصود تھا وہ پایا گیا اور اگر دخول کے بعد محل نہ ہو تو بھی عورت پر انتظار واجب ہے رحم کو صاف کرنے کے لئے حتیٰ کہ وفات کے بعد ہی اور اس کے مقاصد میں سے اظہار افسوس کرنا ازدواجی نعمت پر عورت کی شہرت اور بزرگی وغیرہ کو لوگوں کی بات چیت کا نشانہ بننے سے بچانا ہے کہ وہ صبح شام گھر سے نہ نکلے صرف جدائی سے، اگر چہ صرف پہلے ہی حیض سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ طلاق رجعی میں عدت کا مقصد ہوتا ہے کہ شوہر کو دوران عدت بیوی سے رجوع کا حاصل ہو، غضب ختم ہونے پر، اور یہ اسلام کی تحریض کی وجہ سے ہے کہ رابطۂ زوجیت باقی رہے اور اس کی تعظیم باقی رہے۔ جیسے نکاح گواہوں کے بغیر نہیں ہوسکتا اسی طرح طویل عدت انتظار کے بغیر ختم بھی نہیں ہوسکتی، اور وفات کی جدائی میں عدت کا مقصد ازدواج کی نعمت کی یاد بانی ہے، اور شوہر اور اس کے اقارب کے حق کی رعایت ہے اور اس کے کھو جانے کے تاثر کا اظہار ہے۔ اور عورت کی وفاء کا جاری رہنا ہے اور اس کی شہرت اور بزرگی کی حفاظت تا کہ لوگ اس کے بارے میں بات نہ کریں، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❶ عدت کا سب سے بڑا مقصد شوہر کے حق کی حفاظت ہے نہ کہ برأت کی معرفت، اسی وجہ سے وفات کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہے، اور وہ عورت جس سے دخول نہیں ہوا اس پر بھی عدت وفات لازم ہے تعبدی طور پر شوہر کے حق کی رعایت کے لئے اور معانی عورت پر منطبق ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ بڑی عمر کی ہو اور دوسرے شوہر کی امید نہ بھی ہو تب بھی عدت ہے۔

عدت واجب ہونے کا سبب...... فی الجملہ دو وجہوں سے عدت واجب ہوتی ہے، طلاق یا موت اور فسخ طلاق کی طرح ہے۔ ❷ اور یہ بالاتفاق دخول کے بعد ہے نکاح صحیح فاسد یا شبہ کی وطی میں یا زائد ذکر کو داخل کرنے کے بعد کو یا شوہر کا منی کو داخل کرنا اس لئے کہ یہ بچہ کے زیادہ قریب ہے خالی دخول سے، اور وہ رحم کی برأت کی محتاج ہے اور جمہور کے یہاں شوافع کے علاوہ خلوت صحیحہ کے بعد مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں زمانے بعد بھی عدت واجب ہے اس بنا پر درج ذیل اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے عدت واجب ہوگی۔

۱...... نکاح صحیح فاسد میں دخول کے بعد تفریق سے عدت واجب ہے، یا خلوت صحیح کے بعد جمہور کے ہاں چاہے تفریق زندگی میں ہوئی ہو طلاق، یا فسخ کے ذریعے یا وفات کی وجہ سے اگر نکاح فاسد ہو جیسے پانچویں نکاح کرنا یا معتدہ سے نکاح کرنا تو ان میں دخول حقیقی کے بغیر عدت واجب نہیں اور جمہور کے ہاں خلوت سے ان میں واجب نہیں اور مالکیہ کے ہاں نکاح فاسد میں بھی خلوت کے بعد عدت واجب ہے جیسے دخول حقیقی میں واجب ہے، اس لئے کہ خلوت میں جماع کی گمان ہے۔

اور جمہور کی دلیل خلوت سے عدت کی وہ روایت ہے جو احمد اور اثرم نے زرارہ بن اوفی سے روایت کی ہے خلفاء راشدین نے فیصلہ دیا ہے ان کے بارے میں کہ جس نے دروازہ بند کیا پردہ لٹکا لیا تو مہر بھی واجب ہے اور عدت بھی۔ اور شوافع کے ہاں جدید قول کے مطابق صرف خلوت سے جس میں وطی نہ ہوئی ہو عدت واجب نہیں سابقہ آیت کے مفہوم کی وجہ سے۔

۲...... اور بالاتفاق وطی شبہ کی صورت میں ہونے والی تفریق میں بھی عدت واجب ہے جیسے نکاح فاسد کی موطوءہ اس لئے کہ وطی شبہ سے ہوئی اور نکاح فاسد ہے جیسے نکاح صحیح میں وطی کہ رحم مشغول ہوتا ہے اور نسب وطی کرنے والے سے لاحق ہوتا ہے پس برأت حاصل ہونے کا یہ بھی مثل ہے، تا کہ نسب مختلط نہ ہوں اور وطی کی مثال کہ عدت پہلی رات شوہر کے علاوہ کے پاس گذرے اور عورتیں شوہر سے کہیں کہ یہ تیری بیوی ہے۔ وہ ان کی بات پر اس سے دخول کرے پھر ظاہر ہوا کہ یہ اس کی بیوی نہیں تھی سابقہ دو سببوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے میں وجوب عدت میں کوئی فرق نہیں آتا چاہے تفریق طلاق کی وجہ سے ہو یا فسخ کی وجہ سے، ہر وہ تفریق جو زوجین میں ہو اس کی عدت طلاق والی

❶...... مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۵، کشاف القناع ۵/ ۴۷۶ ❷ البدائع ۳/ ۱۹۱، الدر المختار ۲/ ۸۲۴، الشرح الصغیر ۲/ ۶۷۱، القوانین الفقهية ۲۳۵، المهذب ۲/ ۱۴۱، المغنی ۷/ ۴۴۹، کشاف القناع ۵/ ۴۷۶۔

عدت ہے چاہے وہ تفریق خلع ہو یا لعان، ہو یا عیب کی وجہ سے فسخ، تنگدستی ہو یا عتاق، اختلاف دارین ہو یا کچھ اور اس طرح کوئی فرق نہیں کہ وہی حلال طریقے سے ہوتی ہو یا حرام جیسے حائضہ سے وطی حج اور عمرہ کے احرام میں وطی اور چاہے وطی فرج میں ہو یا دبر میں اور حکم برابر ہے چاہے وطی کرنے والا عاقل ہو یا نہ، مختا ہو یا نہ، اپنے ذکر پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کے کرے یا بغیر لپیٹے بالغ ہو یا بچہ۔ اور عدت نہیں ہے دخول سے پہلے نص قرانی کی وجہ سے۔

۳..... اور بالاتفاق شوہر کی وفات کے بعد بھی عدت واجب ہے جبکہ نکاح صحیح ہوا ہو اور اگرچہ وفات قبل الدخول ہی کیوں نہ ہوئی ہو اور چاہے بیوی چھوٹی سی کیوں نہ ہو یا وہ بچے کی بیوی ہی ہو اگرچہ بچہ دودھ پیتا ہو یا ممسوح کی بیوی ہو کیونکہ اگر آیات قرآنیہ مطلق ہیں مثلاً:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا الخ .... البقرۃ ۲/ ۲۳۴

۴..... مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں زانیہ عورت پر بھی عدت واجب ہے کیونکہ وہ وطی بھی رحم کی مشغولیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا اس کی وجہ سے بھی عدت واجب ہے، جیسے شبہ کی وجہ سے وطی، ان کے علاوہ آئمہ واجب جیسا نہیں قرار دیتے کیونکہ عدت نسب کی حفاظت کے لئے ہے اور زانی سے نسب ثابت اور ملحق نہیں ہوتا زنا کی وجہ سے۔

عدت کا رکن..... حنفیہ نے وضاحت کی ہے۔ ❶ رکن عدت کے بارے میں کہ عورت التزام کرے ان محرمات کا جو ثابت ہیں عدت کی وجہ سے کہ اس پر ان کی مخالفت حرام ہے۔ جیسے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی حرمت، اور شوہر کے گھر سے نکلنے کی حرمت جس گھر میں طلاق ہوتی ہے، اور عدت میں طلاق کا صحیح ہونا مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح کی حرمت دوران عدت وغیرہ۔

دوسری بحث: عدت کی اقسام اور مقدار..... عدت کی تین قسمیں ہیں ❷ حیض یا طہر کے ذریعہ عدت مہینوں کے ذریعہ عدت اور وضع حمل کے ذریعہ عدت، اور عدت گذارنے والیوں کی چھ قسمیں ہیں۔ ❸ حاملہ، وہ جن کے شوہر فوت ہو گئے ہوں، اور حیض والیاں جن کی زندگی میں تفریق ہوگئی ہو، وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آتا چھوٹے ہونے کی وجہ سے یا بہت عمر ہونے کی وجہ سے اور تفریق بھی زندگی میں ہوتی ہو، جن کا حیض ختم ہو گیا ہو اور سبب معلوم نہ ہو، اور مفقود کی بیوی۔ اور طلاق کی عدت کی تین قسمیں ہیں۔ ❹ حیض والیوں کے لئے تین حیض، حاملہ کے لئے وضع حمل، اور آئسہ اور چھوٹی بچیوں کے لئے تین ماہ۔

قروء کا مقصد..... لفظ قرء لغوی اعتبار سے طہر اور حیض میں مشترک ہے، اور اس کی جمع اقراء اور قروء آتی ہے اور قروء کی تفسیر میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ ❺ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے: قرء سے حیض مراد ہے اس لئے کہ حیض رحم کی صفائی کی پہچان ہے، اور عدت سے بھی یہی مقصود ہے، جو چیز رحم کی صفائی پر دلالت کرتی ہے وہ حیض ہے نہ کہ طہر، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ .... الطلاق ۶۵/ ۴

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔ حیض نہ ہونے کی وجہ سے عدت مہینوں سے گزارنے کا حکم ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ اصل حیض ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيدا طيباً .... المائدۃ ۵/ ۶

اور شریعت میں لفظ قرء کا استعمال حیض ہی کے معنی میں مستعمل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے لئے فرمایا: اقراء کے دنوں میں

---

❶..... الدر المختار ۲/ ۸۲۵۔ ❷ البدائع ۳/ ۱۹۱ ومابعدها ❸ كشاف القناع ۵/ ۴۷۸، غاية المنتهى ۳/ ۲۰۹، ۲۱۴۔ ❹ القوانين الفقهية ص ۲۳۵۔ ❺ الكتاب للقدرى مع اللباب: ۳/ ۸۰ القوانين الفقهية ص ۲۳۵، مغنى المحتاج ۳/ ۳۸۵، المغنى ۷/ ۴۵۲

نماز چھوڑ دے۔ ❶ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعبیر کرنے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت میں اقراء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بن ابوقبیس کے لئے فرمایا۔ دیکھو جب تمہیں قروء آئے تو نماز نہ پڑھنا اور جب تمہارا قرو گذر جائے تو پاکی حاصل کرو پھر ایک دفعہ سے دوسرے قرء تک نماز پڑھو ❷ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ ❸ جب باندی کی عدت حیض کے اعتبار سے ہے تو آزاد عورت کی عدت بھی اسی طرح ہے۔

نیز ظاہری طور پر فرمان باری ہے:

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوٓءٍ ...... البقرة ۲/ ۲۲۸

تین کامل انتظار کا وجوب ہے اور جنہوں نے قرو کو طہر میں شمار کیا تو ان کے ہاں تین واجب نہیں ہوتے اس لئے کہ اس میں دو طہر اور تیسرے کا کچھ حصہ کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ظاہر نص کے خلاف ہے، اور جنہوں حیض قرار دیا انہوں نے تین کامل واجب قرار دیئے اور یہ ظاہر نص کے موافق ہے لہٰذا مخالفت سے موافقت اولیٰ ہے۔ نیز عدت استبراء ہے لہٰذا حیض سے ہوگی جیسے باندی کا استبراء نیز اسبراء حمل سے رحم کے خالی ہونے کی معرفت کے لئے ہے اور اس پر دلالت کرنے والا حیض ہے لہٰذا واجب ہے کہ استبراء بھی اسی کے ذریعہ سے ہو۔

مالکیہ اور شوافع کی رائے ہے کہ قرء طہر ہے اس لئے کہ اللہ نے ثلاثہ کے عدد میں تاء کو ساتھ رکھا ہے لہٰذا اس کی دلالت اس پر ہے کہ معدود مذکر ہونا چاہئے اور وہ طہر ہے نہ کہ حیض، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی عدت کے وقت میں انہیں طلاق دو اور حیض کے دوران طلاق حرام ہے جیسا کہ عدت بدعی کی بحث میں گذرا لہٰذا اجازت طہر کے زمانہ کی طرف پھرے گی اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آیت کا معنی ہے عدت کے استقبال میں ایسا کرو۔ نیز لفظ قرء جمع سے مشتق ہے اور قرء کی اصل اجتماع ہے اور طہر کے وقت میں خون رحم میں جمع ہوتا ہے اور حیض میں رحم سے نکلتا ہے اور جو اشتقاق کے موافق ہو اس کا اعتبار مخالفت سے اولی ہے۔ اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ جب اس نے طہر میں طلاق دی تو دوسرے کی رائے کے مطابق عدت تیسرے حیض کے آنے پر ختم ہو جائے گی اس لئے کہ وہ طہر جس میں طلاق ہوگی ہے وہ شمار کیا جائے گا اور پہلے فریق کی رائے کے مطابق جب تک تیسرے حیض سے نہ نکلے عدت ختم نہ ہوگی، اور حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ‘شوہر کے لئے بیوی سے رجوع کرنا حلال ہے جب تک تیرے حیض سے وہ غسل نہ کرے یہ پہلے فریق کی رائے کی تائید کرتی ہے۔

میرے ہاں بھی پہلی رائے راجح ہے کیونکہ یہ واقع اور عدت کے مقصود سے متفق ہے اور عورتیں معمول کے اعتبار سے تین مرتبہ حیض کے آنے کے انتظار میں رہتی ہیں یہی عدت کے ختم ہونے کے لئے مقرر ہے۔ اور رحم کی صفائی سوائے حیض کے معلوم نہیں ہوتی، جب عورت کو حیض آ گیا تو معلوم ہو گیا کہ وہ حاملہ نہیں اور اگر طہر ہی رہا تو غالباً حمل کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اور نیشاپوری نے امام احمد سے روایت کی ہے میں کہتا تھا کہ وہ طہر ہیں لیکن آج میرا مذہب یہ ہے کہ یہ اقراء حیض ہیں، اور ان کا اپنی رائے سے رجوع قوی ترین مرجحات کی وجہ سے ہے۔

عدت کی اقسام میں سے ہر قسم کی شرائط اور اسباب ❹ ...... ہم جان چکے کہ عدت کی تین قسمیں ہیں: حیض کی عدت، مہینوں کی عدت، اور وضع حمل کی عدت۔

پہلی بات: حیض کی عدت ...... اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے اہم ترین تین ہیں:

---

❶ ...... رواه ابوداؤد والنسائي وروى ابن ماجه عن عائشة قالت، امرت بريرة أن تقتد بثلاث بعض وقال عليه الصلوٰة والسلام تجلس أمام أقرأتها (الطرتيل الاوقار ٦/ ٢٩٠) ❷ رواه النسائي وفيه منكر الحديث، ورواه ايضاً ابن ماجه ❸ رواه ابوداؤد وغيره ❹ البدائع ٣/ ١٩١، مغني المحتاج ٣/ ٣٨٨۔

ا.....نکاح صحیح میں تفریق ہے طلاق سے ہو یا بغیر طلاق اور یہ عدت رحم خالی کرنے کے لئے واجب ہے اور اس کے ذریعہ رحم میں بچہ نہ ہونے کا پتا چلتا ہے اور اس کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ عورت سے دخول ہوا ہو یا جو کام دخول کے قائم مقام ہے یعنی خلوت صحیحہ شوافع کے علاوہ کے ہاں نکاح صحیح میں نہ کہ فاسد میں حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اور مالکیہ کے ہاں نکاح فاسد میں بھی ایسے ہی حکم ہے۔لہٰذا یہ عدت دخول یا خلوت صحیحہ کے بغیر واجب نہیں۔

۲.....نکاح فاسد میں تفریق قاضی کی طرف سے ہوئی ہو یا متارکت کے ساتھ اور مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں اس کی شرط دخول ہے اور مالکیہ کے ہاں نکاح فاسد کے بعد بھی خلوت صحیحہ میں عدت واجب ہے۔

۳۔**عقد کے شبہ سے وطی**......بایں طور کہ مرد کا اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شب زفاف گزارنا، اور وہ اس سے وطی بھی کر لے، اس لئے کہ احتیاط کی حالت میں شبہ حقیقت کے قائم مقام ہے۔اور عدت کا وجوب احتیاط میں سے ہے۔

دوسری بات: مہینوں کے ذریعہ عدت......اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم جو حیض کے بدلہ میں واجب ہے اور ایک قسم جو اصل کے اعتبار سے واجب ہے۔ وہ عدت جو حیض کے بدل کے طور پر مہینوں کے حساب سے واجب ہے وہ چھوٹی بچی اور آئسہ کی عدت ہے اور وہ عورت جسے بالکل حیض ہی نہیں آتا۔طلاق کے بعد، اس کے وجوب کا سبب طلاق ہے تاکہ دخول کے اثر کا حال معلوم ہو، اور وہی وجوب عدت کا سبب ہے۔اس کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک چھوٹا ہونا یا بڑا ہونا، بالکل حیض کا نہ ہونا اور دوسری چیز دخول یا خلوت صحیح کا ہونا نکاح صحیحہ میں اور مالکیہ کے ہاں فاسد میں بھی۔

مہینوں کے اعتبار سے اصلی عدت......وہ وفات کی عدت ہے اور اس کے وجوب کا سبب وفات اور ازدواج کی نعمت فوت ہونے کے غم کا اظہار ہے، اور اس کے وجوب کی شرط فقط نکاح صحیح ہے، یہ عدت واجب ہوگی اس متوفی عنہا زوجہا پر جس کا نکاح صحیح ہوا ہو چاہے وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا اور چاہے اسے حیض آتا ہو یا حیض نہ آتا ہو۔

تیسری بات: حمل کی عدت......وہ مدت حمل ہے، اور اس کے واجب ہونے کا سبب تفریق اور وفات ہے تاکہ نسب مخلوط نہ ہو اور آدمی دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرنے والا نہ ہو۔اور اس کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ حمل نکاح صحیح یا فاسد کا کیونکہ نکاح فاسد میں وطی عدت کو واجب کرتی ہے اور حنفیہ اور شوافع کے ہاں یہ عدت زنا سے حاملہ پر نہیں کیونکہ زنا سے عدت واجب نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی شخص اس عدت سے نکاح کرے اور وہ زنا سے حاملہ ہو تو یہ نکاح طرفین کے ہاں جائز ہے لیکن اس عورت سے وضع حمل سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں، تاکہ غیر کی کھیتی کو پانی پلانے والا نہ ہو اور شوافع نے حاملہ زنا سے وطی بھی جائز کی ہے

عدت گذرانے والیوں کی عدت کی مقدار:

ا۔**حاملہ کی عدت**......یہ فوت یا طلاق کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور بالاتفاق وضع حمل سے ختم ہوتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ......الطلاق ۶۵/۴

یعنی ان کی عدت کا ختم ہونا وضع حمل ہے، اور حاملہ کے رحم کی صفائی وضع حمل کے بغیر حاصل نہیں ہوگی پس جب عورت حاملہ ہو اس کے شوہر نے طلاق دے دی یا اس کا شوہر مر گیا اس کی عدت تو وضع حمل ہے اگرچہ وفات کے بعد تھوڑا عرصہ ہی کیوں نہ ہوا ہو اس دلیل کے ساتھ ربیعہ بن حارث کا شوہر فوت ہو گیا اور وہ حاملہ تھیں پھر شوہر کی وفات کے دس دنوں کے بعد بچہ جنا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو

آپ نے فرمایا: نکاح کرلو، اور ایک روایت میں ہے۔

کہ آپ نے مجھے فتویٰ دیا کہ جب میرا حمل وضع ہوگیا تو میں حلال ہوگئی اور مجھے نکاح کا حکم دیا اگر میں مناسب سمجھوں تو ❶ اسی بنا پر حاملہ جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو کی عدت بھی وضع حمل ہے۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ...... الطلاق ۶۵/ ۴

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو چاہے میں اس مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ سورۃ النساء قصریٰ (الطلاق) سورت بقرہ کی آیت نازل ہونے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ❷ اور بزار کی روایت میں ہے جو چاہے میں اس پر حلف کرتا ہوں کہ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یہ آیت آیت متوفی کے بعد نازل ہوئی اور جب اس نے حمل جن لیا تو وہ حلال ہوگئی اور وضع حمل کے ساتھ عدت کے ختم ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط جمہور کے ہاں تمام حمل کا پیدا ہونا ہے سارے کا جدا ہونا ہے دو جڑواں میں سے ایک ہی پیدا ہونے سے عدت ختم نہ ہوگی اور نہ ہی بچے کے کچھ حصے کے جدا ہونے سے، اور مالکیہ کے ہاں عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ جمع شدہ خون کا لوتھڑا ہی پیدا ہوا اور حنابلہ وشوافع کے ہاں ضروری ہے کہ وہ عمل جس سے عدت ختم ہوگی ایسا ہو کہ اس میں انسانی خلقت میں سے کوئی چیز ظاہر ہو جیسے سر، ہاتھ، پاؤں، وغیرہ یا ایسا لوتھڑا ہو کہ معتبر دایہ یہ گواہی دے کہ اس میں انسانی صورت کی پوشیدہ جھلک یا اصل آدمی کی پاکی جاری ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ عام ہے۔ (الطلاق ۶۵/ ۴) اور حنفیہ کے ہاں حمل نام ان تمام چیزوں کو جو پیٹ میں ہیں اگر اس نے بچہ جنا اور اس کے پیٹ میں ایک اور بچہ بھی تھا تو پھر عدت ختم ہوگی، جیسے جمہور کے ہاں، لیکن ان کے ہاں بچے کے اکثر حصہ کا نکل آنا کافی ہے اور جب عدت نے حمل گرادیا نا تمام، اور اس کی بعض خلقت ظاہر ہوگئی تو اس سے عدت ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ بچہ ہے ورنہ نہیں۔ دوسری شرط کہ حمل عدت والے کی طرف منسوب ہو اگرچہ احتمالی طور پر ہو جیسے لعان سے نفی کیا گیا، کیونکہ یہ اس کے منافی نہیں کہ اس کا ہو، اس دلیل کے ساتھ اگر وہ اس کو اپنے ساتھ ملحق کرے تو وہ ملحق ہوگا۔

لیکن اگر اس کی نسبت عدت والے کی طرف ممکن نہ ہو جیسے ولد زنا تو اس کی عدت اس سے ختم نہ ہوگی، اور بالاتفاق حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور اکثر نو ماہ اور سب سے زیادہ حنفیہ کے ہاں دو سال شوافع اور حنابلہ کے ہاں چار سال اور مالکیہ کے ہاں پانچ سال اور ان کی دلیل مدت حمل کی اقل مقدار پر دو آیتوں کے مجموعہ کا مفہوم ہے اور وہ یہ دونوں ارشاد باری تعالیٰ ہیں:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور فرمان باری تعالیٰ:

وحمله وفصاله ثلاثُونَ شهراً ...... الاحقاف ۴۶/ ۱۰

رہ گئی غالب عدت حمل چونکہ عام طور پر عورتیں اتنی ہی مدت حمل سے رہتی ہیں۔ اور یہ چیز لوگوں کے درمیان مشہور ہے۔ اور حمل کی اکثر مدت کے سلسلہ میں استقراء اور عورتوں کے حالات کے تتبع پر اعتماد ہے اس لئے کہ جس چیز کے بارے میں تصریح نہ ہو تو اس میں موجود کی طرف رجوع ہوتا ہے، شوافع اور حنابلہ نے کہا کہ چار سال پائے گئے ہیں اور دار قطنی نے ولید بن مسلم سے روایت کی میں نے مالک بن انس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے متعلق عرض کی، وہ فرماتی ہیں کہ عورت سال سے زیادہ حاملہ نہیں رہ سکتی، تو کہنے لگے سبحان اللہ یہ کون کہتا ہے؟ یہ ہماری پڑوسن ہے محمد بن عجلان کی بیوی سچی عورت ہے اور اس کا شوہر بھی سچا آدمی ہے اس نے بارہ سال میں تین بچے جنے ہیں، اور

---

❶ ......رواه الجماعة الا اباداؤد وابن ماجة عن ام سلمة (نيل الاوطار ٦/ ٢٨٦/ ٢٨٧) ❷ رواه البخارى واخرجه ابوداؤد والنسائي وا بن ماجه بلفظ من سورة الطلاق وفيها آيته عدة الحامل و سورة النسائى الطولىٰ هى سوُرة البقرة فيها آيته عدة الوفاة (نصب الراية ٣/ ٢٥٦)..

امام شافعی نے فرمایا: محمد بن عجلان اپنی ماں کے پیٹ میں چار سال رہے اور امام احمد نے فرمایا: بنو عجلان کی عورتیں چار سال حاملہ رہتی ہیں۔ اگر انہیں ان کے شوہر نے طلاق دے دی یا فوت ہو گیا تو یہ اس وقت تک شادی نہیں کر سکتی جب تک طلاق یا موت کے بعد چار سال میں بچہ پیدا نہ ہو، وہ بچہ اسی کے ساتھ ملحق ہوگا اور اس سے اس کی عدت گذرے گی۔ اور سب سے کم عدت جس میں بچے کی خلقت واضح ہو جاتی ہے۔ (۸۱) دن ہیں شافع اور حنابلہ کے ہاں شیخین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنی میں مدت علقہ اور پھر اتنی ہی عدت مضغہ، پس شوافع اور حنابلہ کی رائے میں عدت مضغہ سے کم میں ختم نہ ہو گی لہٰذا واجب ہے کہ وہ (۸۱) دن کے بعد ہو۔ شام کے قانون میں دفعہ نمبر (۱۲۴/۹) میں اس عدت کے سلسلہ میں تصریح ہے۔ حاملہ کی عدت اس کے حمل پیدا ہونے تک رہے گی یا بعض اعضاء ظاہر ہو کر ساقط ہونے میں۔

عدت حمل کے لئے پھرنا..... اگر حیض اور مہینوں سے عدت گذارنے کے دوران ظاہر ہو جائے کہ شوہر کا حمل ہے تو عورت وضع حمل والی عدت گذارے گی۔

حمل کا شک..... جب طلاق یا وفات کی عدت گذارنے والی عورت کو شک ہو کہ وہ حمل کی نشانیاں پائے مثلاً حرکت وغیرہ اور اسے شک ہو کہ یہ حمل ہے یا نہ یا حیض سے مہینوں سے عدت گذارنے کے بعد اسے شک ہو تو مالکیہ کے ہاں وہ حمل کی عدت کی انتہاء تک انتظار کرے، اس سے قبل اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں شک زائل ہونے تک وہ نکاح سے صبر کرے احتیاطاً نیز حدیث کی وجہ سے جو شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو، اور مالکیہ کے ہاں اس کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ حمل کی لمبی مدت گذر نہ جائے، اگر عدت گذرنے کے بعد اس نے شک ختم ہونے سے پہلے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا تو جائز نہیں۔ اور شوافع کے ہاں فی الحال نکاح باطل نہیں اس لئے کہ ظاہری طور پر ہم عدت کے ختم ہونے کا حکم دیں گے اور اسے شک سے باطل نہیں کریں گے اگر نکاح کے باطل کرنے کا علم ہو جائے مثلاً وہ نکاح ثانی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ جن دے تو ہم اس نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ دیں گے کیونکہ فساد ظاہر ہو گیا اور حنابلہ کے ہاں اس نکاح کے باطل ہونے کی دو وجہیں ہیں ایک تو شوافع والی، اور دوسری یہ کہ نکاح درست اور صحیح ہے کیونکہ ہم نے عدت کے ختم ہونے کا حکم دے دیا لہٰذا نکاح حلال ہے اور نفقہ اور سکنی ساقط ہو گیا اور جس کا حکم دیا گیا اسے زائل کرنا جائز نہیں شک کی وجہ سے اسی وجہ سے حاکم جو فیصلہ کر دے وہ اسے توڑ نہیں سکتا اجتہاد کے تبدیل ہونے اور گواہوں کے رجوع کرنے کی وجہ سے۔

۱۔ بچے کی بیوی کی عدت بچے کے فوت ہونے کے بعد..... جب وہ بچہ فوت ہو جائے جو چھوٹا ہو اور اس سے حمل نہ ٹھہرتا ہو اور عورت کو حمل ہو کہ وہ اس کی موت سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ جن دے تو طرفین کے ہاں اس کی عدت وضع حمل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ۶۵/۴) مطلق ہے لیکن اگر حمل موت کے بعد ٹھہرا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ کیونکہ یہ عدت اس پر موت کی وجہ سے واجب ہوئی، لہٰذا اس کے بعد تبدیل نہ ہو گی لیکن ان دونوں میں بچے کا نسب ثابت نہ ہو گا اس لئے کہ بچے کے پاس تو پانی ہی نہیں لہٰذا اس سے بچہ ہونا متصور نہیں۔ شوافع اور امام ابو یوسف کے ہاں اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے وضع حمل نہیں کیونکہ بچہ یقینی طور پر اس میں منفی ہے انزال نہ ہونے کی وجہ سے اور اس کی مثل ممسوح ہے کہ شوافع کے ہاں بچہ اس سے لاحق نہ ہو گا۔[1]

۲۔ متوفی عنہا زوجھا کی عدت..... یہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ شوہر فوت ہونے والی اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے ختم ہو گی

---

[1] البدائع ۱۹۲/۳، الدرالمختار ۸۲۰/۲، اللباب: ۸۱/۳ المهذب ۱۴۵/۲، المغنی: ۴۷۰/۷، غاية المنتهى ۲۱۰/۳، القوانين الفقهية، ص ۲۳۸۔

چاہے بچے کی وفات کے بعد قریب ہو یا بعید، اور اگر وہ حاملہ نہیں تو بالاتفاق اس کی عدت چار قمری مہینے اور دس دن بمعہ راتوں کے تاریخ وفات کے حساب سے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ الخ (البقرۃ ۲/۲۳۴) یہ ازدواجی تعلق کی نعمت پر غم ہے چاہے شوہر نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو چاہے بیوی صغیرہ (چھوٹی) ہو یا بڑی یا حیض والی عمر میں پہنچ چکی ہو کیونکہ آیت مطلق ہے اور مدخول بھا کے ساتھ خاص نہیں اس لئے کہ اگر بیوی مطلقہ طلاق یافتہ ہو) تو قرآن کریم میں غیر مدخول کا استبراء کیا گیا ہے۔لیکن وفات کی عدت میں ایسا نہیں۔ اور شام کے قانون میں دفعہ نمبر ۱۲۳، میں اس عدت کے سلسلہ میں تصریح ہے کہ متوفی عنہا زوجھا کی عدت چار ماہ اور دس دن ہیں۔ لیکن اس عدت میں یہ شرط ہے کہ نکاح صحیح ہو اور یہ نکاح صحیح موت تک باقی رہے چاہے وطی کی ہو یا نہ اور چاہے چھوٹی یا کتابیہ ہو مسلمان کے نکاح میں۔ لیکن اگر نکاح فاسد ہو تو اس کی عدت حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں تین حیض ہیں اگر وہ حیض والی ہے۔ اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تین طہر ہیں کیونکہ مدت لمبا کرنے میں ازدواجی نعمت کے اوپر اظہار تاسف ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ نکاح صحیح ہو، لیکن اگر وہ حیض والی نہیں اور مطلقہ ہے وہ تین ماہ عدت گذارے گی جیسا کہ میں بیان کروں گا۔

۳۔ طلاق یافتہ عورت کی عدت...... اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے لیکن اگر حاملہ نہیں تو اس کی عدت بالاتفاق حیض والی ہے چاہے طلاق ہو یا فسخ تین قروء ہیں ❶ یعنی حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں حیض اور شوافع اور مالکیہ کے ہاں طہر) کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ......البقرۃ ۲/۲۲۸

اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء رو کے رکھیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قروء تین کامل حیض ہیں کیونکہ حیض میں تجزی نہیں ہوتی اور جب آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو اس حیض کو شمار نہیں کیا جائے گا جس میں طلاق واقع ہوگی، اور دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتی جب اس کے آخری حیض کا خون ختم ہو جائے حتیٰ کہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔ حنابلہ کے ہاں، اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تین قروء کامل نہیں بلکہ جب عورت کو طلاق ہوئی طہر میں تو باقی طہر طہر کامل ہے اگرچہ ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو اس کو شمار کیا جائے گا، پھر اس کے بعد دو قروء اور یہ تین قروء ہوگے۔ جس نے طہر کی حالت میں طلاق دی تو اس کی عدت تیسرے حیض کے شروع میں ختم ہو جائے گی اور جس نے حیض کی حالت میں طلاق دی تو اس کی عدت جس حیض میں طلاق دی ہے اس کے بعد چوتھے حیض کے شروع میں ختم ہوگی، اور شوافع کے ہاں ظاہر یہ ہے کہ جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کا وہ طہر نہ ہوگا جس میں طلاق دی ہے پس جس عورت کو طہر میں طلاق ہوئی اور اسے حیض بالکل ہی نہیں آتا، پھر مہینوں کے حساب سے عدت گذارنے کے دوران اسے حیض آ گیا تو اس طہر کو شمار نہ کیا جائے گا جس میں طلاق دی ہے لیکن اگر عورت چھوٹی ہے، یا بہت بڑی عمر کی ہے اور ناامیدی کی عمر میں پہنچ چکی ہے اسے حیض نہیں آیا یا یہ کہ پندرہ سال کی ہو جانے کے باوجود اسے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ سورہ طلاق میں آیت نمبر ۴ کی وجہ سے۔

۴۔ جنہیں حیض نہیں آتا ان کی عدت...... چھوٹی ہونے کی وجہ سے یا سن ایاس میں پہنچ جانے کی وجہ سے یا جنہیں بالکل ہی حیض نہیں آتا، بالفاظ دیگر صغیرہ آئسہ اور اس عورت کی عدت جسے حیض نہیں آتا تین ماہ ہیں ❷ سابقہ آیت (الطلاق ۶۵/۴) کی وجہ سے سن ایاس وہ عمر ہے جس میں پہنچ کر عورت کو حیض نہیں آتا اس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❸ حنابلہ کے ہاں اس کی حد پچاس سال ہیں

❶ البدائع ۳/۱۹۱، الدر المختار ۲/۸۲۵، فتح القدير ۳/۲۶۹-۲۷۲ اللباب ۳/۸۰،۸۳، الشرح الصغير ۲/۶۷۲ القوانين الفقهية ۲۳۵، بداية المجتهد ۲/۸۸۔ ❷ المرجع السابق ❸ كشاف القناع ۵/۴۸۴، الدر المختار ۲/۸۳۵، المغنى ۷/۴۶۰۔

حضرت عائشہ کے ارشاد کی وجہ سے کہ ”تم اس کے پیٹ میں پچاس سال کے بعد بچہ نہ دیکھوگی“ اور حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق پچپن سال ہیں اور شوافع کے ہاں سن یاس کی سب سے آخری حد باسٹھ سال ہیں اور مالکیہ کے ہاں ستر (۷۰) سال ہیں اس عمر کے بعد عورت جو خون دیکھے وہ قطعی طور پر حیض نہیں، حیض کی عمر حیض کی سب سے کم عمر ۹ سال ہے کیونکہ اس رجوع موجود کی طرف ہوتا ہے اور نو سال والی حائضہ پائی جاتی ہے۔

سن بلوغت...... اگر عورت کو حیض نہ آیا تو بالاتفاق پندرہ (۱۵) سال کی عمر ہے۔

آخری دونوں قسموں اور ممتدۃ الطہر کے بارے میں شامی قانون کا موقف...... شامی قانون میں دفعہ ۱۲۱ء درج ذیل تصریح ہے: غیر حاملہ کی عورت کی طلاق یا فسخ کی عدت اس طرح ہے۔ حیض والی کے لئے تین کامل حیض، اور عورت کا دعویٰ تین ماہ گذرنے سے پہلے مسموع قسموں طلاق یا فسخ کی عدت گذرنے کا۔ اور ممتدۃ الطہر کے لئے ایک پورا سال جسے حیض نہ آتا ہو یا آیا ہو پھر بند ہو گیا ہو اور وہ سن یاس کو نہ پہنچی ہو۔

آئسہ کے لئے تین ماہ، اور دفعہ ۱۲۲۔ میں نکاح فاسد کی عدت کی تصریح ہے کہ نکاح فاسد میں دخول کے بعد کی عدت میں سابقہ دفعہ کے احکام جاری ہوں گے۔ (1)

ممتدۃ الطہر اور مستحاضہ کی عدت...... حیض کی عمر میں عورتیں تین قسم کی ہیں معتادہ مرتابہ اور مستحاضہ، معتادہ وہ اپنی عادت کے مطابق تین قروء عدت گذارے گی جیسا کہ تیسری قسم میں بیان ہوا اور جو شک میں ہے حیض کی وجہ سے یا ممتدۃ الطہر ہے، وہ عورت جس کا حیض ختم ہو گیا اور اس کا سبب معلوم نہ ہو کہ حمل ہے یا دودھ یا مرض تو اس کا حکم حنفیہ اور شوافع کے ہاں یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی حتیٰ کہ اسے حیض آجائے یا وہ اس عمر کو پہنچ جائے جس میں حیض نہیں آتا پھر تین ماہ عدت گذارے اس لئے کہ جب اس نے ایک دفعہ حیض دیکھ لیا تو وہ حیض والی ہوگئی لہٰذا حیض کے بغیر عدت نہیں گزار سکتی، جیسا کہ بیہقی نے عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے مرضع کے بارے میں حکم دیا۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کی عدت حیض ختم ہونے کے بعد ایک سال تک ہے بایں طور کہ وہ نو ماہ ٹھہری رہے اور یہ حمل کی غالباً عدت ہے پھر تین ماہ عدت گذارے، اس کا سال پورا ہو گیا پھر وہ حلال ہے، اور مالکیہ کے ہاں یہ اس وقت ہے کہ جب اس کا حیض کسی مرض یا کسی غیر معروف سبب کی وجہ سے ختم ہوا ہو، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اسے ایک دو حیض آئے پھر اس کا حیض ختم ہو گیا، تجھے معلوم نہیں کس وجہ سے ختم ہوا؟ نو ماہ انتظار کر اگر حمل ظاہر نہ ہو تو تین ماہ عدت گزارے اور یہ سال ہو گیا (2) اور عدت کا مقصد رحم کی صفائی اور حمل سے خالی ہونا معلوم کرنا ہے اور یہ معلومات اس عدت کے گذرنے سے محقق ہو جاتی ہے لہٰذا کافی ہے اگر حیض دودھ کی کی وجہ سے ختم ہوا تو مالکیہ کے ہاں تو اس کی عدت مدت رضاعت کے ختم ہونے کے بعد ہوگی اور وہ دو سال ہیں اسے حیض اگرچہ سال کے آخری دن میں آئے تو وہ تیسرے حیض کا انتظار کرے۔ حنابلہ اور مالکیہ کی رائے ہی راجح ہے اور اسی کو شام کے قانون میں دفعہ (۱۲۱) میں لیا گیا ہے کیونکہ اس میں لوگوں پر نرمی اور عورت پر عدت طویل نہیں ہوتی اور مصری قانون میں (نمبر ۲۵، سن ۱۹۲۹ء) ممتدۃ الطہر کی عدت کی انتہاء کے بارے میں یا بقاء کے بارے میں کچھ مذکور نہیں۔

اور نہ ہی دوسرے شوہر کے لئے حلال یا حرام ہونے کا تذکرہ ہے اور صرف اتنی تصریح ہے کہ اور عدت کے نفقہ کا دعویٰ تاریخ طلاق سے

---

(1)...... الدر المختار ۲/ ۸۲۸، القوانین الفقھیۃ ص ۲۳۵، ۲۳۶، الشرح الصغیر ۲/ ۶۷۵، المغنی ۷/ ۴۶۷، ۴۶۸، کشاف القناع ۵/ ۴۸۵، غایۃ المنتھی ۳/ ۲۱۲، مغنی المحتاج ۳/ ۳۸۵ (2) رواہ الشافعی باسناد جید من حدیث سعید بن المسیب عن عمر قال الشافعی ھذا قضاء عمر بین المهاجرین والانصار لاینکرہ منکر علمناہ.

ایک سال زیادہ ہونے پر مسموع نہ ہوگا اور سال (۳۶۰) دن شمار کیا ہے۔ مستحاضہ یا ممتدۃ الدم وہ متحیرہ یہ جو اپنی عدت کو بھول گئی ہو تو حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق وہ اپنی عدت سات ماہ گذارے گی بایں طور کہ اس کے طہر کو دو ماہ شمار کیا جائے گا بس اس کے طہر چھ ماہ بن گئے اور تین حیض کی مقدار احتیاطاً ایک مہینہ ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی عدت تین ماہ میں گذر جائے گی لیکن اگر ہمیشہ اسے خون آتا ہو اور اسے عادت معلوم ہو تو اسے عادت کی طرف لوٹایا جائے گا۔

حنابلہ اور شوافع کی رائے: مستحاضہ جو حیض کا وقت بھول گئی ہو کی عدت اور مبتدأۃ کی عدت آئسہ کی طرح تین ماہ ہیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ بن جحش کو حکم فرمایا تھا کہ ہر مہینے میں چھ یا سات دن بیٹھی رہے آپ نے ہر ماہ کا اس کے لئے ایک حیض قرار دیا، اس دلیل کے ساتھ کہ وہ اس میں نماز وغیرہ چھوڑ دے۔ لیکن اگر اس کی عادت ہو یا وہ تمیز کر سکتی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا جسے وہ اس پر نماز اور روزہ کے سلسلہ میں عمل کرتی ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں وہ مستحاضہ جو حیض کے خون اور استحاضہ کے خون میں فرق نہیں کر سکتی تو وہ ممتدۃ الطہر کی طرح ایک سال انتظار کرے گی پھر چھ ماہ استبراء کے شک دور کرنے کے لئے کیونکہ غالب عدت حمل یہی ہے اور تین ماہ عدت کے پھر شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی پس مستحاضہ جو تمیز نہ کر سکتی ہو اس کی اور جس کا حیض موخر ہو کسی بیماری کی وجہ سے ایک سال۔

مفقود کی بیوی کی عدت..... مفقود وہ غائب ہے جس کا معلوم نہ ہو آیا وہ زندہ ہے کہ اس کے آنے کی توقع ہو یا وہ مرگیا کہ اس کو قبر کے سپرد کیا جائے، جیسے وہ شخص جو اپنے اہل وعیال سے گم ہو جائے دن یا رات میں یا نماز کے لئے گیا لیکن واپس نہ آیا یا وہ کسی ہلاکت کی جگہ میں غائب ہو گیا یا لڑائی کی وجہ سے غائب ہو گیا یا اس کی سواری وغیرہ غرق ہو گئی اس کی بیوی کی عدت کا حکم اس کے حال کے حکم کے مطابق ہے فقہاء کے ہاں ❶ حنفیہ کے ہاں وہ اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے اس کے مال میں وراثت جاری نہ ہو اور نہ ہی اس سے اس کی بیوی بائنہ ہو گی جب تک اس کی موت متحقق نہ ہو جائے عدت نہ گذارے گی، سابقہ زندگی کی حالت کے استصحاب کے طور پر اور رہ گئی وہ عورت جسے شوہر مفقود کے مرجانے کی خبر معتبر آدمی سے پہنچے یا اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں یا طلاق کے سلسلہ میں کسی معتبر آدمی نے خط دیا تو پھر اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ عدت گذارے اور شادی کر لے، شوافع بھی حنفیہ کی طرح ہی کہتے ہیں کہ اس کی بیوی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرے، کیونکہ جب اس کے مال کی تقسیم میں اس کی موت کا حکم نہیں تو اس کی بیوی کے نکاح کے لئے بھی اس کی موت کا حکم جائز نہیں تو اس کی بیوی اس وقت تک نہ عدت گذارے نہ شادی کرے جب تک اس کی موت یا طلاق متحقق نہ ہو جائے استصحاب پر عمل کرتے ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے کہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کی موت کا علم ہو جائے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مفقود کی بیوی چار سال تک انتظار کرے پھر عدت وفات سے گذارے چار ماہ دس دن کیونکہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے غائب ہو گیا اور مفقود ہو گیا وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اس کا ان سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا چار سال انتظار کرو، اس نے ایسا کیا پھر آپ کے پاس آئی تو آپ نے فرمایا چار ماہ دس دن انتظار کرو اس نے ایسا ہی کیا اور ان کے پاس آئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کا ولی کہاں ہے اسے لایا گیا آپ نے فرمایا اسے طلاق دو اس نے ایسا کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس سے چاہو اب شادی کر لو۔ ❷

تیسری بحث: عدت کی تحویل اور انتقال وتغیر..... کبھی کبھی مہینوں اور قروء سے عدت گذارنے والی پر ایسی حالتی آتی ہے کہ اس عدت کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ پیش آمدہ حالات کے مطابق عدت گذارے اور وہ حالات جن کی وجہ سے عدت کو تبدیل کیا جاتا ہے وہ درج ذیل حالات ہیں۔ ❸

---

❶.....الشرح الصغیر ۲/ ۶۹۳، بدایۃ المجتھد ۲/ ۵۲، المھذب ۲/ ۱۴۶، کشاف القناع ۵/ ۴۸۷، و ما بعدھا غایۃ النتھی ۳/ ۲۱۲۱، المغنی ۷/ ۴۸۸، الد رالمختار ۳/ ۱۶۰، مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۷ ❷رواہ الاثرم والجوزجانی ❸ البدائع ۳/ ۲۰۰، الد رالمختار ۲/ ۸۲۶، فتح القدیر ۳/ ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۹، البباب ۳/ ۸۱، الشرح الصغیر ۲/ ۶۸۲، المھذب ۲/ ۱۴۳، کشاف القناع ۵/ ۴۸۰، مغنی المحتاج ۳/ ۳۸۹، المغی ۷/ ۴۶۳،

پہلی بات: مہینوں کی عدت کا حیض کی عدت کی طرف تبدیل ہونا...... جب چھوٹی بچی کو یا یاس یاس کو پہنچی ہوئی عورت کو طلاق ہوئی اس نے مہینوں کے حساب سے عدت گذارنا شروع کی پھر عدت ختم ہونے سے پہلے اسے حیض آنا شروع ہو گیا تو اس پر قرء کے اعتبار سے عدت گذارنا ہے، اور جو عدت گذر گئی وہ باطل ہے اور اس کی عدت حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں تین کامل حیضوں سے ختم ہو گی، اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تین طہروں سے کیونکہ مہینے قرو کے بدلے میں تھے جب اصل پایا گیا تو پھر اس کے علاوہ سے عدت گذارنا جائز نہیں جیسے تیمم کرنے والے کا وضوء پر قادر ہو جانا، اور آئسہ جب خون دیکھے گی تو ظاہر ہوگا کہ اس کا گمان غلط تھا۔ اگر اس نے مہینوں کے حساب سے عدت گذاری پھر اسے حیض آ گیا تو اس پر نئے سرے سے قرو کے حساب سے عدت گذارنا لازم نہیں کیونکہ یہ عدت گذارنے کے بعد معاملہ پیش آیا، اور بدل سے مقصود حاصل ہو گیا لہٰذا اس کا حکم باطل نہ ہوگا اصل پر قدرت کی وجہ سے جیسے تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر وقت گذرنے کے بعد وضو پر قادر ہو جائے تو اس پر وضو کر کے نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

دوسری بات: قرو سے عدت کا مہینوں یا وضع حمل کی طرف منتقل ہونا...... جب مطلقہ نے اقراء کے حساب سے عدت گزارنا شروع کی پھر اسے شوہر کا حمل ظاہر ہو گیا۔ شوافع اور مالکیہ کی آراء کے مطابق کہ حاملہ بھی کبھی خون دیکھتی ہے تو اس سے قروء کا حکم ساقط ہو جائے گا اور وہ وضع حمل کے ساتھ عدت گذارے گی، کیونکہ ظاہری اعتبار سے قروء رحم کی صفائی کی دلیل ہے اور حمل رحم کے مشغول ہونے کی دلیل ہے یہ ظاہر قطعی سے ساقط ہو جائے گا۔ حیض والی عورت کو جب طلاق ہو گی پھر اسے ایک یا دو مرتبہ حیض آیا پھر وہ آئسہ ہو گئی تو اس کی عدت حیض سے مہینوں کی طرف منتقل ہو جائے گی اور حنفیہ کے ہاں وہ مہینوں کے حساب سے عدت نہ گذارے گی جب تک کہ ناامیدی کی عمر ۵۵ سال تک نہ پہنچ جایے جب سن یاس تک پہنچ گئی تو عدت کو نئے سرے سے شروع کرے گی مہینوں کے تین ماہ جو آئسہ کی عدت ہیں۔ شوافع کے ہاں جدید قول حنفیہ کی طرح ہے کہ وہ ہمیشہ عدت میں ہو گی یا تو اسے حیض آ جاتے یا پھر وہ سن ایاس کو پہنچ جائے پھر وہ اس وقت تین ماہ گذارے اس لئے کہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارنا یا اس کے بعد ہے لہٰذا اس سے پہلے جائز نہیں اور یہ آئسہ نہیں نیز اسے خون کے آنے کی امید ہے لہٰذا یہ مہینوں کے حساب سے نہ گذارے گی جیسا کسی عارض کی وجہ سے اس کا حیض ختم ہو جائے۔

تیسری بات: عدت وفات کی طرف منتقل ہونا...... اگر شوہر مر جائے اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور وہ اس کی عدت گذار رہی ہو تو وہ بالا جماع عدت وفات گذارے گی اور وہ چار ماہ دس دن ہیں چاہے طلاق صحت کی حالت میں ہو یا مرض کی موت کی حالت میں اس لئے کہ طلاق رجعی والی بیوی شمار ہوتی ہے جب تک وہ عدت میں ہو، اور شوہر کی موت بیوی پر عدت وفات واجب کرتی ہے، رجعت کے احکام لغو ہو جاتے ہیں اور طلاق کی باقی عدت ساقط ہو جاتی ہے اس کا نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا اور اس کے لئے عدت وفات کے احکام ثابت ہوں گے سوگ وغیرہ شام کے قانون میں اس کی تصریح سے دفعہ ۱۲۱ میں ۲ جب شوہر فوت ہو گیا اور بیوی طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو وہ عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی اور جو گذر گئی وہ شمار نہ ہو گی۔

لیکن اگر شوہر بیوی کی طلاق بائن کی عدت میں مر جائے تو وہ عورت وفات کی عدت کی طرف منتقل نہ ہو گی بلکہ طلاق بائن کی عدت پوری کرے گی کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں لہٰذا عدت طلاق پوری کرے گی اور اس پر سوگ بھی نہیں اگر حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ ہے

چوتھی بات: ابعد الاجلین عدت یا طلاق فار کی عدت...... فقہاء کے دو مذہب ہیں: ایک امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام احمد کا مذہب کہ اگر بیوی کو میراث سے محروم رکھنے کے لئے اگر طلاق دی گئی بایں طور کہ مرض الموت میں طلاق دے اور پھر وہ عدت میں تھی اور وہ مر گیا تو یہ عورت طلاق کی عدت سے منتقل ہو جائے گی اس عدت کی طرف جو وفات اور طلاق کی عدت میں سے لمبی ہے احتیاطاً بایں طور کہ موت کے وقت سے چار ماہ دس دن انتظار کرے اگر اس دوران اسے حیض نہ آئے تو اس کے بعد حنفیہ حنابلہ کے ہاں وہ تین حیض عدت گزارے اور

اگر اس کا طہر ممتد ہو گیا تو پھر اس کی عدت اس وقت تک رہے گی جب تک وہ آئسہ کی عمر کو پہنچ جائے، اس لئے کہ جب عورت اپنے شوہر سے وارث ہوتی ہے تو وفات کے وقت سے نکاح حکماً قائم اور باقی شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس پر وفات کی عدت واجب ہوگی اور یہ کہ اگر طلاق بائن ہو تو عورت کی زوجیت قائم نہیں سمجھی جاتی اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوتی بلکہ طلاق کی عدت ہوتی ہے پس ان دو اعتباروں کی رعایت دو نوں عدتوں کا تداخل ہے اور ان دونوں کو اکٹھے گذارے گی۔ شام کے قانون میں ۷ ۱۲/ ۲ دفعہ میں اسی رائے کو لیا گیا ہے۔ جب شوہر وفات پا جائے اور عورت طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وہ عدت وفات اور طلاق بائن کی عدت میں سے جو ابعد اور لمبی ہو وہ گذارے گی لیکن مناسب یہ ہے کہ لفظ بائن کو اس قید سے مقید کیا جائے کہ اس حالت میں کہ طلاق فرار کی حالت ہو۔ اس لئے کہ اس حالت کے علاوہ عدت منتقل نہ ہوگی اس لئے کہ طلاق بائن کے بعد زوجیت قائم نہیں ہوتی۔

امام مالک، امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فار کی بیوی عدت وفات اور طلاق میں سے لمبی عدت نہیں گذارے گی بلکہ وہ طلاق کی عدت مکمل کرے گی، کیونکہ اس کا شوہر اس حال میں مرا کہ یہ اس کی بیوی نہ تھی کیونکہ یہ نکاح سے بائنہ تھی، لہٰذا منکوحہ نہ ہوئی اور وفات کے وقت نکاح باقی رہنا یہ امام مالک کی رائے میں میراث کے حق میں ہے نہ کہ عدت کے حق میں اس لئے کہ جو چیز خلاف اصل ثابت ہو اس میں توسع نہیں ہوتا یہی میرے ہاں راجح ہے۔ اور شوافع کے ہاں لمبی عدت کا تصور اس صورت میں ہے کہ جب آدمی اپنی دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق بائن دے اور پھر جسے طلاق دی اس کی تعیین سے پہلے مر جائے تو ان میں سے ہر ایک عدت وفات اور یا قرو میں سے زیادہ عدت گذارے گی اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک پر طلاق کی عدت واجب ہے۔ ان پر وفات کی وجہ سے عدت مشتبہ ہو گئی لہٰذا واجب ہے کہ ابعد الاجلین گذارے تاکہ جس شک میں پڑ گئی ہے اس سے یقین سے نکل جائے۔ جیسا کہ جس شخص پر دو نمازوں میں سے ایک کا اشتباہ ہو تو اس پر دونوں پڑھنا لازم ہیں، اور مالکیہ کے ہاں عورت لمبی عدت گذارے گی جب طلاق رجعی کی عدت گذار رہی ہو اور شوہر فوت ہو جائے۔

چوتھی بحث: عدت کی ابتداء کا وقت اور جس سے اس کا ختم ہونا معلوم ہو:

ابتداء عدت:..... حنفیہ نے ① عدت کی ابتداء پر درج ذیل تفصیل کی ہے۔

۱۔ اگر نکاح صحیح ہو تو عدت کی ابتداء طلاق یا فسخ کے یا موت کے بعد ہوگی پس طلاق میں عدت طلاق کے بعد شروع ہوگی اور وفات میں وفات کے فوراً بعد تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق اور عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ بھی ہو کیونکہ یہ مدت ہے لہٰذا مدت کے گذارنے کا علم ہونا شرط نہیں چاہے مرد طلاق کا اقرار کرے یا انکار اگر مرد نے بیوی کو طلاق دی پھر انکار کر دیا اور عورت نے گواہ قائم کر دیئے اور قاضی نے تفریق کا فیصلہ دے دیا مثلاً عورت نے شوال میں دعویٰ کیا اور قاضی نے محرم میں فیصلہ دیا تو عدت طلاق کے وقت سے ہوگی نہ کہ فیصلہ کے وقت سے، اور عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ عورت کو طلاق وفات کا علم نہ بھی ہو، اگر آدمی نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے دی یا مر گیا اور عورت کو اطلاع نہ پہنچی تھی کہ اسے وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت بالاتفاق ختم ہو گئی۔

۲..... اور اگر نکاح فاسد ہے تو عدت کی ابتداء تو قاضی کی تفریق کے بعد ہوگی یا متارکت کے بعد اور وطی کرنے والے کا ترک وطی کے عزم کے بعد، بایں طور اپنی زبان سے کہے میں نے اس کی وطی چھوڑ دی یا میں نے اسے چھوڑ دیا یا میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا وغیرہ اور انہی میں طلاق بھی ہے اور شوہر کا انکار بھی ہے جبکہ عورت کی موجودگی میں ہو، ورنہ انکار متارکت شمار نہ ہوگا۔ شامی قانون دفعہ ۱۲۵۔ میں نکاح صحیح

① ..... الدر المختار ۲/ ۸۳۸، البدایع ۳/ ۱۹۰، فتح القدیر ۳/ ۲۸۶، الکشاف ۳/ ۸۴، القوانین الفقهیة ۲۳۵، ۲۳۸، غایة المنتهی ۳/ ۲۰۱

اور فاسد کی عدت کی ابتداء کے بارے میں یوں تصریح ہے۔ عدت شروع ہوگی، طلاق وفات یا فسخ کی تاریخ سے یا قاضی کی تفریق یا نکاح فاسد میں جدائی کے بعد۔

۳..... اگر وطی شبہ کی وجہ سے ہو تو ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا[1] مجھے بات کی تصریح نہیں ملی کہ وطی بالشبہ کی عدت کی ابتداء کہاں سے ہوگی اور مناسب یہ ہے کہ آخری وطی کے بعد سے ہو کہ شبہ زائل ہوگا، بایں طور کہ اسے معلوم ہو بیوی نہیں اور اس کے لئے حلال نہیں کیونکہ یہاں کوئی عقد نہیں اور عورت کے لئے کوئی سبب نہیں سوائے مذکورہ وطی کے، یہی رائے حق ہے اس لئے کہ عدت کی ابتداء اسی سبب سے ہوئی جو عدت کی طرف لایا ہے اور شبہ کی وطی کی حالت میں جماع اس عدت کا سبب ہے لہٰذا اسی سے شروع کرے گی۔

دو عورتوں میں تداخل..... جب سابقہ عدت کے دوران زیادہ عدت کا سبب پایا جائے تو آیا ان دو عدتوں میں تداخل ہوگا یا پہلی عدت ہی کی تکمیل ہوگی اور اس کے بعد نئی گذارے گی؟ حنفیہ کے ہاں[2] جب دو عدتیں واجب ہوں تو ان میں تداخل ہوگا چاہے ایک جنس کی ہوں یا دو جنس کی ایک مرد کی طرف سے ہوں یا دو مردوں کی طرف سے ایک جنس کی ایک مرد کی طرف سے ہونے کی مثال: جب مطلقہ بیوی سے دوران عدت نکاح کرے پھر اس سے وطی کرے، پھر متارکت کریں کہ اس پہ ایک اور عدت واجب ہو جائے تو ان دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا۔ دو جنس اور دو مردوں کی طرف سے ہونے کی مثال متوفی عنہا زوجہا ہے جب اس سے وطی بالشبہ ہو جائے اور اس پر ایک اور عدت ہو تو ان دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور یہ اس لئے کہ حنفیہ کے ہاں عدت کا مقصد آثار نکاح کو ختم کرنا ہے برخلاف جمہور کے جو عدت کو انتظار قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں جب مرد نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی جس سے دخول کیا تھا طلاق بائنہ صغری پھر اس سے عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کر لیا پھر اس دخول سے پہلے طلاق دے دی تو اس پر نئی عدت شروع کرنا واجب ہے۔

اور گذری ہوئی عدت پر نا جائز نہیں اس لئے کہ عقد نکاح کی وجہ سے وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ آئی اور یہ مدخول بھا تھی لہٰذا جب اس نے اسے طلاق دی تو دخول کے بعد طلاق ہوئی، لہٰذا اس پر مستقل عدت واجب ہے، اور عورت کے لئے پورا مہر ہے امام مالک اور امام محمد اس پر نئی عدت واجب نہیں کرتے بلکہ وہ پہلی عدت ہی پوری کرے گی اور عورت کے لیے مقرر مہر میں سے نصف واجب ہوگا۔

جمہور کے ہاں[3] اگر دونوں عدتیں ایک مرد کی طرف سے ہوں اور ایک ہی جنس کی ہوں تو ان میں تداخل ہوگا اس طور پر کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر اس سے عدت میں وطی کر لی اور اسے یاد نہ رہا کہ طلاق بائن تھی یا اسے یہ معلوم تھا طلاق رجعی ہے تو دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا وطی کے بعد وہ حیض یا مہینے کے حساب سے عدت شروع کرے گی اسی میں طلاق کی باقی داخل ہوگی اس لئے کہ طلاق اور وطی کی عدت کا مقصد ایک ہی ہے لہٰذا تعدد کا کوئی معنی نہیں اور یہ باقی دونوں طرف سے ہوگی۔

اور اسی طرح تداخل ہوگا اگر دونوں عدتیں متفق نہ ہوں اور دو جنس کی ہوں مثلاً ایک حمل کی ہو اور دوسری قرو کی مثلاً بیوی کو طلاق دی حالت حمل میں پھر وضع حمل سے پہلے اس سے وطی کر لی یا سے طلاق دی، حاملہ نہ تھی پھر قروء کے دوران اس سے وطی کر لی اور وہ حاملہ ہوگئی تو یہ دونوں صورتوں کی عدتیں وضع حمل سے گذارے گی چاہے حمل کے ساتھ خون دیکھے یا نہ، اور طلاق رجعی کی عدت میں شوہر کو حق حاصل ہے کہ وضع سے پہلے اس سے رجوع کر لے۔ اور اگر دونوں عدتیں دو آدمیوں کی ہوں مثلاً شوہر کی عدت میں ہو یا وطی بالشبہ کی عدت میں ہو پھر وطی بالشبہ ہو گئی یا نکاح فاسد ہو گیا اور وطی کرنے والا پہلی عدت والا نہیں یا بیوی شبہ کی معتدہ تھی پھر اسے وطی بالشبہ کے بعد طلاق ہوگئی تو ان میں تداخل نہ ہو گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر عمل کرتے ہوئے جو امام شافعی نے روایت کیا ہے اگر حمل ہے تو پہلے اس کے وضع سے

---

[1] ..... ردالمحتار ۳۰/ ۴۱۔ [2] البدائع ۲/ ۱۹۰، الدرالمختار ۲/ ۸۳، فتح القدير والعناية ۳/ ۲۸۲، ۲۸۹۔ [3] القوانين الفقهية ۲/ ۱۹۰، الشرح الصغير ۲/ ۶۷۵، مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۱۔ ۳۹۳، المهذب ۲/ ۱۵۱، المغنی ۷/ ۴۸۱، ۴۸۶، غاية المنتهى ۳/ ۲۱۵، كشاف القناع ۵/ ۴۹۲۔۔

عدت گذارے اگر حمل نہیں تو پہلے طلاق کی عدت پوری کرے اگر چہ وطی بالشبہ طلاق سے پہلے ہوئی ہو کیونکہ طلاق کی عدت قوی ہے کہ اس کی نسبت ایک جائز عقد کی طرف سے پھر دوسری عدت شروع کرے گی۔

اگر طلاق کی عدت کے دوران عورت نے نکاح کر لیا اور اس دوسرے شوہر نے ہمبستری بھی کر لی پھر نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان میں تفریق کر دی گئی تو باقی عدت پہلی کی گذارے گی پھر دوسرے کی عدت شروع کرے گی۔

اور حنفیہ کے ہاں دوسرے کی عدت گذارے گی اس سے جدا ہونے کے بعد اور دوسرے قرو کے ساتھ عدت پہلی اور دوسری دونوں کی ہو گی کیونکہ مقصد رحم کی صفائی ہے، اور اس سے دونوں سے رحم کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل بالاتفاق دونوں عدتوں کے لئے کافی ہے جیسے کہ پہلے گذرا وہ امور جن کے ذریعہ عدت پوری ہو جانے کا پتہ چلتا ہے:

جب عورت کے طلاق دہندہ خاوند کے ساتھ عدت گزر جانے کا اختلاف ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ کون سچا ہے؟؟ بیوی (طلاق یافتہ عورت) یا اس کا خاوند (طلاق دہندہ)؟ تاہم عدت گزر جانے کا علم یا تو قول سے ہوتا ہے یا فعل سے۔ [1]

فعل سے...... اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مثلاً عورت کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کر لے اور طلاق کے بعد تا نکاح اتنا عرصہ گزر جائے جو عدت پوری ہونے کا احتمال رکھتا ہو، اگر نکاح کر لینے کے بعد عورت کہے: میری عدت نہیں گزری تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، گویا دوسرا نکاح جائز ہوگا، کیونکہ احتمالی عرصہ گزر جانے کے بعد اقدام نکاح عدت پوری ہو جانے کی دلیل ہے۔

قول سے...... اس کا حاصل یہ ہے کہ معتدہ (جو عورت بعد از طلاق عدت گزار رہی ہو) اتنی مدت کے بعد اپنی عدت پوری ہونے کی خبر دے کہ اتنی مدت عدت گزر جانے کا احتمال رکھتی ہو، اگر عورت کہتے: میری عدت گزر چکی ہے اور مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہو جبکہ مرد اس کی تکذیب کرتا ہو تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا اور اگر مدت اس کا احتمال نہ رکھتی ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ظاہر اس کا مخالف ہے۔

اگر خاوند کہے: مجھے ایک عورت نے پہلے سے خبر دی ہے کہ مطلقہ کی عدت گزر چکی ہے اگر اتنی مدت ہوئی ہو کہ اس میں عدت پوری نہ ہو سکتی ہو تو مرد کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی عورت کا قول قبول کیا جائے گا، ہاں البتہ اگر حمل ساقط ہو جائے تو پھر عورت کا قول قبول کر لیا جائے گا، اگر احتمالی مدت گزر چکی ہو جبکہ عورت مرد کی تکذیب کرتی ہو تو حتی الامکان عورت کے قول پر عمل کیا جائے گا تاہم مرد کے حق میں اور شریعت کے حق میں مرد کا قول معتبر ہوگا چنانہ وہ مطلقہ کی بہن کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ یہ امر دینی ہے مرد کا قول قبول کیا جائے گا اور عورت کے حق میں اس کی خبر پر عمل کیا جائے گا گویا وہ نفقہ اور رہائش کی مستحق ہوگی۔

اول مدت...... وہ کم از کم مدت جس کے گزرنے کے بعد معتدہ کی عدت گزرنے کی صدیق کی جائے گی وہ حنفیہ کی رائے کے مطابق کچھ یوں ہے۔

ا...... اگر عورت کی عدت مہینوں کے حساب سے گزر رہی ہو تو عدت طلاق کی صورت میں تین مہینوں سے کم کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور عدت وفات کی صورت میں ۴ ماہ، ۱۰ دن سے کم کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اگر عورت کو وقت پر حیض آتا ہو اور اس کا خاوند وفات ہو چکا ہو تو چار ماہ دس دن سے کم عرصہ کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر عدت طلاق ہو اور عورت اتنی مدت گزر جانے کے بعد عدت پوری ہونے کی خبر دے کہ وہ مدت عدت گزرنے کا احتمال رکھتی ہو تو عورت کا قول قبول کیا جائے گا، اگر اتنی مدت بیان کرتی ہو کہ وہ مدت عدت کا احتمال نہ رکھتی تو عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ عورت اپنے قول کی کوئی معتبر

---

[1]...... البدائع ۳/ ۱۹۸، الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۸۴۴ غاية المنتهى ۲۲۳۔

توجیہ بیان کردے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، مثلاً عورت کہے مجھے حمل تھا جس کی کچھ تخلیق ظاہر ہو چکی تھی وہ ساقط ہو گیا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

کیونکہ عدت پوری ہو جانے کی خبر دینے میں عورت امین قرار دی گئی ہے، چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے عورت پر اعتماد کیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ ......البقرۃ ۲/۲۲۸

عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس حمل کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں پیدا کر دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر حیض اور حمل سے کی گئی ہے۔ جبکہ امین کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

اگر عورت احتمالی مدت کے بعد عدت گزر جانے کی خبر دے تو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر مدت احتمال نہ رکھتی ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ امین کا قول صرف اسی صورت میں قبول کیا جاتا ہے جب ظاہری حالت سے اس کی تکذیب نہ ہوتی ہو۔

حیض کی صورت میں کم از کم مدت عدت...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر معتدہ آزاد عورت ہو تو حیض کے اعتبار سے اس کی عدت کی کم از کم مدت ساٹھ دن ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ حیض کی اوسط مدت یعنی پانچ دن کا اعتبار کیا جائے گا اور تین حیض گزارنے ہوں گے یوں حیض کے پندرہ دن ہوئے اور مختلف طہر کے پینتالیس (۴۵) دن ہوئے بایں طور کہ ابتداء طہر سے ہو، یوں کل ملا کر ۶۰ (ساٹھ) دن ہوئے۔

صاحبین کہتے ہیں...... کم از کم مدت انتالیس (۳۹) دن ہیں، چونکہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہیں گویا تین حیضوں کے مجموعی ایام ۹ (نو) ہوئے اور ابتداء حیض سے ہو پھر پندرہ (۱۵) دن طہر ہو پھر تین دن حیض پھر پندرہ (۱۵) دن طہر اور پھر تین دن حیض یہ کل ملا کر انتالیس (۳۹) دن ہوئے جبکہ دوسرے مذاہب کی آراء قبل ازیں میں بیان کر چکا ہوں۔

پانچویں بحث...... معتدہ کے حقوق وفرائض (ذمہ داریاں)

معتدہ کے مندرجہ ذیل احکام ہیں۔ ❶

اولاً حرمت پیغام نکاح...... اجنبی شخص صراحۃً معتدہ کو پیغام نکاح نہیں بھیج سکتا، معتدہ خواہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو، چونکہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو وہ بقائے نکاح کے حکم میں ہوتی ہے اسے پیغام نکاح دینا جائز ہی نہیں، جبکہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں یا مطلقہ بائنہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو تو ان کے نکاح کے کچھ اثرات باقی ہوتے ہیں اس لئے انہیں بھی پیغام نکاح بھیجنا جائز نہیں۔

اگر عورت عدت طلاق میں ہو تو بھی اسے اشارۃً یا کنایۃً پیغام نکاح دینا جائز نہیں، اگر عورت کا خاوند وفات پا گیا ہو تو تعریضاً اسے پیغام نکاح دینا جائز ہے، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ ...... البقرۃ ۲/۲۳۵

---

❶ ..... البدائع ۳/ ۲۰۴، البحر الرائق ۴/ ۱۶۲، اللباب ۳/ ۸۵، الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۸۴۰، فتح القدیر ۳/ ۲۹۱، الشرح الصغیر ۲/ ۶۷۹، مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۰، المہذب ۲/ ۱۴۶، المغنی ۷/ ۵۸۰، غایۃ المنتہی ۳/ ۲۱۷ بدایۃ المجتہد ۲/ ۹۴۔

اور (عدت کے دوران) اگر تم ان عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔

نیز جو عورت عدت طلاق میں ہو اس کے لئے دن یا رات کو گھر سے باہر جانا جائز نہیں۔ اور پھر پیغام نکاح بھیج کر پہلے خاوند کو عداوت پر ابھارنا ہوتا ہے جبکہ متوفی عنہا زوجہا میں یہ بات نہیں ہوتی۔

دوم: تحریم نکاح...... بالاجماع اجنبی (یعنی دوسرے شخص) کے لئے معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۔۔۔ البقرۃ ۲/ ۲۳۵

اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔

نیز طلاق رجعی میں زوجیت باقی رہتی ہے اور تین طلاقوں کی صورت میں اور طلاق بائنہ کی صورت میں نکاح کے اثرات باقی رہتے ہیں۔

اگر عورت دوران عدت نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہوتا ہے کیونکہ پہلے خاوند کا حق باقی ہوتا ہے۔ اور نکاح ممنوع ہوتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے خاوند کے نکاح میں ہوتے ہوئے کوئی عورت نکاح پر نکاح کرے۔

البتہ صاحب عدت معتدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ عدت اس لئے مشروع ہوئی ہے تاکہ صاحب عدت کا حق محفوظ رہے اور اس کا نطفہ رحم میں محترم رہے تاہم صاحب سے بڑھ کر نطفے کا محافظ کوئی اور نہیں ہو سکتا، البتہ اگر عدت گزر جائے تو کوئی شخص بھی اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں یہ قاعدہ ہے۔ ہر وہ نکاح جو دخول کے بعد اضطراراً فسخ کر دیا جائے تو خاوند دوران عدت عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا اور ہر وہ نکاح جو زوجین میں سے کسی ایک کے اختیار سے فسخ کیا جائے بایں طور کہ انہیں خیار حاصل ہو تو خاوند عدت کے دوران نکاح کر سکتا ہے۔ ❶

سوم: گھر سے باہر جانے کی حرمت:

معتدہ کے گھر سے باہر جانے کے متعلق فقہاء کی آراء قریب قریب ایک جیسی ہیں۔

حنفیہ...... مطلقہ اور متوفی عنہا (بیوہ) کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: عاقلہ، بالغہ، آزاد، مسلمان مطلقہ معتدہ (جو نکاح صحیح کے بعد طلاق کی عدت گزار رہی ہو) پر دن کو رات کو باہر جانا حرام ہے برابر ہے کہ طلاق بائنہ ہو یا مغلظہ ہو یا رجعی ہو۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۔۔۔ الطلاق ۶۵/ ۱

ان عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود باہر جائیں، الا یہ کہ ان سے صریح کوئی بے حیائی سرزد ہو جائے۔

یعنی اگر معتدہ مرتکب زنا ہو جائے اور اس پر حد جاری کرنی ہو تو اسے باہر نکالا جا سکتا ہے، امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ نفس عورت کا باہر نکلنا ہی فاحشہ (بے حیائی) ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ ۔۔۔ الطلاق ۶۵/ ۶

---

❶ ... القوانین الفقهیه ۲۱۱.

انہیں وہیں رہائش دو جہاں تم سکونت پذیر ہو۔

سکونت دینے کا حکم گویا اخراج وخروج کی ممانعت ہے، طلاق مغلظہ اور بائنہ کی صورت میں بھی عموم نہی کی وجہ سے باہر نکلنا جائز نہیں، رحم میں پڑے نطفے کی حفاظت واجب ہے تاکہ نطفہ اختلاط کا شکار نہ ہو۔

جس عورت کا خاوند مر گیا ہو اور وہ عدت میں ہو وہ رات کو باہر نہیں جاسکتی، البتہ ضروریات زندگی کے لئے دن دن کو باہر جاسکتی ہے، کیونکہ معاش کی اسے بھی حاجت ہے، تاہم رات کو نہ جائے، برخلاف مطلقہ کے چونکہ اسکا نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

جو عورت طلاق ثلاث، بائنہ یا رجعی کی عدت میں ہو وہ مقررہ گھر سے باہر نہیں جاسکتی اور نہ سفر پر جاسکتی ہے حتیٰ کہ سفر حج پر بھی نہیں جاسکتی، خاوند بھی اسے سفر پر اپنے ساتھ نہیں لے کر جاسکتا۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ ......الطلاق ۱/۶۵

انہیں ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود باہر نکلیں۔

تاہم اگر اجازت کے بغیر عورت باہر جائے تو اس پر خاوند اسے مار سکتا ہے، الا یہ کہ عورت کو فتویٰ لینے کی ضرورت ہو اور خاوند عالم نہ ہو تو وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی باہر جاسکتی ہے۔

اگر نکاح فاسد کے بعد عورت عدت میں ہو تو وہ گھر سے باہر جاسکتی ہے چونکہ عدت کے احکام نکاح صحیح پر مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح نابالغ لڑکی یا مجنون لڑکی اگر فرقت رجعی کی عدت میں نہ ہو تو وہ بھی گھر سے باہر جاسکتی ہے، خواہ خاوند اسے اجازت دے یا نہ دے، چونکہ نابالغ اور مجنون لڑکی پر اللہ کا حق واجب نہیں نیز نابالغ کا رحم نطفہ میں مشغول نہیں ہوتا لہٰذا خاوند کا حق بھی باقی نہیں رہتا، البتہ خاوند مجنونہ کو باہر جانے سے روک سکتا ہے تاکہ رحم میں پڑا نطفہ محفوظ رہے اور اگر فرقت رجعی ہو تو نابالغ لڑکی خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جاسکتی چونکہ وہ اس کی بیوی ہوتی ہے۔

یہ ساری تفصیل حالت اختیار کی ہے جبکہ حالت ضرورت میں معتدہ گھر سے باہر جاسکتی ہے، اگر گھر سے باہر نکلنے کی اضطراری حالت پیش آجائے بایں طور کہ چھت گرنے کا اندیشہ ہو یا عورت کو اپنے سازوسامان کا خوف ہو، یا گھر کا کرایہ نہ رکھتی ہو تو اس وقت عورت باہر جاسکتی ہے، اگر جس جگہ عورت کو طلاق ہوئی وہاں رہتے اسے تکلیف ہوتی ہو تو دیہات میں منتقل ہوسکتی ہے لیکن خاوند کے ساتھ ہو، اگر اس جگہ عورت کو تکلیف نہ ہوتی ہو تو اس جگہ سے کہیں اور منتقل نہ ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ نے معتدہ کے لئے ضرورت اور عذر کی وجہ سے باہر جانا جائز قرار دیا ہے مثلاً چھت گرنے کا خوف ہو یا پانی میں ڈوبنے کا خوف ہو یا دشمن اور چور وغیرہ کا خوف ہو یا مکان کا کرایہ بڑھ گیا ہو وغیرہ۔

مالکیہ اور حنابلہ نے دن کے وقت اپنی حوائج پوری کرنے کے لئے معتدہ کے باہر جانے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے خواہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ۔ میری خالہ کو تین طلاقیں ہوگئیں وہ کھجوریں توڑنے گھر سے باہر جاتی تھی، اسی عرصہ میں اسے ایک شخص ملا اس نے باہر نکلنے سے منع کیا میری خالہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم باہر جایا کرو اور کھجوریں توڑ لیا کرو شاید ان کھجوروں میں سے تم صدقہ کرو یا کوئی اور بھلائی کا کام کرو۔ [1] مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ غزوہ احد میں بہت سارے مسلمان شہید ہو چکے تھے ان کی بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول: رات کو ہمیں (تنہائی کی وجہ سے) وحشت ہوتی ہے کیا ہم رات گزارنے ایک دوسری کے پاس چلی جایا کریں

[1]......رواہ النسائی وابو داؤد۔

اور صبح ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو واپس آ جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسری کے پاس رات کو باتیں کرتی رہو اور جب سونے کا ارادہ کرو تو اپنے گھروں کو واپس آ جاؤ۔

معتدہ کسی دوسرے گھر میں رات نہیں گزار سکتی اور رات کو بلا ضرورت باہر بھی نہیں جا سکتی، کیونکہ رات کو فساد کا گمان ہوتا ہے اس لئے اپنے ہی گھر میں رات بسر کرے بخلاف دن کے چنانچہ دن کو فساد کا اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے ضروریات پوری کرنے باہر جا سکتی ہے۔

اگر عورت (معتدہ) پر کوئی حق واجب ہو جیسے اس سے قسم لینی ہو یا اس پر حد جاری کرنی ہو اور وہ عورت پردہ نشین ہو تو حاکم ایلچی اس کے گھر پر بھیجے جو وہیں حق پورا کرے اگر عورت پردہ نشین نہ ہو تو وہ ادائے حق کے لئے باہر جا سکتی ہے۔ تاہم جونہی فارغ ہوا اپنے گھر واپس آ جائے۔

شافعیہ کے نزدیک مطلقاً معتدہ کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں، خواہ معتدہ رجعیہ ہو یا مطلقہ بائنہ ہو یا اس کا خاوند وفات پا گیا ہو۔ ہاں البتہ کسی عذر کی وجہ سے باہر نکل سکتی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ......الطلاق ۱/۶۵

ان عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ وہ خود باہر نکلیں الا یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔

فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں وحشت وتنہائی کے گھر میں ہوں کیا میں اپنے خاندان والوں کے گھر منتقل ہو جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے اسی گھر میں ٹھہری رہو جہاں تمہیں خاوند کی وفات کی خبر ملی ہے یہاں تک کہ مقررہ عدت پوری ہو جائے۔ چنانچہ فریعہ رضی اللہ عنہا نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کا خانہ بدوش معتدہ کے متعلق رائے ہے کہ وہ بالوں کے بنے ہوئے خیمے میں عدت گزارے گی جیسے شہری عورت گارے مٹی کے بنے گھر میں عدت گزارتی ہے، اور وہ وہیں عدت پوری کرے جہاں اس کا خاوند مرا ہو، اگر دوران عدت محلّہ کے سارے لوگ دوسری جگہ منتقل ہو جائیں تو وہ بھی ان کے ساتھ منتقل ہو جائے اور اگر آدھا محلّہ کہیں اور چلا جائے تو جو باقی رہیں ان کے ساتھ رہے، البتہ اگر اس کے گھر والے منتقل ہوں تو وہ بھی ان کے ساتھ منتقل ہو جائے کیونکہ خاندان سے الگ رہنے میں نہایت درجے کی وحشت ہوتی ہے۔

چہارم......زوجیت والے گھر میں رہائش کا ہونا اور نفقہ:

رہائش اور نفقہ دینا خاوند پر واجب ہے رہی بات معتدہ کی رہائش کی سو زوجیت والے گھر میں عدت گزارنا اس پر واجب ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ......الطلاق ۱/۶۵

اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے، ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

جس گھر کی عورتوں کی طرف نسبت کی گئی ہے اس سے مراد وہ گھر ہے جس میں وہ رہتی تھی، برابر ہے کہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو۔

---

❶......رواه الخمسة احمد واصحاب السنن الاربعة وصححه الترمذی عن فریعه (نیل الاوطار ۲۹۸/۶).

حنفیہ کہتے ہیں: مطلقہ رجعیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہے۔ اگر خاوند کا رجوع کرنے کا ارادہ ہو تو طلاق کے بعد استمتاع کر سکتا ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک طلاق رجعی سے استمتاع حرام نہیں ہوتا اور استمتاع رجعت ہوگا، اگر خاوند کا رجوع کرنے کا اردہ ہو تو وہ بلا اجازت بھی عورت کے پاس آ سکتا ہے۔

جبکہ طلاق بائن یا طلاق مغلظہ کی صورت میں مرد اور مطلقہ کے درمیان پردہ یا دیوار وغیرہ کا ہونا ضروری ہے جو دونوں کے درمیان آڑ بنا رہے یہ تب ہے جب گھر تنگ ہو اور اگر گھر وسیع ہو تو مطلقہ مستقل طور پر کسی ایک کمرے میں رہے، طلاق دہندہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا اور اس کے پاس رات بھی نہیں گزار سکتا۔ اگر گھر ایک کمرہ ہی ہو تو طلاق دہندہ نکل جائے تاوقتیکہ مطلقہ کی عدت پوری ہو جائے، چونکہ زوجیت والے گھر میں عدت گزارنا شرعاً واجب ہے تاکہ خلوت رہے۔

غلطی کا ازالہ..... آج کل یہ رواج چل پڑا ہے کہ مطلقہ زوجیت والے گھر سے نکل جاتی ہے اور عموماً والدین کے ہاں چلی جاتی ہے اس رواج کا کوئی اعتبار نہیں چونکہ یہ رواج نص صریح سے متصادم ہے۔ چنانچہ آیت گزر چکی ہے کہ۔

لاتخرجوھن من بیوتھن۔ (طلاق ۱/۶۵)

لیکن حنفیہ کے نزدیک گھر کا تنگ ہونا یا خاوند کا فاسق ہونا عذر سمجھا گیا ہے اس لئے مطلقہ اس گھر سے نکل سکتی ہے، البتہ خاوند کسی اور گھر کو متعین کر دے جہاں مطلقہ عورت عدت گزارے، اگر خاوند وفات پا گیا ہو تو خود عورت گھر کی تعیین کر سکتی ہے، اسی طرح اگر مطلقہ پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہو تو یہ بھی حنابلہ کے نزدیک عذر ہے اور مطلقہ کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے۔

معتدہ گھر کے صحن میں نہیں نکل سکتی جہاں اجنبیوں کے گھر بھی ہوں اور غیروں کی نظر پڑتی ہو، کیونکہ ایسے صحن میں نکلنا سڑک پر نکلنے کے حکم میں ہے، اگر اس صحن کے آس پاس غیروں کے مکانات نہ ہوں بلکہ اپنے مکان کا مخصوص صحن ہو تو اس میں معتدہ نکل سکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں [1] مرد معتدہ کے ساتھ خاوند کی طرح رہے البتہ اس سے وطی نہیں کر سکتا اگر عورت کو طلاق بائنہ ہوئی ہو تو اس کی عدت مذکورہ طریقے پر کیونکہ اس کے ساتھ اختلاط حرام ہے اور وطی زنا ہے، حرام کا اثر حکم شرعی پر نہیں ہوتا، جیسے مزنی بہا۔ چنانچہ زنا پر حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا، اگر عورت کو طلاق رجعی ہوئی ہو تو اس کی عدت پوری نہیں ہوگی کیونکہ شبہ قائم باقی ہے کیونکہ عدت براءت رحم کے لئے ہوتی ہے

معتدہ کا نفقہ: خاوند پر واجب ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱..... اگر معتدہ مطلقہ رجعیہ ہو تو اس کا جملہ نفقہ یعنی کھانا، کپڑے اور رہائش بالاتفاق خاوند پر واجب ہے کیونکہ مطلقہ رجعیہ جب تک عدت میں رہے وہ بیوی ہی تصور کی جاتی ہے۔

۲..... اور اگر معتدہ مطلقہ بائنہ ہو تو پھر اگر وہ حاملہ ہو تو اس کے لئے ہر طرح کے اخراجات واجب ہوں گے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ ...... الطلاق ۶/۶۵

اگر یہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ حمل وضع کر دیں۔

اور اگر مطلقہ بائنہ حاملہ نہ ہو تو بھی حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے ہر طرح کے اخراجات واجب ہوں گے کیونکہ وہ عدت گزارنے کے لئے حق خاوند کی خاطر رکی ہوتی ہے جسے اصطلاح میں احتباس کہتے ہیں لہٰذا خاوند پر اخراجات واجب ہوں گے۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک اس عورت کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ فاطمہ بنت قیس کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی تھی اور سے

---

[1] مغنی المحتاج ۳/ ۳۹۳۔

طلاق بائنہ دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے خرچہ اور رہائش واجب قرار نہیں دی، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت کے لئے نفقہ اور سکنی اس وقت واجب ہے جب خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہو۔ ❶

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک معتدہ مطلقہ بائنہ کے لئے فقط رہائش واجب ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ......الطلاق ۶۵/۶

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو جہاں تم رہتے ہو۔

چنانچہ آیت میں مطلقاً سکنیٰ واجب کیا گیا ہے برابر ہے کہ معتدہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ چنانچہ کھانے اور کپڑے کے اخراجات واجب نہیں ہیں، چنانچہ آیت کریم ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ......الطلاق ۶۵/۶

اگر یہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وضع حمل کریں۔

چنانچہ آیت کا مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غیر حاملہ کے لیے نفقہ واجب نہیں ہے۔

۳.....اگر معتدہ وفات ہو تو بالاتفاق اس کے لئے نفقہ واجب نہیں۔ کیونکہ زوجیت کا تعلق موت سے منقطع ہو چکا۔ لیکن اگر گھر خاوند کی ملکیت ہو تو مالکیہ نے مدت عدت اسی گھر میں پوری کرنی واجب قرار دی ہے۔

۴.....اگر نکاح فاسد یا نکاح شبہ کے بعد عورت عدت گزار رہی ہو تو جمہور کے نزدیک اس کے لئے نفقہ واجب نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں اس کے لئے نفقہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد دوران عدت بھی نفقہ نہیں ہوگا۔

البتہ مالکیہ نے اس صورت میں نفقہ واجب قرار دیا ہے عورت نکاح فاسد میں حاملہ ہو جائے چنانچہ واطی (صحبت کرنے والے) پر نفقہ واجب ہوگا۔

پنجم: سوگ.....فقہی اصطلاح میں زیب و زینت، خوشبو، سرمہ، تیل وغیرہ کے چھوڑنے کو سوگ کہا جاتا ہے، سوگ بدن کے ساتھ مخصوص ہے تاہم سوگ گھریلو آرائش، بچھونے چٹائیاں اور پردے وغیرہ کی آرائش کے مانع نہیں ہے۔ اسی طرح عورت ریشمی کپڑے پر بیٹھ بھی سکتی ہے۔

کسی قریبی رشتہ دار مثلاً باپ، بھائی ماں کی وفات پر صرف تین دن تک سوگ کرنا عورت کے لئے مباح ہے، خاوند کے علاوہ کسی اور میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے چنانچہ حدیث ہے۔ "کسی مسلمان عورت جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں البتہ عورت اپنے خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ ❷

قریبی رشتہ داروں پر سوگ کرنے سے خاوند اپنی بیوی کو منع کر سکتا ہے کیونکہ سوگ ترک زینت ہے اور زیب و زینت خاوند کا حق ہے۔

سوگ کی مدت.....قریبی رشتہ دار پر سوگ کرنے کی مدت تین دن ہے اور خاوند پر سوگ کرنے کی مدت چار ماہ دس دن ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک خاوند پر سوگ کرنا مخصوص ہے۔ عاقلہ بالغہ مسلمان عورت کے ساتھ اگرچہ وہ باندی ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم نابالغ ذمیہ لڑکی پہ سوگ نہیں کیونکہ وہ غیر مکلف ہے ام ولد پہ سوگ نہیں چونکہ وہ بیوی نہیں ہوتی۔ گویا سوگ بیوی کے ساتھ مخصوص ہے۔

جمہور کے نزدیک سوگ ہر اس عورت کے پر ہے جو نکاح صحیح کے تحت بیوی بنی ہو، خواہ وہ نابالغ ہو یا مجنونہ ہو یا صحیح مسلمان ہو یا کتابیہ، حنابلہ کی رائے میں باندی پر بھی سوگ ہے، جبکہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک باندیوں پر سوگ نہیں ہے۔ کیونکہ باندیاں بیویاں نہیں ہوتی ہیں۔

---

❶ .....رواہ احمد والنسائی (نیل الاوطار ۶/۳۰۵) ❷ رواہ البخاری ومسلم عن ام سلمہ (نیل الاوطار ۶/۲۹۲)۔

بیویوں کے علاوہ کسی اور عورت پر سوگ نہیں۔ جیسے مثلاً ام ولد جس کا آقا فوت ہو چکا ہو یا وہ باندی جس سے اس کا مالک وطی کرتا ہو، ایسی عورت جس کے ساتھ شبہ کی بنا پر وطی ہو جائے، مزنی بہا اور نکاح فاسد کے تحت منکوحہ پر بھی سوگ نہیں ہے، کیونکہ نص حدیث میں سوگ بیوی کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، نکاح فاسد کی عورت حقیقتاً بیوی نہیں ہوتی۔

تاہم بالاتفاق مطلقہ رجعیہ پر سوگ نہیں بلکہ وہ بناؤ سنگھار کرے تاکہ اس کا خاوند اس سے رجوع کرے۔ اسی طرح بالاتفاق ایسی عورت پر بھی سوگ واجب ہے جس کا خاوند مر گیا ہو۔ چنانچہ حدیث ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جب اپنے والد ابوسفیان کی وفات کی خبر ہوئی تو تین دن تک سوگ میں رہیں پھر خوشبو منگوائی اور کہا: بخدا: مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس پر حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، ہاں البتہ خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

حنفیہ نے مطلقہ بائنہ پر بھی سوگ واجب قرار دیا ہے، کیونکہ سوگ حق شرع ہے اور زوجیت نعمت خداوندی ہے اس کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس ضروری ہے جیسے متوفی عنہا۔

جمہور نے مطلقہ بائنہ پر سوگ واجب قرار نہیں دیا بلکہ محض مستحب قرار دیا، کیونکہ خاوند نے اسے طلاق کے ذریعہ اذیت پہنچائی ہے، اس پر اظہار افسوس کیسا۔

امور سوگ......سوگ میں مندرجہ ذیل امور عورت کو ترک کرنے پڑتے ہیں۔

۱......زیورات نہ پہنے اگر چہ انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو خواہ سونے کی یا چاندی کی، ریشم کے کپڑے نہ پہنے، بعض شافعیہ مثلاً ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے زیورات پہننے کو جائز قرار دیا ہے، حنابلہ نے سفید ریشم پہننے کو جائز قرار دیا ہے۔

۲......بدن میں خوشبو لگانا اور کنگھی کرنا، کپڑوں میں بھی خوشبو نہیں لگا سکتی چونکہ خوشبو لگانے میں ترفہ اور زیب وزینت کا سامان ہے۔

۳......خوشبودار تیل اور غیر خوشبودار تیل بھی نہ لگائے چونکہ تیل لگانے سے بال سنور جاتے ہیں اور زینت ہو جاتی ہے، نیز تیل خواہ جو بھی ہو اس میں خوشبو ہوتی ہے۔

۴۔ آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے کیونکہ سرمہ سے آنکھوں کی تزئین ہو جاتی ہے البتہ فقہاء نے صرف رات کو سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے۔

۵......مہندی کی جملہ اقسام وانواع ممنوع ہیں، کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتدہ کو مہندی لگانے سے منع کیا ہے۔ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۶......خوشبو سے معطر کپڑے نہ پہنے سرخ یا زرد، رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے۔ اس کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کا خاوند مر چکا ہو وہ عورت عصفر بوٹی او مشق مٹی میں رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، زیورات نہ پہنے، مہندی نہ لگائے، سرمہ نہ لگائے۔ (۱) ایک اور روایت میں ہے: اور وہ عورت تیل لگا کر کنگھی نہ کرے، مہندی نہ لگائے، چونکہ مہندی خضاب کی ایک قسم ہے۔ (۲)

ام عطیہ کہتی ہیں: ہمیں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا، البتہ خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ ضروری قرار دیا گیا ہمیں سرمہ لگانے، خوشبو لگانے اور رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ یمنی چادر عصب کی اجازت دی گئی۔ (۳)

---

(۱)......رواہ احمد ابوداؤد والنسائی عن ام سلمہ (نیل الاوطار ۶/ ۲۹۶) (۲) رواہ البخاری و مسلم عن ام عطیہ۔ (۳) المحلی ۱۰/ ۳۳۵، مسئلہ نمبر ۲۰۰۰۔

اگر پہلے سے عورت کی کوئی عادت ہو اور سوگ کی وجہ سے عادت پوری نہ کر سکتی ہو تو ضرورت کے پیش نظر اپنی عادت پوری کر سکتی ہے، کیونکہ ضرورات سے محظورات مباح ہو جاتے ہیں۔

کالے رنگ کا کپڑا پہننا عورت کے لئے مباح ہے یہ اباحت چاروں مذاہب میں ہے، جبکہ ظاہریہ کے نزدیک سرمہ لگانا جائز نہیں اگر چہ ضرورت کے پیش نظر ہو، سیاہ کپڑا بھی نہ پہنے، سرخ اور زرد کپڑا بھی نہ پہنے۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر سیاہ کپڑے پہننے سے عورت کی زینت وزینت ہوتی ہو تو وہ بھی نہ پہنے۔

جمہور کے نزدیک سوگ والی عورت گھریلو حمام میں داخل ہو سکتی ہے۔ صابن کے ساتھ سر دھو سکتی ہے، مالکیہ نے حمام میں داخل ہونا بوجہ ضرورت جائز قرار دیا ہے۔

سوگ والی عورت ناخن کاٹ سکتی ہے، بغلوں کے بال اور زیر ناف بال اکھاڑ سکتی ہے، اور حیض کے بعد اندام نہانی میں خوشبو رکھ سکتی ہے۔

ترک سوگ کا حکم.....جس عوت کا خاوند مر گیا ہو وہ اگر سوگ ترک کر دے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بشرطیکہ اس کی حرمت ترک کا علم ہو جبکہ حنفیہ کے نزدیک نابالغ لڑکی اور مجنونہ کا ولی اس کے ترک سوگ سے گناہ گار ہوگا، گویا سوگ نہ کرنے پر عورت کی عدت گناہگاری کی حالت میں پوری ہوگی۔

ششم.....عدت کے دوران پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا ثبوت:

حنفیہ کے نزدیک مطلقہ رجعیہ اگر دو سال یا اس سے زاید عرصہ میں بچہ جنم دے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا یعنی وہ بچہ طلاق دہندہ کا بیٹا ہوگا، کیونکہ طہر کی مدت طویل ہونے کا احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوران عدت علوق ہوا ہو، جب تک کہ عورت عدت کا اقرار نہ کرے اور مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہو۔

جبکہ مطلقہ بائنہ (مبتوتہ) کے بچے کا نسب بغیر دعویٰ کے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت نے عدت پوری ہو جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور عورت دو سال سے کم عرصہ میں بچہ لائے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ بوقت طلاق حمل قائم ہو، حنفیہ کے نزدیک حمل دو سال سے زیادہ بطن میں نہیں رہتا اگر فرقت کے وقت کے بعد ٹھیک دو سال پورے ہونے پر عورت بچہ لائی تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

یعنی وہ طلاق دہندہ کا بچہ نہیں ہوگا بلکہ کسی اور کا ہوگا۔ کیونکہ اس کا حمل طلاق کے بعد ٹھہرا ہے لہٰذا طلاق دہندہ سے نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام تھا، الا یہ کہ نسب کا خاوند دعویٰ کرے تو سب ثابت ہوگا۔

جس عورت کا خاوند وفات پا گیا ہو اور وہ بعد از وفات دو سال کے عرصہ کے اندر اندر بچہ لائے تو اس کا نسب متوفی سے ثابت ہوگا اگر چہ وہ عورت غیر مدخول بہا ہو۔

اگر معتدہ عدت پوری ہو جانے کا اعتراف کرے پھر چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ لائے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، گویا عدت پوری ہونے کے متعلق عورت نے جھوٹ بولا اور اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

یہ احکام دوسرے مذاہب پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے اور مالکیہ کے نزدیک پانچ سال۔

ہفتم.....عدت میں وراثت کا ثبوت:

اگر عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو پھر زوجین میں سے کوئی ایک عدت گزرنے سے پہلے مر جائے تو جو فریق زندہ ہوگا وہ میت کا وارث

بننے کا برابر ہے کہ طلاق حالت مرض میں دی گئی ہو یا حالت صحت میں، کیونکہ طلاق رجعی کی صورت میں زوجیت حکماً باقی رہتی ہے۔

اگر حالت صحت میں طلاق بائن یا طلاق ثلاث دی گئی ہو اور عدت کے دوران زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے تو دوسرا فریق میت کا وارث نہیں بنے گا۔

اگر طلاق بائن یا طلاق ثلاث حالت مرض میں دی گئی ہو، اگر طلاق عورت کی رضامندی سے دی گئی ہو تو عورت بالاجماع وارث نہیں بنے گی اور اگر طلاق اس کی رضامندی سے نہ دی گئی ہو تو جمہور کے نزدیک وارث بنے گی کیونکہ صحابہ کی ایک جماعت مثلاً عمر، عثمان، علی، عائشہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے، اس طلاق کو طلاق فرار کہا جاتا ہے، اس کا بیان گزر چکا ہے، شافعیہ کے نزدیک عورت وارث نہیں ہوگی کیونکہ نکاح طلاق بائنہ یا ثلاثہ کے ذریعہ زائل ہوگا۔

ہشتم۔۔۔ عدت میں طلاق کا لحوق:

اگر مرد نے ایک طلاق دی اور عورت اس کے بعد عدت گزارنے بیٹھ گئی پھر کچھ عرصہ بعد مرد نے دوسری طلاق دی پھر تیسری طلاق دی تو یہ والی دو طلاقیں بھی پہلی گزری ہوئی عدت کے ساتھ شامل ہو جائیں گی گویا پہلی طلاق کے بعد عدت کا شمار کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل طلاق رجعی اور طلاق بائن کی بحث میں گزر چکی ہے۔

استبراء:

استبراء کا معنی۔۔۔طلب برأت ہے، شرعاً باندی کا مملوکہ ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ انتظار میں رہنا یا مزنی بہا (زانیہ) کا کچھ عرصہ انتظار میں رہنا تاکہ رحم کی برأت ہو جائے۔ ❶

استبراء کا حکم۔۔۔بالاتفاق استبراء واجب ہے تاکہ مختلف مردوں کے نطفے خلط نہ ہوں اور پیدا ہونے والے بچے کا نسب اشتباہ میں نہ پڑے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے استبراء کا انکار کیا تو بعض فقہاء کی رائے میں وہ کافر ہو گیا۔ کیونکہ استبراء کے وجوب پر اجماع ہے، ❷ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا: کسی حاملہ عورت کے ساتھ جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ وضع حمل کرے۔ اور غیر حاملہ کے ساتھ بھی جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کا ایک حیض گزر جائے۔ ❸ ایک اور حدیث ہے۔ ہرگز کوئی شخص ایسی عورت کے ساتھ جماع نہ کرے جو کسی دوسرے کے نطفے سے حاملہ ہو ❹ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ کسی قیدی عورت کے ساتھ جماع نہ کرے یہاں تک کہ اس کے رحم کا استبراء نہ ہو جائے۔ ❺

اسباب استبراء۔۔۔فقہاء نے استبراء کے مختلف اسباب ذکر کیے ہیں۔

حنفیہ کی رائے۔۔۔جو باندی ملکیت میں ہو تو اس پر حاصل ملکیت کی بنا پر آقا اس کے ساتھ صحبت کرتا ہو تو اس باندی پر استبراء رحم واجب ہوگا خواہ باندی آقا کو وراثت میں ملی ہو یا اس نے خریدی ہو یا قیدیوں سے ملی ہو یا صدقہ میں ملی ہو یا وصیت میں ملی ہو یا بدل خلع میں ملی ہو یا صلح، بدل کتابت وغیرہ میں ملی ہو۔ ❻

---

❶۔۔۔الدر المختار ۵/ ۲۶۴، مغنی المحتاج ۲/ ۴۰۸، الشرح الصغیر ۲/ ۲۷۷، نکاح صحیح میں لائی ہوئی بیوی کو جب طلاق ہو جائے تو اس کے انتظار میں بیٹھے رہنے کو عدت کہا جاتا ہے جبکہ باندی اور زانیہ کے انتظار کو استبراء کہا جاتا ہے تاکہ یہ یقین ہو جائے کہ اس کا رحم کسی قسم کے حمل میں مشغول نہیں۔ ❷حاشیة ابن عابدین ۵/ ۲٦۴ ❸رواہ احمد و أبوداؤد عن ابی سعید الخدری (نیل الاوطار ٦/ ۳۰۵) ❹رواہ احمد عن ابی ھریرة ❺رواہ احمد والترمذی وابوداؤد عن رویفع بن ثابت ❻الدر المختار وحاشیة ابن عابدین ۵/ ۲٦۵

اسقاط استبراء کا حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اس کی صورت یہ ہے کہ خریدار کو اگر معلوم ہو کہ بائع نے باندی کے ساتھ طہر میں جماع نہیں کیا، خریدار پہلے، باندی کے ساتھ نکاح کرے پھر اس پر قبضہ مکمل کرے اور پھر اسے خرید لے یوں استبراء کے بغیر بھی خریدار کے لئے حلال ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں ❶ استبراء کے دو اسباب ہیں۔ جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہیں۔ یعنی ملک اور زوال ملک۔ پھر شافعیہ نے کہا کہ استبراء کا ایک سبب اور ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص دوسرے کی باندی کو اپنی باندی سمجھ کر جماع کر لے یعنی وطی شبہ بھی سبب ہے۔

ملک...... یعنی کوئی شخص باندی کا مالک بنے۔ مثلاً باندی کو خرید لے، یا جنگی قیدیوں میں سے حصہ میں ملے یا کسی عیب کی وجہ سے باندی واپس کر دی جائے تو استبرائے رحم واجب ہوگا۔

زوال ملک...... اس کا حاصل یہ ہے کہ باندی کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا ہو یا اس کا آقا مر جائے تو استمتاع زائل ہوگیا اس کی پاداش میں استبرائے رحم واجب ہوگا۔

حنابلہ نے استبرائے رحم کے تین اسباب ذکر کئے ہیں۔ ❷

۱..... باندی کی ملکیت حاصل ہو خواہ خرید وفروخت سے یا ہبہ سے یا وراثت سے یا جنگی قیدیوں سے یا وصیت وغیرہ سے۔

۲. اگر باندی کے ساتھ مالک نے وطی کی ہو پھر وہ اسے فروخت کرنا چاہے یا اس کی شادی کروانا چاہے تو استبراء ضروری ہوگا۔

۳..... جب کوئی شخص ام ولد کو آزاد کر دے یا باندی کو آزاد کرے جس کے ساتھ وطی کرتا ہو یا مالک مر جائے تو باندی پر استبرائے رحم واجب ہوگا۔

مالکیہ نے استبراء کے چار اسباب ذکر کیے ہیں۔ ❸

۱۔ حصول ملک...... خواہ خریداری سے ہو یا ہبہ سے ہو وراثت سے یا غنیمت سے یا کسی اور وجہ سے۔ تاہم مالکیہ کے نزدیک استبراء چار شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

اول ..... یہ کہ باندی کو برأت رحم کا علم نہ ہو تو استبرائے رحم واجب ہوگا، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی رہن میں رکھ دی اور عرصہ رہن کے دوران اسے حیض آ گیا اور وہ اپنے مالک کے پاس آ گئی ہو پھر مالک اسے فروخت کر دے تو باندی پر استبراء واجب نہیں ہوگا۔

دوم..... حصول ملک کی حالت میں باندی کے ساتھ وطی کرنا مباح نہ ہو جیسے مثلاً ایک شخص نے باندی کے ساتھ شادی کر لی ہو اور پھر وہ اسے خرید لے یہ صورت مذاہب میں متفق علیہ ہے۔

سوم..... مستقبل میں باندی کے ساتھ وطی حرام نہ ہو جیسے نسبی یا رضاعی پھوپھی خالہ اور بیوی کی ماں، چنانچہ اس باندی کے ساتھ مالک کی وطی حلال ہی نہیں ہوتی لہٰذا استبراء واجب نہیں۔

چہارم..... باندی وطی کی طاقت رکھتی ہو، چنانچہ کمسن لڑکی مثلاً پانچ سال کی لڑکی پر استبرائے رحم نہیں کیونکہ اس کا رحم دوسرے کے نطفہ کے ساتھ مشغول نہیں ہوگا۔

۲۔ عتق...... یا مالک کی موت سے ملک کا زائل ہونا بھی استبرائے رحم کا سبب ہے یہ سبب متفق علیہ ہے

۳۔ زنا...... جب آزاد عورت اپنی مرضی سے مرتکب زنا ہو یا جبراً اس کے ساتھ زنا کیا جائے تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے

❶ ... مغنی المحتاج ۳/ ۴۰۸، المہذب ۲/ ۱۵۳ ❷ کشاف القناع ۵/ ۵۰۷ ❸ القوانین الفقہیۃ ۲۴۰، الشرح الصغیر ۲/ ۷۰۱۔

استبرائے رحم کے لئے تین حیض گزارنے ہوں گے، باندی ایک حیض گزارے گی جبکہ حاملہ کا استبرائے رحم وضع حمل سے ہوگا۔

۴۔سوءظن...... جو عورت گھر سے باہر گھومتی پھرتی ہو اور اس کے متعلق سوءظن ہو جائے تو مشہور مذہب کے مطابق اس کا استبرائے رحم واجب ہے، اگر اسے حیض آتا ہو تو اس کا استبراء ایک حیض ہوگا، اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو نو مہینے اس کا استبراء ہوگا اور اگر کم سن یا آئسہ (بوڑھی عورت جسے حیض نہ آتا ہو) ہو تو اس کا استبراء تین مہینے ہوگا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مشہور ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا استبراء ایک مہینہ ہے اگر حاملہ ہو تو وضع حمل استبراء ہوگا۔

استبراء کی ایک اور قسم اور مدت استبراء...... جو عورت مدت استبراء میں ہو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے ساتھ استمتاع بوسہ لینا نظر شہوت سے دیکھنا جائز ہے۔ ❶

شافعیہ نے وطی کے علاوہ استمتاع جائز قرار دیا ہے لیکن اس باندی کے ساتھ جو مال غنیمت میں حصہ کے طور پر ملی ہو۔

وطی وغیرہ کے ناجائز ہونے کی دلیل گذشتہ حدیث ہے کہ خبردار! حاملہ عورت کے ساتھ وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وضع حمل کرلے اور جو حاملہ نہ ہو اس کے ساتھ بھی وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس کا ایک حیض گذر جائے۔

جس عورت کو حیض آتا ہو بالاتفاق اس کا استبراء حیض سے ہوگا اور جو حاملہ ہو اس کا استبراء بالاتفاق وضع حمل ہوگا، البتہ نابالغ لڑکی آئسہ اور وہ عورت جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو کے استبراء کے متعلق اختلاف ہے۔ ❷

حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب...... یہ کہ نابالغ لڑکی، آئسہ اور جس عورت کا حیض منقطع ہو چکا ہو کے استبرائے کی مدت ایک ماہ ہے چونکہ مہینہ آزاد عورت اور مطلقہ باندی کے حق میں حیض کے قائم مقام ہے لہٰذا مہینہ استبراء کے بھی قائم مقام ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب...... یہ ہے کہ یابالغ لڑکی اور آئسہ کے استبرائے کی مدت تین مہینے ہیں، چونکہ ہر مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہوگا، آزاد آئسہ تین حیض کی بجائے تین ماہ گزارے گی، کشاف القناع میں ہے کہ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء ایک مہینہ سے ہوگا۔

تاخیر حیض...... مرض، رضاعت وغیرہ کی وجہ سے جس عورت کا حیض عادت سے مؤخر ہو جائے یا عورت مستحاضہ ہو جائے اور اسے حیض کی تمیز ہی نہ رہے تو وہ مالکیہ کی رائے کے مطابق دس مہینے گزارے، جن میں سے نو مہینے حمل کے اور ایک مہینہ حیض کا بشرطیکہ عورت کو حیض نہ آتا ہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو اور اگر عورت کو حیض نہ آنے کا سبب معلوم ہو کہ اسے بیمار رہنے کی وجہ سے حیض نہیں آرہا یا رضاعت کی وجہ سے حیض نہیں آرہا تو وہ برابر استبراء میں رہے گی تاوقتیکہ اسے حیض آنا شروع آجائے۔ چنانچہ وہ ایک حیض سے استبرائے رحم کرے گی، ورنہ آئسہ عورت کی طرح صبر کرے اور تین مہینے گزارے۔

زنا اور نکاح باطل کی وجہ سے عدت؟...... اگر شادی شدہ عورت زنا کرلے یا کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرلے جو بالاتفاق باطل ہو مثلاً اس عورت کے ساتھ نکاح کرلے جو اس پر حرام ہو، یا ایسی عورت سے نکاح کرلے جو عدت گزار رہی ہو یا دوسرے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرلے، حالانکہ ناکح کو معلوم ہو کہ یہ دوسرے شخص کے نکاح میں ہے پھر وہ اس کے ساتھ جماع بھی کرلے۔

اگر اس حالت میں عورت حاملہ ہو تو وہ اپنے حقیقی خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وضع حمل کرلے یہ مذاہب کا اتفاقی

❶......الدر المختار ۵/ ۲۶۵، القوانین الفقهية ص ۲۴۰، مغنی المحتاج ۳/ ۴۱۲، کشاف القناع ۵/ ۵۰۴ ❷الدر المختار ۵/ ۲۶۵، القوانین الفقهية ۲۴۰، الشرح الصغير ۲/ ۲۰۵، مغني المحتاج ۳/ ۴۸، کشاف القناع ۵/ ۵۱۱، المغنى ۷/ ۴۹۹، المهذب ۲/ ۱۰۴۔

مسئلہ ہے۔

اور اگر عورت حاملہ نہ ہو تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک زنا اور نکاح باطل کی صورت میں عدت واجب نہیں ہوتی کیونکہ نکاح باطل بھی زنا کے حکم میں ہوتا ہے، البتہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حیض استبراء کے طور پر، مستحب قرار دیا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وطی کے بعد تین حیض استبراء کے ظور پر گزارنا واجب ہے، برابر ہے کہ خاوند نے چھوڑ دی ہو یا وہ مر گیا ہو، مدت استبراء کے دوران عورت کے ساتھ وطی کرنا خاوند پر حرام ہے۔

البتہ اگر ایک شخص نے دوسرے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کر لیا اور اسے علم بھی ہو کہ یہ دوسرے شخص کی منکوحہ ہے پھر وہ اس کے ساتھ صحبت بھی کر لے اس کے بعد دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی ہو تو بالاتفاق اس عورت پر عدت واجب ہے کیونکہ عقد نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد میں اگر دخول ہو جائے تو بالاتفاق عدت واجب ہوتی ہے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد ۹ کا ترجمہ آج مورخہ ۱۰ اپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار بعد از نماز عشاء مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول عام بخشے۔

وما توفیقی الا باللہ۔ هو ربنا ولا رب غیرہ

فقط: ابو عبد اللہ محمد یوسف تنولی

......۞......۞......۞......

